هدایات الرشید

الی افحام العنید

تردید شیعیت پر لاجواب کتاب

ہدایات الشیعہ

تألیف

قطب العالم قدوۃ الفقہاء والمحدثین سلطان المحققین والمناظرین

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس اللہ سرہ العزیز



المکتبۃ المدنیۃ

اردو بازار ○ لاہور

هدایات الرشید

الی افحام العنید

تردید شیعیت پر لاجواب کتاب

ہدایات الشیعہ

تالیف
قطب العالم قدوۃ الفقہاء والمحدثین سلطان المحققین والمناظرین
حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس اللہ سرہ العزیز



المکتبۃ المدنیۃ
اردو بازار ○ لاہور

فہرست مضامین ہدایات الرشید الیٰ افحام العنید

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدك حمدا كثيرا طيبا مباركا يا من هو متصف بالمجد والعلو وصفات الكمال ومنزه عن شوب النقائص والقبائح والزوال تنزهت ذاته وتقدست اسمائه وصفاته لا اله الا هو الكبير المتعال الذي انزل علينا احسن الحديث كتابا متشابها مثاني تقشعر منه الجلود منه آيات محكمات هن ام الكتاب يهدي بها الى دار الخلود قرانا لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد فرقانا بين الحق والباطل ونورا وهدى للناس فالذين كفروا بآيات الله لهم عذاب شديد فاكمل لنا الدين القويم واتم به نعمه الظاهرة والباطنة علينا وعلى عباده المومنين ونصلي ونسلم عدد خلقه وزنة عرشه ومداد كلماته دائما متواليا على رسوله وخير خلقه سيدنا ومولانا محمد سيد المرسلين خاتم النبيين قائد الغر المحجلين رسول الثقلين امام القبلتين الذي عصمنا عن السبل المتفرقة العوجاء وشرع لنا الشريعة الغراء وهدانا الملة الحنفية السمحة السهلة البيضاء التي ليلها ونهارها سواء وعلى آله واصحابه العروة الوثقى للمستمسكين ونجوم الهدى للمستهدين خصوصا منهم من توموا الأكد وداوم العهد وكان مكانهم في الاسلام لعظيم والمصائب بهوى الاسلام لجرح شديد لشهادة خاتم الخلفاء الراشدين بل كانوا كمثل نوح وابراهيم من النبيين على لسان سيد المرسلين وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين - اما بعد :-

بندہ حافظ ابو ابراہیم خلیل احمد بن شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی بن شاہ قطب علی رحمۃ اللہ علیہم ساکن قصبہ انبٹھہ ضلع سہارنپور جس کو فخر تلمذ دو اور تین واسطوں کے ساتھ حضرت خاتم المحدثین والاستاد البریہ مؤلف تحفہ اثنا عشریہ سے حاصل ہے ارباب دین و دیانت و فہم و فراست و عقل و کیاست کی خدمات بابرکات میں عرض کرتا ہے۔ کہ جو فیما بین اس عاجز کے اور سید فرزند حسین صاحب شیعی اثنا عشری کے مسائل مختلف فیہا میں تحریری گفتگو ہو رہی ہے۔ اس کا اصل قصہ یہ ہے کہ میرے عنایت فرما پیرجی عنایت احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ اور مولوی ابو الطیب غفر اللہ لہ نے ایک سوال متعلق مسئلہ خلافت محررہ سید فرزند حسین صاحب جو حسب عادت حضرات شیعہ متضمن کلمات طنز و تعریض آمیز و طعن خیز نسبت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم و دیگر اکابر اہلسنت رحمۃ اللہ علیہم تھا۔ بالغرض تحریر جواب میرے پاس بھیجا قطع نظر اخلاق و تہذیب کے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ میر صاحب کو اپنی مذہبی محرکات کی بھی خبر نہیں ہے۔

شیعہ کے نزدیک مخالفوں کے بزرگوں کو بُرا کہنا حرام ہے

کیونکہ محدثین و مفسرین شیعہ نے ائمہ رضوان اللہ علیہم سے بروایات صحیحہ نقل فرمایا ہے کہ اعداء کی مثالب بیان کرنا اور ان کی نسبت طنز و تعریض کرنا اور سب و شتم کرنا حرام ہے اور اس کا مرتکب ائمہ رضی اللہ عنہم کی زبان مبارک سے ملعون ہے۔ محمد بن مرتضیٰ اپنی تفسیر صافی میں زیر آیت وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ الخ نقل کرتے ہیں

وفی الکافی عنہ (ای عن الصادق) فی حدیث و ایاکم وسب اعداء اللہ حیث یسمعونکم فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم وفی الاعتقادات عنہ انہ قیل انا نری فی المسجد رجلا یعلن بسب اعدائکم ویسبھم فقال ما لہ لعنہ اللہ یعرض بنا قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ الآیۃ (تفسیر صافی منہ ۱۸۱)

کافی میں حضرت صادق سے ایک حدیث میں مروی ہے اپنے آپ کو بچی[؟] خدا کے دشمنوں کو بُرا کہنے سے کیونکہ وہ تم سے سن کر اللہ کو بُرا کہیں گے اپنی جہل و عدوت کے سبب۔ اور اعتقادات میں حضرت صادق سے مروی ہے۔ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ہم دیکھتے ہیں مسجد میں مرد کو تمہارے دشمنوں کو علی الاعلان سب و شتم کرتا ہے فرمایا اس کو کیا ہوا خدا اس پر لعنت کرے ہم پر تعریض کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا و لا تسبوا الذین یدعون الخ

علاوہ ازیں قبل خروج امام حجاب تقیہ کو رفع کرنا اور مذہب تشیع کو برملا کہنا دائرہ اسلام سے خارج ہونا ہے چنانچہ اعتقادات صدوق سے یہ امر مثل روز روشن ثابت ہے اور روایات مباحث آئندہ میں بضمن محل مناسب مذکور ہوں گی۔

یہ امر یقینی ہے کہ یہ جھگڑا اور نزاع جو اسلام کے دو عظیم فرقوں میں صدہا سال سے چلا آتا ہے جس نے باہم دونوں فرقوں میں ایسا تفرقہ ڈال دیا جیسا کفر و اسلام میں واقع ہے بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر اس کا اس طرح طے ہونا ممکن نہیں اور میدان مناظرہ تحریری نہایت وسیع ہے ہر ایک فریق دوسرے کے جواب میں کچھ نہ کچھ کہہ سکتا ہے۔ دنیا کے حالات میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر بمقابلہ ادیان باطلہ کچھ لکھئے تو وہ بھی جواب دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔ پھر کوئی مسئلہ مختلف فیہا ایسا باقی نہیں رہا۔ کہ علماء فریقین نے کما حقہ اس کی بحث و تفتیش اور بخوبی اس کی چھان بین نہ کی ہو اور جد و جہد کو اس کی تحقیقات میں غایتہ قصویٰ کو نہ پہنچایا ہو۔ یہ ہی وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت نے یہ عقبات و مراحل طے کر کے استراحت فرمائی ہے اور بدون ضرورت اس طرف توجہ نہیں فرمائی اور شیعہ کی کتابیں دیکھنا اور ان سے ملنا اور جدال و مناظرہ متروک کر دیا۔ چنانچہ دوسرے اہل مذاہب باطلہ کے ساتھ بھی یہ ہی کیفیت ہے اور تمام اہل مذاہب بحول اللہ تعالیٰ اہلسنت کا لوہا مان گئے ہیں جو فرقہ اہل سنت کے مقابل ہوا اس نے منہ کی ہی کھائی۔ چنانچہ اہل سنت کے ان مباحثوں کے قصے جو حال میں ہی ہوئے ہیں جیسا کہ آگرہ کا مباحثہ پادری فنڈر وغیرہ کے ساتھ اور چاند پور ضلع شاہجہان پور کا معرکۃ الآرا مباحثہ ہنود اور عیسائیوں کے ساتھ مثل آفتاب رابعۃ النہار روشن ہیں۔ جس کو مخالفین خود اپنی زبان سے تسلیم کر چکے ہیں۔ ع

والفضل ما شہدت بہ الاعداء   تروی مناقبھم لھم اعداءھم

اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ اس عاجز نے اس کا جواب لکھا اور ایجاز کے ساتھ بجواب مطاعن مذہب اہل تشیع کی شنائع اور علماء شیعہ کی غلطیاں بطور نمونہ عرض کیں۔ اور مقصود اس سے یہ تھا کہ میر صاحب متنبہ ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ اس چھیڑ چھاڑ سے کچھ فائدہ

بحول اللہ تعالیٰ نہ اہلسنت کچھ اپنے مذہب میں بودے اور کمزور ہیں، نہ مذہب تشیع کی قبائح و شنائع مخفی و مستور، پھر کس برتے پر اہل حق سے چھیڑ چھاڑ شروع کرتے ہیں، اور مصداق اس قول کے ہوتے ہیں، ے

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد　　　ساعد سیمیں خود را رنجہ کرد

بحمد اللہ تعالیٰ تیرہ سو برس سے اہل سنت اور ان کا مذہب حسب وعدہ خداوندی تعالےٰ بمضمون آیت کریمہ:

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى	وہ ذات وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ	اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ غالب کرے اس
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ.	کو تمام ادیان پر اگرچہ برا لگے کافروں کو۔ ۱۲

عموماً تمام ادیان و مذاہب پر اور خصوصاً مذہب تشیع پر جو ابتداء حدوث سے ستر تقیہ میں مستور و مستتر رہا ہے غالب چلا آیا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ حسب وعدہ تاقیام قیامت غالب رہے گا، پھر کس کا حوصلہ ہے جو ان سے آنکھ ملاوے، لیکن میر صاحب کو بدین وجہ کہ ان کو اپنے مذہب سے واقفیت نہیں ہے صرف مناظرہ کی ہی کتابیں دیکھی ہیں اور نیز خیال ہے کہ اہل سنت کتب شیعہ کے دیکھنے کو خود ہی حرام سمجھتے ہیں اور ان سے متنفر ہیں اور عام طور پر کتابیں بھی دستیاب نہیں ہو سکتیں جو ہر کسی کو الزام کا موقع میسر ہو اور ہم اہل سنت کے مذہب سے واقف ہیں، پس اہلسنت بمقابلہ ہمارے کیا جواب دے سکتے ہیں، تنبیہ نہ ہوا۔ اور برخلاف نصوص آئمہ کے جن کی تفصیل عنقریب ابحاث آئندہ میں مذکور ہوگی آمادہ جدال و مناظرہ ہوئے اور اصل وجہ اس کی یہ ہوئی کہ میر صاحب کو دو قسم کے لوگوں سے گفتگو اور چھیڑ چھاڑ کا اتفاق ہوا، اگر علماء سے سلسلہ چھیڑا تو انہوں نے تو فضول اور لغو سمجھ کر التفات نہیں فرمایا اور عوام بیچارے جو اپنے مذہب سے بھی چنداں واقف نہیں ہوتے دوسروں کا جواب کیا دے سکتے تھے اس لئے آپ کا دماغ عرش بریں پر جا پہنچا اور ہمچو ما دیگری نیست کا تخیل سر میں سمایا اور اس مختصر تحریر کے جواب میں جو تقریباً بقدر تین چار ورق کے ہوگی ایک طومار طویل الذیل لکھ کر بواسطہ عزیزان موصوفین بماہ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ میرے پاس بھیجا۔ اگر اس تحریر کو معمولی طور پر لکھا جائے تو تقریباً دس یا بارہ جز ہوں گویا بزعم خود خصم کو لاجواب کر دیا اور میدان مناظرہ جیت لیا مجھ کو وہ تحریر سفر کے روز روانگی میں جب کہ میں وطن مالوفہ کی طرف عازم تھا اسٹیشن لدھیانہ پر ملی

تھی اس لئے ہنگام قیام وطن میں اس کو دیکھ بھی نہ سکا، اور جب مع الخیر بہاولپور اپنے وطن اقامت کی طرف مراجعت کی اس وقت اس کو تامل کی نظر سے دیکھا باللہ العظیم میں باوجود اپنی ہیچمدانی کے اس تحریر کو ہرگز اس لائق نہیں سمجھتا کہ علماء اس کی طرف التفات فرمائیں چہ جائیکہ اس کو قابل جواب سمجھا جائے اور دل نہ چاہتا تھا کہ اس کے جواب پر قلم اٹھایا جائے چنانچہ اس امر کی تصدیق ابھی ہوا چاہتی ہے لیکن پھر میری وہی عزیز تحریر جواب الجواب پر مصر اور دامنگیر ہوئے اور فرمایا کہ اگر اس کا جواب نہ لکھا جائے گا اور پھر میر صاحب کا تکبر اور بھی دوبالا ہوگا اور ان کا وہی خیال خام پختہ ہو جائے گا،

ان حضرات کا اصرار تو تھا ہی علاوہ اس کے حضرت دستگیر درماندگان بادیہ ضلالت رہنمائے گمرہان وادی جہالت شمس العارفین بدر الکاملین الفقیہ الکامل والمحدث البارع والمفسر الزاہر شیخی و مرشدی و سیدی و سندی و وسیلتی فی الیوم والغد مولائی و مولی العالم مولانا الحافظ الحاج جناب مولوی رشید احمد صاحب دام اللہ ظلال برکاتہم علیٰ رؤس المسترشدین نے بھی بنظر بعض مصالح وقت جواب الجواب لکھنے کی نسبت ارشاد فرما کر کمترین غلامان کو سرفراز فرمایا۔ بندہ نے بتعمیل ارشاد حضرت مخدوم دامت برکاتہم جواب الجواب لکھنے کا تہیہ کیا اور کتب مذہب شیعہ فراہم کیں اور ان کو مطالعہ کر کے کچھ کچھ لکھنا شروع کیا، لیکن بعض موانع کی وجہ سے چندے پابندی وقت اور التزام میسر نہ ہوا،

ذکر مناظرہ لدھیانہ

جب اسی طرح اس رسالہ کے چند اجزاء لکھ چکا تو بذریعہ عام اخبارات اور خاص تحریروں کے معلوم ہوا کہ ایک عام جلسہ لدھیانہ میں جعفر خاں صاحب شیعہ کے مکان پر منعقد ہوا اور اس میں فیمابین مولوی مشتاق احمد صاحب سلمہ انبیٹھوی وغیرہ اہل سنت اور میر فرزند حسین صاحب وغیرہ اہل تشیع کے علی الاعلان زبانی مباحثہ ہوا، جس میں حسب وعدہ صادقہ خداوندی زمرہ اہل حق غالب آیا، اور فرقہ اہل تشیع میر فرزند حسین صاحب علی رؤس الاشہاد ساکت و مفحم ہوئے میر صاحب وغیرہ کی طرف سے سوال ثبوت حقیقت خلافت افضل الصدیقین تھا جس کو مولوی مشتاق احمد صاحب سلمہ نے آیت نور سے مثل آفتاب نورانی کر کے دکھلا دیا اور مولوی مشتاق احمد صاحب وغیرہ کی طرف سے سوال اثبات عصمت ائمہ کا تھا جو حضرت میر صاحب سے بن

نہ آیا و کیف کہ :-

الحق یعلو ولا یعلیٰ	سچی بات اونچی رہتی ہے نیچے نہیں ہوتی

ارشاد ہے اور وعدہ ہے ۔

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق (سورۃ الانبیاء آیت ۱۸)	بلکہ پھینکتے ہیں ہم حق کو اوپر باطل کے پس توڑتا ہے سر اس کا پس ناگہاں وہ فنا ہو جاتا ہے ۔

بطلان عصمت ائمہ

حضرات شیعہ کا عصمت کی نسبت دعویٰ محض خیالی پلاؤ ہے جس کی نہ کتاب اللہ تعالیٰ مساعد ہے نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اقاویل ائمہ کرام مثبت و مؤید سبحان اللہ حضرات شیعہ کے محدثین اور مفسرین خود ہی ائمہ کی نسبت ان سے روایت کرتے ہیں کہ آیت

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۔	تحقیق جو لوگ کہ چھپاتے ہیں جو کچھ کہ اتارا ہم نے دلیلوں سے اور ہدایت سے پیچھے اس کے کہ بیان کیا ہم نے اسکو واسطے لوگوں کے بیچ کتاب کے یہ لوگ

انہی کی شان میں نازل ہوئی اور نیز :

اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ (سورۃ البقرہ آیت ۱۵۹)	لعنت کرتا ہے ان کو اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان کو لعنت کرنے والے ۔

سے بھی ائمہ ہی مراد ہیں چنانچہ علامہ مجلسی نے بحار الانوار کے باب کتمان العلم میں ان روایات کی تخریج کی ہے، جس سے معاذ اللہ ان کا کاتمین حق اور ان کے دشمنوں کا ملعون ہونا ظاہر و باہر ہوتا ہے اور خود ہی ان کی عصمت کے بھی مدعی ہیں پس خیال کرنے کی جگہ ہے کہ معصومیت اور ملعونیت یعنی چہ :

له وعن حمران عن ابی جعفر علیہ السلام فی قول اللہ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب یعنی بذلک نحن واللہ المستعان [illegible] عن ابن ابی عمیر عمن ذکرہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی فی علی علیہ السلام وعن عبد اللہ بن بکیر عمن حدثہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ یلعنھم اللہ ویلعنھم [illegible] تفسیر [illegible] کی پوری تحقیق [illegible] علامہ مجلسی نے جو [illegible] کی تاویل فرمائی ہے اس کا جواب [illegible] میں مفصل مذکور ہے

الغرض بعد اس مباحثہ کے میں نے خیال کیا کہ مکرمی پیرجی عنایت احمد صاحب سلمہ کا جو مدعا تحریر جواب سے تھا وہ باحسن وجوہ حاصل ہو گیا، اب کچھ حاجت نہیں رہی کہ میر صاحب کے جواب الجواب لکھنے میں تضییع اوقات کی جاوے، چنانچہ حضرت مخدوم دام برکاتہم کی خدمت میں بدیں خیال ایک عرضداشت لکھی جس کا خلاصہ مدعا یہ تھا کہ اس رسالہ کی تحریر سے جو مقصود تھا، وہ زبانی مناظرہ سے حاصل ہو گیا پھر علاوہ حرج اوقات اور اخلال و اہمال مشاغل دینیہ کی اس تحریر میں کلمات متضمن سوء ادب بجناب بزرگان دین بمجبوری قلم سے نکلتے ہیں، اگر ان کا صادر ہونا محض الزاماً یا نقلاً شیعہ کی روایات مذہب سے ہے اور اعتقاد دلی سے نہیں بلکہ دل سے ان کو نہایت مکروہ اور برا جانتا ہوں اگر اجازت ہو تو اس تحریر کو موقوف و ملتوی کر دوں بجواب اس کے حضرت مخدوم دامت برکاتہم نے ارقام فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ جو کام للّٰہی طور پر شروع کرا دیا گیا ہے اس کا اتمام کو پہنچانا ہی مناسب ہے، ناتمام چھوڑنا مناسب نہیں اور جس کام کی ابتدا نیک نیتی کے ساتھ بغرض حمایت اسلام کی گئی ہے اس کا انجام بخیر ہے، اس تحریر کو پورا کر دینا ہی مناسب ہے۔ حضرت مخدوم دامت ظلال برکاتہم کے اس ارشاد سے جب معلوم ہوا کہ امر تحریر بطور عزیمت ہے نہ بطور رخصت اور تحریر جواب سے کوئی چارہ نہیں اس وقت سے کمر ہمت چست باندھ کر بالتزام خارج از اوقات مدرسہ لکھنا شروع کیا، ہر چند کہ اس ہیچمدان اور ضعیف و ناتواں کی قدرت و استطاعت سے اس تحریر کا لکھا جانا باوجود تنہائی و مشاغل کثیرہ کے دشوار بلکہ خارج تھا لیکن محض حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل و کرم نے دستگیری فرمائی، جو کچھ امداد و اعانت خداوند تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اس جواب کے لکھنے میں اس عاجز و ناتواں کے شامل حال ہوئی، اس کے بیان سے قلم و زبان قاصر و کوتاہ ہیں، کتب شیعہ کا دستیاب ہونا اس عاجز کی استطاعت سے خارج تھا، مگر محض بفضل خداوند تعالیٰ کتب بقدر ضرورت میسر و فراہم ہو گئیں روایات محتاج الیہا جن کا کتب مبسوطہ میں سے برآمد ہونا غایت تفحص اور نہایت تلاش و تجسس پر منحصر تھا وہ بلا کلفت و تلاش و مشقت تتبع مل گئیں، یہ محض ادھر سے ہی امداد ہے مضامین متعلقہ اسی طرف سے ذہن میں وارد ہوئے، یہ ہی وجہ ہے کہ اس تحریر میں کسی شخص سے استعانت کی ضرورت واقع نہیں ہوئی اور وقت التزام سے تقریباً سات ماہ میں بفضلہ تعالیٰ اختتام کو پہنچ گئی۔

اللّٰھم لا احصی ثناءً علیک انت	الٰہی میں تیری ثنا کا احصا نہیں کر سکتا ہوں کیونکہ

کما اثنیت علیٰ نفسک
تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف آپ کی ہے

اور یہ سب حضرت مخدوم دامت برکاتہم کی برکات دعوات اور توجہات کا طفیل ہے ورنہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

حق جل وعلا شانہ حضرت مخدوم کے علم میں اور عمل میں دین میں اور دنیا میں برکت عطا فرماوے۔ اور مراتب قرب پر متصاعد رکھے اور عالم کو ان کے انوار فیضان سے منور رکھے اور اس عاجز کو اور تمام دوستوں کو ان کی جماعت میں محشور فرماوے۔ اللہم آمین۔ ویرحم اللہ عبدا قال آمینا۔ ولما یسر اللہ تعالیٰ علی اتمامہ وقوضت عن الاختتام ختامہ جعلتہ بضاعۃ مزجاۃ وہدیۃ محتقرۃ مہداۃ بحضرت مولائی ومرشدی وسیلۃ یومی وغدی اسبغ اللہ علیہ لطفہ الخفی والجلی وتوسلت بہ الی خدمتہ لیکون وسیلۃ لنجاتی۔ وکفیلۃ لرفع درجاتی۔ فالمرجو من الطافہ الکریمۃ ان یاخذ بیدہ ہذا المذنب الجانی یوم تزل فیہ الاقدام ولا ینسانی یوم الفزع الاکبر یوم تزیغ فیہ القلوب وتذوب الاجسام ولما کان تالیفہ علی وفق امرہ وتصنیفہ علی حسب ارشادہ سمیتہ مورخا بہدایات الرشید الی افحام العنید۔

التماس ضروری بطور مقدمہ

ناظرین اہل انصاف وتمکین کی خدمات میں التماس ہے کہ ہنگام ملاحظہ تحریر ہذا بطور مقدمہ چند امور ملحوظ خاطر رکھیں۔

اول ناظرین رسالہ اس رسالہ میں اگر کوئی کلمہ ناشائستہ و ناسزا نسبت جناب خداوند علام یا نسبت شان انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام یا نسبت حضرات ائمہ و دیگر اہل بیت کرام یا صحابہ عظام وغیرہ بزرگان کے ملاحظہ فرماویں، تو اس کو اس عاجز کے عقیدہ پر محمول نہ فرماویں۔ اور یہ نہ سمجھیں کہ بندہ نے یہ کلمہ اپنے اعتقاد سے لکھا ہے حاشا وکلا میرا ہرگز ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ ان میں سے کسی کی شان میں خلاف تعظیم وادب کوئی کلمہ جائز ومباح سمجھا جاوے بلکہ قطعی کفر اور حرام اعتقاد کرتا ہوں۔

شیعہ اور خوارج کا عقیدہ صحابہ اور اہل بیت علیہم الرضوان کے متعلق

فرق اسلامیہ میں سے کوئی فرقہ ایسا نہیں کہ جس کو جناب خداوند وانبیاء ورسل کے وجوب تعظیم میں کلام ہو، سوائے بعض فرق شیعہ کے یا بعض مرویات امامیہ اثنا عشریہ کے، البتہ صحابہ اور اہلبیت کی تعظیم وتوقیر میں شیعہ وخوارج خذلہم اللہ کو غایت درجہ تشغف ہے کہ شیعہ صحابہ کرام کی اہانت کو واجب اور تفسیق وتکفیر کو فرض اعتقاد کرتے ہیں اور خوارج خذلہم اللہ اہلبیت کرام کی تذلیل کو واجب اور تضلیل کو فرض اعتقاد کرتے ہیں، لیکن ہم معشر اہل السنۃ والجماعۃ عموماً اپنے اعتقاد میں پیروی اپنے مذہب کی اہل بیت نبوت کی محبت اور تعظیم کو ایسا ہی واجب اور جزو اسلام اعتقاد کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ کی محبت اور تعظیم کو واجب اعتقاد کرتے ہیں، اور ان کی جناب میں گستاخی کو ایسا ہی حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام کی جناب میں گستاخی کو، غرض شیعہ وخوارج کو اس باب میں اپنے اعتقاد کے میزان کے دونوں پلوں میں برابر وزن کرتے ہیں، لیکن چونکہ اس رسالہ میں شیعہ کو ان کی روایات سے الزام دینا مقصود ہے اس لئے موافق مثل مشہور ع نقل کفر کفر نباشد اس قسم کا جو کلمہ قلم سے لکھا گیا ہے وہ مذہب شیعہ کے مطابق ہے کہ وہی مضمون ان کی روایات سے بدلالت مطابقی یا التزامی ثابت ہوتا ہے

شیعہ کے چند مکروہ عقائد

مثلاً حضرت ابوالانبیاء آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نعوذ باللہ کفر میں ابلیس لعین کے برابر بلکہ دو چند اور سہ چند ہونا۔ حضرات شیعہ کی روایات سے لکھا گیا ہے۔ علاوہ اس کے اور انبیاء کی نسبت خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنا، ائمہ کا قرآن مجید کی توہین وتذلیل کرنا اور اس میں وقوع تحریف وتبدیل ائمہ کا فرمانا جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جناب امیر رضی اللہ عنہ کو دشنام دہی اور سب وشتم کرنا۔ اور ان کا فساق وفجار کے مجمع میں تشریف لے جانا، جناب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عام مسلمانوں کے حقوق میں ناجائز تصرف اور خیانت کرنا، جناب ام کلثوم رضی اللہ عنہا صاحبزادی جناب امیر وفاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما کی دشمنوں کی دامن بابت

کو فحش کی نجاست سے ملوث کرنا وغیرہا۔ اس قسم کی سب کفریات اور خرافات حضرات شیعہ کی مذہبی روایات سے باوجود کراہت واستنکار طبع بطور الزام لکھی گئی ہیں۔ ناظرین رسالہ اس جنس کے کفریات اس رسالہ میں دیکھ کر چین بجبین نہ ہوں۔ اور بندہ کو معاف اور معذور فرمائیں۔ میں بہزار زبان اور صمیم فواد وجنان سے ان کفریات سے تبری وتحاشی کرتا ہوں۔

دوم:۔ میر فرزند حسین صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں تحریر فرمایا تھا کہ ہمارے مقابلہ میں جو عبائر تحریر فرماویں، بچشم خود دیدہ لکھیں۔ تحفہ وغیرہ کے بھروسے پر نہ رہیں۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت میر صاحب نے تو ضرور ہی اس کا التزام فرما رکھا ہے کہ جو عبارت کتب خصم سے نقل کرتے ہیں وہ چشم دید ہوتی ہے۔ چنانچہ بندہ نے حکم کی تعمیل کی اور اس کے جواب میں جو روایت لکھی وہ چشم دید لکھی۔ اور نیز دائرہ نقل روایات کو وسیع کر دیا اور عرض کیا کہ جب روایات صحیح الماخذ اور غیر صحیح الماخذ ہر ایک فریق نے دوسرے فریق سے نقل کی ہیں تو اس صورت میں اس قدر کافی ہے کہ جس کتاب سے اس روایت کو نقل کیا جاوے اس کا حوالہ دیا جاوے اصل ماخوذ منہ سے نقل کرنا کچھ ضرور نہیں۔ ہاں اگر خصم کسی روایت کی نسبت صحت نقل کا انکار کرے اور کہے کہ یہ روایت کذب ودروغ ناقل ہے تو اس وقت اس روایت کی صحت نقل کا ثابت کرنا کتب معتبرہ مذہب خصم سے لازم ہوگا۔ باوجود اس دعویٰ کے جو میر صاحب نے فرمایا اور باوجود اس توسیع کے جو بندہ نے عرض کی، میر صاحب نے نقل روایات میں قطع نظر التزام حوالہ کتب خصوصاً معتبرات کے صحت نقل کو بھی ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ بلکہ بمقتضائے تدین ادعائی روایت کے الفاظ میں موافق مطلب مسخ وتحریف فرمائی۔

ایسی روایات جن کا ثبوت نہیں

مقدمہ نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا میں ایک روایت فتح الباری سے لکھی ہے جس کے خاتمہ کے الفاظ یہ ہیں۔

لو یکن یقبل منہ ذلک العذر حتی الجاہ   اس کا یہ عذر قبول نہ کیا یہاں تک کہ اسکو مجبور کر دیا

ختم روایت پر کوئی حوالہ نہیں دیا جس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید آپ نے فتح الباری سے ہی بلاواسطہ نقل کی ہوگی۔ حالانکہ فتح الباری میں اس روایت کا کہیں نام ونشان نہیں ملا۔ اگر آپ نے فتح الباری سے نقل کی ہے تو فرمائیں کہ فتح الباری میں یہ روایت کس باب میں کس صفحہ پر مذکور ہے

اور نیز تفسیر معالم التنزیل سے لکھا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی نے بت خانہ میں جانا اور کفار کی عبادت میں شریک ہونا دین حق کی ترویج کے لئے اختیار فرمایا یہ بھی محض دروغ ہے۔ تفسیر معالم التنزیل سے بحوالہ نزہہ ایک روایت نقل کی جس سے آپ کو اہل حق کے مذہب پر کلام مجید میں تحریف کا واقع ہونا ثابت کرنا منظور ہے اس کے آخر کا یہ جملہ لکھا ہے۔ وقال عثمان رضی اللہ عنہ فی المصحف لحنا وستقیمۃ العرب بالسنتہا اور ترجمہ اس کا اس طرح کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قرآن میں لحن اور سقیم العرب ہے یہ لفظ یعنی وستقیمۃ العرب بالسنتہا محض حضرت میر صاحب یا ان کے بزرگ کشمیری صاحب صاحب نزہہ کا مسخ اور تحریف کیا ہوا ہے حاشا کہ کسی روایت میں یہ لفظ ہو بلکہ فی الاصل یہ لفظ اس طرح مروی ہے وستقیمہ العرب بالسنتہا۔

ع۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

لیکن ہم نے جس قدر اس رسالہ میں روایات لکھی ہیں۔ حسب قرارداد اکثر اہل تشیع کی کتب معتبرہ سے تلاش کر کے چشم دید لکھے ہیں۔ اور جس جگہ کوئی بالواسطہ روایت نقل کی ہے وہاں حوالہ بھی دے دیا ہے۔ جس مضمون میں متعدد روایات نقل کی ہیں، اس جگہ اگر کچھ روایات بالواسطہ نقل کی ہیں۔ تو دو ایک روایتیں چشم دید بھی لکھی ہیں، پھر باوجود اس کے اگر کسی جگہ خلاف معاہدہ ناظرین کوئی ایسا امر ملاحظہ فرمائیں جو سہواً واقع ہوا ہو تو بندہ کو معذور سمجھیں کہ جناب میر صاحب پہلے اس معاہدہ کو توڑ چکے ہیں۔ والبادی اظلم۔

سوم:۔ حضرت میر صاحب نے اپنی تحریر کے مواقع مختلفہ میں اپنے اخلاق وتہذیب وشائستگی پر افتخار وناز فرمایا ہے۔ بااین ہمہ ادعائی تہذیب حضرت نے اسی تحریر میں بمقتضائے اپنے ادعائی اخلاق وتہذیب کے تعریضات ومطاعن سے کہیں دریغ نہیں فرمایا بلکہ کوئی دقیقہ بدتہذیبی کا اٹھا نہیں رکھا کیونکہ فحش اور گالیوں تک سے نہیں چوکے۔ باوجود اس کے بندہ نے ایسے کلمات کے جواب ترکی بہ ترکی سے دانستہ اغماض واعراض اختیار کیا ہے اور التزام کیا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی کلمہ خلاف تہذیب بطور طعن وتشنیع کے دانستہ نہیں لکھے گا اور اگر اتفاقاً کوئی کلمہ نادانستہ سبقت قلم سے نکل گیا ہو جس کی نسبت بندہ نے یہ خیال نہ کیا ہو کہ گراں بار

خاطر سامی ہوگا تو بندہ اس کی نسبت نہایت عاجزی کے ساتھ معافی کا خواہاں ہے، کہ میرا مقصود کسی کا دل دُکھانا نہیں ہے بلکہ خود میر صاحب نے آخر تحریر میں گویا میری طرف سے فرما دیا ہے کہ مباحثہ مذہبی میں احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے ایسے الفاظ بولے اور لکھے جاتے ہیں جو ناگوار طبع مخاطب ہوں۔ پھر اگر سہواً ایسا کوئی کلمہ نادانستہ میری زبان و قلم سے نکل گیا ہو تو وہ بھی واجب العفو ہے،

چہارم۔ تحریر جواب الجواب کے بارہ میں حضرت میر صاحب کی یہ فرمائش تھی کہ جواب الجواب بحذف و اسقاط عبارات اصل جواب قولہ قولہ کے طور سے ملتقطانہ لکھا جاوے بلکہ پوری پوری عبارتیں جواب کی لے کر تردید کی جاوے چنانچہ حسب فرمائش میر صاحب بندہ نے پوری پوری عبارتیں اور جملے لے کر تردید کی ہے کہیں کوئی عبارت نہیں چھوڑی جس کا جواب نہ لکھا ہو۔ اور جواب الجواب میں جس کو لے کر تردید نہ کی ہو مگر جو عبارت میر صاحب نے شروع تحریر میں بطور تمہید کے لکھی ہے اس کی تمام عبارت نقل کر کے تردید کرنا تطویل لاطائل اور فضول و لاحاصل سمجھا اس لئے اس میں سے تھوڑی تھوڑی عبارت نقل کر کے تردید کی ہے اور نیز ترجمہ روایات بھی جو میر صاحب نے تحریر میں درج کیا تھا میں نے بخوف اطناب جواب الجواب میں اس کو اختہ نہیں کیا صرف اس عبارت کی نقل پر اکتفا کیا ہے،

پنجم۔ چونکہ بعض مضامین میر صاحب کی تحریر میں مکرر سہ واقع ہوئے ہیں اور ان کے جواب میں جب ہر جگہ کی عبارت نقل کی ہے تو کچھ نہ کچھ لکھا ہے اگرچہ ہر موقع میں حتی الوسع طرز جدید اور جدا مضامین کو ملحوظ خاطر رکھا ہے مگر تاہم بعض مضامین مکرر واقع ہوئے ہوں گے پس ناظرین دقیقہ شناس دل تنگ نہ ہوں اور مجھ کو معاف فرمائیں،

ششم۔ میر صاحب نے بندہ کی عبارت کو اپنے جواب میں مختلف عنوان سے لے کر جواب تحریر فرمایا ہے کہیں کہیں بندہ کی عبارت کو بعنوان لفظ قال تعبیر کیا ہے اور اکثر جگہ لفظ قولہ کے ساتھ عبارت کو اخذ کیا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جس جگہ بندہ کی تحریر میں بھی لفظ قولہ لکھا ہوا تھا اس جگہ میر صاحب نے اپنی تحریر میں قولہ قولہ مکرر لکھا ہے جو ذوق سلیم کے نزدیک مستکرہ و مستقبح ہے۔ اس لئے بندہ نے باندیشہ خلط و التباس عبارات نقل عبارات میں یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جس جگہ میر صاحب نے بندہ کے کلام کو لفظ قال یا قولہ سے شروع کیا ہے بندہ نے اس کی نقل میں اس کے عنوان پر لفظ **قال الفاضل المجیب** بخط نستعلیق قلم جلی لکھا ہے اور اس کے

بعد اپنی عبارت سابقہ اور میر صاحب کے جواب کا جملہ بقدر ضرورت نقل کر کے اس کی تردید کو بلفظ **یقول العبد الفقیر الی مولاہ** سے شروع کیا ہے جو بخط نستعلیق جلی ہے اور اس درمیان میں جو لفظ قال یا قولہ یا اقول میر صاحب کی تحریر کا ہے اس کو بخط نستعلیق باریک لکھا ہے پھر اس جواب کے جس قدر جملے باقی ماندہ ہیں ان کو لفظ قولہ خط نسخ جلی سے اور ان کی تردید لفظ اقول نسخ جلی سے شروع کی گئی ہے یہاں تک کہ میر صاحب کا دوسرا قول شروع ہوا اور میر صاحب کی تمہید کی تردید میں چونکہ اندیشہ خلط و التباس نہ تھا اور تحریر بھی بنظر اختصار چند اقوال ملتقطہ پر کی گئی تھی۔ اس لئے نقل عبارت میر صاحب معنون بلفظ قولہ نسخ جلی کی گئی اور اس کی تردید اسی طرح بلفظ اقول شروع کی گئی۔ ناظرین بہنگام ملاحظہ ملحوظ خاطر رکھیں،

ہفتم۔ میر صاحب نے اپنی تحریر کو دو تین ورق جواب تحریر مولوی پیر محمد خان صاحب سلمہٗ اور جواب تحریر کسی دوسرے شخص کے ساتھ جس کو شاید وہ اس عاجز کی تحریر سمجھے ہوں گے مذیل و مذنب فرمایا۔ شاید اس سے یہ غرض ہو کہ اس کا جواب بھی بندہ ہی لکھے لیکن چونکہ ان کے اکثر مضامین کی تردید اس رسالہ میں گزر چکی تھی اور تحریر بھی طویل ہو گئی تھی اس لئے بندہ نے بنظر اختصار اس کے بعض اقوال پر گفتگو کی اور باقی کو ما سبق پر حوالہ کر دیا۔ وھا انا اشرع فی المرام مستعینا بالملک العلام وھو حسبی و نعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

تردید تمہید

قولہ جواب سے پہلے مباحثہ کا اصل حال لکھا جاتا ہے۔ الخ اقول یہ قصہ تو خدا جانے کہاں تک صحیح ہے۔ لیکن علماء اور دُعات شیعہ کا عام قاعدہ ہے کہ جہاں تک دسترس اور موقع پاتے ہیں، ضعفاء اہلسنت سے اختلاط کر کے مذہبی چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔ اور چکنی چپڑی باتیں بنا کر اپنے مذہب کی طرف رغبت دلاتے ہیں اور دعوت کرتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ یہ وتیرہ حضرات شیعہ کا ان کی مذہبی روایات منقولہ بحار الانوار وغیرہ کی رو سے جائز ہے یا ناجائز انشاء اللہ تعالیٰ کسی جگہ تخلف نہیں کرے گا، چنانچہ اسی قضیہ کلیہ کے مطابق ہمارے میر صاحب نے بھی مکرمی پیر جی عنایت احمد صاحب قدوسی گنگوہی کے ساتھ یہ ہی چال چلی۔ لیکن چونکہ پیر جی صاحب موصوف کو مذہبی تحقیقات میں حضرت مخدوم العام مولانا و مرشدنا مولوی رشید احمد

صاحب گنگوہی دام برکاتہم اور ان کے تلامذہ و خدام کی ایک مضبوط پشت پناہ حاصل تھی اس لئے پیرجی صاحب نے میر صاحب سے مقابلہ کیا اور ان کو جواب دیئے اور ان کے چالوں کو اور پیچوں کو کاٹا۔ پس میر صاحب کا یہ فرمانا کہ پیرجی صاحب خود اس امر کے بادی ہوئے۔ ظاہرا غلط اور کذب معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے اس سے لکھا ہے کہ ان کو مباحثہ مذہبی کا شوق ہوا جس سے ظاہر ہے کہ پیرجی صاحب کو پہلے سے شوق مباحثہ نہ تھا اور اب میر صاحب کے فیض صحبت سے پیدا ہوا ہے۔ پھر معلوم نہیں یہ شوق کیوں کر پیدا ہوا اور کس امر سے ناشی ہوا ظاہرا بجز اس کے کہ میر صاحب کی چھیڑ چھاڑ سے پیرجی صاحب کو یہ شوق مناظرہ پیدا ہوا ہو اور کوئی قریب احتمال نہیں ہے۔

کیونکہ اول عموماً اہلسنت کو مناظرہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی علی الخصوص پیرجی صاحب تو علوم مروجہ عقلیہ و نقلیہ سے بھی کچھ ایسے واقف نہیں ہیں جو ان کو خود بخود بیٹھے بٹھائے شوق مناظرہ پیدا ہوا اور خود اس امر کے بادی ہوں۔ جب آپ باوجود مخالفت مذہب کے ان کا اتحاد قلبی اپنے ساتھ خیال کرتے ہیں تو ممکن نہیں کہ آپ نے حسب عادت ان سے مذہبی چھیڑ چھاڑ نہ کی ہو اور ان کو اپنے مذہب کی طرف دعوت نہ فرمائی ہو۔ پھر اس بنیاد پر اگر پیرجی صاحب نے آیت استخلاف (النور آیت ۵۵) لکھ کر آپ سے جواب چاہا ہو تو وہ بادی مناظرہ نہیں ہو سکتے۔ اور ان پر لفظ بادی کا اطلاق غلط اور خلاف واقع ہے۔ باقی رہا یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ آخر میں جو میری تحریر گئی تو تمام علماء لدھیانہ نے اس کے جواب سے پہلو تہی کی، اور عقب گذاری کے لئے حیلے اور بہانے پیدا کئے، ہر چند آپ نے ان کے حیلے قطع کئے، لیکن بزعم آپ کے کسی میں جرأت نہ ہوئی کہ آپ کا جواب لکھتا یا آپ کے مناظرہ کا قصد کرتا۔ یہ محض آپ کی لن ترانیاں ہیں جو آپ کے مجامع قلب و دماغ میں سمائی ہوئی ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت ہر شخص آپ کی تحریر کو دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ آپ کے زبانی دعوؤں کو نفس الامر اور واقع کی مطابقت سے کچھ آشنائی نہیں اور یہ دعاوی بالکل خلاف واقع ہیں، چنانچہ اس تحریر کے دیکھنے سے جس کے رد و قدح کے بندہ درپے ہے اور میر صاحب کا مایۂ ناز و افتخار ہے میری اس گذارش کی بخوبی تصویب و تصدیق ہو سکتی ہے مگر ہاں یہ مسلّم کہ علماء لدھیانہ نے اغماض و اعراض جواب سے فرمایا ہو گا اور جواب نہ دیا ہو گا لیکن ان کے اعراض کا محمل یہ نہیں ہے کہ جو میر صاحب نے گمان فرمایا بلکہ انہوں نے اس وجہ سے جواب نہ دیا ہو گا کہ آپ کو قابل خطاب اور آپ کی تحریر کو قابل جواب:

سمجھا ہو گا۔ ورنہ خود ہی اول آپ فرماتے ہیں کہ علماء فریقین نے کوئی دقیقہ تحقیقات مسائل میں باقی نہیں رکھا اور آپ ہی کا مقولہ ہے کہ باب تاویل ایسا واسع ہے جو ہر جگہ جاری ہو سکتا ہے۔ پھر کیا کوئی عاقل باور کر سکتا ہے کہ علماء لدھیانہ کوئی مضمون جواب اپنے علماء سے بھی نقل نہیں کر سکتے تھے یا کوئی تاویل بھی پیدا نہیں کر سکتے تھے حاشا و کلا پھر بعد اس ادعا کے یہ کسر نفسی اور تواضع فرمانا کہ پیرجی صاحب کی طرف سے درباب تحریر سوال اصرار اور آپ کی طرف سے مدافعت اور عذر و انکار ہوا طرفہ تماشا ہے، اول تو پیرجی صاحب کو جب بجواب آخری تحریر سامی علماء لدھیانہ کے سکوت سے غیرت و شرم آئی تھی تو جدید سوال کے مطالبہ کی کیا ضرورت تھی اور مدافعت کی آپ کی جانب سے کیا حاجت۔ وہی آخری تحریر سامی جس کے جواب سے بزعم جناب علماء لدھیانہ عاجز ہو چکے تھے دوسرے علماء کے پاس بھیجنے کے لئے اور ان سے جواب لینے کے واسطے کافی تھے اور آپ کو بھی گنجائش تھی کہ فرماتے جس تحریر سے علماء لدھیانہ ساکت ہو چکے ہیں۔ اسی کا جواب دوسرے علماء سے لینا چاہیئے۔ مگر یہ کہ شاید آپ کو خیال ہو گا کہ دوسرے علماء بھی ایسے عذر و حیلہ مثل علماء لدھیانہ نہ کریں اور بدین وجہ جواب دہی سے عقب گذاری نہ کریں کہ اس مباحثہ کی ابتداء ہی صحیح نہیں اس لئے آپ تحریر سوال پر آمادہ ہوئے لیکن یہ تو آپ کا عین مدعا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ پہلی تحریریں بھی مسئلہ امامت ہی میں تھیں اور یہ سوال جدید بھی امامت ہی میں لکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں میر صاحب کے نزدیک علماء اہل سنت عموماً شیعہ کی کتابیں دیکھنی ان سے ملنا مسائل متنازعہ فیہا میں خصوصاً مشاجرات صحابہ میں گفتگو کرنے کو گناہ اور مذہب کے مخل جانتے ہیں اور علماء لدھیانہ تو آپ کے زور تحریر کے سامنے ساکت ہو ہی چکے پھر عذر قلت استعداد و ہیچمدانی و عدیم الفرصتی و ضعف دماغ وغیرہا کے کیا معنی یہ حالت تو اس کو مقتضی ہے کہ آپ کی وہی لن ترانیاں بجا ہوں جنھوں نے آپ کے تخیلات کی یہ نوبت پہنچائی۔ تعجب ہے کہ علماء لدھیانہ کے مقابلہ میں تو یہ زور شور کہ ان کو تو مباحثہ کی دعوت فرمائیں اور علم اجازت دیں کہ چاہو از سر نو گفتگو شروع کر دیا طرز مباحثہ حسب مرضی خود بدل دو اس وقت نہ قلت استعداد و ہیچمدانی کچھ مانع ہو اور نہ عدیم الفرصتی اور دوام مرض روکی، اور جب پیرجی صاحب سوال لکھوائیں تو یہ سب عذر موجود ہو جائیں۔ پس ان حالات اور قرائن میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اظہار خیال مباحثہ واقع سے کس قدر بمراحل بعید ہے۔

قولہ: غرض یہ تھی کہ کوئی صاحب اس کا جواب انصاف سے تحریر فرمادیں اور محض تحقیق حق منظور ہو۔

اقول: جناب میر صاحب اگر آپ کو اس تحریر سے واقعی تحقیق حق منظور ہو تو سبحان اللہ کیا کہنا۔ لیکن تحقیق حق کی تو یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اول آپ اپنے معتقدات سے خالی الذہن اور تعصب و عناد سے فارغ البال ہو کر مسائل مختلف فیہا کے دلائل متعارضہ میں حقانیت و انصاف کی نظر سے غور فرمائیں اور آپ کا خصم بھی یہ ہی طریقہ ملحوظ رکھے، اور یہ ہی تحقیق حق کی کوئی صورت ہو سکتی ہے کہ آپ نے فرمادیا کہ ہمارے معتقدات صحیح اور دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہیں۔ ہم نے ان کی صحت اور ثبوت میں حق الیقین کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے خواہ وہ آپ کے معتقدات عند الخصم صحیح ہوں یا غلط اور واقع کے مطابق ہوں یا غیر مطابق۔ لیکن خصم اپنے معتقدات کے جو بزعم سامی غلط اور مخالف دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ہیں۔ تحقیق کرے اور محض تحقیق حق منظور ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں آپ کا خصم آپ کو بھی یہ ہی کہے گا اور صریح آپ کا جدل مکابرہ ہے نہ تحقیق حق کیونکہ جب ہر فریق اپنے اپنے معتقدات کو حق اعتقاد کئے بیٹھا ہے اور دوسرے فریق کے معتقدات کو باطل تو ہرگز اپنے معتقدات کی قبائح اور دوسرے فریق کے معتقدات کی محاسن ذہن میں نہیں آئے گی اور ہر فریق اپنے معتقدات کی جن کو وہ حق اعتقاد کئے بیٹھا ہے نصرت اور جانب داری کرے گا۔ اور کبھی تحقیق حق نہ ہو گی۔ بہرکیف لفظ تحقیق حق میں اگر لفظ حق سے مراد حق واقعی اور نفس الامری ہے تو چشم ما روشن ہم ہر طرح تحریر سے تقریر سے حاضر ہیں ہم کو کسی طرح دریغ نہیں اور اگر حق مزعومی مراد ہے تو وہ سراسر بے فائدہ۔ کیونکہ خصم کے نزدیک وہ محض ناحق اور باطل ہے۔ اگر آپ کو تحقیق حق مدنظر تھی تو اول آپ نے اپنے معتقدات کی نسبت حق الیقین کا خلاف واقع دعوے نہ فرمایا ہوتا اور جب آپ ان کی نسبت اس کے مدعی ہیں کہ آپ کو ان کے ثبوت میں حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے تو بتاؤ تحقیق حق و انصاف تو خود بدولت ہی نے منہدم فرمادیا۔ اب اپنے خصم سے انصاف و تحقیق حق کا طالب ہونا عبث اور خیال محال ہے۔ اگرچہ اہل خرد کے نزدیک آپ کے اس جیسی القدر دعوے کی تکذیب و تردید آپ کی اسی تحریر سے آشکار خود بخود ہو رہی ہے۔ بایں ہمہ ہم آپ بھی تحقیق حق کے لئے بسر و چشم حاضر ہیں اور ملتمس ہیں کہ اگرچہ آپ نے ہماری پہلی تحریر کو بنظر انصاف ملاحظہ نہیں فرمایا۔ اچھا اس معروض کو ہی بنظر انصاف و تحقیق

ملاحظہ فرمادیں۔

قولہ: دو ماہ کے بعد میرے شفیق نے مجھ کو جواب لا کر دیا۔ کسی گمنام شخص نے لکھا ہے جواب تو کیا ہے حضرت مجیب نے اپنی جودت طبع دکھانے کو میرے سوال کو مجھ ہی پر منقلب کیا ہے گو بظاہر یہ علم مناظرہ کے ہتھکنڈے ہیں مگر اصل میں یہ بھی ایک قسم کا گریز ہے اور واقعہ میں اس کا جواب ہی کیا تھا۔ حضرت نے غور کیا کہ اصل سوال کا جواب تو کچھ ہو نہیں سکتا اور بدون لکھے کچھ چارہ نہیں اس لئے یہ طرز اختیار فرمائی۔

اقول: جناب کا سوال اواخر شعبان ۱۳۲۰ھ میں میرے پاس میرے عزیزوں نے ارسال فرمایا تھا۔ رمضان شریف میں بسبب شدت گرما و کسل و ماندگی صیام و مدارست قرآن شریف کے تحریر جواب سے مقصر رہا جس کے نسبت معافی چاہتا ہوں۔ بعد اختتام ماہ صیام بندہ نے حکم کی تعمیل کی۔ اور شروع شوال میں جواب لکھ کر لدھیانہ ان کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ گمنامی کی شکایت فضول ہے آپ کو اپنے جواب سے مطلب ہے مجیب کی گمنامی اور نام آوری سے کیا مطلب۔ کیا آپ نے یہ نہ سنا ہوگا۔ انظر الی[1] ما قال۔ علاوہ ازیں آپ کے مجیب تو آپ کے شفیق پیر جی صاحب تھے خواہ وہ آپ کو اپنا جواب طبع زاد دیویں یا کسی سے پوچھ کر جواب دیویں اور ظاہر ہے کہ پیر جی صاحب علماء اہل سنت میں سے جس سے دریافت کر کے یا لکھوا کر جواب دیں گے وہ اس کو جانتے ہوں گے اور اس امر کی کچھ ضرورت نہیں کہ آپ بھی واقف ہوں۔ ہاں اگر آپ ایسے علامۃ الدہر ہوتے کہ آپ کی نظیر دشوار ہوتی اور اس وقت آپ فرماتے کہ ہم اس وقت جواب قبول کریں گے جب کہ فلاں عالم اہل سنت میں سے ہمارے مقابل ہو اور ہمارے سوال کا جواب لکھے۔ تو کچھ چنداں مضائقہ نہ تھا۔ لیکن جب کہ آپ خود اپنے اعتراف سے محض فارسی خواں ہیں اور مناظرہ ہی کی چند کتابیں آپ کا مبلغ علم ہے تو ایسی حالت میں آپ کا گمنام کے جواب سے کراہت و استنکاف فرمانا اور نام آور کے جواب کا طالب ہونا بروئے عقل سراسر نازیبا ہے اور یہ بندہ عاجز بے شک گمنام ہے اگر جواب میں اپنا نام لکھ بھی دیتا تو بھی اپنی گمنامی کی وجہ سے وہ تحریر گمنام ہی کے تحریر ہوتی اور نام لکھنا اور نہ لکھنا برابر ہوتا۔ باقی رہا بندہ کی تحریر کی نسبت جو کچھ تحریر فرمایا اس کے جواب میں مختصر کیفیت

---

[1] دہ دیکھو جو کسی نے کہا۔

آپ کے سوال کے اور اپنے جواب کے اہل انصاف کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں اور انصاف کا طالب ہوتا ہوں، سوال سامی بحیثیت مقصود دو امروں کو متضمن تھا۔ اول جناب نے بڑے جوش و خروش سے دعویٰ حقیقت اپنے اصول ثلثہ کا فرمایا تھا اور لکھا تھا کہ یہ اصول عقلاً و نقلاً ثابت ہیں اور کوئی دلیل عقلی یا نقلی مثبت حقیقت اصول مذکورہ آپ نے بیان نہیں فرمائے تھے پھر باوجود اس کے یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ اگر کوئی صاحب ہماری شرائط کو رد کریں تو محض لانسلم کہہ کر نہ ٹال دیں اور یہ حضرت کے مناظرہ دانی تھے کہ دعویٰ بلا دلیل لکھیں اور خصم سے اس کی تردید میں دلائل کے طالب ہوں جب آپ مدعی حقیقت اصول ثلثہ تھے تو آپ پر واجب تھا کہ اول ان کو دلائل عقلیہ نقلیہ سے ثابت فرماتے اور بعد اس کے خصم کو کہتے کہ محض لانسلم کہہ کر نہ ٹال دیں پھر ان کے جواب میں آپ کا خصم آپ کے دلائل پر حسب قواعد مناظرہ نقض یا معارضہ پیش کرتا بلکہ جب آپ کا خصم مانع ہے تو وہ بعض مقدمات کی نسبت حسب قاعدہ لانسلم بھی کہہ سکتا تھا۔ پس آپ کو اپنے رتبہ کی اور اپنے مجیب کے منصب کی خبر نہیں لیکن بااین ہمہ آپ نے دعوے خود ہی بلا دلیل ذکر کیا اور خلاف منصب بے محل واویلا شروع کر دیا۔ یہ حضرت کے انصاف اور مناظرہ دانی کا مقتضا تھا۔ اس لئے ہم کو اس کی کچھ شکایت نہیں۔

امر دوم آپ نے علماء اہل سنت سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے اصول موضوعہ کو دلائل عقلیہ سے اور دلائل نقلیہ سے ثابت کریں۔ علاوہ اس کے اس کے ذیل میں آپ نے کچھ مطاعن خلفاء رضی اللہ عنہم و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ذکر کئے اور باقی ماندہ بخار غیظ صاحب تحفہ و منتہی الکلام و ہدیہ و ہدایہ کی تغلیط میں نکالا۔ چونکہ آپ محض سائل ہی نہ تھے بلکہ اولاً مدعی اور ثانیاً سائل تھے تو حسب قاعدہ آپ پر واجب تھا کہ اپنے دعویٰ کو دلائل سے ثابت کرتے بعد اس کے اہل سنت سے ان کے اصول پر دلائل مثبتہ کے طالب ہونے کا آپ کو منصب حاصل ہوتا برخلاف اس کے آپ نے اپنے دعویٰ کو اپنے زعم میں بدیہی الثبوت تصور فرما کر اور مسلمات خصم سے سمجھ کر بلا دلیل ذکر فرمایا اور خصم سے اس کے اصول پر دلائل کے خواہاں ہوئے تو ظاہر ہے کہ آپ کا خصم آپ کے ایسے کب سننے گا اور آپ سے ضرور دلائل مثبتہ اصول ثلثہ کی نسبت گلوگیر ہوگا۔ یہ تو تحریر سامی کی کیفیت تھی۔ اب بندہ کے جواب کی کیفیت اہل انصاف سنیں کہ بندہ نے اول آپ سے آپ کے اس دعویٰ کا جو شروع تحریر میں بلا دلیل فرمایا تھا اثبات چاہا اور ثبوت اصول ثلثہ کے دلائل طلب کئے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بعد

اس کے محض تبرعاً پاس خاطر سامی آپ کی روایات مسلمہ سے آپ کے اصول مذہب کو باطل کیا جو اہل سنت کے بزعم جناب اصول موضوعہ کے ثبوت کے لئے ایک بہت بڑی قوی دلیل تھی۔ بعد اس کے اصول اہل سنت کا ذکر کیا اور باتباع سامی تفصیل دلائل سے اغماض کیا۔ لیکن بطور تنبیہ و ایقاظ ان کے ثبوت کا حوالہ مجملاً اقوال و افعال حضرات ائمہ کرام رضی اللہ عنہم پر کر کے تفصیل اقوال و افعال کو وقت تفصیل دلائل و مثبتہ اصول ثلثہ سامی پر منحصر رکھا کہ تفصیلی ذکر اقوال و افعال کا موقع اس وقت ہوگا جب کہ جناب اپنے اصول مسلّمہ کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ ایک دلیل مثبت اصول اہل حق حضرت کے اصول کے بطلان سے پیدا ہو ہی چکی تھی پھر مختصراً آپ کے مطاعن کا جواب دے کر الزاماً چند مفاسد مذہب سامی لکھے۔ پھر صاحب تحفہ و منتہی الکلام کی تغلیط کا ابطال لکھ کر آپ کو آپ کے علماء کے اغلاط پر تنبیہ کیا۔ اب ہم کچھ نہیں عرض کرتے آپ بھی بزعم خود مصنف ہیں اب آپ جو چاہیں فرمائیں چاہے اس کو اپنے دل میں واقعی جواب تصور فرمائیں اور چاہے مناظرہ کے ہتھکنڈے بتائیں اور چاہے گریز فرمائیں،

قولہ: مگر تعجب ہے کہ حضرت نے اپنا نام نامی کیوں نہ تحریر فرمایا۔ تقیہ تو شاید ان کے نزدیک علامت نفاق ہو یہ بھی شان پروردگار و حجت کردگار ہے کہ باوجودیکہ یہ حضرات تقیہ کو حرام اور منافقوں کا نشان فرماتے ہیں پھر ایسے خفیف امور میں تقیہ کرتے ہیں، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب، صاحب تحفہ جو اس فن میں اپنے اہل مذہب میں وحید عصر تھے اور متاخرین جمہور اہلسنت اس مناظرہ میں ان کے مقلد ہیں بااین ہمہ تحفہ میں اپنا نام لکھنے میں وہ بھی توریہ جو از قسم تقیہ ہی فرماتے ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الخفاء کے خاتمۃ الطبع میں مولوی محمد احسن صاحب صدیقی فرماتے ہیں۔ کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء تصنیف عالم ربانی جنید زمانی محمد اسمعیل بخاری ثانی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی است و آنچہ بعض کسان از عبارت تحفہ اثنا عشریہ الخ۔

بحث تقیہ

اقول: ہمارے حضرت مجیب نے اس جگہ تقیہ کا ذکر فرمایا اور ہم کو عدم تحریر نام کی نسبت الزام دیا کہ باوجودیکہ یہ حضرات تقیہ کو حرام اور منافقوں کا نشان کہتے ہیں

کے مرتکب ہوتے ہیں کہ اپنی تحریروں میں تقیہ کرتے ہیں اور نام نہیں لکھتے یا لکھتے ہیں توریۃً لکھتے ہیں جو از جنس تقیہ ہے۔ حضرت مجیب کے اس تمام تفصیل و تطویل سے اہل علم و فہم سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرت کو نہ حقیقت تقیہ سے واقفیت ہے نہ محل نزاع کی خبر ہے نہ اہلسنت کا مذہب معلوم ہے نہ اپنا مذہب جانتے ہیں اس لئے ضروری ہوا کہ ہم مختصراً اس جگہ تقیہ کا ذکر کریں اور حضرت مجیب کے کمال علمی اور مناظرہ دانی اور انصاف کو آشکارا کریں۔ اوّل تو یہ ہی سراسر غلط ہے جو اہل سنت کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ وہ مطلقاً تقیہ کو حرام اور منافقوں کا نشان کہتے ہیں اور یہ اہلسنت پر محض افتراء و بہتان ہے پھر عدم تحریر نام اور توریہ کو تقیہ محرمہ میں داخل کرنا دوسرا طرفہ ماجرا ہے۔ میر صاحب مدعی ہیں کہ ان کو عنفوان سن تمیز سے مناظرہ کا شوق رہا اور کتب مناظرہ کے مطالعہ میں انہماک رہا ہے تبلائیں تو سہی کہیں انھوں نے دیکھا ہے کہ اہلسنت نے مطلقاً تقیہ کو حرام اور منافقوں کا نشان لکھا ہے یا کہیں یہ لکھا ہے کہ توریہ از قسم تقیہ ہے یا نام نہ لکھنا یا غیر مشہور نام لکھنا از جنس تقیہ ہے اور اس کا ثبوت ان کو کسی روایت معتبرہ اہلسنت سے ملا ہے۔ افسوس ہے کہ میر صاحب اتنا بڑا دعوے فرمائیں اور اس کا ثبوت نہ دیں۔ بڑا افسوس یہ ہے کہ میر صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ کو بھی کھول کر نہ دیکھ لیا اس میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو لکھا ہے میں یقین کرتا ہوں کہ اگر حضرت مجیب تحفہ کا ملاحظہ فرما لیتے تو یہ تحریر اس طرح چشم انصاف بند کرکے تحریر نہ فرماتے۔ جناب میر صاحب جس تقیہ کو علماء اہلسنت حرام اور منافقوں کا نشان فرماتے ہیں وہ تقیہ وہ ہے کہ علماء شیعہ جس کی اپنے رسائل میں یہ تعریف فرماتے ہیں

وهي صون النفس [illegible] اهل الخلاف فيما يدينون به۔ یعنی اہل خلاف کے موافقت سے اون کے دینی امور میں حسب مثل مشہور۔ گنگا گئے گنگا داس جمنا گئے جمنا داس ذرا سے خیالی منافع کی امید پر کر ذرا سے نقصان ہوگی یا محض ہی ضرر کے اندیشہ سے اگر خوارج و نواصب کے محافل میں جا بیٹھے تو معاذ اللہ خوشنودی قوم سراپا لیا اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے جناب میں بے محابا گستاخیاں کرنے لگے اور اگر کہیں اہل سنت میں تشریف ہوئے تو مزعومی اعدائے اہل بیت کے فضائل و مناقب بیان فرمانے لگے اور تقیہ حرام وہ ہے کہ جو شیعہ ائمہ کرام علیہم السلام حاشاہم کی جناب پاک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

شیعہ کے حوالہ سے تقیہ کے واقعات

چنانچہ کہتے ہیں کہ جناب امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ ان کو کچھ خوف نہ تھا، خلفاء رضوان اللہ علیہم سے بیعت کرکے تمام عمر ان کا ہی کلمہ پڑھتے رہے بلکہ ان کے انتقال کے بعد بھی بیان فضائل و محامد کا ورد رہا۔ ہمیشہ باہم شیر و شکر رہے جمعہ جماعات و اعیاد انھیں کے پیچھے ادا کرتے رہے۔ اکثر مسائل خلفاء کی رعایت سے ان کے موافق خلاف حق لوگوں کو بتلا کر گمراہ کرتے رہے۔ غصب خلافت وارتداد امت پر اسی تقیہ کی بدولت چون و چرا نہ کی قرآن کی تحریف پر صبر و سکوت فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی قرآن منزل من السماء صفحہ کائنات سے گم ہوگیا۔ غصب فدک پر نہ لڑے معاذ اللہ تذلیل اہلبیت ہوئی اور حضرت سیدہ مظلومہ رضی اللہ عنہا پر حسب تصریح علماء قوم کیا کیا جور و جفائیں گذریں اور خبر نہ ہوئی علی ہذا القیاس جس کی تفصیل سے اہل ایمان کے بدن پر بال کھڑے ہوتے ہیں۔ بعد اس کے خلیفہ ثانی جناب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اسی تقیہ مشؤمہ کی بدولت خلعت خلافت نبوت جو نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور تمام مسلمانوں کے حقوق کی جوابدہی اور ذمہ داری اس کے ساتھ منوط ہے اپنے اوپر سے اتار کر بزعم شیعہ ایک کافر کو پہنا دیا اور اس کے حوالہ کرکے آپ ایک طرف ہو بیٹھے اور لوگوں کو گمراہی میں چھوڑ دیا۔ علاوہ ان کے آٹھ ائمہ کرام نے تو خلافت کا نام تک بھی زبان پر نہ لیا اور آخر میں خاتم سلسلہ امامت حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ نے تو آرام گاہ سُرّ من رائے میں وہ غیبوبت کبریٰ اختیار فرمائی کہ صدہا برس گذر گئے اور شیعیان پاک منتظران قدوم کے جانیں لبوں پر آگئیں لیکن حضرت اپنے جمال جہاں آرا کو مشتاقان زیارت پر جلوہ گر نہیں فرماتے۔ پہلے کچھ دنوں سلسلہ سفارت و خط و کتابت رقعات جاری رہا اب وہ بھی منقطع ہوگیا کیا حضرت کو یہ خبر نہ ہو گی کہ اس زمانہ میں عدد [illegible] اس کے کہ خوارج و نواصب کا وہ زور و شور نہیں رہا کسی جگہ جان کا خوف ان کو نہیں ہے کیا مہدی موعود کا حال معلوم ہو کر بھی آپ کو اس میں کچھ شک [illegible] رہا ہوگا۔ ہم نے فرض کیا کہ بخوف [illegible] سہی اور کوفہ [illegible] وغیرہ کا احساس [illegible]

---

[1] دیکھو مقدمہ صافی شرح اصول کافی علامہ خلیل قزوینی۔

قابل اعتماد نہ ہو لیکن اور کہیں نہیں تو بلاد المومنین ایران ہی میں ظہور فرما کر اظہار دعوت حق فرماتے۔ جہاں لاکھوں مخلصین آپ کے فدائی ہیں اور جانبازی کے لئے تیار و مستعد بیٹھے ہیں مگر یہ کہ یہ مذہبی اسرار میں سے ہے جس کی دریافت حقیقت سے عقول مومنین کوتاہ و قاصر ہیں۔ سبحانك هذا بهتان عظيم اور بحول الله وقوته۔ اس تقیہ کذائیہ کا ابطال آیات قرآنی و احادیث نبوی اور قصص انبیاء سابقین اور اقوال و افعال جناب ائمہ کرام رضوان اللہ علیہم سے مثل آفتاب رابعۃ النہار ثابت ہے آیات قرآنی سے ایک آیت مع اس تفسیر کے جو مفسر صافی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے ملتقطاً نقل کرتا ہوں ناظرین اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلٰئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ في حال ظلمهم انفسهم بترك الهجرة وموافقة الكفرة قَالُوا اى الملئكة توبيخا لهم فِيمَ كُنْتُمْ من امر دينكم قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ يستضعفنا اهل الشرك بالله في ارضنا وبلادنا بكثرة عددهم وقوتهم ويمنعونا من الايمان بالله واتباع رسوله اعتذروا مما وبخوا به بضعفهم وعجزهم عن الهجرة او عن اظهار الدين واعلاء كلمة قَالُوا اى الملائكة تكذيبا لهم أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فتخرجوا من ارضكم ودوركم وتفارقوا من يمنعكم من الايمان الى قطر آخر كما فعل المهاجرون الى المدينة والحبشة فَأُولٰئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيرًا دلالة على وجوب الهجرة من موضع لا يتمكن الرجل فيه من اقامة دينه۔ وعن النبي صلى الله عليه وسلم من فر بدينه من ارض الى ارض وان كان شبرا من الارض استوجب الجنة وكان رفيق ابراهيم ومحمد انتهى ملتقطا (تفسیر صافی ص ۱۲۳ پارہ ۵)

جو لوگ ترک ہجرت اور موافقت کفار کے سبب اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں فرشتے ان کی جان نکالتے وقت از روی توبیخ ان سے پوچھتے ہیں کہ کیوں! امور دین میں تمہارا کیا حال تھا! تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اس وقت مقہور و مغلوب تھے۔ یعنی ہمارے ملک و دیار میں جو مشرک لوگ تھے انھوں نے اپنی قوت اور کثرت تعداد کے سبب ہم کو دبا لیا تھا اور خدائے تعالیٰ پر ایمان لانے اور رسولؐ کی پیروی کرنے سے ہم کو روکتے تھے پھر اس نکوہش و سرزنش کے جواب میں یہ عذر لائیں گے کہ چونکہ ہم مغلوب زیر دست تھے اس لئے ہجرت یا اظہار دین اور اعلاء کلمۃ الحق نہ کر سکے۔ تب فرشتے انکو جھٹلانے کے لئے کہتے ہیں کیا خدا تعالیٰ کا ملک تنا فراخ نہ تھا کہ تم وہاں سے ہجرت کر جاتے اور اپنے وطن اور گھروں سے چل نکلتے اور جو لوگ تم کو ایمان لانے سے روکتے تھے ان سے قطع تعلق کر کے کسی اور طرف کا رستہ لیتے جیسا کہ مہاجر لوگ مدینہ منورہ اور ملک حبش کی طرف نکل گئے۔ پس ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ بہت بری بازگشت ہے۔ پس یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی جگہ اپنے دین کو قائم نہ رکھ سکے تو اس کے لئے اس مقام کا چھوڑ دینا واجب ہے۔ اور آنحضرتؐ سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے دین کو (سلامت) لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ جائے اگرچہ یہ مسافت ایک ہی بالشت کی کیوں نہ ہو۔ اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے اور وہ ابراہیمؑ و محمدؐ کا رفیق بن جاتا ہے۔ ۱۲

اہل انصاف اس آیت شریف کو اور اس کی تفسیر کو مع آیات ثلٰث ملحقہ کے ملاحظہ فرمائیں اور حقیقت تقیہ پر وقوف و اطلاع حاصل کریں۔ اگرچہ اس جگہ بہت بحث کی گنجائش ہے اور اس تفسیر سے بہت سے عقدہ حل ہو سکتے ہیں لیکن بخوف تطویل اسی قدر تفسیر پر اکتفا کر کے اور مضامین مستنبط کو اذہان صافیہ ناظرین پر حوالہ کر کے آگے چلتا ہوں۔

احادیث نبوی سنیں علامہ باقر مجلسی جلد اوّل بحار میں نقل کرتے ہیں۔

ابن يزيد عن محمد بن جمهور القمي رفعه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ظهرت البدع في امتي فليظهر العالم علمه فان لم يفعل فعليه لعنة الله۔ الى عن عبد الله بن المغيرة ومحمد بن سنان عن طلحة بن زيد عن ابي عبد الله عن ابائه عليهم السلام قال قال عليه السلام ان العالم الكاتم علمه يبعث انتن اهل القيامة ريحا تلعنه كل دابة حتى دواب الارض الصغار۔

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میری امت میں بدعتیں ظاہر ہونے لگیں عالم کو چاہیئے کہ اپنا علم ظاہر کرے پھر اگر ایسا نہ کرے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ فرمایا علیہ السلام نے اپنے علم کو چھپانے والا اٹھایا جائے گا اہل قیامت میں سب سے زیادہ بدبو والا۔ سب جانور اس پر لعنت کرتے ہیں یہاں تک کہ زمین کے چھوٹے چھوٹے کیڑے۔

یہ روایات صریح مبطل تقیہ ہیں اور علماء شیعہ جو کچھ ان روایات میں تاویل فرما کر مسخ و

تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مراد ماسوائے مواقع تقیہ کے ہے وہ بروئے عقل و انصاف ہرگز قابل قبول نہیں۔ اقوال و افعال ائمہ کی تفصیلی نقل موجب تطویل ہے اس لئے اس میں سے قدر قلیل کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ بہت سے اقوال مبطل تقیہ نہج البلاغہ وغیرہ کتب میں مذکور ہیں ان میں سے جناب امیر رضی اللہ عنہ کا ایک قول جو نہج البلاغۃ میں شریف رضی نے نقل کیا ہے لکھتا ہوں۔

ومن کلام له علیه السلام لما عزموا علی بیعة عثمان لقد علمتم انی احق بها من غیری واللّٰه لاسلمن ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیها جور الا علیّ خاصة۔

جب لوگوں نے عثمانؓ کی بیعت کا قصد کیا تو اسوقت جو کچھ جناب امیر نے فرمایا اس میں سے یہ کلام ہے تم جان چکے ہو کہ میں اپنے غیر کی بہ نسبت احق بالخلافت ہوں خدا کی قسم میں تسلیم کروں گا دوسرے کی خلافت کو جب تک کہ مسلمانوں کے امور میں خلل نہ پڑے گا اور نہ ہوگا اس میں کسی پر ظلم سوائے میرے نفس خاص کے۔

اس قول سے صاف ثابت ہے کہ جناب نے تسلیم و انقیاد خلیفہ کا اسی وقت تک قبول کر رکھا ہے جب تک کہ مسلمانوں کے امور سلامت ہیں اور سوائے ذات خاص جناب کے کسی پر ظلم و جور نہ ہو اور جب یہ ہوگا یعنی مسلمانوں کے حقوق ضائع ہوں گے اور ان پر جور ہوگا تو پھر یہ تسلیم و انقیاد نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خلفاء رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہمیشہ شیر و شکر رہے، کبھی مخالفت نہیں فرمائی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ ذرا نرمی اور مدارات نہ فرمائی اول ہر طرح فہمایش فرمائی یہاں تک کہ آخر کار قتل و قتال سے بھی دریغ نہیں فرمایا اگرچہ کامیاب نہ ہوئے اور فتنہ فرو نہ ہوا۔ غرضیکہ یہ قول اور یہ فعل حضرت رضی اللہ عنہ کا سراسر مبطل تقیہ ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اگرچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مناقشہ نہ فرمایا لیکن یزید جو آپ سے صرف بیعت کا ہی خواستگار تھا آپ نے ہرگز اس کی بیعت کرنا قبول نہ فرمایا اور اپنی قلت اور اس کی فوج کی کثرت سے ذرا ہراس نہ کیا اور اپنے آپ کو اور جوانان اہل بیت کو طعمۂ تیغ بے دریغ کر کے شربت شہادت نوش فرمایا اور شیعہ کے ایک فرض مذہبی کو جو تقیہ ہے بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا۔ یہ مقدار استقرائی ہے اور دوں کا بھی اندیشہ ہے اس لئے ہم بسط و تفصیل سے غرض نہیں کر سکتے۔

غرض یہ تقیہ ہے جو مختلف فیہا بین الفریقین ہے اور جس کو اہل سنت حرام اور منافقوں

کا نشان کہتے ہیں نہ توریہ و معاریض کجا توریہ اور کجا تقیہ ع کجا ریسمان و کجا آسمان۔

اہل سنت کے یہاں اکثر غزوات میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توریہ منقول ہے اور توریہ میں امر ذو معنیین و ذو جہتین بغرض ابہام مقصود اور ایہام خلاف مقصود کے استعمال کیا جاتا ہے اور نام نہ لکھنا تو توریہ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ تقیہ محرمہ ہو پس حضرت مجیب جیسے مدعی انصاف سے نہایت استعجاب ہے کہ ایک دفتر لایعنی لکھ ڈالا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور یہ نہ سوچا کہ میں انصاف کا دعویٰ بھی اسی تحریر میں کر چکا ہوں۔ اگر کوئی ان دونوں باتوں کو جمع کرے گا تو کیا کہے گا۔ پھر اب ہم ان تحقیقات پر اپنے مجیب لبیب سے کیا انصاف کی امید رکھیں۔ اگرچہ توریہ میں بحیثیت جواز ضرورت و عدم ضرورت دونوں مساوی ہیں۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح اس پر شاہد ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تحفہ میں اپنا مشہور نام کیوں نہیں لکھا؟

معہذا تحفہ کے دیباچہ میں جو حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے توریۃً اپنا غیر مشہور نام تحریر فرمایا۔ علاوہ اور مصالح کے ایک یہ بڑی ضرورت اس طرف داعی تھی کہ اس زمانہ میں شیعہ کا نہایت زور تھا اکثر بڑی بڑی فوجی منصب دار و رئیس متعصب شیعہ تھے چنانچہ تقریباً اسی زمانہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بدون اس کے کہ کوئی گناہ مستوجب قتل ان سے سرزد ہوا ہو بے گناہ ان کے دست تعدی سے طعمۂ نہنگ اجل ہو کر شربت شہادت نوش فرما چکے تھے اور اس کا کچھ تدارک و انتقام نہ ہوا تھا تو ایسے طوفان بے تمیزی کے وقت میں اگر یہ کتاب حضرت شاہ صاحب کے نام سے شائع ہوتی تو وقوع فتنہ قتل و قتال کا بالیقین تھا اور اس فتنہ کی آتش کا شرارہ صدہا خانمان کو خاک سیاہ کرتا۔ اور بعض اوباش اسی زمانہ میں بارادہ فاسد حضرت شاہ صاحب کی مجلس میں بھی آئے لیکن حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے محفوظ رکھا اور ان کے شر کو دفع کیا یہ قصہ کچھ بہت پرانا نہیں ہے اگر آپ تحقیق فرمائیں گے تو معلوم ہو جائے گا یوں ہی بے تحقیق اعتراض کرنا آپ کے ادعائے انصاف پر زیبا نہیں ہے۔ اور انگریزی عملداری اور انتظام کو ملحوظ اس زمانہ کے اس وقت کو انتظامی امور میں خیال کرنا سراسر خلاف عقل ہے۔ کیونکہ وہ زمانہ ابتدا عملداری اور تسلط کا تھا اس وقت جس قدر مدارت و مراعات و اغماض ہوتے تھے اس وقت کس کا

نام ونشان بھی نہیں بلکہ جو حقیقت قبل از غدر تھی وہ بھی اس وقت نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ انگریزی تسلط تدریجی ہوتا ہے آج کچھ ہے کل کچھ، پس جن دو زمانوں میں تقریباً سو برس کا فصل واقع ہوگیا ہو۔ ان میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرکے ایک حکم کرنا کس قدر بعید از عقل و انصاف ہے اور بندہ نے جو اپنا نام نہیں لکھا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ تحریر سامی میرے پاس بالواسطہ آئی تھی۔ مجھ کو معلوم نہ تھا کہ پیرجی صاحب نے پیرایہ مناظرہ کا کیوں کر رکھا ہے اپنی ہی طرف سے اپنے علماء سے لے کر جواب دیتے ہیں یا وہ ہی جواب بعینہٖ پیش کر دیتے ہیں اور نہ بندہ کو اس شرط کی اطلاع دی گئی تھی کہ اگر تحریر میں کسی کا نام نہ ہوگا تو آپ اس تحریر کو قبول نہ فرمائیں گے اور کچھ نام آوری بھی مقصود نہ تھی تو میں نے خیال کیا کہ جواب عاری از نام پیرجی صاحب سلمہٗ کی خدمت میں بھیج دوں پھر آگے ان کو اختیار ہے یہ جواب پیش کریں یا نہ کریں اور اگر پیش کریں تو خواہ جس طرح مناسب سمجھیں پیش کر دیں گے تو فی الحقیقت مجھ سے سائل پیرجی صاحب سلمہٗ اور مولوی ابو الطیب عفی لہٗ تھے اور ان کو اس امر کی اطلاع تھی کہ یہ تحریر اس عاجز کی ہے تو اس صورت میں نام نہ لکھنا نہ توریہ ہے نہ تقیہ۔ اصل وجہ جو کچھ تھی عرض کر دی۔ اگر آپ کو اس میں شک ہو تو پیرجی صاحب سے دریافت فرمالیں۔ اب آپ اس کو چاہیں توریہ فرمائیں یا تقیہ بنائیں آپ کے انصاف ادعائی کے سب شایان شان ہے

قولہ: اگرچہ شفیق کا وعدہ یہ تھا کہ مجیب کا نام ضرور ہوگا بلکہ اسی شرط پر مجھ سے نام لکھوایا تھا اور یہ اقرار تھا کہ اگر مجیب اپنا نام نہ لکھیں تو تو جواب نہ لکھنا مگر اب وہ بھی حیران ہیں اور کہتے ہیں کہ خیر گو یہ وعدہ وفا نہ ہوا مگر تو میری خاطر سے جواب لکھ، الخ

اقول: پہلے گذارش ہو چکا ہے کہ آپ کے شفیق نے یا کسی نے مجھ کو آپ کی اس شرط کی اطلاع نہیں فرمائی ورنہ نام لکھنے میں کچھ تامل اور کچھ دریغ نہ تھا پھر یہ جو میر صاحب فرماتے ہیں کہ میرے شفیق بھی چاہ موجہ حیرت میں گرفتار ہوگئے اور عدم وفاء وعدہ کو تسلیم کرکے جواب الجواب کے ملتمس ہونے لگے سراسر لغو ہے اول اپنے شفیق سے دریافت فرمایا ہوتا کہ آپ نے شرط مقرر کی مؤلف جواب کو اطلاع دی ہے یا نہیں جب اس کے جواب میں وہ یہ فرماتے کہ میں نے اس شرط کی اس کو اطلاع دی ہے تو آپ نے دریافت فرمایا ہوتا کہ اس نے نام لکھنے سے انکار کیا ہے کیونکہ احتمال ہے کہ نام لکھنا بوقت نقل سہواً رہ گیا ہو اور اگر وہ یہ فرماتے کہ اس شرط کی اس کو اطلاع نہیں دی گئی تو آپ نے فرمایا ہوتا کہ اس تحریر کو واپس

بھیج دیا جائے تاکہ وہ یا نام لکھے یا انکار کرے اور اگر یہ بھی ممکن نہ تھا تو بذریعہ ایک کارڈ کے آپ کے شفیق دریافت فرماسکتے تھے کہ نام کیوں نہیں لکھا اور عجب نہیں کہ میں ان کو خاتمہ تحریر پر اپنا نام لکھنے کی اجازت لکھ بھیجتا یہ موقع ہرگز نہ آپ کے انکار کا تھا نہ ان کے مبتلائے حیرت ہونے کا اور اصرار کا۔ لیکن ہاں انصاف ادعائی کا مقتضا یہ ہے کہ بدون تحقیق بلاتفتیش اس پر تقیہ کا حکم لگا دیا اور اس اذعان و یقین کے ساتھ گویا مخبر صادق نے خبر دی یا وحی نازل ہوئی۔

قولہ: اگرچہ حضرت مجیب کمال علم و فضل کے مدعی ہیں حتی کہ امتحان لینے کو مستعد ہیں

اقول: میں ہیچمدان و ہیچکارہ ہرگز مدعی اپنے علم و فضل کا نہیں ہوں بلکہ تمام خاندان میں اس مرض نفسانی کا نام و نشان نہیں، لیکن ہاں گاہے بنظر حمایت اسلام مخالفین کی زعم شکنی کے لئے مدعی بھی ہو جاتا ہوں اور یہاں یہ ایسا ہی محمود ہے جیسا کہ جہاد اعداء کے وقت پسندیدہ خداوند تعالیٰ ہے۔ اور واضح رہے کہ امتحان لینے کے قصد سے جو ادعاء کمال علم و فضل استنباط فرمایا ہے یہ محض خوش فہمی سے ناشی ہے کیونکہ جس امتحان کے لئے عرض کیا گیا تھا اس کے واسطے کمال علم و فضل کی ضرورت نہیں اس لئے کہ یہ دریافت کرنا کہ فلاں کتاب کا کون مصنف ہے اور فلاں مصنف کی تصنیفات کیا ہیں اس کے لئے کمال علم و فضل کی ضرورت نہیں ہے۔ پس دلیل دعوے کو مثبت نہ ہوئی، البتہ ادعائے کمال علم و فضل سامی قابل تماشا ہے جو خیال فرماتے ہیں کہ ایک عالم ہمارے مقابلہ میں مہر سکوت برلب ہے سو بفضلہ تعالیٰ اس دعویٰ کی اصلیت عنقریب منکشف ہوا چاہتی ہے۔

قولہ: اور بظاہر بڑی کروفر سے میدان مناظرہ میں قدم رکھا ہے۔

اقول: یہ کچھ طعن و تشنیع و شکوہ و شکایت کی بات نہیں ہے حمایت دین اسلام بڑی کروفر اور مستعدی سے کرنا خاص اہل اسلام کا ہی حصہ ہے آخر بزعم خود اپنے جواب میں تو آپ نے بھی بڑا کروفر دکھلایا ہے۔

قولہ: مگر ضعف تحریر ہی سے ثابت ہے کہ اصل سوال کے جواب میں کچھ بھی تحریر نہ فرمایا اور بجز طعن و تشنیع اور تحدید زبانی کے کسی بات کا تعرض نہ کیا۔

اقول: یہ حضرت کے فہم کی خوبی ہے جو آپ فرماتے ہیں کہ اصل سوال کے جواب میں کچھ بھی تحریر نہ فرمایا اور بجز طعن و تشنیع و تہدید زبانی کے کسی بات کا تعرض نہ کیا ورنہ اگر ذرہ

غور سے ملاحظہ فرماتے تو اس میں اپنا جواب پاتے۔ چنانچہ اجمالی طور پر اس تحریر کی کیفیت اہل انصاف کے سامنے پیش کر چکا ہوں بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں اور جناب کو تو اختیار ہے چاہے مناظرہ کے ہتھکنڈے بتائیں یا گریز فرمائیں یا تہدید زبانی اور طعن و تشنیع تصور کریں مثل مشہور زبان کے آگے نہ کوا نہ کھاتے۔

قولہ: حضرت نے خیال فرمایا کہ سوائے تحفہ اور کچھ سامان نہیں ایسی چال چلنی چاہیے کہ وہ ہی امور جن کا تحفہ میں ذکر ہے اور ان میں ہی ان کے زعم میں کچھ بحث ہو سکتی ہے اس مباحثہ میں چھیڑنے چاہیئے اس لئے میرے وہی قول لئے کہ جن کی بحث تحفہ میں موجود ہے یعنی اول شرائط ثلثہ امامت کے دلائل طلب فرمائے۔

اقول: یہ بھی حضرت کا تخیل محض ہے یا بذریعہ استخارہ طاق جفت کے معلوم فرمایا ہوگا کہ میں نے خیال کیا کہ میرے پاس سوائے تحفہ کچھ سامان نہیں حالانکہ خود ہی ازالۃ الغین اور آیات بینات کی میرے پاس ہونے کا اعتراف فرماتے ہیں اور اس امر کا شیعہ کو بھی اعتراف ہے کہ ازالۃ الغین تحفہ سے ماخوذ نہیں۔ اچھا بپاس خاطر سامی مسلم کہ میرے پاس سوائے تحفہ کوئی سامان نہیں اس لئے وہی اقوال لئے جن کی بحث تحفہ میں موجود ہے اور تحریر بھی ضعیف ہے اور آپ کے پاس مواد تالیف ہر قسم کا موجود معاونین مستعد ملکہ بدرجہ قصوای لیکن اگر یہ آپ کا زعم صحیح ہو تو آپ کو مبارک ہو جلدی فیصلہ ہو جائے گا۔ آپ کو کچھ دقت اٹھانی نہ پڑے گی پس وہی ابحاث لکھ دیجئے کہ جن کی بحث تحفہ میں موجود نہیں اور میدان مناظرہ جیت لیجئے۔ اور کوئی قول اپنے سوال میں ایسا بتلائیے تو سہی جس کی بحث تحفہ میں نہیں ہے۔

قولہ: ہم حضرت کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

اقول: آداب عرض ہے۔

قولہ: اور حسب وعدہ جواب کے منتظر ہیں۔

اقول: لیجئے حاضر۔

تردید اصل جواب

قال الفاضل المجیب۔ قال المجیب اللبیب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

اقول: اس خطبہ میں یہ کلام ہے حسب مذاق اہل سنت وجماعت خصوصاً حضرت مجیب اصحابہ کو آلہ پر مقدم کرنا مناسب تھا نہ بالعکس کیونکہ بعد جناب رسول خدا صلعم کے کل خلایق پر من حیث الثواب والرتبہ تفضیل شیخین کو ہے جیسا کہ شرح عقائد نسفی میں جو اہلسنت کی معتبر کتاب ہے موجود ہے۔ افضل البشر بعد نبینا ابوبکر الصدیقؓ ثم الفاروقؓ۔ انتہیٰ۔

اور حضرت مجیب کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اسی پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں علی الخصوص خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کو اہلسنت تمام امت سے باعتبار مرتبہ اعلیٰ و افضل اور ایمان میں اثبت و اکمل اعتقاد کرتے ہیں۔ حالانکہ اسی اعتقاد نسفی بلکہ اور کتاب عقائد میں خلفاء اربعہ کی تفضیل بترتیب خلافت ذکر ہے مگر حضرت مجیب نے خلفاء اربعہ بھی نہ لکھا اس لئے مناسب تھا کہ اصحابہ کو آلہ پر مقدم فرماتے تاکہ زبان ساتھ قلب وجنان کے موافق و مطابق ہوتے نہ یہ کہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ۔

بحث آلہ کی تقدیم اصحابہ پر

یقول العبد الفقیر الیٰ مولاہ: ہمارے میر صاحب نے خطبہ ہی سے جو بے سوچے سمجھے کلام و تردید شروع کی شاید اس سے یہ مطلب ہوگا کہ جہاں میں باعث فخر و نیکنامی ہو کہ میر صاحب نے بسم اللہ سے لے کر آخر تک کی تردید کر دی۔ لیکن اہل علم وفہم کے نزدیک تو ایسے اعتراضات سے بجز اظہار اپنی ناواقفی اور کم علمی کے اور کچھ حاصل نہیں۔ اگرچہ ہم مناقشہ لفظی کو پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ تطویل لاطائل ہو کر بیان مقصود میں مخل ہوتا ہے چنانچہ ہم نے اپنی پہلی تحریر میں بھی اس کو ترک کر دیا تھا لیکن بپاس خاطر حضرت مخاطب بحث لفظی کی حاجت ہے کہ ان کے شبہ کا رفع واجبات سے ہے۔ پس واضح ہو کہ ہمارے مجیب نے شروع اعتراض میں تقدم لفظ آل کی نسبت لفظ اصحاب پر مناسب ہونے کا

لہ صفحہ ۱

حکم کیا ہے جو اولویت کو مقتضی ہے اور علت تقدم جو ذکر کی ہے وہ مقتضی وجوب کو ہی فرماتے ہیں تاکہ زبان ساتھ قلب وجنان کے موافق ہو جائے. زبان کا قلب کے ساتھ مطابق ہونا ضروریات دین سے ہے اور عدم توافق نفاق ہے.

بہر تقدیر اولاً امیر صاحب کو ثابت فرمانا چاہیئے کہ عطف بالواو ترتیب رتبی کو مستلزم ہے ہم اس کو ہی تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ واو محض جمعیت فی الحکم کو مفید ہے چنانچہ واقفان فن عربیت جانتے ہیں کہ کلام فصحا میں کبھی تنزل اعالی سے اسافل کی طرف ہوتا ہے اور گاہے ترقی اسافل سے اعالی کی جانب کی جاتی ہے. قرآن شریف کی مواضع متعددہ میں حق تعالیٰ نے انبیاء ورسل کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کے اس دعوی کو مبطل ہے. آیہ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَا آخر چند آیات تک پڑھ جائے اور اگر یاد نہ ہو تو کسی حافظ سے پڑھوا لیجئے یا قرآن میں دیکھ کر پڑھ لیجئے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پہلے سیپارہ میں مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ الخ پڑھ لیجئے.

خطبہ میں صحابہؓ کا ذکر نہ کرنا شیعہ کا شعار ہے.

ثانیاً ہم کہتے ہیں کہ لفظ آل اصحاب کو بھی شامل ہے اور اس کے مغائر ومقابل نہیں اور کچھ ضرورت نہیں تھی کہ لفظ اصحاب ذکر کیا جاتا لیکن چونکہ اکثر حضرات مصنفین شیعہ نے یہ طرز اختیار فرمایا کہ اصحاب کا ذکر خطبوں میں نہیں فرماتے اور شاید ان کا یہ معمول اس وجہ سے ہے کہ ان کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب میں سے کوئی شخص معصیت تو درکنار سوائے حضرت مقدادؓ کے حصہ ارتداد سے بھی نہیں بچا چنانچہ اس جگہ ایک ہی روایت پر اکتفا کرتا ہوں جناب قاضی صاحب شوستری مجالس المومنین میں بذیل ذکر مقدادؓ فرماتے ہیں وشیخ ابوعمرو کشی کہ از علماء امامیہ است در کتاب اسماء رجال باسناد خود از حضرت امام محمد باقر روایت نمودہ.

ارتد الناس الا ثلثة نفر سلمان	سب لوگ مرتد ہو گئے مگر تین شخص سلمان، ابوذر،
والبوذر والمقداد فقلت فعمار	مقداد میں نے پوچھا اور عمار فرمایا کہ وہ کچھ پھر گیا

ے سورۃ انعام آیت ۸۳ تا ۹۰۔ ے البقرۃ آیت ۹۸۔

قال کان حاص حیصة ثم رجع	تھا لیکن پھر لوٹ آیا فرمایا اگر ایسا شخص چاہیے
قال ان اردت الذی لم یشك	جس کو کچھ شک نہ ہوا ہو اور جس کے کچھ دل میں
ولم یدخله شئ فالمقداد له	نہ داخل ہوا ہو تو مقداد ہے.

على الخصوص حضرت مخاطب کے مذاق پر کہ انھوں نے تصریح فرمائی ہے کہ معصیت کرام ہونے سے بالکل خارج کر دیتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کل صحابہ کا کرام ہونا کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خود اقوال وافعال صحابہ بلکہ خود صاحب تحفہ کی تحقیق سے ثابت نہیں ہوتا. سورہ جمعہ کے آخر کو ملاحظہ فرمایئے. وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا آیت الخ. تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ معصیت مکرمت کے بالکل خلاف ہے تو صحابہ کرام معاذ اللہ کرام نہ ہوئے اور جب کہ صحابہ کرام کا وجود ہی متحقق نہ ہوا تو شاید اسی لیے مصنفین شیعہ نے لفظ اصحابہ کو ترک فرمایا اور اہلسنت نے خیال کیا کہ اگر لفظ اصحاب کو ترک کرتے ہیں تو واہمہ خلاف مقصود پیدا ہوتا ہے اور ایک امر شنیع میں تشبہ بشیعہ لازم آتا ہے تو بغرض دفع توہم خلاف مقصود اور حذراً عن التشبہ بطور تخصیص بعد تعمیم کے لفظ اصحابہ کو ذکر کیا.

ثالثاً فرضاً لفظ آل واصحاب میں تقابل ہے اور لفظ آل اصحاب کو شامل نہیں تاہم یہ اعتراض باطل ہے کیونکہ اگر خلفاء کو افضلیت حاصل ہے تو وہ فضل کلی ہے اور فضل کلی اعتبار تقدم فضل جزئی کو مانع نہیں تو اس موقع پر تقدم لفظ آل کا باعتبار فضل جزئی یعنی جزئیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقع ہوا. رابعاً یہ اعتراض بلا تدبر کیا گیا ہے اور اس کی دلیل مدعا کی مثبت نہیں اس لیے کہ دعوی یہ کیا گیا ہے کہ لفظ اصحاب کو آل پر مقدم کرنا چاہیئے اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہوئی کیونکہ بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کل خلائق پر من حیث الثواب والرتبہ تفضیل شیخین کو ہے اور ظاہر ہے کہ تفضیل شیخین مستلزم تفضیل جمیع اصحاب رضی اللہ عنہم نہیں. پس اگر لفظ اصحابہ کا آل پر مقدم کیا جاوے تو موافق زعم سامی موہم ہوتا ہے کہ جمیع صحابہ اہل بیت سے افضل ہوں اور حاشا کہ اہلسنت ایسا اعتقاد رکھتے ہوں. لیکن میں نہایت متعجب بلکہ ہمہ تن حیرت ہوں کہ جناب والا نے باایں ہمہ ادعائی انصاف ودانش جب اس خطبہ پر جو بظاہر فی الجملہ مسلک سامی کے موافق تھا کہ اس میں لفظ مقدم آل کا صحاب پر [illegible] تھا جو مقتضی تقدم رتبی کو ہے اور نیز

اصحاب کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ غایۃ ما فی الباب آپ اصحاب سے وہی اصحاب سمجھیں گے جن کو برخلاف نصوص روایات صحیحہ اپنی کے آپ نے کرام اعتقاد فرما رکھا ہے اس جوش وخروش سے معترض ہیں تو اپنے جمہور علماء مصنفین پر جو قدیماً وحدیثاً لفظ آل ہی پر اکتفا فرماتے ہیں اور گویا اصحاب کے ذکر کے خطبوں میں صلوٰۃ وسلام کے لئے قسم کھا رکھی ہے۔ کیا کچھ اعتراض نہیں کیا ہوگا اکثر حضرات شیعہ تو صرف آل کا ہی ذکر فرماتے ہیں اور بعض حضرات جیسے ہمارے مجیب ومخاطب شاید اس خیال سے کہ مبادا کوئی کسی قسم کی گرفت کرے ذکر آل واصحاب ہر دو ترک فرما دیتے ہیں اور بعض متقیین اگر کہیں اہل سنت میں جا پھنسے اور وہاں تصنیف کا اتفاق ہوا یا لباس تسنن میں کوئی کتاب تالیف کی تو لابد اصحاب کا بھی ذکر فرما دیتے ہیں۔

پس ہمارے حضرت مجیب فرمائیں تو سہی کیا کسی روایت میں اصحاب کرام پر تبعاً صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی حرمت وارد ہوئی ہے یا کسی نے ائمہ میں سے خطبات وغیرہ میں اصحاب پر صلوٰۃ وسلام کی ممانعت فرمائی ہے جس کی وجہ سے حضرات نے یہ عہد موثق باندھا ہے۔ ہم نے تو صحیفہ کاملہ کی روایت میں یوں پڑھا ہے

اَللّٰهُمَّ وَاَصْحَابُ مُحَمَّدٍ خَاصَّةً اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الصَّحَابَةَ

الٰہی رحمت بھیج اصحاب محمدؐ پر خاص کر جنہوں نے اچھی مصاحبت کی۔

ذرا تخصیص بعد تعمیم بھی ملاحظہ فرما لیجئے گا۔ اگر یہ فرمائیں کہ اصحاب کرام معصوم نہیں ہم عرض کریں گے کہ آل بھی تمام معصوم نہیں بلکہ صرف آپ کے نزدیک ائمہ علیہم السلام ہی معصوم ہیں۔ پس بجز اس امر کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ اصحاب کے ساتھ بغض وعداوت کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ بوجہ اشتراک لفظی کے جو کہ لفظ اصحاب میں ہے اور بوجہ استکراہ لفظ اصحاب کے اپنے معتقد علیہ اصحاب کو بھی جن کو برخلاف روایات کرام اعتقاد فرما رکھا ہے صلوٰۃ وسلام سے محروم کر دیا۔

زبان کو دل کے ساتھ موافق کرنا خلاف شیعہ ہے

باقی رہا یہ ارشاد کہ زبان ساتھ قلب وجنان کے موافق ومطابق ہو جائے نہ یہ کہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ، یہ تو اپنے مذہب کی ناواقفیت سے ناشی ہے [illegible] حضرت کلینی کی روایت کو تو ملاحظہ فرمایئے وہ حضرت [illegible] صادق سے روایت

کرتے ہیں۔

انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ۔ عن الادرغام۔

تم ایسے دین پر ہو جو شخص اس کو چھپا دے گا اللہ تعالیٰ اس کو عزت دے گا اور جو شخص اسکو پھیلا دیگا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے گا۔

پس جب دین اسلام کی یہ حالت ہے تو زبان کا قلب وجنان سے موافق ہونا مخالف شرع اور محرم قرار پایا اور زبان کا دل سے مخالف ہونا اصول دین سے ٹھہرا اگر یہ کہ حضرت نے اس میں بھی تقیہ فرمایا ہو لیکن غالباً حضرت بحکم کتاب مختوم بخواتیم الذہب مامور باظہار حق تھی اور حضرت کو تقیہ جائز نہ تھا۔ اور لیجئے آپ کے شیخ صدوق اپنے اعتقادیہ میں فرماتے ہیں

ومن ترکہا (ای التقیۃ) قبل خروجنا فقد خرج عن دین اللہ ودین الائمۃ وخالف اللہ ورسولہ والائمۃ۔ عن کاشف اللثام۔

جس شخص نے ہمارے ظہور سے پہلے تقیہ چھوڑ دیا وہ شخص بیشک اللہ کے دین سے اور ائمہ کے دین سے نکل گیا اور اللہ اور رسول اور ائمہ کا مخالف ہوا۔

واقفوں اور ناواقفوں کو دین میں کلام اور گفتگو کرنا منع ہے

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ تا وقتیکہ ائمہؑ خروج وظہور نہ فرما دیں کسی شخص کو اظہار اپنے معتقدات کا اور توافق قلب وزبان ہرگز جائز نہیں بلکہ یہ خدائے تعالیٰ اور ائمہؑ کے دین سے خروج ہے کیونکہ وقت ظہور امامؑ تک زمانہ تقیہ نہ دامن نہیں اور اگر ایسا ہوتا تو حضرت ہی کیوں چھپے بیٹھے رہتے اور کیوں ظہور نہ فرماتے۔ پھر معلوم نہیں کہ ہمارے حضرت مخاطب نے خصوصاً اور تمام متکلمین شیعہ نے عموماً برخلاف فرمودہ ائمہ کے اپنے معتقدات کو کیوں ظاہر فرمایا کیا وہ اس وعید سے مستثنیٰ ہیں اور اگر یہ خیال ہو کہ یہ حکم کم علم اور ناواقفوں کے لئے ہے اور جو صنعت جدال ومناظرہ سے واقف اور اس کے مشاق ہوں تو وہ اس وعید سے خارج ہیں تو ذرا حدیث شیخ ابن بابویہ کو جو کتاب التوحید ونفی التشبیہ والجبر میں روایت کی ہے ملاحظہ فرمایئے

حدثنا محمد بن عیسی قال قرأت کتاب علی بن بن[illegible] الی [illegible]

محمد بن عیسیٰ کہتا ہے کہ میں نے علی بن بن[illegible] کا خط امام علیہ السلام کی خدمت میں پڑھا اس میں یہ لکھا ہو

یہاں امام کا نام اس لئے کاتب کی غلطی سے [illegible] اس لئے جگہ خالی چھوڑ دی گئی [illegible]

علیہ السلام انہ روی عن ابائک علیہ السلام انہم نہوا عن الکلام فی الدین فتاول موالیک المتکلمون بانہ انما نہی من لا یحسن ان یتکلم فیہ فاما من یحسن ان یتکلم فیہ فلم ینہہ فہل ذلک کما تاولوا اولا فکتب علیہ السلام المحسن وغیر المحسن لا یتکلم فیہ فان اثمہ اکبر من نفعہ۔ عن کاشف اللثام۔

تھا کہ آپ کے آباء علیہم السلام سے مروی ہے کہ انہوں نے دین میں کلام و گفتگو کی ممانعت فرمائی ہے اس میں آپ کے ان غلاموں نے جو کلام و گفتگو کرتے ہیں یہ تاویل کی ہے کہ یہ ممانعت ان لوگوں کے واسطے ہے جو اچھی طرح مناظرہ نہیں کر سکتے اور جو لوگ کہ مناظرہ کے مشاق ہیں اور اچھی طرح گفتگو کر سکتے ہیں ان کے لئے ممانعت نہیں کی ہے تو کیا یوں ہی ہے جس طرح انہوں نے تاویل کی ہے حضرت علیہ السلام نے اس کے جواب میں لکھا خوب کلام کرنے والا اور خوب کلام نہ کرنے والا کوئی دین میں کلام نہ کرے کیونکہ اس کے نفع سے اس کا گناہ بڑا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کلام مجید میں شراب و قمار کی نسبت ارشاد فرماتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرۃ)

پوچھتے ہیں تجھ سے شراب اور جوئے کو تو کہہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فائدے ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے زیادہ ہے۔

تو حضرت امام نے بھی اپنے ارشاد میں درباب ممانعت کلام و گفتگو اس آیت کی طرف اشارہ فرما کر کلام فی الدین کو بمنزلہ شراب و قمار کے واقفوں اور ناواقفوں کے لئے برابر حرام قرار دیا۔

اکابر شیعہ نے مذہب کے چھپانے میں امام کی اطاعت نہ کی

اگر اس بارے میں چشم دید روایات مطلوب ہوں تو سنیں علامہ مجلسی بحار الانوار کے جلد اوّل باب کتمان العلم میں جو بے شمار روایات لکھی ہیں ان میں سے چند روایت تنشیطاً للناظرین عرض کرتا ہوں۔

عن عبد اللہ بن یحیی عن حریز بن عبد اللہ السجستانی عن معلی بن خنیس قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا آپ نے اے معلی ہمارے معاملہ کو پوشیدہ رکھو اور اس کو آشکارا مت کرو بیشک جو شخص ہمارے

یامعلی اکتم امرنا ولا تذعہ فانہ من کتم امرنا ولم یذعہ اعزہ اللہ فی الدنیا وجعلہ نورا بین عینیہ فی الاخرۃ یقودہ الی الجنۃ یا معلی من اذاع حدیثنا وامرنا ولم یکتمہ اذلہ اللہ فی الدنیا ونزع النور بین عینیہ فی الاخرۃ وجعلہ ظلمۃ یقودہ الی النار یامعلی ان التقیۃ دینی ودین ابائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہ یامعلی ان اللہ یحب ان یعبد فی السر کما یحب ان یعبد فی العلانیۃ یامعلی ان المذیع لامرنا کالجاحد بہ۔

امر کو چھپائے اور اس کو پھیلائے نہیں تو خدا تعالیٰ اس کو دنیا میں عزت دے گا، اور اس کتمان امر کو نور بنا کر قیامت کے روز اس کی پیشانی میں رکھیگا وہ نور اس کو جنت میں کھینچ لے جائے گا، اے معلی جو شخص ہماری حدیث اور ہمارے امر کو ظاہر کرے اور اس کو مخفی نہ رکھے خدا تعالیٰ اس کو دنیا میں خوار کرے گا اور قیامت کو اس کی پیشانی سے نور کو سلب کرلے گا اور اس افشائے امر کو ظلمت بنا دیگا جو اس کو دوزخ میں کھینچ لے جائے گی، اے معلی تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جس شخص میں تقیہ نہیں وہ دین سے بے بہرہ ہے اے معلی خدا تعالیٰ کے نزدیک پوشیدہ عبادت بھی ایسی ہی پسندیدہ ہے جیسا کہ آشکارا طور پر پرستش کرنی۔

اور یہ ہے معلی بن خنیس راوی حدیث باوجود امام کی اس ممانعت کے اظہار سے باز نہ آیا اور امام کی مخالفت کی یہاں تک کہ مقتول ہوا۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام اقراء موالینا السلام واخبرہم ان یجعلوا حدیثنا فی حصون حصینۃ وصدور فقیہۃ واحلام رزینۃ والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ ما الشاتم لنا عرضا والناصب لنا حربا اشد مؤنۃ من المذیع علینا حدیثنا عند من لا یحتملہ

فرمایا ابو عبد اللہ حضرت جعفر صادق نے کہ ہمارے دوستوں سے سلام کہو اور یہ خبر دو کہ وہ ہماری حدیث کو مستحکم قلعوں میں رکھیں دانشمند سینوں میں جگہ دیں اور باوقار بردبار عقلوں کے حوالہ کریں قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑ کر شگوفہ نکالا اور خلقت کو پیدا کیا ہے کہ ہماری عزت میں بٹہ لگانے اور ہمارے ساتھ لڑائی برپا کرنے میں کوئی شخص اس آدمی سے زیادہ ہم کو تکلیف دینے والا نہیں ہے جو ہماری حدیث کو ایسے شخص پر فاش کرے جو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

عن ابی عبد اللہ قال ما قتلنا من اذاع حدیثنا خطأ ولکن قتلنا

ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے ہماری حدیث کو فاش کر دیا اس نے ہم کو چوک کر قتل

قتل عمد عن ابی بصیر قال قلت لابی عبد اللہ مالنا لن تخبرنا بما یکون کما کان علی یخبر اصحابہ فقال بلیٰ واللہ ولکن ھات حدیثا واحدا حدثتکہ فکتمتہ فقال ابو بصیر فواللہ ماوجدت حدیثا واحدا اکتمتہ۔

نہیں کیا بلکہ اس نے دیدہ دانستہ ہمارے گلے پر چھری پھیری ابو بصیر سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیوں حضرت ہم میں ایسی کیا بات ہے کہ آپ ہم کو کیفیت حال کی خبر اس طرح نہیں دیتے جس طرح کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے دوستوں کو خبر دیا کرتے تھے قسم کھا کے فرمایا کیوں نہیں مگر ہاں ایک ایسی حدیث بیان کر دی جو میں نے تجھ سے کہی ہو اور تو نے اس کو پوشیدہ رکھا ہو ابو بصیر کہتا ہے کہ واللہ مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس کو میں نے چھپایا ہو۔۱۲

غرض ان روایات سے اظہار معتقدات زمانہ تقیہ تک صاف حرام معلوم ہوتا ہے پھر باوجود اس کے حضرات شیعہ کے اکابر کا جو بزعم ان کے خلص اصحاب ائمہ تھے یہ حال ہے کہ امام کی نافرمانی کریں امام ان پر لعنت کرے پھر بھی اظہار سے باز نہ آویں۔

ظہور بدعات کے وقت سکوت کرنے والا ملعون ہے

اور ان ہی پر کیا منحصر ہے صحابہ مقبولین نے بھی تو امام بلافصل کے سرمنڈانے میں اطاعت نہیں فرمائی تھی تو یہ کچھ نئی بات نہیں مگر تعجب تو یہ ہے کہ باوجود ان روایات کے یہ حضرات یہ روائتیں بھی فرماتے ہیں،

عن محمد بن جمہور القمی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا ظہرت البدع فی امتی فلیظہر العالم علمہ فان لم یفعل فعلیہ لعنۃ اللہ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جب میری امت میں بدعات کا ظہور ہو جائے تو عالم کو اپنا علم ظاہر کرنا ضروری ہے اور ان کا دفعیہ کرے ورنہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی (علوی)

پھر آپ فرمائیے کہ روایات مذہب کی رو سے زبان کا قلب وجنان کے ساتھ موافق ہونا اصل اصول دین ہے یا مخالف ہونا اور زبان و دل کے ساتھ موافق کرنے سے دین اسلام سے خارج ہوتا ہے یا مخالف کرنے سے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

قال الفاضل المجیب: ثم قال اما بعد ان دنوں ایک سوال محررہ مولوی فرزند حسین

صاحب اثنا عشری متعلق بحث امامت میری نظر سے گذرا، اگرچہ پہلے اس مسئلہ میں اور اس کے متعلقات میں طرفین سے دفاتر سیاہ ہو چکے ہیں اور ہنوز فیصلہ نہیں ہوا اور نہ جب تک قائد توفیق راہ ہدایت کی طرف کشاں کشاں لاوے اور عنایت خداوند تعالیٰ شانہ دستگیری فرمائے تب تک فیصلہ ممکن ہے۔

اقول: مجھ جیسے ہیچمدان کی نسبت لفظ مولوی تحریر فرمانا محض تواضع و عنایت سامی ہے ممنون ہوں۔ واقع میں میں بیچارہ فارسی خواں ہوں ہرگز مولویت کی لیاقت نہیں رکھتا ہاں یہ ضرور ہے کہ ابتدا سن تمیز سے مناظرہ مذہبی کا شوق رہا ہے کسی قدر طرفین کی کتابیں دیکھی اور باتیں سنی ہیں۔ لفظ مولوی اپنے نام کے ساتھ لکھا جانا ایک قسم کی ہنسی واستہزا سمجھتا ہوں اس لئے آئندہ معافی کا خواہاں ہوں۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: اگر آپ اپنے اس بیان میں سچے ہیں، اور آپ محض فارسی خواں ہیں اور عبارات عربیہ کو نہ سمجھ سکتے ہیں نہ ترجمہ کر سکتے ہیں۔ تو ضرور ہے کہ آپ اپنی تحریرات کے مواقع اعتراض وجواب میں جو عبارتیں اپنی یا خصم کی کتب عربیہ سے نقل کرتے ہیں جن کا سمجھنا بجز استعداد علوم عربیہ کے نہیں ہو سکتا ان عبارات کی نقل اور ان سے استدلال کرنے میں اپنے مذہبی بھائیوں سے مدد لیتے ہوں گے اور آپ کے علماء کی اعانت و امداد اس میں آپ کے شامل حال ہوگی۔ چنانچہ اس قسم کی تحریرات حضرات شیعہ کے ہاں بذریعہ کمیٹی ہوا کرتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں میرے مخاطب اور میرے مجیب و معترض آپ مع اس قوت اور تائید برادران ایمانی اور اصدقاء روحانی کے ہوں گے جو شامل حال سامی ہے علیٰ ہٰذا جس عنوان سے میں آپ کو تعبیر کروں آپ اس قوت کے ساتھ مل کر معبر عنہ ہوں گے تو اگر میں نے لفظ مولوی آپ کے لئے اطلاق کیا تو خلاف واقع اور بیجا نہیں کیا کیونکہ میرے مخاطب محض آپ ہی نہیں ہیں بلکہ آپ مع تقویت و تائید کے ہیں اور اس کے انضمام کے ساتھ بے شک آپ مولوی ہیں تو مجموعہ پر لفظ مولوی حمل کیا گیا ہے۔ اور اگرچہ یہ تقویت و تائید عوارض خارجیہ سے ہے لیکن چونکہ بمنزلہ لوازم غیر منفک عن الذات ہے اس لئے اس کو وصف ذاتی سمجھ لیجئے پس اس کو محض تواضع اور عنایت پر محمول فرمانا محض تواضع و عنایت ہے ممنون ہوں۔

قولہ: ہدایت کے سے توفیق یزدی درکار ہے مگر جس فرقہ سے یہ توفیق بیان تک

سلب ہوگئی ہو کہ فریق ثانی کی کتابوں کا دیکھنا ان سے ملنا امور متنازعہ فیہا میں گفتگو کرنا خصوصاً مشاجرات صحابہ میں گناہ سمجھتے ہوں اور ان باتوں کو اپنے مذہب کا مخل جانتے ہوں عالم اسباب میں اس فرقہ کی ہدایت کی کیا امید ہے۔

اقول: اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آپ کو توفیق کے معنی سے بھی ناآشنائی ہے۔ جناب من توفیق کے معنی توجیہ الاسباب نحو مطلوب الخیر (مطلوب خیر کے اسباب کا مہیا کرنا) ہیں اور ظاہر ہے کہ اس میں مطلوب خیریت کے ساتھ مقید ہے جو یہاں مفقود ہے مطلوب شر کی توجیہ اسباب کو کوئی ناواقف بھی توفیق نہ کہے گا اور اگر خیر مزعومی مراد ہو اور مطلقاً ہر ایک فریق کی کتابیں دیکھنا ان سے ملنا امور متنازعہ فیہا میں گفتگو کرنی اور اس کو ثواب سمجھنا توفیق ہو تو پھر خوارج کو بھی جو کہ اپنی کتابوں میں اہلبیت نبوت کو سب و شتم کرتے ہیں اور سواد الوجہ فی الدارین کماتے ہیں۔ جیسا کہ حضرات شیعہ نے بھی بہ نسبت کبار صحابہ کے یہ ہی وتیرہ اختیار کر رکھا ہے مژدہ ہو کہ حضرات شیعہ کو کہہ سکتے ہیں کہ جس فرقہ سے یہ توفیق یہاں تک سلب ہوگئی ہو الخ۔ تو اس صورت میں آپ کے ہی اقرار سے آپ سے اور تمام شیعہ سے توفیق سلب ہوئی اور کوئی متدین خیال نہیں کر سکتا کہ خوارج کی کتابوں کا دیکھنا جن میں معاذ اللہ اہلبیت اطہار کے دشمنوں کی توہین و تذلیل ہو مستحب اور موجب ثواب ہو۔ اگر ہمارے مجیب بروئے اپنے مذہب کے واقعی ایسا ہی اعتقاد رکھتے ہوں تو ہمیں بھی مطلع فرمائیں۔ علی ہذا القیاس یہود و نصاریٰ و مجوس و بت پرست وغیرہ سب کا بمقابلہ حضرات شیعہ کے اپنی ان کتابوں کے نسبت جن میں حق تعالیٰ شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کلمات سقط و ناسزا لکھے ہیں یہ ہی ترانہ ہوگا۔ پھر جو کچھ اس کا جواب حضرات شیعہ خوارج وغیرہ کو دیویں وہی ہماری طرف سے بھی قبول فرمائیں۔

اور اصل یہ ہے کہ جس فریق کے نزدیک فریق ثانی کے پیشواؤں کو برا کہنا جزو مذہب ہو اور اس کو عبادت اعتقاد کرتے ہوں بلکہ اپنے پیشواؤں کو برا کہنے سے پاک نہ ہو اور ان کی کتابیں اس قسم کے مضامین سے مملو ہوں اور ان کی زبانیں ایسے کلمات کی خوگرفتہ ہوں تب تو فریق ثانی ایسے لوگوں کے ملنے اور ان کی کتابوں کے دیکھنے سے کارہ ہوگا اور [illegible] منتج بجز [illegible] ۔ علاوہ ازیں قاعدہ ہے کہ جب حق منقح اور محقق ہو جاتا ہے [illegible] دیکھنی اور [illegible] سے ملنا اور امور متنازعہ فیہا میں گفتگو کرنا [illegible]

اوقات بلکہ کسی قدر خطرناک ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک امر کے استحسان کے ادراک سے عقول قاصر ہیں چنانچہ حق تعالیٰ نے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ۹۵) اور تم کو علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا سا۔

فرما کر اس پر متنبہ فرمایا اور جا بجا کلام مجید میں مخالفین کے ساتھ اختلاط اور ان کی دوستی اور موالات کی ممانعت فرمائی۔ اور جب اہل سنت اپنے مذہب کو منقح و محقق کر چکے اور موافق کتاب و سنت پا چکے تو ان کو کچھ ضرورت باقی نہیں رہی کہ بنظر تحقیق حق شیعہ و خوارج سے ملیں اور ان کی کتابیں دیکھیں اور اپنے بزرگوں کا سب و دشنام سنیں اور دیکھیں۔ ہاں گاہی بنظر حمایت اسلام و تبکیتاً لالد الخصام لغرض الزام کتب مخالفین دیکھتے ہیں اور امور متنازعہ فیہا میں گفتگو کرتے ہیں اور اس کو کوئی حرام نہیں کہتا۔ البتہ اس میں اگر کچھ فرمائیں تو اہل ورع و تقویٰ فرمائیں سو وہ خارج از قانون مبحث ہے۔ لیکن سلب توفیق اس فرقہ سے دیکھنا چاہیئے کہ کہاں تک اور کس درجہ تک ہے کہ جو تمام عمر کتب اہل حق دیکھتے ہیں کتاب اللہ پڑھتے ہیں اور ہدایت ان کے نصیب نہیں ہوتی اور صراط مستقیم سے منحرف ہیں۔ خدا تعالیٰ شانہ کے لئے جسم و صورت ثابت کرتے ہیں۔ کھوکھلا اور محسوس بتلاتے ہیں۔ کتاب اللہ کو محرف کہتے ہیں انبیاء کے حق میں ناسزا کہتے ہیں۔ ائمہ کو انبیاء سے افضل کہتے ہیں۔ الی غیر ذالک من المزعومات۔ اب اس سے اندازہ کر لینا چاہیئے کہ سلب توفیق زیادہ کس سے ہے اور معاند حق کون ہے۔

قولہ: شاید یہ ہی سبب ہے کہ حضرت نے قائد توفیق کے ساتھ لفظ کشاں کشاں جو مستلزم جبر ہے زیادہ کیا ہے۔

اقول: اگر یہ ہی فہم شریف کا حال ہے تو اسی طرح کلام اللہ کی بہت سی آیتیں موہم جبر ہیں جو ہدایت و ضلالت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ وہاں بھی آپ شاید جبر ہی سمجھتے ہوں گے۔ خداوند تعالیٰ پر لطف واجب کر کے اس کو اپنی عقول سے مجبور کرنا مستلزم جبر ہے کہ نہیں۔ ان سب کے علاوہ حدیث الطینۃ کو ہی ملاحظہ فرما لیجئے اس میں صریح ہے کہ حسنات مخالفین کے شیعیان پاک کے بمقتضائے طین حوالہ ہوں گے اور سیئات شیعان پاک کے مخالفین کے سر ڈال جائے گی یہ سراسر جبر اور خلاف لطف مزعوم ہے۔ اچھا یہ بھی نہ سہی ہم ایک روایت مجالس المومنین سے پیش کرتے ہیں جس کو قاضی نور اللہ

صاحب شوستری نے امام جعفر رضی اللہ عنہ سے امام غزالیؒ کے بیان میں نقل کیا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں اور انصاف سے فرمائیں کہ مستلزم جبر ہے یا نہیں الفاظ روایت یہ ہیں،

العلم النافع لیس بکسب ولا جد	علم نافع کوشش اور کمائی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ
بل ھو نور یقذفہ اللہ فی قلوب	وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے دلوں
اولیاءہ اذا ارادبھم خیراً۔	میں ڈال دیتا ہے جب کہ ان کے ساتھ کسی طرح بھلائی کرنا چاہتا ہے،

پھر اگر اس میں کوئی تاویل کرکے اس کو جبر سے خارج کریں تو بندہ کی طرف سے بھی وہی قبول کریں،

قال الفاضل المجیب :قولہ: لیکن جناب سائل نے اپنے اسلاف سے بڑھ کر قدم رکھا ہے

اقول: تعجب ہے کہ شروع کلام میں یہ دراز نفسی ایسے الفاظ اور ان کے جواب ترکی بہ ترکی لکھنے کو ہم تہذیب کے خلاف سمجھتے ہیں اور بجز سکوت کچھ جواب نہیں دیتے،

یقول العبد الفقیر الی مولاہ : تعجب ہے کہ آپ کو یہ الفاظ اتنے بڑے لگے کہ آپ نے ان کو اس قدر مکروہ اور مستقبح و خلاف تہذیب سمجھا اور ان کے لکھنے کو دراز نفسی سے تعبیر فرمایا باوجودیکہ آپ کی سعی و کوشش اپنے مذہب کے اذاعت و ترویج میں اپنے بہت متقدمین سے بڑھ کر ہے تو اگر اس وجہ سے آپ کو فخر سابقین کہہ دیا گیا یا قصد تقدم و سبقت علی المتقدمین آپ کی طرف نسبت کیا گیا تو گناہ ہوا۔ حضرات شیعہ تو اس سے بڑھ کر الفاظ اپنے علماء کی شان میں لکھتے ہیں اور میں یقین کرتا ہوں کہ ہرگز آپ ان کو دراز نفسی اور بدتہذیبی کے ساتھ تعبیر نہیں فرمائیں گے حالانکہ ایسے کلمات مستلزم توہین امامت و ائمہ ہیں اور اگر ان میں تاویل کرکے تم سے تعبیر جاوے اور مجازی معنی نہ سمجھے جاویں تو انشاء اللہ آپ ہی ان پر کفر کا فتویٰ دیویں

شیعہ کے یہاں القابات کی درازی اور اس کی قباحت

بہت علمائے مصنفین شیعہ میں جو اس وقت میرے سامنے موجود ہے لکھتا ہے،

[illegible]

صاحب کتاب سلوۃ الشیعہ وفیہ الادلۃ علی تحقیق ایمان ابی طالب۔ ہے جس میں دلائل ثبوت ایمان ابی طالب کے ہیں،

اب آپ غور فرمائیے کہ اس شخص کو امام کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ غیر امام کو امام کہنا شیعہ کے نزدیک ایسا ہی بڑا ہے جیسا غیر خدا کو خدا کہنا اور غیر رسول کو رسول کہنا تو معلوم نہیں اس قسم کے کلمات کو جو عموماً علماء کی نسبت کتب شیعہ میں بلا نکیر پائے جاتے ہیں ہمارے حضرت مخاطب کس قدر مستنکر اور مستقبح سمجھتے ہوں گے اور ان کے قائلین کو کس درجہ دراز نفسی اور بدتہذیبی سے مطعون فرماتے ہوں گے۔ حالانکہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ ان کلمات کا عشر عشیر بھی نہیں۔ باقی رہا یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ ایسے الفاظ اور ان کے ترکی بہ ترکی جواب کو خلاف تہذیب سمجھتے ہیں اور بجز سکوت کچھ جواب نہیں دیتے۔ بمعاینہ آپ کی اس تحریر کے حیرت و تعجب انگیز ہے۔ کیونکہ آپ نے اسی تحریر میں باوجود ادعاء تہذیب کے کوئے دقیقہ دقائق خلاف تہذیبی کا اٹھا نہیں رکھا فحش گالیوں تک دریغ نہیں فرمایا چنانچہ آئندہ جس جگہ ایسے کلمات آپ لکھیں گے اس جگہ اشارہ کیا جائے گا۔ پھر معلوم نہیں آپ نے تہذیب کس چیز کا نام رکھ لیا ہے۔ مگر شاید آپ کے نزدیک گالیاں خلاف تہذیب نہ ہوں اور یہ کلمات خلاف تہذیب ہوں۔ پھر بایں ہمہ اگر ان کلمات کو آپ اس وجہ سے کہ خاص میرے قلم سے نکلے ہیں مکروہ اور خلاف تہذیب خیال فرماتے ہیں تو لیجئے میں معافی مانگتا ہوں اور ممنون ہوں کہ اس کے جواب میں آپ نے سکوت فرمایا کیونکہ اس فن میں مجھ سے آپ کے ساتھ برابری نہ ہو سکے گی،

قال الفاضل المجیب .قولہ: وہ یہ ہے کہ اپنی مسلمہ شرائط امامت کو تحریر فرما کر ان کی نسبت دعویٰ فرمایا ہے کہ یہ شرائط دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہیں اس کے بعد لکھا ہے کہ جو صاحب جواب تحریر فرمادیں ان کو چاہیئے کہ اگر ہماری شرائط کو رد فرمادیں تو محض لانسلم کہہ کر نہ ٹال دیں بلکہ بدلائل عقلیہ و نقلیہ رد فرمادیں،

اقول: اسلاف سے بڑھ کر قدم رکھنے اور سابقین سے سبقت کا قصد کرنے کا جو یہ سبب تحریر فرمایا ہے سمجھ میں نہیں آتا کیا حضرت مجیب ان شرائط ثلثہ کو میرا ہی ایجاد سمجھتے ہیں۔ اگر ان کا یہ خیال ہے۔ تو وہ تحفہ اثنا عشریہ کے باب ہفتم کو ملاحظہ فرمادیں کہ صاحب تحفہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ شرائط امامیہ نے اس لئے امامت میں لگائی ہیں کہ خلافت خلفاء ثلثہ کو جین دعویٰ

میں برہم کریں۔ کل علماء شیعہ کثرہم اللہ فی البریہ یہ ہی شرائط لکھتے آتے ہیں۔ یا اس لئے کہ میں نے ان کو مدلل بدلائل عقلیہ ونقلیہ لکھا ہے، یہ بھی بحث امامت میں مشرح ومفصل موجود ہے یا یہ کہ دلائل نہیں لکھے سو اب تحریر یہ ہی ہے کہ اپنے دعویٰ کو گو سردست اس کے دلائل نہ لکھیں مدلل بدلائل لکھتے ہیں، چنانچہ حضرت مجیب نے بھی صحابہ کرامؓ وخلفاء ثلثہ کی تمام امت سے افضلیت کے دعوے میں تحریر فرمایا ہے کہ کتاب اللہ فضائل صحابہ سے پر ہے اور اقوال عترت بے شمار ان کے مدائح میں وارد ہیں حالانکہ ایک آیت قرآنی اور ایک قول عترت بھی نقل نہیں فرمایا، میں حیران ہوں کہ حضرت مجیب نے جو سبب میرے سبقت وغیرہ کا لکھا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: میں آپ کی ادعائے انصاف اور مہارت فن مناظرہ پر کہ ابتدا سن تمیز سے اسی میں منہمک رہا نہایت متاسف ہوں کہ خصم کا کلام بجمیع محتملات نہیں سمجھ سکتے یا یہ سمجھتے ہیں لیکن صرف بغرض ایراد اعتراض کلام کے اس محتمل سے اغماض فرماتے ہیں جس پر بناء مراد قائم ہے، پس اگر اسی کا نام انصاف اور مناظرہ دانی ہے تو دیکھئے نا انصافی کیسی کچھ ہوگی۔

اسلاف سے بڑھ کر قدم رکھنے میں تین احتمال اور ان کی غلطیاں

میں پوچھتا ہوں کہ اسلاف سے بڑھ کر قدم رکھنے اور سابقین سے سبقت کا قصد کرنے کے جو جناب نے کلام میں سے تین احتمال پیدا فرمائے ہیں کیا بجز ان احتمال سہ گانہ کے اور کوئی احتمال اس کلام میں پیدا نہیں ہو سکتا، کیا کوئی دلیل حصر عقلی یا استقرائی جناب نے اس پر قائم فرمائی ہے [illegible] آپ کا محض زبانی دعویٰ ہے۔ فی الحقیقت دیکھئے تو یہ تینوں احتمال غلط ہیں اور [illegible] تقدم وسبقت اس پر ہے کہ جناب نے اول تحریر فرمایا کہ یہ مدعا بدلائل عقلیہ ونقلیہ ثابت ہے اور بعد اس کے لکھا کہ جو صاحب جواب تحریر فرماویں تو محض زبانی [illegible] [illegible] سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بزعم جناب یہ شرائط اس درجہ ثابت ومحقق ہیں کہ ان پر کوئی [illegible] وارد نہیں ہو سکتا اور خصم [illegible] اور کچھ بن نہیں آتا گویا اہلسنت آج تک

بجواب شرائط لا نسلم کرتے چلے آئے ہیں حالانکہ اس قدر وسیع مسئلہ میں کہ جس میں مجال کلام کو بہت وسعت اور گنجائش ہے بلکہ اگر انصاف سے دیکھئے تو علماء شیعہ اس مسئلہ میں محض محتملات بعید از لفظ اور دور از عقل سے ہمیشہ استدلال کرتے ہیں اور بجز دعویٰ کفر وارتداد کبار صحابہ مہاجرین وانصار وازواج مطہرات رسول کردگار امہات المومنین کے اور کوئی مساغ نہیں پاتے۔ تو ایسے مسئلہ کی نسبت اتنا بڑا کلمہ کہنا بہت بڑی تقدم وعزم سبقت کو مقتضی ہے، جو بہت سے اکابر شیعہ سے صادر نہیں ہوا۔ پس حضرت مجیب کا یہ فرمانا کہ میں حیران ہوں کہ حضرت مجیب نے جو سبب میری سبقت وغیرہ کا لکھا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا البتہ قابل افسوس ہے اور یہ جو ارشاد ہے کہ داب تحریر یہ ہے کہ اپنے دعویٰ کو گو سردست اس کے دلائل نہ لکھیں لیکن مدلل بدلائل لکھتے ہیں الخ۔ یہ اور بھی طرفہ تماشا ہے کیوں حضرت یہ کہاں کا داب تحریر ہے کہ خصم پر دعویٰ پیش کریں اور اس کے دلائل ذکر نہ فرمائیں کوئی شخص مناظرہ میں بمقابلہ خصم دعویٰ کو ذکر کرکے دلائل کو برت عاشقاں بر شاخ آہو نہیں بتا سکتا، حالانکہ وہ یہ بھی جانتا ہو کہ خصم اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ خود جناب کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ دعویٰ بلا دلیل نامسموع ہے تو معلوم نہیں کہ یہ داب تحریر کس قاعدہ پر مبنی ہے۔ رہا یہ جو بطور تشبیہ بیان فرماتے ہیں چنانچہ حضرت مجیب نے خلفاء ثلثہ کی افضلیت کے دعویٰ میں الخ اور بندہ کو بھی اپنی خطا میں شریک کرتے ہیں یہ اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہے بلکہ حضرت کے مناظرہ دانی کی نہایت قوی دلیل ہے، اس سے اہل فہم صاف سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کو مدعی اور حاکی دعویٰ میں امتیاز وتفرقہ نہیں ہے، اگرچہ میں یہ مثل ہر ایک شخص اہلسنت میں سے افضلیت خلفاء رضی اللہ عنہم کا معتقد اور مدعی ہے لیکن اس عبارت میں جس کو جناب نے نقل فرمایا ہے میری طرف دعویٰ کو نسبت کرنا سہو وغلط ہے کیونکہ سیاق کلام بصراحت دال ہے کہ یہ عبارت حکایت دعویٰ ہے بلکہ معتقد اہلسنت کو [illegible] ہے نہ یہ کہ متکلم کے مدعی ہونے کو ثبت ہے پس حاکی دعویٰ کو مدعی کہنا آپ ہی جیسے مناظرہ دان کا کام ہے تو اس لئے بندہ کو عدم سوق دلائل مضر نہیں، حضرت نے بھی اگرچہ ابتداء میں اختلاف نقل کیا ہے جس سے شاید آپ کو بھی یہ شبہ پیدا ہو کہ ہم بھی مدعی نہیں اور حاکی دعویٰ ہیں اور بندہ نے جو آپ کو مدعی قرار دیا ہے اس کو غلط اور خلاف مناظرہ سمجھیں لیکن اس قدر اور بھی خیال فرمائیں کہ آپ نے آخر تحریر میں یہ فقرہ تحریر فرمایا ہے کہ جو صاحب جواب تحریر فرماویں وہ ہماری شرائط کو بدلائل

رد فرما دیں الخ) جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ کی غرض محض نقل وحکایت مذہب نہ تھی بلکہ آپ کو دعوے مقصود تھا اس لئے آپ کو مدعی قرار دیا گیا جس کو جناب نے بلا رد و انکار تسلیم کر لیا، پس اگر آپ تامل فرمائیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ میں اس خطا میں آپ کا شریک نہیں ہو سکتا۔

قولہ: معہذا یہ شرائط ایسی متحقق وثابت ہیں کہ حضرت مجیب نے باوجود سخت انکار زبانی کے دو شرطیں تو تسلیم فرمالیں، افضلیت خلفاء ثلثہ کا تصریحاً اقرار ہے اور نص کی بابت تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دعوے کہ اہل سنت اس باب میں نص کے قائل نہیں علی الاطلاق صحیح نہیں، اس سے بڑھ کر ہماری شرائط کے مدلل ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اقول: کہاں ہیں اہل علم وفہم وانصاف جو ہمارے فاضل مجیب کے انصاف ومناظرہ دانی کو ملاحظہ فرما دیں اور حضرت کی شرائط ثلثہ کا ایسا کامل ثبوت جس سے زیادہ کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا بنظر تامل دیکھیں اور اس مدلل ثبوت کی کیفیت سنیں۔ اگر حضرات کے پاس اس سے بڑھ کر شرائط ثلثہ کے اثبات کے لئے اور کوئی حجت نہیں تو اس سے یقین کر لینا چاہیئے کہ حضرات کے پاس شرائط ثلثہ کا کچھ ثبوت نہیں ہے۔

اعتراف افضلیت ومنصوصیت خلفاء مستلزم افضلیت ونص کو نہیں

جناب میر صاحب میں نے اگر خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت کا تصریحاً اعتراف کیا تو اس سے بموجب کس قاعدہ مناظرہ کی خلافت کے لئے اشتراط افضلیت لازم آیا اور اگر میں نے یہ لکھا کہ یہ دعوی کہ اہل سنت اس باب میں نص کے قائل نہیں علی الاطلاق صحیح نہیں تو یہ کیونکر مستلزم اشتراط نص کو ہوا، خدا کے لئے ذرا تو سوچئے اور کچھ تو انصاف فرمائیے کیا وجود شے اور اشتراط شے متحد ہیں حاشا کہ باہم اتحاد ہو کیونکہ بدیہی ہے کہ اشتراط شے جو بعض اعتبارات سے موقوف علیہ ہوتا ہے نفس وجود شے سے ایک امر زائد ہے اور اس پر متفرع ہے جیسا کہ اور اوصاف بھی متفرع علی الوجود ہیں اور وجود خواہ عین ذات ہو خواہ زائد علی الذات کچھ ہی ہو بہر حال مغایر اشتراط ہے اس لئے کہ اتحاد ذات مع الوصف محال ہے اور اتحاد وصفین متغائرین بھی ممتنع، پس یہ وجود شے مستلزم اشتراط کو ہے اور یہ بھی بداہۃً غلط ہے کیونکہ عدم تلازم ظاہر ہے ورنہ لازم آوے گا

تمام صفات موجود فی فرد واحد کا اشتراط مسلم ہو حالانکہ یہ صراحۃً باطل ہے اس لئے کہ مستلزم بطلان تعدد ائمہ بلکہ انبیاء کو ہے، ولو فی اوقات مختلفہ کیونکہ ظاہر ہے کہ تمام صفات موجودہ فی شخص قطعاً ویقیناً دوسرے شخص میں نہیں موجود ہوں گے ورنہ لازم آوے کہ متغائرین متحد ہو جائیں، پس جب کہ اتحاد اور استلزام دونوں باطل ہو گئے تو اشتراط کہاں رہا، پس آپ دیدہ بصیرت وانصاف کھول کر ملاحظہ فرمائیں اور تامل کریں کہ یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ اس سے بڑھ کر ہماری شرائط کے مدلل ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اعتراف ہے کہ آپ کے پاس شرائط ثلثہ کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے پس جب کہ آپ کو شرائط کے بلا دلیل ہونے کا اعتراف ہے، تو ہم کو ان کی تردید کی کیا ضرورت ہے، اور آپ کا ان کی تردید میں دلائل کا مطالبہ سراسر بے جا۔

قال الفاضل المجیب، قولہ: بیشتر علماء شیعہ کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ ہمیشہ اعتراض کیا کیے۔ اقول: تین چار سطر پہلے حضرت تحریر فرما چکے ہیں کہ اس مسئلہ اور اس کے متعلقات میں طرفین سے دفتر سیاہ ہو چکے ہیں، اگر علماء شیعہ ہمیشہ اعتراض کیا کئے تو یہ دفاتر کس نے سیاہ کئے، کیا محض اہل سنت ہی دفاتر سیاہ کیا کئے، اگر یہ ہے تو پھر طرفین کی قید زائد محض ہے اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ تا وقتیکہ ایک فریق کچھ نہ لکھے اس کا مخالف فریق خود بخود دفاتر سیاہ کیا کرے، ابھی سے کلام میں یہ تناقض ہے جب اصل بحث شروع ہو گی تو دیکھئے کیا ہو گا۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: اس جگہ ہمارے حضرت میر صاحب نے ہمارے کلام میں وقوع تناقض کا دعوی فرمایا، اہل دانش وانصاف اس کے ملاحظہ کی بھی تکلیف فرمائیں اور ہمارے حضرت مجیب کو ان کے اعتراض کی داد دیں اور واہ واہ آفرین احسنت کا شور عرش بریں تک پہنچائیں، میر صاحب، میں تو آپ کی مناظرہ دانی کا قائل ہو گیا جو حضرت فرمائیں وہ بجا اور درست ہے، جناب میر صاحب کو عبارت فہمی کا نہایت ہی ملکہ ہے۔ بندہ کی عبارت یہ ہے بیشتر علماء شیعہ کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ ہمیشہ اعتراض کیا کئے اور جب کبھی خدانخواستہ جواب دہی کا موقع پڑا تو نکتہ گیریاں کرنے لگے اور ایسی تقریریں فرمانے لگے جو مضحکہ اطفال ہوں اس اردو عبارت میں ہمارے فاضل مجیب نے غالباً لفظ اعتراض کو جو ہم نے باب افتعال سے لکھا تھا اعراض، باب افعال سے سمجھی اور وقوع تناقض کے ہمارے کلام میں مدعی ہوئے، ہم نے

مانا کہ ہماری تحریر میں شاید نقطات تاء افتعال کے سہواً رہ گئے ہوں گے۔ لیکن سیاق عبارت کیا چلا کر نہیں کہہ رہا ہے کہ اس جگہ اعراض کے کچھ معنی نہیں ہے۔ اور یہاں لفظ اعتراض ہی مناسب ہے کیونکہ دو امر متقابل ذکر کئے گئے ہیں، اول اعتراض دوسرا موقع جواب۔ و ہی ظاہر ہے کہ اعتراض و جواب باہم متقابل ہیں اور لفظ موقع جواب خود مقتضی سبقت اعتراض کو ہے تو اس سے صاف سمجھ میں آسکتا ہے کہ پہلے جو لکھا گیا تھا وہ لفظ اعتراض باب افتعال سے تھا نہ اعراض باب افعال سے۔ تعجب ہے کہ آدمی بے سوچے سمجھے اتنا بڑا اعتراض کر دے اور سیاق و سباق عبارت میں تامل نہ فرماوے، جب اردو عبارت سمجھنے میں یہ حال ہے تو اور عبارات کیا خاک سمجھ سکتے ہیں، پھر اس فہم پہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مذہب کی حقیقت میں حق الیقین کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے مگر شاید آپ یہ عذر فرمائیں کہ میں ایک ایک جملہ لے کر تردید کرتا تھا اور جب مضمون جملہ سابقہ کا تمام ہو کر حافظہ سے نکل گیا اس وقت دوسرے جملہ کی نوبت آئی لیکن جب کہ ابھی سے انصاف و تحقیق حق اور مناظرہ دانی یہ حال ہے تو جب اصلی بحث شروع ہوگی تو اس وقت دیکھئے کیا ہوگا۔

قولہ: تعجب ہے کہ اعتراض کی نسبت ہماری طرف کی جاتی ہے، حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ اس باب میں سکوت اہل سنت کا مذہب ہے نہ ہمارا۔

اقول: یہ دعویٰ غلط ہے میں نے ہرگز آپ کے علماء کی طرف اعراض و سکوت کی نسبت نہیں کی، آپ بندہ کی عبارت نظر تامل سے مکرر ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف میں نے اس تحریر میں آپ کے علماء کی نسبت یہ عرض کیا ہے کہ حضرات موقع جواب وہی ہیں تقریرات لغو اور لاطائل فرماتے ہیں جس کا منشا نفسانیت و ابطال حق ہے یا قلت استعداد اور قصور ملکہ اور اس کو اعراض کے ساتھ تعبیر فرمانا صحیح نہیں ہے، کہاں اعراض کہاں تقریرات سقیمہ [illegible] آپ نے اعراض اور سکوت کو اہل سنت کی طرف نسبت کیا یہ صحیح ہے بے شک علماء اہلسنت اعراض و سکوت ایسے مواقع میں اختیار فرماتے ہیں جب کہ دیکھ لیتے ہیں کہ خصم پر حجت تمام ہو گئی اور حق منکشف ہو گیا اور خصم حق سے دست بردار ہو کر برسر جدال و مکابرہ آ گیا یا یہ کہ ابتدا میں عنوان مباحثہ سے معلوم کر لیا کہ خصم مخاطب صحیح اور قابل خطاب ہی نہیں تو ایسے مواقع میں علماء اہل سنت مقتضاء [illegible] نیت جو الشن کہ جواب شن نہ تی [illegible] اور بحکم و اذا سمعوا اللغو عرضوا عنه [illegible] اور جب بیہودہ باتیں سنتے ہیں تو اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔ اعراض و سکوت

فرماتے ہیں اور یہ اعراض و سکوت محمود و پسندیدہ ہے اور ہر چیز اپنے موقع پر پسندیدہ ہوتی ہے۔ ؎

دو چیز تیرہ عقلست دم فرو بستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

اور حاشا کہ سکوت و اعراض علماء شیعہ کی نسبت خیال کرتا ہوں، بھلا شیعہ جن کے صرف زبانی دعوے اطاعت ائمہؑ کے ہیں، ائمہ کی کیوں کر اطاعت فرماتے اور ائمہ نے جس کو حرام اور موجب لعنت فرمایا ہے اس سے کیوں کر احتراز کرتے۔

امام المتکلمین شیعہ مومن الطاق ایک طفل مکتب سے مغلوب ہو سکتے تھے

لیکن اس تقریر سے پایا جاتا ہے کہ مطلقاً آپ کے نزدیک اعراض و سکوت علامت عجز و تسلیم ہے کہ اس سے تبری و تحاشی فرماتے ہیں تو علاوہ اس کے کہ وجوب سکوت و حرمت کلام و گفتگو آپ کی روایات سے واضح ہو چکی ہے حضرات ائمہؑ میں سے جنھوں نے بمقابلہ اعداء سکوت فرمایا یا علماء امامیہ میں سے جنھوں نے مخالفین کے جواب نہیں دیئے تو حسب قاعدہ مسلمہ جناب مستلزم عجز و تسلیم حضرات ہے۔ علاوہ ازیں بیچارے متاخرین متکلمین شیعہ تو کس شمار میں ہیں، آپ کے وہ امام المتکلمین جو بزعم آپ کے علماء متقدمین کے کلام میں اس قدر ید طولیٰ رکھتے تھے جو تمام اہل مذاہب پر غالب آ گئے اور خلق اللہ میں سے کسی کو تاب و طاقت نہ تھی کہ ان سے کلام کر سکے اور ان پر از راہ حجت غالب ہو سکے وہ آپ کے فخر الاولین والآخرین بشہادت امام معصوم کلام میں ایسے عاجز تھے کہ ان کو ایک طفل مکتب ساکت و ملزم کر سکتا تھا۔ پس آپ کا اور آپ کے دوسرے مذہبی بھائیوں کا کلام پر فخر کرنا اور اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ ہم کو کوئی فرد بشر جواب بھی نہیں دے سکتا سراسر بیجا اور خرافات اور تکذیب امام ہے۔ لیجئے روایت سنیئے آپ کے علامہ باقر مجلسی جلد اول بحار میں نقل فرماتے ہیں۔

قال السید ابن طاوس فی کشف المحجة عن عبد الله بن سنان قال اردت الدخول علی ابن

سید ابن طاوس نے کشف المحجہ میں عبد اللہ بن سنان سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو مومن طاق

عبد اللہ فقال لی مومن الطاق استاذن
لی علی ابی عبد اللہ فقلت لہ نعوفد خلت
علیہ فاعلمتہ مکانہ فقال لا تاذن لہ علی
فقلت جعلت فداك انقطاعہ الیکم و
ولائہ لکم وجدالہ فیکم ولا یقدر احد
من خلق اللہ ان یخصمہ فقال بلی یخصمہ
صبی من صبیان الکتاب فقلت جعلت
فداك ھو اجدل من ذلك وقد خاصم جمیع
اھل الادیان فخصمھم فکیف یخصمہ
غلام من الغلمان وصبی من الصبیان
فقال یقول لہ الصبی اخبرنی عن
امامك امرك ان تخاصم فلا یقدر ان
یکذب علی فیقول لا فیقول لہ فانت
تخاصم الناس من غیر ان یامرك
امامك فانت عاص لہ فیخصمہ
یا ابن سنان لا تاذن لہ فان الکلام
والخصومات تفسد النیۃ وتمحق
الدین

نے مجھ سے کہا کہ ابو عبد اللہ سے میرے واسطے بھی
اجازت (حضور خدمت کی) لے لیجیو۔ میں نے اس
سے کہا بہت اچھا پس جب میں خدمت مبارک میں
حاضر ہوا تو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مومن
الطاق بھی باہر موجود ہے فرمایا کہ اس کو مجھ تک آنے
کی اجازت مت دے میں نے عرض کیا، میری جان
آپ پر فدا ہو وہ تو سب کو چھوڑ چھاڑ کے آپ ہی
کا ہو لیا ہے اور اس کا تولا آپ ہی کے ساتھ ہے
اور اس کا لڑنا جھگڑنا آپ ہی کی خاطر ہے اور بندگان
خدا میں سے کسی کی مجال نہیں ہے جو اس سے لڑے
فرمایا جی ہاں، اس پر تو ایک طفل مکتب بھی غالب آسکتا
ہے میں نے عرض کیا میری جان آپ پر فدا ہو وہ تو اس سے
بڑھ کر جھگڑالو ہے کیونکہ اس نے تمام مذہب والوں
سے مخاصمہ کیا اور وہ ان پر غالب رہا ہے سو ایک لڑکا اس
پر کیونکر غالب آسکتا ہے پس فرمایا کہ اگر اس سے
ایک لڑکا پوچھے کہ کیا امام نے تجھ کو لڑنے جھگڑنے کا
حکم دے دیا ہے تو وہ ہرگز مجھ پر جھوٹ نہیں باندھ
سکے گا اور اس کو انکار ہی کرتے بن آئے گی تب وہ لڑکا
کہے گا پھر تو تو اپنے امام کے حکم بغیر لڑتا پھرتا ہے پس تو نافرمان ہے اور وہ لڑکا اس پر غالب رہے گا اے ابن سنان
اس کو مجھ تک اجازت مت دے کیونکہ جھگڑے ہمیشہ نیت بگاڑتے اور دین کو ملیا میٹ کرتے ہیں،

پس جب آپ کے مومن الطاق کا شیخ وقت امام یہ حال ہے تو دوسروں کے حال
پر قیاس کر کے اپنے دعوی کی تصدیق یا تکذیب بمقتضا اپنے دین و دیانت و انصاف کے کر لیں
بس ہمارے عرض کرنے کی کچھ حاجت نہیں رہی

قولہ: میں اپنا تجربہ عرض کرتا ہوں کہ اس وقت تک دو قسم کے اہل سنت سے گفتگو ہوئی
..... ایک وہ کہ جن سے رابطہ تعارف و آشنائی تھا مگر ایسے حضرات سے کبھی ہوئی تو سوا

ہنسی و مذاق کے جواب نہیں دیا اور یہ ہی فرمایا کہ مابین دوستی ہے اور دوستی میں مذہبی گفتگو
نہ چاہیئے۔ حالانکہ یہ گفتگو کسی طرح مخل دوستی نہیں ہے اگر انصاف مد نظر ہو۔

اقول: فی الواقع عوام کو یہ ہی چاہیئے اس لئے کہ جب ان کو نہ اپنے مذہبیات پر عبور
ہو نہ دوسروں کے مذہب کی اطلاع نہ مناظرہ جانیں نہ مباحثہ کے ڈھنگ سے واقف نہ اپنا
جواب دے سکیں نہ دوسروں کے جواب کی صحت و غلطی پر متنبہ ہو سکیں تو وہ کیا مباحثہ کریں
گے اور کیا انصاف کر سکیں گے۔ پس ایسے لوگوں کو یہ ہی چاہیئے کہ مذہبی گفتگو سے پہلو تہی کریں
بلکہ ان کو قطع تعلق دوستی کرنا چاہیئے۔ آپ ہی فرمائیں اگر ایسی صورت عوام اہل تشیع کو پیش آوے
تو علماء شیعہ اس کی نسبت کیا حکم فرمائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یا ترک تعلق کا حکم فرمائیں گے یا تقیہ کا حکم
لگائیں گے۔ اور سنیئے کہ بندہ نے جو کچھ جواب تمہید میں عرض کیا تھا کہ حضرات شیعہ کی عادت ہے
کہ ضعفاء اہل سنت سے اختلاط کر کے مذہبی چھیڑ چھاڑ کیا کرتے ہیں اور پیرجی صاحب اس امر
کے بادی نہیں ہیں الحمد للہ اس معروض کی تصدیق خود حضرت مجیب کے اعتراف سے ہو گئی
آپ فرماتے ہیں کہ اگر ایسے حضرات سے گفتگو ہوئی جن سے رابطہ آشنائی تھا تو انھوں نے
ہنسی و مذاق کے سوا جواب نہ دیا بلکہ گفتگو کو روکا اور عذر کیا کہ دوستی میں مذہبی گفتگو
نہ چاہیئے۔

قولہ، دوسرے وہ حضرات جن سے یہ رابطہ نہ تھا۔ اگر ان سے کبھی اتفاق ہوا تو
یا مطلق سکوت اختیار فرمائی یا بدرشتی جواب دیا۔

اقول: بے شک سکوت اختیار فرمایا ہو گا۔ میں پیشتر گذارش کر چکا ہوں کہ بعض
مواقع میں علماء اہلسنت اعراض اور سکوت اختیار فرماتے ہیں لیکن اس کو علامت عجز اور دلیل
تسلیم سمجھنا غلط ہے اور جن حضرات نے بدرشتی جواب دیا وہ بپاداش آپ کی درشتی اور
تحریکات کے ہوگا

قولہ: میر مہدی صاحب مؤلف آیات بینات کہ جس کے کہ ہمارے حضرت مجیب
بڑے فخر و مباہات سے اس جواب میں نقل فرماتے ہیں جس زمانہ میں مرزاپور میں تحصیلدار
تھے اور بندہ ریواڑی تھا اور یہ رسالہ آیات بینات میری نظر سے گزرا تھا ان کی خدمت
میں ایک نیازنامہ لکھ کر بعض مسائل میں گفتگو چاہی تھی مگر میر صاحب موصوف نے کچھ جواب
نہ دیا اور اعراض ہی فرمایا۔

اقول: میں عرض کر چکا ہوں میر مہدی علی صاحب نے بے شک آپ کو جواب نہ دیا ہوگا، لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو مخاطب صحیح تصور نہیں کیا اور قابل خطاب نہیں سمجھا نہ یہ کہ عجز کی وجہ سے سکوت اختیار فرمایا یہ محض جناب کا خیال ہی خیال ہے۔

قولہ: خود اسی شہر میں مجھ سے تین حضرات تحریری گفتگو کر چکے ہیں اور آخر کو اعراض ہی کرتے بن آئی۔

اقول: ایسے ہی حضرات کی بے اعتنائی اور کم التفاتی نے آپ کے عجب کو اس درجہ پہنچا دیا، اگر یہ حضرات توجہ فرماتے تو آپ کے ان دعووں کی کیونکر یہاں تک نوبت پہنچتی۔ پس آپ کے جواب سے اعراض یا تو بوجہ قلت اعتناء و مبالات کے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ آپ نے حسب عادت مطاعن و تعریضات تحریر فرمائی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ ان کے جواب میں ایسے ہی کلمات الزاماً لکھے جاتے تو عجب نہیں کہ بوجہ استکراہ ایسے کلمات کے اگرچہ الزاماً ہی سہی جواب سے اعراض فرمایا ہوگا۔ پس یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ آخر کو اعراض ہی کرتے بن آئی جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ بوجہ عجز جواب نہ دے سکے سراسر غلط ہے کیونکہ ظاہر ہے میدان تحریر ایسا وسیع ہے کہ اس میں کوئی شخص عاجز نہیں ہو سکتا کہ ضعیف قوی کچھ نہ لکھ سکے اور بندہ تو کسی کی تحریر کی نسبت ایسا خیال نہیں کرتا کہ کوئی مخالف اس کا معارضہ حقاً یا باطلاً نہ کر سکے یہ آپ ہی کا عقیدہ ہے کہ علماء شیعہ کی کتب اس درجہ معجز ہیں کہ ان کا معارضہ خارج از امکان ہے حالانکہ بشہادت امام معصوم امام المتکلمین شیعہ حضرت مومن الطاق ایک طفل مکتب سے مناظرہ نہیں کر سکتے تھے اور وہ ان کو ساکت کر سکتا تھا۔ اور اگر بپاس خاطر سامی اس کو تسلیم کر لیں کہ یہ سکوت عجز کی وجہ سے تھا تو یہ بھی انصاف اور حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ بخلاف حضرات شیعہ کے کہ ان کا مایہ افتخار یہ ہے کہ مخالفین کی تحریر کا برائے نام جواب لکھا جاوے حق و ناحق سے کچھ بحث نہیں ہوتی اور یہ بھی خاص اہل سنت کی تحریرات کے ساتھ معاملہ ہے۔ صدہا تحریریں نصاریٰ و ہنود و آریوں وغیرہ کی شائع ہوتی ہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ سلسلہ آخر کہیں نہ کہیں منقطع ہوگا۔ پھر یہ خیال کرنا کہ سکوت عجز کی وجہ سے ہے محض واہیات ہے آخر علماء شیعہ نے بھی تو اہل سنت کی بہت کتابوں کے جواب نہیں لکھے پھر کیا یہ صاحب اپنے علماء کا عجز بھی تسلیم فرمائیں گے۔

شیعہ کو مخالفین سے جھگڑنا نہیں چاہیئے کیونکہ ان کو حجت تلقین ہوتی ہے

باایں ہمہ اگر ہمارے فاضل مخاطب کے نزدیک اہلسنت کا سکوت اسی وجہ سے ہے کہ آپ کے استدلات کا جواب نہیں دے سکے تو واضح رہے کہ اس صورت میں فاضل مخاطب نے خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کی تکذیب کی کیونکہ ائمہ نے جدال و مناظرہ سے اس وجہ سے ممانعت فرمائی کہ مخالفین تا انقضاء مدت حجت تلقین کئے جاتے ہیں۔ پس اگر حسب اعتقاد فاضل مخاطب مخالفین آپ سے اور آپ کے علماء سے ساکت ہوتے رہے ہیں اور ان کو جواب نہیں بن آیا تو معلوم ہوا کہ ان کو حجت تلقین نہیں ہوئی اور ائمہ نے جو کچھ تلقین حجت کی بابت فرمایا ہے معاذاللہ دروغ ہے۔ روایت کے الفاظ سنئے آپ کے علامہ مجلسی جلد اول بحار میں نقل کرتے ہیں۔

عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایاکم و جدال کل مفتون فان کل مفتون یلقن حجتہ الی انقضاء مدتہ فاذا انقضت مدتہ احرقتہ فتنتہ بالنار	امام ابی عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بچاؤ اپنے آپ کو ہر ایک مفتون کے جھگڑے سے کیونکہ ہر ایک مفتون یعنی گمراہ اپنی مدت کے تمامی تک حجت تلقین کیا جاتا ہے اور جب اس کی مدت تمام ہو جائے گی تو اس کا فتنہ اس کو آگ میں جلا دے گا۔

اس سے صاف ثابت ہوا کہ اعراض و سکوت عجز کی وجہ سے نہیں ہو سکتا اور اگر یہ بات ہو تو بندہ بھی عرض کر سکتا ہے کہ اس شہر میں بندہ کی بھی ایک حضرت سید صاحب سے جو اس نواح کے مجتہد سمجھے جاتے تھے تحریری گفتگو ہوئی اور تیسری یا چوتھی تحریر میں انھوں نے اعراض اور سکوت فرمایا تو حسب قاعدہ حضرت مجیب میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ آخر کو ان کو اعراض ہی کرتے بن آئی۔

قولہ: اب حضرت مجیب کی نوبت آئی ہے۔

اقول: دیکھئے گا۔

قیس و فرہاد سے کہہ دو کہ وہ اس جنگل سے　　بسترا باندھ کے چل دیں میری باری آئی

قال الفاضل المجیب۔ اقول: اور جب کبھی خدانخواستہ جواب دہی کا موقع آ پڑا تو شتر گربہ لانے لگے اور ایسی تقریریں فرمانے لگے جو مضحکہ اطفال ہوں۔ اقول۔ اس کے جواب میں بجز خاموشی کیا عرض کریں۔ سخت افسوس اور تعجب ہے کہ ابتدا ہی میں یہ تند الفاظ اور سخت کلامی شروع ہوئی ہے خدا خیر کرے۔ دیکھئے آئندہ کہاں تک نوبت پہنچتی ہے جے ہنوز دہلی دور است۔ مگر گستاخی معاف۔ اس قدر عرض کئے بدون رہا نہیں جاتا کہ آپ نے محض یہ ہی ایک اصطلاح سُنی ہے ایک اور شتر غمزہ بھی مشہور ہے۔ اگر آپ جنگ جمل کے واقعات کو بنظر غور و تامل و انصاف ملاحظہ فرما دیں تو وہاں آپ کو بہت سے شتر غمزے معلوم ہوں۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: اس جگہ ہمارے حضرت میر صاحب نے باوجود التزام تہذیب و اختیار سکوت کے جو کچھ مجموعہ تشنیعات و تعریضات لطیفہ نے لطف کے پیرایہ میں ادا کر کے اپنے بزرگوں کے ارواح کو ثواب پہنچایا ہے کسی منصف لبیب پر مخفی نہیں ہر چند خواہش نفس مقتضی ہے کہ ہم بھی اس کے جواب میں کوئی نمکین لطیفہ عرض کریں لیکن چونکہ ہم التزام کر چکے ہیں کہ کوئی کلمہ خلاف تہذیب دانستہ نہیں لکھیں گے۔ اس لئے اس کے جواب میں سکوت کرتے ہیں۔

قولہ: مضحکہ اطفال جو لکھا ہے واقع میں پیر و برنا و طفل و جوان و بالغ و نابالغ میں محققین کے نزدیک صرف عقل کا ہی فرق ہے۔ گلستان سعدیؒ میں یہ فقرہ لکھا ہے۔

"بزرگی بعقل است نہ بسال"

پس جو فرقہ اصول دین میں عقل سے دست بردار ہو حتیٰ کہ حسن و قبح عقلی کا قائل نہ ہو وہ عقلا کے نزدیک مثل اطفال ہے اور ظاہر ہے کہ اگر وہ عقل کی باتیں نہ سمجھے اور مانے تو معذور ہے

[illegible]　　کز ان پیری نگیرد صاحب ہوش

اس [illegible] گلستان میں خود ملاحظہ فرما لیجئے گا۔

بحث حسن و قبح

اقول: اس قول میں بھی حضرت مجیب نے ہم کو بطور تمسخر کیا کچھ نہیں فرمایا چنانچہ

اہل خرد سمجھتے ہیں مگر ہم حسب التزام خود اس سے اغماض کرتے ہیں۔ ہاں حسن قبح کی بحث جو حضرت مجیب نے فرمائی اور اس کی نسبت ہم پر طعن کیا کہ ہم حسن و قبح عقلی کے قائل نہیں ہیں تو اس لئے بمنزلہ اطفال ہوئے۔ اس کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ کون سا فرقہ عقل و شرع سے دست بردار ہے۔ لیکن اول ہم اپنے فاضل مجیب ہی سے ان کو ان کے انصاف و مناظرہ دانی کی قسم دے کر پوچھتے ہیں۔ خدا کے لئے ذرا انصاف سے فرمائیں کہ بزعم جناب جو فرقہ اصول دین میں عقل سے یہاں تک دست بردار ہو کہ حسن و قبح عقلی کا قائل نہ ہو۔ تو وہ آپ جیسے عقلا کے نزدیک مثل اطفال ہے تو اب فرمائیے کہ جو فرقہ اصول دین میں شرع اور شارع سے یہاں تک دست کش ہو کہ حسن و قبح شرعی کا بھی قائل نہ ہو بلکہ خداوند تعالیٰ اور عباد پر اپنی عقول کو حاکم قرار دے تو وہ فرقہ شارع کے نزدیک کس اسم سے موسوم اور کس لقب سے ملقب ہو گا بدون تعصبیت و حمیت و بلا لحاظ خویش و بیگانہ بجواب عنایت ہو۔

بنا بر اصول شیعہ کے خدا پر عقول حاکم ہیں

اس سوال میں دو امر ذرا حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔ عقول کا خدا پر حاکم ہونا اور عقول کا عباد پر حاکم ہونا مبادا کوئی ناواقف ان کو اس عاجز کا افترا تصور کرے اس لئے مجملاً ان کا ثبوت ضرور ہے۔ امر اوّل عقول کا خدا پر حاکم ہونا۔ سو اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابن مطہر حلی باب حادی عشر میں فرماتے ہیں۔

الخامس فی انہ تعالیٰ یجب علیہ اللطف۔	پانچواں اس بیان میں کہ خدا تعالیٰ پر لطف واجب ہے
السادس فی انہ تعالیٰ یجب علیہ فعل عوض الالام الصادرۃ منہ الیٰ من قال و یجب زیادۃ علی الالم	چھٹا اس بیان میں کہ جو دکھ خدا تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو پہنچیں خدا تعالیٰ پر واجب ہے کہ [illegible] عوض میں بندہ کے ساتھ کوئی کام کرے

اس سے صراحت ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ پر بحکم عقل لطف اور آلام کا عوض واجب ہے اور جب لطف اور عوض بحکم عقل اس پر واجب ہوا تو ترک لطف و عوض عقل اس پر حرام ہوگا اور ظاہر ہے کہ وجوب و حرمت کا حکم حسن و قبح کا حکم ہے تو اس

ہیں معاذ اللہ خداوند تعالیٰ بحکم وجوب و حرمت و حسن و قبح اس فرقہ کی عقل کا محکوم ہے جو وجوب لطف و عوض کا خدا متعالیٰ پر قائل ہے۔ بلکہ کفار کی عقل کا بھی محکوم ہوا سبحانک اللہم ما قدروک حق قدرک۔ امر ثانی عقل کا عباد پر حاکم ہونا بہ سر اسر بدیہی ہے۔ کیونکہ جب حسن و قبح عقلی ہیں تو حضرات کے نزدیک عقل ہی محسّن اور مقبّح ہے اور وہ ہی موجب اور محرّم اور مبیح ہوئے نہ ذات پاک خداوند تعالیٰ شانہ تو جب عقل ہی موجب ہوئے اور وہ ہی محرّم اور مبیح ہوئی تو عباد مکلفین پر وہی حاکم ہوئی نہ شارع۔ سبحان اللہ ایسے مذہب کے قربان جس میں خدا تعالیٰ شانہ کا یہ رتبہ کہ عقل کا محکوم ہو اور عقل کا یہ مرتبہ کہ خدا تعالیٰ اور تمام عباد مکلفین اس کے زیر حکم۔ اگرچہ اس موقع پر بہت مضامین باقی ہیں اور بحث کی بڑی گنجائش ہے لیکن خوف تطویل اور عجلت وقت ہم کو رخصت نہیں دیتی علاوہ ازیں حضرت مجیب کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ قائلین بحسن و قبح شرعی علی العموم حسن و قبح عقلی سے دست بردار ہیں۔ اور یہ محض غلط اور افتراء ہے منشا اس کا یہ ہے کہ نہ اہل سنت کی کتابیں دیکھیں نہ اپنی ہی کتابوں کو ملاحظہ فرمایا بے دیکھے بھالے اعتراض فرما دیا۔ یا یہ کہ باوجود واقفیت کے انصاف ادعائے نے رخصت نہ دی ہوگی کہ حق لکھتے اور محض بغرض عموم و شمول اعتراض بلا لحاظ پس و پیش عموم کے پیرایہ میں طعن کو ادا فرمایا۔ ایسی باتوں پر اگرچہ ناواقف ناز و افتخار کریں۔ لیکن واقف تو ضرور زیر لب تبسم فرمائیں گے لیجئے ہم اس کا غلط ہونا آپ کی ہی معتبر کتاب سے لکھتے ہیں۔ النافع یوم المحشر فی شرح الباب الحادی عشر میں صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے۔

اعلم ان الفعل ضروری التصور وهو اما ان یکون له وصف زائد علی حدوثه اولا الثانی کحرکة الساهی والاول اما ان ینفر العقل من ذلک الزائد او لا والاول هو القبیح والثانی وهو الذی لا ینفر العقل منه اما ان یتساوی فعله وترکه وهو المباح ویرتسم او لا فان ترجح ترکه فهو اما مع المنع من

واضح رہے کہ فعل ضروری التصور ہے۔ پس یا تو اس فعل کے واسطے ایک ایسا وصف ہوتا ہے جو اس کی حدوث پر زائد ہو یا نہیں، دوسری صورت کی مثال ایسی ہے کہ جیسی غافل شخص کی حرکت اور صورت اول میں یا تو یہ ہوگا کہ عقل اس زائد سے نفرت کرے یا نہ کرے، اور اول قبیح ہے اور دوم وہ ہے کہ عقل اس سے متنفر ہو، سو یا تو اس کا کرنا اور نہ کرنا مساوی ہوگا اور اس کو مباح کہتے ہیں اور یا مساوی نہ ہوگا۔

النقیض فهو الحرام والا فهو المکروه وان ترجح فعله فاما مع المنع من ترکه فهو الواجب او مع جواز ترکه فهو المندوب اذا تقرر هذا فاعلم ان الحسن والقبح یقالان علی ثلثة معان الاول کون الشیء صفة کمال کقولنا العلم حسن او صفة نقص کقولنا الجهل قبیح۔ الثانی کون الشیء ملائما للطبع کالمستلذات او منافیا له کالآلام الثالث کون الحسن ما یستحق علی فعله المدح عاجلا والثواب آجلا والقبیح ما یستحق علی فعله الذم عاجلا والعقاب آجلا ولا خلاف فی کونهما عقلیین بالاعتبار الاولین واما بالاعتبار الثالث فاختلف المتکلمون فیه فقالت الاشاعرة لیس فی العقل ما یدل علی الحسن والقبح بهذا المعنی بل الشرع فما حسنه فهو الحسن وما قبحه فهو القبیح وقالت المعتزلة والامامیة ان فی العقل ما یدل علی ذلک فالحسن حسن فی نفسه والقبیح قبیح فی نفسه سواء حکم الشارع بذلک ام لا استغنی نقدر حاجة

پس اگر اس کا ترک راجح ہو تو اس کی نقیض ممنوع ہوگی پس وہ حرام ہے اور جو نہیں تو وہ مکروہ ہے اور اگر اس کا فعل راجح ہے پس یا تو اس کا ترک ممنوع ہوگا پس وہ واجب ہے۔ یا اس کا ترک جائز ہے پس وہ مستحب ہے پس جب یہ قرار پا لیا تو جاننا چاہیئے کہ حسن اور قبح کا حمل تین معنوں پر ہوتا ہے اول ہونا ایک شی کا صفت کمال جیسا کہ علم حسن ہے یا صفت نقص جیسا کہ جہل قبیح ہے۔ دوم ہونا کسی شے کا موافق طبیعت کے جیسا کہ مستلذات یا مخالف طبیعت کے جیسا کہ آلام سوم حسن وہ ہے جس کے کرنے پر مدح عاجل ہو اور ثواب آجل، اور قبیح وہ جس کے کرنے پر مذمت دنیا میں ہو اور عذاب آخرت میں، ان پہلی دونوں صورتوں کے عقلی ہونے میں اختلاف نہیں ہے اور سوم کی نسبت متکلمین کو اختلاف ہے چنانچہ اشاعرہ کہتے ہیں کہ عقل کے نزدیک ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اس طرح حسن و قبح پر دلالت کر سکے بلکہ شرع جس چیز کو حسن کہہ دے وہ حسن ہے اور جس کو قبیح کہہ دے وہ قبیح ہے اور معتزلہ اور امامیہ کا قول ہے کہ عقل میں ایسی شے ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے پس جو حسن ہے وہ حسن فی نفسہ ہے اور جو قبیح ہے وہ قبیح فی نفسہ ہے خواہ اس پر شارع نے اس طرح حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو

اس کلام سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جو فرقہ حسن و قبح شرعی کا قائل ہے اس کی طر[illegible]

یہ نسبت کرنے کہ وہ علی العموم حسن و قبح عقلی کا قائل نہیں غلط اور افترا ہے۔ اسی طرح اس کلام سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو فرقہ حسن و قبح کے عقلی ہونے کا قائل ہے وہ علی العموم باعتبار تینوں معانی کے حسن و قبح کے عقلی ہونے کا معتقد ہے گویا شرع سے ایسی دست برداری ہے کہ کسی اعتبار سے حسن و قبح میں شریعت کے حکم کو دخل نہیں ہے تو اس سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ قائلین حسن و قبح شرعی بعض اعتبارات و معانی کی رو سے حسن و قبح عقلی ہونے کے بھی قائل ہیں اور جامع بین العقل والشرع ہیں اور قائلین بحسن قبح عقلی کسی اعتبار سے حسن قبح شرعی کے قائل نہیں ہیں اور حسب قاعدہ مسلمہ خود شرع سے گویا بالکل دست بردار ہیں بلکہ شرع سے دست برداری کو اپنا مایہ افتخار و ناز سمجھتے ہیں۔ پھر بایں ہمہ طرفہ تماشا یہ ہے کہ باوجود اس شرع سے دست برداری کے پھر مجبور ہو کر عقل سے بیزار اور دست بردار ہوتے ہیں اور شرع کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ ادھر کے ہوتے ہیں نہ ادھر کے ہوتے ہیں۔

شیخ علم الہدیٰ امامیہ نے جو مسئلہ تفضیل انبیاء علی الملائکہ میں لکھا ہے اس کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

مسألة في تفضيل الانبياء على الملائكة
[illegible] علم الهدى
[illegible] طريق من جهة العقل
[illegible] القطع بفضل مكلف على
[illegible] الفضل المراعى في هذا
[illegible] هو زيادة استحقاق الثواب
[illegible] الى معرفة مقادير الثواب
[illegible] الطاعات [illegible] عشر
[illegible]
[illegible]
[illegible] العقل [illegible]
[illegible]
[illegible]

مسئلہ تفضیلت انبیاء کی ملائک پر حسب تحریر علم الہدیٰ کے، جاننا چاہیئے کہ علم و عقل کی رو سے ایک مکلف کی فضیلت دوسرے مکلف پر قطعی طور پر دریافت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کیونکہ جو فضیلت اس موقع پر مراد ہے وہ استحقاق ثواب کا زیادہ ہونا ہے اور طاعات ظاہری پر قیاس کرکے ثواب کی مقدار شناخت کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے اور بعض اوقات دو عملیں باعتبار ظاہر کے مساوی ہوتی ہیں مگر ایک کا ثواب دوسرے کے ثواب سے کہیں بڑھ کر ہوا اور جب اس معاملہ میں عقل کو دخل نہیں تو سمع یعنی شرع کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے پس اگر سمع سے یہ معاملہ قطعی طور پر اس طرح مسموع ہو جو سے

والا لکان الواجب التوقف والشک — تو ان پر اعتماد کیا جائے گا ورنہ توقف اور شک واجب ہوگا

اس میں علم الہدیٰ نے صاف طور پر فرمادیا کہ عقلاً طاعات کے ظواہر سے فضیلت کسی مکلف کے دوسرے مکلف پر دریافت نہیں ہو سکتی۔ تو لامحالہ سوائے حکم شرع اس کی دریافت کی کوئی سبیل نہیں حالانکہ یہ حکم آپ کی عقل کے خلاف ہوگا لیجئے شرع سے وہاں دست برداری تھی عقل سے یہاں بیزاری ہے تو ایسے فرقہ کو جو عقل و شرع دونوں سے دست بردار ہو آپ ہی فرمائیں کہ کیا فرمائیں گے ہم تو کچھ عرض نہیں کر سکتے اور اسی پر کچھ انحصار نہیں اس قسم کے بہت سے افادات ہیں۔

قال الفاضل المجیب توسہ: مناظرہ فریقین کی کتابیں موجود ہیں جس کا دل چاہے دیدۂ بصیرت کھول کر بنظر انصاف دیکھ لیوے۔ اقول: واقع میں آپ نے دیدۂ بصیرت کھول کر بنظر انصاف دیکھنا تو درکنار بنظر سرسری بھی ملاحظہ نہیں فرمایا ورنہ ہرگز ایسا نہ فرماتے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: شرط منفی اگر نظر سرسری کی طرف راجع ہے تو مسلم لیکن آپ کو مفید نہیں کیونکہ بسا اوقات آدمی نظر سرسری میں حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھ لیتا ہے اور اگر بنظر تامل اور نظر سرسری دونوں کی طرف راجع ہے تو غلط ہے اور کذب۔ کاش جیسے عدم رویت خیال کے نفی و علت نہ فرمانے کی قرار دی ہے۔ اگر رویت کو علت گذارش تصور فرماتے تو البتہ قدر موزوں و قرین انصاف تھا۔ بندہ نے علاوہ اور کتابوں کے تشئید المطاعن کو جو بصورت چند مجلدات دستیاب ہوئی تھی بنظر تامل دیکھا اور نیز ایک جلد عبقات میں سے مطالعہ کیا پس ان کی کیفیت کیا عرض کروں اگر کچھ کہوں تو ڈرتا ہوں کہ مبادا آپ اپنے مصنفین و مصنفات کی اہانت و تحقیر مستنبط فرمائیں اور بندہ کو بدتہذیبی کے ساتھ مطعون کریں بہتر یہ ہے کہ چپ رہوں اور آپ میرے اس سکوت سے یہ سمجھ کر دل خوش کر لیجئے گا کہ ہماری کتابیں مستند ہیں لیکن ہاں بقول شخصی لیلیٰ را بچشم مجنون باید دید۔ ان کو آپکی آنکھوں سے نہیں دیکھی ورنہ جملہ موکدہ بقسمہ ہرگز ضرور صادق آتا ہے

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة — ولکن عین السخط تبدی المساویا

اور رضامندی کی آنکھ ہر عیب کے دیکھنے سے ضعیف ہے لیکن عداوت کی آنکھ برائیاں ظاہر کرتی ہے

تو یہ تعجب ہے کہ بہت سے تحفہ کے جواب چھپ کر شائع ہو گئے حتی الکبار کا جواب اس کے مصنف کے ہی زمانہ حیات میں شائع ہو گیا اہلسنت کے علماء بلکہ خود صاحب

منتہی الکلام کی یہ جرأت و ہمت نہ ہوئی کہ جواب لکھتا تحفہ کے اجوبہ اور استقصاء الافحام کا جواب تو ایک طرف۔ مدت سے آیات بینات کا جواب شائع ہو چکا ہے اور اس کا مؤلف زندہ و سالم ہے۔ ان کی یا ان کے کسی ہم مذہب کی یہ طاقت نہیں کہ جواب کی جرأت کرے۔ ایں ہمہ پھر ایسا لکھنا یہ حضرت مجیب کا ہی کام ہے۔

اقول: یہ محض حضرت کی وہی لن ترانیاں ہیں جن کی نسبت پیشتر گذارش کر چکا ہوں، ورنہ حضرت کے اسلاف کو تو کبھی یہ جرأت و ہمت نہ ہوئی کہ بمقابلہ اہل سنت کے اتنا بڑا کلمہ اپنے منہ سے نکالیں ان کا تو یہ حال تھا کہ ذرا ذرا سی حدیث کے جواب میں ان کے دل اور جگر کا پتے تھے مبتلائے حیرت و تشویش ہوتے تھے کف افسوس ملتے تھے، پتھروں سے اپنا سر پھوڑنے کو تیار ہوتے تھے۔ منشی سبحان علی خان صاحب کا خط بنام مولوی نور الدین صاحب جو رسالۃ المکاتیب میں درج ہے اور اس کا خلاصہ و انتخاب آیات بینات میں بھی نقل کیا ہے اس کی عبارت ملتقطاً عرض کرتا ہوں ملاحظہ فرمایئے اور سوچئے کہ ایسے اکابر متکلمین شیعہ کی دلی حالت بمقابلہ اہل سنت جو باہم مخفی طور پر ظاہر کی جاتی تھی ایسے تھے اور بندہ خیال کرتا ہے کہ آپ بمقابلہ ان حضرات کے اپنے آپ کو کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں گے، تو اس پر قیاس کر لینا چاہیئے کہ آپ کی دلی حالت بروئے عقل و انصاف اہل سنت کے مقابلہ میں کیسی کچھ ہوگی۔ منشی سبحان علی خان اپنے اس خط میں جو بنام مولوی نور الدین صاحب کے [illegible] لکھتے ہیں: چنانچہ الحق بے پایاں از بودن سند حدیث اصحابی کالنجوم در طرق شیعہ [illegible] بر خدام دریافتہ برداشتہ ام برای خدا زود رقمی گردد کہ چگونہ و چسان سند پیدا کردہ و [illegible] سند چنیں احادیث در طرق شیعہ یافتہ باز سر زکہ ز سنگ توان زد، بجواب اس کے [illegible] مولوی نور الدین صاحب نے تحریر فرمایا قابل ملاحظہ ہے وہ تحریر فرماتے ہیں: حیرانی و تشویش سامی از جہت [illegible] سند حدیث نجوم کہ ناصب [illegible] اتفاق افتادہ بجای خود است پھر [illegible] چند بعد تحریر فرماتے ہیں [illegible] بندہ را حیرتی کہ در خصوص [illegible] است [illegible] آن جہت کہ ام [illegible] فلان و فلان [illegible] بلکہ حیرت [illegible] است کہ بعد [illegible] عظیم القدر یعنی قرآن و عترت ارشاد دین معنی کہ اصحاب من مثل [illegible] و سلمان و حذیفہ و مقداد و ابن مسعود بجوم [illegible] ہر کہ اقتدا کنید راہ دین و نجات [illegible] یافت [illegible] بہ محل رسیدہ [illegible] آنکہ بعضی از علمای گذشتہ [illegible] در این معنی بعضی

و از اخبار و آثار کہ خلاف آن را شیخ ابن بابویہ غالباً در ہدایہ نقل کردہ تشبث دارند درین صورت قطع نظر ازین تخالف مذکور حدیث اول ہم معارض میشود و الا باید کہ بزرگان قائل شوند بانیکہ معاذ اللہ حال اہلبیت ہم مانند اصحاب بود کہ جمعی براہ احداث و روش رفتند و بعضی بر حال خویش راسخ ماندند و لم یبدل بہ احد، الی قولہ۔ لہذا حیرت بندہ درین باب نسبت بحیرت جناب مضاعف خواہد بود سخت حیر نہادارم کہ کجائے دست را باہم می سایم ارتعاد قلب و جگر ضدام بر جای خود است بمقتضای بشریت نمی توان گفت بلکہ عین درکرد و بینی ست۔ انتہی۔

پس اس سے آپ کے فہم اور انصاف کا حال بخوبی واضح ہے اور نیز جب آپ محض فارسی خواں ہیں تو آپ کو علمی ابحاث علماء سے کیا تعلق اور آپ کا قول اسباب میں بر ثبوت اعتراف سامی عند العقلاء کیا وقعت رکھ سکتا ہے غایتہ ما فی الباب جو کچھ اس باب میں آپ فرماتے ہیں محض سنی سنائی باتیں ہوں گی تو وہ بمقابلہ معاینہ کے کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہیں، پس اصل یہ ہے کہ وہ جواب ہی اس لائق نہیں کہ علماء ان کے جواب کی طرف التفات فرمائیں۔

قولہ: اگر حضرات اہل سنت ان کتابوں کا ملاحظہ فرماتے تو یہ کب ممکن تھا کہ وہی باتیں جو تحفہ میں مذکور ہیں اور ان کے جواب نہایت متانت سے مسکت خصم تحریر ہو چکے ہیں بدون ان کے رد کئے چھوٹے چھوٹے دو دو یا تین تین جزو یا کم و بیش کے رسالے تحفہ ہی سے خلاصہ کر کے شائع کرتے جیسا کہ ہدیۃ الشیعہ و ہدایۃ الشیعہ والے وغیرہ حضرات نے کیا ہے۔

اقول: یہ تو پہلے گذارش ہو چکا کہ جوابات تحفہ کا متانت سے مسکت خصم ہونا محض خیال سامی ہے، واقع میں نہ ان میں متانت ہے نہ ان سے اسکات خصم حاصل ہے بلکہ فی نفس الامر متصف بصحت بھی نہیں، اب اسی کو آپ ملاحظہ فرمایئے کہ بندہ نے بھی تو بجواب سوال سامی آپ کے گمان کے موافق تحفہ سے ہی خلاصہ کر کے کچھ لکھا تھا پھر اس کی تردید میں جناب نے وہی نقل کیا ہوگا جو تحفہ کے جوابات میں ان مضامین کے جواب میں درج ہے پس خدا کے لئے ذرا تو عقل و انصاف سے دیکھئے کیا اسی کا نام متانت اور اسکات خصم ہے۔ مثلاً الزام تحریف کے جواب میں آپ ہی تحفہ کے جوابوں سے نقل کرتے ہیں کہ اہل سنت کی روایات سے بھی تحریف قرآن ثابت ہے اور روایات اس قسم کی لکھتے ہیں کہ فی ان المصحف لحنا و ستقیمہ [illegible] بعرب بالسنتہا علی ہذا القیاس تمام مضامین کا یہ ہی حال ہے جناب [illegible]

کا نام جواب متین و مسکت خصم نہیں بلکہ اس کو موت کے پنجہ سے جان چھوڑانا کہتے ہیں، باقی رہا یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے رسالے لکھتے ہیں، اور جوابات تحفہ کی تردید نہیں لکھتے پس اس کا جواب پہلے معروض ہو چکا ہے کہ علماء اہل سنت امر مفروغ عنہ کی طرف بلاضرورت داعیہ متوجہ نہیں ہوتے اور بوقت ضرورت بقدر ضرورت اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں، جب کبھی علماء شیعہ وہی اپنے پرانے اعتراضات جو قدیماً ان کے اسلاف نقل کرتے چلے آتے ہیں علماء اہل سنت کے پاس بھیجتے ہیں یا ضعفاء اہل سنت کے سامنے فخراً یا اغواءً پیش کرتے ہیں اور وہ ان اعتراضات کے جواب کے لئے اپنے علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس وقت علماء اہل سنت بقدر تردید و ابطال اعتراضات الزاماً و تحقیقاً تحریر فرماتے ہیں جو کحل البصر انصاف پسندان روزگار ہوتا ہے، ہاں اگر جوابات تحفہ کا مسکت خصم ہونا اس اعتبار سے آپ فرمائیں کہ وہ جوابات خود آپ ہی اپنے جواب ہیں کہ ان میں مضامین تعصب آمیز حق سے عاری اور انصاف سے خالی اور تقریرات باطلہ اور عبارات لاطائلہ مذکور ہیں اور اس وجہ سے مخالفین کے مسکت ہیں اور ضرورت جواب نہیں تو مسلّم لیکن آپ کو کچھ مفید نہیں اور اگر اس اعتبار سے مسکت خصم ہیں کہ ان میں ایسے مضامین عالیہ حقہ صحیحہ مندرج ہیں کہ ان میں نہ جائے انگشت نہادن باقی رہی ہے اور نہ گفت و شنید اور تحفہ کے کسی استدلال کو ہر ایک مجیب نے سالم باقی نہیں چھوڑا تو غلط ہے کیونکہ اوّل جواب تحفہ کا جو بنام نزہہ لکھا گیا ہے جب وہی نہایت متین اور مسکت خصم اور غایت درجہ سداد و رشاد و احتواء و استیفاء کو متضمن ہے چنانچہ ہمارے حضرت مجیب بھی فخراً اس میں سے نقل کرتے ہیں جس کی کیفیت اپنے موقع پر واضح کی جائے گی پھر اس کے بعد اس تطویل کی کیا حاجت تھی جو متاخرین شیعہ نے بعض بعض ابواب کے بزعم خود جواب تحریر فرما کر شائع فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزہہ اپنے مطلب میں کافی نہیں تھا پھر صاحب عبقات نے تو اور بھی رہی سہی اجوبہ سابقہ کی وقعت کھودی اور واضح کر دیا کہ تحفہ کے مصائب سے شیعیان پاک کو قیامت تک بھی رستگاری ممکن نہیں اور ہر ایک لاحق اپنے سابق کی کوتاہی و عجز واضح کرتا ہے، پس آپ کا ان جوابوں پر ناز فرمانا سراسر خلاف انصاف ہے اور اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تحفہ کس رتبہ کی کتاب ہے اور اس کے مضامین کس قدر متین اور مسکت خصم ہیں۔

قولہ: اگر حضرت مجیب کو دعویٰ اور حوصلہ ہے تو بسم اللہ کسی جواب کا جواب تحریر فرماویں آیات بینات کے جواب کا ہی جواب لکھیں، تحفۃ الاشعریۃ جواب ہدیۃ الشیعہ چھپ کر شائع ہوا ہے اس کے جواب الجواب کی طرف متوجہ ہوں اور نہیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ برق لامع منظوم ہے اس کا ہی جواب لکھیں مگر جب مناظرہ کی کتابیں ہی نہ دیکھیں تو اور کیا کریں۔

اقول: جناب میر صاحب گستاخی معاف چونکہ ابتداء سن تمیز سے کتب مناظرہ ہی آپ نے دیکھی ہیں اس لئے تخیلات کا طبع ملازمان پر استیلا ہے اس کا علاج کتب مذہبی دیکھ کر معجون انصاف و جوارش تحقیق حق سے فرمایئے۔ مبنیٰ اس تخیل کا محض کبر و اعجاب نفس ہے مستحیل الجواب تو آپ کے اسلاف مثل شیخ مفید و شیخ صدوق وغیرہ کے رسائل و کتب بھی نہیں ہیں بلکہ مستحیل الجواب تو کیا عسیر الجواب بھی نہیں۔ ان بزرگوں کے بعض رسائل و کتب موجود ہیں جن کی بحول اللہ تعالیٰ بآسانی تردید ہو سکتی ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ علماء اہلسنت نے حضرات کو اور حضرات کی کتب کو اور حضرات کے مذہب کو اور اسی طرح خوارج کو کبھی کسی شمار میں نہیں سمجھا اور ہمیشہ بے حقیقت اور لاشیٔ محض سمجھتے رہے یہ ہی وجہ ہے کہ کتب مذہب فقہ اصول وغیرہ میں جب خلافیات مسائل ذکر کئے جاتے ہیں آپ صاحبوں کا کوئی نام تک بھی نہیں لیتا الا ندرۃً و شذوذاً۔

اور آپ کے لئے ہمارا مقابلہ اور ہمارا جواب دینا سرمایہ ناز و افتخار ہے چنانچہ آپ کی تمام کتب مذہبی اس دعویٰ کی شاہد ہیں چنانچہ ہمارے اقوال کا ذکر آپ کے علماء شذوذاً و ندرۃً ترک کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مقصود بالبحث والاعتناء وہی مذہب سمجھا جاتا ہے جس کے دل میں کچھ وقعت ہو۔ جب ہم آپ کو اور آپ کے مذہب کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تو اس کے ابطال میں اس طرح کیوں منہمک ہوں گے جس سے اس کی طرف اعتنا اور اہتمام ثابت ہو ہاں بوقت ضرورت یا جس موقع میں عوام کی گمراہی کا خوف ہو وہاں البتہ کچھ لکھ دیں گے، ہمارا مذہب بحمد اللہ تعالیٰ اصولاً و فروعاً غبار نقص و عیب سے پاک و صاف ہے اور مخالفین کی ہدایت کے توقع منقطع پھر اس فعل عبث کی طرف کیوں متوجہ ہوں، علاوہ ازیں آجکل ہندوستان میں بہت مذاہب اسلام کے مخالف مثل نصاریٰ و ہنود و آریہ و برہمو وغیرہ رائج ہیں اور روزانہ ان کی تحریریں چھپتی اور شائع ہوتی ہیں جو اصول اسلام کے مخالف اور اس پر حملہ آور ہوتی ہیں

اور اہل اسلام میں سے کوئی ان کے جواب کی طرف قلم بھی نہیں اٹھاتا تو کیا کسی عاقل کے نزدیک
یہ دلیل عجز و بیچارگی ہو سکتی ہے، میں حضرت ہی سے پوچھتا ہوں کہ جس قدر تحریریں ہنود و
نصاریٰ کی مثلاً مخالف اسلام شائع ہو چکی ہیں کیا علماء شیعہ نے ان سب کا جواب لکھا ہے تو
کیا اس کو دلیل عجز و بیچارگی تصور فرمائیں گے، حاشا و کلا پس عدم تحریر جواب کو دلیل عجز و بیچارگی
سمجھنا خطا ہے۔ قطع نظر اس سے جن رسائل کے جواب کی نسبت دعوت فرماتے ہیں اور جن کو
اعجاز کے مرتبہ میں مستحیل الجواب تصور فرماتے ہیں اگر اس اعجاز کی یہ وجہ ہے کہ ہم سے ان کی
فحش اور پھکڑ اور گالیوں کا جواب نہیں ممکن ہے تو مسلم اس اعتبار سے بے شک مسکت
خصم ہیں اور اگر باعتبار علمی مضامین کے اور دلائل مثبتہ اصول مذہب کی پختگی کے اعتبار سے
فرماتے ہیں تو آپ ان دلائل کا انتخاب فرما کر بھیج دیجئے پھر دیکھئے کہ مستحیل الجواب اور مسکت
خصم ہیں یا نہیں۔ رہا بندہ کی نسبت کتب مناظرہ کی ناواقفیت کا الزام کس قدر صحیح ہے کہ مجھ
کو تو ابتداء سن رشد سے اس کا شوق نہیں ہوا اور نہ کبھی اس میں انہماک رہا البتہ آپ صاحبوں
کی چھیڑ چھاڑ کے بدولت فی الجملہ اس طرف توجہ ہوئی حضرات کے اصول مذہب کی واقفیت
حاصل کی اور کتب مناظرہ کسی قدر دیکھیں۔ چنانچہ اس کی کیفیت مطاوی ابحاث میں منکشف
ہو جائے گی، لیکن میں حیران ہوں کہ ہمارے حضرت مجیب کو کتب مناظرہ سے کیا فائدہ حاصل
ہوا باعتبار نفع دین کے تو سابقاً معلوم ہو ہی چکا جو ائمہ کرام رضی اللہ عنہم نے متکلمین شیعہ کے
مناقب بیان فرمائے اور ان کو بشارتیں دیں سود دینی خانہ تولیوں برباد ہوا البتہ اگر کچھ دنیاوی
نفع ہو تو مضائقہ نہیں لیکن وہ اہل دیانت کے نزدیک بعوض نفع دینی قابل اعتبار نہیں پھر معلوم
نہیں اس پر اتنا ناز و افتخار کیوں ہے۔

قال الفاضل المجیب قولہ: تو جناب سائل کے اس طرز جدید اختیار کرنے سے دو
احتمال ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ واقعی تحقیق حق مدنظر ہے۔ اگر یہ ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد
دوسرے یہ کہ فقط اہلسنت کے لئے محض تزویر و تسویل ہے بہرکیف جو کچھ ہے وہ ابھی کھلا
جاتا ہے۔ ؎

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

اقول حضرت یہ طرز جدید نہیں وہی قدیم طرز ہے کہ جس کا جواب آپ کے علماء بزعم خود
دیتے آتے اور ہرگز عہدہ برا نہیں ہو سکے۔ چنانچہ انشاء اللہ اگر آپ اس میدان میں ثابت قدم

رہیں گے تو آپ پر بھی بخوبی روشن ہو جائے گا۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: اہل سنت کا عہدہ برا نہ ہونا تحریرات منشی سبحان
علی صاحب و مولوی نورالدین صاحب سے بخوبی واضح ہے اور نیز یہ آپ کی تحریر بھی گویا
خلاصہ مضامین سلف کا ہے اس کے جواب سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی واضح ہو جائے
گا کہ فریقین میں کون سا فریق دوسرے کے جواب سے فی نفس الامر عہدہ برا نہیں ہو سکتا
اور کسی قدر اس تحریر کے ابحاث سابقہ سے واضح ہو بھی چکا ہے پھر معلوم نہیں کہ اسی فضل و
کمال کے بھروسے پر یہ دھمکیاں ہیں کہ اگر آپ اس میدان مناظرہ میں ثابت قدم رہے تو آپ پر
بھی بخوبی روشن ہو جائے گا گویا کوئی دم واپسین کسی خاص وقت کے لئے محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔
اہل انصاف ذرا غور فرمائیں یہ تو ظاہر ہے کہ مسئلہ امامت مع اپنی شرائط و توابع و
لواحق کے شیعہ کے نزدیک اصل اصول و بن مثل توحید و نبوت کے واجب الایمان ہے اور
اہل سنت اس کو اصل اعتقادی نہیں کہتے علی ہذا القیاس اس کی شرائط وغیرہ میں گفتگو ہے کہ
شیعہ ان کو واجب الایمان اعتقاد کرتے ہیں اور اہل سنت کے نزدیک ان کا کچھ ثبوت نہیں
توحید اور نبوت باہم متفق علیہ معاد اخروی جس کو قیامت کبریٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ بھی
متفق علیہ البتہ ائمہؑ اور ان کے اعداء حقیقی یا مزعومی شیعہ کا دار دنیا میں پھر رجوع فرمانا جس کو
رجعت اور قیامت صغریٰ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے مختلف فیہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک
واجب الاعتقاد ہے اور اہل سنت کے نزدیک نہیں۔ پس اس صورت میں اہل سنت کا جو
اعتراض ہے وہ اصول مذہب تشیع پر ہے اور اس کا بیخ کن ہے کیونکہ اہل سنت ان اصول
میں سے جن کی صرف علماء شیعہ مدعی ہیں جس پر اعتراض کریں گے وہ اعتراض اصول مذہب
شیعہ کو صدمہ رساں ہوگا، اور اہل تشیع اہل سنت کے کسی اصل مذہب پر اعتراض نہیں کر سکتے
کیونکہ توحید و نبوت و معاد متفق علیہ اور امامت خود فروع میں معدود ہے تو علماء شیعہ اہلسنت
کے اصول مذہب سے کسی اصل کو اپنے اعتراض سے صدمہ نہیں پہنچا سکتے، ہاں غایت سے
غایت باعتبار اصول مذہب یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اہل سنت بعض اصول اعتقادیات کے
منکر ہیں جن پر مدار ایمان ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس امر کے اثبات کا عہدہ بھی
حضرات شیعہ ہی پر ہوگا کہ ان امور کا اصل اعتقادی ہونا ایسے دلائل قطعیہ سے ثابت کریں
جو اثبات مسائل اصلیہ اعتقادیہ کے لئے کافی ہوں اور جس قدر دشواری مدعی اور مثبت کو

ہوتی ہے نافی کو نہیں ہوتی، پھر اس کے معارضہ میں اہلسنت کہتے ہیں کہ آپ نے ان امور کو جن کا دلائل قطعیہ سے اصلی اعتقادی ہونا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا اصلی و اعتقادی اعتقاد کر رکھا ہے اور جیسا اعتقادی کا انکار مذموم ہے غیر اعتقادی کو واجب الاعتقاد اعتقاد کرنا بھی مذموم ہو گا تو اس تمام گذارش سے جو اجمالاً عرض کی ہے اہل فہم و انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ ہم میں سے کونسا فریق عہدہ برا نہیں ہو سکتا اور کس فریق کو دوسرے کے مقابلہ میں دشواری پیش آ رہی ہے۔

قولہ: یہ ہر دو احتمال بجائے خود نہیں خدا نخواستہ مجھ کو اپنے عقیدہ میں کسی طرح کا شک و ریب نہیں، میں نے اپنے علم و عقل کے موافق اپنے مذہب کی حقیت میں حق الیقین کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے اور یہ محض دعویٰ لسانی ہی نہیں بلکہ بفضلہ تعالیٰ ثابت بھی کر سکتا ہوں بایں ہمہ بفرض محال مثل شریک باری اگر اس کے خلاف حق ثابت ہو تو اس کے تسلیم کرنے میں کچھ عذر نہیں،

اقول: سبحان اللہ یہاں تو ہمارے حضرت مجیب مجتہد کیا بلکہ امام بن بیٹھے یا یہ شور اشوری یا وہ بے نمکی۔ یا تو یہ ارشاد تھا کہ میں محض فارسی خواں ہوں اور لفظ مولوی کے اطلاق کو بھی سخریہ و استہزا سمجھتا ہوں، یا یہ کہ اپنے مذہب کی حقیت میں حق الیقین کا مرتبہ یہاں تک حاصل کر لیا ہے کہ اس کا حق الیقین ہونا اپنے خصم پر بھی محقق و ثابت کر سکتے ہیں۔ پھر اس فضل و کمال پر اگر عوام و خواص شیعہ آپ کے قدم لیں اور آپ پر فدا ہوں تو ان کا فخر ہے۔ اور امام المتشیعین اور فخر الاولین والآخرین کے لقب سے ملقب کریں تو ان کو زیبا ہے۔ اب اس سے خیال فرمایئے کہ بندہ نے جو سابقاً عرض کیا تھا کہ سابقین سے سبقت کا قصد کیا جس پر آپ جھلا اٹھے وہ کچھ بے جا نہ تھا مگر میں حیران ہوں کہ حصول مرتبہ حق الیقین کے ساتھ یہ جو آپ نے قید لگائی ہے (اپنے علم و عقل کے موافق) اس قید کے کیا معنی ہیں کیا مرتبہ حق الیقین میں بھی باعتبار علم اور عقل اشخاص کے تشکیک ہوتی ہے اس سے اہل خرد بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ محض تخیلات و وہمیات کو مرتبہ حق الیقین میں سمجھتے ہیں اور آپ جانتے ہی نہیں کہ حق الیقین کس کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ حصول مرتبہ حق الیقین بطریق کشف یا الہام یا تحدث یا استخارہ طاق و جفت کے تو نہ ہوگا، کیونکہ نہ یہ طریق یقین ہیں اور نہ ان سے خصم پر مدعا کا اثبات ممکن اور نیز نہ آپ کو ان سے کسی مخبر صادق نے خبر دی نہ آپ پر وحی نازل ہوئی اور علاوہ ان کے اور کوئی طریق عند الیقین کا ایسا حاصل نہیں ہوا جو مثمر یقین کو ہو بجز اس کے کہ یہ مرتبہ حق الیقین کا جو

آپ نے اصولاً و فروعاً حاصل کیا ہے بعد استیفاء ادلہ تفصیلیہ کے ان میں نظر و استدلال سے اور بعد احتواء ما یتوقف علیہ الادلہ اور ان سے کماحقہ ماہر ہو کر حاصل کیا ہوگا کیونکہ تقلیداً اس مرتبہ کا حصول ممتنع ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ علوم آلیہ کے جاننے پر موقوف ہے اور نیز اس پر موقوف ہے کہ کتاب اللہ کو بسلاسل سند متواترہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا ہو اور نیز احادیث کو باسانید صحیحہ یاد کیا ہو حالات رجال سے آگہی ہو اور مطالب اصولیہ کتاب و سنت کی اوامر و نواہی عام و خاص و مؤول و مشترک و حقیقت و مجاز و ناسخ و منسوخ وغیرہ کا واقف ہو اصول مصححہ جامعہ اس کے پاس موجود ہوں اور ان کے ہر ایک موقع کا واقف ہو اور موارد اجماع بھی محفوظ ہوں جب یہ امور حاصل ہوں گے تو بطریق نظر و استدلال یقین یا ظن مسائل کا حاصل ہوگا، لیکن آپ فرماتے ہیں کہ میں محض فارسی خواں ہوں نہ کتاب اللہ کی سمجھ ہے جس پر دار و مدار اصول عقائد کا ہے بلکہ کتاب اللہ بنقل متواتر تحریف سے محفوظ شیعہ کے پاس موجود بھی نہیں ہے اور جو موجود ہے وہ نہ بتواتر شیعیان ثابت ہے اور نہ حسب اعتقاد محدثین و مفسرین شیعہ تحریف سے خالی بلکہ بتواتر محرف ہونا اس کا روایات سے محقق ہے اور اگر تسلیم کیا جائے کہ کتاب اللہ موجود متواتر غیر محرف ہے تو ان اکابر بزرگان دین کی نسبت کیا فتویٰ دیں گے جنھوں نے بڑی شد و مد سے اس کو محرف ثابت کیا ہے چنانچہ بحث تحریف میں مفصل اس کا ذکر آئے گا اور یہ آپ جانتے ہیں کہ تکذیب کتاب اللہ اور انکار متواتر کیسا ہے۔ اور نہ حدیث سے آشنائی ہے اور ان کے سمجھنے میں دوسروں کے محتاج ہیں کہ وہ ترجمہ عبارات کریں اور آپ سمجھیں خواہ غلط ترجمہ کریں یا صحیح۔ علاوہ ازیں علوم آلیہ کی بھی تقریباً ایسی ہی حالت ہوگی۔ صرف و نحو سے بے خبری معانی و بیان وغیرہ سے ناواقفیت تو اس صورت میں تو آپ کو صحت مذہب میں مرتبہ علم الیقین کا بھی حاصل نہیں ہو سکتا ہے چہ جائیکہ مرتبہ حق الیقین کا جو بالاترین مراتب یقین ہے حاصل ہو، بہر کیف اگر دعویٰ محض فارسی خوانی کذب و دروغ ہو اور یہ سب مبادی مذکورہ آپ کو مستحضر ہوں تو غایت سے غایت آپ کو صحت مسائل میں علم الیقین کا مرتبہ حاصل ہوگا جو مرتبہ مجتہد ہے لیکن آپ مدعی حصول مرتبہ حق الیقین ہیں جو اعلیٰ ترین مراتب سے ہے اور محسوسات و بدیہیات اولیہ سے بھی زیادہ اطمینان بخش ہے اور انبیاء و صدیقین کے مراتب سے ہے تو اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ شاید دعویٰ نبوت یا امامت مکنون خاطر ہو گا مگر

محض فارسی خوانی کا اور اس مرتبہ کے حصول کا محال تھا اس سے زیادہ اجتماع کذب و حصول مرتبہ حق الیقین ممتنع ہے پس میں متحیر ہوں،

حضرت یا زمین پر تھے یا آسمان پر جا بیٹھے شاید فارسی خوانی اس غرض سے ظاہر کی ہو گی کہ اگر مناظرہ میں الزام کھا جائیں تو کچھ بہت ندامت و بدنامی نہ ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہی مشہور ہو کہ ایک فارسی خواں تھا کیا ہوا جو الزام کھا گیا، غرض اگر اس تحریر کو لحاظ کیا جاتا ہے تو محض فارسی خوانی کی ہی تصدیق ہوتی ہے بلکہ اس تحریر کے آپ کی طرف منسوب ہونے میں بھی شک ہوتا ہے اور بھی کچھ نہیں تو دوسروں کی امداد ضرور ہو گی اور اگر ادعائے حق الیقین کو دیکھا جاوے تو قطع نظر اس سے کہ اس دعویٰ کو یہ آپ کی تحریر زبان حال سے مکذب ہے محض فارسی خوانی غلط ہو ئی جاتی ہے۔ ہم جہاں تک اس تحریر میں بغور و تامل نظر کرتے ہیں کہیں اس عظیم القدر دعویٰ کا ثبوت نہیں دیکھتے بلکہ ہر بحث سے اس کی نقیض کا ثبوت پیدا ہوتا ہے چنانچہ بعض مضامین سے جو ابحاث سابقہ کے ضمن میں مذکور ہوئی ثابت ہوتا ہے اور ابحاث آئندہ سے بخوبی ثابت ہو گا۔ ہر دو احتمالات کی تردید و تغلیط سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کو تحقیق حق ہرگز مد نظر نہیں ہے کیونکہ احتمال اول تحقیق حق ہے ولبس تو علاوہ ازیں آخری فقرہ متضمن تعلیق بالمحال مزعوم با ایں ہمہ بفرض محال سے آخر تک اس مدعا کو آشکارا طور پر ثابت کر رہا ہے پھر معلوم نہیں کہ انصاف و تحقیق حق کا حکم بمصداق قولہ تعالیٰ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ (البقرہ آیت ۴۴) دوسرے کے ہی لئے ہے با ایں ہمہ عبارت آئندہ میں احتمال ثانی کو تسلیم کر لیا اور فرمایا بلکہ اصلی غرض فرقہ اہل سنت کی ہدایت عموماً اور اپنے شفیق کی خصوصاً الخ اور بندہ کی غرض تزویر و تسویل سے یہ ہی تھی پس انکار احتمایین اس مناظرہ دانی پر تعجب انگیز ہے،

قولہ: اور تزویر و تسویل سے مجھ کو کیا حاصل، مولوی میں نہیں مسجد کا واعظ میں نہیں مذہبی خدمت سے معاش میں حاصل نہیں کرتا مرجع خلائق میں نہیں کہ خواہ مخواہ دکان جمانے کے لئے ایسی باتیں کروں پھر لوگوں کو فریب میں پھنسانے سے مجھ کو کیا ظاہری فائدہ ہو گا

اقول: معلوم نہیں حضرت نے ان اشارات و کنایات کا مورد اپنے ذہن عالی میں کس کو قرار دیا ہے اور یہ تعریضات کس کی طرف راجع ہیں، اگرچہ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے اپنے علماء و اکابر و مقتدایان مذہب مجتہدین وغیرہ کو تو کا ہے کو مد نظر رکھا ہو گا

بندہ عاجز یا اس کے دوسرے ہم مذہب مراد ہوں گے لیکن بفرض و تسلیم اگر ان تعریضات کا اطلاق ہم پر من وجہ بھی ہو سکے گا تو حضرات مجتہدین شیعہ جن میں یہ سب اوصاف مع شئ زائد پائے جاتے ہیں، ان تعریضات کے ساتھ اولیٰ و احق ہوں گے۔ ؎

شادم کہ از رقیبان دامن کشاں گذشتی ۔۔۔ گو مشت خاک ما ہم بر باد رفتہ باشد

قطع نظر اس سے ہمارے حضرت مجیب بھی تو بزعم خود درجہ اجتہاد حاصل کر چکے ہیں تو اور مرجع خلائق بنے، اور دوکان جمانے کے لئے کیا سر پر سینگ نکلتے ہیں۔ مذہبی خدمات سے معاش یوں ہی پیدا کی جاتی ہے، قبلہ و کعبہ بننے کی دیر تھی کہ سب کچھ موجود۔ مخالفین سے مناظرہ کر کے شہرت پیدا کی موافقین کو فتوے دیئے کنا بتہً ادعائے اجتہاد فرمایا پھر مجتہد بن بیٹھے پھر کیا تھا چراغ روشن مراد حاصل، اجی حضرت آج ہی کیا تھا اس کشت کا ثمرہ آئندہ دیکھئے گا، خدا نخواستہ اہل سنت تو فریب میں آنے سے رہے ہاں اپنے ہم مذہبوں سے توقع مفاد رکھنی چاہیئے۔ اہل سنت کو تو اگر براہ تقیہ سنی بن کر فریب دیتے تو شاید کوئی شقی ازلی شامت کا مارا گمراہ ہو جاتا چنانچہ حضرت کے بعض بزرگوں نے ایسا کیا ہے، رشید الدین محمد بن علی بن شہر آشوب سروی اپنی کتاب معالم العلماء میں جو اس وقت میرے سامنے موجود ہے فرماتے ہیں،

ابو الحسن محمد بن ابراھیم بن یوسف الکاتب وکان علی الظاھر یفتی علی مذھب الشافعی تقیۃ من کتبہ کشف القناع العدۃ الاستعداد۔

ابو الحسن محمد بن ابراہیم بن یوسف کاتب ظاہر میں تقیہ کے طور پر شافعی کے مذہب کے موافق فتوے دیا کرتا تھا اس کی تصانیف میں سے کشف القناع، عدہ، استعداد ہیں۔

اور اس امر کو آپ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ شافعیہ کا بھیس کیوں بدلتے تھے،

مذہب شیعہ میں دوسروں کو اپنے مذہب میں بلانا حرام ہے

قولہ: بلکہ اصلی غرض فرقہ اہل سنت کی ہدایت عموماً اور اپنے شفیق کی جو اس مباحثہ میں واسطہ ہیں اور محض ان کی خاطر سے یہ بحث شروع ہوئی ہے ان کی ہدایت خصوصاً۔

اقول: کاش آپ جانتے کہ آپ اپنی اس غرض میں مخالفت امام اور مرتکب حرام ہوئے ہیں

گنہگار بروئے اپنے مذہب کے ہیں، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے مذہب کی کچھ خبر نہیں ہے۔ لیجئے ہم ہی تبلاتے ہیں کیا احسان مانیئے گا، علامہ مجلسی بحار میں نقل کرتے ہیں اس میں سے چند روایات نقل کرتا ہوں ان کو ملاحظہ فرمائیے،

عن ابی النضر عن یحییٰ الحلبی عن ایوب بن الحر قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول ان رجلا اتی ابی فقال انی رجل خصم اخاصم من احب ان یدخل فی ھذا الامر فقال لہ ابی لا تخاصم احدا فان اللہ اذا اراد بعبد خیرا نکت فی قلبہ حتی انہ لیبصر بہ الرجل منکم لیشتھی لقائہ

میں نے امام ابو عبد اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے ایک شخص میرے والد کے پاس آیا اور کہا کہ میں بحث کرنے والا ہوں جس کو میں پسند کرتا ہوں کہ تشیع میں داخل ہو جائے اس سے بحث کرتا ہوں میرے والد نے اس کو فرمایا تو کسی سے نہ جھگڑ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اس کے دل میں نکتہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے سبب تم میں سے جس کو دیکھتا ہے اس کی ملاقات کی خواہش کرتا ہے

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لا تخاصموا الناس فان الناس لو استطاعوا ان یحبونا لاحبونا ان اللہ اخذ میثاق شیعتنا یوم اخذ میثاق النبیین فلا یزید فیھم احد ابدا ولا ینقص منھم احد ابدا۔

امام ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا لوگوں سے بحث ومباحثہ نہ کرو کیونکہ اگر ہم کو لوگ دوست کر سکتے تو بیشک دوست رکھتے اللہ تعالیٰ نے جس دن انبیا سے عہد لیا تھا ہمارے شیعوں سے بھی عہد لیا تھا اب ان میں نہ کوئی زیادہ ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کم ہو سکتا ہے،

ابی عن صفوان وفضالۃ عن داود بن فرقد قال کان ابی یقول مالکم وللدعاء الناس انہ لا یدخل فی ھذا الامر الا من کتب اللہ لہ،

میرا باپ کہتا تھا تمہیں لوگوں کو اپنے دین کی طرف بلانے سے کیا تعلق کیونکہ اس دین میں کوئی شخص سوا اس کے جس کو خدا نے لکھ دیا ہے داخل نہیں ہو سکتا،

ان روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس غرض سے جھگڑنا کہ لوگ اپنے مذہب سے پھر کر شیعہ بن جائیں منہی عنہ اور ناجائز ہے، پس اس سے آپ خیال فرما لیجئے کہ آپ نے جو اپنی غرض اس مباحثہ سے ٹھہرائی ہے وہ کس قدر بد ہے اور چونکہ علت بھی عموم کو مقتضی

ہے اور نیز سابقاً بروایات معتبرہ ثابت ہو چکا ہے کہ ظہور امام آخر الزمان تک زمانہ تقیہ مستمر ہے تو یہ نہی ائمہ گذشتہ کے زمانہ امامت پر بھی منحصر نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں اگر مباحثہ وگفتگو سے آپ کی غرض اصلی یہ ہی تھی تو اول غلطی یہ کھائی کہ آپ نے اپنے آپ کو محض فارسی خواں ظاہر کیا کیونکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس کو علوم کتاب وسنت کی خبر نہیں محض فارسی خواں ہے وہ کیونکر مطالب عالیہ کتاب وسنت کی طرف دوسروں کو ہدایت کر سکتا ہے بلکہ وہ مصداق اس مصرعہ کا ہے۔ ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند، معہذا اگر لفظ ہدایت سے ہدایت مزعومہ مراد ہے تو حسب قول ع برعکس نہند نام زنگی کافور تسمیۃ الشی باسم ضدہ اور اگر ہدایت واقعی اور نفس الامری مراد ہے تو یہ حضرت کا کام نہیں حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل وکرم سے اہل سنت کو متمسک بالثقلین اور متبع صحابہ کرام نجوم ہدایت فرما کر حقیقی ونفس الامری ہدایت پر ایسا مضبوط ومستحکم فرما رکھا ہے کہ تشکیک مشکک سے تذبذب محال ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ۔

قولہ: شعر جو حضرت نے لکھا ہے شوخی طبع پر دال ہے اس کا جواب کیا لکھیں مگر بات یہ ہے کہ ہمارے مجیب عالم وفاضل ہیں اور اہل علم کی نظر مآل پر ہوتی ہے دور اندیشی فرما کر اپنے نفس نفیس سے ہی مخاطب ہیں،

اقول: سبحان اللہ ابھی تو میں آپ کے نزدیک گمنام تھا ابھی عالم وفاضل ہو گیا۔ خیر بہرکیف اگر نظر انصاف واقعی سے اس تحریر کو ملاحظہ فرمائیے گا تو واضح ہو جائے گا کہ اس شعر میں آپ کا مخاطب آپ سے مخاطب ہے یا اپنے نفس سے ورنہ انصاف پسندان روزگار سے دریافت فرما لیجئے گا، اس سے زیادہ اور کیا عرض کریں،

قولہ: چشم ما روشن دل ما شاد تحریر فرمانا درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اگر اس مباحثہ سے آپ کا دل شاد وچشم روشن ہوتی تو شروع ہی میں یہ سخت کلامی نہ فرماتے بلکہ نہایت نرمی وملائمت واخلاق سے پیش آتے،

اقول: کسی قدر سخت کلامی اگر کی گئی ہے تو صرف حضرت کی تحریفات کے مقابلہ میں کی گئی ہے وبس، اگر آپ اس کی بنیاد نہ باندھتے تو بندہ سے بھی کوئی کلمہ ثقیل نہ سنتے، معہذا مخالفین کے مقابلہ میں ہر جگہ نرمی وملائمت واخلاق اپنی چشم روشن ودل شاد ہونے کو مستلزم

نہیں ہے بلکہ بعض مواقع میں غلظت وشدت محمود ہوتی ہے تو یہ تفریع غلط ہے، ہاں اگر بجائے اس کے یہ فرماتے کہ ہم کو تحقیق حق مدنظر نہیں ہے (چنانچہ ابھی صاف انکار کر چکے تھے) تو چشم ما روشن دل ما شاد فرمانا درست معلوم نہیں ہوتا تو بجا تھا کیونکہ چشم کا روشن اور دل کا شاد ہونا تو تحقیق حق پر مترتب تھا اور جب وہی جاتا رہا تو یہ بھی درست نہ ہوا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تحقیق حق سے انکار کریں تو کیونکر کریں کہ صریح خلاف انصاف ہے اور اگر اقرار کریں تو کس طرح کریں کہ مستلزم تشکیک فی المذہب کو ہے۔ خیر حسب موقع اقرار یا انکار جو مناسب ہوتا ہے وہ کرتے ہیں،

قال الفاضل المجیب قولہ: اس لئے مناسب خیال کیا کہ چندی اپنے وقت گراں مایہ کو اس میں صرف کروں کہ احدی الحسنیین سے خالی نہ ہوگا۔ اقول، مباحثہ مذہبی کیا ایسا خفیف کام ہے کہ اس میں وقت صرف کرنے کو وقت گراں مایہ کہا جائے اگر غور فرمایئے تو یہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔

بحث مذہب شیعہ میں مباحثہ مذہبی حرام ہے

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: اس سے صاف مثل روز روشن ظاہر و باہر ہے کہ حضرت میر صاحب اپنے مذہبیات کے کوچہ سے بالکل نابلد ہیں جہاں تک روایات شیعہ میں غور کیا جاتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جدال و مباحثہ کرنا حرام اور خلاف اللہ و رسولؐ و ائمہؑ کے ہے بلکہ مباحثہ کرنا دین سے نکلنا اور رسولؐ کی زبانی بشہادت ائمہؑ ملعون ہونا ہے چنانچہ کچھ روایات معتبرہ سابقاً مذکور ہو چکی ہیں اور کسی قدر اب معروض ہوں گی تو معلوم نہیں ہمارے مجیب لبیب مباحثہ کو کس بنیاد پر اعلیٰ درجہ کی عبادت قرار دیتے ہیں اور کیوں مد بر معترض ہیں۔ مگر ہاں اگر ملعون ہونا اور خدا و رسولؐ و ائمہؑ کے خلاف کام کرنا اور دین سے خارج ہونا ہے حضرت مجیب کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی عبادت ہو تو مضائقہ نہیں تو اس صورت میں خوارج نہروان و نواصب شام کو بھی مژدہ فتح سنا دیں۔ روایات سنیئے آپ کے علامہ مجلسی بحار میں تخریج فرماتے ہیں اس میں سے ملتقطاً چند روایات نقل کرتا ہوں

باسناد د تمیمی عن رضا عن ..... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

اباۂ عن علی علیہ السلام لعن اللہ الذین یجادلون فی دینہ اولئک ملعونون علی لسان نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا ان پر خدا لعنت کرے جو خدا کے دین میں جھگڑا کرتے ہیں یہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ملعون ہیں،

اس حدیث سے مناظرہ کرنے والوں کا ملعون ہونا بعبارت النص ثابت ہے،

عن ابی عبد اللہ جعفر بن محمد الصادق انہ قال لاصحابہ اسمعوا منی کلاما ھو خیر لکم من الدھم الموقفۃ لایمارین احد کم سفیھا ولا حلیما فانہ من ماری حلیما اقصاہ ومن ماری سفیھا ارداہ۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے یاروں سے فرمایا کہ میری بات سنو جو تمہارے لئے زنہیاں پر اکھڑے ہوئے مشکی گھوڑوں سے بہتر ہے تم سے کوئی نہ کسی سفیہ سے جھگڑے اور نہ کسی حلیم سے کیونکہ جو حلیم سے مباحثہ کرے گا وہ اس کو حق سے دور کر دے گا اور جو کسی سفیہ سے جھگڑے گا وہ اس کو ہلاک کر دے گا

اس حدیث سے علی العموم مباحثہ کی ممانعت ثابت ہوئی کیونکہ لا یمارین فعل منفی ہے اور اس کا فاعل و مفعول دونوں نکرہ واقع ہوئے ہیں اور قاعدہ ہے کہ نکرہ سیاق نفی میں عموم و شمول کا فائدہ دیا کرتا ہے تو کسی شخص کو کسی کے ساتھ مباحثہ کرنا جائز نہ ہوا۔

عن ابی عبد اللہ قال یھلک اصحاب الکلام وینجو المسلمین ان المسلمین ھم النجاء

امام ابی عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کلام گفتگو کرنے والے ہلاک ہوں گے اور مسلمان نجات پا جائیں گے بے شک مسلمان ہی نجات یافتہ ہیں،

سمعت ابا عبد اللہ یقول لا تخاصموا الناس لدینکم فان المخاصمۃ ممرضۃ للقلب،

میں نے امام ابی عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے اپنے دین کے معاملہ میں لوگوں سے نہ جھگڑو کیونکہ جھگڑا دل کو بیمار کرنے والا ہے

سمعت ابا جعفر یقول انما شیعتنا الخرس،

میں نے امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے ہمارے شیعہ صرف گونگے ہیں،

قال امیر المؤمنین ایاکم والجدال فانھا یورث الشک فی دین اللہ

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے آپ کو جھگڑے سے بچاؤ کیونکہ وہ اللہ کے دین میں شک پیدا کرتا ہے

سمعت ابی عبد اللہ یقول متکلموا هذه العصابة من شرار من هم منهم۔

میں نے امام ابی عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے اس گروہ میں کے متکلمین سب سے بدتر ہیں۔

اس باب میں جس قدر روایات وارد ہوئی ہیں اگر ان کا استیفا کیا جائے اور بسط کے ساتھ ان پر بحث کی جاوے تو ایک کتاب جداگانہ تیار ہو اس لئے ہم صرف ایک قول فیصل پر اکتفا کرتے ہیں جو امام جعفر صادق سے علامہ مجلسی نے نقل کیا ہے اور چونکہ عبارت بہت طویل ہے اس لئے ملتقطاً نقل کرتے ہیں۔

عن ابی محمد العسکریؑ قال ذکر عند الصادقؑ الجدال فی الدین وان رسول اللہؐ والائمة المعصومون قد نهوا عنه فقال الصادقؑ لم ینه عنه مطلقا لکنه نهی عن الجدال بغیر التی هی احسن اما تسمعون اللہ یقول ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالتی هی احسن وقوله تعالی ادع الی سبیل ربك الخ فالجدال بالتی هی احسن قد قرنه العلماء بالدین والجدال بغیر التی هی احسن محرم وحرمه اللہ تعالی علی شیعتنا قیل یا ابن رسول اللہ فما الجدال بالتی هی احسن والتی لیس باحسن قال اما الجدال بغیر التی هی احسن ان تجادل مبطلا فیورد علیك باطلا فلا ترده بحجة قد نصبها اللہ ولکن تجحد قوله او تجحد حقا یرید ذلك المبطل ان یعین به باطله فتجحد ذلك مخافة ان یکون له

امام عسکری فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں دین میں بحث و مباحثہ کرنے کا ذکر ہوا اور یہ کہ رسول اللہؐ نے اور ائمہؑ معصومین نے اس کی ممانعت فرمائی ہے فرمایا کہ اس کی مطلقاً ممانعت نہیں فرمائی لیکن ہاں اس مباحثہ کی ممانعت کی ہے جو بغیر عمدہ طریقہ کے ہو کیا تم نہیں سنتے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اور بدون عمدہ طریقہ کے اہل کتاب سے نہ جھگڑو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے پروردگار کے رستہ کی طرف دعوت کر الخ پس علما نے اس مباحثہ کو جو عمدہ طریق سے ہو دین کے ساتھ ملحق کیا ہے اور وہ جدال و مناظرہ جو عمدہ طریق سے نہ ہو حرام ہے اس کو اللہ نے ہمارے شیعہ پر حرام فرمایا ہے کسی نے پوچھا اے رسول اللہ کے فرزند کون سا مباحثہ عمدہ طریقہ والا ہے اور کون سا مباحثہ بدون عمدہ طریقہ کے ہے فرمایا بغیر عمدہ طریقہ کے مباحثہ تو یہ ہے کہ تو کسی اہل باطل سے مناظرہ کرے اور وہ تجھ پر باطل پیش کرے اور تو اس حجت کے ساتھ جو خدا تعالیٰ نے قائم کی ہے اس کو

علیك فیه حجة لانك لا تدری کیف المخلص منه فذلك حرام علی شیعتنا ان یصیروا فتنة علی ضعفاء اخوانهم وعلی المبطلین اما المبطلون فیجعلون ضعف الضعیف منکم اذا تعاطی مجادلته وضعف فی یده حجة له علی باطله واما الضعفاء منکم فتغتم قلوبهم لما یرون من ضعف المحق فی ید المبطل واما الجدال التی هی احسن فهو ما امر اللہ تعالی به نبیه ان یجادل به من جحد البعث بعد الموت واحیائه فقال حاکیا عنه وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ فقال اللہ فی الرد علیه قُلْ یا محمد يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ الخ قال فهذا الجدال بالتی هی احسن لان فیها قطع عذر الکافرین وازالة شبهتهم واما الجدال بغیر التی هی احسن بان تجحد حقا لا یمکنك ان تفرق بینه وبین باطل من تجادل وانما تدفعه عن باطله بان تجحد الحق فهذا هو المحرم لانك مثله جحد هو حقا وجحدت انت حقا آخر انتهی

رد نہ کر سکے لیکن تو اس کے قول کا انکار کرے یا اس حق کا جس کے سبب سے وہ مبطل اپنے باطل کی اعانت وتقویت چاہتا ہے منکر ہو جائے اور اس خوف سے کہ مبادا تجھ پر اس کی حجت قائم ہو جائے اس حق کا بھی انکار کر دیوے کیونکہ اس سے خلاصی کی راہ تو نہیں جانتا ہے تو یہ ہمارے شیعہ کے لئے حرام ہے کہ اپنے ضعیف بھائیوں اور اہل باطل کے حق میں فتنہ ہوں کیونکہ جب اہل باطل سے مناظرہ کریگا اور اس کے مناظرہ کے پنجہ میں خستہ ہوگا تو وہ تمہاری اس خستگی کو اپنے باطل کی حقیت پر حجت قرار دیں گے۔ اور ضعفاء شیعہ جب مبطل کے پنجہ میں اہل حق کو خستہ حالت میں دیکھیں گے تو ان کا دل اداس ہوگا اور عمدہ طریقہ کا مباحثہ وہ ہے جس کا خدا نے اپنے نبیؐ کو حکم فرمایا کہ منکرین حشر سے مناظرہ کرے وہ کہتے تھے کہ پرانی ہڈیوں کو کون جلائے گا فرمایا اے محمدؐ تو کہہ ان کو وہ جلائے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا تو یہ جدال و مناظرہ عمدہ طریقہ کا ہے کیونکہ اس میں کافر کے عذر کا قطع اور ان کے شبہ کا رفع ہے اور مباحثہ بغیر عمدہ طریقہ کے یہ ہے کہ تو ایسے حق کا انکار کرے کہ تجھ کو اس میں اور خصم کے باطل میں فرق وامتیاز نہ ہو اور اس کے باطل کو حق کا انکار کر کے دفع کرے تو یہ مباحثہ حرام ہے کیونکہ اس صورت میں تو بھی مثل اہل باطل کے ہے کہ اس نے ایک حق کا انکار کیا اور تو نے دوسرے حق کا انکار کیا۔

قطع نظر تعارض ان روایات سے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں اس قول فیصل سے صاف

ثابت ہوتا ہے کہ مباحثہ کرانا سوائے انبیاء اور ائمہ کے دوسرے شخص کا کام نہیں ہے بلکہ دوسروں کو ناجائز وحرام ہے کیونکہ سوائے انبیاء وائمہ کے کوئی شخص حجت منصوب من اللہ کو نہیں پہچان سکتا اور نہ ضعفاء اخوان یا مبطلین کے حق میں فتنہ ہونے سے بچ سکتا ہے علی الخصوص ایسا شخص جس کو اپنے مذہبیات کی بھی پوری واقفیت نہ ہو اور محض فارسی خوان ہی ہو تو اس کے حق میں مناظرہ کرنا بموجب اس قول فیصل کے بے شک حرام ہوگا۔ اب دل چاہتا ہے کہ اس باب میں علامہ مجلسی کی تحقیق نقل کروں۔ اہل انصاف اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں اور ہمارے مجیب کی واقفیت مذہب کی داد دیں۔

و یظهر من الاخبار ان المذموم منه هو ما کان الغرض فیه الغلبة و اظهار الکمال و الفخر و التعصب و ترویج الباطل و اما ما کان لاظهار الحق و رفع الباطل و دفع الشبهة عن الدین و ارشاد المضلین فهو من اعظم ارکان الدین لکن التمیز بینهما فی غایة الصعوبة و الاشکال و کثیرا ما یشتبه احدهما بالاخری بادی النظر و للنفس فیه تسویلات خفیة لا یمکن التخلص منها الا بفضله تعالی

احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ برا مباحثہ وہ ہے جس میں غلبہ اور کمال کا اظہار اور فخر اور ناحق کی جانب داری اور باطل کی ترویج مقصود ہو اور جس مباحثہ میں حق کا اظہار اور باطل کا رفع اور دین سے شبہ کا ازالہ اور گمراہوں کے رہنمائی ہو تو وہ دین کے اعظم ارکان میں سے ہے لیکن ان دونوں میں تمیز اور تفرقہ نہایت سخت دشوار اور مشکل ہے بسا اوقات بادی النظر میں ایک دوسرے کے ساتھ مشتبہ ہو جاتا ہے اور اس میں نفس امارہ کے ایسے چھپے داؤ پیچ ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ان سے خلاصی ممکن نہیں

علامہ کی اس تحقیق میں بھی ہم بحث سے اغماض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے بھی مجیب جیسے متکلمین کے لئے مناظرہ کا عبادت نہ ہونا بلکہ حرام اور مستوجب لعن ہونا ثابت ہوتا ہے پھر اب ہمارے مجیب للہ ذرا انصاف سے فرمائیں کیا اعلیٰ درجہ کی عبادت ایسی ہی امور ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں اگرچہ مباحثہ مذہبی خفیف کام نہ ہو تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی مذہبی کام اس سے بڑھ کر نہ ہو بلکہ بہت سے مذہبی امور اس سے بدرجہا بہتر و برتر ہوں گے علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ چنداں ضروری یا مفید نہ ہو اور مخالفین کی راہ یابی کی توقع نہ ہو تو ایسے وقت میں جو شخص دوسرے امور مذہبیہ عالیہ میں مشغول ہوگا

وہ بے شک مباحثہ میں اپنے وقت کے صرف کرنے کو وقت گراں مایہ کھوئے گا۔

قولہ: اس اخیر فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تحقیق حق و ابطال باطل منظور نہیں بلکہ اپنی رہائی یا مخالف کی مغلوبیت اصلی غرض ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ان میں سے کوئی غرض بھی حاصل شدنی نہیں ہے۔

اقول: جب آپ کے نزدیک تحقیق حق مستلزم شک فی المذہب کو ہے تو واقعی مجھ کو ہرگز تحقیق حق منظور نہیں کیونکہ بفضل اللہ تعالیٰ و رحمتہ مجھ کو اپنے مذہب کی صحت و حقیت میں کسی نوع کا شک و ریب نہیں ہاں ابطال باطل و مغلوبیت مخالف بھی مقصود ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ علی الرغم ہم کو حاصل ہے۔ ؎

ستعلم لیلی ای دین تداینت ❊ و ای غریم فی التقاضی غریمها

قال الفاضل المجیب۔ قولہ: پس واضح ہو کہ اگرچہ فیما بین اہل سنت وجماعت و شیعہ اثنا عشریہ کے بہت سے مسائل اصول و فروع میں مخالفت ہے لیکن مبنیٰ معظم اختلاف کا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علی الخصوص خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کو اہل سنت تمام امت سے باعتبار مرتبہ اعلیٰ و افضل اور ایمان میں اثبت و اکمل اعتقاد کرتے ہیں۔

اقول: اصل اختلافی مسئلہ اور مبنیٰ معظم اختلاف کا ماخذ مسائل دین و ایمان ہے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امامیہ کل اصول و فروع کو اہل بیت طاہرین سے کہ بموجب حدیث متفق علیہ مثل اہل بیتی کسفینة نوح الخ سفینہ نجات ہیں اور موافق حدیث متفق علیہ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی الخ ان کا حکم ہرگز حکم خدا سے جدا نہیں ہو سکتا اور صحابہ بھی ان کے ہی تمسک کے مامور تھے ماخوذ کرتے ہیں۔ اور اہل سنت صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کو ماخذ اپنے دین اور ایمان کا ٹھہراتے ہیں، اگرچہ بعض ان میں سے ناصبین عداوت اہل بیت طاہرین اور قاتلین ذریتہ سید المرسلین اور مارقین اور قاسطین و ناکثین سے ہوں۔ جیسا کہ ملاحظہ رواۃ صحاح اور غیر صحاح اہلسنت سے ظاہر ہے۔ پس حضرت مجیب نے جو مبنیٰ اختلافات کا معاملہ صحابہ ٹھہرایا ہے بجائے خود معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اگر بفرض محال مثل شریک باری سب صحابہ عدول بے ٹھہر جائیں اور برخلاف احادیث کثیرہ مثل حدیث حوض وغیرہ اور سینکڑوں دلائل عقلیہ و نقلیہ کے جس میں کتب ضخیمہ تصنیف ہو چکی ہیں کل صحابہ کا ناجی ہونا ہی ثابت ہو جائے تو اس سے ماخذ مسائل

اصولیہ وفروعیہ ہونا ان کا ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ عدم عصمت ان کے اتفاقی بین الامت ہے اور شیعوں کے نزدیک بلکہ ہر عقلمند کے نزدیک۔ بجز اہلبیت معصومین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین کوئی ماخذ اصول وفروع نہیں ہو سکتا پس کیوں ہو سکتا ہے کہ مبنی معظم اختلاف کا یہ ہی مسئلہ ہو بلکہ مسئلہ امامت ہی اس اختلاف کثیر کا مبنی ہے جیسا کہ بندہ پہلے عرض کر چکا ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ : دانشمندان روزگار اور منصفان قریٰ وامصار کو صلائے عام ہے کہ ذرا اس بحث کو بنظر غور وتامل ملاحظہ فرما کر ہمارے مجیب کے انصاف وتحقیق حق اور مناظرہ دانی واجتہاد مطلق کی داد دیں۔

مسئلہ خلافت کی اہمیت

میر صاحب کے نزدیک مسئلہ امامت کے معظم خلافیات ہونے پر بندہ نے عرض کیا تھا کہ اہم الخلافیات اور مبنی معظم اختلافات کا معاملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عموماً و خلفاء ثلثہ رضوان اللہ علیہم خصوصاً ہے کہ اہل سنت ان کو تمام امت میں افضل اعتقاد کرتے ہیں اور شیعہ بدتر از کفار ومنافقین سمجھتے ہیں اور اختلاف مسئلہ امامت بھی اسی اصل سے ناشی ہے۔ بجواب اس کے مسئلہ امامت کے مبنی معظم خلافیات ہونے کی تائید میں ہمارے حضرت فاضل مجیب نے بایں خلاصہ ارشاد فرمایا کہ اصل خلافی مسئلہ اور مبنی معظم اختلاف کا ماخذ مسائل دین وایمان ہے۔ بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امامیہ کل اصول وفروع کو بموجب ارشاد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت طاہرین سے لیتے ہیں اور اہلسنت صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کو ماخذ اپنے دین وایمان کا ٹھہراتے ہیں اگرچہ بعض ان میں سے ناصبین عداوت اہل بیت طاہرین اور قاتلین ذریۃ سید المرسلین اور مارقین اور قاسطین اور ناکثین سے ہوں پس حضرت مجیب نے جو مبنی اختلاف کا معاملہ صحابہ ٹھہرایا ہے بجائے خود معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر بفرض محال سب صحابہ عدول ٹھہر جاویں تو اس سے بوجہ اس کے کہ ان کی عدم عصمت اتفاقی ہے ماخذ مسائل اصولیہ وفروعیہ ہونا ان کا ثابت نہ ہوگا پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ مبنی معظم اختلافات کا معاملہ صحابہ ہو بلکہ مسئلہ امامت ہی اس اختلاف کثیر کا مبنی ہے۔ اب حضرات خدا کے لئے ذرا حضرت مجیب کے اس جواب کو ملاحظہ فرمائیں

کہ اس سے بندہ کے معروض کی تسلیم وتائید ہوتی ہے یا تغلیط وتردید۔

دین وایمان کے ماخذ شیعہ واہلسنت کے یہاں کون ہیں

اب سنیے کہ فاضل مجیب فرماتے ہیں کہ ماخذ مسائل دین شیعہ کے نزدیک ذریۃ طاہرین ہیں اور اہل سنت کے نزدیک صحابہؓ وغیرہ ہیں تو اگر اس تقابل سے حضرت مجیب کی یہ غرض ہے کہ اہل سنت ذریۃ طاہرین کو ماخذ دین نہیں اعتقاد کرتے تو بداہۃً غلط اور محض افترا ہے کیونکہ قضیہ کلیہ الصحابۃ کلہم عدول جزئیات ذریۃ طاہرہ کو بھی مشتمل ہے اور اہل سنت کی کتب صحاح وغیرہ روایات اہل بیتؓ سے مملو ومشحون ہیں اور ان کے فضائل ومحامد سے مشرف ومزین ہیں اور مجتہدین اہل سنت کا علم غالباً ماخوذ اہل بیت ہی سے ہے۔ اہلسنت کے بزرگان طریقت خوشہ چین میامن اہلبیت کے ہیں۔ ہاں دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم وصف مقتدائیت اور ماخذیت میں اہل سنت کے نزدیک بحکم حدیث متفق علیہ اصحابی کالنجوم الخ شریک اہل بیت ہیں اور اگر اس تقابل سے حضرت مجیب کی غرض انتفاء ماخذیت اہل بیت عند اہل السنۃ نہیں ہے تو حبذا الوفاق اس صورت میں حاصل یہ ہوا کہ اہلبیت باتفاق فریقین ماخذ دین ہیں اور صحابہؓ علی الاختلاف۔ اہل سنت ان کو بھی اس لئے کہ وہ مصداق کنتم خیر امۃ ہیں، ماخذ دین قرار دیتے ہیں۔ اور شیعہ ان کو ماخذ مسائل دین نہیں ٹھہراتے اور شر امت اعتقاد کرتے ہیں اور اس کی وجہ کلام سے صاف ظاہر ہے کہ بعض ان میں سے بزعم شیعہ ناصبین عداوت اور قاتلین اور مارقین اور قاسطین اور ناکثین ہیں اور بفرض محال مثل شریک باری اگر کل صحابہ عدول ٹھہر جائیں تو عدم عصمت اتفاقیہ مانع ماخذیت ہے۔ تو اس سے کالشمس فی رابعۃ النہار ثابت ہوا کہ دار مدار اختلاف ماخذیت کا خیریت اور شریت صحابہؓ پر ہے۔ اور جب ماخذیت صحابہ کے اختلاف کی علت خیریت اور شریت اور افضلیت اور انقصیت صحابہؓ ہوئی تو فرمائیے اس وقت اصل مبنی اختلافات معاملہ صحابہ کا جو بندہ نے عرض کیا تھا ہوا یا نہ ہوا اور اس جواب سے بندہ کی گذارش کی تائید وتقویت ہوئی کہ نہ ہوئی۔ مسلّما مبنی معظم خلافیات کا ماخذیت صحابہؓ واہلبیتؓ ہی سہی۔ لیکن اس سے مسئلہ امامت کا مبنی ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ اس سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ مبنی معظم خلافیات کا ماخذیت ہے اور مسئلہ امامت بھی اسی اصل سے

ناشی ہے تو آخری تفریع جو بطور نتیجہ مقدمات و دلائل سابقہ کے ذکر کی ہے "پس کیونکر ہوسکتا ہے کہ مبنی معظم اختلاف کا یہ مسئلہ ہو بلکہ مسئلہ امامت ہی اس اختلاف کثیرہ کا مبنی ہے" غلط اور غیر مرتبط اور دعویٰ بے دلیل رہے۔ خوش گفت عہ میں الزام اس کو دینا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

چونکہ اس جگہ ہمارے حضرت مجیب نے ماخذیت اہلبیتؓ وصحابہؓ کا ذکر فرمایا اور بہت غلطیاں کھائیں اور حق سے بمراحل دور ہوگئے اس لئے کسی قدر اس کا بیان بھی واجب ہوا۔ پس واضح ہو کہ فی الاصل ماخذ دین وایمان ذات بابرکات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس قدر دین ہے وہ ماخوذ مشکوۃ نبوت سے ہے وبس اور واسطہ تبلیغ دین بلین اللہ تعالیٰ والائمت رسول ہی ہوتا ہے اور علاوہ رسول کے جس قدر احاد امت ہیں وہ سب محتاج تبلیغ رسول ہیں اور مکلفین ومبلغین اور فی الحقیقت متبع اور آخذین دین ہیں نہ متبوع اصلی کیونکہ اگر ان کو ماخذ اصلی دین کا قرار دیا جاوے گا تو ان کا خلیفہ ہونا باطل ہوگا اور نبی ہونا لازم آوے گا اور یہ باتفاق فریقین باطل ہے۔ حسب مذہب اہل سنت تو اس کا بطلان بدیہی ہے۔ اور شیعہ اگرچہ ائمہ کو انبیاء علیہم السلام کے خواص ولوازم میں شریک کرتے ہیں جو ان کی نبوت کو مستلزم ہے بلکہ انبیاء سے رتبہ میں بڑھاتے ہیں،

محققین شیعہ کے نزدیک جناب امیرؓ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں

چنانچہ حضرت علیؓ کو تمام انبیاء سے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عقل ونقل افضل اعتقاد کرتے ہیں، شیخ مفید اپنے رسالہ تفضیل امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ میں فرماتے ہیں،

اختلف الشیعۃ فی ہذہ المسئلۃ فقالت الجارودیۃ انہ کان علیہ السلام افضل من کافۃ الصحابۃ فاما غیرہم فلا نقطع علی فضلہ علی کافتہ وبذعوامن

مسئلہ تفضیل میں شیعہ باہم مختلف ہیں جارودیہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ تمام صحابہؓ سے تو بے شک افضل ہیں لیکن سوائے صحابہؓ کے سب سے افضل ہونے کا ہم یقین نہیں

سوی بینہ وبین من سلف اوفضلہ اوشک فی ذلک وقطعوا علی فضل الانبیا علیہم السلام کلہم علیہ واختلف اہل الامامۃ فی ہذا الباب فقال کثیر من متعلمیہم ان الانبیاء علیہم السلام افضل منہ علی القطع والثبات وقال جمہور اہل الاثار منہم والنقل والفقہ بالروایات وطبقۃ من المتکلمین منہم واصحاب الحجاج انہ علیہ السلام افضل من کافۃ البشر سوی رسول اللہ محمد بن عبد اللہ صلوات اللہ علیہ فانہ افضل منہ ووقف منہم نفر قلیل فی ہذا الباب فقالوا لسنا نعلم اکان افضل من سلف من الانبیا اوکان مساویا لہم اودونہم فیما یستحق بہ الثواب فاما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ محمد بن عبد اللہ فکان افضل منہ علی غیر ارتیاب وقال فریق منہم اخران امیر المومنین صلوات اللہ علیہ افضل البشر سوی اولی العزم من الرسل فانہم افضل منہ عند اللہ،

کرسکتے اور ان کو مبتدع کہا ہے جنھوں نے گزشتہ لوگوں کے حضرت امیر کو برابر کہا یا حضرت کو بڑھایا یا اس میں متردد رہے۔ لیکن جارودیہ حضرت امیر سے تمام انبیاء کو یقیناً افضل کہتے ہیں اور امامیہ بھی اس باب میں مختلف ہوئے بہت سے سیکھڑاؤں کا ان میں سے کہتے ہیں کہ انبیا حضرت سے قطعاً ویقیناً افضل ہیں اور جمہور اہل اخبار وحدیث اور فقہا اور متکلمین اور اہل حجت کہتے ہیں کہ حضرتؓ سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آدمیوں سے افضل ہیں لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب امیر سے افضل ہیں اور تھوڑے سے لوگوں نے اس باب میں توقف کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ حضرت امیر انبیا گزشتہ سے باعتبار زیادتی استحقاق ثواب کے افضل ہیں یا برابر یا کم لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب امیر سے بے شک وشبہ افضل ہیں اور امامیہ میں سے ایک فریق کہتا ہے کہ حضرت امیر افضل البشر ہیں سوائے رسل اولو العزم کے وہ خدا کے نزدیک حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے فضیلت میں زیادہ ہیں۔

اور اسی رسالہ میں کسی قدر آگے بڑھ کر یہ روایت لکھی ہے۔

وقولہ علیہ السلام وقد سئل عن امیر المومنین ما کان منزلتہ من النبی علیہ وآلہ السلام قال لم یکن بینہ وبینہ فضل سوی الرسالۃ التی اوردہا

امام رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ جناب حضرت امیرؓ کا مرتبہ بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر تھا فرمایا بجز رسالت کے جو حضرت

وجاء مثل ذلك بعينه عن ابيه عن جعفر وابی الحسن وابی محمد العسکری علیہ السلام

صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تھی اور کچھ زیادتی نہ تھی۔

اصول شیعہ کے موافق جناب امیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بجز وصف رسالت کے جناب امیرؓ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی وصف زائد نہیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر استدلال کیا جاوے۔ اور اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دوسرے مدارج صفات جن پر فضل کلی کا دارمدار ہے مثلاً کثرت ثواب وقرب من اللہ تعالیٰ وغیرہ میں جناب امیر اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں تو کم بھی نہیں، ادھر آیت مباہلہ وانفسنا وانفسکم حسب ادعائے شیعہ خود مستلزم مساوات ہے اور وصف رسالت خود مستلزم افضلیت کو نہیں کیونکہ یہ امر بدیہی ہے کہ فضیلت نبوت ورسالت رسل وانبیا سابقین کے لئے بھی حاصل تھی لیکن باوجود اس کے جناب امیرؓ ان سے باعتبار دوسری صفات کے افضل ہیں تو معلوم ہوا کہ رسالت مستلزم افضلیت کو نہیں، بلکہ مرتبہ امامت مرتبہ رسالت اور خلعت اور کلیمیت وروحانیت سے افضل ہے اور اگر ہم اس سے بھی ترقی کریں اور اصول وروایات شیعہ پر جناب امیر کی فضیلت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مدعی ہوں تو بے جا نہ ہو کیونکہ علاوہ ان فضائل کے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں جن میں جناب امیر کو شرکت اور مساوات ہے بہت سے فضائل جناب امیر میں ایسے موجود ہیں جن سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم محروم ہیں، جو شجاعت اور سخاوت اور فصاحت وبراعت جناب امیر کو حاصل ہے وہ کسی فرد بشر کو حاصل نہیں ہوئی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جابجا کلام مجید میں عتاب ہوا اور جناب امیر کی نسبت بجز محامد کے اور کچھ وارد نہیں ہوا ور ظاہر ہے کہ غیر معاتب معاتب سے افضل ہے۔ ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگر حسب روایات شیعہ جناب امیر کی فضیلت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصاً ادعا کریں تو ممکن ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ — تو کہہ دے کیا نابینا اور بینا برابر

وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ (الرعد آیت ۱۶) ہیں یا تیرگی اور نور برابر ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتا ہے جس سے صاف واضح ہے کہ نور ظلمت سے افضل ہے اور شیعہ کی روایات سے ثابت ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہؐ ظلمت ہیں اور جناب امیرؓ نور ہیں۔

علامہ مجلسی بحار میں ابونصر بن قابوس سے اور وہ امام صادقؓ سے روایت کرتا ہے۔

قال السواد الذی فی القمر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — امام صادقؒ نے فرمایا کہ چاند میں کی سیاہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اور تفسیر صافی میں بذیل تفسیر آیت: فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ لکھا ہے۔

والعیاشی عن الباقر النور علی — امام باقرؒ سے مروی ہے کہ نور حضرت علیؓ ہیں۔

وفی الکافی عن الصادق النور فی هذا الموضع علی والائمہ — کافی میں امام صادقؒ سے مروی ہے کہ اس جگہ نور سے مراد حضرت علی اور ائمہ ہیں۔

علاوہ ازیں اور بہت سے ایسے فضائل ہیں جو جناب امیر کے ساتھ ہی مخصوص ہیں اور ذات بابرکات جناب سرور کائنات کی ان سے خالی ہے جن کی تفصیل میں مستقل جداگانہ رسالہ تالیف ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ بروایات شیعہ جناب امیر کافہ البشر سے بلا استثناء افضل ہیں، چنانچہ یہ مدعا حدیث متواتر المعنی سے جس کو شیخ فقیہہ ابو محمد جعفر بن احمد بن علی القمی نزیلرے نے اپنے رسالہ نوادر الاثر لعلی خیر البشر میں جو اس وقت میرے روبرو کھلا ہوا رکھا ہے روایت کیا ہے الفاظ روایت اس طرح ہیں۔

حدثنا ابو محمد هارون بن موسیٰ التلعکبری قال حدثنی احمد بن محمد بن سعید قال حدثنی محمد بن عبید عتبۃ الکندی قال حدثنی عبد الرحمن بن یزید عن ابیہ عن الاعمش عن عاصم بن عمر عن جابر بن عبد اللہ

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ علی خیر البشر من شك فیہ فقد کفر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی خیر البشر ہے جو اس میں شک کرے وہ کافر ہے۔

لیکن باوجود ان سب امور کے خلیفہ و نائب نبی ہی کہتے ہیں نبی و رسول نہیں کہتے۔ قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں بذیل ذکر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ لکھتے ہیں۔ زیرا کہ امام قائم مقام نبی ست در جمیع امور مگر در اسم نبوت و نزول وحی۔

تو جب ائمہ خلیفہ اور قائم مقام ہوئے علی الخصوص ایسے نبی کے قائم مقامی جو دین کو جمیع جہات سے مکمل فرما گیا اور کسی قسم کی کمی و کوتاہی باقی نہیں چھوڑی تو ایسے نبی کا نائب و خلیفہ محض ناقل و حاکی ہے و بس۔ تو وہ اصلی و حقیقی ماخذ دین ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ چونکہ قرن اول امت محمدیہ علیہ الصلوات والتسلیمات کے قلوب انوار و برکات آفتاب عالم تاب نبوت سے منور ہو گئے اور فیض صحبت سر حلقہ انبیاء سر تاج اصفیاء سے جو مس زنگ آلود رزائل کے لئے کبریت احمر اور اکسیر اور سموم معاصی کے لئے تریاق کبیر ہے مجلی و محلی ہوئے اور ان کے قلوب میں اشعہ انوار نبوت نے یہاں تک پر تو ڈالا کہ ان کو اس صحبت سے وہ کیفیات حاصل ہوئیں جو آہن کو آگ سے بلکہ سنگ پارس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور مدارج ابتلا میں محک امتحان پر کامل العیار نکل چکے تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو نجوم ہدایت فرما کر امت کو ان کی اقتداء کی طرف رغبت دلائی اور ان کو ماخذ قرار دیا لیکن نہ ماخذ اولی و اصلی بلکہ ثانوی و فرعی۔

اس کے بعد ظاہر ہے کہ دین خداوند جل شانہ جس کا ماخذ و مبلغ اصلی رسول ہے قرن ثانی سے آخر تک اس کا بلا واسطہ پہنچنا محال ہے تو اس لئے ضرور ہوا کہ ہر قرن لاحق اپنے قرن سابق سے دین اخذ کرے اس صورت میں ہر قرن سابق اپنے قرن لاحق کے حق میں ماخذ دین ہو گا بلکہ ہر ایک استاد اپنے شاگرد کے لئے ماخذ ہوا۔ غرضیکہ اولاً و بالذات ماخذ دین ذات بابرکات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ثانیاً و بالتبع اصحاب کرام ہیں جن میں اہل بیت بھی شامل ہیں اور ثالثاً و ہلم جرا ہر قرن سابق اپنے قرن لاحق کے لئے ماخذ دین ہے جن میں محدثین و اخباریین و مجتہدین و متکلمین و فقہیین و اصحاب رسالات و ارباب رقعات و روات آثار داخل ہیں پس اگر حضرت مجیب کی غرض لفظ ماخذ سے ماخذ اولی و اصلی ہے تو بالکل لغو اور غلط ہے کہ شیعہ اہل بیت کو ماخذ قرار دیتے ہیں اور اہل سنت صحابہ کو بلکہ فریقین حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ماخذ حقیقی و اصلی قرار دیتے ہیں۔ اور اگر ماخذ سے ماخذ بطریق عموم مراد ہے

تو اور بھی زیادہ غلط اور اپنی کتب سے چشم پوشی ہے بلکہ خود اسی قول کے مخالف ہے کیونکہ اس قول کے آخر عبارت سے ظاہر ہے کہ مدار ماخذیت کا عصمت پر ہے اور جس میں عصمت نہ پائی جاوے گی وہ ماخذ دین ہونے کی صلاحیت و قابلیت نہیں رکھے گا۔ لیکن یہ امر مثل بدیہی اولی کے واضح ہے کہ عصمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ماخذ اول ہیں صحیح و مسلم ہے و بس۔ اس لئے کہ بعد تکمیل دین کے کسی شخص کی عصمت کی ضرورت باقی نہیں رہی اور نہ کسی فرد کی عصمت پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی معتد بہ قائم ہے۔ اور اگر کسی کے لئے عصمت کی ضرورت ہے تو پھر ضرور ہے کہ تمام ماخذ دین نیچے کے رتبہ تک بھی معصوم ہوں اور سوائے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی معصوم نہیں ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ علماء شیعہ جو مسائل شرعیہ اہل بیت سے نقل کرتے ہیں اکثر ان مسائل میں اہل بیت ماخذ اصلی صلی اللہ علیہ وسلم سے محض ناقل و حاکی ہیں نہ خود ماخذ اصلی اور اگر بفرض محال اہلبیت کی عصمت تسلیم کر لیں تو ان سے نیچے کے درجہ والوں کی نسبت کلام ہے اور وہ بالاتفاق معصوم نہیں ہیں حالانکہ وہ ماخذ دین ہیں۔ پس یہ دعویٰ کہ شیعہ بلکہ ہر عاقل کے نزدیک سوائے معصوم کے اور کوئی ماخذ نہیں ہو سکتا غلط ہوا اور اس کی تغلیط خود معالم الاصول وغیرہ کتب اصول سے ہوتی ہے کیونکہ جو اجماعات بعد غیبوبت کبریٰ امام آخر الزمان کے منعقد ہوئے ہیں معلوم نہیں ان کو کون سے معصوم سے اخذ کیا ہے۔

شیعوں کے راوی ائمہ کی طرف سے ان پر حجت ہیں

غرض جب روات و مجتہدین وغیرہ بھی ماخذ دین ٹھہرے کہ جن کی عدم عصمت ہی مسلم نہیں بلکہ ان میں سے بعض کا فسق و کفر بھی تسلیم و ثابت کیا گیا ہے تو آپ فرمائیے گا کہ حضرت مجیب کا یہ قول کس قدر غلط اور خلاف واقع ہو گا۔ اول ہم روات کا ماخذ دین ہونا ثابت کرتے ہیں۔ بعد اس کے ان کے کفر و فسق سے بحث کریں گے۔ علامہ مجلسی نے بحار میں نقل کیا ہے۔

الکلینی عن اسحاق بن یعقوب قال سالت محمد بن عثمان العمری رحمہ اللہ ان یوصل لی کتابا سالت فیہ عن مسائل اشکلت علیّ فورد التوقیع بخط مولانا صاحب

کلینی محمد بن یعقوب سے روایت کرتا ہے اس نے کہا میں نے محمد بن عثمان عمری سے سوال کیا کہ امام آخر الزمان کی خدمت میں میرا نیاز نامہ جس میں میں نے کچھ مسائل مشکلہ پوچھے تھے پہنچا دے چنانچہ

الزمان علیہ السلام واما الحوادث الواقعۃ فارجعوا فیہا الی رواۃ حدیثنا فانہم حجتی علیکم وانا حجۃ اللہ۔ الخبر

کے جواب میں) مولانا صاحب آخر الزمان کا دستخطی فرمان نازل ہوا (اس میں لکھا تھا) کہ حوادث واقعہ میں ہماری حدیث کی رواۃ کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں خدا کی حجت ہوں۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ رواۃ حدیث شیعہ کی اوپر ائمہ کی طرف سے حجت ہیں اور ایام غیبوبت امام میں وہی ماخذ دین ہیں۔

شیعہ کے ہاں مخالف مذہب والوں کی روایت بھی مقبول ہے

اب دوسرے دعویٰ کا جو کفر و فسق رواۃ ہے ثبوت لیجئے۔ اگرچہ حضرات شیعہ کی سہام لعن سے انبیا تک نہ بچے تو بیچارے رواۃ کس شمار میں ہیں۔ لیکن چونکہ یہ موقع بیان محامد و مناقب رواۃ کا ہے اس لئے یہاں صرف رواۃ کے بیان احوال پر اکتفا کیا جاتا ہے انبیاء کے محامد عنقریب بذیل ذکر اصحاب بزبان حضرات شیعہ بیان ہوں گے۔ اولاً میں اس دعویٰ کے اثبات کے لئے معالم الاصول کی عبارت صفحہ ۱۱۵ سے نقل کرتا ہوں جو خبر واحد کے معمول بہ ہونے کی شرائط میں لکھی ہے۔

الثالث الایمان واشتراطہ ہو المشہور بین الاصحاب وحجتہم قولہ تعالیٰ اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ وحکی المحقق عن الشیخ انہ اجاز العمل بخبر الفطحیۃ ومن ضارعہم بشرط ان لا یکون متہما بالکذب محتجا بان الطائفۃ عملت بخبر عبد اللہ بن بکیر والسماعۃ وعلی بن ابی حمزۃ وعثمان بن عیسی وبما رواہ بنو فضال والطاطریون واجاب المحقق بانا لا نعلم الی الآن ان الطائفۃ عملت باخبار ہؤلاء۔ والعلامۃ مع تصریحہ

تیسری شرط ایمان ہے اور ایمان کا شرط ہونا اصحاب میں مشہور ہے بدلیل قولہ تعالیٰ ان جاءکم فاسق الخ اور محقق نے شیخ سے نقل کیا ہے کہ شیخ نے فطحیہ اور ان جیسے (بدمذہبوں) کی اخبر پر بشرطیکہ جھوٹ کے ساتھ متہم نہ ہوں عمل کرنا اس دلیل سے جائز رکھا ہے کہ طائفہ امامیہ نے عبد اللہ بن بکیر اور سماعہ اور علی بن ابی حمزہ اور عثمان بن عیسی کی خبروں پر اور ان خبروں پر جن کو بنو فضال اور طاطریون نے روایت کیا ہے عمل جائز رکھا ہے محقق نے اس کا جواب دیا کہ اب تک ہم نہیں جانتے کہ طائفہ نے ان لوگوں کی خبروں پر عمل کیا ہو اور

بالاشتراط فی التہذیب اکثر فی الخلاصۃ من ترجیح قبول روایات فاسدی المذہب۔

علامہ طوسی نے باوجودیکہ ایمان کے شرط ہونے کی تہذیب میں تصریح کی ہے تاہم خلاصہ میں بدمذہبوں کی روایات قبول کرنے کو بہت ترجیح دی ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ حضرات شیعہ کی رواۃ کفار و بدمذہب بھی ہیں۔ سبحان اللہ کیا اہلبیت کے ساتھ تمسک اور ولاء ہے کہ کفار اور بدمذہبوں کی روایات قبول کریں اور ان کو ترجیح دیں۔ بے شک کفار سے دین اخذ کر کے سفینہ نجات میں حضرات شیعہ ہی سوار ہوئے ہیں۔ حضرت من۔ عم۔

کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

سید دلدار علی نے اساس الاصول میں نقلاً لکھا ہے۔

واما الفرق الذین اشارو الیہم من الواقفیۃ والفطحیۃ وغیر ذلک فعن ذلک جوابان احدہما ان ما یرویہ ہؤلاء یجوز العمل بہ اذا کانوا ثقات فی النقل وان کانوا مخطئین فی الاعتقاد اذ علم من اعتقادہم تمسکہم بالدین وتحرجہم من الکذب ووضع الاحادیث وہذہ کانت طریقۃ جماعۃ عاصروا الائمۃ نحو عبد اللہ بن بکیر وسماعۃ بن مہران ونحو بنی فضال من المتاخرین عنہم وبنی سماعۃ ومن شاکلہم فاذا علمنا ان ہؤلاء الذین اشرنا الیہم وان کانوا مخطئین فی الاعتقاد من القول بالوقف وغیر ذلک کانوا ثقات فی النقل فما یکون طریقہ ہؤلاء جاز العمل بہ

لیکن فرق (باطلہ) واقفیہ اور فطحیہ سے جن کی طرف اشارہ کیا اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ ان کی روایات پر عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ نقل میں معتبر ثقہ ہوں اگرچہ اعتقاد کی رو سے خطا پر ہوں لیکن ان کے اعتقاد کی رو سے دین پر چلنا اور جھوٹ سے اور احادیث کی گھڑت سے پرہیز کرنا معلوم ہوتا ہو اور ان لوگوں میں سے جو ائمہ کے ہم عصر تھے ایک جماعت کا یہی طریقہ تھا چنانچہ عبد اللہ بن بکیر اور سماعۃ بن مہران اور بنی فضال میں سے متاخرین اور بنی سماعہ اور جو ان کے مشابہ ہیں اور جب ہم نے جان لیا کہ یہ لوگ جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اگرچہ اعتقاد میں بسبب وقف وغیرہ کے قائل ہونے کے خطا پر تھے لیکن نقل میں ثقہ تھے تو جو ان کا سلسلہ ہو گا اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

اب کسی قدر تفصیل اس اجمال کی سنیئے اور اپنے حضرت محقق کی تحقیق کی داد دیجیے اور دیکھئے کہ جو خاص تلامیذ ائمہ ہیں اور تشیع کے ماخذین ہیں ان کے کیسے کیسے عجیب و غریب حالات ہیں۔ آپ کے ثقۃ الاسلام کلینی روایت کرتے ہیں۔

عن ابن الجراز وابن الحسين ان ميثمي يقول انه تعالىٰ اجوف الى السرة والباقي صمد كما يقوله الجواليقي وصاحب الطاق۔

میثمی کہتا ہے کہ (معاذ اللہ) خدا تعالےٰ ناف تک کھوکھلا ہے اور باقی ٹھوس ہے جیسا جوالیقی اور صاحب الطاق کہتے ہیں۔

اور نیز کلینی نے روایت کی ہے۔

عن الحسن بن عبد الرحمٰن الحمانی قال قلت لابی الحسن الكاظم ان هشام بن الحكم يزعم ان الله تعالىٰ جسم قال قاتله الله۔

حسن بن عبدالرحمٰن حمانی کہتا ہے کہ میں نے امام کاظم کی خدمت میں عرض کیا ہشام بن حکم کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ (معاذ اللہ) جسم ہے فرمایا خدا اس کو ہلاک کرے۔

اور نیز کلینی کی کتاب التوحید کو دیکھ لیجئے۔

عن محمد بن الفرخ الرخجي قال كتبت الى ابي الحسن اسئله عما قال هشام بن الحكم في الجسم وهشام بن سالم في الصورة فكتب دع عنك حيرة الحيران واستعذ بالله من الشيطان ليس القول ما قال الهشامان۔

محمد بن الفرخ الرخجی کہتا ہے کہ میں نے امام کی خدمت میں سوال لکھ کر بھیجا کہ ہشام بن الحکم خدا کا جسم بتلاتا اور ہشام بن سالم خدا کے لئے صورت ثابت کرتا ہے حضرت نے اس کے جواب میں لکھا کہ حیران کی حیرت ترک کر اور شیطان کے فریب سے خدا سے پناہ مانگ ہشامین کا قول معتبر نہیں۔

رجال کشی میں زرارہ کا حال ملاحظہ فرمائیے۔

حدثنا محمد بن احمد عن محمد بن عيسى عن علي بن الحكم عن بعض رجاله عن ابي عبد الله عليه السلام قال دخلت عليه فقال متى عهدك بزرارة قال قلت ما رأيته منذ ايام قال لا تبال

ابو عبداللہ سے مروی ہے راوی کہتا ہے میں حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا فرمایا زرارہ سے کب ملا تھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو کئی روز سے نہیں دیکھا فرمایا کچھ پرواہ نہ کر اور اگر وہ مریض ہو جائے تو اس کو مت پوچھ

وان مرض فلا تعده وان مات فلا تشهد جنازته قال قلت زرارة متعجبا مما قال قال نعم زرارة شر من اليهود والنصارى ومن قال ان مع الله ثالث۔

اور اگر وہ مرجائے تو اس کے جنازہ میں مت جا میں نے تعجب سے پوچھا کیا زرارہ کی نسبت ایسا فرماتے ہیں، فرمایا ہاں یہود و نصاریٰ اور قائلین تثلیث سے بھی بدتر۔

اور یہ زرارہ وہ ہے جو حضرت امام پر لعنت کیا کرتا تھا مختار ابو عمرو کشی میں اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حدثنا محمد بن مسعود قال حدثنا جبرئيل بن احمد الفارابي قال حدثنا العبيدي محمد بن عيسى عن يونس عن عبد الرحمن بن مسكان قال سمعت زرارة يقول رحم الله ابا جعفر واما جعفر فان في قلبي عليه لعنة قال قلت وما حمل زرارة على هذا قال ان اباعبدالله اخرج مخازيه۔

عبدالرحمٰن بن مسکان کہتا ہے میں نے زرارہ سے سنا کہتا تھا خدا ابو جعفر پر رحمت کرے لیکن جعفر پر میرے دل میں لعنت ہے میں نے کہا زرارہ کو کس چیز نے اس پر برانگیختہ کیا کہا کہ امام ابو عبداللہ جعفر صادق نے اس کی برائیاں اور خرابیاں ظاہر کیں۔

ابو الجارود ملقب بہ لقب اعمٰی سرحوب ہے جو بعض دریائی شیاطین کا نام ہے فاضل استرابادی نے نقل کی ہے۔

قال ابو عبد الله عليه السلام كثير النوى وسالم بن ابي حفصة وابو الجارود كذابون مكذبون كفار عليهم لعنة الله۔

امام ابو عبداللہ فرماتے ہیں کثیر النوی اور سالم بن ابی حفصہ اور ابو الجارود جھوٹے جھٹلائے ہوئے یا جھٹلانے والے کافر ہیں ان پر خدا کی پھٹکار ہو۔

ابو عمرو کشی کی کتاب کو ملاحظہ فرمائیے اس میں لکھا ہے۔

حدثني محمد بن عيسى عن يونس عن حماد قال جلس ابو بصير على باب ابي عبد الله عليه السلام ليطلب الاذن

حماد کہتا ہے کہ ابو بصیر امام ابو عبداللہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا کہ حضور خدمت کی پروانگی ملے۔

فلم یوذن فقال لو کان معنا طبق لاذن فجاء کلب فشغرفی وجه ابی بصیر قال اف اف ماهذا قال جلیسه هذا کلب شغرفی وجهک کلها عن الارغام

اس کو پروانگی نہ ہوئی کہنے لگا اگر ہمارے ساتھ طباق ہوتا تو پھر پروانگی ہوجاتی پس ایک کتا آیا اور ابوبصیر کے منہ پر مُوت گیا ابوبصیر کہنے لگا ہوں ہوں یہ کیا ہے اسکے ہم نشین نے کہا کہ کتے نے تیرے منہ میں موت دیا ہے

تعجب یہ ہے کہ یہ ہی حضرات نجباء اللہ اور امناء اللہ تھے اور یہ ہی بزرگواران ائمہ کے خواص مخلصین تھے. علامہ مجلسی نے روضۃ المتقین میں ائمہ سے نقل کیا ہے.

بشر المحبین بالجنۃ یزید بن معویۃ العجلی وابوبصیر لیث بن البختری ومحمد بن مسلم وزرارۃ اربعۃ نجباء اللہ وامناء اللہ علی حلالہ وحرامہ لولا هؤلاء لانقطعت آثار النبوۃ.

دوستوں کو جو یزید بن معویہ اور ابوبصیر لیث بن البختری اور محمد بن مسلم اور زرارہ ہیں جنت کا مژدہ سنا دے چاروں اللہ کے برگزیدہ اور خدا کے امانت دار اس کے حلال اور حرام پر اگر یہ نہ ہوتے تو نبوت کے آثار منقطع ہوجاتے ۔

اساس الاصول میں لکھا ہے ۔

وقد ذکرهم الشیخ الثقۃ الجلیل الصدوق ابوعمر الکشی فی کتابہ فقال اجتمعت العصابۃ علی تصدیق هؤلاء الاولین من اصحاب ابی جعفر واصحاب ابی عبداللہ والقادوالهم بالفقہ فقالوا افقہ الاولین ستۃ زرارۃ ومعروف بن حربوذ وبرید وابوبصیر الاسدی الی ان قال - وقال بعضهم مکان ابی بصیر الاسدی ابوبصیر المرادی عن محمد بن عبداللہ المسمعی عن علی بن اسباط عن محمد سنان عن داود بن سرحان قال سمعت اباعبداللہ یقول انی لاحدث الرجل بحدیث وانهاه

شیخ ثقہ اور بزرگ اور راست گو ابوعمر کشی نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ اصحاب ابوجعفر اور اصحاب ابوعبداللہ میں سے ان پہلوں کی تصدیق پر جماعت متفق ہوئی اور ان کے فقیہ ہونے کو تسلیم کرلیا اور کہا کہ چھ شخص پہلوں میں سب سے زیادہ فقیہ ہیں ۔ زرارہ اور معروف بن جربوذ اور بریدہ اسدی اور بعضوں نے بجائے ابوبصیر اسدی کے ابوبصیر مرادی کہا ہے ۔

داود بن سرحان سے مروی ہے کہ امام ابوعبداللہ فرماتے تھے کہ فلاں شخص کو میں حدیث سناتا ہوں اور قیاس سے اس کو روک دیتا ہوں پھر میرے پاس سے نکلتا ہے اور میری حدیث

عن القیاس فیخرج من عندی فیتاول حدیثی علی غیر تاویلہ انی امرت قوماً ان یتکلموا ونهیت قوما فکل یتاول لنفسہ یرید المعصیۃ للہ ولرسولہ فلو سمعوا واطاعوا لاودعتهم ما اودع ابی اصحابہ ان اصحاب ابی کانوا زیناً احیاء وامواتاً اعنی زرارۃ ومحمد بن مسلم ومنهم لیث المرادی وبرید العجلی هؤلاء قوامون بالقسط هؤلاء قوالون بالصدق وهؤلاء السابقون السابقون اولئک المقربون

میں تاویل کرتا ہے جو اس کی تاویل نہیں ہے میں نے ایک گروہ کو کلام و گفتگو کی اجازت دی اور ایک گروہ کو اس سے روک دیا پھر ہر ایک فریق نے اپنی خواہش نفس کے موافق تاویل کرلی اور خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کا ارادہ کیا اگر یہ لوگ (میری بات) سن کر اطاعت کرتے تو جو کچھ میرے باپ نے اپنے یاروں کو سونپا ہے میں بھی ان کو سونپتا میرے باپ کے یار زندہ اور مرنے کے بعد بہت اچھے تھے یعنی زرارہ اور محمد بن مسلم اور لیث مرادی اور بریدہ عجلی یہ لوگ انصاف برپا رکھنے والے نہایت سچ بولنے والے.

علاوہ ازیں طرفہ تماشا یہ ہے کہ ابتداء ایام غیبت امام میں سلسلہ سفارت وخط وکتابت جاری رہا ہے جو حضرات امامیہ کا ماخذ دین ہے ادھر سے شیعیان پاک نے عریضہ لکھ کر امام کی خدمت میں بھیج دیا اُدھر سے کسی سفیر کے وسیلہ سے جواب آگیا اور سب سے زیادہ عجیب وغریب یہ ہے کہ حضرات طریقہ رقعات کو بہ نسبت سلسلہ سند روایت کے زیادہ قابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ اساس الاصول میں نقل کیا ہے ۔

الخامس منها ان الشیخ الصدوق قال فی القصۃ بعد نقل توقیع هذا التوقیع عندی بخط ابی محمد الحسن بن علی وفی کتاب محمد بن یعقوب الکلینی روایۃ خلاف ذلک التوقیع عن الصادق ثم قال لست افتی بهذ الحدیث مشیرا الی ما رواه محمد بن یعقوب الکلینی عن الصادق بل افتی بما عندی بخط الحسن بن علیؑ ۔

پانچویں یہ کہ شیخ صدوق نے قصہ میں بعد نقل ایک فرمان کے کہا کہ یہ فرمان میرے پاس امام ابو محمدؑ کا دستخطی موجود ہے اور کلینی نے امام صادق سے اس فرمان کے خلاف روایت کی ہے پھر کہتا ہے کہ میں کلینی کی اس حدیث پر فتوی نہیں دیتا بلکہ امام کا دستخطی فرمان جو میرے پاس موجود ہے اس پر فتوی دیتا ہوں ۔

تو اس صورت میں ماخذ اصلی اپنے دین کا اہل بیت کو قرار دینا سراسر غفلت اور مسامحت ہے ہاں شاید کوئی شخص ان حضرات کی توبہ و انابت کے درپے ہو اس لئے اس کے متعلق مختصر اگذارش ہے کہ اس کا فیصلہ پہلے ہی آپ کے قاضی نور اللہ شوستری صاحب مجالس المومنین میں اور علامہ مجلسی بحار میں علل شیخ المشائخ سے فرما چکے ہیں، قاضی صاحب بنو حنفیہ کے ذکر میں لکھتے ہیں۔ مخفی نماند کہ وجوب حسن ظن بخدائے تعالیٰ و انبیاءؑ و اوصیاء معصومین معقول و مسموع است اماں بغیر ایشاں کہ جائز الخطا باشند ممنوع است۔ علامہ مجلسی روایت کرتے ہیں۔

عن ابن عامر عن معلی بن محمد عن محمد بن جمهور القمی باسناده رفعه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ابی الله لصاحب بدعة بالتوبة قیل یا رسول الله وکیف ذلك قال اشرب قلبه حبها۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بدعتی کی توبہ سے انکار فرمایا کسی نے عرض کیا یارسول اللہؐ اس کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ اس کے دل میں اس کی محبت رچ گئی ہے۔

اور ان روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ حالات ان حضرات کے وقت مصاحبت ائمہ کے تھے اور ان کی آمد و رفت محض بغرض طمع نفسانی و ہوا پرستی و تخریب دین مبین تھی تو ایسے شخصوں کے لئے توبہ و انابت کا قائل ہونا اور ان کی نسبت حسن ظن کرنا کیا ضرور ہے تو پھر ایسے لوگوں کو ماخذ دین قرار دینا اور پھر اہل بیت کی طرف دین کو منسوب کرنا حضرات شیعہ کی ہی جرأت ہے اور زیادہ تتبع سے تو یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ بشہادت امام معصوم خوارج و نواصب کی روایات کا بھی رد کرنا جائز نہیں۔ مولانا مولوی حیدر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بحار الانوار باقر مجلسی سے نقل فرماتے ہیں۔ امام صادقؑ نے فرمایا۔

لا تکذبوا بحدیث اتاکم به مرجی ولا قدری ولا خارجی نسبه الینا فانکم لا تدرون لعله شئ من الحق فتکذبوا علی الله عزوجل فوق عرشه۔

کوئی مرجی یا قدری یا خارجی تمہارے پاس کوئی حدیث لاوے اور ہماری طرف نسبت کرے تو تم اس کو مت جھٹلاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے شاید وہ حق سے ہو اور تم خدا کی تکذیب کرو اس کے عرش پر۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ نواصب شام و خوارج نہروان جو ائمہ سے روایت کریں ان کا بھی رد کرنا جائز نہیں ہے تو جب رواۃ ہی ماخذ دین ہوئے تو اس صورت میں صرف اہل بیت کو ماخذ دین کہنا اور یہ کہنا کہ ہر عاقل کے نزدیک بجز معصوم کے دوسرا کوئی شخص ماخذ دین نہیں ہو سکتا سراسر واہیات اور خرافات ہے۔

پھر اب ہم کو اپنے فاضل مجیب کی دیانت و انصاف پر کمال افسوس ہے کہ اس قول میں اپنا ماخذ دین تو صرف عترت طاہرہ کو بتلایا اور فرمایا کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امامیہ کل اصول و فروع اہل بیت طاہرین سے بموجب حدیث سفینہ و حدیث ثقلین لیتے ہیں۔ اور اہل سنت کا ماخذ دین صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کو فرمایا اور فرمایا کہ اہل سنت صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کو ماخذ اپنے دین و ایمان کا ٹھہراتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے ناصبین عداوت اور قاتلین ذریت اور مارقین اور ماسطین و ناکثین سے ہوں۔ کیوں حضرت کیا اسی کا نام انصاف ہے کیا اسی کو دیانت کہتے ہیں۔ اگرچہ ماخذ سے عام ماخذ مراد ہے تو پھر اپنے لئے عترت طاہرہ پر ہی کیوں اکتفا فرمایا اور اگر ماخذ سے خاص ماخذ مراد ہے تو پھر اہل سنت کے لئے تابعین اور تبع تابعین کو کیوں زیادہ فرمایا وہ بھی تو صحابہؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے مگر شاید ماخذ سے عام ماخذ مراد ہو اور تمام شیعہ داخل عترت ہوں لیکن اس صورت میں وہ عصمت جو آپ نے ماخذ ہونے کے لئے مشروط ٹھہرائی تھی وہ مفقود ہے بہرکیف یہ انصاف ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔

تطبیق درمیان حدیث سفینہ و ثقلین در حدیث نجوم

باقی رہا یہ جو ہمارے فاضل مجیب نے حدیث سفینہ اور حدیث ثقلین کا ذکر فرمایا ہے اس کے متعلق مختصر اگذارش ہے کہ حسب اعتراف آپ کے مذہبی بھائی مولوی نور الدین کے حدیث نجوم معارض حدیث ثقلین ہے اور جب حدیث ثقلین کے معارض ہوئی تو حدیث سفینہ کے بھی معارض ہوگی کہ اتحاد معانی المدعا اور یہ بھی مولوی نور الدین کے کلام سے ظاہر ہے کہ معارضہ حدیث ثقلین و حدیث نجوم میں درباب ایک جزو کے ہے جو عترت ہے اور جزو ثانی یعنی کتاب اللہ کی بابت کچھ تعارض نہیں ہے۔ اور جب ہم تعارض کی وجوہ میں غور کرتے ہیں تو ان میں کچھ معارضہ معلوم نہیں ہوتا کیونکہ جب الفاظ احادیث کو دیکھا جاتا ہے تو حدیث ثقلین میں لفظ تمسک وارد ہے اور حدیث نجوم میں لفظ اقتدا ہے اور کتب لغات سے واضح ہے،

تمسک کے معنی حقیقی اتباع اور پیروی کے نہیں اور نہ رکوب سفینہ جو حدیث سفینہ میں واقع ہے اس کے معنی حقیقی اقتداء کے ہیں اور ظاہر ہے کہ لفظ اقتداء کے حقیقی معنی پیروی کے ہیں منتہی الارب میں لکھا ہے امساک چنگ در زدن لیقال امسک بالشی اذا تمسک بہ. پھر لکھتا ہے. تمسک چنگ درزدن و باز ایستادن از چیزے. اور لکھتا ہے اقتدا ز پے بردن بکسی. جب یہ امر ثابت ہو چکا کہ تمسک کے معنی اتباع کے نہیں بلکہ پکڑنے اور چنگل مارنے کے ہیں. اور اقتداء کے معنی اتباع کے ہیں. تو اب ہم نے قرائن میں تامل کیا تو قرائن سے بھی معلوم ہوا کہ حدیث ثقلین میں لفظ تمسک کے معنی اتباع کے بحق عترت نہیں ہو سکتے بلکہ معنی ولاء و محبت کے ہیں چنانچہ حسب تحقیق علماء شیعہ الا المودۃ فی القربٰی کا مدلول ہے. کیونکہ اولاً تمسک کے معنی اتباع معنی مجازی ہیں اور ظاہر ہے کہ صیرورت الی المجاز بلا قرینہ صارفہ جائز نہیں. اگرچہ معنی محبت کے بھی اس اعتبار سے مجاز ہیں لیکن چونکہ اس کا کوئی معارض نہیں اور قرینہ صحت عموم مؤید ہے اس لئے وہ صحیح ہوئی.

ثانیاً حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ میں لفظ عترت اور اہلبیت واقع ہوا ہے. اور عترت کے معنی حضرات شیعہ کچھ ہی کیوں نہ اختیار کریں باعتبار اتباع کے صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ ماخذ دین ہونے کے لئے عصمت شرط ہے. اور عترت علی الاطلاق غیر معصوم ہے تو حسب مذاق شیعہ امامیہ عموماً اور حضرت مجیب خصوصاً محال ہے. کہ خداوند تعالیٰ غیر معصوم کے اتباع کی طرف دعوت فرمائے. اور اگر عترت و اہلبیت سے مراد صرف جناب امیر و حسنین و فاطمہ رضی اللہ عنہم ہیں تو باقی ائمہ تسعہ خارج ہو گئے اور اگر مراد صرف دوازدہ امام ہوں تو قطع نظر اس سے کہ اس تحقیق پر کوئی قرینہ قائم نہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خارج ہو جائیں گی. غرض کہ اگر زید شہید و اسمٰعیل و حسن مثنیٰ وغیرہ اولاد ائمہ عترت میں داخل ہیں تو ان احادیث سے اتباع ثابت کرنا خلاف عقل اور خلاف مذہب ہے اور اگر یہ عترت سے خارج ہیں تو پھر ائمہ کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے.

ثالثاً یہ امر بدیہی ہے کہ جزئیت یا قرابت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباع میں کچھ دخل نہیں ہے بلکہ صریح دار مدار اتباع اس پر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت اور علوم سے استفادہ حاصل کیا ہو. کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اس وقت تک جس قدر عترت گذرتی چلی آتی ہے صدہا ان میں سے ایسے ہیں جن کو حضرات

شیعہ کافر و فاسق سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ تمسک کی علت اس جگہ جزئیت اور عترت ہونا واقع ہے اور جب علت ہی مقتضی وجوب اتباع بلکہ جواز اتباع کو نہ ہوئے تو پھر تمسک کو اتباع پر محمول کرنا بعید از عقل ہے.

رابعاً ثقلین کتاب اللہ اور عترت ہیں اور ان کی نسبت احدہما اعظم من الآخر ارشاد ہے اور حضرت مجیب بھی فرماتے ہیں کہ عترت کا حکم خدا کے حکم سے جدا نہیں تو جس نے کتاب اللہ کا اتباع کیا اس کو عترت کا اتباع حاصل ہو گیا تو اس صورت میں تمسک کے معنی اتباع لینا عترت کے لئے محض تاکید ہے اور ظاہر ہے کہ مناط عدم ضلالت جیسا اتباع ہے ویسا ہی محبت اور ولا ہے تو تمسک کو محبت اور ولا پر حمل کرنا تاسیس ہو گا اور تاسیس پر حمل کرنا باعتبار تاکید کے انسب و اولیٰ ہے.

خامساً عترت میں سے واجب الاتباع صرف امام زمان ہوتا ہے اور باقی سب تابع ہوتے ہیں اگر تمسک سے مراد یہاں اتباع ہوتا تو صرف امام کے تمسک و اتباع کو ذکر کیا جاتا نہ تمام عترت کو تمام عترت کی اتباع کی طرف دعوت کرنا گویا سب کو امام بنانا ہے. تو اس وجہ سے تمسک کے معنی اس جگہ اتباع جائز نہیں. ہاں ولا و محبت باعتبار قرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کے لئے حاصل ہے تو اس سے صاف سمجھ سکتے ہیں کہ اس جگہ تمسک بمعنی ولا و محبت ہے. سادساً اگر تمسک اور رکوب سفینہ بمعنی اتباع ہو تو پھر فرق شیعہ زیدیہ و اسماعیلیہ و افطحیہ و ناووسیہ و کیسانیہ وغیرہ جو بزعم خود متمسک بہ ثقلین ہیں اور اثنا عشریہ کے اصول کے موافق کافر ہیں وہ بھی ناجی اور اہل حق ہوں وہو خلاف اصول الشیعہ.

باقی رہا کتاب کی نسبت سو اس کی نسبت لفظ تمسک کے معنی بجز اتباع ممکن نہیں وہاں معنی اتباع ہی ماخوذ ہوں گے لیکن حدیث نجوم میں کہ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم صریح اقتداء بالاصحاب مذکور ہے اور ہر ایک کی اقتداء کو اہتداء فرمایا. اس کے معنی میں راہ تاویل بھی مسدود ہے. تو کسی طرح کا تعارض حدیث نجوم میں اور حدیث سفینہ و ثقلین میں نہیں ہے کیونکہ حدیث نجوم عموماً اصحاب کی اقتداء پر دلالت کرتی ہے اور حدیث سفینہ و ثقلین عموماً عترت کے وجوب محبت اور ولا پر دلالت کرتی ہے مولوی نور الدین حسین صاحب کی خوش فہمی تھی کہ دونوں حدیثوں میں تعارض سمجھ کر غلطاں و پیچاں ہوئے. اور ائمہؒ میں سے جو زمرہ اصحاب میں معدود

ہیں ان کی اتباع پر حدیث نجوم دلالت کرتی ہے اور باقی ائمہؒ کا اتباع دوسرے دلائل سے ثابت ہے، تو اس حدیث سے کل اصحاب کرام کا بفضلہ تعالیٰ عدل اور ناجی ہونا ہی نہیں ثابت ہوا، بلکہ ان کا مقتدا اور ہادی ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ پس اس تمام گذارش سے ثابت ہوا کہ حضرات شیعہ کے ماخذ دین و ایمان لاعنین ذریت طاہرین اور ملعونین اور منکرین امامت اور کافرین اور مارقین ہیں نہ اہل بیت طاہرین۔ اور اہل سنت کے ماخذ دین و ایمان اصحاب کرام نور الہدیٰ علیٰ لسان سید الوریٰ اور عترت طاہرین ہیں، والحمد للہ علیٰ ذلک۔

قولہ: معہذا اگر مبنی اختلاف کثیر کا یہ ہی مسئلہ ہوتا تو صاحب تحفہ جنھوں نے ایک کتاب ضخیم اس باب میں لکھی، اور اگرچہ اس کے لکھنے میں ان کو چنداں دقت نہیں ہوئی صرف صواقع کا ترجمہ ہی کرنا پڑا ہے کوئی باب خاص اس مسئلہ میں لکھتے حالانکہ کوئی باب تفضیل صحابہ میں نہیں لکھا۔

اقول: اگر ہمارے مجیب لبیب کو اس باب میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سند منظور ہے تو لیجئے منتہی الکلام میں خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال نقل کیا ہے جو در باب صحت مذہب شیعہ یا اہل سنت حضرت شاہ صاحب سے کیا گیا ہے اور جو کچھ اس کا جواب شاہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے وہ بھی نقل ہے اس میں سے ملتقطاً عرض کرتا ہوں، اس سے آپ دیکھ لیجئے کہ شاہ صاحب کے نزدیک مبنی اختلاف مذہبین کا کیا ہے۔

ای برادر اول بنائی ہر مذہبی دریافت کن و کتاب ہای ہر فریق را یکسو گذار و در طاق بنہ و چون بر بنائی ہر یکی واقف شوی آن بنا را بر آیات قرآنی مطابق کن و بنای ہر کدام مذہب کہ محکم و راسخ بینی آنرا مذہب حق دانستہ کتابہائے آنہا میخوان و بعمل آر و بنای ہر مذہبی کہ باطل یابی کتابہائی آنرا وساوس شیطانی دانستہ در آب انداز و گرد آن مگرد و آنہارا پارہ پارہ کن و یقین دان کہ آن مذہب اہلبیتؓ نیست بلکہ مذہب شیطان است پس بدانکہ بنای مذہب اہلسنت بر ایمان و تقوی و صلاح و راستی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و غیر ایشان از مہاجرین و انصار و دیگر اصحاب سید المرسلین است صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہزار ہا کس بودند و ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در راہ خدا جہاد و فی کردند و تا مدت حیات شریف ہمیشہ در نصرت و حمایت او بودند و بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در خلافت خود عدل و

انصاف و راستی گزیدند و خدمت اہلبیت و محبت آنہا بجا آوردند و امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ ہمیشہ با آنہا نشست و برخاست نمودہ و ہمراہ آنہا با کفار جہاد کردہ و در پس آنہا نماز خواندہ و ہمیشہ با آنہا صحبت داشتہ و بعد وفات آنہا در حق آنہا دعائی خیر نمودہ و بسیار مدح و مناقب آنہا بیان نمودہ و بنای مذہب شیعہ بر کفر و نفاق خلفاء ثلثہ و غیر ہم ہزاران صحابہ سید ابرار است کہ اینہا میگویند کہ ہمہ آنہا ایمان بہ نفاق آوردہ بودند و ہجرت ہم برای ریاست و طمع دنیا کردہ بودند و ہمہ جہاد و عبادت آنہا برای ریا بود نہ برای خدا و بعد وفات آنحضرت صلعم بہ اہلبیت او ایذا رسانیدند و مرتضی علی را یاری نکردند و حق او را بزور گرفتند و متابعت و نماز علیؓ ہمراہ آنہا بنا بر خوف و تقیہ بود حتی کہ علیؓ دختر طاہر خود را در نکاح عمرؓ برای تقیہ داد و نام پسران خود ابوبکرؓ و عثمانؓ و عمرؓ برای تقیہ نہاد۔ الی آخر ما قال بلفظہ الشریف۔

اور تحفہ میں باب فضائل صحابہؓ کی نسبت انکار بایں معنی درست سہی کہ اس عنوان سے کوئی باب منعقد نہیں کیا، لیکن اس کو عدم اثبات فضائل صحابہ پر دلیل لانا انصاف سے بمراحل بعید ہے کیونکہ باب امامت کا دار مدار بالکل فضیلت صحابہ پر ہے، باب مطاعن سے اگر اثبات فضائل صحابہ مراد نہیں تو اور کیا ہے باب تولا و تبرا کا مبنی بجز فضائل صحابہ کے اور کچھ نہیں، معہذا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بطور تکملہ تحفہ کے ایک باب تفضیل جداگانہ تالیف فرمایا اور وہ کسی وجہ سے تحفہ کے ساتھ لاحق نہیں ہوا، میں نے خود اس کا مطالعہ کیا ہے اور اب بھی بعض احباب کے پاس موجود ہے، باقی رہا یہ ارشاد کہ صرف صواقع کا ترجمہ ہی کرنا پڑا ہے حضرت مجیب کے کمال انصاف اور نہایت واقفیت کی دلیل ہے، میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ صواقع کو دیکھتے تو ہرگز یہ کلمہ منہ سے نہ نکالتے۔ آپ بے تحقیق جھوٹی خبریں سنی سنائی بمقابلہ خصم لکھ کر ناحق خفیف ہوتے ہیں، اسے حضرت تحفہ اور صواقع دونوں بندہ کے پاس موجود ہیں، اگر آپ کا دل چاہے تو اپنے اس قول کے صدق و کذب کو دیکھ لیجئے، ہم نے مانا کہ صواقع سے بھی اس میں لیا ہے لیکن یہ کہنا کہ صرف صواقع کا ترجمہ ہی کرنا پڑا ہے بالکل غلط ہے اور اگر بالفرض صواقع کا ہی ترجمہ ہو تو اس میں کیا عیب ہے اور کون ساطعن ہے اول انھوں نے تحفہ اپنے نام کی طرف منسوب نہیں فرمایا ہے، ثانیاً جو کچھ لیا ہے اپنے مذہب

سے ہی اخذ کیا ہے کسی یہودی یا نصرانی یا شیعہ یا خارجی سے تو نہیں لیا جو شاید محل طعن ہوتا،

قولہ: خلفاء ثلٰثہ کی افضلیت کا جو آپ اعتقاد کرتے ہیں تحفہ کے باب ہفتم میں اسی بحث میں وہ فرماتے ہیں۔ ودر افضلیت ہم گنجائش بحث بسیار ست وہ تو اس باب میں مشکک اور متردد ہیں اور اکابر اہل سنت سے ہیں،

اقول: افسوس کہ اس عبارت کے سمجھنے میں بھی آپ نے خطا کی، مشکک اور متردد ہونے پر کون سا لفظ دلالت کرتا ہے کیا بحث کی گنجائش ہونا شک و تردد کو مستلزم ہے حاشا و کلا،

شیعہ کے وہ مسائل جن میں بہت قیل وقال ہے

صدہا مسائل فقہیہ و اصولیہ و کلامیہ حضرات شیعہ کے یہاں ایسے ہیں جن میں گنجائش بحث بہت ہے بلکہ باہم اختلاف و جدال ہے کیا حضرات ان سب میں مشکک و متردد ہیں، جناب امیر کی افضلیت انبیاء سے کس قدر محل بحث و گفتگو ہے خود مسئلہ امامت اور اس کے اصول دین ہونے میں بہت قیل وقال ہے، مسئلہ رجعت جس کو قیامت صغریٰ کہتے ہیں اور مسئلہ غیبت امام آخر الزمان جو امہات مسائل سے ہیں اور جن میں حضرات متفرد ہیں باوجودیکہ امہات مسائل سے ہیں، ان میں گنجائش بحث جس قدر ہے عقلا پر مخفی نہیں، جب کوئی دلیل عقلی و نقلی بہم نہ پہنچی تو یہاں تک مجبور ہوئے کہ مسئلہ غیبت میں یہ کہہ دیا کہ،

وانما ھو لحکم استاثرھا اللہ تعالیٰ۔

امام کے اختفا کی وجہ بسبب پوشیدہ حکمتوں کے ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہی علم میں رکھا ہے دوسروں کو اس پر مطلع نہیں فرمایا۔

باوجودیکہ یہ معتقدات کسی دلیل عقلی یا نقلی سے ثابت نہیں اور حضرات محض تقلید سلف ان کے معتقد ہیں کیا آپ ان کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرات شیعہ اپنے ان عقائد میں مشکک و متردد ہیں، پس گنجائش بحث کا ہونا کسی طرح مستلزم شک و تردد کو نہیں ہے۔ یہ صرف حضرت کی خوش فہمی ہے وبس،

علاوہ ازیں اگر کوئی شخص آپ کے تمام معتقدات والہیات و نبوات وغیرہ کا انکار کر کے آپ سے ثبوت طلب کرے تو مشکل پڑ جائے اور طول طویل بحث کی نوبت آئے حالانکہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ آپ اپنے معتقدات میں مشکک و متردد ہیں،

قولہ: بہر حال، اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ اعتقاد اہل سنت کا مدلل بدلائل عقلیہ و نقلیہ مسلمہ خود یقینی ہے یا محض تقلید سلف اور ظنی ہے۔ اس باب میں کوئی دلیل عقلی و نقلی قائم نہیں چنانچہ بنظر اختصار ایک دو قول ان حضرات کے نقل ہوتے ہیں، مواقف قاضی عضد الدین کے صفحہ ۶۱۶ میں یہ عبارت لکھی ہے۔

واعلم ان مسئلۃ الافضلیۃ لا مطمع فیھا فی الجزم والیقین ولیست مسئلۃ تتعلق بھا عمل فتکفی فیھا بالظن والنصوص المذکورۃ من الطرفین بعد تعرضھا لا یفید القطع علی ما لا یخفی علی منصف لکنا وجدنا السلف قالوا بان الافضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی وحسن ظننا[1] بھم یقضی بانھم لو لم یعرفوا ذلک لما اطبقوا علیہ فوجب علینا اتباعھم فی ذلک۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مسئلہ تفضیل قطعی و یقینی نہیں ہے بلکہ ظنی ہے اور سلف کہ پایا ہم نے کہ کہتے ہیں افضل ابوبکر و بعدہٗ عمر و بعدہٗ عثمان و بعدہٗ علی ہیں۔ نقلا عن مجمع البحرین۔ شرح عقائد نسفی میں بعد تفضیل علی ترتیب خلافت لکھا ہے علی ھذا وجدنا السلف والظاھر انہ لو لم یکن لھم دلیل علی ذلک لما حکموا بذلک، اور علماء کے اقوال بھی اسی قسم کے ہیں،

اقول: چونکہ اس جگہ ہمارے مجیب لبیب کو فہم مطلب عبارت مواقف میں خطا ہوئی اس لئے اولاً ضرور ہے کہ مطلب عبارت بیان کیا جائے اور بعد اس کے جواب کی تقریر کی جائے پس واضح ہو کہ مواقف نے شروع اس بحث میں دلائل افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ذکر کیں اور بعد اس کے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی افضلیت کے وہ دلائل ذکر کیں جو علماء شیعہ ان کی افضلیت کے اثبات میں تقریر کرتے ہیں، بعد اس کے اجمالاً ان کا جواب دے کر یہ عبارت مذکورہ لکھی جس کا حاصل یہ ہے کہ مسئلہ افضلیت بحسب مذاق متکلمین جزمی اور یقینی نہیں کیونکہ کلامی طرز پر یقین کے اثبات کے لیے یا تو کوئی دلیل عقلی جو مقدمات حقہ یقینیہ سے مرکب ہو مثبت افضلیت ہو اور ظاہر ہے کہ افضلیت جس کا مدار کثرت ثواب اور علو مرتبہ عند اللہ اور اقربیت الی اللہ پر ہے امر معقول نہیں،

---

[1] مجیب نے یہ لفظ اس طرح اپنے قلم سے لکھا اس لئے ہم نے اس میں تغیر و تبدل نہیں کیا۔

اجماع دلیل قطعی ہے

چنانچہ سابقاً بشہادت علم الہدیٰ امامیہ بیان ہو چکا ہے۔ یا نص قرآنی ہو جو بعبارت النص اس کو ثبت ہو وہ بھی نہیں ہے یا کوئی حدیث متواتر مفید یقین ہو وہ بھی مفقود، احادیث احاد جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں معارضہ سے قطع نظر وہ مفید یقین نہیں تو اہل کلام کے طرز پر اس مسئلہ کا ثبوت یقینی نہ ہوا، لیکن ہمارے مجیب اس سے یہ سمجھ گئے کہ یہ مسئلہ کسی طرح یقینی نہیں حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اس کے آگے ہی صاحب موافق نے بطور استدراک ودفع توہم کے یہ فرمایا، لیکن ہم نے سلف کو پایا کہ وہ افضلیت بہ ترتیب خلافت کہتے تھے اور حسن ظن حاکم ہے اگر ان کے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی تو اس پر متفق نہ ہوتے اور اجماع نہ کرتے تو ہم پر ان کی پیروی واجب ہوئی۔ یہ عبارت صراحۃً اس امر پر دال ہے کہ مسئلہ افضلیت صاحب مواقف کے نزدیک اجماعی ہے اور اس کے نزدیک اجماع اس پر واقع ہے کہ افضلیت بہ ترتیب خلافت ہے اور اگر باہم ختنین کے افضلیت پر اجماع نہ ہو تو شیخین کی افضلیت تو قطعاً اجماعی ہے، اور اجماع اگرچہ کلامی طور پر یقینی حجت نہ ہو سہی تاہم باتفاق شیعہ والسنت اصولیین اور فقہا وغیرہ کے نزدیک حجت ہے جمال الدین ابی منصور حسن بن زین الدین بن علی بن احمد شہید ثانی شیعی معالم الاصول میں بعد امکان اور وقوع اور حجیت اجماع کے تحریر فرماتے ہیں،

ونحن لما ثبت عندنا بالادلة العقلية والنقلية كما حقق مستقصى في كتب اصحابنا الكلامية ان زمان التكليف لا يخلو عن امام معصوم حافظ للشرع تجب الرجوع الى قوله فيه فمتى اجتمعت الامة على قول كان داخلاً في جملتها لانه سيدها والخطاء مامون عليه فيكون ذلك الاجماع حجة۔

اور جب ہمارے نزدیک دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہو چکا چنانچہ ہمارے اصحاب کی کتب کلامیہ میں مفصل مذکور ہے کہ امام معصوم نگہبان شرع ہے جس کے قول کی طرف رجوع ہو سکے زمانہ تکلیف کا خالی نہیں ہوتا پس جب کسی قول پر امت مجتمع ہو جائے گی امام کا قول بھی اس میں شامل ہوگا کیوں کہ وہ امت کا سردار ہے اور خطا کا اس پر خوف نہیں تو یہ اجماع حجت ہوگا،

اس سے صاف واضح ہے کہ شیعہ کے نزدیک اجماع حجت ہے اور امام معصوم کے شمول

کی نسبت جو کچھ فرمایا ہے یہ محض ایک لغویات سے ہے امام کا شمول اس میں خود قطعی نہیں کیونکہ اس کی قطعیت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔

حضرات شیعہ کا عجیب وغریب اجماع

اجماع کے ساتھ قول امام کے انضمام پر اگر کوئی دلیل خارجی مثل وجود امام بعینہ یا وجدان قول بعینہ اور تواتر نقل کے دال ہو تو اجماع کا نام لینا ہی لغو اور بے فائدہ ہے کیونکہ اس وقت معتبر اور حجت قول امام ہے نہ اجماع اور اگر بدیہی اجماع قول امام پر دال ہے تو مغلطہ اور محتمل پر بناء اجماع ہے اور محض توہمات پر مذہب کی بنیاد قائم کی ہے، اور ظاہر حسب مذہب شیعہ شق ثانی ہے کیونکہ صاحب معالم آگے بڑھ کر لکھتے ہیں،

ولا يخفى ان فائدة الاجماع تعدم عندنا اذا علم الامام بعينه لعو يتصور وجودها حيث لا يعلم بعينه ولكن يعلم كونه في جملة المجمعين ولا بد في ذلك من وجود من لا يعلم اصله ونسبه في جملتهم اذ مع علم اصل الكل ونسبهم يقطع بخروجه عنهم۔

اور پوشیدہ نہیں کہ جب بعینہ امام کا وجود معلوم ہو تو اجماع کا فائدہ نہ رہے گا ہاں اس کا وجود اس جگہ متصور ہے جس جگہ امام بعینہ معلوم نہ ہو لیکن منجملہ اہل اجماع کے اس کا ہونا معلوم ہو اور اس کے لئے ایسے لوگوں کا ہونا ضرور ہے جن کے اصل ونسب کی اطلاع نہ ہو اس لئے کہ اگر سب کے اصل ونسب کی اطلاع ہوگی تو امام کا اس اجماع سے خارج ہونا یقیناً معلوم ہوگا

اب آپ بغور ملاحظہ فرمادیں کہ یہ اجماع جس میں وجود امام اور اس کے قول کے دخول کی بناء محض تخیلات وتوہمات پر باندھ رکھی ہے حجت ہے۔ ظاہر ہے کہ ایام غیبت کبریٰ میں نہ امام کے وجود پر کوئی دلیل قطعی یا ظنی قائم ہے اور نہ اس کے قول کے دخول پر کوئی حجت ہے تو ایسا عجیب وغریب اجماع حضرات شیعہ کے ہی نزدیک حجت ہو سکتا ہے، اگرچہ اس جگہ بحث کی بہت گنجائش ہے لیکن بخوف تطویل اس سے اغماض کرتا ہوں، اس سے ہم کو کیا بحث آپ جانیں اور آپ کے شہید ثانی اور آپ کا اجماع صرف مقصود یہ ہے کہ اجماع اہل تشیع کے نزدیک حجت ہے: ور وہ کیسا ہی کچھ سہی حضرت شہید ثانی کے کلام سے حجت ہونا اس کا ثابت ہو گیا،

اہل سنت کے نزدیک سن لیجئے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرۃ العینین کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں، باید دانست کہ مذہب حق کہ اشاعرہ شکر اللہ مساعیہم متابعت

صحابہ وتابعین بآن رفتہ اند تفضیل حضرت ابوبکر صدیقؓ وعمر فاروقؓ ست بر غیر ایشان از صحابہ چہ علی مرتضیٰ وچہ حسنین رضی اللہ عنہم اجمعین واز عجائب امور آنست کہ این مسئلہ در زمان سلف از اجلی بدیہیات بود کہ ہیچ عاقلی دران شک نمی کرد الا قومی از مبتدعان کہ تتبع آثار صحابہ وتابعین شیم ایشان نباشد، دوسری جگہ اسی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔ سادساً اجماع کہ اصل ثالث قرار دادہ اند از اصول اربعہ باوجودیکہ اجماع منعقد نمی شود الا بعد قیام دلیلی از کتاب وسنت وقیاس برائی دو فائدہ است یکی آنکہ بسبب اجماع مسئلہ قطعی میشود واگر اجماع نمی بود بسیار است کہ قطع نباشد مثلاً صورتی مستند اجماع آنجا خبر واحد یا قیاس باشد دیگر آنکہ غالباً چون مجتہدین بر مسئلہ اجماع کردند ماخذ را فراموش میسازند وداعیہ نقل ماخذ فاتر میگردد بجہت کفایت اجماع ازان لہذا در اکثر مسائل اجماعیہ ماخذ آنہا چنانکہ می باید دمی شاید منقول نیست۔ پس جب کہ یہ مسئلہ اجماعی اور مجمع علیہ سلف کا ہے بلکہ زمانہ سلف میں اجلی بدیہیات سے ہے تو یہ کہنا کہ مطلق اس پر کوئی دلیل قائم نہیں اور بجمیع وجوہ ظنی ہے غلط ہوا۔

محدثین شیعہ کے نزدیک اصول وفروع خبر واحد سے ثابت ہوتے ہیں

معہذا اسلمنا کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور کوئی دلیل عقلی ونقلی یقینی اس کے اثبات پر قائم نہیں تاہم ہمارے مجیب کو باعتبار اپنے مذہب کے اعتراض کی گنجائش نہیں کیونکہ حضرت مجیب کے مذہب میں اصول وفروع دین اخبار آحاد اور ظنیات سے ثابت ہو سکتے ہیں۔ لیجئے وہی معالم الاصول متداول دیکھ لیجئے۔ خبر واحد جو قرائن مفیدہ للعلم سے خالی ہو اس کی بحث میں بعد بیان اختلاف کے تیسری دلیل دلائل حجیت خبر واحد میں لکھتے ہیں۔

قال العلامۃ فی النہایۃ اما الامامیۃ فالاخباریون منہم لم یعولوا فی اصول الدین وفروعہ الا علی اخبار الآحاد المرویۃ عن الائمۃ والاصولیون منہم کابی جعفر الطوسی وغیرہ وافقوا علی قبول خبر الواحد ولم ینکرہ سوی المرتضیٰ واتباعہ لشبہۃ قد حصلت لہم

علامہ نے نہایہ میں کہا ہے۔ امامیہ سے محدثین نے اصول اور فروع دین میں اخبار احاد پر ہی اعتماد کیا ہے جو ائمہ سے مروی ہیں اور اصولیین نے مثل ابی جعفر طوسی وغیرہ کے خبر واحد کے قبول کرنے میں ان کی موافقت کی ہے اور سوائے مرتضیٰ اور اس کے اتباع کے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا کیونکہ ان کو ایک شبہ پڑ گیا تھا

اور اس سے کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں،

وموافقونا من اہل الخلاف احتجوا بمثل ہذہ الطریقۃ ایضاً فقالوا ان الصحابۃ والتابعین اجمعوا علی ذلک بدلیل ما نقل عنہم من الاستدلال بخبر الواحد وعملہم بہ فی الوقائع المختلفۃ التی لا تکاد تحصی وقد تکرر ذلک مرۃ بعد اخری وشاع وذاع بینہم ولم ینکر علیہم احد والا لنقل وذلک یوجب العلم العادی باتفاقہم کالقول الصریح۔

یعنی ہمارے موافقوں نے اہل خلاف سے اسی جیسے طریقہ سے حجت پکڑی ہے پس کہا کہ صحابہ اور تابعین نے اس امر پر اجماع کیا اس دلیل سے کہ وقائع مختلفہ کثیرہ میں خبر واحد پر عمل اور اس سے استدلال منقول ہے اور یہ امر مرۃ بعد اخری واقع ہوا ہے اور ان میں شائع ذائع ہے اور کسی نے ان کا انکار نہیں کیا ورنہ منقول ہوتا تو یہ مثل قول صریح کے ان کے اتفاق پر علم عادی کو موجب ہے۔

تو اس بیان سے ثابت ہوا کہ افضلیت پر اگر دلائل ظنیہ اخبار احاد ہی قائم ہوں، تاہم ہمارے مجیب کو گنجائش اعتراض نہیں حالانکہ اس پر دلیل قطعی مسلمہ فریقین قائم ہے اور یہ حال جو اوپر مذکور ہوا اس خبر واحد کا ہے جو خالی عن القرائن ہو، چنانچہ شروع بحث معالم میں لکھا ہے اور اگر خبر واحد کے ساتھ قرائن مفید یقین ملحق ومنضم ہوں وہ خود قطعی حجت ہے چنانچہ یہ بھی اسی معالم الاصول سے مفہوم ہوتا ہے اور اگر اس مسئلہ افضلیت میں قطع نظر اجماع سے کی جاوے تو قرائن خارجیہ بھی مثل اجتہاد فی العبادۃ اور جہاد فی اللہ اور کتب اعداء اللہ کفار و مرتدین اور فتح بلدان اور اشاعۃ اسلام اور عدل و داد و بیعت سرامد اہلبیت اور ان کا خلفا کی حمایت ونصرت و مدح کرنا وغیرہا جن کی شرح کتاب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں بہ شرح وبسط مذکور ہے اس کے ثبوت پر قائم ہیں تو اگر اخبار احاد فی حد ذاتہ ظنی ہوں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ان کی ظنیت تقطیعت بعد انضمام قرائن کو معارض نہیں، تو اس کو محض ظنی خیال کرنا اور بلا دلیل عقلی ونقلی سمجھنا اگر نادانستہ ہے تو صرف خطا ہے اور اگر دیدہ و دانستہ ہے تو انصاف وتحقیق حق کا خون کرنا ہے۔

قولہ: غور کا مقام ہے کہ اس تفضیل پر جس کے حضرات اہل سنت قائل ہیں اور اس کو عقائد میں داخل کر رکھا ہے خود ان کے ہی علماء کے اقوال سے کوئی دلیل قائم نہیں بلکہ یہ لکھتے ہیں کہ علی ہذا وجدنا السلف اس قول میں اور انا وجدنا آبائنا میں کیا فرق ہے حالانکہ اسی شرح

عقائد نسفی کے شروع میں لکھا ہے ومعرفۃ العقائد عن ادلتھا التفصیلیۃ بالکلام الخ پھر تفضیل خلفاء کا عقائد میں داخل کرنا اور بدون اقامت دلیل اس کا قائل ہونا اور علی ہذا وجدنا السلف کہنا کیونکر جائز ہوگا،

اقول: گذارش سابقہ سے واضح ہے کہ یہ اعتراض بلا غور وتدبر مقام کیا گیا ہے اگرچہ مقام غور کا تھا لیکن حضرت نے غور نہیں فرمایا ورنہ بمقتضائے انصاف یہ اعتراض نہ فرماتے کیونکہ اسی گذارش سے ثابت ہو چکا ہے کہ اہل سنت کا یہ اعتقاد بلا دلیل قطعی نہیں لیکن حضرت مجیب اپنا فکر فرماویں ان کے علامہ و دیگر اساطین نے مبنی اصول وفروع کا ظنیات پر رکھ دیا اور بیچارے سید علم الہدیٰ کے دعویٰ تواتر کو آپ کے شہید ثانی نے غلطی اور شبہ پر محمول فرمایا پس اس کے جواب کا فکر کیجئے قطع نظر اس سے اگر آپ کو اپنے اصول کے ثبوت قطعی کا دعویٰ ہے تو مسئلہ رجعت کو جو اصول معتقدات سے ہے چنانچہ شیخ محمد بن الحسن الحر العاملی نے ہدایۃ الہدایہ میں لکھا ہے،

یجب علی المکلف الاقرار بوجود اللہ سبحانہ ووحدانیتہ وعدلہ وعلمہ وقدرتہ وتنزیہہ عن النقص وسائر صفاتہ الواردۃ فی الکتب والسنۃ والاعتراف بالمعاد الجسمانی وھو القیمۃ الکبری وبالرجعۃ وھی القیمۃ الصغری

یعنی مکلف پر خداوند تعالیٰ شانہ کے وجود اور وحدانیت اور عدل اور علم اور قدرت اور تنزیہ کا اور تمام صفات کا جو کتاب وسنت میں وارد ہوئیں اقرار واجب ہے اور معاد جسمانی جو قیامت کبریٰ ہے اور رجعت ائمہ جو قیامت صغریٰ ان کا بھی اعتراف واجب ہے

محشی لکھتا ہے ورجعت از ضروریات مذہب شیعہ است، کسی دلیل عقلی یا نقلی سے ثابت فرما دیجئے اور اگر قطعی نہ ہوسکے تو ظنی ہی سے ثابت کیجئے ہاں نا انصافی کی راہ سے کہے جائیں کہ ہمارے تمام اصول وفروع دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں جیسا سید مرتضیٰ کا خیال ہے اس کا کوئی علاج نہیں باقی رہا آپ کے سوال فرق انا وجدنا اور علی ہذا وجدنا السلف کا جواب ہم بوجہ اپنے التزام تہذیب کے کچھ نہیں عرض کر سکتے مگر اتنا کہتے ہیں کہ فعل ہذا ادرکت آبائی اعزانا وجدنا آباءنا میں جس قدر فرق ہے اس کی نسبت علی ہذا وجدنا السلف میں اور وجدنا آباءنا میں زیادہ فرق ہے۔

اقول: معتمدین کی کتابوں میں تفضیل خلفاء اربعہ کی حسب ترتیب خلافت درج ہے

مگر ہمارے حضرت مجیب نے صرف خلفاء ثلثہ پر ہی اکتفا فرمایا اور بباعث نہایت محبت وعنایت تمسک بہ اہل بیت اپنے خلیفہ رابع کا ذکر تک نہ کیا،

اقول: یہ امر بدیہی ہے کہ عدم ذکر شے اس کے نقص اور برائی کو مستلزم نہیں تو معاذ اللہ حضرت امیر المومنین امام الاشجعین کا عدم ذکر اس وجہ سے نہیں کہ ان کی خدمت میں ولاء وتمسک میں کوتاہی ہو حضرت کے ساتھ سوء اعتقادی کو میں ایسی ہی بے دینی اعتقاد کرتا ہوں جیسا کہ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ سوء اعتقادی کو بے دینی سمجھتا ہوں لیکن چونکہ مناظرہ میں متفق علیہ کے ذکر کی کچھ ضرورت نہیں ہوتی مختلف فیہ کا ذکر البتہ ضروری ہے اس لئے خلفاء ثلثہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا اور یہ تو حضرت مجیب ہی جانتے ہوں گے لیکن آخر کیا کریں آپ کے داعیہ انصاف اور تحقیق حق نے نہ چھوڑا کہ آپ یہ اعتراض نہ فرما دیں،

قال الفاضل المجیب: قولہ صحابہ کرام الخ اگر لفظ کرام صفت احترازیہ ہے اور مقصود اس سے غیر صحابہ کرام سے احتراز ہے تو حاشا وکلا کہ شیعہ صحابہ کرام کو برا سمجھتے ہوں بلکہ اپنے نزدیک جن لوگوں کو غیر کرام جانتے ہیں اور ان کا ایسا ہونا کتب فریقین سے ثابت کرتے ہیں ان کو ہی برا جانتے ہیں،

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: اے اہل دانش وانصاف واے متجنبان اعتساف ذرا ہمارے حضرت مجیب کے انصاف وتحقیق کو ملاحظہ فرمانا اور دیکھنا کہ کس شد ومد سے فرماتے ہیں کہ حاشا وکلا کہ شیعہ صحابہ کرام کو برا سمجھتے ہیں، اس جملہ کو نہایت مضبوطی کے ساتھ تھامنا بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرات شیعہ کے یہ محض زبانی دعوے ہیں ورنہ حضرات نے اپنی کتابوں میں تو انبیاء سے لے کر اصحاب تک سہام تکفیر وتفسیق سے نہ چھوڑا تو یہ دعوے محض مخالف اپنی کتب معتبرہ کے ہیں لیکن نقل روایات سے پہلے یہ گذارش ہے کہ بطور مقدمہ یہ قاعدہ کلیہ اپنے ذہن میں محفوظ رکھئے کہ حضرت مجیب کے نزدیک معصیت کرامت کے بالکل خلاف ہے اور جس میں معصیت پائی جائے گی کرامت مرتفع ہو جائے گی چنانچہ آئندہ عبارت میں بزعم خود اس قاعدہ کو ثابت کر کے بناء [illegible] اثبات اسی پر رکھی ہے

انبیاء کے کفر کا ثبوت مذہب شیعہ کے موافق

تو جب یہ مقدمہ محفوظ ہو چکا تو اب روایات سنئے۔ انبیاء کو کفر تک نہیں چھوڑا حضرت

شیخ صدوق طائفہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی خصال میں روایت فرماتے ہیں۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال اصول الکفر ثلثۃ الحرص و الاستکبار والحسد فاما الحرص فادم حین نھی عن الشجرۃ حملہ الحرص علی ان اکل منھا و اما الاستکبار فابلیس حین امر بالسجود فابی و اما الحسد فابنا ادم حین قتل صاحبہ حسداً

یعنی اصول کفر تین ہیں۔ حرص اور تکبر اور حسد لیکن حرص پس آدم جب کہ منع کیا گیا درخت سے تو حرص نے اس کو اس پر برانگیختہ کیا۔ اور اس میں سے کھا لیا۔ اور تکبر پس ابلیس جب کہ حکم کیا گیا سجدہ کا پس اس نے انکار کیا۔ اور حسد پس آدم کا بیٹا۔ جب کہ اس نے اپنے بھائی کو حسد سے قتل کر ڈالا۔

لیجئے حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حسب روایت آپ کے صدوق کے اس فعل کا ارتکاب جو اصل کفر ہے پایا گیا اور کفر میں ابلیس کے برابر ہو گئے کہ اس میں بھی ایک اصل کفر کی پائی جاتی ہے اور معاذ اللہ توبہ توبہ آپ میں بھی ایک اصل پائی جاتی ہے اب دیکھئے کہ یا تو یہ عقیدہ کہ ائمہ تک صغائر و کبائر سے سہواً و عمداً معصوم تھے یا یہ کہ نعوذ باللہ ابلیس کے برابر ہو گئے۔ اب حضرت مجیب یا تو نقل روایت کی تکذیب فرماویں گے اور یہ تو ممکن نہیں کتاب بندہ کے پاس بعونہ تعالیٰ موجود ہے جس میں یہ روایت سراپا غوایت مذکور ہے یا اس روایت کی تکذیب فرمائیں گے اور یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ حضرت صدوق کی روایت ہے اگر اس کی تکذیب کی جاوے گی تو ان کا وصف صدوق نہ رہے گا بلکہ کذوب صادق آئے گا علاوہ اس کے اور کسی احتمال و تاویل کی گنجائش نہیں۔ سبحان اللہ حضرات ایسی کفریات روایت فرماویں اور پھر کوئی صدوق کے لقب سے ملقب ہوں اور کوئی علم الہدیٰ کا خطاب اپنے اہل ملت سے پاویں، اور لیجئے یہی مبداء سلسلہ نبوت ابو الانبیاء والمرسلین ہیں جن کی نسبت حضرت صدوق نے عیون اخبار الرضا میں ایک طویل روایت بیان فرمائی ہے۔ اور تفسیر صافی میں بھی ولا تقربا ھذہ الشجرۃ کی تفسیر میں مذکور ہے۔

حدثنا عبد الواحد بن محمد بن عبدوس النیشاپوری العطار قال حدثنا علی بن محمد بن قتیبۃ عن حمدان بن سلیمان

یعنی عبد السلام بن صالح ہروی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا سے پوچھا اے فرزند رسول اللہ وہ درخت کیا تھا جس سے آدم و حوا نے کھایا تھا

عن عبد السلام بن صالح الھروی قال قلت للرضاؑ یا ابن رسول اللہ اخبرنی عن الشجرۃ التی اکل منھا آدم و حوا ما کانت فقد اختلف الناس فیھا فمنھم من یروی انھا الحنطۃ و منھم من یروی انھا العنب و منھم من یروی انھا شجرۃ الحسد فقال کل ذلک حق قلت فما معنی ھذہ الوجوہ علی اختلافھا فقال یا ابا الصلت ان شجرۃ الجنۃ تحمل انواعا فکانت شجرۃ الحنطۃ وفیھا عنب ولیست کشجرۃ الدنیا و ان آدم علیہ السلام لما اکرمہ اللہ تعالیٰ ذکرہ باسجادہ ملئکتہ لہ و بادخالہ الجنۃ قال فی نفسہ ھل خلق اللہ بشرا افضل منی فعلم اللہ عزوجل ما وقع فی نفسہ فناداہ ارفع راسک یا آدم فانظر الی ساق عرشی فرفع آدم راسہ الی ساق العرش فوجد علیہ مکتوبا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ابن ابی طالب امیر المؤمنین وزوجتہ فاطمۃ سیدۃ نساء العلمین والحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ فقال آدم یا رب من ھؤلاء فقال عزوجل ھؤلاء من ذریتک وھم خیر منک ومن جمیع خلقی ولولاھم ما خلقتک وما خلقت الجنۃ والنار ولا السماء والارض وایاک ان تنظر الیھم بعین الحسد فاخرجک من جواری فنظر الیھم بعین الحسد وتمنی منزلتھم

لوگوں نے اس میں اختلاف کر رکھا ہے بعضے کہتے ہیں کہ وہ گندم کا درخت تھا اور بعضے روایت کرتے ہیں کہ وہ انگور کا درخت تھا اور بعضے نقل کرتے ہیں کہ وہ حسد کا درخت تھا آپ نے فرمایا اے ابا الصلت جنت کا درخت چند قسم پر پھلتا ہے یہ درخت اصل میں گندم کا تھا اور اس میں خوشہ انگور کے تھے اور جب خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرا کر اور جنت میں داخل کر کے بزرگی عطا فرمائی تو اپنے دل میں کہا کہ کیا کوئی مجھ سے افضل ہے خدا تعالیٰ نے خطرہ قلبی معلوم فرما کر فرمایا اے آدم سر اٹھا کر ساق عرش پر دیکھ آدم نے دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی بن ابی طالب امیر المومنین و زوجتہ فاطمۃ سیدۃ نساء العالمین والحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ تو کہا اے پروردگار یہ کون ہیں فرمایا یہ تیری اولاد میں ہیں اور تجھ سے اور تمام مخلوق سے بہتر ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو نہ تجھ کو پیدا کرتا اور نہ جنت و نار کو اور نہ آسمان اور زمین کو اور خبردار ان کو حسد کی نگاہ سے نہ دیکھنا نہیں تو اپنے قرب سے تجھ کو نکال دوں گا تو آدم نے ان کو حسد کی نگاہ سے دیکھا

فتسلط الله عليه الشيطان حتى اكل من الشجرة التي نهي عنها وتسلط على حواء تنظر الى فاطمة بعين الحسد حتى اكلت من الشجرة كما اكل ادم فاخرجهما الله تعالى من جنته واهبطهما عن جواره الى الارض۔

اور ان کے مرتبہ کی آرزو کی پس خدا تعالیٰ نے اس پر شیطان مسلط کر دیا یہاں تک کہ اس درخت سے کھایا جس کی ممانعت تھی اور حوا نے فاطمہ کی طرف حسد کی نظر سے دیکھا تو اس پر بھی شیطان مسلط ہوا اور اس نے بھی اسی درخت سے کھایا پس خداوند کریم نے ان کو اپنی جنت سے نکال دیا اور اپنے قرب سے جدا کر کے زمین پر اتار دیا۔

یہ روایت بہت وجوہ سے قابل غور ہے لیکن یہاں صرف اسی قدر ثابت کرنا ہے کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے حق میں بہت بڑی معصیت حضرات نے ثابت فرمائی کہ باوجودیکہ حق تعالیٰ شانہ نے نہایت تاکید کے ساتھ حسد کی ممانعت فرمائی پھر باوجود اس کے حضرت آدم نے نہ مانا اور حسد کر بیٹھے جس کی سزا پائی اور فی الواقع ادنیٰ درجہ کا حسد کبیرہ ہوگا چہ جائیکہ افضل الاولین والآخرین کے مراتب کا حسد کیا جاوے معاذ اللہ کس قدر حضرت آدم کے عرق حسد جوش میں آئی کہ خدا تعالیٰ کی بھی ایک نہ سنی اور پہلے گذارش ہو چکا ہے کہ اصول کفر کے حضرات نے تین قرار دیئے ہیں، حرص اور حسد اور استکبار تو پہلے حرص حضرت آدم کے حق میں بعبارت النص بروایت صدوق ثابت ہو کر مساوات ابلیس ثابت ہو چکی معاذ اللہ تو اب اس روایت میں دوسری اصل کفر کی یعنی جو حسد ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کا حسد حضرت کے واسطے ثابت کیا گیا تو اب معاذ اللہ توبہ توبہ شیعہ کے نزدیک حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کا مرتبہ باوجود نبوت کے کفر میں ابلیس لعین سے دو چند ہوا بلکہ اگر غور کیا جاوے تو ایسی روایت سے آپ کا استکبار بھی مفہوم ہوتا ہے۔ آپ کا یہ خیال کہ مجھ سے کوئی افضل نہیں خانہ انا خیر عرق استکبار سے ہے تو گویا مبداء سلسلہ انبیاء بنا بار رسل خلیفۃ اللہ فی الارض بہ نسبت ابلیس کے کفر میں سہ گونہ زیادہ ہوئے کیونکہ یہ سہ مراتب اصول کفر کے معاذ اللہ آپ میں پائے گئے۔ باقی رہا یہ آپ کا بتقلید فاضل جاسی وغیرہ حسد کی تاویل غبطہ کے ساتھ فرمایا اور علماء کے اطراف وجوانب اور قرآن کو ملحوظ خاطر رکھیں کیونکہ غبطہ اور حسد باہم متضاد ہیں بطور حقیقت اطلاق احدہما علی الآخر صحیح نہیں غبطہ محض آرزو کرنا اس جیسی نعمت کا ہے جو دوسرے کو حاصل ہے بدون قصد زوال کے اور حسد اس نعمت کی تمنا ہے جو دوسرے کو حاصل ہو اس سے زائل ہو کر اور غبطہ شرعاً جائز بلکہ محمود ہے اور

حسد ناجائز اور مذموم تو اس حدیث کو اس جگہ غبطہ پر حمل کرنا محال ہے اور اگر بالفرض محال حسد کے معنی غبطہ کے ہوں تاہم جب کہ خداوند تعالیٰ نے سخت تاکید سے ممانعت فرمائی اور ان الفاظ سے فرمایا ایاك ان تنظر اليهم بعين الحسد تو اس کے محرم اور مثل حسد ہونے میں کیا کلام باقی رہا تو اس صورت میں اس کا ارتکاب مثل ارتکاب حسد کے ہوا اور ارتکاب حرام لازم آیا، مگر تعجب تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم کو صرف تمنی منزلت ائمہ پر اس قدر مغضوب اور مطرود فرمایا حالانکہ اس وقت اس تمنا سے اگر وہ بالفرض حاصل ہو جاتی تو کسی کا کچھ نقصان نہ تھا، لیکن دنیا میں جس جگہ تمام عالم کے حقوق امامت کے ساتھ متعلق تھے امامت غصب ہو گئی اور ائمہ ذلیل و خوار ہوئے اور خدا تعالیٰ کو ذرا بھی غصہ نہ آیا اس لطف کے قربان اور اس عدل پر فدا، بے شک یہ بے تکی باتیں حضرات شیعہ کے خدا کی ہی شایان شان ہیں مگر یہ کہ جیسا امام نے تقیہ فرمایا شاید خدا تعالیٰ نے بھی ڈر کر تقیہ فرمایا ہو۔ اور روایت لیجئے۔

روی محمد بن الحسن الصفار عن ابی جعفر قال الله تعالى لآدم وذريته اخرجها من صلبه الست بربكم وهذا محمد رسول الله وعلي امير المومنين واوصيائه من بعده ولاة امري وان المهدي انتقم به من اعدائي واعبد به طوعا وكرها قالوا اقررنا وشهدنا وادم لم يقر ولم يكن له عزم على الاقرار عن التحفه

خلاصہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے روز میثاق جب سب سے اقرار وحدانیت ونبوت ووصایت لیا تو سب نے اقرار کیا لیکن حضرت آدم نے نہ اقرار کیا اور نہ ارادہ اقرار کا کیا۔

علاوہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام حضرت یونس علی نبینا وعلیہ السلام کی شان میں جو روایات مروی ہیں سنیئے کلینی روایت کرتا ہے،

عن ابن ابی یعفور قال سمعت اباعبد الله وهو رافع يده الى السماء رب لا تكلني الى نفسي طرفة عين ابدا ولا اقل من ذلك فما كان باسرع من ان تحدر الدمع من جوانب لحيته ثم اقبل علي فقال يا ابن ابی یعفور ان یونس بن متى وكله الله الى نفسه اقل من

حاصل یہ کہ ابن ابی یعفور کہتا ہے کہ امام ابو عبد اللہ دعا کر رہے تھے کہ الٰہی مجھ کو میرے نفس کی طرف ایک لمحہ یا کم بھی نہ سونپنا اور فرمایا کہ یونس کو خدا تعالیٰ نے اس کے نفس کی طرف پلک جھپک سے کم سپرد کیا تھا تو اس نے یہ احداث کیا۔ میں نے پوچھا

طرفة عين فاحدث ذلك قلت فبلغ به كفرا اصلحك الله فقال لا ولكن الموت على تلك الحال كان هلاكا. عن التحفه.	کیا اس سبب سے کفر کو پہنچ گیا تھا فرمایا نہیں لیکن ایسی حالت کو پہنچ گیا تھا کہ اس حالت میں مرنا ہلاکی تھی،

اور ظاہر ہے کہ یہ حالت جس میں موت ہلاکت کے ساتھ تعبیر کی جاوے یہ وہی حالت ہے جو معصیت کے ارتکاب کی حالت ہو اور لیجئے،

ملا باقر مجلسی سے مولانا مولوی حیدر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل فرمائی ہے ابوحمزہ ثمالی روایت کردہ کہ روزی عبداللہ پسر عمر بخدمت جناب امام زین العابدین آمد و گفت کہ توئی کہ میگوئی یونس را از برائی این بشکم ماہی انداختند کہ ولایت جدم امیرالمومنین را بر و عرض کردند و او توقف کرد آنحضرت گفت بلی من گفتہ ام مادرت بعزائی تو نشیند عبداللہ گفت اگر راست میگوئی علامتی بر راست گفتاری خود بمن بنما پس حضرت فرمود تا عصابہ بر دیدہ من و او بستند و بعد از ساعتی فرمود کہ چشمہائے خود را بکشائید چون دیدہ ہائے خود را کشودیم خود را در کنار دریائے کہ موجہائش بلند شدہ بود دیدیم پس پسر عمر گفت کہ اے سید من خون من در گردن تست حضرت فرمود کہ اضطراب مکن کہ الحال راست گوئی خود بتو مینمائم پس فرمود کہ اے ماہی ناگاہ ماہی سر از دریا بیرون آورد مانند کوہ عظیم و میگفت لبیک ای ولی خدا حضرت فرمود تو کیستی گفت من ماہی یونسم ای سید من فرمود کہ ما را خبر دہ کہ قصہ یونس چگونہ بود ماہی گفت کہ ای سید حق تعالیٰ ہیچ پیغمبری مبعوث نکردہ از آدم تا جد تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مگر آنکہ ولایت شما اہل بیت را بر و عرض کردند پس ہر کہ قبول کرد سالم ماند و ہر کہ اباکرد مبتلا گردید تا آنکہ حق تعالیٰ یونس را بہ پیغمبری مبعوث گردانید پس حق تعالیٰ وحی کرد باو کہ ای یونس قبول کن ولایت امیرالمومنین علی و ائمہ راشدین از صلب او با سخنان دیگر کہ باو وحی نمود یونس گفت چگونہ اختیار کنم ولایت کسی را کہ او را ندیدہ ام و نمی شناسم و رفت بکنار دریا پس خدا بمن وحی فرمود کہ یونس را فرو بر و استخوان او را است مکن پس چہل روز در شکم من ماند و او را میگردانیدم در دریاہا و در تاریکیہا ندا میکرد. لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ قبول کردم ولایت امیرالمومنین و ائمہ راشدین را از فرزندان او پس چون ایمان آورد بولایت شما امر کرد پروردگار من کہ او را انداختم بر ساحل دریا پس حضرت امام زین العابدین فرمود کہ ای ماہی برگرد بسوی آشیان خود و آب از موج قرار گرفت. انتہی. حاصل یہ کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب حکم خداوندی پہنچا کہ ولایت ائمہ پر ایمان لاؤ تو انھوں نے خدا تعالیٰ کے حکم کو نہ مانا

اور ولایت ائمہؓ کے ایمان سے صریح انکار کر دیا پس اس کی سزا میں چکھا جو کچھ کہ چکھا اسی طرح حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے ولایت ائمہؓ ان پر پیش کی گئی اگر قبول کیا تو بلیات سے محفوظ رہے ورنہ عقوبت میں مبتلا ہوئے چنانچہ حضرت آدمؑ کا جنت سے نکلنا اور حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالا جانا حضرت یوسفؑ کا چاہ کنعان میں مقید ہونا حضرت ایوبؑ کا مصیبت میں مبتلا ہونا وغیرہا اسی قبیل سے ہے چنانچہ مناقب مرتضوی سے خلاصہ اس کا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے. تو اس سے پایا گیا کہ انبیاء نے اعتقاد امامت ائمہ سے جو جزء ایمان ہے انکار کیا سبحان اللہ عمہ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی. جب انبیاء ہی حکم نہ مانیں اور رد وحی کریں اور بیچاروں کا تو کیا ذکر ہے.

اہلبیت کی جناب میں حضرات شیعہ کی گستاخیاں

مجملاً حالات انبیاء کے تو سُن چکے اب ذرا ائمہؓ کے حالات بھی سُن لیجئے جو حضرات مدعیان محبت وولاء روایت فرماتے ہیں. حضرت علی امیرالمومنین وامام المتقین قائد الغر المحجلین جن کی افضلیت تمام انبیاء ورسل پر سوائے حضرتؐ مسلم ہے ان کی شان میں حضرت فاطمہؓ بضعۃ الرسول جس کی شان میں من اغضبها فقد اغضبنی تسلیم کرتے ہیں ان کی زبان سے یہ کلمات نقل کرتے ہیں جو مولوی حیدر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں ملا باقر مجلسی سے نقل کئے ہیں. مانند جنین پردہ نشین رحم شدہ و مثل خائنان در خانہ گریختۃ خود را ذلیل کردی گرگان میدرند دمی برند تو از جائی خود حرکت نمی کنی محل اعتماد من مرد و یاور من سست شد شکایت من بسوی پدر من و مخاصمہ من بسوی پروردگار من. اس اجمال کے کسی قدر تفصیل عبارت تذکرۃ الائمہ سے واضح ہوتی ہے. وہی ہذہ و ہمچنین حق دانستند آنچہ شیخین نسبت باہل بیت رسالت واقع ساختند و نسبت زنا. استغفر اللہ بحضرت فاطمہؓ دادن و دشنام دادن باو و غصب فدک و خلافت نمودن و کشتن و زدن آن مظلومہ و سقط شدن محسن شش ماہہ و آتش بخانہ پیغمبر انداختن الی آخرہ. یہ باتیں کہ جن کی شکایت حضرت فاطمہؓ نے فرمائی پس اگر حضرت امیر اپنے اس سکوت میں ناحق پر تھے اور محض بوجہ جبن و نامردی کے حاشا جنابہ عن ذلک یہ سب کچھ دیکھتے تھے اور نہ بولتے تھے تو قطع نظر اس کے کہ یہ اعلیٰ درجہ کے معصیت تھی یہ امر قادح استحقاق خلافت ہے الجبان لایستحق الامامۃ قضیہ مسلمہ ہے اور اگر آپ حق پر تھے اور بوجہ وصیت حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے آپ ساکت وصامت رہے تو اولاً کیا یہ وصیت ابوبکرا شجع کے قتل کے وقت فراموش ہوگئی تھی اور میزاب حضرت عباس کے ہنگامہ میں تصنیف نہیں ہوئی تھی۔ اور ثانیاً کیا حضرت فاطمہؓ مطیع حکم حضرت امیرؓ نہ تھیں اور کیا حضرت امیر کی نسبت ایسے کلمات مستہجن جوار اذل میں بھی معیوب ہیں ان کو ناجائز نہ تھے۔ اور کیا ان کو حضرت کا یہ ارشاد جو بحار الانوار میں خاتم المتکلمین نے نقل کیا ہے لا تعصی علیا فانہ ان غضب غضبت بغضبہ یاد نہ رہا تھا بہرکیف اگر آپ کا سکوت حق تھا تو معاذ اللہ حضرت فاطمہؓ ایسے کلمات مستہجن حضرت ائمہ کی شان میں کہہ کر معصیت سے نہیں بچ سکتی۔

شیعہ کے نزدیک حضرت فاطمہؓ اہلبیت سے خارج ہیں

علاوہ اس کے علماء شیعہ کو تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اہلبیت سے ہونے میں کلام وتردد ہے چنانچہ صاحب ارغام نے شافی شرح کافی سے نقل کیا ہے۔

ان اھل بیت کل نبی اوصیائہ وعلی ھذا یمکن دخول فاطمۃ فی اھل بیتہ باعتبار انھا وسیلۃ وصایۃ اھل البیت الی ان قال ویمکن ان لا تکون داخلۃ فی اھل البیت۔

تحقیق ہر نبی کے اہل بیت اس کی اوصیا ہوتی ہیں تو اس اعتبار سے حضرت فاطمہؓ کا اہل بیت میں داخل ہونا ممکن ہے کیونکہ آپ اہل بیت کے وصایۃ کا واسطہ ہیں (یہاں تک کہ کہا) اور ممکن ہے کہ اہل بیت میں داخل نہ ہوں

اور نیز دیگر علماء شیعہ کے کلام سے بھی اس کی تائید وتقویت ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ مقداد نے کنز العرفان فی فقہ القرآن میں لکھا ہے اور اجماع شیعہ کا بیان کیا ہے کہ آل صرف ائمہ معصوم ہی ہیں اور کوئی نہیں اس کی عبارت یہ ہے۔

الذین یجب علیھم الصلوۃ فی الصلوۃ ویستحب فی غیرھا الائمۃ المعصومون لاطباق الاصحاب انھم ھم الال۔ ولان الامر بذلک مشعر بغایۃ التعظیم المطلق الذی لا یستوجبہ الا المعصوم و اما فاطمۃ علیھا السلام فتدخل ایضاً

جن لوگوں پر نماز میں درود پڑھنا واجب ہے اور نماز کے سوا مستحب ہے ائمہ معصومین ہیں کیونکہ اصحاب شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ آل صرف معصومین ہی ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ درود کا حکم ہونا نہایت تعظیم کو مشعر ہے جس کا سوائے ائمہ معصومین کے اور کوئی مستحق نہیں ہاں حضرت فاطمہؓ وجوب صلوۃ

لانھا بضعۃ منہ انتھی بلفظہ۔

میں داخل ہیں کیونکہ حضرت کا جزو ہیں۔

اس جگہ شیخ مقداد نے دو دلیلیں بیان کیں پہلی دلیل بصراحت تمام لفظ آل کے ائمہ کے ساتھ خاص ہونے پر اور حضرت فاطمہؓ کی آل سے خارج ہونے پر دلالت کرتی ہے اور یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ آل کا ائمہ کے ساتھ خاص ہونا مجمع علیہ حضرات شیعہ کا ہے۔ دوسری دلیل جناب فاطمہؓ کے معصوم نہ ہونے پر دال ہے کیونکہ مدار استحقاق غایت تعظیم کے لئے معصوم ہونا قرار دیا ہے اور پھر اس سے حضرت فاطمہؓ کے خارج ہونے کا شیخ کو واہمہ پیدا ہوا تو بطور رفع توہم اور استدراک کے حضرت سلام اللہ علیہا کے استحقاق غایت تعظیم کو بسبب جزئیت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت فرمایا۔ علاوہ ازیں علامہ مجلسی نے بھی حق الیقین ص۴۵ پر عصمت کو ملزوم امامت تسلیم کر لیا ہے اور لکھا ہے کہ وایضا صالحات جمع معرف بلام ست وافادہ عموم میکند پس دلالت بر عصمت آنحضرتؐ میکند و عصمت ملزوم امامت است تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ معصوم نہیں ہیں کیونکہ آپ قطعاً امام نہیں تو معصوم بھی نہیں۔

پس ان دونوں دلیلوں سے صاف واضح ہوا کہ حضرت علیہا السلام نہ آل میں داخل ہیں اور نہ معصوم ہیں۔ حالانکہ آیت تطہیر سے بضمیمہ حدیث کے حضرت فاطمہؓ کا اہلبیت میں داخل ہونا اسی قدر ثابت ہے جس قدر ائمہ کا داخل ہونا ثابت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ سوائے جناب امیرؓ اور جناب حسنینؓ کے باقی ائمہؒ قطعاً باعتبار نص اس میں داخل نہیں ہیں اور جناب فاطمہؓ باعتبار نص قطعاً ویقیناً اس میں داخل ہیں۔ تعجب ہے کہ جو یقیناً داخل نہ ہوں بلکہ قطعاً تطہیر سے خارج ہوں وہ تو اہلبیت اور معصوم ہو جائیں اور جو قطعاً تطہیر میں داخل ہو اس کو تطہیر سے بلکہ آل ہونے سے بھی خارج کر دیں۔ سبحان اللہ یہ حضرات شیعہ کا ہی ولاء وتمسک ہے بیشک یہ دین حضرات نے ائمہؒ سے ہی اخذ کیا ہوگا کہ حضرت فاطمہؓ تو اہلبیت اور عصمت سے خارج ہوں اور بلی اہلبیت میں داخل ہوں۔ تو خیر جب ان کو اہلبیت سے ہی نکال چکے اور عصمت خاصہ ائمہ کا ہی فرما چکے تو اب معصیت کو بہ نسبت حضرت علیؓ کے حضرت فاطمہؓ کی طرف منسوب کرنا آپ کو سہل ہوگا۔

حضرت امام حسینؓ شہید کربلا کی جناب پاک کی نسبت روایت کرتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ نے عسل بیت المال بلا اجازت وقبل قسمت مشک سے نکال کر تصرف کیا جو کبیرہ گناہ ہے اصل

روایت امام اعظم شیعہ نے بیان کی ہے لیکن ترجمہ فارسی اس کا ازالۃ الغین میں فاضل جائسی کی کتاب فوائد الصفیہ و مواعظ حسنہ سے نقل کیا گیا ہے اس لئے وہ لکھتا ہوں، روزے مہمانے پیش حضرت امام حسینؓ نازل گردید پس امام حسین درہمی قرض گرفتہ نانے خریدند نان خورشش نداشت کہ نان را بآن حاضر سازد دوران روزہا چند مشکہائے عسل از طرف یمن بخدمت حضرت امیرؓ رسیدہ بود پس امام حسین بقنبر خادم فرمودند کہ دہن مشکی را از مشکہائے بکشاید چون کشود حضرت بقدر یک رطل از ان مشک عسل گرفتند و بمہمان خورانیدند پس چون امیر علیہ السلام خواست کہ مشکہا را میانہ مستحقین آن قسمت نماید از قنبر پرسید کہ کسی دہن این مشکہا کشودہ قنبر عرض کرد کہ بلے یا امیر المومنین و سرگذشت را نقل نمود چون حضرت امیر حرف اورا شنیدند در غضب شدہ فرمودند علی بحسین حسین را حاضر سازند چون حضرت امام حسین حاضر شد حضرت امیر درہ برداشت امام حسین گفت بحق عمی جعفر یعنی بحق و حرمت عم من از تقصیر من درگذر و ضابطہ حضرت امیر المومنین بود کہ ہرگاہ کسے بحق جعفر میگفت پس غضب آنحضرت تسکین می یافت پس حضرت امیر فرمود ماحملك اذا اخذت منه قبل القسمة چہ چیز باعث شد ترا کہ قبل از قسمت آن بآن متصرف شدی امام حسینؓ عرض نمود کہ حق ما در وست چون قسمت می شد بقدر یک رطل از حصہ خود داخل میکردم حضرت امیر فرمود کہ پدر تو فدائے تو باد کہ ترا نمی رسید کہ تو از ان منتفع شوی پیش از انکہ مسلمانان منتفع شوند آگاہ باش کہ اگر نمی بود کہ دیدہ بودم کہ دندانہائے ترا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می بوسید ہر آئینہ من ترا درین وقت میزدم بعد ازان حضرت امیر خود درہمی کہ در کنار ردائے خود لبستہ بود بقنبر دادند و فرمود کہ قسم اول عسل از بازار خریدہ بیار چون آورد عقیل قسم خوردہ میگوید کہ گویا من می بینم کہ از ہر دو دست دہن مشک را حضرت امیر گرفتہ اند و قنبر عسل را دران داخل میکند بعد ازان حضرت امیر علیہ السلام دہن مشک را می بست و میگریست و میفرمود۔ اللهم اغفر للحسين فانه لم يعلم خداوندا از تقصیر حسینؓ درگذر کہ او ندانستہ این کار کردہ۔ انتہیٰ بلفظہ،

بموجب مضمون اس روایت کے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے شہد میں سے بلا اجازت امام و قبل القسمت کہ جس میں دوسرے مسلمانوں کے حقوق بھی تھے لے کر تصرف کیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ خیانت کچھ آپ کے نزدیک معصیت نہیں کیا مسلمانوں کے مال میں بلا قسمت و اجازت تصرف کرنا امام کے پیچھے چلے جانے سے کچھ کم

ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال تو طشت از بام ہے کہ حضرت نے خلافت نبوت جو نیابت رسول ہے، معاذ اللہ ایک کافر کو سونپ دی حالانکہ آپ کے ساتھ باعتبار ظاہر بھی فوج کثیر تھی اور فی الحقیقت آپ کو کچھ اس کی حاجت نہ تھی، کیونکہ آپ کو اپنی موت کا تو حال معلوم ہوگا تو پھر آپ کو خوف کس بات کا تھا تو یہ معصیت اور ظلم و کفر پر اعانت نہیں تو کیا ہے جس کی بابت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کو علماء شیعہ نقل کرتے ہیں۔ لو جز الانف لكان احب الى مما فعله اخى الحسن۔ یعنی اگر میری ناک کٹ جاتی تو اس سے بہتر تھا جو میرے بھائی حسنؓ نے کیا کہ معاویہؓ کو خلافت سپرد کر دی، جز انف کے آپ معنی جانتے ہوں گے، خواہ حقیقی لیجئے یا مجازی بہرکیف یہ خلع خلافت و صلح معاویہ ایسی حرکت تھی جس کو امام معصوم اپنی ناک کٹنے سے بدتر ارشاد فرماتا ہے، تو اگر امام حسینؓ کا قول حق ہے تو فعل امام حسن رضی اللہ عنہ کا کبیرہ اور معصیت ہے اور اگر خلاف ہے تو کذب امام معصوم کے کلام میں لازم آتا ہے اور کذب معصیت کبیرہ ہے اور مکرمت کے خلاف تو پھر معلوم نہیں کہ صحابہ نے کیا ایسی خطا کی جس سے ادنیٰ ادنیٰ معصیت سے کرام ہونے سے خارج ہوئے اور انبیاءؑ اور ائمہؑ باوجودیکہ ان کے کفر و معاصی نقل کئے جاتے ہیں پھر ان کو کرام کہے جاتے ہیں،

صحابہ مقبولین شیعہ کے حالات

انبیاءؑ و ائمہؑ کا حال تو مجملاً سن لیا اب اصحاب مقبولین کی کیفیات و حالات بھی ملاحظہ ہوں تاکہ اس دعویٰ کی تصدیق جو ہمارے مجیب نے فرمایا ہے بخوبی ہو جائے کہ حاشا و کلا کہ شیعہ صحابہ کرام کو برا سمجھتے ہوں، منجملہ صحابہ کرام مقبولین شیعہ کے عبداللہ بن عباس ہیں۔ ان کی نسبت قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں تحریر فرماتے ہیں، علامہ حلی در خلاصۃ الاقوال فی معرفۃ الرجال آوردہ کہ عبداللہ بن عباس محب خاص حضرت امیر و تلمیذ او بود و حال در بزرگی و اخلاص او بآنحضرت اشہر از آنست کہ مخفی ماند و شیخ ابو عمرو کشی در کتاب خود بعضی از روایات آوردہ کہ متضمن قدح است در ابن عباس و حال آنکہ شان ابن عباسؓ اجل و اعلیٰ از انست و ما آن روایات را در کتاب کبیر رجال آوردیم و جواب از انہا گفتیم این ست تمام کلام علامہ حلی درین مقام و حاصل جمیع قوادحے کہ از روایات کشی مفہوم میشود راجع ببعضی اعمال ابن عباس است و مؤلف این کتاب را با ایمان او اعتقاد است اما جوابے کہ علامہ حلی در کتاب کبیر خود ذکر کردہ بنظر

قاصر این شکستہ نرسیدہ، مجملاً حال حضرت ابن عباسؓ کا تو معلوم ہو چکا۔ اب ان اعمال کی تفصیل سنیئے۔ یہ ہی حضرت ابن عباس جن کو آپ اور آپ کے بزرگوار اصحاب کرام میں شمار کرتے ہیں جبکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا فرصت و موقع پا کر بیت المال وہاں کا لوٹ کر اور خیانت کر کے اپنے گھر آ بیٹھے۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے جو دردانگیز خط ان کے نام اس معاملہ میں لکھا ہے دیکھنے کے قابل ہے نہج البلاغت سے بعینہٖ نقل کرتا ہوں،

ومن كتاب له عليه السلام الى بعض عماله
اما بعد فانى كنت اشركتك فى امانتى وجعلتك شعارى وبطانتى لم يكن فى اهلى رجل اوثق منك فى نفسى لمواساتى وموازرتى واداء الامانة الى فلما رايت الزمان على ابن عمك قد كلب والعدو قد حرب و امانة الناس قد خزيت وهذه الامة قد فتكت وشغرت قلبت لابن عمك ظهر المجن ففارقته مع المفارقين وخذلته مع الخاذلين وخنته مع الخائنين فلا ابن عمك اسيت ولا الامانة اديت وكانك لم تكن الله تريد بجهادك وكانك لم تكن على بينة من ربك وكانك انما كنت تكيد هذه الامة عن دنياهم وتنوى غرتهم عن فيئهم فلما امكنتك الشدة فى خيانة الامة اسرعت الكرة وعاجلت الوثبة واختطفت ما قدرت عليه من اموالهم المصونة لا راملهم وايتامهم اختطاف الذئب الازل دامية المعزى الكسيرة فحملته الى الحجاز رحيب الصدر تحمله غير متاثم من اخذه كانك لا ابا لغيرك

اما بعد۔ میں نے شریک کیا تھا تجھ کو اپنی امانت میں اور بنایا تھا تجھ کو اپنا جانی اور بہنانی، میرے جیمیں میری غمخواری اور معاونت اور ادائے امانت کے لئے میری اہل میں تجھ سے زیادہ معتمد کوئی نہ تھا پس جب تو نے دیکھا کہ چچا کے بیٹے پر زمانہ دشوار و سخت ہے اور دشمن غضب ناک ہے اور لوگوں کی امانت ذلیل ہو گئی اور یہ امت قتل ہوئی اور منتشر و پریشان ہو گئی، ڈھال کی پیٹھ اپنے چچا کے بیٹے کے لیے تو نے الٹی کر دی، اور جدا ہو گیا اس سے جدا ہونے والوں کے ساتھ، اور ذلیل چھوڑ دیا اس کو چھوڑنے والوں کے ساتھ اور تو نے بھی خیانت کی خیانت کرنے والوں کے ساتھ، نہ تو نے اپنے چچا کے بیٹے کی غمخواری کی اور نہ امانت ادا کی، گویا تو نے اپنے جہاد میں خدا کی رضامندی کا ارادہ نہ رکھتا تھا، اور گویا تو اپنے پروردگار پر بھروسہ نہ رکھتا تھا، اور گویا تو فریب کرتا تھا اس امت سے ان کی دنیا کیلئے، اور دل میں سوچ رہا تھا انکی غفلت کو مال غنیمت سے پس جب تجھ کو امت کی خیانت میں حملہ کی قدرت ہوئی سرعت سے حملہ کیا اور جلدی سے کود پڑا اور جو کچھ یتیموں اور بیواؤں کے مال محفوظ سے ہاتھ آیا لے اڑا اور اس چھریرے بھیڑیئے سے بھی جلدی کی جو لنگڑی

حدرت الى اهلك تراثك من ابيك و امك فسبحان الله اما تؤمن بالمعاد او ما تخاف نقاش الحساب ايها المعدود عندنا من ذوى الالباب كيف تسيغ شرابا وطعاما وانت تعلم انك تاكل حراما وتشرب حراما وتبتاع الاماء وتنكح النساء من مال اليتامى والمساكين والمؤمنين والمجاهدين الذين افاء الله عليهم هذه الاموال واحرز بهم البلاد فاتق الله واردد الى هؤلاء القوم اموالهم فانك ان لم تفعل ثم امكننى الله لاعذرن الى الله فيك ولاضربنك بسيفى الذى ما ضربت به احدا الا دخل النار ووالله لو ان الحسن والحسين فعلا مثل الذى فعلت ما كانت لهما عندى هوادة ولا ظفرا منى بارادة حتى آخذ الحق منهما وازيل الباطل عن مظلمتهما واقسم بالله رب العلمين ما يسرنى انما اخذت به من اموالهم حلال لى ان اتركه ميراثا لمن بعدى فضح رويدا فانك قد بلغت المدى ودفنت تحت الثرى وعرضت عليك اعمالك بالمحل الذى ينادى الظالم فيه بالحسرة ويتمنى المضيع الرجعة ولات حين مناص والسلام،

بکری کو لے بھاگے، پس لاد کر لے گیا اس مال کو حجاز کی طرف ہشاش بشاش، تو اس کو لاد تا تھا اور نہیں گناہ سمجھتا تھا اسکے لینے کو گویا تو اپنے باپ یا ماں کی میراث اپنی اہل میں لاتا ہے، سبحان اللہ، کیا تجھ کو قیامت کا یقین نہیں ہے کیا تو پورا حساب لینے سے نہیں ڈرتا، اے شخص جو ہمارے نزدیک عقلمندوں میں شمار ہے تو کیونکر پچا دے گا کھانا پینا حالانکہ تو جانتا ہے کہ میں حرام کھا رہا ہوں اور حرام پی رہا ہوں اور کیونکر لونڈیوں کو خریدتا ہے اور عورتوں سے نکاح کرتا ہے یتیموں اور مسکینوں اور مجاہدوں کے مال سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو غنیمت میں دیا ہے، پس خدا سے ڈر اور لوگوں کے مال واپس کر دے اگر تو نے ایسا نہ کیا پھر مجھ کو خدا نے تجھ پر قدرت دی تو سزا دینے میں خدا کے نزدیک معذور ہوں گا، اور تجھ کو ایسی تلوار سے قتل کروں گا جس سے نہیں قتل کرتا میں کسی کو مگر دوزخ میں داخل ہوتا ہے، قسم خدا کی اگر حسن اور حسین کرتے جیسا تو نے کیا تو نہ ہوتی ان سے مصالحت اور نہ مطلب یاب ہوتے مجھ سے اپنے ارادہ میں یہاں تک کہ میں ان سے حق لیتا اور ظلم ان کا دور کرتا، میں خداوند رب العالمین کی قسم کھا کر کہتا ہوں، مجھ کو خوش نہیں آتا جو کچھ لیا ہے ان کے مالوں سے حال یہ کہ جوڑ دوں میں اس کو میراث اپنے بعد، پس تھوڑا صبر کر تو اپنے اجل کو پہنچ چکا ہے۔ اور مٹی کے نیچے دفن کیا جائے گا، اور تجھ پر تیرے اعمال پیش کئے جائیں گے، ایسے مقام میں کہ ظالم اس میں حسرت کی فریاد کرے گا، اور حقوق ضائع کرنے والا واپس لوٹنے کی آرزو کرے گا، اور کہاں چھٹکارے کا وقت ہے،

ابن میثم بحرانی شارح نہج البلاغت اپنی مختصر شرح میں جو اس وقت میرے سامنے موجود

ہے بعد نقل ایک دوسرے خط کے کہتا ہے اقول المروی ان الکتاب الاول الی عبد اللہ بن عباس کما ھو فی بعض النسخ حین کان والیا لہ علی البصرۃ. قطع نظر اس سے کہ حضرت رضی نے اپنی ناموس مذہب کی حفاظت کے لئے الی بعض عمالہ تحریر فرمایا اور صاف نام نہیں لیا یہ خط کس قدر ابن عباسؓ کے اعمال شنیعہ اور احوال فظیعہ حرص دنیاوی اور طمع مال اور مخالفت امام بحق وغیرہا ظاہر کرتا ہے معلوم نہیں باوجود اس کے حضرت مجیب اور ان کے علماء نے پھر کیوں کرام میں شمار کر رکھا ہے حالانکہ بشہادت شہید ثالث گذارش ہو چکا ہے کہ غیر معصوم کی اصلاح کے لئے تاویل کی کچھ ضرورت نہیں. اور یہ ہی ابن عباس ہیں جن کا اجل اور اعلیٰ ہونا شہید ثالث بیان فرما رہے ہیں، حضرت کیسئی امام سید الساجدین زین العابدین سے روایت فرماتے ہیں کہ آیت ومن کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ : یعنی جو دنیا میں راہ حق سے نابینا ہے وہ آخرت میں بھی راہ جنت سے اندھا ہوگا، اور اس سے بھی زیادہ گمراہ ان ہی حضرت ابن عباس اور ان کے والد ماجد حضرت عباس کے حق میں نازل ہوئی، از منتہی الکلام.

اور یہ ہی ابن عباس ہیں کہ حضرت مفسر صافی اپنی تفسیر میں ان کے حق میں روایت فرماتے ہیں.

وعن الباقر قال قال امیر المومنین بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المسجد والناس مجتمعون بصوت عال الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالہم فقال لہ ابن عباس یا ابا الحسن لم قلت ما قلت قال قرأت شیئا من القرآن قال لقد قلتہ لامر قال نعم ان اللہ یقول فی کتابہ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہکم عنہ فانتہوا فتشھد علی رسول اللہ انہ استخلف ابا بکر قال ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصی الا الیک

ابو جعفر سے روایت ہے کہ امیر المومنین نے بعد وفات حضرتؐ کے مسجد میں جب کہ لوگ مجتمع تھے چلا کر پڑھا جنھوں نے کفر کیا اور منہ پھیرا اللہ کے رستہ سے ضائع کردیئے ان کے کام، ابن عباس نے کہا یا ابا الحسن یہ کیوں پڑھا آپ نے فرمایا قرآن کی آیت پڑھی ہے ابن عباس نے کہا کہ بے شک کسی وجہ سے پڑھا ہے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے جو تمہارے پاس رسولؐ لاوے اس کو لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو کیا تو گواہی دیتا ہے کہ حضرتؐ نے ابو بکر کو خلیفہ بنایا عرض کیا میں نے حضرت سے نہیں سنا مگر آپ کی وصیت کو فرمایا تو پھر مجھ سے کیوں بیعت نہ کی عرض

فکنت منہم فقال امیر المومنین کما اجتمع اہل العجل علی العجل ھھنا فتنتم و مثلکم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمٰت لا یبصرون. صم بکم عمی فھم لا یرجعون.

میں بھی ان ہی میں تھا. حضرت نے فرمایا جیسا گوسالہ پرست گوسالہ پر مجتمع ہو گئے اس جگہ سے تم بھی مفتون ہوئے تمہاری کہاوت اس شخص جیسی ہے کہ آگ جلائی پس جب گردا گرد روشن ہو گیا تو اللہ نے ان کا نور کھو دیا)

اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ ابن عباسؓ گوسالہ پرستوں میں سے تھے یہی ابن عباس ہیں کہ روایت حلت متعہ کے بارہ میں حضرت امیر نے ان کی نسبت فرمایا انک رجل تائہ. منجملہ صحابہ کرام کے حضرت عباس اور حضرت عقیل ہیں. قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس میں لکھا ہے در کتاب کامل بہائی از امام محمد باقر روایت نمودہ کہ حضرت امیر در ایامیکہ خلافت در دست غاصبان بود دائما گفتہ.

واللہ لو کان حمزۃ وجعفر حیین ما طمع فیہا ابو بکر ولکن ابتلیت بجلیفین حافیین عقیل والعباس. نقلا عن مجالس

خدا کی قسم اگر حمزہ و جعفر زندہ ہوتے تو ہرگز ابو بکر و عمر امامت کی طمع نہ کرتے، لیکن میں ننگے پاؤں والے ملیفوں میں جو عقیل و عباس ہیں مبتلا ہوں

اور انہی ہر دو بزرگوار کی نسبت روایت سابقہ کے ہم معنی روایت ہے جس کا ترجمہ ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب میں لکھا ہے کہ سدیر از حضرت امام محمد باقر العلوم پرسید کہ کجا بود عزت و کثرت و شوکت بنی ہاشم کہ حضرت امیر المومنین بعد از حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم از ابو بکر و عمر و سائر منافقان مغلوب گردید حضرت فرمود کہ از بنی ہاشم کہ ماندہ بود جعفر و حمزہ کہ در غایت ایمان و یقین و از سابقین اولین بودند بعالم بقا رحلت کردہ بودند و دو مرد ضعیف الیقین ذلیل تازہ مسلمان شدہ بودند عباس و عقیل ایشان را در جنگ بدر اسیر کردند و آزاد کردند ایمان چنیں قوتی نمی دارد بخدا سوگند اگر حمزہ و جعفر حاضر می بودند در آن فتنہ ابو بکر و عمر یارائی آن نداشتند کہ حق امیر المومنین را غصب کنند و اگر سعی میکردند البتہ ایشان را می کشتند نقلا عن منتہی الکلام

حضرت عباسؓ کی درخواست بیعت اور حضرت علیؓ کا انکار

اور یہی حضرت عباس ہیں کہ انھوں نے بعد وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہا تھا کہ حضرت امیر کے ہاتھ پر بیعت کروں لیکن حضرتؓ ہی نے تعلل و تردد فرمایا اور حضرت نے بیعت قبول نہ کی اور کیونکر قبول فرماتے آپ کو معلوم تھا کہ حق ابوبکرؓ کا ہے۔ نہج البلاغت میں وہ خطبہ مذکور ہے جس میں حضرت عباس کی درخواست بیعت کا ذکر ہے۔ اور قاضی صاحب شوستری نے مجالس میں بضمن ذکر عباس لکھا ہے تا آنکہ بعد از فوت حضرت پیغمبر بحضرت امیر گفت۔

امدد یدك ابایعك حتى لا
يختلف فيك اثنان،

یعنی اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں آپ سے بیعت کرلوں
تاکہ پھر آپ کے بارہ میں دو شخص بھی اختلاف نہ کریں

باوجود حضرت عباس کے اس فدائیت کے پھر بھی سہام ملامت سے نہ بچے بلکہ جناب امیر نے ان کی اس درخواست پر اعتماد نہ فرمایا اور اس کو نفاق پر محمول کر کے قبول نہ کیا، اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی امیر معاویہؓ کی رفاقت اور حضرت امیرؓ کی ترک رفاقت بلکہ مخالفت طشت از بام ہے۔ پس جب کہ ادنیٰ معصیت کرام ہونے سے نکال دیتی ہے تو یہ حضرات باوجود ایسے ذمائم موضوعہ کے کیونکر کرام رہے، چونکہ بحث طویل ہو گئی اس لئے مختصراً چند اصحاب کے حالات ذوالفقار سے ذکر کر کے ختم کرتا ہوں، منجملہ ان کے اسامۃ بن زید ہے کہ وہ حسب تصریح کتاب نہج الحق مدعی اپنی امامت کا ہوا تھا اور تغیر اہل بیت سے واضح ہے کہ حروف ثقات میں رفاقت حضرت علی کی ترک کی منجملہ ان کے خزیمۃ بن ثابت ذوالشہادتین ہے مجالس المومنین اور کامل بہائی سے واضح ہے کہ یہ حضرت اول ان میں کے ہیں جنھوں نے سعد بن عبادہ کی خلافت پر اس کو ورغلایا تھا منجملہ ان کے عامر بن واثلہ ہیں جو امامت محمد بن حنفیہ کے قائل ہوئے اور امام سید الساجدین کی امامت سے انکار کیا منجملہ ان کے ابوذر ہیں کہ جامعین بیاض ابراہیمی ان کے نفی اسلام پر دلیل لائے ہیں اور بقول ابوجعفر بن احمد بن علی قمی و صاحب صفات العارفین اخوت پیغمبر سے خارج ہیں منجملہ ان کے براء بن عازب ہیں کہ انھوں نے گواہی کا اخفا کیا حضرت امیرؓ نے ان کو بد دعا فرمائی کہ نابینا ہو گئے کما فی الکشی و خلاصۃ الاقوال اور امام حسینؓ کے ساتھ کربلا جانے سے اختلاف کیا کما فی مجمع البحرین و بیاض الفخری منجملہ ان کے ابن مسعود ہیں کہ باقر مجلسی نے حیات القلوب میں درود مثالب و ذمائم ابن مسعود کا احادیث ائمہ سے اعتراف کیا ہے منجملہ

ان کے حذیفہ ہیں کہ بقول صاحب تلخیص الرجال کے حذیفہ اور ابن مسعود موالین خلفاء سے شمار ہیں اور کشی و صاحب خلاصۃ الاقوال نے منجملہ ہالکین کے شمار کیا ہے اور عمار کو خلفاء نے حاکم کوفہ کا مقرر کیا، اور سلمان کو حضرت عمرؓ نے مدائن کا حاکم بنایا، اور ابوذر و سلمان و مقداد کو بڑی بڑی لڑائیوں پر بھیجا کما لف علیہ فی الشافی و البحار حالانکہ کلینی میں نص امام باقر کے موجود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے ابوبصیر کوئی شیعہ دینار بنی امیہ سے نہیں پاتا مگر آنکہ پاوے دین اس کا مثل اس کے اور امام کاظم سے مروی ہے کہ جو میں پہاڑ پر سے گر کر پارہ پارہ ہوں، اس سے بہتر ہے کہ کسی سلطان کی طرف سے عامل ہوں پس بموجب ان روایات کے ابوذر، سلمان، مقداد بھی زمرہ خلفاء سے ہو کر معصیت سے نہ بچے۔ کلمن ذوالفقار، اور بقول حضرت مجیب کے کرام ہونے سے خارج ہوئے۔

کوئی صحابی معصیت سے خالی نہیں

علاوہ ازیں اگر بالاجمال دیکھا جائے تو کوئی صحابی خالی از معصیت نہیں لیجئے چند روائتیں مختصراً ذکر کرتا ہوں، مقداد کے ذکر میں قاضی صاحب مجالس میں فرماتے ہیں و شیخ ابوعمر دکشی کہ از علماء امامیہ است در کتاب اسماء الرجال باسناد خود از حضرت امام محمد باقر روایت نمودہ۔

ارتد الناس الا ثلثة نفر سلمان و
ابوذر والمقداد فقلت فعمار قال كان
حاص حيصة ثم رجع قال ان اردت الذى
لم يشك ولم يدخله شىء فالمقداد

سوا تین شخصوں کے سب مرتد ہو گئے سلمان، ابوذر
مقداد، میں نے پوچھا اور عمار فرمایا کچھ پھر گیا تھا پھر
لوٹ آیا، فرمایا اگر ایسا شخص چاہے جس کو شک نہ ہوا ہو
اور اس کے دل میں کچھ (تردد) نہ آیا ہو وہ مقداد ہے

صدوق طائفہ شیخ ابن بابویہ قمی در علل الشرائع باسناد خودش از حضرت ابوعبداللہ روایت میکند۔

قال عليه السلام لما كان يوم احد انهزم
اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم
حتى لم يبق معه الا على بن ابيطالب وابودجانه
سماك بن خرشة حتى كشف الشام

امام ابوعبداللہ نے فرمایا جب احد کی لڑائی
ہوئی تو سب اصحاب نے شکست کھائی اور
بھاگ گئے اور حضرت کے ہمراہ سوائے علی
اور ابودجانہ کے کوئی باقی نہ رہا۔

اور تفسیر صافی میں بھی لکھا ہے ولم یبق مع رسول اللہؐ الا ابودجانہ سماک بن خرشہ و علی — نسخہ سلیم بن قیس میں سلمان سے مروی ہے جس کا ترجمہ باقر مجلسی نے حق الیقین میں کیا ہے،

قال فلما کان اللیل حمل علی فاطمة علی حمار و اخذ بیدی الحسن والحسین علیهما السلام فلم یدع احدا من اهل بدر من المهاجرین ولا من الانصار الا اتاه فی منزله و ذکر حقه ودعاه الی نصرته فما استجاب له الا اربعة و اربعون رجلا فامرهم ان یصبحوا محلقین روسهم معهم سلاحهم علی ان یبایعوه علی الموت فاصبحوا ولم یواف منهم الا الاربعة فقلت لسلمان من الاربعة قال انا وابوذر والمقداد والزبیر بن العوام. عن منتهی الکلام.

جب رات ہوئی تو علی نے فاطمہ کو گدھے پر سوار کیا اور حسن حسین کا ہاتھ پکڑا اور مہاجرین و انصار اہل بدر میں سے کسی کو نہ چھوڑا مگر اس کے گھر گئے اور اپنا حق یاد دلایا اور اپنی نصرت کی طرف دعوت کی پس بجز چوالیس آدمیوں کے اور کسی نے آپکی اعانت قبول نہ کی آپ نے ان کو حکم کیا کہ صبح کے وقت سر منڈا کر مسلح ہو کر موت پر بیعت کے لئے حاضر ہوں، جب صبح ہوئی تو سوائے چار شخصوں کے ان میں سے اور کوئی نہ پہنچا، میں نے سلمان سے پوچھا چاروں کون کون تھے۔ کہا میں اور ابوذر اور مقداد اور زبیر بن العوام،

مصنف کتاب اختصاص نے عمرو بن ثابت سے روایت کی ہے،

قال سمعت اباعبد الله یقول ان النبی صلی الله علیه وسلم لما قبض ارتد الناس علی اعقابهم کفارا الا ثلثه سلمان والمقداد وابوذر الغفاری وانه لما قبض رسول اللهؐ جاء اربعون رجلا الی علی بن ابی طالب فقالوا لا والله لا نعطی احدا طاعة بعدك ابدا قال ولم قالوا سمعنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فیك یوم غدیر قال اتفعلون قالوا نعم قال فاتونی غدا محلقین فما اتاه الا هؤلاء

امام ابوعبداللہ سے سنا فرماتے تھے جب رسول اللہؐ نے وفات پائی سوائے سلمان، ابوذر، مقداد کے سب لوگ مرتد ہو گئے اور جب حضرتؐ کی وفات ہوئی تو جناب امیر کے پاس چالیس آدمی آئے اور کہا خدا کی قسم ہم آپ کے سوا کسی کی اطاعت کی بیعت نہ کریں گے، آپ نے فرمایا کیوں کہا کہ ہم نے حضرت سے سنا کہ وہ غدیر کے دن آپ کے باب میں فرماتے تھے۔ فرمایا مارنے مرنے پر راضی ہو کہا ہاں فرمایا تو صبح کو سر منڈا

الثلثة قال وجاء عمار بن یاسر بعد الظهر فضرب یده علی صدره قال له مالك ان تستیقظ من نومة الغفلة ارجعوا فلا حاجة لی فیکم انتم لم تطیعونی فی حلق الراس فکیف تطیعونی فی قتال جبال الحدید فلا حاجة فیکم،

کر میرے پاس آؤ، سوا ان تین آدمیوں کے اور کوئی آپ کے پاس نہ آیا امام ابوعبداللہ فرماتے ہیں کہ عمار بعد ظہر کے آیا آپ نے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا اپنی غفلت کی نیند سے اب تک بھی نہیں جاگا جاؤ مجھ کو تمہاری ضرورت نہیں جب سر منڈانے میں تم نے میری اطاعت نہ کی تو لوہے کے پہاڑوں کے ساتھ لڑائی میں کیونکر اطاعت کرو گے تمہاری مجھ کو کچھ حاجت نہیں،

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ روایت ہے،

عن ابی عیسی رفعه عن ابی عبد اللهؑ قال سلمان کان منه الی ارتفاع النهار فعاقبه الله ان وجی عنقه حتی صیرت مثل السلعة حمراء وابوذر منه الی وقت الظهر فعاقبه الله الی ان سلط علیه عثمان حتی حمله علی قتب واکل لحم الیته وطرده عن جوار رسول الله صلی الله علیه وسلم فاما الذی لم یتغیر منذ قبض رسول الله صلی الله علیه واله حتی فارق الدنیا طرفة عین فالمقداد ابن الاسود لم یزل قائما قابضا علی قائم السیف عیناه فی عینی امیر المومنین ینظر متی یامر من منتهی الکلام،

امام ابوعبداللہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ سلمان سے تاخیر دن چڑھے تک ہوئی خدا نے اس کو یہ سزا دی کہ اس کی گردن کو پامال کیا یہاں تک کہ مثل سرخ دمل یا رسولی کے ہو گئے اور ابوذر سے تاخیر ظہر تک ہوئی خدا تعالیٰ نے اس کو یہ سزا دی کہ عثمان کو اس پر مسلط کیا اس نے اس کو ایسے پالان پر سوار کیا جس سے اس کا سرین زخمی ہو گیا اور رسول اللہؐ کے پڑوس سے اس کو نکال دیا لیکن وہ شخص جو بعد وفات رسول اللہؐ کے مرنے تک معلق نہیں بدلا مقداد بن الاسود ہے ہمیشہ تلوار کا قبضہ پکڑے امیر المومنین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مستعدی کے ساتھ منتظر رہا کہ حضرت کب حکم فرماتے ہیں،

حاصل روایات یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے کوئی معصیت سے نہیں بچا بلکہ ارتداد سے نہیں بچا، حضرت مقداد اگرچہ داخل مرتدین نہیں لیکن فرار جنگ احد سے جو کبیرہ ہے اور جس کے حق میں وارد ہے فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا آپ کی طرف منسوب ہو گا اور کرام ہونے سے بروایات شیعہ خارج ہوں گے،

صحابہ مقبولین شیعہ بارہ ہزار تھے

پس اب دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے مجیب کا فرمانا کہ حاشا وکلا کہ شیعہ صحابہ کرام کو برُا جانتے ہوں فرما دیں توسہی وہ صحابہ جن کے کرام ہونے کے ہمارے مجیب قائل ہیں وہ کون ہیں کہ جن سے کوئی معصیت سرزد نہیں ہوئی وہ یہ ہی بزرگوار ہیں جن کے اوصاف کتب شیعہ سے مذکور ہوئے یا کوئی فرضی ہیں اگرچہ خصال ابو جعفر محمد بن بابویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ جن کی صفت حسب مذاق مجیب لبیب کرام ہو سکتی ہے بارہ ہزار ہیں،

حدثنا احمد بن جعفر الھمدانی قال حدثنا ابراھیم بن ھاشم عن ابیہ عن ابن ابی عمیرۃ عن ھشام بن سالم عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ اثنا عشر الفا ثمانیۃ آلاف من غیر المدینۃ والفان من المدینۃ والفان من الطلقاء لم یر فیھم قدری ولا مرجی ولا حروری ولا معتزلی ولا صاحب رای کانوا یبکون اللیل والنھار و یقولون اقبض ارواحنا قبل ان ناکل الخبز الخمیر انتھی

امام ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ اصحاب رسول اللہ کے بارہ ہزار تھے آٹھ ہزار مدینہ سے باہر کے اور دو ھزار مدینہ والے اور دو ھزار طلقاء ان میں نہ کوئی قدری تھا نہ کوئی مرجی تھا نہ کوئی خارجی تھا نہ کوئی معتزلی تھا نہ کوئی دین میں رائے کو دخل دینے والا تھا اور کہا کرتے تھے کہ خداوند خمیری روٹی کھانے سے پہلے ہماری جان نکال لے،

یہ تعداد کہ جن میں مدینہ اور غیر مدینہ سے دس ہزار اور طلقاء دو ہزار تھے اس میں معلوم نہیں وہ حضرات جن کے مناقب وفضائل کتب شیعہ سے بیان ہو چکے ہیں داخل ہیں یا خارج اور یہ حضرات باوجود ان محامد کے مرتدین میں معدود ہیں یا نہیں باہمی تناقض وتہافت روایات کچھ اسی موقع پر منحصر نہیں ہے، ماخذہ باول قارورۃ کسرت فی الاسلام صدہا روایات میں یہ ہی کیفیت تعارض وتناقض کی ہے بجز تقیہ کوئی مفر نہیں دھوکا تری دلیل العجز، پس جبکہ تمام صحابہ معاذ اللہ بروایات معتبرۂ قوم عاصی اور فاسق بلکہ مرتد ہوئے تو صفت احترازیہ ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس وقت صفت احترازیہ ہو سکتی ہے کہ جب بعض کرام اور بعض غیر کرام ہوں اور حسب اہل سنت کے نزدیک سب کرام ہیں تو حسب مذہب اہل سنت صفت احترازیہ

نہیں ہو سکتی اور شیعہ کے نزدیک سب غیر کرام ہیں تو ان کے نزدیک بھی صفت احترازیہ نہیں ہو سکتی تو اس سے ثابت ہوا کہ اہل سنت سب کو بہتر اور برتر سمجھتے ہیں اور بھلا کہتے ہیں اور شیعہ سب کو برُا سمجھتے ہیں اور بد کہتے ہیں، پس حضرت مجیب کا حصر کے ساتھ فرمانا کہ ان کو ہی برُا جانتے ہیں جس سے پایا جاتا ہے کہ بعض مراد ہیں غلط ہوا باقی رہا کتب فریقین سے ثابت کرنا سو یہ ایک خیال باطل ہے.

حضرات صحابہ کرام اور اہلسنت نیز شیعہ اور متعہ

کیونکہ اہلسنت کے نزدیک دو قاعدہ کلیہ مسلّم ہیں، اول یہ کہ بعد انبیاء کے کوئی معصوم نہیں دوم یہ کہ وصف صحابیت کے ساتھ جس میں ایمان بھی ماخوذ ہے کوئی معصیت مضرت نہیں پہنچاتی اور کرام ہونے سے نہیں خارج کرتی جیسا کہ شیعہ متعہ نکاح میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ متعہ کرنے سے درجہ حسینؓ کا پاوے اور دو دفعہ کرنے سے درجہ حسنؓ کا اور تین دفعہ میں علیؓ کا اور چار دفعہ متعہ میں خود حضرت افضل النبیین والمرسلین کا درجہ اڑا وے یا حب اہلبیت کے باب میں فرماتے ہیں کہ باوجود کفر کے بھی ذریعہ نجات وفلاح ہے تو جب وصف صحابہ کے ساتھ کوئی معصیت دون الکفر مضر نہیں تو اہلسنت کی کتابوں سے غیر کرام ثابت ہونا محال ہوا غایت مافی الباب کوئی روایت دال بر معصیت ہوگی سو وہ کرام ہونے سے خارج نہیں کرتے تو یہ بھی غلط ہوا کہ کتب فریقین سے ثابت کرتے ہیں ہاں آپ کی کتابوں سے بے شک صحابہ کا غیر کرام ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ ائمہ اور انبیاء کا بھی غیر کرام ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اس جگہ ہمارے مجیب وہی اپنا قدیمی جواب دے سکتے ہیں کہ یہ امر لازم مذہب ہے مذہب نہیں،

قولہ: اور اگر لفظ کرام صفت کاشفہ ہے اور یہ مطلب ہے کہ جملہ صحابہ کرام ہیں تو البتہ یہ محل نزاع ہے.

اقول: حضرت مجیب کی مناظرہ دانی اور جنہا داس جگہ قابل دیکھنے کے ہے کیوں حضرت صفت کاشفہ کس کو کہتے ہیں کیا بسم اللہ الرحمن الرحیم میں بھی صفت کاشفہ ہی ہے موصوف میں کون سا ابہام تھا جس کے کشف کی ضرورت ہے اور اگر بالفرض ابہام ہو بھی تو وہ باعتبار متعلق کے ہے یہ صفت مراد اس ابہام کو رفع نہیں کر سکتی بلکہ ایسے وہم کے لئے متعلق کی طرف

اضافت کرنا چاہیے مثلاً کہیں کہ صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیجیے ہم آپ کو بتائے دیتے ہیں ایسی صفات کو صفات مادحہ کہتے ہیں صفات کاشفہ نہیں کہتے یاد رکھیئے گا اور جب یہ صفت مادحہ ہوئی تو بس محل نزاع بیننا و بینکم یہ ہی ہے،

بحث فضائل صحابہ

قولہ: کل صحابہ کا کرام ہونا کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ اور خود اقوال و افعال صحابہ بلکہ خود صاحب تحفہ کی تحقیق سے جن کو آپ خاتم المحدثین فرماتے ہیں ثابت نہیں ہوتا بلکہ خلاف اس کے ثابت ہوتا ہے،

اقول: بفضل اللہ تعالیٰ کل اصحاب کا کرام ہونا علاوہ کتاب اللہ کے خود آپ کی روایات و قواعد سے بھی ثابت ہوتا ہے لیجیے مختصراً گذارش ہے،

آیات دالہ بر فضائل صحابہ

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،

(۱) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

ہو تم بہتر امت جو نکالے گئے ہو واسطے لوگوں کے حکم کرتے ہو ساتھ بھلائی کے اور منع کرتے ہو برائی سے اور ایمان لاتے ہو ساتھ اللہ کے۔

صاحب معالم الاصول کہتا ہے،

وما وضع لخطاب المشافهة نحو يايها الذين امنوا و يايها الناس لايعم بصيغته من تاخر عن زمن الخطاب وانما يثبت لهم بدليل اخر وهو قول صحابنا واكثر اهل الخلاف

جو لفظ خطاب مشافہہ کے لئے موضوع ہے مثل یا یہا الناس اور یا یہا الذین آمنوا کے وہ خطاب ہے پچھلے لوگوں کو اپنے صیغہ کے اعتبار سے شامل نہیں ہوتا ان کے لئے حکم صرف دوسری دلیل سے ثابت ہوتا ہے ہمارے اصحاب اور اکثر اہل خلاف کا یہ ہی قول ہے۔

تو اس قاعدہ کی رو سے یہ خطاب صحابہ مہاجرین اور انصار کی شان میں وارد ہے اور وہی خیر امت ہیں اور مفسرین شیعہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اصحاب ہی کو مراد رکھا ہے صاحب مجمع البیان لکھتا ہے

واختلف في المعنى بالخطاب فقيل هو المهاجرون خاصة وقيل هو خطاب للصحابة ولكنه يعم سائر الامة.

اختلاف ہوا ہے کہ خطاب سے کون مخاطب مراد ہے بعضوں نے کہا کہ صرف مہاجرین مراد ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ خطاب جمیع صحابہ کو ہے۔ لیکن تمام امت کو شامل ہے

(۲) لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۔

نہیں وہ برابر صاحب کتاب کے ایک جماعت ہے قائم پڑھتے ہیں آیتیں خدا کے اوقات رات میں اور وہ سجدہ کرتے ہیں ایمان لاتے ہیں ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے اور حکم کرتے ہیں ساتھ بھلائی کے اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں بیچ بھلائیوں کے اور یہ لوگ صالحوں سے ہیں اور جو کچھ کریں وہ بھلائی سے پس ہرگز نہ کی جاوے گی ناقدری اس کی اور اللہ جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو،

اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے ان اہل کتاب کی مدح فرمائی جو اپنے دین کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور اصحاب کے زمرہ میں شامل ہوئے۔ تفسیر صافی میں اس کی تفسیر میں لکھا ہے

ليسوا يعني اهل الكتب سواء في دينهم من اهل الكتب امة قائمة على الحق وهم الذين اسلموا منهم

(۳) وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔

اور جب صبح کو نکلا تو لوگوں اپنے سے ٹھہرا دیتا تھا مسلمانوں کو بیٹھنے کے واسطے لڑائی کے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے جب قصد کیا تھا دو فرقے نے تم میں سے یہ کہ نامردی کریں اور اللہ دوستدار تھا ان کا اور پر اللہ کے پس چاہیئے کہ توکل کریں ایمان والے

اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے انصار کے دو قبیلوں بنی سلمہ اور بنی حارثہ کے لئے کیسا کچھ خوشنودی عتا فرمایا اور اس سے ان کی کس قدر فضیلت ثابت ہوئی۔ مجمع البیان طبرسی میں ہے،

هم بنو سلمة وبنو حارثة حيان من الانصار، قيل هم بنو سلمة من الخزرج و

وہ دونوں گروہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ انصار کے دو قبیلے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنو سلمہ قبیلہ خزرج سے تھا

بنو حارثۃ من الاوس وکان جناحی العسکر — اور بنو حارثہ قبیلہ اوس سے اور یہ لشکر کے دو بازو تھے

اس جگہ حضرت مفسر صافی وقمی کی دیانت و دین قابل تماشا ہے وہ طائفتان منکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عبداللہ بن ابی رئیس منافقین اور اس کے اصحاب ہیں۔ اول تو اس سے لفظ طائفتان جو تثنیہ واقع ہے صریح انکار کرتا ہے۔ بعد اس کے لفظ منکم اس کی مخالفت ہے پھر بایں ہمہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اللہ ان کا ولی ہے تو اگر منافقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کی موالات تسلیم کی جائے گی تو بہت سے دلائل قطعیہ شیعہ کا استیصال ہو جائے گا۔

(۴) اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ

تحقیق جو لوگ پیٹھ موڑ گئے تم میں سے اس دن کہ ملیں دو جماعتیں سوا اس کے نہیں کہ ڈگا دیا ان کو شیطان نے بعض اس چیز سے کہ کمایا تھا انہوں نے اور تحقیق معاف کیا اللہ نے ان سے تحقیق اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے۔

(۵) اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ

جن لوگوں نے قبول کیا واسطے اللہ کے اور رسول کے پیچھے اس کے کہ پہنچے ان کو زخم واسطے ان لوگوں کے کہ نیکی کرتے ہیں ان میں سے اور پرہیزگاری کرتے ہیں ثواب بڑا، وہ لوگ کہ کہا ان کو لوگوں نے تحقیق آدمی تحقیق جمع ہوئے ہیں واسطے تمہارے پس ڈرو تم پس زیادہ کیا ان کو ایمان اور کہا انہوں نے کفایت ہے ہم کو اللہ اور اچھا کارساز ہے۔

(۶) فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ

پس قبول کیا واسطے ان کے رب ان کے نے یہ کہ میں ضائع نہیں کروں گا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم میں سے مرد سے یا عورت سے بعض تمہارے بعضوں سے ہیں پس جن لوگوں نے وطن چھوڑا اور نکالے گئے گھروں اپنے سے اور ایذا دیے گئے بیچ راہ میری کے اور لڑے اور مارے گئے البتہ دور کروں گا میں ان سے برائیاں ان کی اور البتہ داخل کروں گا میں ان کو بہشتوں میں چلتی ہیں نیچے ان کے سے نہریں ثواب نزدیک خدا کے سے اور اللہ نزدیک اس کے ہے اچھا ثواب

اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے مہاجرین کے لئے تکفیر سیئات اور ادخال جنات اور ثواب عظیم کا وعدہ فرمایا ہے جس کا خلف محال ہے اور تکفیر سیئات سے اس طرف اشارہ ہے

کہ ان سے وقوع سیئہ کچھ ممتنع نہیں ہے اور نہ قادح ان کی افضلیت کو ہے۔

(۷) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ

اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور وطن چھوڑا اور جہاد کیا بیچ راہ اللہ کے اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ وہ ہیں ایمان لانے والے سچے ان کے واسطے بخشش ہے اور رزق ہے باکرامت۔

حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت شریفہ سے مہاجرین و انصار کے لئے افضلیت فی الایمان کی شہادت دی، اور ضمیر فصل کے توسط سے جو حصر کو مفید ہے ان کے کمال ایمان کو محقق فرمایا اور ان کے لئے مغفرت اور ثواب رفیع کا وعدہ فرمایا، لیکن افسوس کہ حضرات شیعہ نے ان کے حق میں مغفرت عظیم کو لعنت فاحشہ سے اور ایمان کامل کو کفر شدید سے اور ثواب کریم کو عذاب عظیم سے بدل دیا، سبحانک ہذا بہتان عظیم۔

(۸) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

اور آگے بڑھ جانے والے پہلے ہجرت کرنے والوں سے اور مدد دینے والوں سے اور وہ لوگ کہ پیروی کرتے ہیں ان کے ساتھ نیکی کی راضی ہوا اللہ ان سے اور راضی ہوئے وہ اس سے اور تیار کی واسطے ان کے بہشتیں چلتی ہیں نیچے ان کے نہریں ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے ہمیشہ یہ ہے مراد پانا بڑا۔

اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کی جو کچھ مدح فرمائی محتاج شرح نہیں حضرات شیعہ اس کی تاویل بلکہ تحریف میں بجز اس کے اور کچھ نہیں کر سکتے کہ اس کو ابوذر رض و مقداد وغیرہ کے ساتھ مخصوص فرمائیں اور پہلے ان کے حالات معلوم ہو ہی چکے ہیں علاوہ ازیں جمع معرف بلام الفاظ عموم سے ہیں بالاتفاق۔

(۹) اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ

تحقیق اللہ مول لیتا ہے مسلمانوں سے جانیں اور مال ان کے بسبب اس کے کہ واسطے ان کے بہشت ہے کہ لڑیں گے بیچ راہ اللہ کے پس ماریں گے اور مارے جاویں گے وعدہ ہے اوپر اس کے سچا بیچ توریت کے اور انجیل کے اور قرآن مجید کے اور کون شخص پورا کرنے والا ہے

فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

عہد اپنے کو اللہ سے پس خوش وقت ہو تم سودے اپنے کے ہے جو سوداگری کی تم نے ساتھ اس کے اور یہ وہ ہے مراد پانا بڑا۔ توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہیں تعریف کرنے والے ہیں پھرنے والے ہیں سجدہ کرنے والے ہیں حکم کرنے والے ہیں ساتھ بھلائی کے اور منع کرنے والے ہیں نامعقول سے اور نگاہ رکھنے والے ہیں حدوں اللہ کی کو اور بشارت دے ایمان والوں کو۔

(۱۰) لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

البتہ پھر آیا اللہ اوپر نبی کے اور وطن چھوڑ دینے والوں کے اور مدد دینے والوں کے جس نے پیروی کی اس کی بیچ وقت سختی کے پیچھے اس کے نزدیک تھا کہ کج ہو جاویں دل ایک جماعت کے ان میں سے پھر آیا اوپر ان کے تحقیق وہ ساتھ ان کے شفقت کرنے والا مہربان ہے اور اوپر تین شخصوں کے جو کہ پیچھے چھوڑے گئے تھے یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی اوپر ان کے زمین ساتھ اس کی کشادہ تھی اور تنگ ہو گئی اوپر ان کی جان ان کی اور جانا انھوں نے کہ نہیں پناہ اللہ سے مگر طرف اس کے پھر پھر آیا اوپر ان کے تو کہ پھر آویں وہ تحقیق اللہ وہ ہے پھر آنے والا مہربان۔

(۱۱) الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

جو لوگ کہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا بیچ راہ اللہ کے ساتھ مالوں اپنے کے اور جانوں اپنی کے بڑے ہیں درجے میں نزدیک اللہ کے اور یہ لوگ وہی ہیں مراد پانے والے بشارت دیتا ہے ان کو رب ان کا ساتھ مہربانی کے اپنی طرف سے اور رضامندی کے اور بہشتوں کے واسطے ان کے بیچ ان کے نعمت ہے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بیچ اس کے ہمیشہ تحقیق اللہ نزدیک اس کے ہے ثواب بڑا۔

(۱۲) لٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

لیکن رسول اور جو لوگ کہ ایمان لائے ساتھ اس کے جہاد کیا انہوں نے ساتھ مالوں اپنے کے اور جانوں اپنی کے اور یہ لوگ واسطے ان کے بھلائی ہے اور یہ لوگ وہ ہیں فلاح پانے والے تیار کی ہیں اللہ نے واسطے ان کے بہشتیں چلتی ہیں نیچے ان کے نہریں ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے یہ ہے مراد پانا بڑا۔

(۱۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو کوئی پھر جاوے گا تم میں سے دین اپنے سے پس البتہ لاوے گا اللہ ایک قوم کو کہ پیار کرتا ہے وہ ان کو اور پیار کرتے ہیں وہ اس کو نرمی کرنے والے ہیں اوپر مسلمانوں کے سختی کرنے والے ہیں اوپر کافروں کے جہاد کریں گے بیچ راہ اللہ کے اور نہ ڈریں گے ملامت کرنے کسی ملامت کرنے والے سے یہ بڑائی اللہ کی ہے دیتا ہے اس کو جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے جاننے والا سوائے اس کے نہیں کہ دوست تمہارا اللہ ہے اور رسول اس کا اور وہ لوگ کہ ایمان لائے وہ لوگ کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔

(۱۴) أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ

اذن دیا گیا واسطے ان لوگوں کے کہ لڑائی کی جاتی ہے ان سے بسبب اس کے کہ وہ ظلم کئے گئے ہیں اور تحقیق اللہ اوپر مدد ان کی کے البتہ قادر ہے وہ لوگ کہ نکالے گئے گھروں اپنے سے ناحق مگر یہ کہ کہا انہوں نے پروردگار ہمارا اللہ ہے اور اگر نہ ہوتا دور کرنا اللہ کا لوگوں کو بعضے ان کے کو بعضے سے البتہ ڈھائے جاتے خلوت خانے درویشوں کے اور عبادت خانے نصاریٰ کے اور عبادت خانے یہود کے اور مسجدیں کہ نام لیا جاتا ہے بیچ اس کے نام اللہ کا بہت اور البتہ مدد دیوے گا اللہ اس کو مدد دیتا

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ

ہے اس کو تحقیق اللہ البتہ قوی زور آور ہے غالب ہے وہ لوگ کہ اگر قدرت دیں ہم ان کو بیچ زمین کے قائم رکھیں نماز کو اور دیں زکوٰۃ کو اور حکم کریں ساتھ بھلائی کے اور منع کریں نامعقول سے اور واسطے اللہ کے ہے انجام سب کاموں کا

(۱۵) وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

اور محنت کرو بیچ راہ اللہ کے حق محنت اس کے کے اسی نے برگزیدہ کیا تم کو اور نہیں کی اوپر تمہارے بیچ دین کے کچھ تنگی دین باپ تمہارے ابراہیم کا اس نے نام رکھا ہے تمہارا مسلمان پہلے سے اور بیچ اس کتاب کے ہے نام رکھا گیا مسلمان تو کہ ہو پیغمبر گواہ اوپر تمہارے اور ہو تم گواہ اوپر لوگوں کے پس قائم رکھو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو اور حکم پکڑو ساتھ اللہ کے وہی ہے دوست تمہارا پس بہت اچھا دوست ہے اور اچھا مددگار

(۱۶) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا

وہی ہے جس نے اتاری تسکین بیچ دلوں ایمان والوں کے تو کہ بڑھ جاویں ایمان میں ساتھ ایمان اپنے کے اور واسطے اللہ کے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا تا کہ داخل کرے ایمان والوں کو اور ایمان والیوں کو بہشتوں میں چلتی ہیں نیچے ان کے سے نہریں ہمیشہ رہنے والی بیچ اس کے اور دور کرے ان سے برائیاں ان کی اور ہے یہ نزدیک اللہ کے مراد پانا بڑا

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ

کہہ واسطے پیچھے چھوڑے گیوں کے گنواروں سے شتاب بلائے جاؤ گے طرف ایک قوم سخت لڑائی والے کی لڑو گے تم ان سے یا مسلمان ہو جاویں گے پس اگر حکم مانو گے تو دیوے گا تم کو اللہ تعالیٰ ثواب اچھا اور اگر

قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا

پھر جاؤ گے تم جیسا پھر گئے تھے پہلے سے عذاب کرے گا تم کو عذاب درد دینے والا نہیں اوپر اندھے کے تنگی اور نہ اوپر لنگڑے کے تنگی اور نہیں اوپر بیمار کے تنگی اور جو کوئی فرمانبرداری کرے اللہ کی اور رسول اس کے کی داخل کرے گا اس کو بہشتوں میں چلتی ہے نیچے ان کے سے نہریں اور جو کوئی پھر جاوے گا عذاب کرے گا اس کو عذاب درد دینے والا

(۱۸) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

البتہ تحقیق راضی ہوا اللہ مسلمانوں سے جس وقت بیعت کرتے تھے تجھ سے نیچے درخت کیکر کے پس جانا جو کچھ بیچ دلوں ان کے کے تھا پس اتاری تسکین اوپر ان کے اور ثواب دیا ان کو فتح نزدیک اور لوٹیں بہت کہ لیویں گے اس کو اور ہے اللہ غالب حکمت والا

(۱۹) اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا

جس وقت کیا ان لوگوں نے کہ کافر ہوئے بیچ دلوں اپنے کے کد کہ جاہلیت کے پس اتاری اللہ نے تسکین اوپر رسول اپنے کے اور اوپر ایمان والوں کے اور لازم کرے ان کو بات پرہیزگاری کی اور تھے وہ بہت حق دار ساتھ اس کے اور لائق اس کے اور ہے اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا

(۲۰) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ

محمد رسول اللہ کا ہے اور جو لوگ کہ ساتھ اس کے ہیں سخت ہیں اوپر کفار کے رحم دل ہیں درمیان اپنے دیکھتا ہے تو ان کو رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے چاہتے ہیں فضل خدا کا اور رضامندی اس کی نشانی ان کی بیچ مونہوں ان کے کے اثر سجدہ کے ہے یہ ہے صفت ان کی بیچ توریت کے اور صفت ان کی بیچ انجیل کے جیسی کھیتی نکالی ہو اپنی سوئی پس قوی کرے اس کو پس موٹی ہو جاوے پس کھڑی ہو جاوے اوپر

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيمًا

جڑ اپنی کے خوش لگتی ہے کھیتی کرنے والوں کو تو کہ غصہ میں لاوے اللہ بسبب ان مسلمانوں کے کافروں کو وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں کو کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے ان میں سے بخشش اور ثواب بڑا۔

(۲۱) لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ اَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

نہیں برابر تم میں سے وہ شخص کہ جس نے خرچ کیا تھا پہلے فتح مکہ سے اور لڑائی کی تھی یہ لوگ بڑے ہیں درجوں میں ان لوگوں سے کہ خرچ کیا انہوں نے پیچھے اس سے اور لڑائی کی اور ہر ایک کو وعدہ دیا اللہ نے اچھا اور اللہ ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہو تم خبردار ہے۔

(۲۲) لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَلَوْ كَانُوٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔

نہ پاوے گا تو کسی قوم کو کہ ایمان لائے ہوں ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے دوستی کریں اس شخص کی کہ مقابلہ کرتا ہے اللہ کا اور رسول اس کے کا اور اگرچہ ہوں باپ ان کے یا بیٹے ان کے یا بھائی ان کے یا کنبہ ان کا یہ لوگ لکھ دیا ہے بیچ دلوں ان کے کے ایمان اور قوت دی ہے ان کو ساتھ روح کے اپنی طرف سے اور داخل کرے گا ان کو بہشتوں میں چلتی ہیں نیچے ان کے سے نہریں ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے راضی ہوا اللہ ان سے اور راضی ہوئے وہ اس سے یہ لوگ ہیں گروہ خدا کے خبردار ہو تحقیق گروہ اللہ کے وہ ہیں فلاح پانے والے

(۲۳) لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِينَ الَّذِينَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُونَ
(۲۴) وَالَّذِينَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ

یہ مال واسطے فقیروں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے گئے گھروں اپنے سے اور مالوں اپنے سے چاہتے ہیں فضل خدا کا سے اور رضامندی اور مدد دیتے ہیں خدا کو اور رسول اس کے کو یہ لوگ وہ ہیں سچے اور واسطے ان لوگوں کے کہ جگہ پکڑی ہے گھر ہجرت کے یعنی مدینہ اور ایمان میں پہلے ان سے دوست

وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔

رکھتے ہیں ان کو جو وطن چھوڑتے ہیں طرف ان کے اور نہیں پاتے بیچ دلوں اپنے کے خلش اس چیز سے کہ دیئے جاویں مہاجرین اور اختیار کرتے ہیں اوپر جانوں اپنی کے اور اگرچہ ہو ان کو تنگی اور جو کوئی بچایا جاوے بخیلی جان اپنی کی سے پس یہ لوگ وہ ہیں فلاح پانے والے۔

علیٰ ہذا القیاس اور بہت آیات ہیں جو عموماً و خصوصاً صحابہ کرام کی مدح میں وارد ہوئیں اور جن سے صحابہ کرام مہاجرین و انصار کے فضائل و مناقب ثابت ہوتے ہیں، منصف لبیب کے واسطے تو ایک آیت بھی کافی ہے، اور ناانصافی کے سامنے تمام قرآن بھی مفید نہیں، اس لئے ہم نے اس جگہ چند آیات کے مختصر بیان پر اکتفا کر کے بعض آیات کو بخوف تطویل بلا تقریر استدلال ذکر کر دیا۔

کتب شیعہ میں صحابہ کا کرام و بزرگ ہونا

اب مختصراً اپنی ان روایات کو سن لیجئے جن سے صحابہ کا کرام ہونا کالشمس فی رابعۃ النہار ثابت ہوتا ہے (۱) سید دلدار علی لکھنوی نے اساس الاصول میں صفحہ ۸۷ پر اور بحار مجلسی کی جلد اول میں صفحہ ۵۰۴ پر لکھی ہے ہم الفاظ اساس کے لکھتے ہیں۔

منہا ما اوردہ الصدوق فی کتاب معانی الاخبار عن ابن الولید عن الصفار عن الخشاب عن ابن کلوب عن اسحق بن عمار عن الصادق عن ابائہ ومحمد بن الحسن الصفار فی بصائر الدرجات والشیخ الطبرسی فی کتاب الاحتجاجات عن الصادق عن رسول اللہ قال ما وجدتم فی کتاب اللہ عزوجل فالعمل بہ لازم ولا عذر لکم فی ترکہ وما لم تکن فی کتاب اللہ عزوجل

امام جعفر صادق ؑ سے مروی ہے فرمایا جو کچھ تم کتاب اللہ میں پاؤ اس پر عمل کرنا لازم ہے اور اس کے چھوڑنے میں تم کو کوئی عذر نہیں اور جو کتاب اللہ میں نہ ہو اور میری سنت میں ہو تو میری سنت کے ترک میں بھی تم کو کوئی عذر نہیں اور جو میری سنت میں نہ ہو تو جو میرے اصحاب کہیں اس کو تسلیم کرو میرے اصحاب کی مثل ستاروں کی ہے جس کو

وکان فی سنة منی فلا عذر لکم فی ترک سنتی وما لم یکن فی سنتی فما قال اصحابی فقولوا مثل اصحابی فیکم کمثل النجوم بایها اخذ اهتدی وبای اقاویل الصحابة اخذتم اهتدیتم واختلاف اصحابی لکم رحمة. قیل یا رسول اللہ من اصحابک قال اهل بیتی۔

اختیار کرو گے ہدایت پاؤ گے اور صحابہ کے جس قول کو لو گے ہدایت پاؤ گے اور میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے اصحاب کون ہیں فرمایا میرے اہل بیت۔

یہ سوال وجواب جو خاتمہ روایت میں درج ہے یہ سراسر حضرت صدوق کی گھڑت ہے کیونکہ لفظ اصحاب کوئی پہیلی چیستان نہیں تھا جس کے حل کی ضرورت تھی پھر بیان اختلاف خود اس کو مبطل ہے، علاوہ جامع الاستغفار کی روایت اس منصوبہ کو صریح باطل کر رہی ہے

(۲) حدثنا الحاکم ابو علی الحسن بن احمد البیهقی قال حدثنا محمد بن یحیی الصولی قال حدثنا محمد بن موسی بن نصر الرازی قال حدثنی ابی قال سئل الرضا علیه السلام عن قول النبی اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم وعن قوله دعوا لی اصحابی فقال هذا صحیح. عن ایات بینات. از جامع الاخبار

کسی نے امام رضا رضی اللہ عنہ سے حضرت کے قول کا حال پوچھا اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم ودعوا لی اصحابی، آپ نے فرمایا یہ قول صحیح ہے۔

(۳) انا کالشمس وعلی کالقمر واصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم. عن ایات بینات.

میں مثل آفتاب کے ہوں اور علی مثل چاند کے ہے اور میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے راہ ہدایت پاؤ گے۔

(۴) اللهم واصحاب محمد خاصة الذین احسنوا الصحابة والذین ابلوا البلاء الحسن فی نصره. صحیفه کامله.

الٰہی اور رحمت بھیج اصحاب محمد پر خاص کر ان پر جنہوں نے اچھی مصاحبت کی اور اس کی معاونت میں اچھی آزمائش میں مبتلا ہوئے۔

امام حسن عسکریؑ کی تفسیر میں ہے۔

(۵) ان رجلا من یبغض آل محمد و

تحقیق جو شخص کہ آل محمد سے یا اصحاب

اصحابه او واحدا منهم یعذبه اللہ عذابا لو قسم علی مثل ما خلق اللہ لاهلکهم اجمعین. عن ایات بینات.

محمد سے یا اُن میں سے کسی سے بغض رکھتا ہے خدا اس کو ایسا عذاب کرے گا اگر اس کو تمام مخلوق میں بانٹ دے تو وہ سب کو ہلاک کر دے۔

امام کی تفسیر میں ہے۔

(۶) فقال یا موسی اما علمت ان فضل صحابة محمد علی صحابة جمیع المرسلین کفضل آل محمد علی آل جمیع النبیین. عن ایات بینات.

فرمایا کیا تو نہیں جانتا کہ محمد کے اصحاب کی بزرگی اور فضیلت تمام رسولوں کے اصحاب پر ایسی ہے جیسے آل محمد کی فضیلت تمام نبیوں کی آل پر۔

جامع الاخبار میں ہے۔

(۷) قال النبی من سبنی فاقتلوه ومن سب اصحابی فاجلدوه.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ کو برا کہے اس کو قتل کرو اور جو میرے اصحاب کو برا کہے اور سب کہے اس کے کوڑے مارو۔

جلد اول بحار مجلسی کے صفحہ ۱۱۳ پر مذکور ہے۔

(۸) علی عن ابیه عن ابن ابی نجران عن ابن حمید عن ابن حازم قال قلت لابی عبد اللہ علیه السلام ما بالی اسئلک عن المسئلة فتجیبنی بالجواب ثم یجیئک غیری فتجیبه بجواب آخر فقال انا نجیب الناس علی الزیادة والنقصان قال قلت فاخبرنی عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله صدقوا علی محمد ام کذبوا قال بل صدقوا قلت فما بالهم اختلفوا فقال اما تعلم ان الرجل کان یاتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله فیسأله عن المسئلة فیجیبه فیه

ابن حازم سے مروی ہے کہتا ہے میں نے امام ابو عبداللہ کی خدمت میں عرض کیا میرا کیا حال ہے میں آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہوں آپ مجھ کو کچھ جواب دیتے ہیں پھر وہی مسئلہ دوسرا شخص آکر پوچھتا ہے آپ اس کو کچھ اور جواب دیتے ہیں۔ فرمایا ہم لوگوں کو کم و بیش جواب دیتے ہیں کہتا ہے میں نے عرض کیا یہ تو مجھ کو بتلایئے کہ اصحاب رسول اللہ نے احادیث رسول اللہ میں سچ بولا ہے یا جھوٹ بولا ہے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ سچ بولا ہے میں نے پوچھا تو پھر باہمی اختلاف کی کیا وجہ ہے فرمایا تو نہیں جانتا کہ حضرتؐ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہو کر کوئی مسئلہ پوچھتا تھا اور آپ اس کو جواب دیتے تھے پھر بعد اس کے اس کا ناسخ

بالجواب ثم یجیبه بعد ذلك بما ینسخ ذلك الجواب فنسخت الاحادیث بعضها بعضاً

جواب میں فرما دیتے تھے تو بعض احادیث بعض کی ناسخ ہیں۔

امام کے اس ارشاد سے صاف ثابت ہے کہ صحابہ روایات حدیث میں سچے اور عدول اور ثقہ ہیں۔

(۹) وقال علیه السلام فی مدح الانصار والله ربوا الاسلام کما یربی الفلو مع غنائهم بایدیهم السباط و السنتهم السلاط والفلو المهر والسباط السماح ویقال للماهر فی الطعن انه سبط الیدین ای انه لقیف فیه والسلاط الحداد والفصیحة۔ شرح نہج البلاغة ابن میثم۔

جناب امیرؓ نے انصار کی مدح میں فرمایا خدا کی قسم انہوں نے باوجود اپنی تکلیف و حاجت کے اسلام کو پرورش کیا جیسا بچھیرے کو پرورش کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں سخاوت ہے اور زبانوں میں طلاقت و فصاحت۔

(۱۰) منها فی خطاب اصحابه وقد بلغتم من کرامة الله لکم منزلة تکرم بها اماؤکم وتوصل بها جیرانکم ویعظمکم من لا فضل لکم علیه ولا ید لکم عنده ویهابکم من لا یخاف لکم سطوة ولا لکم علیه امرة وقد ترون عهود الله منقوضة فلا تغضبون وانتم لنقض ذمم آبائکم تانفون وکانت امور الله علیکم ترد وعنکم تصدر والیکم ترجع فمکنتم الظلمة من منزلتکم والقیتم الیهم ازمتکم واسلمتم امور الله فی ایدیهم یعملون بالشبهات ویسیرون فی الشهوات وایم الله لو فرقوکم تحت کل کوکب لجمعکم الله لشر یوم لهم اقول کرامة الله بهم

اپنے اصحاب کو خطاب کر کے فرمایا تم اللہ کی بزرگی سے جو تم کو حاصل ہوئی ایسے مرتبہ پر پہنچ گئے ہو جس سے تمہاری چھوکریوں کی تکریم ہوتی ہے اور تمہارے پڑوسیوں کے ساتھ پیوند جوڑتے ہیں اور وہ لوگ جن پر تم کو کچھ فوقیت نہیں ہے اور تمہارا کچھ احسان نہیں ہے تمہاری تعظیم کرتے ہیں اور جو لوگ نہ تمہارے غلبہ سے ڈرتے ہیں اور نہ تمہاری ان پر حکومت ہے وہ تمہاری ہیبت مانتے ہیں دیکھ رہے ہو کہ خدا تعالیٰ کے عہود توڑے جاتے ہیں اور تم کو کچھ غصہ نہیں آتا حالانکہ تم اپنی لونڈیوں کے بھی عہد ٹوٹنے سے ناک چڑھاتے ہو اور اللہ کے کام تمہارے ہی اوپر وارد ہوتے تھے اور تم ہی سے نکلتے تھے اور تمہاری طرف ہی واپس ہوتے ہیں پس تم نے ظالموں کو اپنے مرتبہ میں متمکن کر دیا اور اپنی مہاریں ان کے حوالہ کر دیں اور اللہ کے کام ان کے ہاتھوں میں سونپ دیئے کہ شبہات کے ساتھ عمل کرتے ہو

بالاسلام وقوله وکانت امور الله الی قوله ترجع ای انکم کنتم اهل الاسلام والحل والعقد فیه لانهم المهاجرون والانصار والظلمة البغاة وامور الله التی اسلمت فی ایدیهم احوال العباد والبلاد۔ شرح نہج البلاغة ابن میثم۔

اور اپنی نفسانی خواہشوں میں چلتے ہو، خدا کی قسم اگر وہ تم ہر لشکر کے نیچے متفرق کر دیں گے تو خدا تم کو ان کے کسی برے دن کے لئے جمع کرے گا شارح کہتا ہے کہ اللہ کی کرامت ان کے لئے اسلام ہے، اور قول کانت امور سے لے کر ترجع تک سے یہ مراد ہے کہ تم اہل اسلام ہو اور اسلام میں اہل حل وعقد ہو یعنی مہمات اسلام کا کھولنا باندھنا تمہاری ہی رائے پر منحصر ہے۔ کیونکہ تم مہاجرین والضار ہو اور ظالموں سے مراد باغی ہیں اور اللہ کے امور جو ان کے ہاتھوں میں سپرد ہیں آدمیوں کے اور شہروں کے احوال ہیں۔

(۱۱) ومن کلام له علیه السلام للخوارج فان ابیتم الا ان تزعموا انی اخطات و ضللت فلم تضللون عامة امة محمد صلی الله علیه وآله بضلالی الخ۔ نہج البلاغة

آپ کی کلام جو بمقابلہ خوارج فرمائی۔ اگر تم میری خطا کے قائل ہونے اور مجھ کو گمراہی کی طرف نسبت کرنے سے باز نہ آؤ میری گمراہی کے سبب سے تمام امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں گمراہ بتاتے ہو۔ حاصل یہ کہ اگر میں گمراہ ہوں تو لازم آتا ہے کہ اہل حل وعقد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے مجھ کو خلیفہ بنایا سب کے سب گمراہ کے خلیفہ بنانے کے سبب گمراہ ہوں اور ان سب کی گمراہی محال ہے تو میں بھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔

(۱۲) ومن کتاب له علیه السلام الی معویة انه بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوهم علیه فلم یکن للشاهد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوری للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموه اماما کان ذلك لله رضی فان خرج من امرهم خارج بطعن او بدعة ردوه الی ما خرج منه فان ابی قاتلوه علی اتباعه غیر سبیل المومنین

امیر معویہؓ کو آپ نے فرمان لکھا کہ میرے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر و عمر و عثمانؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی جس امر پر ان سے بیعت کی تھی اسی امر پر مجھ سے بیعت کی ہے۔ اس صورت میں نہ حاضر کو کچھ اختیار باقی ہے اور نہ غائب کو رد کی گنجائش ہے مشورہ صرف مہاجرین و انصار کا ہی ہے۔ اگر وہ کسی شخص پر مجتمع ہو جاویں اور اس کو امام بنا لیویں تو خدا کی رضامندی بھی اسی میں ہے پھر اگر کوئی نکلنے والا طعن کر کے یا بدعت نکال کر ان کے کام میں سے نکلے تو اس کو وہیں لوٹا دیں جس جگہ سے نکلا ہے اور اگر انکار کرے تو اس سے مومنین

وولاه الله ما تولى ويصله جهنم وساءت مصيرا۔ نہج البلاغۃ۔

کے رستہ کے سوا پیروی کرنے پر لگا رہے چھوڑ دیں گے ہم اس کو جدھر وہ متوجہ ہوا ہے اور خدا اس کو جہنم میں داخل کرے گا اور وہ بری جگہ ہے۔

(۳) ما كنت الا رجلا من المهاجرين اوردت كما اوردوا واصدرت كما اصدروا وما كان الله ليجمعهم على الضلالة و يضربهم بالعمى۔ شرح نہج البلاغۃ

میں صرف ایک شخص مہاجرین میں سے ہوں جس طرح وہ وارد ہوئے میں بھی وارد ہوا اور جس طرح وہ لوٹے میں بھی لوٹا اور ہرگز خدا ان کو گمراہی پر اکٹھا نہ کرے گا اور ان کو حق سے اندھے ہونے میں مبتلا نہ فرمائے گا۔

(۴) ان هذا الامر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا بقلة وهو دين الله الذي اظهره وجنده الذي اعزه وامده حتى بلغ ما بلغ وطلع من حيث طلع ونحن على موعود من الله الخ نہج البلاغۃ

اس دین کی نصرت اور اس کی ذلت کچھ قلت و کثرت تعداد پر نہیں ہے کیونکہ وہ خدا کا دین ہے جس کو غالب کیا اور اسی کا لشکر ہے جس کو عزت دی اور جس کی تائید کی یہاں تک کہ جس مرتبہ پر پہنچنا تھا پہنچ گیا اور جس جگہ سے نکلنا تھا نکل آیا اور ہم اللہ کے وعدہ پر ہیں۔

(۵) ومن كلام له عليه السلام في معنى الانصار قالوا لما انتهت الى امير المومنين انباء السقيفة بعد وفات رسول الله قال ما قالت الانصار قالوا قالت منا امير ومنكم امير قال عليه السلام فهلا احتججتم عليهم ان رسول الله وصى بان يحسن الى محسنهم ويتجاوز عن مسيئهم۔ نہج البلاغۃ

انصار کے باب میں آپ نے یہ کلام فرمایا بعد وفات حضرت کے جب اصحاب سقیفہ جناب امیر کے پاس پہنچے تو آپ نے پوچھا کہ انصار نے کیا کہا انہوں نے عرض کیا کہ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو تو جناب امیر نے فرمایا تم نے یہ دلیل کیوں نہ پیش کی کہ حضرت رسول نے وصیت فرمائی ہے کہ انصار کے نیکوکاروں کے ساتھ سلوک کیا جاوے اور گنہگاروں سے درگذر کی جاوے۔

ومن كلام له عليه السلام وقد شاور عمر بن الخطاب في الخروج الى غزوة الروم وقد توكل الله لاهل هذا الدين باعزاز الحوزة وستر العورة والذي نصرهم

آپ کی تقریر جب کہ حضرت عمر نے غزوہ روم میں خود جانے کا قصد کیا۔ اللہ اس دین والوں کی عزت اور پردہ پوشی کا ضامن ہے جس نے ان کی قلت کے وقت مدد کی تھی جب کہ یہ مدد نہ کئے جاتے تھے اور

وهم قليل لا ينتصرون ومنعهم وهم قليل لا يمتنعون حي لا يموت انك متى تسر الى هذا العدو بنفسك فتلقهم فتنكب لا يكن للمسلمين كانفة دون اقصى بلادهم وليس بعدك مرجع يرجعون اليه فابعث اليهم رجلا مجربا واحفز معه اهل البلاء والنصيحة فان اظهر الله فذاك ما تحب وان يكن الاخرى كنت ردءا للناس ومثابة للمسلمين۔

ان سے دشمنوں کو روکا تھا جب کہ یہ قلیل تھے اور باز رہنے کے قابل نہ تھے وہ حی لایموت ہے جب تو خود اس دشمن کی طرف کوچ کرے گا اور کچھ صدمہ پہنچ جائے گا تو مسلمانوں کے لئے ان کی اقصی بلاد تک کوئی پناہ کی جگہ نہ ہوگی اور نہ تیرے بعد کوئی لوٹنے کی جگہ ہے جس کی طرف لوٹیں گے۔ تو ان دشمنوں کی طرف کسی تجربہ کار آدمی کو بھیج اور آزمودہ کار خیر خواہوں کو اس کے ساتھ کر۔ اگر خدا تعالیٰ نے غلبہ دیا تو یہ تو تو چاہتا ہے ہی اور اگر امر دیگر پیش آیا تو تو لوگوں کی پشت پناہ اور مسلمانوں کے واسطے ملجا و ماوا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر تتبع تام سے دیکھا جاوے تو بہت روایات فضائل صحابہ اور ان کے ایمان کے ثبوت برآمد ہوں گی لیکن اگر کوئی نظر انصاف سے دیکھے تو ایک ہی کافی ہے۔ اب دل چاہتا ہے کہ اسی طرح مختصراً بطور تکملہ چند روایات خاص فضائل شیخین رضی اللہ عنہما کی بھی بیان کی جائیں اگرچہ روایات سابقہ کے ضمن میں ان کے فضائل و محامد بالاولیۃ والاولویت ثابت ہو چکے ہیں۔

علامہ متبحر کمال الدین ابن میثم بحرانی نے نہج البلاغۃ کی شرح کبیر میں بذیل شرح خط فاراد قومنا قتل نبینا جناب کے خط کا ایک حصہ نقل کیا ہے جس کو آپ کے شریف رضی نے بمقتضائے دین و دیانت حذف فرمایا اس کو ہم اصل شرح سے نقل کرتے ہیں۔

(۱) وذكرت ان الله اجتبى له من المسلمين اعوانا ايدهم به فكانوا في منازلهم عنده على قدر فضائلهم في الاسلام وكان افضلهم في الاسلام كما زعمت وانصحهم لله ولرسوله الخليفة الصديق وخليفة الخليفة الفاروق ولعمري ان مكانهما في الاسلام لعظيم و ان

اور تو نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے لئے مسلمانوں میں سے مددگار چنے جن سے پیغمبر کی تائید کی اور وہ پیغمبر کے نزدیک اپنی اسلامی بزرگیوں اور فضیلتوں کے اندازہ کے موافق اپنے اپنے مرتبوں میں تھے اور سب سے افضل اسلام میں جیسا کہ تو نے گمان کیا اور اللہ اور رسول کا خیرخواہ خلیفہ صدیق تھا اور دوسرا خلیفہ فاروق تھا اور میری جان کی قسم بے شک ان کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے

المصائب بهما فی الاسلام لجرح شدید یرحمهما الله وجزاهما باحسن ما عملوا۔

اور ان کے مصائب اسلام میں سخت زخم ہیں اللہ تعالےٰ ان دونوں پر رحمت کرے اور ان کے نیک کاموں کا ان کو اجر دیوے۔

(۱۸) عن ابی عبد الله فی حقهما هما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق وماتا علیه فعلیهما رحمة الله یوم القیامة۔ کاشف وآیات

امام ابوعبد اللہ سے حضرت ابوبکر و عمر کے حق میں مروی ہے وہ دونوں امام عدل و انصاف کرنے والے حق پر وہی اور حق پر وفات پائی قیامت کے دن ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

(۱۹) عن الحسن بن علی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان ابابکر منی بمنزلة السمع وان عمر منی بمنزلة البصر وان عثمان منی بمنزلة الفواد۔ آیات، از کتاب معانی الاخبار

امام حسن سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر میرے لئے بمنزلہ کان کے ہے اور عمر بمنزلہ آنکھ کے ہے اور عثمان بمنزلہ دل کے ہے

(۲۰) انه سئل الامام عن حلیة السیف هل یجوز فقال نعم قد حلی ابوبکر الصدیق سیفه بالفضة فقال له الراوی القول هکذا فوثب الامام عن مکانه فقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل له الصدیق فلا صدق الله قوله فی الدنیا والاخرة آیات وغیرہ۔ از کشف الغمہ۔

کسی شخص نے امام سے تلوار کے زیور کو پوچھا کہ جائز ہے آپ نے فرمایا ہاں جائز ہے (کیونکہ) ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کو چاندی کا زیور پہنایا راوی نے عرض کیا کیا آپ بھی ایسا فرماتے ہیں (ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں) یہ سن کر امام اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور فرمایا ہاں صدیق ہاں صدیق ہاں صدیق اور جو شخص ان کو صدیق نہ کہے خدا تعالیٰ اس کی بات کو دنیا و آخرت میں سچا نہ کیجیو۔

اساس الاصول کے صفحہ ۱۳ پر سید دلدار علی نے نقل کیا ہے۔

(۲۰) العاشر منها هو ایضا فی الاحتجاج ان المامون بعد ما زوج ابنته ام الفضل اباجعفر کان فی مجلس وعنده ابوجعفر ویحیی بن اکثم وجماعة کثیرة فقال له یحیی بن اکثم ما تقول یا ابن رسول الله فی الخبر الذی روی انه نزل جبرئیل علی رسول الله وقال یا محمد ان الله عزوجل یقرئک السلام

احتجاج طبرسی میں ہے کہ مامون رشید بعد اس کے کہ اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح امام ابوجعفر کے ساتھ کر چکا ایک مجلس میں تھا اور امام ابوجعفر اور یحییٰ بن اکثم اور ایک بڑی جماعت اس کی مجلس میں حاضر تھی یحییٰ بن اکثم نے امام سے پوچھا اے رسول اللہ کے فرزند آپ اس حدیث کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں جو مروی ہے کہ جبرئیل رسول اللہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا محمد اللہ تعالیٰ آپ کو

یقول لک سل ابابکر هل هو راض عنی فانی عنه راض فقال ابوجعفر لست بمنکر فضل ابی بکر ولکن یجب علی صاحب الخبر ان یاخذ مثال الخبر الذی قال رسول الله فی حجة الوداع قد کثرت علی الکذابة وستکثر فمن کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعده من النار فاذا اتاکم الحدیث فاعرضوه علی کتاب الله وسنتی فما وافق کتاب الله وسنتی فخذوا به وما خالف کتاب الله وسنتی فلا تاخذوا به ولیس موافق هذا الخبر کتاب الله قال الله تعالی وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ فالله سبحانه خفی علیه رضا ابی بکر من سخطه حتی سأل عن مکنون سره هذا مستحیل فی العقول۔ انتهی

سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے ابوبکر سے پوچھ کیا وہ مجھ سے راضی ہے میں تو اس سے راضی ہوں، امام جعفر نے فرمایا کہ میں ابوبکر کی بزرگی اور فضیلت کا منکر نہیں ہوں لیکن اس حدیث والے پر لازم ہے کہ اس حدیث کی مثال کو تسلیم کرے جو حضرت نے حجۃ الوداع میں فرمائی ہے کہ مجھ پر جھوٹ کی بندش بہت ہو گئی ہے اور بہت ہو گی جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ ٹھہرا لے جب تمہارے پاس کوئی حدیث آوے اس کو کتاب اللہ پر اور میری سنت پر پیش کرو جو کتاب و سنت کے موافق ہو اس کو قبول کرو اور جو کتاب و سنت کے مخالف ہو اس کو نہ قبول کرو اور یہ خبر کتاب اللہ کے موافق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں اس کے دل کے وسوسہ کو اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی اس کے نزدیک ہیں تو کیا ابوبکر کی رضامندی اور ناراضمندی خدا پر پوشیدہ تھی جو پوشیدہ بھید کو اس نے پوچھا یہ امر عقول کے نزدیک محال ہے۔

اس روایت سے صاف ثابت ہے کہ امام معصوم نے فرمایا کہ میں ابوبکرؓ کی فضیلت کا منکر نہیں لیکن صرف روایت کی صحت میں عقل اور رائے سے کلام کیا حالانکہ محض واہیات اور خرافات حضرات شیعہ امام معصوم کی طرف نسبت کرتے ہیں کیونکہ سوال کرنا ہرگز عدم علم کو مقتضی نہیں قرآن میں مذکور ہے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے سوال کیا۔

وما تلک بیمینک یا موسیٰ — اور کیا ہے یہ تیرے ہاتھ میں اے موسیٰ۔

اگر سوال عدم علم کو مقتضی ہے تو کیا خدا تعالیٰ نہیں جانتا تھا کہ موسیٰ کے ہاتھ میں کیا ہے اور اگر سوال سے سوائے تحصیل علم کے جو پیشتر سے حاصل نہیں تھا کوئی دوسری غرض بھی ممکن ہے تو پھر اس روایت میں کون سا استحالہ قائم ہے کہ اس میں سوال بجز عدم علم کے اور کسی محل پر محمول نہ کیا گیا، بلکہ اگر حضرات قرآن میں تتبع فرمائیں تو معلوم کریں کہ بعض افعال خدا تعالےٰ نے اس لئے حادث

کئے تاکہ ان سے بعض امور معلوم فرماوے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ

اور یہ دن باری باری سے پھیرتے ہم ان کو درمیان لوگوں کے اور تاکہ ظاہر کرے اللہ ان لوگوں کو کہ ایمان لائے ہیں اور تاکہ پکڑے تم میں سے گواہ۔

پھر فرماتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

کیا گمان کیا تم نے یہ کہ داخل بہشت میں اور ابھی نہ ظاہر کیا اللہ نے ان لوگوں کو کہ جہاد کرتے ہیں تم میں سے اور ابھی نہ ظاہر کیا صبر کرنے والوں کو

اور نیز ارشاد فرماتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ

کیا گمان کرتے ہو تم یہ کہ چھوڑے جاؤ اور حال آنکہ ابھی نہ ظاہر کیا اللہ نے ان لوگوں کو جو جہاد کرتے ہیں تم میں سے اور نہیں پکڑتے سوائے اللہ کے اور نہ رسول اس کے کے اور نہ ایمان والوں کے دوست دلی۔

ان آیات کو ملاحظہ فرمائیے اور سوچیے کیا خدا تعالیٰ کو پہلے یہ باتیں معلوم نہ تھیں۔ کیا یہ کہ آیتیں اور آیت سابقہ آیت۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ

اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے آدمی کو اور جانتے ہیں ہم جو کچھ خطرہ کرتا ہے ساتھ اس کے دل اس کا۔

کی مخالفت نہیں ہے پس یا تو ان آیات میں علم کے حاصل کرنے سے اور سوال کرنے سے کچھ اور غرض مراد لیجئے۔ اگر کچھ اور مراد ہے تو پھر حدیث کو امام کا باطل فرمانا غلط ہوا یا ان آیات کو بھی غلط اور محرف فرمائیے۔ خدا کے لئے ذرا تو انصاف سے آنکھیں کھول کر دیکھئے۔ کیا حدیث کی مخالفت کتاب اللہ کے ساتھ یوں ہی ثابت کی جاتی ہے کیا حدیث کی تضعیف اسی طرح ہوتی ہے۔ کیا کسی امر کو پوچھنا بجز علم کے حاصل کرنے کے اور کسی غرض سے نہیں ہوتا۔ افسوس کہ ایسی خرافات خود گھڑتے ہیں اور جناب ائمہؑ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ تو اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ یہ حدیث بالکل مطابق کتاب اللہ ہے جس میں سرمو بھی تفاوت نہیں۔

(۲۲) للّٰہ در فلان لقد قوم الاود و داوی العمد الخ۔ نہج قال الشارح المراد منہ ابوبکر او عمر۔

(۲۳) ان جعفر الصادق قال ولدنی ابوبکر الصدیق مرتین۔ ذوالفقار روایات۔ از کشف الغمہ

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق نے مجھ کو دو دفعہ جنا۔ امام جعفر صادق ابوبکر صدیق کی طرف دو سلسلوں سے منسوب ہیں جس پر امام نے فخر فرمایا اور ان کو صدیق کہا۔

منصف لبیب اگر ان آیات و اقوال ائمہ کو دیکھے تو ممکن نہیں کہ صحابہ کرام کی بزرگی کا اعتراف نہ کرے۔ پس جب کہ آیات کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہؐ اور اقوال ائمہ سے اصحاب کا کرام ہونا ثابت و متحقق ہوگیا تو اگر بفرض محال اقوال و افعال صحابہ یا صاحب تحفہ کی تحقیق سے نہ ثابت ہو تو کچھ حرج نہیں اور فی الحقیقت یہ محض آپ کا خیال اور زعم ہی ہے ورنہ محال ہے کہ اہلسنت کی تحقیق خلاف کتاب ثابت ہو جائے۔

اس الزام کا جواب کہ صحابہ نماز جمعہ میں حضرت کے پیچھے سے چلے گئے

قولہ: چنانچہ اس باب میں مختصرا گذارش ہے کتاب اللہ میں اگرچہ بہت سی آیات اس پر دال ہیں مگر صرف ایک ہی آیت لکھتا ہوں، سورہ جمعہ کے آخر کو ملاحظہ فرمائیے۔

واذا راوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا وترکوک قائما۔

اور جب تجارت یا کھیل دیکھتے ہیں تو تجھ کو کھڑا چھوڑ کر اس کی طرف چلے جاتے ہیں۔

صحیح بخاری میں کتاب الجمعہ باب اذا نفر الناس عن الامام میں جابر بن عبداللہ کہتے ہیں۔

بینما نحن نصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قبلت عیر تحمل طعاما فالتفتوا الیھا حتی ما بقی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا اثنا عشر رجلا فنزلت ہذہ الآیۃ۔ واذا راوا تجارۃ الخ۔

ہم حضرت کے ساتھ نماز میں تھے کہ ایک قافلہ غلہ لے کر آیا سب اس طرف متوجہ ہوگئے اور بارہ آدمیوں کے سوا حضرت کے ساتھ کوئی باقی نہ رہا تو یہ آیت نازل ہوئی واذا راوا تجارۃ الخ۔

اب انصاف فرمائیے کہ نماز واجب ہے جس کو احادیث میں معراج مومن ارشاد فرمایا ہے اور رب الارباب کی مناجات کا مقام ہے اور وہ بھی رسول اللہ کی پشت مطہر کے پیچھے

لہ اس تمام خطبہ کا ترجمہ مفصل بحث اثبات خلافت خلفاء میں مذکور ہوگا۔

سے انفضاض کرنا اور آنحضرت کو کھڑا چھوڑنا اور لہو و تجارت میں مشغول ہونا یہ ہی کرامت کی نشانی ہے۔ کوئی شخص اگر نماز جماعت کو ایک ادنیٰ امام کے پیچھے سے قطع کر کے چلا جائے تو آپ اس کے حق میں کیا حکم فرماویں۔ ایک ادنیٰ مومن نماز مستحب کو قطع کر کے خرید و فروخت میں مشغول نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا کرے تو لوم و ملامت سے نہ بچے۔

اقول: اگرچہ اس شبہ کا جواب اقوال سابقہ سے واضح ہے لیکن ہم اس جگہ بھی بلباس دیگر باضافہ بعض فوائد اس کے رد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، مبنی اس اعتراض کا وہ ہی ایک اپنا خیالی قاعدہ ہے جو خلاف اپنی روایات مذہب کے حضرت مجیب نے تسلیم کر رکھا ہے وہ یہ کہ معصیت مکرمت کو رفع کر دیتی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ جب خداوند تعالیٰ نے ان کے کفارہ سیئات اور دخول جنات کا وعدہ فرمایا ہے تو کوئی سیئہ و معصیت دون الکفر مضر نہیں ہے اور مکرمت صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تریاق سموم معاصی ہے پس یہ اعتراض اپنی کمال مناظرہ دانی سے خلاف اصول اہلسنت اپنے قاعدہ مسلمہ کی بناء پر کیا ہے پس اس مناظرہ دانی کو آفرین ہے کہ آپ ہی ایک قاعدہ تراش لیا اور خیالی طور پر اس کو مسلمہ خصم سمجھ کر اسی بناء پر اعتراض کر دیا حالانکہ وہ قاعدہ مسلمہ باعتبار اپنے مذہب کے بھی غلط ہو، چنانچہ پہلے بیان ہو چکا۔ پس انصاف کا خاتمہ ہو چکا۔ اب میں ارباب انصاف کی خدمت میں حضرت مجیب کے دعویٰ اجتہاد و تحقیق حق کا دوسرا ثبوت پیش کرتا ہوں بغور ملاحظہ فرماویں، ہمارے مجیب لبیب نے حدیث بخاری کو اور قصہ انفضاض کو نماز جمعہ پر محمول فرمایا ہے اور فرمایا کہ نماز قطع کر کے صحابہ چلے گئے جو باتفاق اہلسنت و شیعہ غلط اور خلاف واقع ہے نماز قطع کر کے ہرگز صحابہ نہیں گئے تمام مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ خطبہ کی حالت میں پیش آیا چنانچہ مسلم کی روایت میں صریح مذکور ہے تو اس لئے نحن نصلی کے معنی نحن منتظر الصلوٰۃ کے ہیں یہ ہی روایت جابر بن عبداللہ کی جو بخاری کی کتاب التفسیر میں وارد ہے اس میں یہ لفظ نہیں ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں،

عن جابر بن عبد اللہ قال اقبلت عیر	جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہتا ہے جمعہ کے دن
یوم الجمعۃ ونحن مع النبی صلی اللہ علیہ	ایک قافلہ آیا اور ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
وسلم فثار الناس الا اثنا عشر رجلا	تھے پس سوائے بارہ آدمیوں کے سب لوگ اس کی طرف
فانزل اللہ واذا راوا تجارۃ الایۃ	دوڑ گئے تو آیت واذا راوا تجارۃ نازل ہوئی

تو اس سے پایا گیا کہ یہ قصہ حالت صلوٰۃ کا نہیں لیکن بمقتضاء کمال بغض صحابہ کے حضرت

نے بطور اجتہاد اس کو حالت صلوٰۃ پر محمول فرما لیا۔ اگر اہلسنت کی کتابوں کو نہیں دیکھا تو اپنی کتابوں کو تو ضرور دیکھ کر حق الیقین کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے تو اب بغور سنیئے، آپ کے رسالہ امامت صدوق سے جو میرے سامنے موجود ہے اس کی سند دیتا ہوں،

فمن ذلک ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ کان	منجملہ اس کے یہ ہے کہ جمعہ کے دن حضرت
یخطب علی المنبر فی یوم الجمعۃ اذ	منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے، قریش کا
جاءت عیر لقریش قد اقبلت من الشام	ایک قافلہ شام سے آیا اس کے
ومعہا من یضرب بالدف ولیصد ویستعمل	ساتھ میں کچھ لوگ دف بجاتے تھے کچھ
ما قد خطرہ الاسلام فترکوا النبی صلی اللہ	زفیلی تھے اور مناہی شرعیہ استعمال
علیہ وآلہ علی المنبر وانفضوا منہ الی	کرتے تھے تو حضرت کو منبر پر
اللھو واللعب رغبۃ فیہ وزھدا فی سماع	چھوڑ کر وعظ و نصیحت سے
موعظۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وما یتلوا	منہ موڑ کر لہو و لعب کی طرف
علیہم من القرآن فانزل اللہ عزوجل	چلے گئے، اس پر خدا تعالیٰ نے
فیھم واذا راوا تجارۃ الخ	یہ آیت نازل فرمائی،

آپ کے حضرت صدوق صاحب کی شہادت سے بھی ثابت ہوا کہ یہ قصہ نماز میں واقع نہیں ہوا پس اب بھی محقق ہوا کہ آپ کا اجتہاد غلط ہے، اور لیجئے تفسیر مجمع البیان جو اس وقت میرے سامنے رکھی ہے اس میں بھی یہ روایت موجود ہے،

وروی عن ابی عبد اللہ انہ قال انصرفوا	امام ابی عبداللہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا اس کی
الیہا وترکوک قائما تخطب علی المنبر	طرف چلے گئے اور تجھ کو منبر پر کھڑے ہوئے اور خطبہ
	پڑھتے ہوئے چھوڑ گئے،

علاوہ ازیں دوسرے قاعدہ کی رو سے بھی یہ خلاف قاعدۂ مناظرہ اعتراض کیا ہے اور محض قواعد شیعہ پر اس اعتراض کی بنا ہے شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء عند الشیعہ عقلی ہے اور عند الاشاعرہ شرعی۔ تو نماز میں سے یا خطبہ میں سے چلا جانا عقلاً عند الشیعہ قبیح ہے خواہ نہی شرعی وارد ہو یا نہ ہو اور اشاعرہ کے نزدیک جب تک نہی وارد نہ ہو اس پر اطلاق قبیح کا نہیں ہو سکتا اور اس وقت تک اس فعل کے نہی وارد ہونا ثابت نہیں تو اس لئے صحابہ نے کوئی امر قبیح اور منہی عنہ نہیں کیا، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کی حالت میں جو حالت تعلیم ہے

ممانعت نہیں فرمائی تو اس سے اس فعل کے غیر منہی عنہ ہونے کی زیادہ تقویت ہوگئی ورنہ ممکن تھا کہ جب لوگوں نے اٹھنے کا قصد کیا تھا یا اٹھے تھے آپ ممانعت فرما دیتے تو اس کو اس زمانہ کے ادنیٰ مومن پر قیاس کرنا غلط ہے اور مع الفارق کیونکہ اس وقت بسبب ورود نہی کے قبیح ہو چکا ہے اور اس وقت میں بوجہ عدم ورود نہی کے قبیح نہ تھا و من ادعی فعلیہ البیان مع ہذا اگر بالفرض والتسلیم نہی بھی وارد ہو چکی تھی اور شرعاً یہ فعل قبیح ہی تھا اس کے عموم میں وہ اصحاب بھی تو داخل ہیں جن کو مجیب لبیب نے برخلاف شہادت قوم کرام سمجھ رکھا ہے، علی الخصوص عموم روایت صدوق نے تو کسی کو بھی باقی نہیں چھوڑا۔ پس اس اعتراض کا جو جواب اپنے صحابہ کرام کی طرف سے عطا فرما دیں گے وہ ہی تمام صحابہ کی طرف سے قبول فرما دیں اور حسب روایت اہلسنت بارہ شخص مستثنیٰ ہیں جو عشرہ مبشرہؓ اور بلالؓ اور ابن مسعودؓ ہیں لیکن شیعہ کی روایت سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں، ائمہؓ سے لے کر صحابہؓ تک سب ہی داخل ہیں پس فرمائیے وہ کرام کون ہیں جو باقی رہے ہے اور جن کو آپ کرام سمجھتے ہیں اور لوم اور ملامت سے بچے ہوئے ہیں ہی میر صاحب بفضل اللہ تعالیٰ اہلسنت کی لوم و ملامت سے تو تمام بزرگان دین بچے ہوئے ہیں لیکن حضرات شیعہ کے لوم و ملامت سے بچنا محال ہے کہ اس سے انبیاء اور ائمہ اور صحابہ میں سے کوئی نہ بچا، ہاں یہ بات باقی رہ گئی کہ آپ نے نماز کو معراج المومنین اور محل مناجات پروردگار فرمایا اور اس سے چلے جانے کو مستحق لوم و ملامت قرار دیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ نے استبصار کی حدیث کو ملاحظہ نہیں کیا۔

الحسین بن سعید عن فضالة عن معاوية بن عمار قال سألت اباعبد الله علیه السلام عن الرجل یعبث بذکره فی الصلوة المکتوبة فقال لا باس [illegible]

میں نے امام ابو عبد اللہ سے پوچھا کوئی شخص نماز میں اپنے ذکر سے کھیلتا ہے کہا کچھ خوف مضائقہ نہیں

میں پوچھتا ہوں کہ یہی نماز معراج المومن ہے جس میں ذکر سے کھیلیں اور اسی کا نام محل مناجات ہے اور اس کے قطع کرنے سے لوم و ملامت سے نہیں بچتا، سبحان اللہ اگر وہ نماز یہی ہو تو ایسی نماز کو سلام ہے ہمارے مقابلہ میں تو وہ محل مناجات اور معراج ہو اور قطع نظر اس سے وہ ایسا فعل ہو جاوے کہ اس میں ذکر سے کھیلنا بھی بُرا نہ ہو۔

صحابہ کرام کے متعلق شیعہ مغالطوں کا جواب

قولہ: اما حدیث پس بخاری کی کتاب حوض اور کتاب فتن اور کتاب احکام ملاحظہ فرمائیے بہت سی احادیث میرے قول کے مصداق پائیے گا بخوف طوالت عرض نہیں کرتا۔

اقول: اس جگہ تو حضرت مجیب نے کمال ہی تبحر ظاہر فرمایا کہ کتاب پر کتاب گنتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ اجمالی طور پر بیان کیا ہے اس لئے جواب بہ پیرایہ اجمال گذارش ہوتا ہے کہ عنوان اعتراض سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو صحابیت کے معنی سے اغماض ہے شاید لغوی معنی پر اعتراض کا دارومدار رکھا ہے واضح ہو جب کہ اہلسنت کے نزدیک صحابیت کے لئے خاتمہ تک بقاء ایمان مشروط ہے تو ممکن نہیں کہ بخاری کی کتب مذکورہ کی احادیث معینہ آپ کے قول کے مصداق ہوں اور بفرض محال اگر تسلیم کر لیا جاوے تو جو جواب آپ نے اپنے مقبولین کی طرف سے تجویز کر رکھا ہے وہی جواب سب کی طرف سے قبول فرما دیں۔

قولہ: اما اقوال صحابہ بخاری کی کتاب الاحکام دیکھئے اس میں اجماع کی کیفیت معلوم ہوگی اور ایک مسئلہ متعلقہ کتاب اللہ بھی دیکھئے گا۔

اقول: میں بخاری اور اس کی کتاب الاحکام دیکھ چکا، اجماع کی کیفیت معلوم ہے مسائل متعلقہ کتاب اللہ بحولہ و قوتہ معلوم کر چکا ہوں لیکن ان باتوں سے مدعا سامی حاصل شدنی نہیں ہے اور موقع استدلال و احتجاج میں یہ گول مول تقریریں قابل بحث و التفات نہیں ہاں اس قدر کہنا ضرور ہے کہ کتاب اللہ فضائل و مناقب صحابہ سے پُر اقوال ائمہ اور ان کے مناقب میں بے شمار ہیں چنانچہ ایک شمہ ان کا اقوال سابقہ میں ظاہر کر چکا ہوں جو ادنے تتبع سے حاصل ہوا تھا۔

قولہ: اور حضرت خلیفہ ثانی نے جو سعد بن عبادہ رئیس انصار کے حق میں فرمایا ہے فقلت قتل اللہ سعد بن عبادة بھی ملاحظہ اقدس میں گزرے گا اور قتل اللہ کے معنے آپ جانتے ہی ہوں گے۔

اقول: یہ کلمہ بندہ نے دیکھا اور قتل اللہ کے معنی بھی معلوم ہیں۔ لیکن جناب کا اس سے کیونکر مدعا ثابت ہوا حضرت کے نزدیک تو جب کہ سعد بن عبادہ اپنی امامت کا مدعی ہوا اور امام برحق کی امامت کا منکر ہوا تو کافر ہو چکا معاذ اللہ۔ پھر جس قدر تحقیر کی جائے اور جس قدر اہانت

کی جائے بجائے خود ہے کیونکہ بوجہ کفر کے کوئی احترام باقی نہیں رہا اور اہلسنت دون الکفر کسی معصیت کو بلحاظ حرمت صحابیت باعث انحطاط نہیں سمجھتے تو ایسے اقوال کو ان کے مقابلہ میں پیش کرنا محض ایک خیال خام ہے، معہذا اس جملہ سے یا مراد اخبار ہے یا انشاء، اگر اخبار مراد ہے تو کچھ قابل گرفت نہیں کیونکہ اخبار صحیح مطابق نفس الامر ہے بایں معنی کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا کہ اس کا مدعا جو خلافت تھی حاصل نہ ہوا، اور اگر انشاء ہے تو چونکہ سعد بن عبادہ سے اس وقت نصرت حق ترک ہوئی اور ایسی خطا سرزد ہوئی تھی جس سے اسلام میں وقوع فتنہ کا اندیشہ تھا اس لئے خلیفہ ثانی نے ان کو بددعا دی پس نہ کچھ الزام خلیفہ دوم کی طرف ہے نہ سعد ابن عبادہ کی طرف، صرف باعث اس کا عناد و بغض صحابہ ہے کہ جس سے محاسن بھی قبائح نظر آتے ہیں، ؎

وعین الرضا من کل عیب کلیلۃ   ولکن عین السخط تبدی المساویا

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو کلمات حضرت امیر کے حق میں فرمائے اور مطاوی ابحاث سابقہ میں مذکور ہوئے ان کا اور ان کلمات کا اپنی عقل و انصاف کے میزان میں موازنہ کر لیجئے اور پھر اعتراض کیجئے،

شیعہ مصنف کا صاحب تحفہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے نام سے مغالطہ دینا

قولہ: آپ تحفہ کے باب مطاعن کو ملاحظہ فرمایئے اور مطاعن عمر میں سے طعن دوم نکال لیے، میں مفید مطلب فقرات لکھتا ہوں آپ اصل کتاب کو دیکھ کر مطابق کر لیجئے، آپ کے خاتم المحدثین فرماتے ہیں واگر مراد ایشان از قصد تخویف و تہدید زبانی ست وگفتن انکہ من خواہم سوخت پس وجہش آنست کہ این تخویف و تہدید کسانی را بود کہ خانہ حضرت زہرا را ملجاء و پناہ ہر صاحب خیانت دانستہ و حکم حرم مکہ معظمہ دادہ در آنجا جمع می شدند و فتنہ و فساد منظور میداشتند و برہم زدن خلافت خلیفہ اول بہ کنکاشہا و شورہا فساد انگیز قصد میکردند حضرت زہرا ہم ازین نشست و برخاست آنہا مکدر و ناخوش بود، لیکن بسبب کمال حسن خلق بآنہا بے پردہ نمی فرمود کہ در خانہ من نیامدہ باشند عمر بن خطاب چو دید کہ حال برین منوال است آنجماعت را تہدید نمود کہ من خانہ را بر شما خواہم سوخت و تخصیص سوختن دریں تہدید مبنی بر استنباط دقیق است از حدیث پیغمبر کہ آنحضرت نیز در حق کسانیکہ در جماعت حاضر نمی شدند و با امام اقتداء نمیکردند ہمین قسم ارشاد

فرمودہ بود کہ این جماعت اگر از ترک جماعت باز نخواہند آمد من خانہا را بر ایشان خواہم سوخت و چون ابوبکر نیز امام منصوب کردۂ پیغمبر بود در نماز و آنہا ترک اقتداء آن امام بحق خاطر خود می اندیشید و رفاقت جماعت مسلمین دریں باب نمیکردند مستحق ہمان تہدید پیغمبر شدند پس این قول عمر مشابہ است بفعل پیغمبر کہ چون روز فتح مکہ بحضور او عرض نمودند کہ ابن خطل کہ یکی از شعرائے کفار بود و بارہا بہ ہجو پیغمبر در اشعار خود روی خود را سیاہ کردہ پناہ بخانہ خدا یعنی کعبہ معظمہ بردہ و در پردہائے آنخانہ تجلی آشیانہ خود را پنہان ساختہ درباب او چہ حکم است فرمود کہ او را ہمانجا بکشید و پاس نکنید وہرگاہ این قسم مردودان جناب الٰہی را در خانہ خدا پناہ نباشد در خانہ حضرت زہرا چرا پناہ باید داد و حضرت زہرا چرا از سزا دادن اشرار فساد پیشہ مکدر گردد کہ تخلقوا باخلاق اللہ شیوہ آن پاک طینت بود انتہی بقدر الحاجۃ، اگرچہ اس عبارت کے ہر ہر لفظ پر بحث ہو سکتی اور تشیید المطاعن میں ہر قول بحجج ساطعہ رد کیا گیا ہے مگر اس مقام میں حضرت مجیب کی خدمت میں صرف اس قدر عرض ہے کہ اگر کل صحابہ کرام تھے اور کتاب اللہ ان کے فضائل سے پُر ہے اور اقوال عترت ان کی مدائح میں بے شمار وارد ہیں جیسا کہ قول آتیہ میں آپ فرمائیں گے تو یہ لوگ صاحب خیانت اور اشرار فساد پیشہ و این قسم مردودان جناب الٰہی جو خانہ حضرت زہرا میں جمع ہوتے تھے کون تھے صحابہ ہی میں سے تھے یا یہود و نصارا و مشرک وغیرہ تھے،

مثالب صحابہ میں عبارت تحفہ کی توجیہ

اقول: اس جگہ بھی مجیب لبیب نے حسب عادت قدیمہ وہی اعتراض بابت مثالب صحابہ رضی اللہ عنہم ذکر فرمایا جس کا جواب ابحاث سابقہ میں مکرر دیا جا چکا ہے لیکن چوں کہ بہ نسبت اجمال و تبعیت کے تفصیل و قصدیت کا جدا رنگ ہے اور خالی از زیادتی فوائد نہیں اس لئے اس جگہ بھی جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن بطور مقدمہ چند امور ملحوظ خاطر سامی رکھیئے (۱) سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی شخص معصوم نہیں (۲) کوئی معصیت دون الکفر فضل صحبت کو رفع نہیں کرتے (۳) بہنگام مصلحت کلی مثلاً جبکہ امور مہمہ میں اختلال کا اندیشہ ہو تو اس فضل کا لحاظ نہیں کیا جاتا (۴) ابوبکر صدیقؓ خلیفہ راشد اور امام بحق تھے (۵) مشابہت ایک شے کی دوسری شے کے ساتھ کسی خاص فعل میں اس کو مقتضی نہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ جمیع امور میں مشارک اور مساوی ہو جاویں، اگرچہ یہ مقدمات سابقہ بدلائل عقلیہ و نقلیہ ثابت و

متحقق ہیں لیکن اس جگہ بحسب مسلمہ اہلسنت ذکر کئے گئے ہیں پس واضح ہو کہ اولاً جبکہ آپ مدعی ثبوت طعن کے ہیں تو حسب قاعدہ مناظرہ آپ کو لازم ہے کہ آپ یہ ثابت فرمائیں کہ یہ لوگ صرف صحابہ ہی تھے سوائے صحابہ کے اور کوئی شخص اس فتنہ میں نہ تھا جب تک آپ یہ ثابت نہ کریں گے آپ کا دعویٰ ثابت نہ ہوگا کیونکہ مانع کو پہنچتا ہے کہ وہ اس انحصار کو تسلیم نہ کرے اور کہے کہ لانسلم کہ یہ کل صحابہ ہی تھے بلکہ ممکن ہے کہ بعض منافقین اکابر عبداللہ بن سبا فتنہ انگیز بھی اس میں شامل ہوں کہ جن کو شب و روز اسلام کی درہمی و برہمی کا خیال مرکوز خاطر رہتا تھا۔ اور جب ان کا شمول محتمل ہوا تو ہم کہیں گے کہ یہ طعن صرف انہیں منافقین کی طرف سے متوجہ ہے جو باعث اشتعال و فساد تھے، اگرچہ روایت ازالۃ الخفا سے وجود حضرت امیرؓ وجمعی از بنی ہاشم معلوم ہوتا ہے لیکن یہ عبارت نفی غیر پر قطعاً دلالت نہیں کرتی۔ اور چونکہ یہ بزرگ بسبب اس کے کہ ان سے مشورت خلافت صدیقی نہیں کیا گیا تھا اور ناخوشی اس کی مستولی بھی نہ یہ استحقاق میں متامل تھے منافقین نے موقع وقت پا کر اس کو زیادہ مشتعل کیا اور چونکہ اصل بناء اس اجتماع کی وہ ہی ناخوشی اصحاب تھی اور منافقین باہم موشک دوانی کرکے صرف باعث زیادتی اشتعال ہوئی اور اس قسم کا اجتماع ایسے بزرگوں سے زیادہ تعجب انگیز تھا، تو ایسی روایت میں صرف ان ہی حضرات کے نام پر اکتفا کی گئی اور منافقین کا ذکر نہیں کیا گیا، ان کا شریک ہونا ایسے امور میں بر بہی ہے کہ قدیم سے اسلام و اہل اسلام کے ساتھ ان کا یہ ہی وتیرہ رہا ہے۔ ثانیاً اگر سیاق عبارت میں توجہ سے بنظر تامل دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ لفظ صاحب خیانت، اور کلمہ مردودان جناب الٰہی ہرگز بحق صحابہؓ راجع نہیں ہے کیونکہ اس عبارت میں (پس وجہش آنست کہ این تخویف و تہدید کسانی را بود کہ خانہ زہراؓ را ملجا و پناہ مر صاحب خیانت دانستہ) لفظ دانستہ صیغہ ماضی ہے اور اس کی ضمیر راجع بسوئے [illegible] ہے تو اگر صاحب خیانت سے مراد صحابہؓ ہوں تو لازم آتا ہے کہ وہ خود ہی اپنے آپ کو صاحب خیانت جاننے والے ہوں اور یہ بدیہی البطلان ہے بلکہ حاصل معنی یہ ہے کہ ان صحابہ نے جو مجتمع ہوتے تھے حضرت زہراؓ کے خانہ برکات آشیانہ کی نسبت یہ خیال کیا کہ جو شخص خیانت کرکے اس میں مستجیر ہو تو یہ بوجہ عظمت و منزلت و جوار حضرت سیدۃ النساء اہل الجنۃ کے ملجا و مامن ہی ہوگا اور ہم نے تو بزعم خود کوئی خیانت نہیں کی ہے۔ اور اسی طرح کلمہ مردودان جناب الٰہی صحابہ پر ہرگز نہیں اطلاق کیا گیا بلکہ ابن خطل اور اس کے ان ہم جنسوں

پر اطلاق کیا گیا ہے جن کو خانہ خدا حرم محترم کعبہ میں پناہ نہیں ملی جملہ درخانہ خدا پناہ نباشد جو متصل مذکور ہے وہ اس کی دلیل اور اس پر قرینہ ہے تو تقدیر عبارت اس طرح ہے وہرگاہ این قسم مردودان جناب الٰہی را کہ از ہجو پیغمبر روئے خود سیاہ کردہ وچنان وچنین کردہ درخانہ خدا پناہ نباشد آنہا نرا کہ از اطاعت امام حق انحراف ورزیدند ز مشورتہائے مہیج فتنہ وفساد میکردند بخانہ زہرا چرا پناہ باید داد۔ تو اس سے واضح ہوا کہ اطلاق لفظ مردودان جناب الٰہی کا صرف ابن خطل اور اس قسم کے لوگوں پر ہے کیونکہ جب دو صنفیں جدا جدا ہیں اور حکم بھی ہر ایک کا علیحدہ ہے کہ ایک صنف کے لئے عدم ملجائیت کعبہ کی ہے اور دوسری کے لئے عدم ملجائیت خانہ زہراؓ کی ہے تو کیا ضرورت ہے کہ ایک کو دوسری پر محمول کرکے وہ کلمات جو ایک کے حق میں اطلاق کی گئی اس میں دوسری کو بھی شامل کیا جاوے کیونکہ تشابہ فی الجملہ جمیع امور میں مشابہت کو مقتضی نہیں۔ غرضیکہ جب اہلسنت کے نزدیک صحابہ معصوم نہیں اور صدور معصیت جائز ہے تو اس معصیت کی نسبت طعن بطور استبعاد کرنا یا کسی امر اہم کے انتظام و اصلاح کے لئے کوئی امر کیا گیا ہو اس کی نسبت تشنیع کرنا محض عدم تدبر اصول کی وجہ سے ہے کیا معلوم نہیں کہ حضرت امیرؓ کے زمانہ کے واقعات تو بدرجہا اس سے بڑھ کر ہیں باوجود اس کے اہلسنت نہ ان کو مطعون کرتے ہیں نہ ان کو ملامت کرتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ نے جو کچھ اپنے زمانہ خلافت میں انتظاماً کیا حق کیا مخالفین خطا پر تھے لیکن معذور حق تعالیٰ ان کی خطائیں حسب وعدہ بخشے گا، علی الخصوص ایسے امور میں کہ جس کی نظیر اور مقیس علیہ موجود ہو اور شارع کی طرف سے اس میں اسی قسم کی تہدید کی گئی ہو طعن کرنا بالکل خلاف عقل و نقل ہے معہذا باایں ہمہ حضرات شیعہ بھی تو جن صحابہ کو کرام اعتقاد کرتے ہیں ان کو مرتدین اور خائنین اور امثال ذلک عبارات سے تعبیر فرماتے ہیں بلکہ بعض ائمہ معصوم تک بھی خیانت کا الزام لگاتے ہیں، پھر جو کچھ اس کا جواب تجویز کر رکھا ہے وہ ہی ہماری طرف سے سمجھ لیں۔

شیعہ مصنّف کی فریب دہی

قولہ: تعجب وحیرت کا مقام ہے کہ اگر بیچارے شیعہ بعض اشخاص کی شان میں جنھوں نے موقع و فرصت پا کر و تدابیر ملکی کرکے حکومت و ریاست کر لی و تجہیز و تکفین و تدفین رسولؐ کی طرف بھی متوجہ نہ ہوئے اور بعد میں اہلبیت کو بجائے تسلی و تشفی اور تعزیت گھ

جلانے کی دھمکی دی اور طرح طرح کے ظلم وستم کیے اور کل جور وجفا کے جو بعد میں عترت اطہار پر
واقع ہوئی بانی ہوئے، کچھ بے ادبی کریں تو رافضی و کافر و بیدین ہوں اور اگر خود اہل بیت ہی ان
خلفاء متغلبہ کی مخالفت کریں تو معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد ان کلمات کے جو آپ کے خاتم المحدثین
تحریر فرماتے ہیں مستحق ہوں، کیا انصاف و دینداری ہے ہمارے مقابلہ میں صحابہ افضل امت
ہوں اور اگر اس خلافت کے برہم کرنے کی تدبیریں کریں جس پر بجز اجماع صحابہ بزعم اہل سنت
کوئی دلیل عقلی و نقلی و عرفی نہیں اور اس اجماع کا ہی بڑا ناز ہے تو مردودان جناب الٰہی شعرائے
کفار و منافقین تارکین جماعت کے مشابہ ہوں۔

جواب مطاعن صحابہ

اقول: اس عبارت میں بلکہ آخر قول تک حضرت مجیب نے جہلاً کر جو کچھ زبان درازی
کی ہے اور انصاف کی آنکھوں کو بغض و حسد کی میل سے کور کرکے جو کچھ ناشائستہ گفتگو فرمائی
ہے ہم اس کے ترکی بترکی جواب میں حسب التزام اپنی زبان آلودہ کرنا نہیں چاہتے اس لئے
اس کے جواب سے اعراض و اغماض کرکے اصلی جواب کی طرف عنان توجہ پھیرتے ہیں۔ تعجب
وحیرت کا مقام ہے کہ مجیب لبیب باایں ہمہ ادعائے انصاف و دانش ان ہمارے شیعہ
کے رافضی اور کافر اور بے دین ہونے میں متردد ہوں جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کو کافر
ابلیس سے دو چند و سہ چند کہا ائمہ کو خائن اور تارک واجب بنایا اصحاب مقبولین کو مرتد اور مغضوب
من اللہ اور جہنمی قرار دیا، اہل بیت و عترت طاہرہ کی دوستی کے پردہ میں ان کی اہانت و تذلیل
کے وہ وہ مضمون تراشے کہ ابلیس و دجال کو لجہ خجالت و شرمندگی میں غوطہ زن کر دیا، اور ذات پاک
خداوندی پر تو وہ وہ بندشیں باندھیں کہ ایک مٹی کا پتلا بنا کر بٹھلا دیا، جو حضرات کی عقل چاہے وہی
لے تو اگر اسی کا نام ولاء اہلبیت ہے تو یہ ولاء شیعیان پاک ہی کو مبارک رہے کیا انصاف و
دینداری ہے کہ ہمارے مقابلہ میں تو انبیاء و ائمہ معصومین اور طاہرین ہوں اور اصحاب کرام
کہلاویں اور جب اپنے اعتراض فاسدہ متعلق ہوں یا بدون لحاظ تقابل ان کے شیون بیان ہوں
تو معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد جیسا آپ کے صدوق وغیرہ فرماتے ہیں انبیاء کافر و حاسد ہوں ائمہ
خائن اور تارک واجب اور معین علی الظلم و الضلال ہوں اور اصحاب کرام مرتدین و مغضوب علیہم
ٹھہریں اور باوجود ان باتوں کے اہلسنت پر زبان درازی، روایات ان مضامین کی گذشتہ جات

کے مطالعے میں کسی قدر مذکور ہوچکی ہیں اور کچھ آئندہ ابحاث میں اپنے اپنے موقع پر بیان ہوں
گی۔ بعد اس کے اس قول میں چند وجہ سے کلام ہے (۱) معلوم نہیں تخصیص بلا مخصص اور ترجیح
بلا مرجح کی کیا وجہ ہے بعض اشخاص کو ہی کیوں ذکر فرمایا جب حسب تصریح شہید ثالث سوائے
حضرت مقداد سب کے سب مرتد ہو چکے تھے اور رہے سہے مقداد بھی مولین اور منفصین کے
عموم میں شامل ہو گئے تو بتایئے کون باقی رہا جو ہمارے شیعہ کے سہام لعن و ملامت سے بچا ہو
پھر یہ تبعیض کہاں سے لیتے ہیں اور اس کاغذ کی کشتی کو کہاں تک بہائیں گے (۲) موقع و
فرصت پاکر اور تدابیر ملکی کرکے انھوں نے حکومت و ریاست حاصل نہیں کی بلکہ یہ محض وعدہ
صادقہ خداوندی ہے جو اپنے وقت پر ظاہر ہوا، خداوند تعالیٰ نے صحابہ کے واسطے استخلاف حقہ
اور تمکین دین مرضیہ کا وعدہ اپنے اس کلام مجید میں جس کی شان برخلاف مزعوم امامیہ لَا یَاْتِیْهِ
الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ فرمایا اور فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ الخ تو یہ وہی موعود خداوندی ہے جو
بلا تدبیر و فکر و مشورہ کے محض بمشیت الٰہی و ارادہ حقانی پردہ غیب سے منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوا جس
کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فلتہ سے تعبیر کرتے ہیں اور مجیب لبیب اور ان کے اہل نحلہ بسا اوقات
معرض اعتراض میں بے سمجھے پیش کیا کرتے ہیں، چونکہ یہ وعدہ لامحالہ واقع ہونے والا تھا اور اس
کا مصداق بجز اس کے اور کوئی نہیں تھا تو کمند طمع طامعین اس کے وصول سے کوتاہ اور حسد
حاسدین کا اس سے قاصر ہے حضرت صدوق نے اس آیت شریفہ کی تاویل میں اپنے رسالہ
امامت میں جو اس وقت میرے سامنے موجود ہے جس قدر پیچ و تاب کھائے ہیں اہل انصاف
کے ملاحظہ کے قابل ہیں۔

اس طعن کا جواب کہ صحابہ تجہیز و تکفین حضرت کیطرف متوجہ نہ ہوئے

(۳) تجہیز و تکفین رسول صلعم کا الزام اولاً مشترک ہے کیونکہ یوم انتقال سے حضرت تیسرے
روز دفن ہوئے پس اگر صحابہ تدابیر ملکی کے فکر میں مشغول تھے تو اہل بیت کس کام میں مشغول
تھے جو نعش کو تین روز تک دفن نہیں کیا اگر یہ کہیں کہ غم میں مبتلا تھے جس کے غلبہ میں کچھ نہ کر
سکے تو یہ بالکل غلط اور ابلہ فریب بات ہے بقول حضرات شیعہ کے اہلبیت میں سے تو حضرت کے
غم میں کوئی بھی بے ہوش نہیں تھا کسی کو اپنی غصب خلافت کا غم تھا کوئی اپنی میراث و فدک

کے اندوہ میں معاذ اللہ مجامع مہاجرین وانصار میں دربدر پھر رہے تھے اور اس کے پیچھے نہ مصطفےٰ کے غم کا خیال تھا نہ مرتضیٰ کی ابرو کا پاس تھا تو جب اہل بیت کا بھی یہی حال تھا تو جو الزام آپ صحابہ کو دیتے ہیں وہ ہی اہل بیت کی طرف راجع ہوتا ہے۔ ثانیاً مسئلہ خلافت بہ نسبت دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم اور ضروری اور خطرناک تھا کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر بگڑنے اور متعفن ہونے سے پاک ومنزہ تھا تو اس لئے دفن کی عجلت کی ضرورت نہیں ہے اور امر خلافت میں اگر اختلال واقع ہوتا اور جس طرح انصار کا منشا تھا اسی طرح خلافت متفرق ہوتی تو اندیشہ برہمی اسلام تھا اس لئے اس کو مقدم کیا گیا۔ ثالثاً ایک کام کی طرف سب کا مجتمع ہونا ضروری نہیں جب اہل بیت اس کے متولی اور متکفل تھے تو اوروں کی حاضری وشرکت چنداں ضروری نہیں تھی اس لئے وہ دوسرے ضروری کاموں میں مشغول ہو گئے۔ رابعاً حضرت امیرؓ کے کلام سے جس کو آپ کے صدوق نے خصال میں روایت کیا ہے جو اس وقت میرے روبرو حاضر ہے ثابت ہوتا ہے کہ حضرتؐ کے غسل وتکفین میں صحابہ کو خود حضرت امیر نے ہی دانستہ شریک نہیں کیا تھا اور یہ حضرت امیر کا صحابہ کو شریک نہ کرنا بوجہ کمال محبت کے تھا نہ یہ کہ صحابہ ہی تدابیر ملکی میں مشغول رہ کر شرکت وحاضری سے باز رہے تھے۔

حدثنا ابی محمد بن الحسن بن احمد بن الولید بن محمد بن یحیی العطار رضی اللہ عنہم قالوا حدثنا سعد بن عبد اللہ عن محمد بن الحسن بن الخطاب عن الحسن بن علی بن فضال عن علی بن عقبۃ عن الحارث بن المغیرۃ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال جاء ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الی امیر المومنین علیہ السلام حین دفن فاطمۃ علیہا السلام فی حدیث طویل قال لہما فیہ اما ما ذکرتما انی لم اشہدکما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فانہ قال لا یری عورتی غیری الا ذہب بصرہ فلم اکن لاؤذیکما بہ

امام ابو عبد اللہ سے مروی ہے فرمایا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم جب حضرت فاطمہ کو دفن کیا جناب امیر کے پاس آئے۔ اس کا قصہ طویل ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ جناب امیر نے ان سے کہا کہ یہ جو تم نے شکایت کہا کہ میں نے تم کو حضرتؐ کی تجہیز وتکفین میں حاضر و شریک نہ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ میرے ستر کو سوائے تیرے جو دیکھے گا اس کی بینائی جاتی رہے گی پس میں نہیں چاہتا کہ تم کو یہ ایذا پہنچاؤں۔

یہ حدیث نص صریح ہے اس امر میں کہ صحابہ نے شرکت تجہیز وتکفین سے تقاعد نہیں کیا بلکہ حضرت امیر نے ہی بنظر خیر خواہی ان کو شریک نہیں کیا ورنہ شکایت کا کیا موقع تھا اور حضرت امیر کے اس جواب محبت آمیز کے کیا معنی تھے۔ اگر ان کی طرف سے کوتاہی ہوتی تو حضرت امیر یہ فرماتے کہ تم خود ہی اپنی تدابیر ملکی میں مشغول رہ کر حاضری وشرکت سے باز رہے میں نے تم کو شرکت سے کب منع کیا تھا جو آج شکایت لے کر آئے علاوہ اس کے اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔ اوّل یہ کہ یہ لوگ خود حضرت کی تجہیز وتکفین میں شریک ہونے سے باز نہیں رہے۔ دوم یہ کہ حضرت امیر نے بنظر خیر خواہی شریک نہیں کیا، سوم یہ کہ حضرت کو ان حضرات کے ساتھ ایسا تعلق محبت تھا کہ ان کی تکالیف گراں بار خاطر عاطر حضرت امیر تھی۔ چہارم یہ کہ یہ حضرات کافر وفاسق وغاصب وناکث نہیں تھے ورنہ ممکن نہیں تھا کہ حضرت امیر کو باوجود ان اوصاف کے کہ جن کی نسبت وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ارشاد ہے ایسا محبت کا تعلق ہوتا۔

احراق بیت کی دھمکی کا جواب

(۴) اہلبیت کو بجائے تعزیت کے گھر جلانے کی دھمکی کے، میں لیجئے اولاً حضرات شیعہ نے کون سے فرد پر افراد اہل بیت سے حضرت کا غم باقی چھوڑا ہے، افسوس جس کا ایسا باپ انتقال کر جاوے یا جس کا ایسا مربی وفات پا جاوے ان کو چند خرما کے درختوں اور تھوڑی سی دنیاوی ریاست کے چھن جانے کا وہ قلق ہو کہ اپنے باپ یا مربی کے غم واندوہ کو یکلخت طاق نسیان میں رکھ کر ان درختوں کے پیچھے مجامع کفار ومنافقین میں دربدر پھریں بھلا کوئی عاقل کہے گا کہ ان کو اپنے باپ کا یا اپنے مربی کا غم ہے معاذ اللہ من ذلک مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے نسخہ سلیم بن قیس ہلالی سے بروایت سلمانؓ نقل کیا۔ فلما کان اللیل حمل فاطمۃ علی حمار واخذ بیدی الحسن والحسین علیہما السلام فلم یدع احداً من اہل بدر من المہاجرین والانصار الا اتاہ فی منزلہ وذکر حقہ ودعا الی نصرتہ فما استجاب لہ الا اربعۃ واربعون رجلا فامرہم ان یصبحوا محلقین رؤسہم معہم سلاحہم علی ان یبایعوا علی موت فاصبحوا فلم یواف منہم الا اربعۃ فقلت لسلمان من الاربعۃ

سہ اس کا ترجمہ ۱۲۲ پر گزر چکا ہے

قال انا و ابوذر و المقداد و الزبیر بن العوام.

دوسری روایت سنیئے ابن میثم شارح نہج البلاغۃ اپنی مختصر شرح میں جو اس وقت میرے سامنے موجود ہے اس کتاب کی شرح میں جس کا شروع یہ ہے۔ ومن کتاب له الی عثمان بن حنیف وھو عامله علی البصرۃ وقد بلغه انه دعی الی ولیمة قوم الخ لکھا ہے،

وفدك قرية كانت لرسول اللّٰهؐ خاصة صالح اهلها على النصف بعد فتح خيبر واجماع الشيعة على انها اعطاها فاطمة عليها السلام في حياته فلما ولى ابوبكر الخلافة عزم على اخذها منها فارسلت اليه تطلب ميراثها من رسول الله وتقول اعطاني فدكا في حياته واستشهدت على ذلك عليا و ام ايمن فشهدا لها بها فاجابها عن الميراث بخبر رواه نحن معاشر الانبياء لا نورث ما تركناه فهو صدقة وعن دعوى فدك انها لم يكن للنبي صلى الله عليه وسلم وانما كانت مالا للمسلمين في يده يحمل به الرجال وينفقه في سبيل الله وانا اليه كما كان يليه فلما بلغها ذلك لاثت بخمارها واقبلت في لمة من حفدتها ونساء قومها تطأ ذيولها حتى دخلت عليه ومعه جل مهاجرين والانصار [illegible]

فدک خاص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گاؤں تھا بعد فتح خیبر کے نصف محاصل پر گاؤں والوں سے مصالحت کرتے تھے۔ اور شیعہ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ گاؤں حضرت نے اپنی زندگی میں حضرت فاطمہ کو دے دیا تھا۔ جب ابوبکر خلیفہ ہوئے اور فاطمہ سے اس کے لینے کا ارادہ کیا تو فاطمہ نے میراث کے مطالبے کا ابوبکر کو پیغام بھیجی اور کہا کہ مجھ کو فدک اپنی حیات میں حضرت نے عطا فرمایا تھا اور حضرت علی اور ام ایمن سے اس پر گواہی چاہی انہوں نے ان کی شہادت دی۔ ابوبکر نے میراث کا تو جواب اس حدیث سے دیا کہ ہم انبیا کے گروہ میں ہماری وراثت نہیں ہوتی جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور دعویٰ فدک کا یہ جواب دیا کہ وہ حضرت کا نہ تھا بلکہ مسلمانوں کا مال آپ کے تصرف میں تھا جس میں لوگوں کو سواریاں دیتے اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے اور میں اس میں اس طرح تصرف کروں گا جس طرح حضرت کیا کرتے تھے جب یہ خبر فاطمہ کو پہنچی تو اپنی اوڑھنی اوڑھی اور اپنی ہم جولیوں اور اپنی قوم کی عورتوں کے ساتھ اپنی چادر سمیٹتی ہوئی آئیں۔ اور ابوبکر کے پاس اس مجمع میں داخل ہوئیں جس میں اکثر مہاجرین اور انصار حاضر تھے،

ہمارے مجیب مصنف منہاج نے روایت ازالۃ الخفا کو جس میں اجتماع حضرت علی وزبیر وغیرہ کا بیت فاطمہؓ میں ذکر تھا بے دینی فرمایا تھا تو یہ روایت کہ جس میں معاذ اللہ توبہ توبہ محض دنیا

طلبی کی غرض سے حضرت معصومہ کا مجامع فساق و فجار و کفار و اشرار میں پھرنا مذکور ہے کس درجہ کی بے دینی بلکہ کون سا درجہ جو بے دینی سے بالاتر ہے قرار دیں گے، غرضیکہ جب اہل بیت طاہرہ میں سے کسی کو حضرت کے انتقال کا غم تھا ہی نہیں تو تعزیت اور تشفی کس کی کرتے، (ثانیاً) پیشتر گذارش ہو چکا کہ اہل بیت کو گھر جلانے کی دھمکی ہرگز نہیں دی بلکہ جو لوگ خلافت حقہ کے برہم کرنے کے مشورہ کرتے تھے ان پر گھر جلانے کی دھمکی دی تھی جو عین اتباع پیغمبر تھا پس اگر ہمت اور حوصلہ ہو تو بسم اللہ شرعاً اس کی برائی ثابت کیجئے اگر یہ ایک برائی ثابت ہو گئی تو انشاء اللہ تعالیٰ حضرت امیر کی نسبت دس گنا زیادہ ثابت ہو گی،

خاندان حضرت علیؓ پر صحابہ کی طرف سے زیادتیوں کی من گھڑت داستانیں

(۵) طرح طرح کے ظلم و ستم اور اقسام اقسام کی جور و جفا اور انواع انواع کے آلام و مصائب جن کا اہلبیت اطہار پر واقع ہونا صحابہ کے دست تعدی سے بیان کیا جاتا ہے اور جن کی مجملاً تفصیل یہ ہے۔ کہ حضرت امیر کے ساتھ غدر کیا اور پرانے کینوں سے اپنے سینوں کو بھرا اور خلافت کو غصب کیا اور فدک کو چھینا اور معافی کی سند کو پھاڑ ڈالا اور معاذ اللہ حضرت امیر کے گلے میں رسی ڈال کر جبراً بیعت ان سے لی اور ان کے قتل کے درپے ہوئے اور حضرت سیدہ کے گھر کو جلایا اور معاذ اللہ حضرت سیدہ معصومہ کے پہلو مبارک پر لکد کا صدمہ پہنچایا۔ اور حمل ششماہہ حضرت محسن کا اپنی ضرب کے صدمہ سے گرایا نہ حضرت سیدہ معصومہ کے دشمنوں کو منبروں پر علی الاعلان تہمت فاحشہ کے ساتھ متہم کیا۔ اہل بیت کی لڑکیوں کو غصب و عدوان کے طور پر لے گئے۔ قرآن تحریف کیا، پیغمبر کے دین کو بدل ڈالا چنانچہ کلینی اور قمی اور طوسی نے اپنی تالیفات میں اور مجلسی نے بحار اور حق الیقین اور جلاء العیون میں ان کی تفصیل لکھی ہے اور مولانا حیدر علی بعد نقل فرماتے ہیں۔ واین ہمہ کہ گفتہ بے شائبہ اغراق حرفی ازان کتابہا و لفظی ازان خطابہا و سنگی از بیستون و قطرہ از جیحون و خوشہ از خرمن و گلی از گلشن است۔ اور یہ محض افتراء و بہتان اور تراش خراش حضرات اکابر امامیہ کی ہے۔ حاشا کہ اہل سنت کے یہاں اس کا نام و نشان بھی ہو پس اہلسنت کو لیے

موضوعات ومفتریات سے الزام دینا اپنے علم وعقل وانصاف کو رسوا کرنا ہے، اور بانی ہونے سے اگر سبب قریب مراد ہے تو اس کے بانی حسب اصول شیعہ حضرت امیر اور حضرت حسنین اور تمام بنی ہاشم اور صحابہ مقبولین امامیہ ہیں کہ ان کی خاموشی اور مداہنت اور جبن اور مسامحت نے تو یہ نوبت پہنچائی کاش ان فسادات کو عباس کے پرنالہ کے برابر وقعت کی نظر سے دیکھتے یا ابوبکر اشجع کے ہم جنب سمجھتے افسوس کہ قوم عاد کو تو بے ضرورت جا کر تیغ بے دریغ کریں اور یہاں اسلام خراب ہو اور اہل بیت ذلیل وخوار ہوں اور حضرت فاطمہ رض چلائیں اور ام کلثوم بلبلائیں اور کان پر جوں تک نہ چلے معاذ اللہ۔ اگر سبب بعید مراد ہے تو پھر خود ذات پاک خداوند تعالیٰ شانہ جو تمام علۃ العلل اور مسبب الاسباب ہے اسی کو لیجئے بیچارے خلفاء نے کیا قصور کیا کہ وہ بیچ میں سے پکڑے گئے۔

حضرت عباس اور ابوسفیان نے چاہا تھا کہ حضرت امیر سے بیعت کریں آپ نے قبول نہ کیا

(۶) خلافت صدیقی بحول اللہ تعالیٰ حسب وعدہ خداوندی جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے قائم ہوئی اور مہاجرین وانصار نے اس کو بسر وچشم قبول کیا۔ اہل بیت نے اس پر اقدام نہیں کیا اور کیونکر کرتے وہ جانتے تھے کہ یہ حق صدیقی ہے پھر کیونکر اس پر اقدام کرتے۔ نہج البلاغۃ میں خطبہ مذکور ہے کہ حضرت عباس نے اور ابوسفیان نے چاہا تھا کہ حضرت امیر کے ہاتھ پر بیعت کرلیں آپ نے منظور نہ فرمایا تو یہ انکار یا بوجہ خوف ہے اور یہ محال ہے یا بوجہ اس کی کہ اپنا حق نہیں سمجھتے تھے وھو عین المدعا فثبت انها حق الصدیق۔ تو یہ کہنا کہ بجز اجماع کے کوئی دلیل عقلی ونقلی وغیرہ نہیں غلط محض ہے خطبہ نہج البلاغۃ سے بعینہ نقل کرتا ہوں۔

خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

ومن کلام له علیه السلام: لما قبض رسول الله صلی الله علیه وآله وخاطبه العباس رحمه الله وابوسفیان بن حرب فی ان یبایعا له بالخلافة

ایها الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاة وعرّجوا عن طریق المنافرة وضعوا تیجان المفاخرة افلح من نهض بجناح او استسلم فاراح ماء اجن ولقمة یغص بها آکلها ومجتنی الثمرة لغیر وقت اینا عها کالزارع بغیر ارضه فان اقل یقولوا حرص علی الملك وان اسکت یقولوا جزع من الموت هیهات بعد اللتیا والتی کیف اجزع من الموت والله لابن ابی طالب آنس بالموت من الطفل بثدی امه بل اندمجت علی مکنون علم لو بحت به لاضطربتم اضطراب الارشیة فی الطوی البعیدة۔ انتهی

اب میں اس خطبہ کا ترجمہ بطور شرح کے لکھتا ہوں خیال وتوجہ کے گوش اس طرف متوجہ فرمایئے (ہنگام وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ حضرت عباس رض اور ابوسفیان رض نے آپ سے آپ کی خلافت پر بیعت کی درخواست کی) اور یہ عباس کی درخواست اس وقت تھی جب کہ حضرت تجہیز وغسل جسد مطہر میں مشغول تھے چنانچہ علامہ کنتوری نے سیف ناصری میں فاضل مدائنی اور جیلانی اور صاحب فتح السبل سے نقل کیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام وبعضے بنی ہاشم بتجہیز وغسل جسد مطہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشغول بودند پس عباس از علی گفت کہ دست خود را دراز کن تا با تو بیعت کنم تا مردمان خواہند گفت کہ عم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بپسر عم رسول خدا را بیعت کرد پس اختلاف نخواہند کرد بر تو دو کس حضرت علی علیہ السلام در جواب گفت آیا طمع خواہد کرد اے عم دریں امر طمع کنندہ بغیر من عباس گفت قریب است کہ خواہی دانست پس درنگ نشد کہ خبرہا آمدند کہ انصار سعد بن عبادہ را نشانیدہ اند کہ با او بیعت کنند و عمر آمد و با ابوبکر بیعت کرد و سبقت برد بر انصار باین بیعت ابن ابی الحدید میگوید پس علی نادم شد بر اینکہ بیعت عباس را نگرفت۔ انتہی نقلا عن ازالۃ العین) تو ارشاد فرمایا اے لوگو فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے پھاڑو اور آپس میں نفرت ڈالنے کے رستے سے بچو اور باہمی فخر کرنے کے تاجوں کو اتار رکھو (یعنی خلافت کا لینا جو ناحق طور پر ہوگا فتنوں اور آپس کی نفرت کا باعث ہوگا اس سے بچو کیونکہ جب یہ دوسرے شخص کا حق ہے تو ضرور فتنہ وفساد قائم ہوں گے تو نجات اور باہمی اتفاق اس میں ہے کہ خلافت کی بیعت اس وقت میرے ہاتھ پر نہ کی جاوے) جو شخص قوت وبازو کے ساتھ اٹھا اس نے نجات پائی یا مطیع ہوگیا تو اس نے اپنے آپ کو راحت میں رکھا (یعنی دو شخص میں ایک وہ کہ

اس کو ظاہری قوت اعوان وانصار کے اور باطنی قوت حقانیت کی حاصل ہے اور وہ اپنی قوت سے اٹھا اس نے فلاح پائی دنیا و آخرت میں وہ کون ہے وہ ابوبکر ہے اور ایک وہ ہے کہ جس کا حق اطاعت تھا وہ مطیع ہو گیا اس نے اپنے آپ کو تکالیف سے راحت دی یہ اپنے نفس کی طرف کنایہ کیا (اس خلافت کی مثال مکدر پانی کی ہے اور اس لقمہ کی ہے جو کھانے والے کے گلے میں پھنسے (یعنی جو شخص ناحق اس کا طالب ہو تو اس لئے میں اس کو منظور نہیں کرتا (پھل کا چننے والا خامی کے وقت میں ایسا ہے جیسا بغیر زمین کے بونے والا) یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ ابھی تک میری خلافت کا وقت نہیں پہنچا تو سعی بے سود ہے (اگر میں بولوں تو کہیں گے کہ بادشاہت کی حرص کی اور اگر سکوت کروں تو کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا) حالانکہ نہ بادشاہت کی حرص ہے نہ موت کا ڈر ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ ابھی وقت نہیں آیا (بعید ہے) یعنی تمہارا مطلوب مجھ سے بعید ہے یا ملک و بادشاہت کا حرص کرنا اور موت سے ڈرنا بعید ہے (ان سب کے بعد کیونکر موت سے میں بے صبری کروں قسم خدا کی ابن ابی طالب اس بچے کے بہ نسبت جو اپنی ماں کے پستان کی رغبت کرتا ہے موت کے ساتھ زیادہ مانوس ہے بلکہ میں ایسے پوشیدہ علم کا واقف ہوں اگر اس کو ظاہر کروں تو تم بے قرار ہو جاؤ اور لرزنے لگو جیسے رسیاں گہرے کنوؤں میں) یعنی احوال قیامت جو کچھ مجھ پر منکشف ہیں اور محشر کی سختیاں جو مجھ کو معلوم ہیں اور گنہگاروں اور لوگوں کے حقوق میں دست اندازی کرنے والوں کی بدحالیاں جو میں جانتا ہوں اگر میں ظاہر و منکشف کر دوں تو تم مضطرب ہو جاؤ، حضرت کے کلام کو دیکھئے اور اپنے دعوے سے مطابق فرمائیے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز وغیرہ پر شیعہ اعتراض

قولہ: مولوی حیدر علی جن کو آپ بتقلید میر مہدی خاتم المتکلمین کہتے ہیں ازالۃ الغین میں کنتوری علیہ الرحمۃ کی نسبت ذکر خطبہ صہ بلاد فلاں میں محض اس گمان سے کہ ان کے زعم میں علامہ علیہ الرحمہ نے شرح ابن میثم نہیں دیکھی جس بحث کو آپ نے بڑے ناز و افتخار سے ہدیۃً جو واقع میں تہدیداً ہی لکھا ہے کیا کیا زبان درازیاں فرمادیں منصب تالیف و تصنیف سے ان کو اٹھا ئیں تعجب ہے کہ صاحب تحفہ کتاب ازالۃ الخفا کو جس کا حوالہ خود باب مفتم میں دیتے ہیں اور خود ان کے مصنف کی ابوت کا تو ذرہ اظہار نہیں فرماتے مگر آیۃ من آیات اللہ و معجزۃ رسول اللہ ان کی شان میں لکھتے ہیں

خود اس کتاب کو ملاحظہ نہ فرمادیں تاکہ معلوم ہو کہ خانہ حضرت زہرا میں کون بزرگوار جمع ہوتے تھے جن کی شان میں گستاخانہ ایسے کلمات کفر لکھتے ہیں اور پھر خاتم المحدثین کا خطاب پائیں، سبحان اللہ
ع۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

جواب اعتراض

اقول: اس قول میں مجیب لبیب نے دو امر تحریر فرمائے جن کا جواب لکھنا اور اہل انصاف کے روبرو پیش کرنا ضروری معلوم ہوا، اول علامہ کنتوری کی شرح ابن میثم نہ دیکھنے کی نسبت مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کی تحقیر و تکذیب دوسرے صاحب تحفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ازالۃ الخفاء نہ دیکھنے کا ادعا۔ پس واضح ہو کہ حضرت مجیب امر اول کی نسبت صاف طور پر نہ اقرار کرتے ہیں نہ انکار لیکن قرائن و فحوائے کلام سے صاف انکار مفہوم ہوتا ہے کیونکہ لکھتے ہیں (محض اس گمان سے کہ ان کے زعم میں شرح ابن میثم نہیں دیکھی) تو اس قول میں شرح ابن میثم کا نہ دیکھنا مجیب کے نزدیک بزعم و گمان حضرت خاتم المتکلمین گویا خلاف واقع ہے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں اپنے انصاف کو نصب العین کر کے فرمائیے کہ فی الحقیقت نفس الامر میں علامہ مذکور نے شرح ابن میثم کا مطالعہ فرمایا یا نہیں اگر مطالعہ نہیں فرمایا تو اس جوش و خروش کے ساتھ باین شد و مد انکار توجیہات کے جو صاحب تحفہ نے کی ہیں کیا معنی؟

درباب خطبہ للہ بلاد فلان علامہ کنتوری کی تکذیب

چونکہ مجیب لبیب نے خاتم المتکلمین رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کو زبان درازی سے تعبیر فرمایا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ملخصاً عبارت تحفہ کے اور اس پر جو کچھ علامہ کنتوری نے بیوجہ زبان درازی و یادہ گوئی فرمائی ہے لکھی جاوے تاکہ اہل انصاف پر واضح ہو جاوے اور معلوم کریں کہ خاتم المتکلمین نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ محض بجواب حضرت علامہ کی زبان درازی کے بحکم لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ تحریر فرمایا ہے، خاتم المحدثین علامہ دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز نے تحفہ میں بعد نقل خطبہ للہ بلاد فلان لقد قوم الاود و داوی العمد الخ کی جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس میں لکھتے ہیں۔ ولہذا شارحین نہج البلاغت از امامیہ در تعیین لفظ فلان خلاف کردہ اند بعضی گفتہ اند کہ مراد ابوبکر است و بعضی گفتہ اند عمر الخ۔ علامہ مذکور فرماتے ہیں

اِنَّ ھذا الا افک مبین۔ ازین ناصبی باید پرسید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابوبکر یا عمر است۔ قال خاتم المحدثین درین عبارت سراسر بشارت ابوبکر را بدہ وصف عالی موصوف ساخت قال العلامہ ثبت الدار ثم النقش اول این معنی باثبات باید رسانید کہ مراد از لفظ فلان درین کلام ابوبکر است بعد ازان باین اوصاف اثبات فضل ابی بکر باید نمود قال خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ عمدہ ان توجیہات نزد ایشان آنست الخ قال العلامہ این ادعا کذب محض است احتیاج این توجیہات شیعہ را وقتی می افتاد کہ در کتب شیعہ بجائے لفظ فلان لفظ ابوبکر موجود می بود چون لفظ ابوبکر موجود نیست ایشان را احتیاج ہیچک از توجیہات نیست پس آنچہ ناصبی بعد تقریر این توجیہات از ہذیانات خود سر کردہ از جہت امتیاز آن بر فاسد از قبیل بناء فاسد علی الفاسد باشد قال خاتم المحدثین و بعضی از امامیہ الخ قال العلامۃ ہیچک از امامیہ این توجیہ نکردہ مگر ابن ابی الحدید اور بعد اس کے لکھا ہے و این ناصبی نیز این کلام ابن ابی الحدید را در حاشیہ ہمیں قول نقل کردہ و چون این ناصبی خود در باب اول تصریح کردہ کہ فرقہ زیدیہ در مسئلہ امامت با اہل سنت موافق است باز مقالہ زیدیہ را با امامیہ نسبت دادن کذب صریح است انتہیٰ۔ اے اہل انصاف علامہ کنتوری کی عبارت کو ملاحظہ کر کے اوّل تو یہ فرمایئے کہ علامہ کنتوری کی زبان درازی کس بنیاد پر ہے اور اگر بجواب اس کے کسی خوشہ چین خرمن میاں من حضرت خاتم المحدثین نے کچھ سخت لکھ دیا تو کیا بے جا کیا بعد اس کے یہ فرمایئے کہ اس عبارت سے علامہ کا شرح نہج البلاغہ کو دیکھنا مفہوم ہوتا ہے یا نہ دیکھنا کیا اس عبارت سے صراحۃً یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ علامہ نے شرح ابن میثم کو خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ ورنہ ان جملوں کے (ہیچک از امامیہ این توجیہ نکردہ۔ ان ہذا الا افک مبین۔ این ادعا کذب محض است) تحریر کی ہرگز ہمت وجرأت نہ ہوتی۔ پھر معلوم نہیں ہمارے مجیب لبیب کس انصاف کے اقتضاء سے شرح ابن میثم کے نہ دیکھنے کو محض مزعوم خاتم المحدثین قرار دیتے ہیں۔ اور اگر فی الواقع علامہ مذکور نے شرح ابن میثم کا مطالعہ کیا ہے اور اس میں واقعی لکھا ہے کہ مراد لفظ فلاں سے ابوبکر ہے یا عمر اور لکھا ہے کہ ابوبکر کی دس اوصاف کے ساتھ مدح فرمائی تو پھر آپ ہی علامہ کے حیاء و انصاف کی شہادت دیجئے۔ اور انصاف سے فرمایئے کہ کیا علامہ کی مشت خاک سے ماہتاب جہاں تاب پر غبار پہنچ سکتا ہے۔ حاشا وکلا۔ ہماری رائے میں مولانا خاتم المتکلمین کا بہت بڑا احسان ہے جو آپ نے علامہ کے دوش وگردن پر رکھا کہ ان کو کتاب ابن میثم کے نہ دیکھنے کے عذر وحیلہ کا موقع دے دیا۔ ورنہ علامہ کے وفور تدین وفضل اور کمال انہماک

مناظرہ کے اعتبار سے وہ یہ فرماتے کہ علامہ نے بے شک کتاب دیکھی ہوگی۔ لیکن جب وارد گیر خصم سے مفر نہیں ملا تو دیدہ ودانستہ انکار کرتا ہے یہ ممکن نہیں کہ ایسی متداول کتاب نہ دیکھی ہو اور خیانت وغیرہ کا الزام دیتے تو علامہ کنتوری عالم برزخ میں بھی تھراتے اور مجیب لبیب زیادہ تاب وپیچ کھاتے پس مجیب لبیب کو اس الزام پر خوش ہونا چاہیئے نہ کہ ناخوش ہوں۔ امر دوم، جو ادعا کہ نسبت نہ دیکھنے صاحب تحفہ علیہ الرحمۃ کے ازالۃ الخفا کو فرمایا ہے امر اول سے بھی زیادہ عجیب ہے اے حضرت فرمایئے تو سہی اس امر پر کون سی دلیل قائم ہے کہ صاحب تحفہ نے ازالۃ الخفا کو نہیں دیکھا کیا حضرت نے اپنے زعم ہی کو کافی دلیل تصور فرما لیا ہے۔ جو اس الزام سے آپ ہم کو دھمکاتے ہیں مگر پھر آپ بھی کیا کریں، معذور ہیں جواب لکھنا ضرور ہوا تو ایسی ہی باتوں سے اپنا دل نہ بہلائیں تو اور کیا کریں ذرا علامہ کی تکذیب وانکار کو خاتم المحدثین کی تحریر سے ملا کر انصاف سے دیکھئے اور پھر بھی اگر سمجھ میں نہ آوے تو بندہ کی گذارش کو جو جواباً عرض کی ہے اس کے ساتھ منضم کر کے ملاحظہ فرمایئے پھر آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن آپ پر منکشف ہو جائے گا کہ خاتم المحدثین کا قول بالکل صاف اور بے غبار ہے اور ازالۃ الخفا کی بھی مخالفت نہیں اور علامہ نے شرح دیکھی یا نہیں، بہر تقدیر علامہ نے اپنے اس انکار میں کہ لفظ فلان سے کسی شارح نے ابوبکر یا عمر مراد نہیں لیا بڑی غلطی کھائی۔ پس اب دیکھئے ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ باقی آپ کے ناشائستہ کلمات کا ہم کیا جواب لکھیں۔

شاہ ولی اللہؒ کی ازالۃ الخفاء کے حوالہ سے شیعہ کی مغالطہ دہی

قولہ: توضیح للمرام ازالۃ الخفاء کی عبارت نقل ہوتی ہے تاکہ آپ کو بھی معلوم ہو جائے کہ جن کی شان میں آپ کے خاتم المحدثین یہ کلمات تحریر فرماتے ہیں وہ کون حضرات تھے۔ ازالۃ الخفاء کے مقصد دوم مآثر جلیلہ صدیق اکبر واقعہ صفحہ ۲۹ مطبوعہ مطبع صدیقی مقام بریلی میں تحریر فرماتے ہیں در ہمین ایام مشکلے دیگر کہ فوق جمیع مشکلات توان شمرد پیش آمد وآن این بود کہ زبیر وجمعی از بنی ہاشم در خانہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ جمع شدہ در باب نقض خلافت مشورہ ہا بکار میبردند حضرت شیخین آنرا بہ تدبیرے کہ بایستی برہم زدند وتدارک ملالی کہ بر مزاج حضرت مرتضیٰ عارض شدہ بود بحسن ملاطفت فرمودند روایت این قصہ ہر یکے چیزے را حفظ کردہ وچیزے ترک نمودہ اینجا چند روایت بنویسیم تا قضیہ منقح گردد۔ عن زید بن اسلم عن ابیہ انہ حین بویع لابی بکر بعد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کان علی و الزبیر یدخلون علی فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیشاورنہا ویرتجعون فی امرھم فلما بلغ ذلک عمر بن الخطاب خرج حتی دخل علی فاطمۃ فقال یا بنت رسول اللہ و اللہ ما من الخلق احب الینا من ابیک وما من احد احب الینا بعد ابیک منک و ایم اللہ ما ذاک بمانعی ان اجتمع ھؤلآء النفر عندک ان امرھم ان یحرق علیہم البیت قال فلما خرج عمر جاؤھا فقالت تعلمون ان عمر قد جائنی وقد حلف باللہ لئن عدتم لیحرقن علیکم البیت وایم اللہ یمضین لما حلف علیہ فانصرفوا راشدین فروا ایکم ولا ترجعوا الی فانصرفوا عنہا فلم یرجعوا الیہا حتی بایعوا لابی بکر اخرجہ ابن ابی شیبۃ

اور اگر اس روایت کی صحت میں کچھ کلام ہو تو اسی کتاب کے مقصد ثانی کی چھٹی فصل تنقیح عمر واقعہ صفحہ ۱۷۹ ملاحظہ فرمایئے کہ اس روایت کو باسناد صحیح علی شرط الشیخین یعنی بخاری و مسلم لکھتے ہیں،

بحث: اس حدیث کی جو مشورہ نقض خلافت پر دال ہے اور اس مغالطہ کا جواب

اقول: یہ روایت نہ آپ کو کچھ مفید ہے اور نہ آپ کے خصم کو مضر ہے کیونکہ جس بنیاد پر جناب نے اس روایت کو نقل کیا ہے فی الحقیقت وہ بنا ہی فاسد ہے۔ یہ امر تو ظاہر ہے کہ یہ دلسوزی حضرت زبیرؓ کے واسطے تو نہیں ہے کیونکہ ان کو تو کافر جانتے ہیں تو صرف حضرت علیؓ کی وجہ سے کہ ان کو بدون کسی دلیل عقلی نقلی عرفی کے معصوم اعتقاد کر رکھا ہے یہ شور و شغب ہے اگر اہلسنت بھی معتقد عصمت حضرت امیرؓ و صحابہ ہوتے تو البتہ یہ الزام کسی قدر قابل التفات ہوتا لیکن جب اہلسنت ان حضرات کو معصوم نہیں اعتقاد کرتے تو نہ ان پر یہ الزام وارد ہوتا ہے نہ اس کی طرف التفات کی ضرورت ہاں ان کو افضل امت اور کرام میں جانتے ہیں اور دعوات صالحہ سے یاد کرتے ہیں اور ان کے حق میں کہتے ہیں،

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ — اے ہمارے رب بخش ہم کو اور بھائیوں ہمارے کو جو آگے ہوئے ہم سے ایمان اور مت رکھ دلوں ہمارے

قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ — کے برائی واسطے ان لوگوں کے کہ ایمان لاتے اے رب ہمارے تحقیق تو شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

اور کوئی معصیت ان کے مرتبہ عالیہ کو کم نہیں کرتی حسب وعدہ خداوند تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ فی الدین مبر ور و مشکور اور ان کی زلات و معاصی مغفور ہیں باایں ہمہ کاروبار انتظامیہ اور امور مہمہ کے اختلال کے وقت نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مراعات فرمائی اور فرمایا،

لو ان فاطمۃ بنت محمد (اعاذھا اللہ من ذلک) سرقت لقطعت یدھا — اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا محمد کی بیٹی (اللہ اس کو پناہ میں رکھے) چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا،

زانی کو رجم کرایا قاذف کو حد لگوائی شارب خمر کو پٹوایا، تو جب ادنیٰ ادنیٰ شخصی حقوق میں یہ نوبت ہے تو جن امور میں نوعی حقوق تمام مسلمانوں کے اور خداوند تعالےٰ کے متعلق ہوں گے ان میں کیونکر رعایت کی جا سکتی ہے۔ اور باوجود اس کے پھر حضرت نے ایسے لوگوں کی نسبت جو کچھ ارشاد فرمایا آپ جانتے ہی ہوں گے۔ حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ اور حضرت کا ارشاد آپ کو معلوم ہی ہوگا تو خلفاء رضی اللہ عنہم نے بھی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یہ طریقہ اخذ کیا اور اس پر عمل کیا تو اگر اس پر طعن کیا جاوے گا تو سیرت نبویؐ پر طعن عائد ہوگا بلکہ خود حضرت امیر کے طریقہ پر طعن والزام منصرف ہوگا کہ ان کا فعل بدرجہا اس سے زیادہ ہے کہ حضرت نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محبوبہ ام المومنین کا بھی جو بالاتفاق وفات شریف تک زوجیت میں رہیں اور بنص قرآنی ام المومنین ہیں پاس ادب نہ فرمایا اور قتل و قتال سے بھی دریغ نہ کیا۔ علاوہ ازیں نقض بیعت صدیقی کے مشورہ کی بابت خواہ اس کو آپ حق سمجھیں یا ناحق حضرت امیرؓ کی نسبت آپ کے اصول کے مطابق الزام اور معصیت ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر کو غصب حقوق و خلافت کی خبر دی تھی اور صبر و سکوت کی وصیت فرمائی تھی اور فرمایا تھا خبردار کچھ ہی کیوں نہ کریں خلافت چھینیں گھر جلا دیں معاذ اللہ بنات طیبات غصب کریں دم نہ مارنا چون و چرا نہ کرنا پھر باایں ہمہ تاکیدات بلیغہ و تشدیدات شدیدہ آپ نقض خلافت کے مشورہ کرنے لگے اور خلاف وصیت و حکم پیغمبر کے عمل کرنے لگے علاوہ اس کے کہ معاذ اللہ معصیت اور مخالفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں مبتلا ہوتے۔ آپ کے اصول پر اس مخالفت پیغمبر کے مکافات میں خلفاء نے جو کچھ عترت کے ساتھ کیا بجا کیا۔ معہذا روایات شیعہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے خطا و نادانستگی کی حرکات انبیاء سے بھی سرزد ہوتیں اور سبب لعن و طعن نہیں قرار دیتے

گئے۔ حضرت موسیٰؑ کا قصہ حضرت ہارونؑ کے ساتھ پوشیدہ نہ ہوگا کہ حضرت موسیٰؑ نے ہارونؑ سے

اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۔ تو میرے پیچھے نہ آیا کیا تو نے رد کیا میرا حکم

فرمایا اور داڑھی پکڑ کر کھینچی تو اب خیال فرما لیجئے گا کہ موسیٰؑ کون تھے اور ہارونؑ کون تھے، علی بن ابراہیم اوستاد کلینی نے تفسیر اہل بیت میں لکھا ہے جب کہ حضرت موسیٰؑ کے استاد حضرت خضرؑ نے طفل کو مار ڈالا تو موسیٰؑ نے ان کو زمین پر دے مارا اور کوئی دقیقہ ان کی بے حرمتی میں باقی نہ چھوڑا، الفاظ روایت یہ ہیں،

اذا ضجت السفينة في البحر قام الخضر ينظر الى جوانب السفينة فكسرها وحشاها بالخرق والطين فغضب موسى غضبا شديدا وقال للخضر اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا فقال له الخضر اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ مُوْسٰى لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا فخرجوا من السفينة فنظر الخضر الى غلام يلعب بين الصبيان حسن الوجه كانه قطعة قمر وفي اذنيه درتان فتامله الخضر ثم اخذه فقتله فوثب موسى على الخضر وجلد به الارض فقال اقتلت نفسا زكية بغير نفس لقد جئت شيئا نكرا

جب کشتی دریا میں ڈال جرتی خضر اٹھ کر کشتی کے کناروں کو دیکھنے لگا پھر اس کو توڑا اور چیتھڑوں اور مٹی سے اس کو بند کیا تو موسیٰ نہایت غصہ ہوئے اور خضر سے کہا کہ تو نے اس کو پھاڑ ڈالا اس لئے کہ ڈبا دے اس کے لوگوں کو تو نے کی ایک چیز انوکھی خضر نے کہا میں نے نہ کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہ کر سکے گا موسیٰ نے کہا نہ مواخذہ کر مجھ سے میری بھول پر اور نہ ڈال مجھ پر میرے کام میں مشکل پھر کشتی سے نکلے اور خضر نے ایک حسین چاند کا ٹکڑا لڑکا دیکھا جو لڑکوں میں کھیل رہا تھا اس کے کان میں دو موتی تھے خضر نے اس کو تامل سے دیکھا پھر پکڑ کر مار ڈالا پس موسیٰ نے خضر پر حملہ کیا اور زمین پر دے پٹکا اور کہا تو نے مار ڈالی ایک ستھری جان بن بدلے کسی جان کے تو نے کی ایک چیز نامعقول

تو جب سبقت ہو چکی حضرت موسیٰ سے [illegible] جو خضر استاد [illegible] گستاخی کے صدور پر واقع ہوا کہ جوش تفتیش میں ان کو تاب نہ رہی اور کر بیٹھے جو کچھ کیا [illegible] طرح ان حضرات سے بھی ابتداء انعقاد خلافت صدیقی میں خفاءً کوئی امر بالفرض واقع ہوا ہو تو ہرگز سبب طعن و عن نہیں ہو سکتا۔

قولہ: اس مقام میں بہت کچھ بحث ہو سکتی ہے مگر چونکہ صرف ہماری غرض یہاں اسی قدر ہے کہ جو حضرات خانہ جناب زہرا میں جمع ہوئے تھے وہ کون تھے اس سے زیادہ نہیں لکھتے۔

اقول: اس تھوڑی بحث کا نتیجہ و ثمرہ تو آپ پا چکے اگر بہت کچھ بحث ہوتی تو آپ ہی کے اجتہاد و انصاف پر بہت کچھ دھبہ آتا۔ اور اس روایت کے ذکر سے اگر اتنی ہی غرض تھی کہ جو حضرات خانہ جناب زہرا میں جمع ہوتے تھے وہ کون تھے تو اس کا کسی نے انکار کیا ہے کہ یہ حضرات ان میں نہیں تھے اور اگر مقصود یہ ہے کہ یہ بزرگوار بوجہ ارتکاب اس فعل کے درجہ مکرمت اور بزرگی سے ساقط ہو گئے اور مستوجب لعن طعن کے ہوتے تو ثابت کیجئے اور ثابت کر کے اپنے ائمہ اور مقبولین کو بچا لیتے،

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خلاف شیعہ کی زبان درازی اور اُسکا جواب

قولہ: مگر اس قدر عرض کرنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ اس جگہ جو چالاکی و ہوشیاری حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے کی ہے وہ قابل دید ہے فارسی عبارت میں زبیر و جمعی از بنی ہاشم لکھا ہے جناب امیر کا نام نہیں لکھا تاکہ فارسی خوان یہ نہ جانے کہ جناب امیر بھی مخالف تھے۔

اقول: حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ مضجعہ کی تو چالاکی ہے یا نہیں لیکن مجیب لبیب کی دانشمندی و انصاف قابل دید ہے کوئی عاقل جب کہ وہ یہ جان سکتا ہو کہ یہ اجتماع و شوریٰ جناب علی و حضرت زہرا کے خانہ میں ہوتا تھا کیا اس میں تردد کرے گا کہ حضرت امیر اس میں شریک تھے یا نہیں تھے، بھلا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کے گھر میں اتنے بڑے عظیم الشان امر میں مشورہ ہوتا ہو اور اس کو اس سے لگاؤ نہ ہو علی الخصوص جب کہ اس کے ساتھ میں یہ بھی ضمیمہ کیا جاوے کہ حضرت زہرا جیسی زوجہ مکرمہ مطیعہ کے ساتھ مشورہ ہوتا ہو تو ہرگز عقل کو اس کے تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا اور عقل اس کو بداہۃً قبول کرے گی کہ حضرت کو اسمیں شمولیت ہے تو فارسی عبارت میں اس کا عدم ذکر بوجہ بداہت کے ہے نہ چالاکی و ہوشیاری کی وجہ سے علاوہ اس کے اگر یہ امر بدیہی نہ ہوتا ہم فقرہ ودنداری عزال کہ برمزاج حضرت مرتضیٰ عارض شدہ بود مجمل ملاطفت فرمودند اظہار اس مطلب میں ایسا صاف ہے کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت امیر اس وقت ناخوش تھے۔ معہذا مجیب لبیب یہ جو فرماتے ہیں تاکہ فارسی خوان یہ نہ جانے اس میں فارسی خوان سے کیا مراد ہے، اگر فارسی خوان سنی مراد ہے تو بالفرض اگر سنی فارسی خوان اس کو جانے گا تو کیا حرج ہے وہ کب اعتقاد رکھتا ہے کہ حضرت معصوم ہیں اہلسنت جیسے زبیر کے معتقد فضائل ہیں ویسا ہی حضرت امیر کے ہیں جب زبیر کا ذکر ان کو مضر نہیں تو حضرت امیر کا ذکر کیوں مضر

ہوگا جیسا ان کے فعل کو خطاء پر محمول کرتے ہیں ویسا ہی حضرت امیر کے فعل کو محمول بر خطا کرے گا اور اگر شیعہ مراد ہے تو اولاً یہ کتاب شیعہ کے واسطے لکھی نہیں گئی کیونکہ دلائل الزامیہ مسلمات خصم سے اس میں استدلال نہیں کیا گیا۔ اور ثانیاً شیعہ تو پہلے ہی سے اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی اس بیعت صدیقی کے مخالف رہے۔ پس اگر وہ اس عبارت سے حضرت امیر کی ہی شرکت جانے گا تو کیا حرج ہوگا، بس یہ مجیب لبیب کی نظر تعصب وعناد ہے جس نے دانش مندی و انصاف کو خاک میں ملا رکھا ہے۔ ہاں چالاکی وہوشیاری اکابر علماء شیعہ کی قابل دید ہے کہ وہ اپنے مذہب کے حفظ ناموس کے لئے روایات میں تراش خراش کر ڈالتے ہیں،

شیعہ حضرات کا عبارات میں تحریف کرنا

ملا باقر بحار الانوار میں آپ کے امام المحدثین کلینی کی روایت نقل فرماتے ہیں اور اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ اسمیں صدوق صاحب نے تغیر تبدل کیا ہے۔

هذا الخبر ماخوذ من الكافي وفيه تغير عجيب تورث سوء الظن بصدوق وهو انما فعل ذلك لتوافق مذهب اهل العدل

یہ خبر کافی سے ماخوذ ہے اور اس میں عجیب تغیر ہے جس سے صدوق کی نسبت سوء ظن ہوتا ہے اس نے یہ تغیر اس لئے کیا کہ اہل عدل کے موافق ہو جائے،

اور نیز علامہ رضی کی چالاکیاں بھی جو نقل خطبات جناب امیرؑ میں انھوں نے فرمائی ہیں جن کا شراح کو بھی اعتراف ہے قابل تماشا ہے وکفی بهما فخراً او قدوة۔ پس یہ چالاکیاں وہوشیاریاں حضرت کے اکابر ہی کرتے چلے آتے ہیں بفضل اللہ تعالیٰ مذہب اہلسنت تراش وخراش سے پاک ومنزہ ہے اور یہ حال تو اس شخص کا ہے جو بلقب صدوق ملقب ہے تو جو حضرات صدوق نہیں ہیں ان کا کیا حال ہوگا،

قولہ: لطف یہ ہے کہ شاہ صاحب گھر جلانے کی تہدید کو حسن ملاطفت تحریر فرماتے ہیں اور کچھ نہیں فرماتے۔ شاید حضرات اہلسنت کی اصطلاح میں ایسی ہی باتوں کو حسن ملاطفت کہتے ہیں تشدد تو خدا جانے کیا ہوگا۔

اقول: اس شرم وحیا پر آفرین ہے کہ عبارت کا مطلب خلاف سیاق خود ہی اپنی طرف سے تراش لیا اور اعتراض کر دیا پھر اس پر جو ش حیا میں طعن وتشنیع مزید برآں سو خیر ہم

طعن وتشنیع سے قطع نظر کرکے مجیب لبیب کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ شاہ صاحب نے گھر جلانے کو حسن ملاطفت کہاں تحریر فرمایا، عبارت شاہ صاحب کی یہ ہے "حضرت شیخین آنرا بہ تدبیر یکہ بایستی برہم زدند وتدارک ملالی کہ بر مزاج حضرت مرتضی عارض شدہ بود بحسن ملاطفت فرمودند" اس میں دو جملے مذکور ہیں جو لاحق سابق پر حرف واو کے ساتھ معطوف ہے اور کیا آپ با ایں ہمہ ادعائے اجتہاد اتنا بھی نہیں جانتے کہ فی الاصل عطف بالواو مغائرت معطوف ومعطوف علیہ کو مقتضی ہے تفسیر کا ارتکاب اس جگہ ہوتا ہے جس جگہ محل مغائرت کو محتمل نہ ہو، استعمالات اس کے شاہد ہیں ورنہ لازم آوے کہ تاکید تاسیس سے بہتر ہو،

حسب روایات شیعہ جناب امیر خلفاء کے ساتھ ہمیشہ شیر وشکر اور شریک مشورہ رہے

حاصل مدعا عبارت کا جو صاف اور واضح طور پر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ شیخین نے اس فتنہ کو جو ان حضرات کے مشورہ سے اٹھنے والا تھا اس تدبیر اور تہدید سے فرو کیا اور حضرت امیرؑ کے ملال کا جو مشورہ بیعت صدیقی میں نہ شامل ہونے یا اس تہدید کی وجہ سے ناشی تھا حسن ملاطفت سے تدارک کر دیا اور دلیل اس رفع ملال کی یہ ہے کہ آپ ہمیشہ مشورہ میں شریک رہے اور نیک صلاح بتاتے رہے۔ نہج البلاغۃ کو ملاحظہ فرمائیے۔ میرے اس قول کی تصدیق پاتے گا اور ایک روایت استبصار کی بھی یاد آئی جو باب الحد فی اللواطۃ میں مذکور ہے سو لکھے دیتا ہوں،

ابو علی الاشعری عن الحسن بن علی الکوفی عن العباس بن عامر عن سیف بن عمیرة عن عبد الرحمن العزرمی قال سمعت اباعبد اللہ علیہ السلام یقول وجد رجل مع رجل فی امارة عمر فهرب احدهما واخذ الآخر فجئ به الی عمر فقال للناس ما ترون قال فقال هذا اصنع کذا وقال هذا اصنع کذا قال فقال ما تقول یا ابا الحسن قال اضرب عنقه قال فضرب

عبد الرحمن عزرمی کہتا ہے کہ میں نے امام ابو عبد اللہ سے سنا فرماتے تھے کہ ایک مرد کو کسی مرد کے ساتھ بد فعلی کرتے ہوئے پایا، ایک تو بھاگ گیا اور دوسرا پکڑا گیا اس کو عمر کے پاس لائے انھوں نے لوگوں سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے اس نے کہا یہ کرنا چاہیے کہ یہ کہا اے ابو الحسن آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے

عنقه قال ثم اراد ان يحمله فقال مه انه	فرمایا اس کی گردن مار پس اس کی
قد بقی من حدوده شی قال ای قال قد بقی	گردن ماری پھر اس کا اٹھانا چاہا آپ نے
قال ادع بحطب قال فدعا عمر بحطب فامر	کہا ٹھہر ابھی کچھ حد باقی ہے لکڑیاں منگا عمر نے لکڑیاں منگائیں
به امیر المؤمنین فاحرق به ۔	پس آپ نے جلانے کا حکم کیا اور جلایا گیا ۔

اور اگر اس سے تسکین خاطر سامی نہ ہو تو لیجئے اس سے بھی زیادہ صریح پیش کرتا ہوں ۔ حضرت مولانا خاتم المتکلمین نے ازالۃ الغین میں آپ کے فاضل اخباری کے جواب ایضاح میں سے عبارت نقل کی ہے وہ عبارت ملتقطا بندہ عرض کرتا ہے واگر بانصاف تامل فرمانید واضح است کہ بناءً علی مزعوم الامامیہ از خلفاء ثلثہ راشدین گو نسبت با امیر المومنین و فاطمہ سلام اللہ علیہا نقض عہد ونکث بیعت غدیر و غصب فدک و دیگر چند اعمال دال بر عناد سر زدہ اما با این ہمہ بازدر رعایت طریقہ معاشرت این ہا با اہل بیت ہمیں اعزاز واکرام باتفاق فریقین بود واجرای شعائر اسلام را بجز افعال معدودہ کہ در کتب کلامیہ وسیر موجود و منشاء طعن وقدح در شان شان ست بالمرہ نزد امامیہ نیز زمیان برنداشتہ بودند پاس شرع متین را نصب العین خاطر خود ہا میداشتند الخ ۔ اب آپ بغور اپنے فاضل اخباری کی شہادت کو ملاحظہ فرمائیے ۔ کہ شیخین کے حسن ملاطفت کی کس طرح شہادت دیتا ہے اور پھر بھی اگر شک رہے تو اپنے فاضل کی روح پر فتوح سے دریافت کیجئے کہ حضرت جب ان بزرگواروں نے نقض عہد کیا اور نکث بیعت کی اور فدک کو چھینا اور بنات طیبات کو غضب کیا جب یہ سب کچھ کیا تو تذلیل واعانت میں کون سا دقیقہ باقی رہ گیا پھر آپ جو یہ فرماتے ہیں کہ اعزاز واکرام باتفاق فریقین بود اگر یہ ہی اعزاز واکرام ہے تو خدا جانے تذلیل واعانت کیا ہو گی آپ ایسی بات فرماتے ہیں اور کچھ نہیں شرماتے پھر جو کچھ آپ کو آپ کے فاضل کی روح سے جواب ملے وہی ہمارا جواب سمجھ لیجئے ۔

قولہ : اب ذرا غور فرمائیے کہ جن حضرات کو آپ کے خاتم المحدثین صاحب خیانت وانتزاع نساء پیشہ ومردودان جناب الہی لکھتے ہیں وہ ان کے والد ماجد کی شہادت سے یہ حضرات تھے ۔

اس کا جواب سابق میں عرض کیا جا چکا ہے حاجت اعادہ نہیں اور ہم کو حیا آتی ہے کہ ہم ہر بار ان اوصاف ذمیمہ کو نقل کریں جو شیعہ اخبار سے نے کہ صحابہ کرام کی شان میں فرماتے ہیں ۔

جواب اس امر کا کہ صحابہ کا حضرت فاطمہ رض کے گھر میں داخل ہونا شیعہ بے دینی کہتے ہیں

قولہ : جناب سیدہ کی نسبت یہ کہنا کہ ان کے پاس ایسے اشخاص آتے تھے بے ادبی ہی نہیں بلکہ بے دینی ہے آج کوئی ادنی مولوی سنی کی بیٹی کی نسبت اس کے شاگردوں میں سے یہ کلمہ کہہ سکتا ہے ۔ یہ حضرات اہل سنت کی ہی کمال رشادت ہے کہ اہل بیت جناب رسالت مآب کی شان میں یہ کلمات کہتے ہیں اور پھر خیر امت میں داخل اور مدعی ولاء وتمسک اہلبیت ہیں ۔

اقول : اے اہل انصاف اور اے اہل فضائل وکمالات کیا جاگتے ہو یا سو گئے قطع نظر مجیب لبیب کی تہذیب سے ان کے اجتہاد اور انصاف اور علم وفضل اور دانش مندی وعقل و جرأت وہمت اور حیاء وشرم کو ملاحظہ فرماؤ اور تحسین وآبرو پڑھو کہ ہمارے حضرت مجیب کو اگر کتاب اللہ کی خبر نہیں تو چنداں مضائقہ نہیں کہ معذور ہیں لیکن اپنے مذہب کی روایات پر بھی تو مطلق نظر نہیں شاباش ع این کار از تو آید و مردان چنین کنند ۔ اب لیجئے اول کتاب اللہ کی شہادت سنیئے حق تعالی شانہ سورۂ نور میں ارشاد فرماتا ہے ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا	اے ایمان والو مت جاؤ گھروں میں اپنے
غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَ	گھروں کے سوا جب تک نہ بول چال کر لو اور
تُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ۚ	سلام دے لو ان گھروں والوں کو ۔

یہ آیت شریفہ صراحۃ مومنین کو اجازت دیتی ہے اور حکم کرتی ہے کہ دوسروں کے گھروں میں باجازت واستیناس داخل ہونے کا مضائقہ نہیں ہے اور یہ بزرگوار قطع نظر اس کے کہ اکابر صحابہ میں سے تھے حضرت زہرا وحضرت امیر کے ساتھ قرابات بھی رکھتے ہیں تو ان کے لئے بار دیگر اجازت دخول ہوئی ۔ ظاہر ہے کہ حضرت زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور جب حضرت امیر بھی شریک مشورہ تھے تو ممکن نہیں کہ یہ دخول حضرت کی بلا اجازت ہو اگر مجیب لبیب مدعی ہیں تو مخالفت ثابت فرماویں ، اگر اس سے تشفی نہ ہو تو اور سنیئے حق تعالی شانہ مومنین کو اپنے نبی کے گھر میں باذن داخل ہونے کی اجازت فرماتا ہے اور فرماتا ہے ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا	اے ایمان والو نبی کے گھروں میں

يُبُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ — مت جاؤ۔ مگر جو تم کو اجازت ہو۔

اور جب کہ خود نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہے تو البتہ تیمی کے گھر میں داخل ہونے سے کون مانع ہے تو جب یہ حضرات داخلین اکابر صحابہ اور اعاظم مسلمین سے ہیں اور جو علاوہ ان کے دوسرے لوگ تھے تو وہ ان ہی کی معیت اور تبعیت میں تھے اور با جازت و مشورہ حضرت امیر داخل ہوئے تو کوئی قباحت شرعی و عقلی لازم نہ آئی اور بحمد اللہ تعالیٰ نہ کچھ اہل سنت کی رشادت اور ولا و تمسک میں فرق و قصور آیا۔ لیکن اب حضرات شیعہ کی روایات معتبرہ کی شہادت پیش کر کے اہل انصاف سے ملتمس ہوں کہ مجیب نبیب اور اکابر شیعہ کے رشادت اور وداد و تمسک کا مشاہدہ فرماویں۔ اور دیکھیں کہ ہمارے مجیب لبیب کا پایہ انصاف و تدین کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے۔ بحار مجلسی کی روایت جو حق الیقین میں مذکور ہے اس کا ترجمہ مولانا حیدر علی نور اللہ مرقدہ نے ازالۃ الغین ج ۲، ۵ میں نقل کیا ہے سنئے حضرت صادق علیہ السلام فرمود کہ ابوبکر و عمر از امیر المومنین سوال کردند کہ شفاعت نماید و ایشان را ہمراہ خود نزد فاطمہ زہرا ببرد و ہر گاہ داخل شدند گفتند اے دختر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چہ حال داری فرمودند بحمد اللہ بخیریت ام۔ الخ یہ روایت نص صریح ہے اس امر میں کہ شیخین حضرت زہرا کے پاس گھر میں داخل ہوئے۔ دوسری روایت اگرچہ طول طویل ہے لیکن ملتقطاً فقرات موافق مطلب عرض کرتا ہوں۔ پس آنحضرت بیمار شد و جناب ولایت مآب در اوقات نمازہائے پنجگانہ بمسجد میرفت و ابوبکر و عمر پرسش حال سیدہ می نمودند تا اینکہ بیماری آنحضرت سنگین شد آن ہر دو کس گفتند اے علی در میان ما و فاطمہ رنجشی کہ واقع شدہ بود تو بہتر میدانی پس اگر مناسب دانی اجازت فرما تا عذر ہی از تقصیر و گناہ خود بیان نمائیم فرمود شما در این باب اختیار دارید پس آن ہر دو بر سر دروازہ حجرہ مطہرہ حاضر شدند و آں جناب اندرون دولت سرا رونق افزا گشت و فرمود کہ شیخین حاضر اند و میخواہند کہ سلام نمایند بر شما پس مرضی شما چیست آنحضرت فرمود خانہ خانہ شما است و من زوجہ مطیعہ شما ام پس ہر چہ مرضی شریف باشد بجا آرید فرمود چادر بر سر گیر پس مقنعہ مطہرہ بر سر کشیدہ و روی خود را جانب دیوار گردانید پس ہر دو آمدند و گفتند کہ راضی شو از ما خدا راضی شود از تو۔ الخ۔ یہ روایت بھی مثل روایت سابقہ کے آشکارا تصریح کرتی ہے کہ حضرت شیخین حضرت زہرا کے پاس گھر میں داخل ہوئے اور علی شیخ المشائخ کی روایت کا خلاصہ جو ازالۃ الغین میں مذکور ہے یہ ہی ہے کہ اس میں سے یہ ہی ہے اور حضرت سیدہ نے فرمادی کہ میں اجازت نہ دوں گی اور نہ شیخین سے کلام

کروں گی بعد اس کے بسفارش حضرت امیر اجازت دی اور شیخین اندر داخل ہوتے تو اب مجیب لبیب کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر زبیر وغیرہ کا حضرت زہرا کے گھر میں آنا باوجودیکہ وہ اہلسنت کے نزدیک اعاظم اہل اسلام اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں بے ادبی ہی نہیں بلکہ بے دینی بھی قرار پائی تو اب بلحاظ ان روایات کے حضرت شیخین کے حضرت سیدہ کے پاس گھر میں داخل ہونے کی نسبت باوجود اس کے کہ حضرات شیعہ شیخین کی جناب میں کون سی برائی اور گستاخی ہے جو نہیں کرتے حضرت مجیب منصف ردیان ان روایات ہی کے حق میں کون سا بے دینی کا مرتبہ ثابت فرمائیں گے اور کس درجہ بے دین ان کو ٹھہراویں گے۔ اور کچھ ان روایات ہی پر منحصر نہیں حضرات شیعہ تو معاذ اللہ حضرت سیدہ کے مجمع فساق و اہل نفاق و شقاق میں جانے بلکہ ان میں سے ہر ایک کے در بدر پھرنے کی روایت کرتے ہیں۔ الفاظ روایت عنقریب ذکر کر آیا ہوں دو چار ورق الٹ کر دیکھ لیجئے اور دیکھ کر انصاف سے فرمائیے کہ یہ روایت جو ازالۃ الخفاء سے نقل فرمائی ہے بے دینی ہے یا یہ روایت جو حضرات شیعہ نے روایت فرمائی ہیں۔ اگر آپ نے اس روایت کو بنظر انصاف بے دینی فرمایا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ان روایات کو جو آپ کے اکابر علماء نے نقل فرمائی ہیں بعد ملاحظہ بنظر انصاف و عدم عصبیت و حمیت ابلیسیہ اور وجاہلیت کے ساتھ تعبیر فرمائیں گے۔ ہم تو کچھ عرض نہیں کر سکتے آپ اپنے انصاف سے جو چاہیں فرمائیں اور اگر روایات گذشتہ کا دیکھنا گراں بار خاطر گرامی ہو تو بحمد اللہ تعالیٰ میری تتبع قاصر میں اور بھی روایات ہیں بخوف طوالت صرف استبصار سے جو اس وقت میرے سامنے موجود ہے ایک روایت نقل کرتا ہوں۔ باب الصلوۃ علی الجنازۃ معہا امراۃ میں روایت ہے۔

علی بن الحسین عن عبد الرحمن بن ابی نجران وسندی بن محمد ومحمد ابن الولید جمیعا عن عاصم بن حمید عن یزید بن خلیفۃ قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام فسالہ رجل من التیمیین فقال یا اباعبد اللہ تصلی النساء علی الجنازۃ فقال ابو عبد اللہ ان رسول اللہ کان اہدر دم المغیرۃ بن ابی العاص وحدث حدیثا طویلا وان زینب بنت النبی صلی اللہ

یزید بن خلیفہ کہتا ہے کہ میں امام ابو عبد اللہ کے پاس تھا کہ بنی تیم میں سے ایک شخص نے آپ سے سوال کیا اے ابو عبد اللہ کیا عورتیں بھی جنازہ کی نماز پڑھیں امام ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے منجملہ ان کے جن کا خون مباح کر دیا تھا مغیرہ بن ابی العاص تھا اور طویل قصہ بیان فرمایا کہ زینب حضرت

علیہ و آلہ توفیت و ان فاطمۃ خرجت فی نسائہا فصلت علی اختہا

کی صاحبزادی نے وفات پائی اور حضرت فاطمہ عورتوں کی شامل ہو کر نکلیں اور اپنی بہن کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

یہ روایت حضرت سیدہ کے گھر سے نکلنے پر دلالت کرتی ہے اور واضح ہو کہ یہ نکلنا دوسری روایات استبصار سے ہے ناجائز قرار پاتا ہے۔

عنہ عن العباس بن عامر عن ابی المغرا عن سماعۃ عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ انہ قال لیس ینبغی للمرأۃ الشابۃ ان تخرج الی الجنازۃ تصلی علیہا الا ان تکون امرأۃ قد دخلت فی السن۔

امام ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ جوان عورت کو مناسب نہیں کہ نماز جنازہ کے لئے نکلے مگر یہ کہ سن رسیدہ عورت ہو

علی بن فضال عن محمد بن علی عن محمد بن یحیی عن غیاث بن ابراھیم عن ابی عبد اللہ قال لا صلوۃ علی جنازۃ معہا امرأۃ۔

امام ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ جس جنازہ کے ساتھ عورت ہو اس پر نماز ہی نہیں۔

علاوہ ازیں وہ روایت جو حضرت کلینی نے حضرت بضعۃ المعصوم ام کلثوم کی نسبت فرمائی ہے کمال دینداری پر مبنی ہے وہ نہایت حیا اور دینداری سے اول درج غصبت منا امام سے ان کی نسبت روایت فرماتے ہیں فی الواقع اہلسنت سے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ادنی مولوی سنی کی دختر کی نسبت ایسی فحش اور بیزاری باتیں کہیں چہ جائیکہ سیدہ مستورہ کی جناب میں حاشا وکلا۔ یہ حضرات شیعہ ہی کی کمال رشادت اور نہایت ولاء و تمسک و محبت اہل بیت طاہرین ہے کہ اس کی آڑ میں جو چاہتے ہیں فرماتے ہیں۔ نہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ رسول سے شرم کرتے ہیں۔ خدا کے لئے ذرا انصاف کی آنکھیں کھول کر فرمائیں کہ کوئی ادنی مجتہد یا مولوی شیعہ کی بیٹی کی نسبت کوئی شیعہ جو ان کے شاگردوں سے یا ان کے دوستوں سے ہو ایسے کلمات جو آج آپ کے بزرگ اہلبیت کے دشمنوں کی جناب میں کہتے ہیں کہہ سکتا ہے لا و اللہ ثم لا و اللہ حضرت سیدہ کا ایسے مجمع میں تشریف لے جانا روایت کرنے کو رشادت اور ولاء و تمسک سے تعبیر کروں یا ان کے در بدر پھرنے کو رشادت اور ولاء و تمسک کہوں یا آپ کے پاس ایسے لوگوں کے آنے کو یا حضرات شیعہ کی فحش بیانی کو عقت [illegible] کی نسبت رشادت اور ولاء تمسک قرار دوں ایک ہو تو عرض کروں [illegible] در ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم انا للہ و انا الیہ راجعون مگر [illegible] دلسوزی محض مقتدیان اہلسنت

اس بناء پر ہے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا اہلبیت میں معدود و محبوب ہوں اور حضرت کا داخل اہلبیت ہونا غالباً اسی روز سیاہ کے لئے تسلیم کیا گیا ہے ورنہ اگر حسب فرمودہ صاحب شافی شارح کافی کلینی و صاحب کنز العرفان دیکھا جائے جس کی عبارت ہم اوپر نقل کر آئے ہیں تو اس تطویل کی کچھ حاجت نہیں اور ان توجیہات کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ جب حضرت سیدہ کا اہلبیت میں معدود ہونا محتمل ہے بلکہ اگر اہلبیت میں معدود ہیں تو مجازاً اور فی الحقیقت اہلبیت میں شامل نہیں تو پس قصہ ہی طے ہو چکا آپ کس منہ سے بے ادبی اور بے دینی کا اعتراض فرمائیں گے۔ کیونکہ یہ سب قصہ تو اس لئے بنا رکھا تھا کہ آپ اہلبیت میں شمار کی جاتی تھیں۔ سو آپ کے صاحب شافی اور صاحب کنز العرفان نے ایک کرشمہ میں سارا عقدہ ہی حل کر دیا۔ واقع میں یہ کتابیں اسم بامسمیٰ نکلیں

حضرت فاطمہ کی ناخوشی کا افسانہ اور اس کا جواب

قولہ: اس عبارت ازالۃ الخفاء سے وہ راستی و صدق نقل روایت جو صاحب تحفہ نے فرمائی ہے کہ حضرت زہرا ہم ازین نشست و برخاست آنہا مکدر و ناخوش بود۔ لہ خوب واضح ہے جناب امیر کی نشست و برخاست سے جناب زہرا معاذ اللہ ضرور مکدر و ناخوش ہوئے ہونگے۔

اقول: صاحب تحفہ قدس سرہ کے صدق و راستی نقل روایت مثل روز روشن ظاہر و باہر ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ آپ نے شاید قسم کھا رکھی ہے کہ عبارت کے صحیح مطلب کو ہرگز فہم تک رسائی نہ دیں گے۔ پھر اس پر کیا کچھ حق الیقین کا ادعا اور انصاف کا کیسا کچھ زعم ہے۔ لیکن آپ بھی مجبور ہیں آپ کیا کریں جیسا کچھ صاحب نزہہ و تشید وغیرہ نے غلط صحیح فرما دیا آپ نے اعتقاد کر لیا اور اگر ایسا نہ کریں تو کیا کریں حضرت میر صاحب گستاخی معاف کجا ازین نشست و برخاست آنہا کی نشست و برخاست۔ جناب امیر اگر زیادہ نہیں تو صرف اتنا ہی کسی طالب علم سے دریافت کر کے سمجھ لیجئے کہ مجموع من حیث المجموع کا حکم افراد من حیث الافراد کے حکم سے مباین اور مغایر ہو سکتا ہے اس کی صدہا مثالیں عالم میں موجود ہیں۔ اگر ایک پتھر کو ہزار آدمی اٹھا سکتے ہیں تو ہر ایک ہرگز نہیں [illegible] سکتا اور اگر ایک رسی بہت سے بالوں سے بنی ہو [illegible] ہاتھی کو باندھ سکتی ہے تو ایک بال [illegible] ہے ہاتھی نہیں باندھ سکتا۔ علاوہ ازیں جو حکم کسی فرد [illegible] کے ساتھ متقید ہو [illegible] غلط بیان سے متعلق سمجھ کر معترض نہ [illegible] ہونا [illegible] خلاف عقل اور [illegible] یہ حضرت [illegible] خیال نہیں فرماتے کہ وہ قید جس کے [illegible]

یہ حکم مقید ہو رہا ہے۔ وہ علت اور مدار حکم ہے گویا فی الحقیقت حکم اس حیثیت پر جو بمنزلہ وصف ہے دائر اور وارد ہو رہا ہے لیکن چونکہ عموماً جزئیات و اوصاف توابع ہوتے ہیں اور بدون وجود موصوفات کے وجود خارجی سے معرا ہوتے ہیں اس لئے موصوفات کا ذکر ضروری ہوتا ہے لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ ذوات موصوفات کے مطلقاً محکوم علیہا ہے طلبہ ایساغوجی خوانان سے بھی بعید ہے پس اس اعتراض سے حضرت مجیب لبیب اور ان کے ان بزرگواروں کی جنہوں نے تحفہ پر اس قسم کے اعتراضات کئے ہیں کمال عقل و فہم اور انصاف و تحقیق حق واضح ہوتی ہے معہذا حضرت مجیب کا ناخوشی و تکدر حضرت زہرا سے جناب امیر کرانفہ اس قدر استنکاف محض اپنے اکابر کے تصریحات کے ناواقفیت یا تجاہل کی وجہ سے ہے ورنہ حسب تصریح علمائے اساطین قوم حضرت معصومہ کا جناب امیر کو (دروغ برگردن راوی) جنین پردہ نشین ملطخ نجاسات سے تشبیہ دینا اور خائنین در خانہ گریختہ کے مثل فرمانا کون سی خوش دلی پر اور صفائی طبع پر مبنی ہے اور خاص اس معاملہ میں قرائن صاف طور پر دال ہیں کہ جناب سیدہ اس نشست و برخاست سے مکدر و ناخوش نہ تھیں قرینہ اول یہ ہے کہ بعد تہدید حضرت عمرؓ کے حضرت سیدہ نے مہاجرین و انصار میں سے کسی کے روبرو جا کر شکایت نہیں فرمائی کہ لوگو عمر میرا گھر جلانا چاہتا ہے، تعجب ہے کہ چند درخت خرما کے نیچے تو (معاذ اللہ دروغ برگردن راوی) یوں مجمع مہاجرین و انصار میں فریاد و فغاں فرمادیں اور اتنے بڑے امر کو سن کر اس طرح خاموش ہو کر بیٹھ رہیں دوسرے عمرؓ سے سن کر آپ نے ان کو بطور اتمام حجت کے کچھ جواب نہ دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہی منشا تھا تیسرے یہ کہ حضرت امیر وغیرہ کو یہی صلاح دی کہ جاؤ اپنی رائے آپ سوچو اور میرے پاس نہ آؤ صریح معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہی مدعا تھا جو عمر رضی اللہ عنہ کی دھمکی کے پردہ میں ظاہر فرمایا اور بوجہ کمال اخلاق کے آپ اس کو بے پردہ نہیں فرماتی تھیں پس حضرت مجیب خوب غور و تامل کے ساتھ بنظر انصاف ملاحظہ فرمادیں اگرچہ انصاف کی امید تو نہیں۔

شیعہ حضرات کی جوابی کارروائی کا جواب

[illegible] ناتمام ہے جو صاحب تحفہ کی عبارت [illegible] ہے بخوف طوالت اغماض کر کے حضرت مجیب کے قول [illegible] کا جواب لکھتے ہیں

اقول: یہاں تک مجیب لبیب نے جس قدر اعتراضات فرمائے اور اغماض نہیں کیا، ان میں حضرت کا مرتبہ علم و انصاف و تحقیق حق واضح ہوچکا اگر یہاں بھی کچھ فرماتے تو بجز اس کے اور کیا تھا کہ ایک دھبہ غلطی کا اور لگ جاتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دل میں کچھ سمجھ کر ہی چپکے ہو رہے خیر ہم اتنے ہی انصاف کے شکر گزار ہیں گو تناقض کا ہونا اور بوجہ طوالت اغماض کرنا تہدیداً بیان فرماتے ہیں،

قال الفاضل المجیب (قولہ) چنانچہ کتاب اللہ فضائل صحابہ سے پُر اور اقوال عترت بے شمار ان کی مدائح میں وارد ہیں۔ (اقول) کیوں حضرت شروع میں خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کو الخ لکھنا اور بعد میں فقط لفظ صحابہ لکھ کر کتاب اللہ سے ان کے فضائل کا مدعی ہونا اس کو کیا کہتے ہیں ہم تو بپاس ادب کچھ کہہ نہیں سکتے مگر آپ منصف ہیں آپ ہی ارشاد فرمائیں،

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: سبحان اللہ ہمارے مجیب لبیب نہ عبارت کو دیکھتے ہیں نہ مطلب سمجھتے ہیں اور اعتراض فرما دیتے ہیں، اے حضرت بندہ کی عبارت کو تو دیکھئے کہ کیا عرض کیا گیا ہے پھر اعتراض فرمائیے، اب میں اپنی عبارت نقل کرتا ہوں، اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ اس پر اعتراض ہمارے مجیب کا بجا ہے یا بے جا (لیکن مبنی معظم اختلاف کا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علی الخصوص خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کو اہلسنت تمام امت سے باعتبار مرتبہ اعلیٰ و افضل اور ایمان میں اثبت و اکمل اعتقاد کرتے ہیں چنانچہ کتاب اللہ فضائل صحابہ سے پر ہے اور اقوال عترت بے شمار ان کی مدائح میں وارد ہیں) یہ عبارت ہے جس پر مجیب لبیب معترض ہیں اور ناز کر کے فرماتے ہیں کہ ہم بپاس ادب کچھ نہیں کر سکتے حضرت مجیب کا یہ فرمانا کہ شروع میں خلفاء ثلثہ رضؓ کو لکھنا اگر اس سے مراد یہ ہے کہ صرف خلفاء ثلثہ رضؓ کو لکھا اور عموماً صحابہ کا ذکر نہیں کیا تو محض غلط ہے شروع میں عموماً صحابہ کی افضلیت کو ذکر کیا گیا ہے اور بعد اس کے ثانیاً بطور تخصیص بعد تعمیم خلفاء ثلثہ کو بوجہ غایت اہتمام کے ذکر کیا گیا ہے اور اگر حصر مراد نہیں ہے تو صحیح ہے لیکن مفید نہیں بلکہ اعتراض مہمل ہے اور اگر لفظ کرام سے آپ متردد و متشکک ہیں تو کیا آپ باایں ہمہ مناظرہ دانی اتنا بھی نہیں جانتے کہ اہلسنت کا مذہب جمیع صحابہ کی نسبت کیا ہے علاوہ اس کے اگر بالفرض شروع میں صحابہ کرام کا ذکر نہ ہو اور صرف خلفاء ثلثہ رضؓ کا ہی ذکر ہوتا اور بعد اس کے لفظ صحابہ لکھ کر کتاب اللہ سے ان کے فضائل کا دعویٰ کیا جاتا تاہم کچھ حرج نہیں تھا اور نہ حسب اصول اہلسنت کوئی اعتراض تھا کیونکہ جو فضائل

کہ بحیثیت صحابیت اور مہاجریت اور انصاریت وغیرہ کے بیان کئے گئے خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم اس میں فرد کامل ہیں تو ان کے فضائل اس میں بالاولیٰ ثابت ہوں گے مثلاً جناب امیر کا ذکر کرکے اگر فضائل اہلبیت کا دعویٰ کیا جائے تو کیا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت امیر کی فضیلت اس سے ثابت نہ ہوگی حاشا وکلا بلکہ بالاولیٰ آپ کے فضائل ثابت ہوں گے۔ ہم سے آپ کیا دریافت فرماتے ہیں کسی اہل انصاف سے پوچھ لیجئے آپ کو بتا دے گا کہ آپ کا اعتراض محض بے سمجھی اور ناانصافی کی وجہ سے ہے۔

قرآن عزیز کے متعلق شیعہ کی دریدہ دہنی اور اس کا جواب

قولہ: پہلے عرض ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام کی فضیلت سے انکار نہیں مطلق صحابہ کی فضیلت میں گفتگو ہے جیسا کہ قرآن شریف سے فضائل ثابت ہیں ایسے ہی ذمائم و رذائل بھی ثابت ہیں چنانچہ بطور نمونہ ایک آیت لکھی گئی۔

اقول: وہیں یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ حسب نصوص اکابر قوم صحابہ کرام کا وجود عنقا صفت محض فرضی اور ادعائی ہے پس آپ کا یہ فرمانا صرف بوجہ اغماض از تصریحات اپنے علماء کے ہے اور اگر آپ مدعی ہیں تو بسم اللہ ہمیں میدان ہمیں چوگان ہمیں گو۔ تشریف لائیے اور اپنے اصول پر جن صحابہ کو کرام سمجھتے ہیں کتاب اللہ سے ان کا کرام ہونا ثابت فرمائیے۔ جب کہ صحابہ کی قرآن شریف سے بھی فضائل ثابت ہیں اور رذائل بھی ثابت ہیں تو کیا خداوند تعالیٰ کو معاذ اللہ سہو واقع ہوا تھا یا بداء واقع ہوا جو اس اختلاف فاحش کا سبب ہوا یا یہ کہ فضائل عثمان جامع القرآن نے اضافہ کر دیئے اور اگر یہ غرض ہے کہ بعض کے فضائل اور بعض آخر کے ذمائم اور رذائل مذکور ہیں تو برائے خدا ذرا تعیین تو کیجئے اور اپنی مقبولین لسانی کو غیر مقبولین سے تمیز تو دیجئے حق یہ ہے کہ قرآن شریف میں حق تعالیٰ شانہ نے عموماً صحابہ کرام کے مدارج دنیوی و اخروی بیان فرمائے اور نہ خداوند تعالیٰ بھولا نہ اس کو بداء واقع ہوا اور نہ کسی نے [illegible] کی اور خداوند تعالیٰ نے ان کی معاصی کی مغفرت کا وعدہ فرمایا جو ان سے گناہ [illegible] جس قدر معاصی ہیں وہ مغفور ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ اور یہ آیت جو نمونہ لکھی تھی اس کی نسبت [illegible] کر دیا ہے کہ جس دعوے سے ثبوت [illegible] نمونہ پیش کیا تھا فی الحقیقت اس کے لئے نمونہ نہیں بلکہ [illegible]

علم و فہم اور انصاف و تحقیق حق کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

خلفاء ثلاثہ کے متعلق شیعہ کا چیلنج اور اس کا جواب

قولہ: ہاں خلفاء ثلثہ کی شان میں جیسا کہ آپ خصوصیت کے ساتھ ان کی افضلیت کے مدعی و معتقد ہیں ایک ہی آیت لکھئے۔

اقول: اس میں بھی مجیب لبیب ہی کو انشاء اللہ تعالیٰ زیادہ دقت پیش آئے گی حضرت بھی تو خصوصیت کے ساتھ جناب امیر کی افضلیت کے مدعی و معتقد ہیں بلکہ رسل اولوالعزم سے بھی افضل سمجھتے ہیں چنانچہ سابقاً ثابت کر چکا ہوں تو آپ اس کے ثبوت کے لئے ایک ہی آیت تحریر فرما دیجئے اور اگر آپ ہم سے اول اس کے طالب ہیں تو لیجئے ہم ہی گذارش کرتے ہیں لیکن یاد رہے کہ اسی طرح اپنے دعوے کا بھی ثبوت موافق اپنے اصول کے دینا ہوگا۔ اب سنئے کہ سورہ نور میں خداوند تعالیٰ شانہ فرماتا ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم میں اور کشائش والے اس پر کہ دیویں قرابت والوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں اور چاہیئے معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔

باتفاق اہلسنت و شیعہ یہ آیت شریفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی کہ آپ نے قصہ افک میں مسطح بن اثاثہ پر بوجہ اس کے کہ اس سے بھی اس میں کچھ شرکت و گفتگو پائی گئی حق الانفاق ترک فرما دیا تھا۔ یہ آیت نصاً ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو ثابت کرتی ہے۔ دوسری سورہ واللیل میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى	اور بچا دیں گے اس سے بڑے پرہیزگار کو جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو

یہ آیت بھی حضرت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی تفسیر مجمع البیان میں جو اس وقت میرے [illegible] موجود ہے لکھا ہے۔

وعن ابن الزبير قال ان الآية نزلت [illegible]	ابن زبیر سے مروی ہے کہ یہ آیت [illegible]

في ابوبكر لانه اشترى المماليك الذين اسلموا مثل بلال و عامر بن فهيره و غيرهما فاعتقهم والاولى ان يكون الآيات محمولة على عمومها في كل من يعطي حق الله من ماله و كل من منع حقه سبحانه۔

میں نازل ہوئی کیونکہ اس نے وہ غلام جو مسلمان ہوگئے تھے مثل بلال اور عامر بن فہیرہ کے خرید کر آزاد کئے اور اولیٰ یہ ہے کہ آیات اپنے عموم پر ہر ایک اس شخص کے حق میں جو خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے اور جو خدا کے حق کو ادا نہیں کرتا محمول ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ۔ بے شک خدا کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

توجب ابوبکر اتقیٰ ہوئے تو عند اللہ اکرم اور افضل بھی ہوئے تبصرین۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ جو سچ لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی پرہیزگار ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے۔

قيل الذي جاء بالصدق رسول الله وصدق به ابوبكر۔ کہتے ہیں جو سچ لے کر آیا رسول ہیں اور جس نے تصدیق کی ابوبکر ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس جگہ حضرت ابوبکر کی تخصیص کی بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ آپ اس باب میں فرد کامل تھے اسی سبب سے آپ کا لقب صدیق قرار پایا جس کو حضرات ائمہ نے بھی بیان فرمایا علاوہ اس کے آیت اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ خاص خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کی صفت ہے اور اس کا مصداق جنگ بدر کے قصہ میں درباب اسیران بدر حضرات شیعہ نے بھی تسلیم فرمایا ہے علاوہ ان سب کے آیت استخلاف واضح طور پر خلفاء رضی اللہ عنہم کی فضیلت کو ثابت کرتی ہے علاوہ ان کے اور بہت سی آیتیں پیشتر گذارش کرچکا ہوں بڑے خدا انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں قرآن کے تحریف کے درپے نہ ہوں آئندہ آپ کو اختیار ہے۔

اقوال عترت کا مخالفین پر حجت ہونا

قولہ: اقوال عترت بہت شمار تحریر فرمائے ہیں معلوم نہیں ان سے آپ کی کیا مراد

ہے اگر مقبول الخود مراد ہے تو وہ خصم پر حجت نہیں۔

اقول: اگر اقوال عترت مقبول الخود مراد ہوں تاہم مطلقاً یہ فرمانا کہ خصم پر حجت نہیں آپ کے اپنے بزرگوں کی اقوال کی ناواقفیت کی دلیل ہے بے شک عدم حجت اس وقت ہے جب کہ غیر مسلّم خصم ہوں اور جب کہ خصم ان کو تسلیم کرتے ہوں تو اگرچہ مقبول الخود ہوں خصم پر حجت ہوں گے اب سنیئے علامہ عبدالرزاق لاہجی نے گوہر مراد میں صحت روایات اہل سنت کی تصریح فرمائی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ اہل انصاف در فرقہ سنیان محدثین ایشانند کہ ہرچہ از پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ بایشاں رسید بے کم وکاست روایت می نمایند انتہیٰ ملخصاً عن الازعام۔ پس جب کہ خصم نے صحت روایات خصم تسلیم کرلیا تو کیا وجہ کہ اس پر حجت نہ ہوں۔

شیعہ کتب سے فضائل صحابہ کے اقوال

قولہ: اور اگر متفق علیہ مراد ہیں تو سب سے پہلا ہیں کے بعد آپ کے علماء نے ہماری کتابوں سے بزعم خود کل نو قول نقل کئے ہیں جیسا کہ آیات بینات والے اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں ہر ایک کا جواب اپنے محل پر دیا گیا ہے پس آپ کا ان کو اقوال بے شمار لکھنا مبالغہ شاعرانہ ہے

اقول: حضرت میر صاحب آپ آنکھیں کھول کر دیکھئے کہ بحول اللہ تعالیٰ علماء اہلسنت نے کیا کچھ کیا باوجودیکہ آپ کے علماء نے اپنی تمام عمر اخفاء محامد و فضائل صحابہ اور ہیئت مناقب و مطاعن میں صرف کر دی تو ایسی حالت میں ایسے ایک قول کا ملنا جو صحابہ کے فضائل پر دلالت کرے عجائبات قدرت الٰہی سے ہے جیسا کہ خوارج کی کتابوں میں فضائل و محامد حضرت امیر کا پایا جانا نہایت مستبعد اور کرامت جناب امیر سے ہے چنانچہ حسب اعتراف سامی نو قول پاسکتا ہوں ائمہ کا ایک قول بھی واجب التسلیم ہے اور جب نو مرتبہ ایک قول فرمادیں تو افسوس کہ علماء شیعہ اس میں ان کی تکذیب فرماویں اور ان اقوال کی تحریف کریں با این ہمہ یہ تعداد حسب اعتراف مجیب لبیب ہے ورنہ فی الحقیقت اقوال بے شمار شیعہ کی کتب سے نکل سکتے ہیں چنانچہ اس عاجز نے ابحاث سابقہ میں ایک موقع پر ۲۳ اقوال نقل کئے جو صحابہ کرام کی عموماً یا خصوصاً مدح کرتے ہیں حالانکہ کتب موجودہ کا بھی پورا مطالعہ بوجہ قلت فراغ تتبع نہیں ہوسکا اور سامان کتب کافی موجود ہو اور فرصت ہو اور حسب خواہش تلاش کی جائے تو بہت سے

اہلسنت بھی کریں، تو اس وقت حضرت مجیب کو معلوم ہو، اس وقت ایک حدیث طویل کافی کے ذہن میں ہے لیکن خوف تطویل اجازت نہیں دیتی لیکن مختصراً حوالہ دیتا ہوں کہ فروع کافی کے باب من یجب علیہ الجہاد ومن لا یجب میں علی بن ابراہیم عن ابیہ عن بکیر بن صالح عن القاسم بن یزید عن ابی عمر الزبیری عن ابی عبد اللہ قال قلت اخبرنی عن الدعاء الی اللہ والجہاد فی سبیلہ ہو لقوم لا یحل الا لہم الخ

روایت ہے اس کو ملاحظہ فرمایئے اور غور کیجئے کہ کس طرح خلفاء ثلثہ کے استحقاق امامت کو ثابت کرتی ہے اور مہاجرین کی رفاقت کو حضرتؐ کے ساتھ واضح کرتی ہے اور یہ کہ ان حضرات نے باجازت خداوند تعالیٰ کسریٰ وقیصر پر جہاد کیا اور کفار پر شدید اور مسلمانوں پر رحیم تھے اور یہاں تک خلوص دل سے عبادت خداوند تعالیٰ کی کہ حق تعالیٰ نے ان کی تعریف توریت وانجیل میں بھی نازل فرمائی،

حسب تصریح علماء شیعہ حضرت پیغمبرؐ نے شیخین کو ابراہیمؑ و نوح علیہم السلام سے تشبیہ دی

غرض اس حدیث سے صلاح حال ومآل خلفاء رضی اللہ عنہم ثابت ہوئی چنانچہ مفصل یہ روایت عنقریب ثبوت خلافت میں ہم بیان کریں گے اور علی ہذا القیاس روایت غوال اللآلی ہے جمہور و دیگر مفسرین امامیہ کہ اسیران بدر کے معاملہ میں جب حضرتؐ نے مشورہ فرمایا تو ابوبکر صدیقؓ نے فدیہ کا مشورہ دیا اور عمر فاروقؓ نے قتل کی رائے دی تو آپ نے فرمایا،

مثلک یا ابابکر مثل ابراہیم اذ قال فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم ومثلک یا عمر مثل نوح اذ قال رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا

اے ابوبکر تیری کہاوت ابراہیم کی ہے کہ اس نے کہا جس نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے اور اے عمر تیری مثل نوح کی ہے جب کہ انہوں نے کہا کہ پروردگار نہ چھوڑ زمین پر کوئی کافر بسنے والا۔

سے یہ روایت ... [illegible]

اس جگہ عبارت فخر رازی امامیہ کی منتہی الکلام سے نقل کرتا ہوں، روایت است کہ در روز بدر ہفتاد تن اسیر گرفتہ بودند از آن جملہ عباس وعقیل بودند حضرت رسالت صلی اللہ در باب ایشان با اصحاب را مشورہ فرمود ابوبکر گفت کہ اکابر واصاغر این قوم اقارب وعشائر تواند اگر ہر یک بقدر طاقت واستطاعت فدائے بدہند باشد کہ روزی بدولت ہدایت برسند وحالا عدد ومدد مسلمانان زیادہ شود وعمر گفت یا رسول اللہ ایشان تکذیب کردند ترا و بیرون کردند این ہا ائمہ کفر اند ہمہ را بفرما تا گردن زنند ومگیر از ایشان فدا را عقیل بعلی سپار وعباس را بحمزہ وفلان را بمن تا گردن زنیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ حق سبحانہ وتعالیٰ دلہائے مردم را آگاہ است کہ نرم میسازد بمرتبہ کہ نرم تر از شیر است و دیگر دلہا میباشد کہ سخت تر از سنگ مثل تو اے ابابکر ہمان مثل ابراہیم علیہ السلام ست کہ گفت فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ومثل تو اے عمر ہمچو مثل نوح است وقتیکہ گفت رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا واین دو حالت کہ نرمی وسختی است کہ از انبیاء صادر میشود بحسب مقام ومقتضاء وقت خوب است چہ بعضی از کفار ہستند کہ بسیار شدید اند در کفر وایمان از ایشان متوقع نیست وبہ ازاحت ایشان آنجا استیصال مناسب است ودل سختی دیگر بخلاف است نرمی وخوشخوئی بعد ازین حضرتؐ فرمود اصحاب را اگر خواہید بکشید واگر خواہید دیت بستانید ایشان دیت را اختیار کردند۔ پس جناب مجیب کا لفظ بے شمار کو مبالغہ شاعرانہ سمجھنا محض بوجہ ناواقفیت اپنی کتب کے ہے وبس۔

قولہ: معہذا خلفاء ثلثہ کی شان میں ان نوں میں سے بھی بعض ہیں،

اقول: حضرت مجیب شاید ان اقوال کو جو عموماً مناقب صحابہ کرام میں وارد ہوئے ہیں بوجہ کمال دین ودیانت وعلم وفراست خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کی شان میں نہیں سمجھتے کہ لفظ بعض اطلاق فرماتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ جو قول عموماً اصحاب کی منقبت پر دلالت کرے گا خلفاء ثلثہ بالاولیٰ اس میں شامل اور اس کے مصداق ہوں گے،

قال الفاضل المجیب: قولہ، اور شیعہ ان کو خدانخواستہ ثقلین بدتر از کفار ومنافقین جانتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک) اقول، آپ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ شیعہ صحابہ کرام کو ایسا جانتے ہیں۔ یہ محض افترا ہے حاشا وکلا کہ شیعہ کا یہ اعتقاد ہو،

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: جناب مجیب کی اس جرأت کو آفرین اور اس ہمت پر شاباش

عبارت متوں الذی میں لفظ استثنا رہا ہے

نہ اپنی کتابیں دیکھیں نہ اپنے علماء کی شہادتیں سنیں بیچارے صحابہ کس گنتی میں ہیں۔ آپ کے بزرگواروں نے تو انبیاء و ائمہ کو بھی کفر و خیانت سے نہ چھوڑا اور صحابہ میں سے تو فسق و کفر و نفاق وارتداد سے شاید ہی کوئی بچا ہو۔ تو شاید کرام کے تسلیم علی سبیل الفرض ہوگی۔ پس اس کو اہلسنت کا افترا کہنا طرفہ تماشا ہے۔ یہ وصف تو گستاخی معاف جناب کے ہی اکابر میں پایا جاتا ہے کہ ائمہ پر افترا کرتے تھے بہتان باندھتے تھے جھوٹی روائتیں بنا کر ان کی طرف سے شائع کرتے تھے اور حضرت ہی کی کتابوں میں یہ بھی موجود ہے۔

الشیعۃ کانوا یکذبون علی الائمۃ وھم قد تاذوا منھم علی ما ذکرہ الکلینی فی الکافی عن زرارۃ	شیعہ ائمہ پر جھوٹی باتیں تھوپتے تھے اور امام شیعوں سے اذیت پاتے تھے۔

بایں ہمہ اگر شیعہ کا یہ اعتقاد نہیں ہے اور صحابہ کرام کو کرام جانتے ہیں اور اپنے بزرگواروں کے جنھوں نے کرام ہونے سے صحابہ کو خارج کیا ہے تکذیب کرتے ہیں تو مرحبا بالوفاق وحبذا الاتفاق۔

صحابہ کے نفاق کے متعلق شیعہ کی یاوہ گوئی اور اس کا جواب

قولہ: ہاں جن کا نفاق ان کے نزدیک ثابت ہے اور روایات اہل سنت بھی اس کی مساعدت کرتی ہیں ان کو ہی ایسا سمجھتے ہیں نہ کہ کل کو ایسی گول مول بات لکھی اور سب کو خلط ملط کرنا انصاف سے بعید ہے۔

اقول: وہ منافقین کہ جن کا نفاق کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ثابت ہے اہلسنت کے نزدیک ہرگز اعداد صحابہ میں معدود نہیں اہلسنت کے نزدیک صحابیت کے واسطے ایمان خاتمہ تک ہونا شرط ہے حاشا و کلا کہ اہلسنت کی روایتیں نفاق صحابہ کی مساعدت کرتی ہوں لیکن ان حضرات شیعہ کی روایات صحابہ کرام کے ارتداد و نفاق کو صاف صاف بیان کرتی ہیں پس حقیقت میں خلط ملط آپ کے بزرگان دین نے اپنی روایات میں فرما رکھا ہے نہ ہم نے۔

قولہ: یہ سب ممکن ہے کہ شیعہ خلاف ثقلین کریں حضرات اہلسنت سے اس امر میں [illegible] مخالفت ور [illegible] ہے۔

اقول: حضرت میر صاحب یہ محض آپ کا اور آپ کے بزرگوں کا زبانی دعوی ہے تشیع کا اور اتباع ثقلین کو بیا عدۃ شیعیت تو اتباع ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم اور میثمی اور زرارہ

اور سالم بن ابی حفصہ اور ابو الجارود اور ابو بصیر وغیرہ کے دین کا اتباع ہے آپ جدلیات کو چھوڑیے اور اپنی کتابوں سے اس امر کی تحقیق فرمایئے اگر انصاف سے دیکھیے گا تو معلوم کیجئے گا کہ یہ طریقہ ان ہی حضرات کا اور ان کے بزرگوں کا ایجاد و اختراع ہے کہ ہمیشہ تراش تراش کر اور بنا بنا کر ائمہ رضی اللہ عنہم کی طرف نسبت کرتے تھے اور ائمہ ان کی تکذیب فرماتے تھے کسی پر لعنت فرماتے تھے کسی کو شر من الیہود والنصاریٰ فرماتے تھے پس جو طریقہ ایسے بزرگواروں کے توسط سے لیا جائے گا وہ ہرگز ثقلین کے مطابق نہیں ہوگا تعجب یہ ہے کہ شیعہ نے ان حضرات کی درایات و روایات کو مطاعن صحابہ و مسئلہ امامت میں تو پیشوا قرار دے رکھا ہے کیا وجہ ہے کہ الہیات میں ان کی روایات و درایات کو قبول نہ کیا۔

حضرات شیعہ اصول و فروع میں ثقلین کے مخالف ہیں

چونکہ ان حضرات کا کسی قدر حال معہ روایات سابق میں بھی بیان کر چکا ہوں اس لیے اس موقع پر اسی قدر قلیل پر اکتفا کر کے حضرات شیعہ نے جو خلاف ثقلین اپنے اصول و فروع میں کیا ہے اس کو نقل کرتا ہوں (۱) وجوب معرفت خدا تعالیٰ عقلاً ہے حالانکہ یہ ثقلین کے مخالف ہے کتاب اللہ۔

ان الحکم الا للہ لا ولہ الحکم یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید عترت روی الکلینی عن ابی عبد اللہ انہ قال لیس للہ علی خلقہ ان یعرفوہ و للخلق علی اللہ ان یعرفھم۔	نہیں ہے حکم مگر واسطے اللہ تعالیٰ کے خبردار اسی کے لئے حکم ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو قصد کرتا ہے حکم کرتا ہے امام ابو عبد اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ خدا کے لئے مخلوق پر لازم نہیں ہے کہ وہ اس کو پہچانے اور مخلوق کے لئے خدا پر واجب ہے کہ وہ ان کو پہچنوائے

(۲) اکابر شیعہ مثل زرارہ بن اعین اور بکیر بن اعین اور سلیمان بن جعفری اور محمد بن مسلم کا عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ ازل میں عالم تھا نہ سمیع نہ بصیر اور یہ صریح مخالف ثقلین ہے (۳) اتباع صاحب الطاق اور بعض اثنا عشری کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بعض اشیاء کو قبل وجود نہیں جانتا چنانچہ شیخ مقداد صاحب کنز العرفان اس کا قائل ہے کہ جزئیات سے قبل وجود خدا تعالیٰ جاہل ہے اور یہ بالکل خلاف ثقلین ہے (۴) ابو جعفر طوسی اور شریف مرتضیٰ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ عین مقدور بندہ پر قادر نہیں یہ کس طرح موافق ثقلین ہے اور شیعہ عقیدہ کرتے ہیں کہ کلام اللہ میں صحابہ نے تحریف ک

اور یہ عقیدہ بالکل مخالف کتاب اللہ اور عترت کے ہے (۶) کہتے ہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالے کو بداء واقع ہوتا ہے اور یہ صریح مخالف ثقلین ہے (۷) اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ غیر شیعہ کی ضلالت اور گمراہی پر راضی ہے اور یہ مخالف ثقلین ہے (۸) اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا تعالے محکوم عقل کا ہے اور بحکم عقل بہت سی چیزیں خدا تعالیٰ پر واجب ہیں (۹) اعتقاد رکھتے ہیں کہ بندہ بلکہ تمام طیور و بہائم و حیوانات اپنے اپنے افعال کے خالق ہیں اور خدا تعالیٰ کو ان کے افعال میں کچھ دخل نہیں اور یہ اعتقاد مخالف ثقلین کے ہے (۱۰) اعتقاد رکھتے ہیں کہ ائمہ تمام انبیاء اور رسل سے عند اللہ افضل ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور یہ عقیدہ ثقلین کے مخالف ہے۔ (۱۱) اعتقاد رکھتے ہیں کہ انبیاء اور ملائکہ کی پیدائش بطفیل حضرت علی کے ہے اگر حق تعالیٰ حضرت علی کو پیدا نہ کرتا تو انبیاء اور ملائکہ اور جنت کو پیدا نہ کرتا اور یہ مخالف عقل و نقل ہے (۱۲) اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے انبیاء سے اور ملائکہ سے ائمہ کی ولایت اور ان کی اطاعت کا میثاق لیا (۱۳) اعتقاد رکھتے ہیں کہ انبیاء ائمہ کے انوار سے اقتباس کرتے تھے (۱۴) اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت میں تمام انبیاء حضرت علی کے محتاج ہوں گے (۱۵) اکابر امامیہ انبیاء سے صدور کفر و ثبوت کبیرہ روایت کرتے ہیں (۱۶) کہتے ہیں کہ جب کہ خداوند تعالیٰ نے انبیاء سے میثاق لیا تو حضرت آدم نے انکار کر دیا (۱۷) کہتے ہیں کہ بعض رسل نے رسالت سے عذر کیا اور استعفےٰ دیا (۱۸) کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کی وجہ سے وحی کو رد کیا اور تبلیغ احکام سے تقاعد کیا (۱۹) اعتقاد رکھتے ہیں کہ ائمہ اور ان کے اعداء قبل قیامت زندہ کئے جائیں گے جس کو رجعت سے تعبیر کرتے ہیں (۲۰) اعتقاد رکھتے ہیں کہ امامیہ میں سے کسی کو معصیت صغیرہ و یا کبیرہ پر عذاب نہ ہوگا (۲۱) مذی اور ودی اور آب استنجا کو پاک قرار دیتے ہیں (۲۲) شراب کو ابن عقیل وغیرہ نے طہارت کا حکم دیا ہے (۲۳) کہتے ہیں کہ اگر حسین عورت کو حالت نماز میں بغل میں لیوے یہاں تک کہ خیزش و انتشار ہو اور سر ذکر کو محاذی سوراخ عورت کے کرے اور مذی بھی بہہ کر گھٹنوں تک پہنچے تاہم نماز جائز ہے (۲۴) بعض فرماتے ہیں کہ نماز میں کل و شرب مفسد نہیں (۲۵) کہتے ہیں کہ بعض سورتیں پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (۲۶) پانی میں غوطہ لگانے کو مفسد صوم فرماتے ہیں (۲۷) کہتے ہیں کہ اغلام سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۲۸) لونڈیوں کے فروج عاریۃً دینا جائز فرماتے ہیں (۲۹) عورت منکوحہ اور مملوکہ اور ماتحت ہوتی اور وقت کی [illegible] اور متعہ کے ساتھ مواصلت کو جائز فرماتے ہیں (۳۰) متعہ دورہ کو جائز

قرار دیتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہے بہت سے مرد ایک عورت کے ساتھ متعہ کریں اور دورہ نوبت مقرر کر لیں کہ ایک شخص اپنی نوبت میں جماع کرے علی ہذا القیاس بہت سے ابواب فقہ کے مسائل کثیرہ ہیں مشتے نمونہ از خروارے و قطرہ نمونہ از بحار نہایت تلخیص و اختصار کے ساتھ صواقع و تحفہ وغیرہ سے نقل کر دیئے۔ جناب مجیب غور فرماویں اور سوچیں کہ ثقلین کا اتباع اسی کا نام ہے باقی رہا نفس کلام اللہ کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ آئندہ کتاب اللہ کی بحث میں ذکر کیا جائے گا۔ جناب مجیب اگر زیادہ تفصیل چاہیں گے تو ہم تفصیل کے واسطے بھی حاضر ہیں بعد اس کے اب واضح واضح ہو گیا کہ جو جملہ مجیب لبیب نے تحریر فرمایا اہلسنت سے اسی امر میں تو مخالفت و جھگڑا ہے نہایت صحیح ہے۔

صحابہ کرام کے فضائل و محامد سے شیعہ کو پریشانی اور اس پریشانی کا ازالہ

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ اس لئے حضرات شیعہ کی جہاں تک دسترس ہے ابطال فضائل اور اظہار مطاعن میں جد و جہد ساعی ہیں۔ اقول۔ بے شک جن کے فضائل کتاب اللہ و اقوال عترت سے ہرگز ثابت نہیں اور اہلسنت خواہ مخواہ فضائل ان کے ذمہ لگاتے ہیں اور وہ مطاعن جو طشت از بام افتادہ ہیں کہ چھپانے سے نہیں چھپ سکتے چھپانا چاہتے ہیں ان فضائل کے باطل اور ان مطاعن کے اظہار میں ضرور کوشش کرتے ہیں تاکہ امر حق ظاہر ہو۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: بحول اللہ و قوتہ گذشتہ ابحاث میں مناقب و محامد صحابہ کرام کا اثبات کتاب اللہ سے بھی اور اقوال ائمہ سے بھی منقح کیا گیا اب ہم دیکھتے ہیں کہ مجیب لبیب تسلیم فرماتے ہیں یا برخلاف تحریر خود فضائل ثابتہ کو باطل فرماتے ہیں جو بڑے مطاعن جناب مجیب نے ذکر فرمائے تھے التقاعد عن صلوۃ الجمعہ اور تخلف عن بیعۃ الصدیق سو بحمد اللہ ان کا بھی قلع و استیصال بخوبی ہو چکا ہے پس حضرات شیعہ برخلاف شہادات کتاب اللہ و ارشاد ائمہ فضائل صحابہ کو کتاب [illegible] خاک سے چھپانا چاہتے ہیں اور ان کے انوار اپنے مونہوں سے بجھانا چاہتے ہیں [illegible] ان کے دامن پاک [illegible] کو ملوث کرنا چاہتے ہیں [illegible] ان کو بھی تو [illegible] سے خالی نہیں

چھوڑتے ہیں۔ بایں ہمہ صدوق المتشیعین باوجود ارتداد صحابہ کے خصال میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ بارہ ہزار صحابہ ایسے تھے جو کوئی ان میں سے جبری اور قدری اور حروری نہ تھا رات دن خدا کے خوف سے رویا کرتے تھے دو ہزار انصار تھے اور آٹھ ہزار مہاجر تھے اور دو ہزار وہ تھے جو ہنگام فتح مکہ اسلام لاتے تھے۔ پس کیا ان بارہ ہزار کے فضائل خواہ مخواہ اہلسنت ہی ان کے ذمہ لگاتے ہیں اور ان کے مطاعن جو طشت از بام ہیں اہلسنت ہی چھپاتے ہیں، یا یہ ان کے فضائل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ معاذ اللہ اگر بفرض محال یہ ہی امر حق قرار پاوے جس کے درپے حضرات شیعہ ہیں تو نہ خدا کی خدائی باقی رہتی ہے نہ رسل کی رسالت نہ انبیاء کی نبوت نہ ائمہ کی امامت نہ اہلبیت کی حرمت نہ صحابہ کی صحابیت۔ پھر اس پیرامر حق کے اظہار کی سعی کا دعوی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔

صحابہ سبھی اچھے تھے اس پر شیعہ کا اعتراض اور اہلسنت کا جواب

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ چونکہ مقدمہ اختلاف خلافت بھی اسی اصل سے ناشی ہے اور حضرات شیعہ کو اتنی بڑی قضیات باعتبار اپنے اصول مذہب کے کب گوارا تھی اگرچہ ثقلین اس کے ثبوت کے شاہد ہیں اس لئے خلافت کے اصول و شروط ایسے وضع فرمائے کہ جن کی مراعات سے مدعا حاصل ہو اور ابطال استحقاق خلافت اپنے زعم میں ہو جاوے۔ اقول۔ یہ اصل ہے در اصل بجائے خود نہیں جیسا کہ پہلے گذارش ہوا کہ کل صحابہ اچھے نہ تھے۔ حتی کہ آپ کے خاتم المحدثین بعض کی شان میں صاحب خیانت واشرار فساد پیشہ و مردودان جناب الہی تحریر فرماتے ہیں۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ۔ اس اصل کا در اصل بجائے خود ہونا سابقاً اپنے موقع پر مشرح بیان کیا جا چکا ہے حاجت اعادہ نہیں اس جگہ اگر کسی جدید عنوان سے مجیب لبیب اس کا اعادہ فرماتے تو تعقب کیا جاتا ورنہ تو محدثین کے کلمات کی نسبت بھی مفصلاً مذکور ہو چکا ہے لیکن اس جگہ بھی اس قدر عرض ہے کہ خاتم المحدثین نے صحابہ کے حق میں یہ لفظ نہیں لکھے خصوصاً لفظ مردودان جناب الہی ہرگز صحابہ کے حق میں نہیں لکھا یہ محض آپ کا یا مجیبین تحفہ کا افترا ہے اور بالفرض اگر صحابہ کے حق لکھا ہے تو بطور الزام و نقل مذہب شیعہ کے لکھا ہے ورنہ اور جناب مجیب

نے جو یہ جملہ تحریر فرمایا کہ کل صحابہ اچھے نہ تھے، اگر مراد اس سے سلب کلی ہے تو البتہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک جملہ ہے جو انصاف وراستی وصدق سے باعتبار اپنی روایات واصول مذہب کے سرزد ہوا ہے اور اگر کل مجموعی کی طرف نفی راجع ہے تو خلاف نصوص وروایات ہے۔ چنانچہ بارہا اس غلطی پر متنبہ کیا جا چکا ہے اور نیز اچھا نہ ہونا مرتبہ تشکیک میں ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ معصوم نہ تھے اور شیعہ جیسا ائمہ کو انبیاء سے بھی برتر اور بہتر فرماتے ہیں ایسے نہ تھے تو صحیح ومسلم نہ معصوم تھے اور نہ انبیاء سے بہتر بلکہ مساوی بھی نہ تھے اور اگر اچھے نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ مرتد اور غاصب حق خلافت و فدک اور مغیر دین اور محرف کلام رب العالمین تھے تو غلط اور کذب و افترا اور وساوس وتخیلات حضرات شیعہ سے ناشی ہے۔

محک امتحان ایمان صحابہ مقدمہ خلافت نہیں ہے

قولہ: ہاں بلکہ یہ فرمایئے کہ مقدمہ خلافت ہی وہ مقدمہ ہے کہ جس سے صحابہ کے فضائل و رذائل پرکھے جاتے ہیں۔

اقول: یہ حصر بالکل غلط اور باطل ہے فضائل و رذائل صحابہ وغیر صحابہ کے پرکھے جانے کے صدہا عقبات اور ہزارہا مراحل زمانہ حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قطع ہو چکے اور انواع انواع کی تکلیفات میں آزمائشیں ہو چکیں اور طرح طرح کے صدمات میں امتحان ہو چکا۔ اول جب سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور دعوت شروع فرمائی اور کفار آمادہ فساد و ایذا رسانی ہوئے جن لوگوں نے اس وقت حضرت کی تصدیق فرمائی اور حضرت پر ایمان لائے اور کفار کی ایذائیں سہیں اور کبھی اپنے مال و جان و آبرو کا پاس نہیں کیا علی الاعلان بے خوف وخطر آوازہ دعوت اسلام کو بلند رکھا چنانچہ بہت سے کبرائے قریش اس دعوت کی وجہ سے مشرف بایمان ہوئے اور بہت سے غلاموں کو جو ایمان لائے تھے اور کفار کے پنجۂ تکلیف میں گرفتار تھے اپنے خالص مال سے خرید کر آزاد کیا اور کفار کی تکلیف دینے سے ان کو رہائی دلوائی اور سفر حضر میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار اور رفیق غمگسار رہے دین اسلام کی محبت میں ازواج و اولاد اور خویش و اقارب سے پیوند توڑا اور مال و منال کو چھوڑا اپنے وطن سے منہ موڑ راہ غربت اختیار کی مصیبت کو سر پہ لیا صعوبتیں جھیلیں اذیتیں سہیں تکلیفیں اٹھائیں کفار و دار الکفار سے قطع تعلق کر کے حضرت کے قدموں میں پڑ رہنے کو دین کی سعادت سمجھا اور

جنھوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے رفقاء و اہل وطن کو اپنے گھروں میں جگہ دی جان و مال سے خدمت کر کے دارین کی سرخروئی حاصل کی دین و اسلام کی اشاعت میں ساعی ہوئے غزوات و سرایا میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی جانوں کو معرض ہلاکت سے نہیں بچایا اپنی جانوں کو حضرت کے نفس نفیس کی آڑ بنائے رکھا۔ دین اسلام کو عالم میں پھیلایا کفر و اہل کفر کو مخذول و نگونسار کیا، آزمائشوں کی بھٹی میں ان کی میل کچیل دور ہوئی اور سوہان فیض صحبت پیغمبر نے ان کو مصفا و مجلا کیا۔ انوار آفتاب رحمت خداوندی جل شانہ سے ان کے قلوب منور ہوتے اور اشعہ ماہتاب فیوض و برکات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے دل روشن ہوتے عالم خلق و امر کو قطع کیا ملکوت کی سیر کے حقیقۃ الحقائق کو بچشم قلب مشاہدہ کیا، جب ان کی جان نثاریاں اور خدمات نمایاں برگزیدہ جناب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور پسندیدہ حضرت کبریائی جل وعلا شانہ ہوئیں، تو خداوند علام الغیوب کی بارگاہ عالی متعالی سے ان کے صلہ میں رضا و خوشنودی کے تمغے عطا ہوئے اپنے رسول کی زبانی دخول جنت کا وعدہ فرمایا ان کی خطایا و زلات کی مغفرت اور معاصی و سیئات کے کفارہ کا مژدہ سنایا گیا تو گویا آزمائشیں ختم ہو چکی اور ان کے محامد و فضائل مہرے ہو چکی تو پھر مقدمہ خلافت پر آزمائش کا حصر کرنا اور کہنا کہ مقدمہ خلافت ہی سے فضائل و رزائل پرکھے جاتے ہیں سراسر غلط اور بدیہی البطلان ہے معیار آزمائش اور محک امتحان وہ مراحل تھے جو حضرت کے زمانہ میں طے ہوئے منافق و مخلص ممتاز ہو گئے حق تعالی نے فرما دیا۔

ما کان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم	نہ ورہنیں کہ چھوڑ دے گا مسلمانوں
علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب	کو جس طرح پر تم ہو جب تک جدا نہ
وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب	کرے ناپاک کو پاک سے اور اللہ یوں نہیں
ومسبدنا ان تذکرا	نہ تم کو خبر دے غیب کی

اور ایسے بزرگان دین و اکابر اہل یقین کے عیوب کا تجسس کرنا اپنی عمر عزیز کو رائیگاں برباد و تلف کرنا ہے۔

کسی در صحن کاہی کہربا جوید | اضاع العمر فی طلب المحال

معہذا اگر یہی مقدمہ ہے جس سے فضائل و رزائل پرکھے جاتے ہیں تو بفرض محال علی سبیل التسلیم ہو سکتے ہیں کہ حسب تصریحات علماء شیعہ فضائل و رزائل پرکھے گئے بعض نے حسن و وصیت تجہیز و تکفین یعنی حضرت کے جنازہ کو تین روز تک بلا دفن رکھا حضرت کے وصال کی

کسی کو نہ غم ہوا نہ بیہوشی ہوئی اپنی دنیاوی سلطنت اور چند درخت خرما کے پڑ گئے جس کے پیچھے نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا پاس کیا کہ آپ نے صبر و سکوت کی وصیت فرمائی تھی نہ دودمان نبوی کی آبرو کا پاس کیا کہ در بدر پھرنے لگے، منافقین کے ہم پیالہ و ہم نوالہ رہے اپنے دین کو ان کی خواہشوں کے مطیع رکھا کسی شہر کو دارالاسلام نہ بنایا۔ معاذ اللہ اللھم انی اتوب وابرء الیک مما افتروا ہؤلاء، اور بعض نے حضرت کے دین کو اختلاف عظیم سے بچا کر سنبھالا۔ اور عالم میں شائع کیا ہزارہا ملک فتح کئے ہزارہا کو ملک اسلام میں منسلک کیا حضرت کے وصال کے صدمہ میں یہاں تک بے ہوش ہوئے کہ آپ کے انتقال کا انکار کر دیا، پس اگر اسی مقدمہ کو معیار امتحان قرار دیا جاوے تو ہم کہتے ہیں کہ آپ ہی نے یہ فضائل و رزائل کی امتیاز فرمائی ہے پھر جس پر چاہے فضائل منطبق کیجئے اور جس پر چاہے رزائل۔

بحث حدیث ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامۃ الخ

قولہ: جب ریاست و حکومت و طمع نفسانی و حرص دنیا فانی اس قدر غالب ہوئی کہ باوجود تہدید و ترہیب و تخویف حضرت نبوی ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامۃ یوم القیمۃ کما فی صحیح البخاری آپس میں مخالفت و تشاجر کر کے نعش اطہر جناب رسول خدا کو بے غسل و کفن و دفن چھوڑ کے خلیفہ بن گئے اور اہل بیت کی جن کی تمسک کا حکم تھا بات بھی نہ پوچھی بات پوچھنے کے کیا معنی بجائے تسلی و تشفی کے گھر جلانے کی دھمکی دی نظر انصاف سے بخاری کو ملاحظہ فرمایئے کتب تاریخ و سیر کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو کہ وقت انعقاد بیعت کیا کیفیت تھی۔

اقول: یہاں تو مجیب لبیب جوش بغض و عناد میں آ کر جامہ سے باہر ہو گئے تو سن زبان بے لگام ہو گیا، انصاف و تحقیق حق کو بالائے طاق رکھ کر جو منہ میں آیا فرمانا شروع کر دیا۔ خیر ہم آپ کے کلمات تشنیع کے جواب میں کچھ نہیں لکھتے لیکن آپ نے بخاری کی حدیث سے استدلال کر کے صحابہ کی حرص و طمع کو بزعم خود ثابت کیا ہے اس کا جواب و تحقیق ضرور ہوئی پس واضح ہو کہ مجیب لبیب جیسا اپنے استدلال میں اس حدیث کو پیش فرمائیں تو اول ان کو ثابت کرنا چاہئے کہ ستحرصون میں خطاب کس کو ہے ظاہر ہے کہ تمام صحابہ تو قطعاً مراد نہیں اس لئے کہ بالاتفاق حرص علی الامارۃ ہر فرد صحابہ سے واقع نہیں ہوئی تو ضرور بعض صحابہ مراد ہوں گے اور اس سے

مصداق وہ لبعض ہیں جو بلا استحقاق امارت کے طالب ہوتے چنانچہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ چنانچہ منا امیر ومنکم امیر میں لفظ امیر اس پر قرینہ اور دال ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہ وہ بھی طالب امارت ہوئے اور خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم ہرگز طالب امارت نہیں ہوتے اور نہ اس پر حرص کی آپ کتب سیر و تاریخ ملاحظہ کیجئے حضرت صدیق اکبر نے اپنے خطبہ میں جو بمقابلہ انصار پڑھا فرمایا کہ عمر یا ابو عبیدہ کے ہاتھ بیعت کر لو۔ اور اس وقت حضرت فاروق نے اپنے اوپر سے دفع کیا اور صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی اگر حرص دنیاوی اور طمع نفسانی ہوتی تو ہر شخص اپنے نفس کو امارت کے لئے مقدم کرتا اور کچھ بھی نہ ہوتا تو اس قدر ضرور تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے قول پر فاروقؓ چپکے ضرور ہو جاتے تو اس سے بروئے عقل و انصاف معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو ہرگز طمع نفسانی اور حرص دنیاوی نہیں تھی بلکہ امارت کی طرف استشراف بھی نہیں تھا لیکن ہاں تصفح تصریحات علماء شیعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بروئے روایات قوم جناب امیر اس دنیاوی امارت پر حریص اور طماع رہے نسخہ سلیم بن قیس ہلالی کی روایت منتہیٰ سے نقل کرتا ہوں۔

فلما کان اللیل حمل علی فاطمة علی حمار واخذ بیدی الحسن والحسینؑ فلم یدع احدا من اهل بدر من المهاجرین ولا من الانصار الا اتاه فی منزله و ذکر حقه و دعا الی نصرته الخ۔ یہ روایت کس طرح صراحۃً معاذ اللہ حضرت کے حرص اور طمع پر دلالت کرتی ہے اور اگر اس سے تسکین نہ ہو تو نہج البلاغۃ کو کھول لیے اور زیادہ تتبع اور تلاش کی ضرورت نہیں صرف خطبہ شقشقیہ کے شروع میں دیکھئے اس میں ابتداء ہی میں یہ الفاظ ہیں۔

واللہ لقد تقمصها فلان وانه لیعلم ان محلی منها محل القطب من الرحی۔

خدا کی قسم فلاں شخص نے اپنے اوپر قمیص خلافت پہن لیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ خلافت میں میرا مرتبہ ایسا ہے جیسا کیلی کا چکی میں۔

ان الفاظ سے کس قدر حسرت ٹپکتی ہے جس کا مدار صرف حرص و طمع پر ہے ابن میثم شارح نہج البلاغۃ اپنی شرح میں جو اس وقت میرے سامنے گھٹنے پر رکھی ہوئی ہے اس خطبہ کی شرح میں لکھتا ہے

واذ ثبت انه نافس فی هذا الامر کان [illegible] النفس غالب بوجود الشکایة منه و [illegible] یسمع ذلک فسئلوا عن ان [illegible] شکایة بلغت مبلغ [illegible] معنوی [illegible] و شهرتها [illegible]

اور جب ثابت ہو کہ جناب امیر خلافت کی طرف رغبت فرماتے تو مناسب یہی ہے کہ آپ سے شکایت پائی گئی ہوگی اگرچہ ہم کو نہ پہنچا ہو مگر یہ شکایت بسبب شہرت و کثرت کے تواتر کے درجہ کو پہنچی ہے۔

اور یہی شارح اسی خطبہ کی شرح میں کسی قدر آگے بڑھ کر لکھتا ہے۔

والشوری مصدر کالنجوی وخلاصة خبرهم انه لما طعن عمر دخلت علیه وجوه الصحابة وسالوه ان یستخلف رجلا یرضاه فقال لا احب ان اتحمله حیا ومیتا فقالوا الا تشیر علینا فقال ان احببتم فقالوا نعم فقال الصالحون لهذا الامر سبعة وهم سعید بن زید وانا مخرجه منهم لانه من اهل بیتی وسعد بن ابی وقاص وعبد الرحمن بن عوف وطلحة والزبیر وعثمان وعلی فاما سعد فیمنعنی منه عنفه ومن عبد الرحمن فانه قارون هذه الامة ومن طلحة فتکبره ومن الزبیر شحه ومن عثمان حبه لقومه ومن علی حرصه علی هذا الامر الخ۔

شوریٰ مصدر ہے جیسا نجویٰ۔ اور خلاصہ قصہ یہ ہے جب حضرت عمرؓ مجروح ہوئے تو روسائے صحابہ ان کے پاس گئے اور ان سے یہ امر چاہا کہ جس کو پسند فرما دیں خلیفہ مقرر فرما دیں حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ بار خلافت کا حیات اور موت میں اپنے اوپر اٹھاؤں پھر صحابہ نے پوچھا کہ بطور مشورہ ہی فرما دیجئے حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہاں اگر تم چاہو انہوں نے کہا اچھا پس فرمایا کہ اس کام کے لائق سات آدمی ہیں سعید بن زید اس کو تو میں ان میں سے نکالنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ میری اہل بیت سے ہے۔ اور سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمن بن عوف اور طلحہ اور زبیر اور عثمان اور علی لیکن مجھ کو سعد سے تو اس کی درشت خوئی روکتی ہے اور عبد الرحمن سے یہ کہ وہ اس امت کا قارون ہے اور طلحہ سے اس کا تکبر اور زبیر سے اس کا بخل اور عثمان سے حب قوم اور علی سے حرص علی الامارت۔

اور علاوہ اس کے نہج البلاغۃ کے بہت سے مواضع سے جناب امیرؑ کی حرص و طمع امارت پر صاف صاف ثابت ہوتی ہے اور اس خطبہ کی شرح میں جس کا عنوان یہ ہے۔ ومن کلام له فی بیعة عثمان علامہ متبحر کمال الدین ابن میثم لکھتا ہے۔

وفیه اشارة الی ان غرضه من المنافسة فی هذا الامر هو صلاح حال المسلمین و [illegible] امورهم و [illegible] من الفتن

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جناب امیر کی غرض خلافت میں حرص و رغبت کرنے سے مسلمانوں کے حال کی اصلاح اور ان کے امور کی استقامت اور فتنوں سے ان کی سد [illegible]

اس سے آگے بڑھ کر علامہ لکھتا ہے

[illegible] من وجهین [illegible] وجه المنافسة فی هذا [illegible] انه منصب یتعلق بامور [illegible] مع ما [illegible]

اعتراض دو وجہ سے ہے اول تو یہ کہ باوجودیکہ امر خلافت دنیاوی منصب ہے جو امور دنیا اور ان کی صلاح سے متعلق ہے تو حضرت نے کیوں حرص و رغبت کی

منه من الزهد فيها والاعراض عنها و ذمها و رفضها.

وجہ ہے حالانکہ آپ کی دنیا کے اندر بے رغبتی اور اس سے اعراض اور اس کی مذمت اور اس کا ترک مشہور ہے

اس تصریح سے کچھ صرف جناب امیرؑ کی حرص ورغبت بطرف امارت ہی ظاہر نہیں ہوتی اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ حرص برامارت مسلمانوں کے اصلاح حال اور دفع فتن کی غرض سے اعظم ارکان دین سے ہے اور اگر آپ کے نزدیک حرص امارت مطلق حرام ہے تو معاذ اللہ جناب امیر مرتکب ہوتے اور اگر اصلاح کی غرض سے جائز ہے تو اگر فرض کریں کہ جناب خلفاء نے حرص کی بھی تو کچھ محل طعن نہیں کیونکہ ان کی حرص علی الامارت بغرض اصلاح حال امت تھی چنانچہ ان کے ایام امارت میں جو اصلاح امور امت ہوئی وہ شیعہ کو بھی تسلیم ہے اور وہ استقامت ہرگز جناب امیرؑ کے ایام خلافت میں نصیب نہ ہوئی۔ اس کے ثبوت میں بھی ہم علامہ متبحر ابن میثم کی ہی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

وقد كان لهم ممن سلف من الخلفاء استقامة امور كان لم تبلغ عنده كمال استقامتها لو ولي هو.

گزشتہ خلفاء کے لئے استقامت امر تھی اور اگرچہ آپ کے نزدیک کمال استقامت تک جو آپ کی خلافت سے حاصل ہوتی نہ پہنچی ہوا تھا۔

دفع نقض خود یہ ہی ہے کہ ایام خلافت جناب امیر فتنوں ہی میں گذری اور امر خلافت آخر تک منتظم نہ ہوا غرضیکہ حرص علی الامارت جو بنی ہر مجیب کے نزدیک مطلق حرام ہے جناب امیر سے پائی گئی اور یہ بھی کافی نہ ہو تو خصال صدوق جو اس وقت میرے سامنے کھلی ہوئی رکھی ہے اس میں ایک روایت طویل الذیل نقل ہے جس میں بیان آزمائش و امتحان جناب امیر کا ہے ایک یہودی کے جواب میں کہ اس نے سوال کیا تھا کہ اوصیا کے لئے سات مواضع امتحان کے حیات نبی میں ہوتے ہیں اور سات مواضع بعد وفات کے ہوتے ہیں تو اس روایت میں کئی مواضع سے آپ کی حرص امارت پر اور طمع وحرص ظاہر ہوتی ہے پس اگر ستحرصون علی الامارۃ میں خطاب اصحاب کو ہے تو جناب امیر باعتبار روایت آپ کی اولی واقدم اس کی مصداق ہیں کیونکہ الفصر تو اپنے دعوی سے باز بھی آ گئے لیکن اور دنیا برگردن روزن جناب کی آخر تک یہ ہی حسرت و تمنا رہی پس آپ کی اس دنیا محبت و محبت عزت سے آپ کے مذہبی بھائی قرار نہ دیتے ہیں کہ ستکون ندامۃ یوم القیامۃ کا اول مصداق جناب امیر ہی کو قرار دیا اور وہ تصریح کرتے کہ حضرت امیر مامور با سکوت اور مجبور عہد بلند تھے کہ [illegible] کیونکہ [illegible] رسول خدا امر قدر کی تاکید کر کے

معاذ اللہ عاجز ہو چکے تھے ہر چند چاہا کہ حضرت امیر بعد حضرت رسالت مآب کے جانشین ہوں اور کسی طرح غاصبین کی دست برد سے یہ حق محفوظ رہے آخر کچھ پیش نہ چلی اور لاچار ہو کر صبر و سکوت کا حکم کرنا پڑا لیکن ادھر صبر و سکوت ان سے نہ ہو سکا انھوں نے اگر اس طرف مخالفت کی تھی تو ادھر انہوں نے اس طرف حکم کو نہ مانا۔ باقر مجلسی کی حیات القلوب سے خاتم المتکلمین نے منتہی الکلام میں وصیت نامہ کی روایت طویل نقل کی اس میں سے ملخصاً نقل کرتا ہوں و از جملہ امور یکہ براں حضرت شرط گرفت بامر جبرئیل از جانب خداوند عالمیان آن بود کہ گفت یا علی وفا کنی آنچہ دریں نامہ ہست از دوستی کسیکہ با خدا و رسول دوستی کند و از دشمنی کسی کہ با خدا و رسول دشمنی کند و بیزاری نمودن از ایشان و بر آنکہ صبر کنی بر فرو خوردن خشم ایشان و بر رفتن حق و غصب کردن خمس تو و ضائع کردن حرمت تو حضرت امیر گفت بلی یا رسول اللہ۔ اور اس سے بھی سیری نہ ہو تو اپنے ابن میثم کی شہادت سنیئے شرح نہج البلاغۃ میں تحریر فرماتا ہے۔

وانه كان معهودا اليه ان لا ينازع في امر الخلافة الخ

اور حضرت امیر سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ امر خلافت میں جھگڑا نہ کریں۔

اور یہ امر بھی ہے کہ یہ کشش و کوشش تمہید و مقدمات نزاع کے ہیں حسب تصریحات قوم اگر حضرت کو اس وقت اعوان بہم پہنچتے تو آپ قتل و قتال سے دریغ نہ فرماتے پس اس دلیل و تمسک پر آپ کو ذریں کہ علاوہ حرص و طمع کے آپ کو عاصی اور مخالف امر الٰہی اور وصیت رسالت پناہی ٹھہرایا۔ غرض خلاصہ یہ ہے کہ حسب تصریحات شیعہ آپ نے حرص و طمع فرمائی اور یہ حرص و طمع آپ کی شرعاً جائز نہ تھی اس سے صاف طور پر فعلیت خلافت ہی منتفی نہیں ہوئی بلکہ استحقاق و لیاقت خلافت بھی منتفی ہو گئی با این ہمہ اگر آپ استحقاق کا ذکر چھیڑیں گے تو آپ کو اول ثبوت پیش کرنا ہوگا اور بعد اس کے ہم معارضہ دوسرے استحقاق اور فعلیت سے کریں گے پس اگر آپ بروئے استحقاق حدیث ستحرصون میں سے بعض کو مستثنیٰ فرمائیں تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ ہم بھی بشرطیکہ علی سبیل الفرض حرص و طمع خلفاء کو تسلیم کریں یہ ہی عرض کریں گے باقی جس قدر اس عبارت میں اعتراضات و مطاعن ہیں ان کا جواب پیشتر گذارش ہو چکا ہے حاجت تکرار نہیں

شیعہ کا اپنے دعوے سے انحراف

قولہ: معاذ اللہ کہ جس امر کے ثبوت کے ثقلین شاہد ہوں وہ شیعوں کو گوارا نہ ہو شیعوں کا مذہب ہی تمسک ثقلین ہے اور اسی امر میں ہمارا آپ کا نزاع ہے یہ محض آپ کا خیال ہے۔

اقول: اگرچہ اس معاملہ میں قریب ہی ہم بحث کر چکے ہیں جس سے ادعاء تمسک کی پوری کیفیت واضح ہوتی ہے لیکن یہاں بھی اتنی گذارش ضرور ہے کہ جناب میر صاحب یہ محض آپ کا خیال ہی خیال ہے جس کا دار ومدار کسی قدر اس امر پر بھی ہے کہ آپ اپنی روات کی نسبت جو آپ کے علماء کی تصریح کے موافق مطرود ومردود بارگاہ جناب ائمہ تھے حسن ظن بوجہ سادہ لوحی کے رکھتے ہیں۔ اگر آپ نفسانیت کو چھوڑ دیں اور جذبات کو ترک کرکے بانصاف اپنی ہی کتابوں کا ملاحظہ فرماویں تو آپ پر یہ عقدہ بخوبی حل ہو سکتا ہے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم معاذ اللہ یہی ہی تمسک ہے تو پھر ان ارشادات ائمہ میں جو فضائل صحابہ وخلفاء میں وارد ہیں کیوں تاویلات بعیدہ اور توجیہات رکیکہ کرکے ان کو مسخ کرتے ہیں ان کو اپنے ظاہر پر رہ کر سیدھی طرح تسلیم کیجئے کہ واقع اور نفس الامری طور پر بھی تمسک پایا جائے اور جب تک یہ نہیں تب تک ثقلین کا تو تمسک نہیں ہاں اپنے اہواء کا تمسک ہے۔ اللھم احفظنا منہ۔

ائمہ کی عصمت کا متحقق ہونا محال ہے

قولہ: اصول وشروط خلافت واقعی ایسے ہی ہونے چاہئیں چنانچہ دو شرطوں کو تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں اور چونکہ خلفاء ثلثہ میں عصمت کا متحقق ہونا محال ہے اس لئے اس شرط سے درگزرتے ہیں

اقول: یہ وہ مسئلہ ہے جو ہمیشہ بار بار مذکور ہو چکا ہے اور اس کا جواب بھی مذکور ہو [illegible] واقفیت ہے کہ آپ [illegible] شرط خیال کرتے ہیں [illegible] توہمات اور خیالات ہیں [illegible] ائمہ [illegible] ایسے ہی موہومات پر مبنی ہیں عصمت [illegible] وقت اپنے موقع پر [illegible] کہ جب کوئی شخص مدعی عصمت ہو اور جب [illegible] سے ہیں بر محل یہ [illegible] ہیں ائمہ میں عصمت کا متحقق [illegible] خیالات کے کوئی دینی عقلی ونقلی [illegible] عصمت [illegible] نہیں ہے

قولہ: جب کہ ہم نص کے قائل ہیں تو وضع اصول کی نسبت ہماری طرف کیونکر صحیح ہو سکتی ہے

اقول: سبحان اللہ حضرت کا یہ افادہ کمال ہی دانشمندی اور علم۔ اور واقفیت اور فہم پر مبنی ہے۔ اے حضرت آپ یہ کیا فرمانے لگے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ہم اثبات اصول میں نص کے قائل ہیں۔ تو وضع اصول کی نسبت ہماری طرف غیر صحیح ہے تو مسلّم لیکن خلاف واقع کیونکہ نص کا قائل ہونا اشتراط امامت وخلافت میں مدنظر ہے نہ اثبات اصول میں اور اثبات اصول و شرائط کے لئے حضرات کے پاس کوئی نص قطعی موجود نہیں بسم اللہ اگر ہو تو لائیے اور اگر مقصود یہ ہے کہ ہم جب خلافت وامامت ائمہ میں بعض کے قائل ہیں تو نسبت وضع اصول باطل ہے تو یہ بالکل واہی ہے اور ایسی پوچ دلیل ہے کہ ادنیٰ طالب علم بھی پیش نہ کرے کیونکہ آپ کا خصم یہ کہتا ہے کہ یہ آپ کا نص کا قائل ہونا یہ بھی انہیں اصول موضوعہ میں سے ہے جن کی نسبت آپ کی طرف کی جاتی ہے وضع اصول کی نسبت کی امتناع کو نص امامت کے اصول میں ہونے سے کیا تعلق بلکہ اگر آپ تامل فرمائیں گے تو اس سے وضع اصول کی نسبت تائید ثابت ہوگی کیونکہ جب بلانص کے اصول میں ہونے کے قائل ہوئے تو خود یہ ہی اصل موضوع پائے گئے اور اس انتساب کی تائید تقویت ہوگئی۔ پھر اس علم و استعداد پر ہمارے مجیب لبیب کے کیا کچھ دعوے۔ اور فرماتے ہیں کہ ہمارے مقابلہ میں وہ بھی ساکت اور وہ بھی متحیر۔

خلافت سے متعلق شیعہ حضرات کے مغالطے اور ان کے جوابات

قولہ: ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ وہ اصول و شرائط ہیں کہ غیر مستحق کی خلافت ضرور باطل اور مستحق کی بدستور ثابت وقائم رہتی ہے گو عوام الناس خلیفہ نہ مانیں اور ظاہری ریاست حاصل نہ ہو۔

اقول: یہ وہ اصول وشرائط ہیں کہ اگر ان کو تسلیم کیا جاوے تو مستحق وغیر مستحق کی خلافت کی جڑ کاٹتی ہیں بشرطیکہ واقعی اور نفس الامری طور پر موافق کتاب وسنت وجدان شرائط کا احاد انسان میں تفحص اور تجسس کیا جاوے کیونکہ تمام افراد میں سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی معصوم نہیں اور اگر اس سے قطع نظر کی جاوے تو یہ وہ شرائط ہیں کہ مستحق وغیر مستحق کی خلافت کو ثابت و متحقق کرتے ہیں علی الخصوص جب کہ اس کے ساتھ ہی اس طریقہ کا بھی اظہار کیا جاوے کہ جس طریقہ سے علماء شیعہ وجدان شرائط ائمہ میں بیان فرماتے ہیں کیونکہ ہر ایک شخص کے [illegible] شرائط کا گمان ہو سکتا ہے اور اس کے اقوال مخالفہ کی توجیہ کی جا سکتی ہے [illegible]

حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم امام برحق ہیں اگر وہ یہ کہیں کہ ان میں تمام شرائط عصمت ونص وافضلیت پائی جاتی ہیں اور اقوال مخالفہ کی تاویل کریں تو فرمائیے کہ آپ کیوں کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ان شرائط سے باطل فرمائیے گا۔ علی ہذا اسماعیل کہ ان کے حق میں تو شیعہ اولاً نص کے بھی قائل ہیں تو اثنا عشریہ ان کی امامت کو کیونکر باطل کریں گے۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ جب دیکھا کہ شروط ثلثہ سے تطویل کلام مخل مقصود ہے اور تقریب مرام حاصل نہیں۔ اس لئے بعض حضرات نے ہاشمیۃ کو بڑھایا اور جب دیکھا کہ پھر بھی عباسیہ کی خلش دور نہیں ہوتی تو علویہ کو وضع فرمایا تاکہ مطلب بسہولت نکل آوے۔ اقول آپ غور فرماویں کہ آپ کا یہ لکھنا کیونکر صحیح ہو اگر تطویل کلام مخل مقصود ہو تو ہاشمیہ وعلویہ کا بڑھانا اور زیادہ تر تطویل ہوگی پھر مخل کو بڑھانے کی کیا حاجت ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: اس قول کے جواب میں ہمارے مجیب لبیب نے آخر تک جس قدر تحریر فرمایا ہے اس میں حضرت کا اندازہ علم واجتہاد وغور فہم وادراک قابل معاینہ ہے اور دیکھنا چاہیئے کہ میں نے کیا عرض کیا تھا حضرت اس کے جواب میں کیا فرما رہے ہیں۔ اے حضرت آپ تطویل کلام سے کیا سمجھے کیا اس سے آپ یہ سمجھے کہ بیان شرائط میں عبارت کی تطویل ہوگی یا آپ نے یہ خیال کیا کہ اثبات شرائط میں مقابل خصم تطویل کلام ہوگی۔ اول بدیہی البطلان ہے جملہ اس لئے بعض حضرات نے الخ اس کو باطل کرتا ہے ثانی بھی باطل ہے کیونکہ ثبوت قیاسی تو نہیں بلکہ ثبوت کا دارومدار کسی اصل شرعی پر ہے جو اسکات خصم کے لئے کافی ہوگی تو اس [illegible] بھی تطویل کلام نہ ہوئی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شرائط ثلثہ میں باعتبار امکان ووقوع کی تعمیم ہے جو مخل مقصود ہے تو اس لئے زیادہ قیود لگا کر اس میں تقلیل اشتراک کی فرمائی اور بعض افراد کے ساتھ میں مخصوص کیا تاکہ امکان ووقوع اشتراک کی تعمیم کی گفتگو کوتاہ ہو پس ہاشمیہ وعلویہ کو بڑھانا [illegible] تطویل کیونکر [illegible] قیود مخصصہ بڑھائے جائیں گے اسی قدر تخصیص ہوتی جائے گی [illegible] بھی توجیہ ممکن ہے پس آپ کا یہ فرمانا کہ ہاشمیہ، فاطمیہ اور علویہ کے بڑھانے سے زیادہ تر [illegible] نہایت تعجب انگیز ہے اور مخل سمجھنا اور بھی زیادہ عجیب ہے۔

شرائط امامت شیعہ کے ہاں حسب موقع ومصلحت وضع ہوتی ہیں

[illegible]

ہوتی اور جب بعض دور اندیشوں نے اس کی تعمیم کو مخل مقصود پایا۔ اور دیکھا کہ ہر شخص مدعی خلافت اور وجدان شرائط کا مدعی ہو سکتا ہے تو اس لئے ہاشمیت کو بڑھایا پھر بھی کسی قدر تعمیم باقی رہی کہ تمام بنی ہاشم عباسیہ وغیرہ مدعی ہو سکتے تھے تو علویہ کو بڑھایا لیکن یہ تخصیص بھی حسب مدعا کافی نہ ہوتی اور اس میں حنیفیہ کا جدا خرخشہ لگا ہوا تھا اور حسنیہ کا علیحدہ کھڑاگ تھا اور روز کی تحقیقات اور آئے دن کی تفتیشات سے بناوٹ کا زیادہ اشتباہ پیدا ہوتا تھا۔ تو اس لئے اثنا عشریہ دانش مندوں نے ایسی قید لگائی کہ تمام جھگڑا ہی فیصلہ کر دیا اور کہہ دیا کہ یہ حصر شخصی ہے کہ بجز خاص بارہ شخصوں کے کوئی امام نہیں اور جو ان کے سوا دعویٰ کرے وہ ایسا اور ایسا چنانچہ ہمارے مجیب نے بھی اپنے [illegible] قول میں اس حصر کے تسلیم کو ظاہر فرمایا ہے۔ کاش اگر اول ہی سے اس تعمیم کا نام ہی نہ لیتے اور اس حصر کو نبھاتے تو آج یہ دقت کیوں پیش آتی۔ لیکن کیا کریں جب قرن اولیٰ میں اس کا پتہ ونشان ہی نہیں تھا سو اول سے کیوں کر کر سکتے تھے۔ اگر مجیب لبیب کو دعویٰ ہو تو ہمارے مجیب اپنے دوازدہ امام کی امامت دلیل قطعی سے ثابت کر دکھلائیں۔ تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ محض بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ معہذا اگر شرائط ہی میں ادنیٰ تامل سے خیال کیا جاوے تو واضح ہوتا ہے کہ ان شرائط کی وضع ہی ٹھیک نہیں کیونکہ اس میں لوازم کو بھی شرائط قرار دیا ہے فی الحقیقت بعد نص کے کسی شرط کی حاجت نہیں جب شارع کسی امر کی نسبت تنصیص فرماوے تو اس میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی غایۃ مافی الباب عصمت وافضلیت لازم ہوں گی تو ان کو شرائط میں داخل کرنا بالکل لغو اور فضول ہے اور غلط جب نص پائی جائے گی تو اس کے لوازمات عصمت وافضلیت بھی پائی جائے گی لان الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ

قولہ: واقع میں شرائط ثلثہ ایسی جامع ومانع ہیں کہ ان سے بخوبی مقصد حاصل وتقریب مرام تام ہے

اقول: یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ جب تک ان کے ساتھ میں قید حصر نہ لگائی جائے گی تب تک ہرگز مانع نہیں ہوں گی اور جب محتاج الضمام قید آخر ہوئی تو یہ فرمانا کہ ان سے تقریب مرام تام ہے غلط ہے اگر یہ دعویٰ صحیح ہوتا تو شیعہ میں باہم اختلاف نہ ہوتا۔ آپ شیعہ کے اختلاف نصوص کے اعتقادات کو ملاحظہ فرمائیے تاکہ اس کی کیفیت آپ پر واضح ہو جائے۔

قولہ: اگر ہاشمیہ وعلویہ داخل شروط امامت ہیں تو انہیں شرائط ثلثہ میں داخل ہیں کیونکہ شرائط ثلثہ میں سے نص بھی ہے اور نص انہیں حضرات کی شان میں ہے نہ غیر کی جیسا کہ آپ بفحوائے حدیث الائمۃ من قریش امامت وخلافت قریش کا ہی حق سمجھتے ہیں نہ غیر کا۔ پس آپ کے

یہ فرمانا کہ بعد میں ہاشمیہ و علویہ کو بڑھایا بجائے خود نہیں۔

اقول: جس قدر افراد خاصہ ہوتے ہیں وہ سب اپنے عام کے نیچے داخل ہوا کرتے ہیں قاعدہ مسلّمہ ہے اس کا کون منکر ہے لیکن کلام اس میں ہے کہ عام میں انواع خاصہ کے تقیید محض بوجہ تقلیل اشتراک بنائی گئی پس اس کا کیا جواب حضرت کے کلام میں پیدا ہوتا ہے اور بجواب اس کے یہ کہنا کہ خاص بھی اس عام میں داخل ہے مصداق اس جملہ کا ہے کہ سوال از آسمان و جواب از ریسمان علاوہ اس کے یہ داخل ہونا بالضمام تیسری تقیید کے ہے جو کہ خصم اس کو بھی موضوع قرار دیتا ہے معہذا اگر داخل ہونا ہی باعث ترک ذکر اشتراط ہے تو بوجہ تلازم نص کے ساتھ عصمت و افضلیت کا ذکر بھی بے فائدہ ہے پھر آپ کی تفریع اور فرمانا کہ اضافہ ہاشمیہ و علویہ بجائے خود نہیں محض آپ کے ذہنی مقدمہ پر متفرع ہوگی اس عبارت موجودہ میں ہرگز بجائے خود نہیں۔

قولہ: اور چونکہ امامیہ کے نزدیک امامت و خلافت راشدہ شرائط ثلثہ سے ہی متحقق ہوتی ہے نہ مطلق قہر و غلبہ و تسلط و حکومت و ریاست ظاہری سے اور جو شخص بدون تحقق شرائط ثلثہ متصدی امر خلافت ہو اور گو اس کو حکومت و ریاست ظاہری حاصل ہو وہ خلیفہ مستحق و راشد نہیں ہے پھر عباسیہ کی خلش دور کرنے کی ہم کو کیا ضرورت تھی وہ تو شرائط ثلثہ سے ہی دور ہو چکے تھے جو اور خلفاء غیر مستحقین کا حال ہے وہی ان عباسیہ وغیرہ کا

اقول: اختلاف فیما بینہم نص کی بابت تو واقع میں ہی موجود ہے باقی رہی عصمت و افضلیت وہ ہر دو ایسی چیز نہیں جو بداہتہ معلوم ہو سکے تو محال کسی ایسی بدیہی امر کی طرف ضرورت داعی ہوتی جس میں مجال گفتگو نہ رہی اس سبب سے خلفاء غیر مستحقین کی خلش دور کرنے کی ضرورت پڑی ہاشمیہ علویہ فاطمیہ ایسی بدیہی چیزیں ہیں جس میں مجال کلام نہیں تو حسب مناسب و مصلحت وقت ان کو اضافہ کرتے گئے تو یہ فرمانا کہ ہم کو کیا ضرورت تھی یہ محض اس وجہ سے ہے کہ زمانہ سابق کو جب کہ [illegible] شیعہ میں [illegible] تجاحد و تخالف تھا زمانہ حال پر قیاس فرما لیا ہے اور [illegible] قہر و تسلط سے [illegible] خلافت [illegible] [illegible] [illegible] ثابت کرنا [illegible] کے [illegible] فرماویں

قولہ: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فرماتے ہیں [illegible] احدا من [illegible]

خروجًا و لم یتخول الامر لکثیر من العلویین و قلیل من العباسیین و لو اورد احدا من الخلفاء العبیدیین لان امامتھم غیر صحیحۃ لامور منھا انھم غیر قرشیین و انما سمتھم بالفاطمیین جھلۃ العوام والا فجدھم مجوسی۔ انتھی بقدر الحاجۃ۔

اقول: پھر اس سے کیا حاصل۔ اس کا انکار کس نے کیا تھا۔ آپ پہلے اعتراض کو ہی نہیں سمجھے اول اس کو بغور سمجھئے اس وقت جواب کے درپے ہو جیئے۔

شیعہ کا خلافت سے متعلق شرائط کا دعویٰ بلا ثبوت و دلیل

قولہ: اور چونکہ یہ شرائط ثلثہ کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ و روایات ائمہ کرام و اقوال صحابہ فخام سے ثابت ہیں اور واقعہ میں جامع مانع ہیں اس لئے ہم کو اور شرائط کے وضع کرنے کی کیا حاجت ہے۔

اقول: شرائط ثلثہ کے ثبوت کی نسبت کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ و روایات ائمہ کرام و اقوال صحابہ فخام کا اس وقت دعوے فرماتے ہیں مگر معلوم نہیں کہ اپنے اس رسالہ میں ان شرائط کے ثبوت کے وقت وہ آیات و احادیث و روایات و اقوال کیا غار من رائے سے برآمد نہیں ہوئی تھی یا فراموش ہو گئی تھی اور نیز اس مادہ میں جو ہمارے مجیب لبیب کا زمانہ مناظرہ مولوی مشتاق احمد صاحب سلمہ مدرس ہائی سکول لدھیانہ سے عصمت کے اشتراط میں ہوا اور مجیب لبیب ساکت ہوئے اور ثابت نہ کر سکے اور زک کھائی کیا اس وقت تک یہ آیات و احادیث و روایات و اقوال تصنیف و تالیف نہیں ہوئے تھے لیکن یہ تحریر تو مناظرہ سے پہلی ہے پھر معلوم نہیں وہ کس دن کیواسطے رکھی گئی ہیں۔ اور شرائط کی نسبت جامعیۃ و مانعیۃ کا دعویٰ بھی بالکل غلط ہے نہ جامع ہیں نہ مانع جامع تو اس لئے نہیں کہ اول جناب امیر رضی اللہ عنہ اگر مامور بصبر اور وصی بالسکوت تھے تو انھوں نے اس حکم اور وصیت کے برخلاف کیا جو سراسر معصیت تھی اور خلاف عصمت اس کی نسبت کچھ روایت مذکور ہو چکی ہیں اور اگر زیادہ دیکھنا چاہتے ہو تو قصہ میزاب عباس اور قتل ابوبکر اشجع کو ملاحظہ فرمائیے اور اگر مامور بصبر و سکوت نہیں تھے تو پھر اہل بیت کی تذلیل قرآن کی تحریف دین کی تخریب کس نے کرائی معاذ اللہ حسب اصول شیعہ یہ سب حضرت کے ذمہ۔ علاوہ اس کے [illegible] [illegible] وغیرہ [illegible] مخالف عصمت ہیں تو اس شرط نے ہی تو حضرت [illegible] [illegible] سید [illegible] [illegible] کو ہی خارج کر دیا بعد ان کے [illegible] شیعہ

کہ انھوں نے بے وجہ خلافت جو نیابت رسول ہے خود بخود ایک غیر مستحق بلکہ بقول شیعہ کافر کے حوالہ کر دی اور اسلام و اہل اسلام کو معرض تلف میں ڈال دیا یہ بھی اعظم معاصی میں سے ہے تو اس شرط سے آپ کو بھی خارج کیا ان کے بعد امام ثالث شیعہ نے حسب لتصریح قوم بیت المال کے مال میں بے اجازت امام کے تصرف کیا جو حرام تھا اور بپاداش اس کے امام نے ان کے زدوکوب کا قصد کیا اور نیز تقیہ جو واجب تھا ترک کر گئے جو ان اہلبیت کو تیغ بیدریغ ظالمان کرایا اور نساء و ذراری اہلبیت کو ذلیل و خوار کرایا تو آپ کی اس شرط نے ان کو بھی خارج کیا پھر اب بتلایئے جامع کیونکر رہی۔ اور اگر ان حضرات کے اقوال کو دیکھا جائے تو خلاف شرائط ثابت ہوتا ہے، نہج البلاغۃ میں حضرت عثمان کے پیام کے جواب میں ارشاد ہے۔

واللہ لقد دفعت عنہ حتی خشیت ان اکون آثما۔ — خدا کی قسم تحقیق میں نے اس سے اتنا دفع کیا یہاں تک کہ میں گنہگار ہونے سے ڈرا۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ آپ کو اپنے اس فعل میں معصیت اور اثم کا خوف ہے اور آپ کا یہ ارشاد۔

لا تکفوا عن مقالۃ بحق او مشورۃ بعدل فانی لست بفوق ان اخطی۔ — قول حق اور نیک مشورہ سے باز نہ رہو کیونکہ میں کچھ اس سے بالاتر نہیں ہوں کہ خطا کروں۔

یاد آتا ہے شاید نہج البلاغۃ میں ہے یہ بھی نقیض عصمت کو ثابت کرتا ہے پس ہر سہ شرائط حضرت مشکل کشا ہی کے قول سے باطل ہوئے والحمد اللہ علی ذلک اور عدم مانعیت عنقریب اقوال گذشتہ میں مذکور ہو چکی ہے باایں ہمہ اگر حضرت مجیب کو دعوی تھا تو دو چار ہی آیات و روایات و اقوال و احادیث بیان فرمائی ہوتی۔

خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا تحقق

قولہ: مگر ان حضرات اہلسنت چونکہ ایسے خلفاء کی خلافت کے قائل ہیں جو ہر دو دلیل عقلی و نقلی محض موقع و فرصت پا کر خلیفہ بن بیٹھے۔ البتہ ان کو ایسے اصول وضع کرنے کی اشد ضرورت تھی چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اقول: اہل سنت مذہب ایسے خلفاء کی خلافت کے قائل نہیں ہیں جو موقع و فرصت پا کر خلیفہ بن بیٹھے اور جن کی خلافت دلیل عقلی و نقلی سے ثابت نہیں ہے بلکہ ایسے خلفاء کی خلافت

کے قائل ہیں جن کی خلافت کا ثبوت کتاب اللہ سے مثل روز روشن روشن ہے اور ائمہ کو بھی ان کی ہی اقتداء کا حکم تھا اور ہرگز اجازت نہ تھی کہ ان کے مقابلہ میں دم ماریں یا چوں چرا کریں، تمام عمر ائمہ کا ان کے مطیع رہنا ہی ان کی حقیقت خلافت کے لئے شاہد عدل کافی ہے پس ایسی خلافتہائے حقہ جن اصول و شرائط پر واقع ہوئی اور کتاب و سنت بھی ان کو مؤید تھی وہی اصول و شرائط خلافت کے لئے اہل سنت نے قرار دی اور بحمد اللہ وضع اصول اہلسنت کے ماخذ صحیح سے قرار پائی بخلاف اصول موضوع اہل تشیع کے ان کی تکذیب جا بجا خود کلام ائمہ میں ہے۔

قولہ: اور جب بنظر غور دیکھا کہ واقعہ میں یہ امامیہ کی شرائط ثلثہ نہایت ہی درست ہیں تو باوجودیکہ ہمارے مقابلہ میں ان شرائط کو خلاف عقل و نقل کہتے رہے۔ مگر پھر بھی ان میں سے دو شرطیں تسلیم کرتی ہیں۔

اقول: شرائط ثلثہ کی درستی کی نسبت اہلسنت کا ذکر تو رہنے دیجئے اگر کبھی خود بھی ان کے دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہوں گے تو آپ کا دل ہی جانتا ہوگا کہ دلائل سے ثابت ہیں یا نہیں اور دو شرطوں کا تسلیم کرنا وہ غلطی ہے جو آپ کی زبان پر جاری ہے اور چند بار اس پر ہم متنبہ کر چکے ہیں۔

قولہ: اور چونکہ عصمت کسی طرح خلفاء ثلثہ میں ثابت نہ کر سکتے تھے اس لئے اس کے ماننے سے مجبور رہے۔

اقول: بحمد اللہ تعالی اہلسنت کا مقتدا و پیشوا مسائل دینیہ میں کتاب اللہ و سنت ہے وہ خلاف اس کے کوئی امر کسی میں ثابت نہیں کرتے اور جو جس قدر ثابت ہو گیا اس میں چون و چرا نہیں کرتے بخلاف مقتدایان شیعہ کے کہ انھوں نے اپنا مقتدا اپنی اہواء کو قرار دے رکھا ہے خلاف کتاب و سنت جس کے لئے جو دل چاہتا ہے ثابت کر دیتے ہیں اور جس سے جو دل چاہتا ہے حسب موقع سلب کر دیتے ہیں نہ کتاب و سنت کو دیکھتے ہیں نہ ائمہ کے سنتے ہیں منجملہ ان کے یہ مسئلہ عصمت ہے کہ زبردستی ائمہ کے سر منڈھتے ہیں حالانکہ نہ کتاب اللہ اس کی مساعدت کرتی ہے نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو سکتا ہے پس اہلسنت کو اس مسئلہ کے ماننے سے مجبوری اس وجہ سے ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت نہیں نہ وہ کہ جو حضرت مجیب نے بیان کیا چنانچہ دو مسئلہ دونوں شرطوں کا بھی اس وجہ سے انکار کیا گیا ہے۔

حضرات شیعہ نے ائمہ کے لئے انبیاء کی عصمت میں قدح کیا ہے نہ اہل سنت نے

قولہ: مگر خلفاء ثلاثہ کے لئے انبیاء کی عصمت میں قدح کرنے لگے۔

اقول: اس جملہ کا مطلب تو آپ یا آپ کے مذہبی بھائی سمجھیں گے۔ خلفاء کے لئے انبیاء کی عصمت میں قدح کرنے سے کیا مراد ہے اگر یہ مطلب ہے کہ چونکہ خلفاء کو معصوم نہیں اعتقاد کرتے اور انبیاء کو اگر معصوم اعتقاد کریں گے تو خلفاء سے افضلیت انبیاء پر لازم آئے گی۔ اس لئے انبیاء کی عصمت میں قدح کرکے ان کو بھی معصوم ہونے سے خارج کرتے ہیں تاکہ افضلیت لازم نہ آوے تو یہ تو بالکل غلط اور واہیات ہے سراسر مذہب اہل سنت کے خلاف ہے صریح مذہب اہل سنت یہ ہے کہ انبیاء معصوم ہیں اور سوا انبیاء کے کوئی شخص خلفاء میں سے ہو یا ائمہ میں سے ہرگز معصوم نہیں اور اگر کچھ اور مراد ہے جو خلاف سیاق عبارت اپنے ذہن میں اعتبار کر رکھا ہے تو صاف طور پر بیان کرنا چاہیئے لیکن بات اصل یہ ہے کہ حضرات شیعہ کی عادت ہے کہ اگر کسی کو بڑھاتے ہیں تو یہاں تک بڑھاتے ہیں کہ اس کو حد اعتدال سے خارج کر دیتے ہیں اور گراتے ہیں تو یہاں تک گراتے ہیں کہ حد اعتدال سے نکال دیتے ہیں مثلاً اسی مسئلہ عصمت انبیاء میں یہاں تک بڑھے کہ صغائر و کبائر سے سہواً و عمداً قبل النبوت اور بعد النبوت معصوم قرار دیا یا گرایا تو یہاں تک گرایا کہ انبیاء کی نسبت کفر اور حسد وغیرہ سے بھی دریغ نہ کیا۔ ائمہ کی نسبت یا تو یہاں تک مبالغہ کیا کہ نبیین و مرسلین سے بھی ان کا درجہ اونچا کر دیا یا گرایا تو یہ نوبت پہنچائی وہ امور ان کی طرف منسوب کئے کہ کفار و فجار کو بھی ان کی نسبت سے ننگ و عار ہو فروع میں اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً صوم کی یہاں تک احتیاط کہ پانی میں غوطہ لگانے سے بھی ٹوٹ جاتے یا بد احتیاطی کی تو یہاں تک کہ اغلام سے بھی نہ ٹوٹے بس مذہب کیا ہے۔ مرزا رفیع السودا کی ہجو یا مدح ہے کہ کبھی عرش بریں پر بٹھلا دیا اور کبھی تحت الثریٰ میں گرا دیا یا میر دبیر و انیس کے مرثیوں کی بندشیں ہیں کہ ہر ہر شعر میں بے شمار مبالغہ کی کھپت جناب امیر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کے واسطے فرمایا ہے جو نہج البلاغۃ میں کئی جگہ شریف رضی نے نقل کیا ہے۔

[یہ]لک فی صنفان محب مفرط یذہب [به] الحب الی غیر الحق و مبغض [مفرط] یذہب به البغض الی غیر الحق [و] خیر الناس فی حالا النمط الاوسط [ف]الزموه والزموا السواد الاعظم فان یدالله علی الجماعۃ انتہی بقدر الحاجۃ

قریب ہے کہ میرے باب میں دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک تو افراط کے ساتھ مجھ کو دوست رکھنے والے کہ میری محبت ان کو ناحق کی طرف لے جاتے گی دوسرے نہایت دشمنی رکھنے والے جن کو دشمنی بغض کی طرف لے جائے گی اور میرے باب میں متوسط حال والے سب سے بہتر ہیں پس ضرور لو اس کو اور بڑی جماعت کو اختیار کرو کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اور نہج البلاغۃ میں دوسری جگہ فرمایا۔

یهلك فی رجلان محب مفرط باهت مفتر۔

ہلاک ہوں گے میرے باب میں دو شخص: [ایک] تو دوست رکھنے والا اور مفتری بہتان باندھنے والا۔

حسب ارشاد جناب امیرؑ تمام فرق شیعہ و خوارج و نواصب اس وعید میں داخل ہوئے کس قدر اطراء فی المدح اور افراط فی المحبت ہے کہ حضرت کا مرتبہ انبیاء سے بھی بڑھا دیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ اہلسنت یہاں بھی ثابت الاعتقاد اور راسخ القدم رہے۔ انبیاء کو انبیاء کے درجہ میں رکھا اور خلفاء کو ان کے درجہ میں رکھا نہ ان کے درجہ میں اعتدال سے کمی و بیشی کی نہ کسی کے درجہ کو اعتدال سے گھٹایا بڑھایا۔ اور اگر روایات شیعہ کا تتبع کیا جاوے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرات شیعہ نے ائمہ کی وجہ سے عصمت انبیاء میں جرح قدح کیا ہے حضرت آدم علیہ السلام کی انکار امامت کی روایت اور حسد کا قصہ اور سزا کا ذکر اوپر مذکور ہو چکا ہے علاوہ ازیں روایات قوم سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس قدر مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے سب بوجہ انکار امامت ائمہ مبتلا ہوئے اور یہ ان کو سزا اسی انکار کی دی گئی تھی جس سے اہل انصاف و عقلاء صاف سمجھ سکتے ہیں کہ حضرات شیعہ نے ہی ائمہ کے لئے انبیاء کی عصمت میں جرح و قدح کی ہے نہ اہل سنت نے۔

قولہ: غرض کہ امامت و خلافت کے بارہ میں ان حضرات کے قول سے یہ ثابت ہے ... ہیں اگر حضرت مجیب یہ سلسلہ جاری رکھیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ بحث امامت میں [بخوبی] بخوبی آئے گا۔

اقول: معلوم نہیں ہمارے مجیب نے یہ نتیجہ کس جملہ کا ما سبق سے پیدا کیا ہے

کون سا اختلاف و اضطراب اہلسنت کا مسئلہ امامت میں ذکر کیا ہے جس کی طرف یہ غرض ایما کرتی ہے۔ اگر بالفرض اہل سنت کو مسئلہ امامت میں باہم اختلاف ہو تو یہ اختلاف بحمد اللہ تعالیٰ کچھ قادح نہیں کیونکہ اہلسنت کے نزدیک مسئلہ امامت فروع میں سے ہے اور بالاتفاق اختلاف فی الفروع ممنوع نہیں ہے حالانکہ اہلسنت میں اس کی بابت کوئی معتد بہ اختلاف نہیں ہے لیکن اگر اختلافات فرق شیعہ کو عموماً اور اختلافات فرقہ امامیہ کو خصوصاً دیکھا جاوے اور آپس میں باہم جو کچھ تہافت و تناقض و تکاذب و تجاحد ہے اس کو غور کیا جاوے تو بے اختیار آیت وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ زبان سے نکلتی ہے اور آیت اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اس پر صادق آتی ہے خوف تطویل ہے اور یہ مقام بھی تطفل واستطرادی ہے ورنہ اس بحث کو ہم بسط کے ساتھ قید تحریر میں لاتے لیکن جس کو اس اختلاف کے دیکھنے کا شوق ہو وہ مبسوطات مثل صواقع و تحفہ اثناعشریہ وغیرہ کو دیکھے۔

شیعہ میں اختلاف ائمہ کا ہی ڈالا ہوا ہے

لیکن اس جگہ مجیب لبیب میری اس گزارش پر ناخوش نہ ہوں کیونکہ یہ اختلاف فی الحقیقت آپ کا یا آپ کے اکابر علماء کا قصور نہیں ہے بلکہ حسب تصریحات قوم یہ کشتی تو خضر ہی کی ڈوبائی ہوئی ہے۔ یہ اختلاف تو بقول حضرات شیعہ ائمہ کا ڈالا ہوا اور ان ہی کا تعلیم کیا ہوا ہے۔ کلینی میں باب اختلاف الحدیث میں منصور بن ابی الحازم سے روایت ہے۔

قلت لابی عبد اللہ اسئلک من المسئلہ فتجیبنی فیہا بالجواب ثم یجیئک غیری فتجیب بجواب اخر قال انا نجیب الناس علی الزیادۃ والنقصان

منصور بن ابی حازم کہتا ہے کہ میں نے امام ابو عبد اللہ سے پوچھا کہ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں آپ اس میں کچھ جواب دیتے ہیں پھر دوسرا شخص آپ کے پاس آتا ہے اس کو آپ دوسرا جواب فرماتے ہیں۔ فرمایا لوگوں کو ہم کم و بیش جواب دیتے ہیں۔

اور بحار الانوار میں ہے۔

عن محمد بن بشیر وعزیز عن ابی عبد اللہ قال قلت لہ انہ لیس شئی اشد علی من اختلاف اصحابنا قال ذلک من قبلی۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام ابو عبد اللہ سے کہا کہ مجھ پر کوئی چیز ہمارے اصحاب کے اختلاف سے زیادہ سخت نہیں فرمایا یہ میری طرف سے ہے۔

اور بحار میں ہے۔

عن زرارۃ عن ابی جعفر قال سألتہ عن مسئلۃ فاجابنی قال ثم جاء رجل فسألہ عنہا فاجابہ بخلاف ما اجابنی ثم جاء رجل فسألہ عنہا فاجابہ بخلاف ما اجابنی و اجاب صاحبی فلما خرج الرجلان قلت یا ابن رسول اللہ رجلان من اہل العراق من شیعتک قدما یسئلون فاجبت کل واحد منہما بغیر ما اجبت بالاخر فقال یا زرارۃ ان ھذا خیر لنا و ابقی لنا ولکم ولو اجتمعتم علی امر واحد لقصدکم الناس ولکان اقل لبقائنا وبقائکم فقلت لابی عبد اللہ الی ان قال فاجابنی بمثل جواب ابیہ۔

زرارہ کہتا ہے کہ میں نے امام ابو جعفر سے ایک مسئلہ پوچھا آپ نے مجھ کو جواب دیا پھر دوسرے شخص نے آکر پوچھا اس کو میرے جواب کے مخالف جواب دیا پھر تیسرے شخص نے پوچھا اس کو ہم دونوں کے جواب کے مخالف جواب دیا جب وہ دونوں چلے گئے میں نے عرض کیا اے رسول اللہ کے فرزند عراق کے دو شخص آپ کے شیعہ میں سے پوچھنے کے لئے حاضر ہوتے آپ نے ہر ایک کو دوسرے کے مخالف جواب دیا فرمایا اے زرارہ ہمارے لئے یہی بہتر اور ہمارے تمہارے لئے بقا کا سبب ہے اور اگر تم ایک امر پر اتفاق کر دو گے تو لوگ تمہارا قصد کریں گے اور ہماری تمہاری بقاء قلیل ہو گی۔

اور اسی بحار میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال انی لاتکلم علی سبعین وجہا فی کلہا المخرج۔ نقلہ عن ارغام۔

امام ابو عبد اللہ سے مروی ہے فرمایا میں ستر طرح پہ کلام کرتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک میں مخرج ہے۔

تو ان روایات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ اختلاف فی الدین حضرات ائمہ کا ہی تلقین کیا ہوا ہے اور واضح رہے کہ اس کی تاویل میں اختلاف امتی رحمۃ کو پیش نہ کیجئے گا کیونکہ حسب تصریح صدوق جو علل الشرائع میں کی ہے اس حدیث میں اختلاف سے مراد اختلاف فی البلدان ہے نہ اختلاف فی الدین۔ پس اپنے اختلافات و اضطرابات سے اغماض کر کے اہل حق کی طرف اضطراب و اختلاف منسوب کرنا طرفہ تماشا ہے۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ پس جناب مخاطب کا یہ قول ماخذان اصول موضوعہ کا محض خلافت خلفاء ثلثہ کا وقوع ہے۔ بجائے خود نہیں۔ اقول معلوم نہیں کہ جناب مجیب نے اپنے کس قول و مقدمہ پر یہ تفریع فرمائی ہے اگر اصول خلافت مسلمہ خود کو اول مدلل تحریر فرماتے اور پھر خلفاء ثلثہ کی خلافت پر ان کو ثابت کرتے بعد میں ایسا کہتے تو مضائقہ نہ تھا۔ اب جناب

کا یہ قول بجائے خود معلوم نہیں ہوتا۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: حضرت مجیب نے یہ عجیب قسم سے اعتراض فرمایا ہے شروع سے کچھ مفہوم ہوتا ہے اور آخر سے کچھ اور سمجھ میں آتا ہے اوّل تحریر فرماتے ہیں معلوم نہیں کہ یہ تفریع کس قول ومقدمہ پر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفریع اس وجہ سے غلط ہے کہ ماسبق میں اس کا مفرع علیہ کوئی قول ومقدمہ نہیں ہے اور آخر میں لکھتے ہیں کہ اگر اپنے اصول کو مدلل لکھ کر خلفاء پر ثابت کرتے اور پھر تفریع کرتے تو صحیح تھا۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مفرع علیہ سابق میں موجود ہے لیکن چونکہ مدلل نہیں کیا گیا اس لئے تفریع ناتمام ہے۔ قطع نظر اس سے جب کہ اصل منشاء اعتراض پیدا کر کے اعتراض کو خصم پر منقلب کیا گیا اور اس پر بطلان اعتراض کے تفریع کی گئی تو کون کہہ سکتا کہ یہ تفریع صحیح نہیں ہے یہ ہم نے مانا کہ دلیل پر بھی تفریع ہو سکتی تھی لیکن اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ بدون دلیل تفریع صحیح نہ ہو تفریع فی الحقیقت ذکر ایسے امر کا ہوتا ہے جو اپنے ماسبق کی فرع ہو اور بطلان اعتراض قطعاً اس کے انقلاب کی فرع ہے تو اس کو تفریع کے طور پر ذکر کرنا بھی صحیح ہوا آپ مکرر غور فرمائیے اور اس عبارت کو سوچیے۔

ازالۃ الخفاء کے حوالہ سے شیعہ اعتراض

قولہ: معہذا میں نے جو یہ لکھا تھا تو کتاب کا حوالہ بھی دیا تھا افسوس کہ جناب نے کتاب ملاحظہ نہیں فرمائی ورنہ ایسا ہرگز تحریر نہ فرماتے خیر اب بھی ازالۃ الخفاء کی عبارت لکھ کر اپنا مطلب ثابت کرتا ہوں۔ اگر محل گفتگو ہو تو بسم اللہ حضرت فرماویں۔ ازالۃ الخفاء کے مقصد اول کی فصل اول واقعہ صفحہ مطبوعہ مطبع مذکور میں یہ عبارت درج ہے۔ مسئلہ در طرق انعقاد خلافت۔ انعقاد خلافت بچہار طریق واقع شود۔ طریق اول بیعت اہل حل وعقد از علماء وقضاۃ و امراء و وجوہ ناس کہ حضور ایشان میسر شود واتفاق اہل حل وعقد جمیع بلاد اسلام شرط نیست زیرا کہ آن ممتنع است وبیعت یک دو کس فائدہ ندارد زیرا کہ حضرت عمرؓ در خطبہ آخر خود فرمودہ اند فمن بایع رجلاً عن غیر مشورۃ من المسلمین فلا یبایع ہو والذی بایعہ تغرۃ ان یقتلا وانعقاد خلافت حضرت صدیق بطریق بیعت بودہ است۔ طریق دوم استخلاف خلیفہ است مستجمع شروط را یعنی خلیفہ عادل بمقتضائے نصح مسلمین شخصی را از میان مستجمعین شروط خلافت اختیار نمود و جمع نماید مردمان را و نص کند باستخلاف وی و وصیت نماید باتباع وی پس این شخص میان

مستجمعین خصوصیتی پیدا کند و قوم را لازم است کہ ہمان شخص را خلیفہ سازند انعقاد خلافت حضرت فاروق بہمین طریق بود۔ طریق سوم۔ شوری ست وآن آنست کہ خلیفہ شائع گرداند خلافت را در میان جمعی از مستجمعین شروط وگوید از میان این جماعت ہر کرا اختیار کنند خلیفہ او باشد پس بعد موت خلیفہ تشاور کنند ویکی را معین سازند واگر برائے اختیار شخصی را یا جمعی را معین کند اختیار ہمان شخص یا ہمان جمع معتبر باشد وانعقاد خلافت ذی النورین بہمین طریق بود کہ حضرت فاروق خلافت را در میان شش کس شائع ساختند وآخرہا عبدالرحمن بن عوف برائے تعیین خلیفہ مقرر شد ووی حضرت ذی النورین را اختیار نمود۔ طریق چہارم استیلا ست چون خلیفہ بمیرد وشخصی متصدی خلافت گردد بغیر بیعت واستخلاف وہمہ را بر خود جمع سازد باستیلاف قلوب یا بقہر ونصب قتال خلیفہ شود ولازم گردد بر مردمان اتباع فرمان او در انچہ موافق شرع باشد واین دو نوع است یکی آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد وصرف منازعین کند بصلح وتدبیر از غیر ارتکاب محرمی واین قسم جائز ست در رخصت وانعقاد خلافت معاویہ ابن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ وبعد صلح امام حسن بہمین نوع بود انتہی بقدر الحاجۃ۔ غور فرمایئے کہ یہ جو چار طریقے انعقاد خلافت کے لکھے ہیں کسی طریق کو بھی دلیل عقلی یا نقلی سے ثابت کیا ہے حالانکہ یہ کتاب خاص اسی باب میں بڑے زور وشور سے تحریر ہوئی ہے ہر طریقہ کے ثبوت میں ہر خلیفہ کی خلافت ہی بطور شہادت لکھی ہے۔ پس میرا یہ لکھنا کہ ماخذ ان اصول موضوعہ کا وہی خلافت خلفاء کا وقوع ہے اگر انصاف فرمایئے تو نہایت ہی درست ہے اور جناب کا یہ لکھنا کہ بجائے خود نہیں واقعہ میں بجائے خود نہیں۔

اہلسنت نے جو طریقہ انعقاد خلافت کے لکھے ہیں ان پر لزوم مصادرہ علی المطلوب باطل ہے (اعتراض سابقہ کا جواب)

اقول: غور سے تقریر [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتراض ہمارے مجیب لبیب کا مایہ الفخر ہے وسرمایہ ناز [illegible] پیشتر اس سے جواب میں جو کچھ [illegible] اجمالاً گذارش کیا گیا تھا افسوس کہ حضرت مجیب صاحب نے اپنی عادت [illegible] اس کو تامل کی نظر سے ملاحظہ نہیں فرمایا لہذا ضرور ہوا کہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جائے تاکہ مجیب لبیب کو معلوم ہو جائے کہ یہ اعتراض محل گفتگو ہی

نہیں بلکہ محض غلط ہے اور منشا اس کا یہ ہے کہ ازالۃ الخفاء کے مطلب کو نہیں سمجھے پس
واضح ہو کہ حاصل اعتراض دو امر ہیں، اوّل یہ کہ اہلسنت نے چند اصول وضع کئے ہیں جن
سے ان کے نزدیک خلافت متحقق ہوتی ہے اور چونکہ یہ اصول موضوعہ کتاب و سنت سے
ثابت نہیں تو باطل ہوئے اور خلافت جس کا ثبوت ان اصول پر موقوف تھا وہ بھی باطل ہوئی
دوسرا امر یہ ہے کہ جن طریقوں سے خلافت خلفاء ثلثہ واقع ہوئی ہے ان کی طریقوں کو اصول
قرار دیا ہے اور یہ ایک قسم کا مصادرہ علی المطلوب ہے لیکن جہاں تک غور کیا جاتا ہے معلوم
ہوتا ہے کہ لزوم مصادرہ علی المطلوب بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ مصادرہ علی المطلوب اس
کو کہتے ہیں کہ مدعا کو عین دلیل یا جزو دلیل قرار دیا جاوے اور یہاں کوئی بھی نہیں صادق آتا
پس یہ حضرت مجیب کی کمال مناظرہ دانی ہے کہ روزمرہ کی اصطلاحات کی بھی خبر نہیں پھر معلوم
نہیں کہ یہ جو تحریر فرماتے ہیں کہ ابتداء سن تمیز سے مناظرہ مذہبی کا شوق رہا ہے محض تہدید ہے
یا سبقت قلم ہے شاید حضرت کو دور اور مصادرہ علی المطلوب باہم مشتبہ ہو گئے ہوں گے
اور دور کو مصادرہ علی المطلوب سمجھ گئے ہوں گے کہ بظاہر اس مبحث میں دور کا شبہ پڑتا ہے
جس کی تقریر و جواب کی طرف ہم تبرعاً متوجہ ہوتے ہیں اس کی تقریر یہ ہے کہ اہلسنت نے چند
اصول وضع کئے ہیں جن پر خلافت کا تحقق موقوف ہے اور خلافت کی حقیت کو ان اصول
سے ثابت کرتے ہیں اور خود ان ہی اصول کی حقیت کو خلافت پر موقوف کر رکھا ہے کہ ماخذ ان اصول
کا خلافت خلفاء قرار دے رکھی ہے تو اہلسنت کے اصول پر دور لازم آتا ہے اب ان کے جواب
کی طرف توجہ فرمایئے۔ امر اول کی نسبت گذارش ہے واضح ہو کہ خلافت خلفاء کے بارہ میں اہلسنت
کے دو طریقے ہیں بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ خلافت منصوصہ ہے چنانچہ صاحب ازالۃ الخفاء قدس
سرہ کی بھی یہ ہی رائے ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ منصوص نہیں ہے بلکہ بیعت اہل حل و عقد
و اجماع سے ثابت ہوئی لیکن چونکہ اس جگہ فریق اول کے مسلک پر گفتگو واقع ہوئی ہے کیوں کہ
مجیب لبیب نے عبارت ازالۃ الخفاء کو اپنا مستدل قرار دیا ہے تو اوّل اسی مسلک کی بنا پر
جواب کی تقریر کی جاتی ہے ظاہر ہے کہ مسلک فریق اول پر خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم نص شرعی
سے ثابت ہے اور نصوص جلیہ و خفیہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اقوال اہلبیت
و صحابہ بتفصیل تمام بالا مزید علیہ ازالۃ الخفاء میں مذکور ہیں اور ان نصوص میں کسی قدر سابق میں
مذکور ہو چکی ہیں تو جب خلافت نص سے ثابت ہوئی تو لامحالہ حق ہوگی اور جن اوضاع اور

اصول پر وہ خلافت واقع ہوگی وہ اوضاع اور اصول بھی حق ہوں گے تو اس اعتبار سے جب
خلافت خلفاء منصوص ہوئی اور حق ہوئی تو وہ اوضاع و اصول کہ جن پر یہ خلافت حقہ مبتنی تھی
وہ بھی حق ہوئی۔ تو پھر یہ کہنا کہ "جن پر خلافت کا تحقق موقوف ہے" اگر اس سے مراد قطع نظر حقیت
عند اللہ سے تحقق خارجی محض ہے تو لازم باطل ہے اور نہ آپ کو کچھ مفید اور نہ ہم کو کچھ مضر ہے
کیونکہ جب دار مدار حقیت خلافت کا نص پر ٹھہرا تو اگر بالفرض یہ اصول کتاب و سنت سے
ثابت نہ ہوں تو بھی خلافت خلفاء کی حقیت میں کچھ نقص نہیں بلکہ برعکس اس کے بوجہ حقیت
خلافت کے یہ اصول بھی حق ہو جائیں گے اور اگر مراد یہ ہے کہ وہ اصول جن پر خلافت کی حقیت
کا تحقق موقوف ہے) تو بدیہی البطلان ہے کیونکہ جب خلافت منصوصہ ہو کر حق ہو چکی تو اس
کی حقیت کسی اصل پر موقوف نہ ہوگی اس کی حقیت کے واسطے کوئی حالت منتظرہ باقی نہ ہوگی
اگرچہ اس تقریر سے لزوم دور کا بطلان بھی واضح ہے لیکن مناسب ہے کہ بغرض رفع خلجان
حضرت مجیب خاص پیرایہ میں اس کو ادا کیا جاوے۔ پس سنیئے اس قیاس میں اگر توقف سے
مراد توقف حقیت ہے تو صغریٰ کاذب ہے اور قیاس غیر منتج اور اگر مراد توقف وقوع خارجی خلافت
ہے تو کبریٰ کاذب اور قیاس عقیم پس لزوم توقف الشئ علی نفسہ باطل۔ دوسرے یہ کہ اس قیاس میں
جہۃ توقف متحد نہیں کیونکہ صغریٰ میں بطور نفس وقوع کے ہے اور کبریٰ میں بطور حقیت کے تو حد اوسط
مکرر نہ ہوا تو نتیجہ کاذب ہوگا غرض بہرکیف ازالۃ الخفاء دیکھ کر یہ سمجھنا کہ خلافت راشدہ ان اصول
پر موقوف ہے بالکل غلط ہے اگرچہ بعد اس کے کچھ ضرورت باقی نہیں رہی کہ دوسرے مسلک
پر جواب کی تقریر کی جاوے کیونکہ مبنی اعتراض کا مسلک اول پر ہی تھا۔

دوسرا جواب

لیکن تبرعاً ہم دوسرے مسلک پر بھی مختصر جواب کی تقریر کرتے ہیں تاکہ ہمارے مجیب کے
دل میں کوئی ہوس و انتظار باقی نہ رہ جاوے۔ اس مسلک پر ہم کہتے ہیں کہ وہ اصول جن پر خلافت کا
تحقق موقوف ہے خلافت پر موقوف نہیں بلکہ اول ان اصول کا کتاب و سنت سے ثابت ہے
اور باقی اس پر متفرع تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول بیعت صدیقی بیعت اہل حل و عقد و جماعت
صحابہ سے منعقد ہوئی ہے اور حجیت بیعت اہل حل و عقد آیت کنتم خیر امۃ سے ثابت ہے
اور نیز اس کی صحت و حقیت کو جناب امیر المومنین جو چند جگہ نہج البلاغۃ میں مذکور ہے اور

خود شارح نہج البلاغۃ سے مفہوم ہوتی ہے (۱) انما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل وسموہ اماماً کان ذلک للہ رضیً اس پر جو کچھ مجیب کا اعتراض ہے اور اس کو دلیل الزامی قرار دی ہے اس کا جواب ہم اسی موقع پر بیان کریں گے مگر مختصراً یہاں اس قدر جاننا چاہیئے کہ خود اس عبارت کا سیاق اور دوسری عبارات کا جو اس بارہ میں وارد ہوتی ہیں اس کا مکذب ہے، (۲) لانہا بیعۃ واحدۃ لا تثنیٰ فیہا النظر ولا یستأنف فیہا الخیار الخارج منہا طاعن والمروی فیہا مداھن (۳) وکانت امور اللہ علیکم ترد وعنکم تصدر والیکم ترجع قولہ وکانت امور اللہ الیٰ قولہ ترجع ای انکم کنتم اہل الاسلام واہل الحل والعقد فیہ لانہم المہاجرون والانصار شرح نہج البلاغۃ (۴) ولعمری لئن کانت الامامۃ لا تنعقد حتیٰ یحضرہا عامۃ الناس ما الی ذلک سبیل ولکن اہلہا یحکمون علی من غاب عنہا ثم لیس للشاہد ان یرجع ولا للغائب ان یختار الا وانی اقاتل رجلین رجلا ادعیٰ ما لیس لہ ورجلا منع الذی علیہ۔ ترجمہ این عبارت بزبان زوارمی وامیہ کہ علی بن حسن نام اوست اینست وقسم بزندگانی من اگر امامت منعقد نشود تا آنکہ حاضر شوند جمیع مردمان نمی باشد بانعقاد امامت راہے در ہیچ زمان واین جواب انکار معاویہ است واہل شام اجماع را بر بیعت آن امام علیہ السلام بنا برانکہ اجماع محتاج است در انعقاد جمیع اہل اسلام وآنحضرت اشارت فرمود بآن کلام باین وجہ کہ اجماع برین وجہ امکان ندارد واگر ممکن باشد عاقل او را در غایت دشواری می شمرد بلکہ معتبر در انعقاد اجماع اتفاق اہل حل وعقد است از امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ بر امری از امور چنانچہ اشارہ فرمود بدان ولیکن اہل امامت حکم میکنند بر کسیکہ غائب است ازان پس ازان نیست مرحاضر را اعنی را ہمچو طلحہ وزبیر از بیعت رجوع نمایند ونہ غائب را ہمچو معاویہ کہ دارا برای خویش اختیار سازد الخ لفظاً علی ازانہ نعیں، اور جب بیعت اہل وعقد صحیح ... تو بیعت صدیقی حق ہوئی اور چونکہ خلافت ... اور بیعت ... اور ... تبعی مع ... خود صحیح اور حق ہوئی اور اگر مجیب بعض صحابہ کی تاخر کو خیال کریں تو اول تو اس کا جواب خود ارشادات جناب امیر میں موجود ہے معہذا یہ ثابت فرماویں کہ یہ تاخر بوجہ قدح استحقاق خلافت تھا جب تک یہ ثابت نہ ہوگا اس وقت تک اعتراض لغو اور فضول ہوگا۔ دوسری مسلک پر برعکس دعویٰ خلافت کے لئے اصول کا ماخذ ہونا مثل روز روشن ظاہر ہو رہا ہے

اور لزوم مصادرہ علی المطلوب حباب اور نقش بر آب بلکہ لمعان سراب ہے، ہمارے مجیب کی تقریر اعتراض کی بعینہ وہ مثال ہے جیسا طفل کہ ابھی چلنا نہ سیکھا ہو اٹھ کر چلنے کا قصد کرتا ہے اور گر جاتا ہے ہر جگہ پاؤں لڑکھڑاتا ہے کسی جگہ بھی تقریر اعتراض یا جواب کی ٹھیک نہیں، پھر اس پر دعویٰ کچھ کیا پس مسلک ثانی پر ماخذ اصول کا خلافت کو قرار دینا اور اصول کو موضوعہ کہنا بالکل غلط ہے اور مسلک اول پر خلافت کو ماخذ اصول کا قرار دینا تو صحیح ہے چنانچہ پہلی تحریر میں بھی اس کی طرف ایماء کیا گیا تھا لیکن اس کی نسبت یہ کہنا کہ بطور خود چند اصول وضع کئے ہیں یہ بالکل غلط ہے کیونکہ جو امر کسی دلیل شرعی سے ماخوذ ہو اگر اس پر موضوع ہونے کا اطلاق کیا جائے تو تمام دین موضوع ٹھہرے گا، علی الخصوص اہل تشیع کا تو دین اصول وفروع جو اکثر صرف ائمہ ہی سے بزعمہم ماخوذ ہے قطعاً موضوع ہوگا، غرضکہ مطلقاً خلافت کا ماخذ ہونا محل اعتراض نہیں ہے۔ اگر اولاً منصوصیت خلافت باطل کرتے اور بعد اس کے یہ لکھتے تو مضائقہ نہ تھا۔ اور یہ قول اب قطعاً بجائے خود نہیں، پس میری گذارش کی تردید اس بناء پر ہے کہ نہ ازالۃ الخفاء کے مطلب کو سمجھا اور نہ بندہ کی گذارش کو بنظر تامل اور انصاف کے ملاحظہ فرمایا سو خیر اس کا کچھ علاج نہیں۔

قال الفاضل المجیب: قولہ۔ کیونکہ فی الحقیقت، یہ کام حضرات شیعہ کا تھا کہ مبنیٰ ان کے اصول موضوعہ کا محض ابطال خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم ہے جس قسم کا الزام اہل سنت کی طرف نسبت فرماتے ہیں۔ اقول۔ شیعہ اپنے اصول کو دلائل عقلیہ اور ان دلائل نقلیہ سے جو مؤید عقل ہیں ثابت کرتے ہیں اور جب کہ امامت کو بھی اصول سے جانتے ہیں اس اصل کو بھی مثل اور اصول کے ایسے دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔

بعض اصول مذہب شیعہ دلائل عقلی ونقلی سے ثابت نہیں

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: ہمارے حضرت مجیب نے جن دلائل کو عقلیہ تصور فرما رکھا ہے وہ فی الحقیقت صور خیالیہ ووہمیہ ہیں، علاوہ ازیں جس قدر مخالف فرقے ہیں سب اپنے اپنے اصول کی نسبت اسی طرح شد ومد سے صحت وحقیت کے قائل ہیں، اگر یہ دعوے بلا دلیل معتبر ہے تو سب فرق کی حقیت کے قائل ہو جیئے۔ ورنہ اپنے اصول کے ... حقیت کی فکر کیجئے۔ ہم جہاں تک غور وتامل سے بنظر انصاف دیکھتے ہیں تو حضرات کے اصول مخصوصہ میں کہیں اس دعوے کی تصدیق نہیں پاتے۔ ائمہ کا انبیاء سے افضل ہونا آپ ہی فرما ... گئے

کہ بدیہیات اوّلیہ میں سے ہے۔ ائمہ اور ان کے اعداء کی رجعت، امام آخر الزمان کی غیبوبت، وجوب علی اللہ تعالیٰ، حسن و قبح عقلی، مساوات اہل الائمہ کی خاتم الانبیاء کے ساتھ جیسا صاحب نافع نے اپنی شرح میں تشریح کی، ائمہ کی عصمت ان کا علم کان و ما یکون و اختیار موت و حیات وغیرہ بہت مسائل ایسے ہیں کہ ان میں صرف جدلیات و اقناعیات پر ہی قانع ہیں اگر انصاف سے ملاحظہ فرماویں تو حقیقت حال منکشف ہو جاوے، لیکن جب عقل و انصاف کو کام میں نہ دیں تو اختیار ہے جو دل چاہے فرماویں زبان و قلم کو کون روک سکتا ہے۔

قولہ: اور ہر امر کے ثبوت کے لیے مقدمات و شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

اقول: اگر مقدمات و شرائط واقعی اور نفس الامری مراد ہیں تو مسلّم لیکن حضرت مجیب کو مفید نہیں کیونکہ شرائط مقبولہ کے لئے نفس الامری ہونا غیر مسلّم ہے اور اگر عام مراد ہے تو خود غلط ہے

خلافت و امامت کیلئے شیعہ کے نزدیک عصمت شرط ہے

قولہ: پس جب بنظر تحقیق اس باب میں غور کیا تو عقل سلیم و کتاب خداوند علیم و احادیث رسول کریم و روایات ائمہ کرام و اقوال صحابہ عظام سے بخوبی ثابت ہوا کہ عصمت و افضلیت و منصوصیت خلافت و امامت کے لوازم میں سے ہے اس لئے ان شرطوں کو ضروری سمجھا۔

اس لغویت کا جواب

اقول: عقل سلیم تو وہی ہے جو حضرت مجیب کو خصوصاً اور تمام فرقہ شیعہ کو عموماً قسام ازل سے مرحمت ہوئی اور کتاب سلیم وہ ہوگی جو جناب امیرؓ نے ایام تخلف بیعت گھر کے اندر تخلیہ میں جمع فرمائی اور ائمہ میں سے ہر ایک کے پاس یکے بعد دیگرے صندوق تقیہ میں بند چلی آئی اور احادیث رسول کریم و روایات ائمہ کرام وہ ہیں جو حضرت زرارہ اور مومن الطاق وغیرہ مقتدایان قوم جن کا مجملاً حال مذکور ہو چکا ہے ان ہی صدیقین کے واسطہ سے حضرات شیعہ میں شائع اور مشتہر ہوئی اور اقوال صحابہ انہیں صحابہ کے ہوں گے جن کے مفصل حالات مستہزئین و مناظرین حالیہ و انشگاف بیان فرماتے چلے آئے۔ اور کسی قدر سابق میں گذرش بھی ہو چکا پھر ایسی عقل اور ایسی کتاب اور ایسی احادیث و روایات اور ایسے اقوال پر ناز و افتخار فرمانا

ہمارے حضرت مجیب جیسے منصف و دانشمند کا ہی کام ہے۔ ہم تو جہاں تک غور کرتے ہیں تو اس کو خلاف عقل اور خلاف کتاب اللہ اور خلاف احادیث رسول اللہ اور خلاف ائمہ و صحابہ پاتے ہیں۔ اور اسی لئے شرائط ثلثہ کو ضروری نہیں سمجھتے قال تعالیٰ و انا او ایاکم لعلی هدی او فی ضلال مبین۔

قولہ: اور چونکہ یہ شرائط ثلثہ خلفائے ثلثہ میں بالمرہ مفقود ہیں اور اہل سنت بلکہ خود خلفاء بھی اس کے مقر ہیں اس لئے ان کی خلافت کو امامت و خلافت راشدہ جو مراد نیابت رسول سے ہے نہیں جانتے۔

اقول: یہ شرائط ثلثہ مسلمہ حضرات ائمہ میں بھی بالمرہ مفقود ہیں۔

اجمالی طور پر روایات شیعہ سے شرائط ثلاثہ کا ابطال

چنانچہ باعتراف ائمہ ثابت ہے تو ان کی امامت و خلافت راشدہ کو بھی خدا جانے چونکہ مقام بسط نہیں اس لئے چند روایات پر اکتفا کرتا ہوں بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیے کلام ہی تو آپ بطور ورد پڑھتے رہتے ہوں گے مگر کبھی تدبر معانی بھی تو فرمائیے۔

قد ملك الشيطان عنانی فی سوء الظن وضعف اليقين وانی اشكو اليك سوء مجاورته لی وطاعة نفسی له۔

تحقیق شیطان بدگمانی اور ضعف یقین میں میری باگ کا مالک ہو گیا ہے اور میں اس کی بری ہمسائیگی اور اپنے نفس کے مطیع ہونے کا شکوہ کرتا ہوں۔

ایضاً انا الذی افنت الذنوب عمره

میں وہ شخص ہوں جس کی تمام عمر گناہوں نے فنا کر دی۔

نہج البلاغۃ میں شریف الرضی جناب امیرؓ سے نقل فرماتے ہیں۔

لا تکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل فانی لست بفوق ان اخطئ ولا آمن من ذلك فی فعلی۔

حق بات اور درست مشورہ سے باز نہ رہو کیونکہ میں خطا سے بالاتر نہیں ہوں اور نہ میں اپنے فعل میں خطا سے مامون ہوں۔

ایضاً ومن كلام له عليه السلام لما اراده الناس على البيعة بعد قتل عثمان دعونی والتمسوا غيری فانا مستقبلون

آپ کے کلام سے جب کہ بعد قتل عثمان کے لوگوں نے آپ کی بیعت کا ارادہ کیا مجھ کو چھوڑ دو اور میرے سوا کسی دوسرے کو تلاش کرو کیونکہ ہم

امراً له وجوه والوان لا یقوم له القلوب ولا تثبت علیه العقول وان الافاق قد اغامت والمحجة قد تنكرت واعلموا انی ان اجبتكم ركبت بكم ما اعلم ولم اصغ الی قول القائل وعتب العاتب وان تركتمونی فانا كاحدكم ولعلی اسمعكم واطوعكم لمن ولیتموه وانا لكم وزیراً خیر لكم منی امیراً۔

امر کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں جس کے لئے مختلف طریقے اور رنگا رنگ ہیں کہ نہ دل اس کے لئے ٹھہرتے ہیں اور نہ عقلیں اس پر ثابت قدم رہتی ہیں اور دنیا تاریک ہو گئی اور صاف رستہ ناآشنا ہو گیا اور جان لو اگر میں تمہاری درخواست قبول کر دوں گا تو تم کو اپنے علم کے موافق لے چلوں گا اور کسی قائل کے قول اور عاتب کے عتاب کی طرف کان نہ رکھوں گا اور اگر تم مجھ کو چھوڑ دو گے تو میں تم میں کا ایک جیسا ہوں اور شاید میں زیادہ مطیع ہوں جس کو تم امیر بناؤ اور میں اس سے کہ تمہارا امیر ہوں یہ بہتر ہے کہ وزیر ہوں۔

اور ذوالفقار میں مجمع البیان طبرسی سے منقول ہے۔

روی محمد بن ابی عمیر عن ابراهیم بن عبد المجید عن علی بن عبد الله الحسین زین العابدین انه قال رجل انكم اهل البیت مغفور لكم قال فغضب وقال نحن احری ان یجری فینا ما اجری فی ازواج النبی ان نرجو لمحسننا ضعفین من الاجر ولمسیئنا ضعفین من العذاب ثم قرأ یا نساء النبی من یات منكن بفاحشة الخ

امام زین العابدین سے مروی ہے ان سے کسی شخص نے کہا کہ تم تو اے اہل بیت بخشے ہوئے ہو تو آپ ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ ہم زیادہ مستحق ہیں کہ جو حکم ازواج نبی میں جاری ہوا ہم میں بھی جاری ہو ہم اپنے نیکوکاروں کے لئے دوچند اجر کے اور اپنے گنہگاروں کے لئے دوچند عذاب کی امید رکھتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی یا نساء النبی من یات منکن بفاحشۃ الخ

اگر آپ انصاف سے ملاحظہ فرمائیں گے تو ان روایات سے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ شرائط فی الواقع شرائط نہیں اور ائمہ ان کے اپنے اندر فقدان کے معترف تھے اب بعد رضا اس کے اپنے ... کو ذرا نہ فرمائیے۔ پہلے دلائل شرعیہ سے ثابت کیجئے بعد اس کے اقوال و افعال کی تاویلات و توجیہات کے درپے ہو جیئے ورنہ ہر کسی کے واسطے وجدان شرائط کا قائل ہو کر اس کے اقوال و افعال کی تاویلات میں معارضہ پیش کیا جا سکتا ہے لیکن کوئی عاقل اس کو ثبوت نہیں قرار دے گا اور شرائط کا اثبات قیاس علی الانبیاء سے کرنا قطع نظر اس سے قیاس ہی قیاس ہے نہ قیاس مع الفارق ہے۔

قولہ: پس شیعوں کی اصلی غرض اپنے اصول کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کرنا و احقاق حق و ابطال باطل ہے۔

اقول: ولن یصلح العطار ما افسد الدهر۔ جب وہ اصول خلاف عقل و نقل ہیں تو حضرات شیعہ کی سعی و کوشش سے اثبات منجملہ محالات ہے اور اس جد و جہد کا نتیجہ بجز ابطال حق اور اثبات باطل اور کچھ نہیں اور نہ یہ غرض حاصل شدنی ہے۔

قولہ: اور یہ ظاہر ہے کہ اس صورت میں غیر مستحقین کی خلافت ثابت نہ رہے گی۔

اقول: بلکہ یہ ظاہر ہے کہ مستحقین کی بھی خلافت اس صورت میں ثابت نہ رہے گی کیونکہ ائمہ کی بھی خلافت باطل ہو جاوے گی۔

قولہ: نہ یہ کہ محض ابطال خلافت خلفاء ثلثہ کی غرض سے بدون قیام دلیل و حجت ان شرائط کو خلافت و امامت میں معتبر جانتے ہیں جیسا کہ حضرت مجیب یا اور اہلسنت کا وہم و خیال ہے حاشا و کلا۔

اقول: اہلسنت کا یہ ہی خیال نہیں کہ آپ بدون قیام دلیل و حجت ان شرائط کو خلافت و امامت میں معتبر جانتے ہیں بلکہ اہلسنت بدلائل قاطعہ و شہادات ائمہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ باوجود قیام دلائل عدم اشتراط کے ان شرائط کو حضرات شیعہ نے خلافت میں معتبر مان رکھا ہے پس جب یہ حال ہے تو ان اصول موضوعہ کی وضع محض بغرض ابطال خلافت خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم ہے و بس۔

قولہ: ہاں چونکہ بدون قیام دلیل حضرات اہلسنت ان خلفاء کی خلافت کے قائل ہیں اس لئے ان کو ضرر ایسے اصول کے جن کے سوا وقوع خلافت کوئی دلیل نہیں سخت حاجت تھی اس لئے حضرات نے ایسے اصول وضع فرمائے۔

اقول: خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم کی حقیقت مثل روز روشن ظاہر و باہر ہے۔ آفتاب نص قرآنی اور احادیث نبوی اور اقوال و افعال ائمہ نے اس کے چہرہ ثبوت سے حجاب خفا یک لخت دور کر دیا۔ آیات و احادیث کسی قدر مذکور ہو چکی ہیں۔ اس وقت نہج البلاغۃ کے خطبہ کا ایک جملہ یاد آیا جو تبرعاً یہاں بنظر طلب انصاف سے دیکھا جاوے نص ہے۔

واذا المیثاق فی عنقی لغیری۔ ناگاہ غیر کا میثاق میرے گلے میں تھا۔

قطع نظر اس سے کہ اس جملے کے الفاظ سے کیا مضمون پیدا ہوتا ہے جو کچھ اس جملہ سے

میں نے مدعا سمجھا ہے بس اس میں متفرد نہیں ہوں بلکہ اس میں حضرت ابن میثم بحرانی بھی میرے ہی بحمد اللہ تعالیٰ ہم بیان ہیں اور انھیں بھی اپنی مختصر شرح میں جو اس وقت میرے پاس موجود ہے مجبور ہو کر صاف کہنا پڑا کہ بیعت ابی بکر کا میثاق ہی جو جناب امیر کی گردن مبارک میں تھا۔ اے حضرت آپ ابن میثم کی شرح لے کر میری اس گذارش کو مطابق کر لیجئے اور دیکھئے کہ جناب امیر کس طرح حقیت خلافت کو تسلیم فرماتے ہیں اور شاید اگر آپ تمام خطبہ کی شرح ملاحظہ فرمائیں گے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ جناب رضی نے اس میں کیا قطع و برید فرمائی ہے پس بفضل اللہ تعالیٰ اہلسنت بدون قیام دلیل ہرگز خلافت کے قائل نہیں ہوئے اور یہ ہی وجہ ہے کہ ان کو اصول گھڑنے کی ضرورت نہ ہوئی تو حضرت مجیب کا یہ ارشاد جن کے سوا وقوع خلافت کوئی دلیل نہیں۔ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے۔ منشا اس کا یہ ہے کہ کتب فریقین سے بے خبر ہیں اور جو کچھ دیکھا ہے اس کا مطلب نہیں سمجھے۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ ورنہ جب کہ ثبوت خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم کتاب اللہ وشہادات ائمہ رضی اللہ عنہم سے واقع ہے تو اہلسنت کو وضع اصول کی کچھ ضرورت نہیں۔ اقول اگر حضرت مجیب کا یہ قول درست ہو تو شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں چار طریقے انعقاد بیعت کے کیوں تحریر فرمائے ہر امر کے ثبوت کے لئے شرائط و مقدمات وغیرہ کا ہونا ضروری ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی۔ ازالۃ الخفاء کی عبارت کو تامل پھر ملاحظہ فرمائیے اور اس کے مطلب کو سمجھئے باایں ہمہ ہمہ دانی آپ نے اس کا مطلب نہیں سمجھا طریق رابع کی شق ثانی کو اگر آپ بتامل ملاحظہ فرمائیں گے تو یہ عقدہ حل ہو جائے گا۔

قولہ: تعجب ہے کہ حضرت کتابوں کو ملاحظہ نہیں فرماتے جو دل میں آتا ہے لکھے جاتے ہیں ورنہ ہر کتاب میں طرق و شرائط وغیرہ تحریر ہیں۔

اقول: اگر کتابوں کے ایسے ملاحظہ کی طرف دعوت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ جناب نے ملاحظہ کتب فرمایا ہے تو ایسا ملاحظہ بے فائدہ ہی نہیں بلکہ مضر ہے چنانچہ جناب پر واضح ہو گیا اور اگر بنظر انصاف و تحقیق ملحوظ خاطر ہے تو بندہ بھی جناب کی خدمت میں اسی امر کا ملتمس ہے کہ تَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ پر عمل فرمائیے اور بندہ کی نسبت تو انشاء اللہ تعالیٰ بشرط نظر انصاف واضح ہو جائے گا کہ کتابوں کا ملاحظہ کیا ہے یا نہیں یا باقی رہا طرق و شرائط کی نسبت کب انکار ہے آپ گذارش کو بغور ملاحظہ فرمائیے۔

خلیفہ اول کی خلافت کا ثبوت

قولہ: معہذا اور خلفاء کی خلافت کا ثبوت خلیفہ اول کی خلافت کے ثبوت پر موقوف ہے اگر حضرت خلیفہ اوّل کی خلافت صحیح ثابت ہو جائے تو پھر جائے گفتگو نہیں۔

اقول: حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صحت و حقیت میں بحول اللہ تعالیٰ کچھ تردد و گفتگو نہیں ہے کیونکہ جس کی حقیت پر کتاب اللہ شاہد ہو اور جناب امیرؓ اس کی حقیت تسلیم فرماویں اور اس کے میثاق کو اپنی گردن میں لازم تصور فرماویں۔ اس کی صحت میں بروئے دین و ایمان کیا گفتگو باقی رہی۔ اور جب اس کی صحت و حقیت میں شک و شبہ نہیں رہا تو خلافت ہائے باقیہ بھی صحیح ہوئی۔

قولہ: مگر جب اس خلافت کے انعقاد کا حال دیکھا جاتا ہے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایسی حالت اضطراب و اضطرار میں واقع ہوئی ہے کہ کسی شہادت کی بھی نوبت نہیں پہنچی۔

اقول: جب اس خلافت کا حال دیکھا جاتا ہے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے اعلاء کلمۃ اللہ حاصل ہوا دین مرضی خداوند تعالیٰ کی تمکین ہوئی۔ اسلام مسلمین کو غلبہ و شوکت ہوئی کفار و مرتدین مقتول و مخذول ہوئے اور وہ وعدہ خداوند تعالیٰ جو استخلاف حقہ کی نسبت تھا بروئے کار آیا اس لئے ہر عاقل کے نزدیک ایسی خلافت کے لئے اس کا حالت اضطرار میں واقع ہونا اور کسی شہادت کا واقع نہ ہونا کچھ مضر نہیں کیونکہ خداوند تعالیٰ علیم و قدیر اس کا ذمہ دار ہو چکا تھا تو جو خلافت موعود من اللہ تعالیٰ تھی وہی واقع ہوئی اور اس خلافت سے انکار نص قرآنی سے انکار ہے اور اس سے ناخوشی لیغیظ بہم الکفار کا مصداق ہے۔ علاوہ ازیں شہادت کی ضرورت اس وقت ہے کہ جب کوئی منکر ہو اور جب کہ وہاں کوئی منکر ہی نہیں تھا تو شہادت کے پیش کرنے کی کیا ضرورت مگر تعجب تو یہ ہے کہ جناب امیرؓ نے بھی تو بوقت شوریٰ کوئی شہادت پیش نہ فرمائی اور نہ امیر معاویہ کے ہی مقابلہ میں کوئی حجت بجز بیعت اہل حل و عقد کے پیش فرمائی تو اگر شہادت پیش نہ کرنا دلیل عدم حقیت خلافت کی ہے تو آپ کے اس قاعدہ سے جناب امیر کی خلافت کی عدم حقیت ثابت ہوتی ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کے مسئلے پر شیعہ کے شبہات کا جواب

قولہ: اس طوفان بے تمیزی میں کہ جناب سرور کائنات کے انتقال فرماتے ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں جو ایسے ہی کاموں کے لئے تھا ایک شور وغل منا امیر ومنکم امیر ونحن الامراء وانتم الوزراء کا بلند ہوا اور ہر گروہ نفسی نفسی کہنے لگا۔ بھلا ایسے ثبوت وشہادت کا کیا موقع ہو سکتا ہے نہ کوئی آیت قرآنی اپنے مطلب کی موید بیان کرتا تھا نہ دلیل عقلی وعرفی لاتا تھا نہ اس باب میں کسی نے عترت سے کچھ پوچھا۔ بدون قول فیصل بخوف اس کے کہ مبادا انصار سے یا کسی اور قبیلہ سے کوئی خلیفہ ہو جائے اور ریاست وحکومت ہاتھ سے نکل جاوے حضرت ثانی نے اول کو خلیفہ بنا دیا چنانچہ روایت بخاری اس پر شاہد ہے۔

اقول: مجیب لبیب کے کلمات ناسزا اور طعن کا تو ہم کیا جواب لکھیں۔ ہاں اس قدر گذارش ضرور ہے ذرا عقل کو شوائب نفسانی سے خالی فرما کر سوچیں کہ جب شور وغل منا امیر ومنکم امیر ونحن الامراء وانتم الوزراء کا شور بلند تھا اور ہر گروہ نفسی نفسی کہتا تھا تو ایسی نفسا نفسی میں باوجودیکہ کوئی آیت یا کوئی دلیل پیش نہیں ہوئی۔ ایک گروہ نے دوسرے گروہ کے دعوے کو کیوں قبول کر لیا اور بلا دلیل کیونکر اطاعت منظور کر لی۔ صرف ایک شخص کی بیعت وہ بھی اپنے گروہ میں سے مخالفین کی بیعت اور اطاعت کے لئے کیونکر حجت ہو گئی حالانکہ بقول آپ کے خود اسی گروہ کے اکابر واعیان اس جلسہ میں موجود نہ تھے اور ان سے مشورہ نہیں لیا گیا تھا اور وہ اس کے مخالف تھے تو ایسی حالت میں عقل سلیم کیونکر تسلیم کر سکتی ہے کہ انصار جو اپنی امامت پر مصر تھے بلا حجت ودلیل صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی وجہ سے بیعت کر لیتے اگر ایسا ہوتا تو انصار میں سے ایک شخص اٹھ کر سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر مثلاً بیعت کر لیتا کیوں ان کی بیعت کو اپنے لئے حجت قرار دیتے ورنہ کم از کم یہ ہوتا کہ ناحاضر ہونے باقی ماندگان وجوہ مہاجرین سے اپنی بیعت کو موقوف رکھتے تو اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انصار نے جب تک ان پر حجت تامہ نہ ہوئی اور حق منکشف نہیں ہوا ہرگز بیعت نہیں کی تو حضرت مجیب کا یہ فرمانا کہ ثانی نے اول کو خلیفہ بنا دیا بالکل غلط ہے کیونکہ یہ خلافت بیعت وجوہ مہاجرین وانصار سے منعقد ہوئی ہے ہاں اول اس خلافت راشدہ کے نفاذ کی شرکت کے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی موفق ہوئے پس روایت بخاری کا اس جگہ ذکر کرنا بے سود

بلکہ بے موقع ہے۔ معہذا جب ہم جناب امیر رضی اللہ عنہ کے استدلال کو دیکھتے ہیں جب کہ آپ کو اس بیعت کی خبر پہنچی اور آپ نے ارشاد فرمایا تو وہ بھی کچھ اس سے زیادہ نہیں ہے یاد آتا ہے کہ نہج البلاغۃ میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جو مطاوی ابحاث میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ درخت کو لیا اور پھل کو چھوڑ دیا۔

قولہ: ائمہ کی شہادات کا جو ذکر فرمایا ہے مقام حیرت ہے اس وقت امام بالفعل جناب امیر تھے ان کی کسی نے بات بھی نہ پوچھی وہ تجہیز وتکفین آنحضرت میں مشغول اور رنج والم میں مبتلا تھے کہ ادھر خلیفہ بن بیٹھے۔

اقول: بے شک مجیب لبیب کے لئے یہ مقام حیرت ہے کیونکہ جب حضرت امیرؓ کو امام بالفعل تسلیم کر لیا تو دوسروں کی امامت کے لئے شہادت کا صادر ہونا مقام حیرت ہی ہوگا لیکن فی الواقع یہ مقام کچھ مقام حیرت نہیں کیونکہ یہ جملہ (اس وقت امام بالفعل جناب امیر تھے) غلط ہے اور خلاف کتاب اللہ تسلیم کر رکھا ہے جس کی وجہ سے اس حیرت اور بردوبات میں گرفتار ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ دلی عداوت اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے ساتھ زبانی محبت نے اکثر جگہ اصول وفروع مذہب شیعہ میں اسی طرح کے اولجھاوے اور پیچیدگیاں ڈال رکھی ہیں کہ نہ آج تک وہ کسی سے سلجھے اور نہ قیامت تک سلجھیں ولن یصلح العطار ما افسد الدھر انھیں شہادات کے بارہ میں علامہ ابن میثم نے اپنی شرح کبیر نہج البلاغۃ میں تحت شرح خطبہ للہ بلاد فلان میں جو تعارض وتناقض بیان کر کے جواب تحریر فرمایا ہے قابل ملاحظہ اولوالابصار ومنصفان روزگار ہے۔ ذرا مجیب صاحب بھی ملاحظہ فرما لیں۔ اور اگر یہ حیرت متعلق نفس وقوع شہادات کی ہے تو اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں کہ اپنی کتب معتبرہ دیکھ کر اپنی طمانیت فرما لیویں۔ باقی رہا یہ کہ ان کی کسی نے بات نہ پوچھی سو جو امر بابت استخلاف صحابہ موعود تھا وہ لامحالہ واقع ہونے والا تھا کچھ ضرور نہیں تھا کہ ہر ایک سے پوچھا جاتا اور مشورہ کیا جاتا علاوہ ازیں وہ وقت ایسا تنگ تھا کہ اگر اس امر میں تاخیر واقع ہوتی تو ظاہراً وقوع فتنہ کا اندیشہ تھا۔ اور نیز جب اکثر اکابر مہاجرین وانصار موجود تھے تو بعض اکابر کا موجود نہ ہونا جبکہ وہ قادحین فی الاستحقاق سے نہ تھے کچھ مضر نہیں۔

ائمہ مصیبت کے وقت تو صبر کرتے ہیں لیکن حلول مصیبت سے پہلے جزع فزع فرماتے ہیں

اور رنج والم میں مقید ہونا اس کا جواب الجاث سالقہ میں گذر چکا ہے کہ حسب روایات سامی غلط ہے ہر گز رنج والم وفات شریف میں مبتلا نہ تھے ہاں اگر تھے تو اپنی دنیاوی حکومت کے غصب کے رنج والم میں مبتلا تھے کیونکہ امامت دینی کا تو غصب کرنا ظاہرا غاصبین کے دست قدرت سے خارج تھا ظاہری تسلط ہی آپ کے قبضہ سے غصب ہوا تھا تو اسی کا رنج والم تھا علاوہ اس کے اہل بیت رضوان اللہ علیہم تو حلول مصائب کے وقت عزیمت یعنی صبر واسترجاع کو اختیار فرماتے ہوں گے اور اپنی خدمت خاص یعنی ہدایت خلق میں مشغول ہوتے ہوں گے چنانچہ بحمد اللہ اس کی موید روایات بھی موجود ہیں،

حدثنا محمد بن الحسن قال حدثنا الحسن مقبل الدقاق قال حدثنا یعقوب بن یزید عن الحسن بن علی بن فضال عن محمد بن عبد اللہ الکوفی قال لما حضرت اسمعیل ابن ابی عبد اللہ الوفات جزع ابو عبد اللہ جزعا شدیدا فلما غمضه دعا بقمیص غسیل او جدید فلبسه ثم تسرج وخرج یامرو ینہی قال فقال له بعض اصحابه جعلت فداك لقد ظننا انا لا ننتفع بك زمانا لما رئینا من جزعك فقال انا اهل بیت نجزع ما لم ینزل المصیبة فاذا نزلت صبرنا انتهی عن ازالة الغین

جب اسمعیل بن ابی عبد اللہ کی وفات قریب پہنچی تو امام ابو عبد اللہ نے نہایت فریاد وفغاں کی اور جب وفات پا چکے تو آپ نے دھویا ہوا یا نیا قمیض منگایا اور پہنا پھر کنگھی کی اور نکل کر امر و نہی فرمائی آپ کے بعض اصحاب نے عرض کیا میں قربان جب ہم نے آپ کا جزع دیکھا تو یہ گمان تھا کہ ہم ایک مدت تک آپ کی برکات سے منتفع نہ ہوں گے فرمایا ہم اہل بیت جب تک مصیبت نازل نہ ہو جزع فزع کرتے ہیں اور جب نازل ہو جاتی ہے تو صبر کرتے ہیں

وقال الصادق علیه السلام انا اهل بیت نجزع قبل المصیبة فاذا نزل امر الله

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہم اہلبیت مصیبت سے پہلے جزع فزع کرتے ہیں اور جب خدا تعالیٰ کا حکم نازل

عز وجل رضینا بقضائه وسلمنا لامره ولیس لنا ان نکره ما احب الله لنا انتهی عن من لا یحضره الفقیه۔

ہو جاتا ہے تو راضی بقضا ہوتے اور اس کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں اور ہم کو لائق نہیں کہ جو کچھ خدا نے ہمارے لئے پسند کیا ہے اس کو مکروہ سمجھیں،

پس جب کہ خدا تعالیٰ کے پسندیدہ امر کو مکروہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ محبوب سمجھتے ہوں گے تو رنج والم کیا اور جزع وفزع کیونکر ہاں جزع وفزع قبل المصیبت حسب روایات شیعہ مثل مشہور قبل از مرگ واویلا بے شک انبیاء وائمہ کی شان کے شایان ہے حضرات محبان لسانی جو دل چاہے ان کے جناب کی طرف نسبت فرما دیں لیکن جزع وفزع قبل البلاء کی علت اگر یہ ہی بلا موہوم الوجود یا متوقع الوجود ہے تو جزع وفزع بعد حلول اولیٰ وانسب ہے بلکہ قبل الوجود زیادہ مستحق ترحم ہے اور اگر امر آخر ہے تو محتاج بیان ہے۔ اور لیجئے اسی من لا یحضر ہی میں یہ بھی موجود ہے،

وقال علیه السلام ان البلاء والصبر یستبقان الی المؤمن فیاتیه البلاء وهو صبور وان البلاء والجزع یستبقان الی الکافر فیاتیه البلاء وهو جزوع۔

امام علیہ السلام نے فرمایا مصیبت اور صبر مومن کی طرف دوڑتے ہیں پس مصیبت اس کے پاس پہنچتی ہے اور وہ صابر ہوتا ہے اور مصیبت اور بے صبری کافر کی طرف دوڑتے ہیں پس مصیبت اس کے پاس پہنچتی ہے اس حال میں کہ وہ بے صبر ہوتا ہے۔

اور نیز مذکور ہے،

ولما قبض علی بن محمد العسکری رأی الحسن بن علی علیهما السلام قد خرج من الدار وقد شق قمیصه من خلف وقدام انتهی،

جب محمد عسکری کے فرزند علی کی وفات ہو چکی تو علی بن الحسن کو دیکھا کہ گھر سے نکلے اور آپ کا قمیص پیچھے اور آگے سے چاک چاک تھا

اب ذرا اہل انصاف ان روایات میں بغور وامعان نظر فرما دیں اور جناب مجیب بھی بنظر انصاف ملاحظہ کریں روایتیں اولین ورابعہ کو صغریٰ بنا دیں اور ثالثہ کو کبریٰ قرار دیں اور پھر نتیجہ کے مضمون کو ائمہ کی شان سے تطبیق دیویں بعد اس کے اگر مذہب تشیع سالم باقی رہے تو اہلسنت سے دست وگریبان ہونے پر تیار رہوں لیکن انصاف شرط ہے۔

قولہ: اور بعد فراغ امور ضروریہ اور انعقاد بیعت کذائیہ وہ حسب شہادت روایت ازالۃ الخفا جو تحریر ہو چکی ہے خانہ حضرت زہرا میں بعض خلافت کے مشورہ کرتے تھے اور اس خلافت

کے برہم کرنے کی تدبیریں فرماتے تھے جس کے لئے خلیفہ ثانی نے ان پر گھر جلانے کی دھمکی دی تھی کیا اس کا ہی نام شہادت ہے۔

نقض خلافت کے مشورے اور تدبیریں کرنے کے الزام کا جواب

اقول: اگرچہ ماسبق میں اس کا جواب مذکور ہو چکا ہے لیکن اس جگہ بھی چونکہ ہمارے مجیب لبیب نے مکرر ذکر فرمایا اس کا اعادہ باضافہ افادات کیا جاتا ہے واضح ہو کہ اگر مذہب تشیع پر بناء گفتگو ہو تو حضرت مجیب ہی جواب کا فکر فرما دیں کہ اولاً حضرتؓ بسبب ترک تقیہ واجبہ وسکوت مامورہ وعدم منازعہ آثم ہوتے ہیں، اور ثانیاً حضرت ایک لغو اور بے فائدہ امر میں مبتلا ہوئے کہ بسبب علم ماکان ومایکون آپ کو معلوم تھا کہ یہ امر شدنی نہیں اور نیز اس روایت کی بھی تکذیب ہوتی ہے جو آپ کے عالم الغیب والشہادۃ ہونے پر دلالت کرتی ہے ثالثاً باوجود اس قوت وشجاعت مفرطہ کی جو روایت بساط سے بمقابلہ ومقاتلہ قوم عاد ومعاملہ قتل ابوبکر اشجع عامل فدک سے معلوم ہوتی ہے اور باوجود اس عقل وفراست کاملہ کے جس کا بیان ناممکن ہے آپ کا زنان پردہ نشین میں حسب روایات شیعہ مانند جنیں ملطخ بنجاسات اور خائنین منہمک بمعاصی وسیئات کے بیٹھ کر خفیہ مشورہ کرنا اور اپنے مدعا پر کامیاب نہ ہونا اور ذراسی دھمکی سے اپنے دعوے سے دست بردار ہو کر بیعت کرنا علاوہ اس کے کہ اصول شیعہ پر حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے مکذب روایات ہے جن میں تو وہ آپ کے محامد کی روایت کی ہیں، اور اگر مذہب اہلسنت کے اعتبار سے گفتگو مدنظر ہو تو سنیئے کہ اہل سنت جناب امیر کو معصوم کب کہتے ہیں اور عالم ماکان ومایکون کب تسلیم کرتے ہیں اگر آپ نے ابتداء میں بالفرض نقض خلافت کے مشورے کیے تو یہ خطا تھی ہم تک خطا اجتہادی کی اور بعد اس کے جب آپ متنبہ ہوئے اور اس کی حقیقت پر کماحقہ وقوف حاصل کیا تو بیعت بھی کی اور شہادت بھی بیان فرمائی غرض جب تک بیعت نہیں کی ممکن ہے کہ شہادات بیان نہ فرمائی ہوں اور جب حق منکشف ہو گیا اور بیعت کر لی اور رنجش دور ہو گئی بعد اس کے شہادات بھی بیان فرمائی ہوں اس میں کون سا تناقض اور کیا استحالہ ہے اور یہ تقریر اس وقت ہے کہ ہم علی سبیل التنزل نقض خلافت کے مشوروں کے وقوع کو تسلیم کریں لیکن بحول اللہ تعالیٰ ہم کو یہ امر حاصل ہے کہ ہم ابتداءً وقوع مشوروں کو ہی باطل کریں۔ سنیئے اہل حق کے نزدیک خلافت صدیق حق ہے اور وہ بیعت اہل حل وعقد وجود مہاجرین وانصار سے واقع

ہوئی اور صحابہ میں سے کوئی فرد اس کا مخالف نہ تھا اور کسی کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استحقاق خلافت میں انکار یا شک وتردد نہ تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اگر ملال تھا تو اس امر کا تھا کہ ہم کو شریک مشورہ کیوں نہ کیا جب ہم اہل حل وعقد میں سے تھے تو ہم مستحق مشورہ تھے چنانچہ جو عذر واجبی کیا گیا وہ پذیرائی جناب ہوا اور بعد اس کے رنجش دور ہو گئی اور بیعت علی الاعلان فرمائی اور فرمایا کہ ہم کو اس میں کلام نہیں تھی کہ ابوبکرؓ احق بالخلافت ہیں چنانچہ اس مضمون کو حدیث بخاری صراحۃً مثبت ہے اور جب ہم حدیث ازالۃ الخفاء کو جو جناب مجیب کا مستدل ہے دیکھتے ہیں تو اس میں یہ الفاظ ہیں فیشاورونہا ویرتجعون فی امرھم جس کا ترجمہ مجیب لبیب نے یہ کیا ہے اور جناب سیدہ سے مشورہ کرتے تھے اور اپنے کام میں مراجعت کرتے تھے اور ان الفاظ میں کہاں ہے کہ آپ نقض خلافت ہی کے مشورے کرتے تھے اور صرف مشورہ کرنے سے کیونکر لازم آیا کہ وہ مشورے نقض خلافت ہی کے تھے بلکہ حضرت امیر کے نزدیک وہ خلافت منعقد ہو چکی تھی اگرچہ بعض اکابر شریک نہ تھے کیونکہ پیشتر روایات شیعہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت کے نزدیک سب کا حاضر ہونا انعقاد کے واسطے ضرور نہیں تھا تو پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ اس کے نقض کی بابت دیدہ دانستہ مشورے اور تدبیریں کرتے اور کیا ضرور ہے کہ ہم خطا آپ کی جناب میں منسوب کریں بلکہ فی الحقیقت یہ مشورے اس امر کے لئے تھے کہ جب اہل حل وعقد نے بیعت صدیق میں بلا مشورہ سبقت کی اور استبداد کیا اگرچہ ضرورۃً ہوا تاہم مقتضائے بشریت باعث ملال اور باعث تاخیر بیعت ہوا اور عموماً صحابہ کو آپ کا یہ ملال اور یہ تاخیر باعث ناخوشی اور کشیدگی ہوئی تو جب کشیدگی اور شکر رنجی طرفین سے ہوئی تو جناب امیر اور ان کے ساتھیوں نے چاہا کہ کسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ تنہا ہمارے پاس آئیں اور ہم ان سے برادرانہ شکایت کریں اور وہ عذر واجبی بیان فرما دیں تو باہمی شکر رنجی دور ہو اور ظاہری ملال رفع ہو اور بیعت کر لیں کیونکہ اگر یہ قصہ مجمع میں ہو تو مبادا بسبب اس کے کہ مختلف الطباع لوگ جمع ہوں گے کوئی ایسا امر نہ ہو جاوے جو باعث زیادتی ملال ہو بس صرف اسی امر میں مشورہ تھا اور اسی بابت تخلیہ میں گفتگو ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تنہا بلایا اور گو حضرت عمرؓ تنہا جانے سے مانع ہوئے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور تنہا تشریف لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور اس میں ابوبکرؓ کی حقیت بالخلافت کا اعتراف کیا اور عدم مشورہ واستبداد بالبیعت کی شکایت فرمائی حضرت ابوبکرؓ نے بجواب اس کے آپ کے

فضائل و محامد بیان فرماتے اور عدم مشورہ و استبداد کا عذر کیا جو قبول ہوا اور شکایت رفع ہوئی اور سرًّا و جہرًا بیعت ہو گئی چنانچہ آخر تک باہم شیر و شکر رہے اور شہادات فضائل و محامد خلفاء رضی اللہ عنہم بیان فرماتے رہے یہ مدعا بھی صحاح اہلسنت و تصریح علماء شیعہ سے بدلالت مطابقی ظاہر و باہر ہے چنانچہ میر محمد باقر داماد نے نبراس میں اس کو تسلیم کیا ہے اور تشیید المطاعن کے مجلد ثامن میں عبارت مذکور ہے چونکہ خوف تطویل تھا اس لئے بحذف روایات مختصرًا عرض کیا گیا۔ اب باقی رہا یہ امر کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالہ میں یہ جملہ جو تحریر فرمایا ہے (جمع شدہ در باب نقض خلافت مشورتہا بکار میبرد ند) پھر اس کے کیا معنی ہوں گے سو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلًا ظاہر ہے کہ منشاء اس ملال کا یہی امر خلافت تھا تو جب گروہ مخالف نے خفیہ مشورے کئے تو اگرچہ یہ مشورے بابت نقض خلافت کے نہ ہوں تاہم عوام میں شورش و اختلال پیدا ہونے کے باعث منتج نقض خلافت کے ہو سکتے ہیں علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ منافقین اور اعداء دین تخریب دین متین کے کمین میں بیٹھے ہوئے ہوں تو چونکہ یہ مشورے منتج نقض خلافت تھے تو اس لئے ان پر اطلاق کیا گیا کہ یہ مشورہ نقض خلافت کے بارہ میں تھا اس کی صدہا نظیریں عالم میں موجود ہیں چنانچہ قاتل خطاً کو قاتل کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس راز مخفی کو جو حضرت زہراؑ کے دولت سرا میں ہوتا تھا حضرت عمرؓ تک ان بزرگواروں میں سے تو کسی نے نہیں پہنچایا ہو گا جو باعث اس قدر جوش و خروش کا ہوا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان مشوروں کی ظاہری حالت سے سبب نقض خلافت کا سمجھ کر اس قدر تنبیہ فرمائی اور اسی وجہ سے کہا گیا کہ یہ مشورے نقض خلافت کے باب میں تھے ثانیاً مسلمًا کہ یہ مشورے در باب نقض خلافت کرتے تھے لیکن اس کے معنی یہ کہاں سے پیدا کئے کہ یہ مشورہ کرتے تھے کہ جس طرح ہو سکے خلافت کو توڑ دیجئے بلکہ در باب نقض خلافت مشورتہا میکردند۔ کے معنی یہ ہیں کہ نقض خلافت کے بارہ میں مشورے کرتے تھے کہ آیا نقض خلافت مناسب ہے یا نہیں چنانچہ بالآخر یہ قرار پایا کہ نقض خلافت حقہ مناسب نہیں اور بیعت فرمائی ثالثاً مسلمًا کہ یہ مشورے در باب نقض خلافت بایں مراد تھے جو حضرت مجیب نے سمجھے لیکن یہ حکم مجموعہ کی طرف نسبت کیا گیا ہے جس کا صدق بعض کی طرف نسبت کرنے سے بھی ہو سکتا ہے تو ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ یہ حکم حقیقۃً جناب امیرؑ اور حضرت زبیرؓ کی طرف راجع ہے بلکہ یہ فعل حقیقی حد پر ان حضرات کا تھا جو ان میں ادنیٰ درجہ کے تھے اور مہمات شرع پر ان کو پورا وقوف حاصل نہ تھا لیکن چونکہ حضرت امیرؑ اور زبیرؓ ان میں سرگروہ تھے اور جرے سے بھے تو

بشرکت مجموعی مجازًا ان حضرات کی طرف بھی وہ فعل منسوب ہو گیا چنانچہ عبارت تحفہ کی اسی طرف ناظر ہے پس انصاف سے ملاحظہ فرمائیے اگر بالفرض ان حضرات سے اس قسم کے مشورے واقع ہوتے بھی ہوں تو بھی وقوع شہادت کو مضر نہیں ہاں اس قدر گذارش باقی رہ گئی کہ ہمارے مجیب صاحب یہ جو تحریر فرما رہے ہیں کہ (خلیفہ ثانی نے ان پر گھر جلانے کی دھمکی دی تھی) اور پہلی تحریر میں یہ عبارت ہے "اور بیعت لینے کے لئے گھر جلانے کی دھمکی دی اگرچہ قصہ احراق بیت فاطمہؓ بہت سے اہل سنت کی کتب معتبرہ میں درج ہے مگر چونکہ بعض علماء عصر انکار کرتے ہیں اور شیعوں کا افترا بتلاتے ہیں اس لئے گذارش ہے" تو اس سے معلوم ہوا کہ مجیب کو دھمکی اور قصہ احراق میں امتیاز اور تفرقہ نہیں حالانکہ فرق بدیہی ہے۔

قولہ: پھر جناب امام حسن و امام حسین علیہما السلام نے جو بالقوہ امام تھے خلیفہ اوّل و ثانی کو ہر ایک کی خلافت کے زمانہ میں فرمایا کہ منبر سے اتر کیونکہ یہ میرے باپ کی جگہ ہے اور ہر دو خلیفوں نے بجز اقرار کے کچھ چارہ نہ دیکھا چنانچہ کتب معتبرہ اہلسنت مثل تاریخ الخلفاء وکنز العمال میں یہ حال تحریر ہے پھر میں حیران ہوں کہ کس جرأت سے ہمارے مجیب فرماتے ہیں کہ خلافت خلفاء ثلثہ شہادات ائمہ سے واقع ہوئی۔

بحث: حضرات حسنین کا حضرات شیخین کو یہ کہنا کہ ہمارے باپ کی جگہ سے اتر و اس پر تفصیلی بحث

اقول: ہمارے حضرت مجیب کے جوش و خروش کو دیکھنا کہ کس شد و مد سے اپنی روایات سے چشم پوشی فرما کر فرما رہے ہیں۔ اجی حضرت آپ کے یہاں تو بالقوہ نبی بھی معصوم نہیں چہ جائیکہ امام بالقوہ ہو آپ اپنی کتابوں کو تو ملاحظہ کیجیے اپنے علماء کی شہادتوں کو تو سنیئے تفسیر صافی میں جو اس وقت میرے سامنے کھلی ہوئی رکھی ہے محمد بن مرتضیٰ معروف ملا محسن حضرت آدم کے قصہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وفي العيون عن الرضا قال يعني لا تقربا	عیون میں امام رضاؑ سے مروی ہے خدا تعالیٰ نے
هذه الشجرة واشار بيده الى شجرة	آدم و حوا کو گیہوں کے درخت کی طرف اشارہ کر کے
الحنطة فتناولا من هذه	فرمایا کہ اس درخت کے نزدیک مت جائیو

الشجرة ولا مما کان من جنسہما فلم یقربا تلک الشجرة وانما اکلا من غیرها لما ان وسوس الشیطان الیہما ثم قال وکان ذلک من ادم قبل النبوة ولم یکن ذلک بذنب کبیر استحق به دخول النار وانما کان من الصغائر الموهوبة التی تجوز علی الانبیاء قبل نزول الوحی الیہم فلما اجتباه الله تعالی وجعله نبیا کان معصوما لا یذنب صغیرة ولا کبیرة قال الله تعالی فعصی ادم ربه فغوی ثم اجتباه فتاب علیه وهدی وقال ان الله اصطفی آدم و نوحا الآیة. وفی روایة ان الله عزوجل خلق حجة فی ارضه وخلیفة فی بلاده لم یخلقه للجنة وکانت المعصیة من ادم فی الجنة لا فی الارض لیتم مقادیر امر الله عزوجل فلما اهبط الی الارض وجعله حجة وخلیفة عصم لقوله عزوجل ان الله اصطفی آدم و نوحا الآیة۔

نہیں فرمایا تھا کہ اس درخت کے نزدیک ہونا اور نہ اس کے ہم جنس کے تو وہ اس درخت کے نزدیک نہیں ہوئے اور صرف دوسرے میں سے کھایا جب کہ شیطان نے ان کو بہکایا پھر فرمایا اور یہ آدم سے نبوت سے پیشتر واقع ہوا تھا اور کچھ بہت بڑا گناہ بھی نہیں تھا کہ جس سے دخول نار کے مستحق ہوں اور وہ صرف گناہ صغیرہ بخشا ہوا تھا جو انبیاء سے نزول وحی سے پہلے جائز ہیں۔ پھر جب کہ خدا نے برگزیدہ کر کے نبی بنایا تو معصوم ہو گئے کہ نہ گناہ صغیرہ کرتے تھے نہ کبیرہ۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہوا۔ پھر خدا نے اس کو برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کی اور ہدایت کی اور فرمایا اللہ نے آدم اور نوح کو برگزیدہ کیا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو جنت کے لئے نہیں پیدا کیا تھا بلکہ اس کو اپنی زمین میں حجت اور اپنے شہروں میں خلیفہ پیدا کیا تھا۔ اور گناہ آدم سے جنت میں ہوا تھا نہ زمین میں تاکہ اللہ کے امر کی تقدیر پوری ہو پس جب زمین پر اتارا اور حجت اور خلیفہ بنایا تو معصوم ہوئے بسبب قول تعالیٰ ان اللہ اصطفی آدم ونوحا الآیۃ۔

ان روایات سے واضح ہے کہ قبل النبوۃ نہی بالتنزیہ سے ایسی معصیت کا صدور جس کی بدولت جو ارخداوند تعالیٰ سے بعید ہو گئے اور جنت سے نکال دیئے گئے اور متوسط ائمہ معصومین علاوہ انبیاء جناب الہٰی میں بسبب معافی ہونے جائز ہے بلکہ واقع پس اگر یا نسبت ائمہ کے ایسی معصیت جس سے مستحق خلود یا دخول نار نہ ہوں اور وہ معصیت ہو جب اس معصیت کے موجب نہ تھی۔ آدم سے بعد نبوت ایسی صادر ہوئے علی الخصوص حالت طفولیت اور عدم تکلیف میں جو مصدر ان حدیث رفع شد کے ہے تو جناب رد بلند مبالغہ کیا استحالہ واستبعاد ہے لیکن ہم

اس قول کو حسب ارشاد جناب امیرؑ بمقتضائے سن اسی فعل کے برابر سمجھتے ہیں جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ و دوش مبارک پر سوار ہونے کی بابت مروی ہوا۔ قطع نظر اس سے مجیب کا مدعا اس وقت ثابت ہو جب کہ امور مفصلہ ذیل ثابت ہوں (۱) آپ کو اس وقت رفع تقیہ جائز ہو (۲) لفظ اب سے مراد حضرت علی ہوں (۳) مقصود بیان استحقاق امامت جناب امیر ہو (۴) آپ اس وقت کامل العقل اور مکلف ہوں (۵) عرفاً آپ کے اقوال و افعال زمانہ طفولیت پر محمول ہو کر قابل اعتماد و قبول نہ جانیں جائیں والکل محال اما امر اول پس حسب مزعوم شیعہ جن قائلین و مارقین و ناکثین نے معاذ اللہ جناب فاطمہ کے دشمنوں کے گھر کو جلایا اور ضرب شمشیر یا تازیانہ صدمہ پہنچا کر محسن شش ماہہ اسقاط کرایا اور برسر منبر فاحشہ کے ساتھ متہم کیا اور اسد اللہ سے جبرا گلے میں رسی ڈال کر بیعت لی اور بنات طیبات کو غصب کیا اور فدک چھینا ان سے کیا توقع تھی کہ وہ ایسی فتنہ انگیز باتوں سے سکوت کریں گے۔ اور ان پر امامین معصومین کا کیا رعب ہوگا جو ایذا رسانی سے باز رہیں گے پس رفع تقیہ کی کوئی وجہ نہیں۔ معہذا تعجب ہے کہ خلافت صدیقی سے تو جو بظاہر حسب تصریحات قوم مطابق شرع تھی اس قدر استکراہ فرماویں اور خود ہی بلا ضرورت اس خلافت کو حوالہ امیر معاویہؓ فرماویں تو معلوم نہیں کہ حسب اصول طائفہ خدا و رسول کو کیا جواب دیں گے۔ زیادہ تعجب صاحب تشیید المطاعن سے ہے کہ باین تبحر اس نے بجواب طعن صدیقی کے عدم تقیہ کے علت زمانہ وجود حضرت فاطمہؓ قرار دیا ہے اور یہ خیال نہ فرمایا کہ حسب روایات شیعہ پہلے کون سا دقیقہ بے حرمتی کا اٹھا رکھا ہے جو اب حضرت فاطمہ کا لحاظ کریں گے یا ڈر جائیں گے۔ علاوہ اس کے یہ علت خود زمانہ خلیفہ ثانی میں جو یہ ہی قول امام ثالث سے صادر ہوا نہیں جاری ہوگی۔ امر ثانی ہم کہتے ہیں کہ لفظ اب سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ جناب امیرؑ کیونکہ اطفال کی عادت ہے۔ جب اپنے بزرگ کی جگہ کسی کو بیٹھا دیکھتے ہیں یا اپنے بزرگ کا کپڑا کسی کو پہنے دیکھتے ہیں تو ناگوار سمجھتے ہیں اور متقاضی نزع ہوتے ہیں تو چونکہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ دیکھا۔ اب آپ کی جگہ دوسرے لوگوں کو بیٹھا دیکھ کر بمقتضائے سن غبطہ فرمایا اور فرمایا کہ میرے باپ کے منبر سے اترو اور یہ ہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے اس کی تصدیق فرمائی اور نیز اپنے ہونے سے بھی نفی نہیں فرمائی بلکہ فرمایا سچ ہے تیرے باپ کا منبر ہے نہ میرے باپ کا۔ اور رو پڑے یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر ہے نہ میرے باپ کا اور آپ کی مفارقت کو یاد فرما کر رو پڑے۔ پھر صاحب تشیید کا اس کو حاشیہ تشیید میں تعرض

پر محمول کر کے متصدی جواب ہونا طرفہ تماشا ہے۔ امر ثالث اگر مقصود بیان استحقاق تھا تو ایسے الفاظ سے بیان کرنا جس میں اندیشہ ثبوت خلاف مقصود ہو خلاف فصاحت اور نہایت مستبعد ہے اور کچھ مفید نہیں چنانچہ اس عبارت سے بفرض محال اگر یہی مدعا ہو تو ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا پس اگر بیان استحقاق مقصود تھا اور موافق تصریح صاحب تشئید کے مخالفین کا کچھ خوف نہ تھا تو یوں فرماتے۔

ایہا الناس ان مستحق الخلافۃ بعد جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو ابی علی بن ابی طالب وان ابا بکر تقمصہا غصبا وعدوانا فانزلوہ عن منبر جدی فانہ لیس لہ اہلا۔	اے لوگو مستحق خلافت بعد میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے میرے پدر بزرگوار علی بن ابی طالب ہیں۔ اور ابوبکر نے قمیص خلافت غصب و تعدی کے طور پر پہن لیا ہے اس کو میرے نانا کے منبر سے اتارو کیونکہ یہ اس کا اہل نہیں ہے۔

اس وقت شبہ کو گنجائش استدلال ہوتی ورنہ ایسے بڑے امر کو ایسی طرح چیستان اور پہیلی میں بیان کرنا اور ایسی عبارت میں ادا کرنا جس میں خلاف مقصود اقرب الی الفہم ہو کوئی عاقل تجویز نہ کرے گا۔ امر رابع بدیہی البطلان ہے انبیاء کی نسبت ارشاد ہے فلما بلغ اشدہ واستوی ہے۔ جو صراحۃً دال ہے کہ نبوت بعد بلوغ اشد اور استویٰ عنایت ہوتی اور مفسرین شیعہ نے اشد کے معنی کمال عقل کے فرماتے ہیں محمد بن مرتضےٰ المعروف ملا محسن تفسیر صافی میں تحت قولہ تعالیٰ،

فارادربک ان یبلغا اشدہما ای العلو فی کمال الرای۔	پس تیرے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی علم کمال عقل کو پہنچ جائیں۔

فرماتے ہیں تو اس سے صاف ثابت ہے کہ زمانہ بلوغ اشد سے پیشتر کمال عقل ورائے حسب شہادت ملا محسن مفسر نہ تھا معہذا استثناء اطفال کا عموماً تکالیف شرعیہ سے اس کی دلیل ایسی واضح ہے جس میں کچھ خفاء نہیں۔ امر خامس کے بطلان کے لئے حاجت بحثم استدلال نہیں یاد آتا ہے کہ خود جناب امیر نے جناب حسنین کے اس قول کی نسبت جو معذرت فرمائی اور شیعہ روایت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ حضرت کے دوش مبارک پر سوار ہو جایا کرتے تھے بس۔ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان کی حالت صبا پر محمول فرما کر قابل مواخذہ و اعتبار نہیں سمجھا پس ایسے استدلال نفیسہ کے روبرو پیش کرنا حضرت مجیب جیسے ہی دانشمند کا کام ہے

مگر کیا کریں جب استدلال صحیح بہم نہ پہنچیں تو کیا ان ابلہ فریب لفو یروں سے بھی دل خوش نہ کر لیں پھر معلوم نہیں کہ کس حوصلہ پر یہ جرأت ہے اور کس بھروسہ پر دعویٰ تناقض مابین اقوال ائمہ وشہادات ہے،

اہلسنت کے اصول موضوعہ متعلقہ خلافت پر اعتراض اور اس کا جواب،

قولہ: جب کہ یہ خلافت کتاب اللہ وشہادات ائمہ وغیرہ سے واقع نہیں ہوئی جیسا کہ بیان کیا گیا اس لئے اہل سنت کو وضع اصول کی اشد ضرورت ہوئی۔

اقول: جب کہ مجیب لبیب کے شبہات کا استیصال قرار واقعی کیا جا چکا تو وہ ہی امر حق محقق باقی رہ گیا کہ خلافت خلفاء کتاب اللہ تعالیٰ اور شہادات ائمہ سے واقع ہے اور اہل سنت کو اس کے لئے اصول بنانے کی کچھ ضرورت نہیں،

قال الفاضل المجیب: قولہ ہاں خلافت راشدہ جس کا ثبوت کتاب اللہ وشہادات ائمہ سے ہے جن اصول وشروط پر واقع ہوئی ہے اہل سنت کے نزدیک وہی اصول صلوح و وقوع کے لئے معتبر ہیں۔ اقول آپ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ سوائے کتاب اللہ وشہادات ائمہ کے بھی خلافت راشدہ کے لئے اصول وشروط ہیں۔ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ اہل سنت کو وضع اصول کی کچھ ضرورت نہیں کیونکر صحیح ہو۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: اس اعتراض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجیب اپنی پہلی تحریر کے اصل مطلب کو بھولے ہوئے ہیں جو ایسا بے سروپا اعتراض فرماتے ہیں۔ لیجئے اب میں مختصراً خلاصہ مطلب تحریر سابق عرض کرتا ہوں اور اس پر جو کچھ میں نے عرض کیا تھا وہ بھی مختصراً لکھتا ہوں، اہل انصاف خود دیکھ لیویں کہ اس پر ہمارے مجیب کیا فرما رہے ہیں۔ اول جناب مجیب تحریر فرماتے ہیں، شیعہ کے نزدیک امامت مشروط بشرائط ثلثہ نص و عصمت و افضلیت ہے اور اہلسنت ان شرائط کو شرط خلافت نہیں مانتے بلکہ بطور خود چند اصول وضع کئے ہیں جن سے ان کے نزدیک خلافت متحقق ہوتی ہے اور ماخذ ان اصول موضوعہ کا محض خلافت خلفاء ثلثہ متنازعہ فیہا کا وقوع ہے اور یہ ایک قسم کا مصادرہ علی المطلوب ہے انتہی بزرگ نے اس پر

اس مضمون عرض کیا کہ جب کہ خلافت خلفاء ثلثہ کتاب اللہ و شہادات ائمہ سے ثابت و واقع ہے
تو اہلسنت کو اس کے اثبات کے لئے اصول گھڑنے اور بنانے کی کچھ ضرورت نہیں لیکن ظاہر ہے
کہ خلافت کچھ خلافت خلفاء ثلثہ میں ہی منحصر نہیں ہے اور اگرچہ لفظ خلفاء مقید بثلثہ نہ تھا تاہم
بقرینہ سیاق عبارت خلافت متنازعہ فیہا ہی معلوم ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ بعد خلافتہائے
منصوصہ راشدہ کے دوسری خلافتوں کے لئے اصول کی ضرورت تھی تو جب یہ خلافتہائے
راشدہ حق ہوں گی اور ان کا ثبوت کتاب اللہ سے ہوا اور ائمہؑ نے ان کی حقیت کی نسبت شہادات
فرمائی تو جن اصول پر یہ خلافتہائے راشدہ واقع ہوئی ہیں وہ اصول لامحالہ حق ہوں گے اور جو خلافت
ان اصول کے مطابق واقع ہوئی۔ وہ بھی حق و منعقد ہو گئی پس اس پر مجیب لبیب کا یہ فرمانا
کہ اس قول سے معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ کے لئے سوائے کتاب اللہ و شہادات ائمہ کے بھی
اصول مشروطہ ہیں تو آپ کا یہ فرمانا کہ اہلسنت کو وضع اصول کی کچھ ضرورت نہیں کیونکر صحیح ہو
عدم فہم مطلب عبارت سے ناشی نہیں تو کیا ہے کیونکہ اولاً اس کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ
مجیب نے کتاب و شہادات کو بھی اصول قرار دیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ عبارت تحریر سابقہ
سے صاف واضح ہے کہ اس جگہ اصول سے وہ قواعد کلیہ مراد ہیں جو اپنی جزئیات پر منطبق ہوں نہ
قضایائے شخصیہ علاوہ اس کے کتاب و شہادات پر اس امر کا اطلاق نہیں ہو سکتا کہ یہ وہ اصول ہیں
جو بطور خود وضع کیے ہیں جس کا الزام لگایا گیا تھا۔ ثانیاً میں نے یہ عرض کیا تھا کہ خلافت ہائے
متنازعہ فیہا کے لئے وضع اصول کی ضرورت نہیں لیکن جو اصول کہ ان سے مستنبط ہیں وہ اصول
وقوع و صلوح کے لئے معتبر ہیں اور اس سے ہر ایک ذکی و بلید سمجھ سکتا ہے کہ اس سے یہ
مراد نہیں ہے کہ وہ اصول مستنبط جو خلافتہائے متنازعہ فیہا سے پیدا ہوتے ہیں اپنی ہی صلوح
و وقوع کے لئے معتبر ہوں گے اگر ان کا اعتبار ہو گا تو آئندہ کے لئے ہو گا۔ لیکن ہمارے مجیب
لبیب اپنی کمال دانشمندی سے یہ سمجھ گئے کہ گویا لفظ صلوح و وقوع کا مضاف الیہ منوی
یہی خلافت ہائے متنازعہ فیہا مراد ہیں اور غلط سمجھ کر اعتراض فرما دیا۔ ثالثاً حضرت مجیب نے
[illegible] کی جو نسبت ان اصول کو بزور لگایا تھا جو برخلاف حجت شرعیہ کے بہوائے نفسانی از خود وضع کیے
[illegible] ان ہی اصول موضوعہ کا انکار نسبت خلافتہائے متنازعہ فیہا کیا ہے
[illegible] معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مجیب اپنی اصلی قید کو فراموش فرما گئے ہیں
[illegible] اور یہ تمام گفتگو اس وقت تک ہے کہ ہم جناب مجیب

کی خاطر سے تسلیم کر لیں کہ ازالۃ الخفاء کا مطلب جو ہمارے مجیب نے سمجھا ہے وہ صحیح ہے
ورنہ فی الحقیقت اگر دیکھا جاوے تو ہمارے مجیب اصل مطلب ازالۃ الخفاء تک ہی نہیں
پہنچے مکرر سوچیں اور اہل علم و انصاف سے پوچھیں بندہ نے بھی ابحاث سابقہ میں اس کو مجملاً و
مختصراً بیان کیا ہے۔

اصول موضوعہ متعلقہ خلافت کے متعلق لایعنی اعتراضات کا تکرار اور اس کا جواب

قولہ: معہذا تاوقتیکہ وہ اصول و شروط مفصل بیان نہ ہوں اور دلائل خارجی سے ثابت
نہ کیے جائیں یہ کہنا کہ جن اصول و شروط پر واقع ہوتی ہے اہل سنت کے نزدیک وہی اصول
صلوح و وقوع کے لئے معتبر ہیں مصادرہ علی المطلوب ہے۔

اقول: سبحان اللہ حضرت مجیب پر مناظرہ دانی ختم ہے لیکن جناب میر صاحب ذرا
سوچ کر فرمائیے تو سہی کہ مصادرہ علی المطلوب کس کو کہتے ہیں اور یہاں مصادرہ علی المطلوب
کیونکر لازم آتا ہے۔

قولہ: اور نیز اس تکرار سے بظاہر کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔

اقول: جناب میر صاحب گستاخی معاف ذرا تو انصاف کی آنکھیں کھول کر دیکھیے و نیز کسی
دوسرے سے پوچھیے کہ یہ تکرار ہے یا نہیں پہلے یہ تو فرمائیے کہ تکرار کس کو کہتے ہیں تعجب ہے
کہ جناب اپنی تکرارات بے فائدہ نہیں دیکھتے جو کہ بندہ بنظر اغماض و مسامحت قلم انداز کرتا
ہے نقض خلافت کے مشورے، گھر جلانے کی دھمکی فعلیت امامت جناب امیر جناب امیر
کی تجہیز و تکفین حضرت میں مشغولی، ابتلاء رنج و الم میں کسی کا بات نہ پوچھنا وغیرہا یہ سب امور
اور علاوہ ان کے بہت سے امور جو اسی ایک صفحہ میں مذکور ہیں قطع نظر مکررات [illegible]
سے اگر یہ تکرارات بے فائدہ نہیں تو کیا ہے۔ جناب انصاف سے سوچ کر دیکھیے اور فرمائیے
کہ تکرار بے فائدہ اس کو کہتے ہیں جو آپ کی عبارت میں موجود ہے یا اس کو کہتے ہیں جو آپ نے
بندہ کی عبارت میں پیدا کیا۔

قولہ: از لفظ ان سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس خلافت کا ذکر حضرت نے پہلے کیا ہے

وہ خلافت راشدہ نہیں۔

اقول: عبارت کا مضمون سمجھنا یہ خاص آپ کا ہی حصہ ہے بے شک خلافت کا ذکر پہلے اس طرح اس عبارت میں کر چکا ہوں (ورنہ عجیب کہ ثبوت خلافت خلفاء کتاب اللہ و شہادات ائمہ سے واقع ہے تو اہل سنت کو وضع اصول کی کچھ ضرورت نہیں ہے) اور ہر ایک ذکی و بلید اس عبارت کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ جو خلافت کتاب اللہ و شہادات ائمہ سے ثابت ہو گی وہ کیونکر راشدہ ہو گی خلافت کا راشدہ ہونا تو اپنے اختیار ہے جس کو چاہا راشدہ کہہ دیا جس کو چاہا امارت و سلطنت کہہ دیا نہ کتاب اللہ کی سنی نہ ائمہ کی غرض نہ یہ مضمون ہمارے مجیب نے خوب سمجھا لیکن یہ کچھ نئی بات نہیں حضرت مجیب اور آپ کے اکابر علماء ہمیشہ کتاب و سنت کے مضامین ایسے ہی سمجھتے چلے آتے ہیں، ما ہذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام۔

قولہ: اور واقعہ میں بھی یہ ہی بات ہے۔

اقول: جو خلافت کہ کتاب اللہ اور شہادات ائمہ سے ثابت ہو اس کو خلافت راشدہ نہ ماننا ہمارے مجیب جیسے منصف کا ہی کام ہے پس یہ محض ہمارے جناب مجیب کے ذہن میں ہے نہ واقعہ میں۔

قولہ: حضرت کا یہ فرمانا شہادت ائمہ سے خلافت راشدہ ثابت ہے سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ خلافت راشدہ و امامت دونوں لفظ مرادف ہیں، ائمہ خود خلفاء راشدین ہیں ان کی شہادت اپنے سوا کسی کی خلافت راشدہ کے پر کیا معنی اگر وہ ائمہ ہیں تو خود خلفاء راشدین ہیں اور اگر خلفاء راشدین ہیں تو وہی امام ہیں، پھر سوائے خلفاء راشدین کے ان کے غیر کو ائمہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔

اقول: اس جگہ ہمارے مجیب صاحب نے اپنی کمال ذہانت و دانشمندی سے دو اعتراض نہایت زور فرمائے۔ اول متعلق وقوع شہادات اور ثانی متعلق صدق لفظ ائمہ ان دونوں اعتراضوں سے اس علم پر بخوبی روشن ہو سکتا ہے ع کہ تا کجا رسیدست پایگاہ علوم۔ چہ شہادات ائمہ سے ثبوت خلافت راشدہ کے عدم فہم کی وجہ جو کچھ ارشاد ہوئی وہ اور بھی قابل غور ہے لیجئے سنیے اس تقریر کی غلطی مختصراً گذارش ہے۔ اولاً خلافت راشدہ اور امامت کو دو مرادف مترادف فرمانا یہ اس پر مبنی ہے کہ آپ نے شاید میزان منطق اور تہذیب بھی نہیں دیکھی جو حضرت کو مرادف کی تعریف معلوم ہوتی اور اگر اتفاقاً کبھی ان

عبارات آپ کو شبہ ڈالیں تو واضح ہو کر بعد تامل وہ آپ کی مفید مدعا نہ ہوں گی جو کچھ فرمائیں سوچ سمجھ کر فرمائیں۔ ثانیاً مسلّما کہ یہ ہر دو لفظ اصطلاحاً مترادف ہیں لیکن کس کے نزدیک اگر شیعہ کے نزدیک مراد ہے تو اہل حق پر ان کی مسلمات حجت نہیں اور اگر اہل حق کے نزدیک مراد ہے تو بداہۃً غلط ہے آخر یہ تو آپ نے بھی سنا ہو گا کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ علی العموم اطلاق کرتے ہیں اور ان کو ہرگز خلفاء میں سے نہیں سمجھتے اگر آپ نے ایسا ہی مترادف سمجھ رکھا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں بھی ہر جگہ یہ ہی سمجھتے ہوں گے تو پھر ائمۃ الکفر میں کیا کہے گا قرآن کو اگر پیش کیجئے گا تو پھر آپ کے خصم کو بہت وسعت اور گنجائش ہو جائے گی اور آپ تنگ ہوں گے علاوہ اس کے ابن بابویہ نے خصال میں روایت کی ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال ثلثۃ یدخلھم	امام ابو عبد اللہ سے مروی ہے فرمایا تین شخص ایسے
الجنۃ بغیر حساب و ثلثۃ یدخلھم	جو جنت میں بے حساب داخل ہوں گے اور تین شخص
النار بغیر حساب فاما الذین یدخلھم	ہیں جو دوزخ میں بلا حساب داخل ہوں گے جو جنت
الجنۃ بغیر حساب فامام عادل وتاجر	میں بے حساب داخل ہوں گے وہ امام عادل اور سچے
صدوق وشیخ افنی عمرہ فی طاعۃ اللہ	سوداگر اور وہ بڈھا جس نے اپنی عمر عبادت میں صرف
عزوجل واما الثلثۃ الذین یدخلھم اللہ	کر دی، اور وہ تینوں جو دوزخ میں بلا حساب
النار بغیر حساب فامام جائر وتاجر کذوب	داخل ہوں گے وہ امام ظالم اور جھوٹا سوداگر
وشیخ زان۔	اور بڈھا زانی۔

تو اس روایت میں قرآن کو بھی دیکھ لیجئے اور فرمائیے کہ امام سے کیا مراد ہے چونکہ اس وقت نقل روایت سے مقصود اسی قدر ہے اس لئے اس حدیث شریف کی تفصیل فوائد کسی دوسرے وقت پر منحصر کرتا ہوں۔ ثالثاً عموماً ائمہ کا خلفاء راشدین ہونا یہ بھی اپنی ہی مسلمات سے ذکر فرمایا ہم پر حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ اسی بناء فاسد پر مبنی ہے۔ رابعاً اگر حصر مراد ہے تو سراسر غلط اور غیر مسلّم ہے جس سے دریافت کیجئے گا آپ کو بتلا دے گا کہ جب خلفاء و ائمہ باہم متقابل مناظرہ میں مذکور ہوں گے تو ائمہ سے ائمہ اہل بیت مراد ہوں گے اور خلفاء سے خلفاء ثلثہ تو یہ بھی غلط اور از قبیل بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ خامساً اگر ائمہ خود خلفاء راشدین ہیں اور خلفاء راشدین ائمہ ہیں تو یہ کب کہتے ہیں کہ وہ اپنے سوائے کسی کی خلافت راشدہ پر

شہادت دیتے ہیں بلکہ بعضہم لبعض شہادت دیتے ہیں اور اس کو کوئی مانع نہیں پس اپنے سوائے کسی کی خلافت پر شہادت کے معنی دریافت کرنا بالکل لغو اور بے معنی ہے۔ سادسا یہ فرمانا کہ اگر وہ ائمہ ہیں تو خود خلفاء راشدین ہیں الخ فی الجملہ مسلم ہے لیکن یہ قضیہ محض ایک وجودی حکم پر دلالت کرتا ہے اس سے نفی غیر کی سمجھنا سراسر غلط ہے۔ پس عبارت احقر کے معنی بلاغبار ظاہر ہیں یا باین معنی کہ جن حضرات کی امامت کے تم معتقد ہو انھیں کی شہادت سے خلفاء ثلثہ کی خلافت راشدہ ثابت ہوتی ہے یا یہ کہ جو متفق علیہم امام فی الدین ہیں ان کی شہادات سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافتہائے ثلثہ راشدہ ہیں یا یہ کہ وہ ائمہ جن کی خلافت و امامت اپنے زمانہ میں راشدہ متفق علیہ ہے ان کی شہادات ثابت کرتے ہیں کہ خلافتہائے ثلثہ سالقہ خلافتین راشدہ ہیں اور ان ہر سہ توجیہات میں کچھ خلل نہیں پس اگر اب بھی آپ نہ سمجھیں اور ہٹ دھرمی کریں تو خدا سمجھے۔

قولہ: اور ثبوت کتاب اللہ اور شہادات ائمہ کا جواب پہلے گذر چکا ہے۔

اقول: اس کا جواب الجواب بھی وہیں ملاحظہ فرمالیجئے گا۔

قال الفاضل المجیب: قولہ: بخلاف حضرات شیعہ کے کہ ان کے اصول ثلثہ باوجودیکہ دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں مستلزم دور ہیں یا الغرتیۃ اول یا آخرین لان الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ تو لزوم متصادرہ علی المطلوب علی اصول اہل السنۃ بالکل باطل ہے۔ اقول: اصول ثلثہ کی نسبت آپ کا یہ کہنا کہ دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں دعوی بلا دلیل ہے اگر کوئی دلیل تحریر فرماتے تو تعرض کیا جاتا۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: سبحان اللہ ہمارے مجیب لبیب باین ہمہ ادعاء مناظرہ دانی اول خود ہی اپنی تحریر سابقہ میں اپنے اصول ثلثہ کی نسبت اپنے خلاف منصب بے دلیل دعوی فرمائیں کہ ہماری شرائط ثلثہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہیں اور جب مانع نے اس کے ثبوت کو منع کیا تو اپنے اس سے اس کے منع پر دلیل کے طالب ہوتے ہیں اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ ہمارا منصب کیا ہے اور اس کا منصب کیا ہے نہ منصب ہی کی خبر ہے نہ حضرت کو یہ معلوم کہ دعوی کس کو کہتے ہیں اور منع کیا چیز ہے اور دلیل کا محتاج کون ہے اور کون نہیں پھر اس پر یہ کچھ لن ترانیاں۔

قولہ: معہذا سوائے عصمت کے دو شرطوں یعنی افضلیت نفس و نص کے حضرات

اہل سنت بھی قائل ہیں اگر شیعہ کے اصول ثلثہ دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں تو حضرات ان شرطوں کو کن دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔

اقول: یہ وہی غلطی ہے جو بارہا ہمارے مجیب لبیب سے سرزد ہوتی ہے اور ہم متنبہ کر چکے ہیں اور اب بھی ہم متنبہ کرتے ہیں کہ حضرت یہ آپ غلط سمجھے ہوتے ہیں اہل سنت ہرگز ان شرائط کو شرائط نہیں جانتے آپ وجود کو اشتراط سمجھ رہے ہیں جو منشا اس غلطی کا ہے حالانکہ بداہتہ وجود اور اشتراط میں یوں بعد ہے جو اطفال مدرسہ پر بھی مخفی نہ ہوگا۔

قولہ: یہ کب ہوسکتا ہے کہ اہل سنت غیر شرعیہ دلائل سے کسی امر کے قائل ہوں۔

اقول: بے شک آپ نے یہ صحیح و راست فرمایا یہ ہرگز ممکن نہیں کہ اہلسنت کسی امر کے بلا قیام دلائل شرعیہ قائل ہوں اور یہاں تک متمسک بشرع ہیں کہ ان کے یہاں تو حسن و قبح بھی شرعی ہے ولله الحمد والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

قولہ: گو خلافت پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو۔

اقول: کیوں حضرت اسے کیا کہتے ہیں پس اپنی اصلی حالت پر آگئے اجی حضرت کیا آپ کے نزدیک کتاب اللہ دلیل شرعی نہیں لیکن اس رسالہ میں تو آپ اس کی قطعیت کا اعتراف فرماتے ہیں گو آپ کے اکابر علماء کے خلاف ہو چنانچہ اس موقع پر ان شاء اللہ ہم اس کو ثابت کریں گے پھر خلافت کے بارہ میں کیوں قابل قبول نہیں اگر ائمہؑ نے تقیۃً کچھ فرمایا ہو تو حق تعالے شانہ نے تو تقیہ نہیں کیا ہوگا ذرا اس کو بتامل صادق دیکھئے اور اپنے علماء کی تاویلات کو اس کے ساتھ میزان انصاف میں تو لیئے تو معلوم ہو جائے گا کہ اہلسنت بلا دلیل شرعی خلافت کے قائل ہوئے ہیں یا بدلائل ولکن اللہ یہدی من یشاء۔

امامت کو خلافت کے برابر (بلکہ اس سے زائد) قرار دینے کی شیعہ عبارت اور اس کا جواب

قولہ: چونکہ دور کا ذکر آپ نے بالاجمال کیا ہے مجملاً جواب بھی گذارش کہ ہر چند آپ کی کتب عقائد وغیرہ سے یہ ہر سہ شرائط خصوصاً پچھلی دو شرطیں یعنی افضلیت و نص تو ضرور ثابت ہیں مگر ہمارے مقابلہ میں ان سے انکار ہے چنانچہ انشاء اللہ تعالی دلائل شرائط میں ان کا ذکر کسی قدر

تفصیل سے آئے گا. مگر یہاں اس قدر گذارش ہے کہ اگرچہ آپ امامت میں ان شرائط کے منکر ہیں مگر ثبوت نبوت میں تو ضرور ہی قائل ہوں گے جو جواب آپ وہاں فرمادیں، وہی جواب ہماری طرف سے امامت میں کہ ثانی نبوت ہی قبول فرمائیے.

اقول: یہ غلطی وہ ہی ہے جس پر بارہا متنبہ کیا جاچکا ہے کہ اہلسنت کی نسبت تسلیم اشتراط افضلیت و نص کا مبنیٰ محض ایک خفیف التباس پر ہے جو ادنیٰ طلبہ پر بھی واضح ہوسکتا ہے باقی رہا لزوم دور کے جواب میں جو بطور الزام ارشاد ہوا ہے کہ اہلسنت شرائط ثلثہ کی اگر امامت میں منکر ہیں تو نبوت میں تو ضرور قائل ہوں گے سو جو جواب اس دور کا وہاں دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے یہاں قبول کریں اس الزام کا مدار محض اپنے گمان پر ہمارے مجیب لبیب نے رکھ چھوڑا ہے، کیونکہ فرماتے ہیں (مگر ثبوت نبوت میں تو ضرور قائل ہوں گے) اوّل چاہیئے تھا کہ شرائط ثلثہ کا اشتراط اہل سنت کے نزدیک ثابت فرماتے اور بعد اس کے الزام دیتے اب بھی اگر کچھ ہوش اور خیال ہو تو بسم اللہ لیکن پہلے اس سے شرائط اور لوازم میں تغائر اور امتیاز سمجھ لیں معہذا اگر نبوت مثلاً نص پر موقوف ہو اور نص موقوف نبوت پر تو البتہ دور لازم آوے لیکن ہم کہتے ہیں کہ نبوت کا توقف محض اجتباء اور اصطفاء خداوندی پر اور ظہور اس کا موقوف معجزات پر ہے نہ نص پر بخلاف شرائط ثلثہ امامت کے کہ امامت موقوف نص پر اور نص موقوف عصمت و افضلیت پر اور عصمت افضلیت موقوف امامت پر تو امامت اپنے نفس پر موقوف ہوئی اور یہ ہی دور ہے قطع نظر اس سے ان ہی شرائط ثلثہ میں جو دوسری خرابی آپ ہی کی تقریر سے لازم آئی وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے وہ یہ کہ آپ نے امامت کو ثانی نبوت قرار دیا تو لامحالہ یہ شرائط ثلثہ امامت نبوت کی بھی شرائط ہوں گی. تو ہم ایک قیاس بنائیں گے جس کا کبریٰ قضیہ کلیہ ہوگا جو آپ اپنی تحریر سابق میں تحریر کر آئے ہیں وہ یہ کہ جس میں یہ شرائط متحقق ہوں وہ امام خلق و نائب رسول ہے. قیاس اسی طرح ہوگا. الرسول یوجد فیہ هذه الشرائط وکل من یوجد فیہ هذه الشرائط فهو امام و نائب عن الرسول ینتج الرسول نائب عن الرسول اور یہ بدیہی البطلان ہے اور لزوم لغویت کے جواب میں تو آپ طرح ہی دے گئے. معذور ہو نا ہے شاید سمجھے بھی نہیں ورنہ اسے بھی نبوت کے معارضہ فاسدہ سے ٹال دیتے.

قولہ: اور لزوم مصادرہ علی المطلوب آپ کے ہی پچھلے قول سے ثابت ہے.

اقول: اے جناب گستاخی معاف پہلے آپ مصادرہ علی المطلوب کی تعریف سیکھئے

اس کے بعد اعتراض کیجئے۔ اس کا کیا علاج کہ آپ یہ ہی نہیں جانتے کہ مصادرہ علی المطلوب کس کو کہتے ہیں یہ آپ کا عذر کافی نہ ہوگا کہ میں محض فارسی خواں ہوں،

قال الفاضل المجیب: قولہ. پس اگر جناب مخاطب کو اصل اختلاف میں بحث منظور تھی تو اوّل صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان و فضائل میں بحث شروع کی ہوتی جو آخر منجر بہ بحث امامت ہوتی، اقول، مجھ کو کسی اختلاف میں خواہ اصل ہو خواہ فروع بحث کی ضرورت نہ تھی کیونکہ کتب مناظرہ فریقین موجود ہیں اور ان میں ہر قسم کی بحث لکھی ہے منصف وحق کے طالب کے لئے کافی ہے، صرف بپاس خاطر عزیز عنایت فرمائی دلی جن کا حال شروع میں تحریر ہوا یہ سوال لکھا گیا اور اب جو کچھ لکھا جاتا ہے یا لکھا جائے گا محض ان کی خاطر سے ہوگا،

یقول العبد الفقیر الیٰ مولاہ الغنی: اے جناب، آپ اصل منشاء سوال ہی نہیں سمجھے آپ نے اپنے سوال میں تحریر فرمایا تھا (فرقہ اہل سنت وجماعت و شیعہ اثنا عشریہ میں اگرچہ اصولاً و فروعاً بہت سے اختلاف ہیں مگر بہت بڑی مخالفت امر خلافت میں ہے) تو اس تمہید میں جناب نے گویا ظاہر فرمایا تھا کہ علت تخصیص بالبحث مسئلہ خلافت کے اس کی اعظمیت ہے بندہ نے اس پر یہ عرض کیا کہ اگر یہ ہی علت ہے تو اصل سے نزاع معاملہ صحابہ ہے اس پر جناب اپنی ضرورت کا قصہ لے دوڑے بندہ نے کہ جو آپ کی ضرورت کا اثبات کیا تھا جو آپ نے اس سے تبری و تحاشی فرمائی شروع کی اور ہم نے مانا کہ اصلی غرض تحریر سوال سے پاس خاطر عزیز عنایت فرمائی دلی تھا لیکن یہ تو جناب نے تحریر نہیں فرمایا کہ اصل فرمائش ان کی یہ ہی تھی کہ مسئلہ امامت میں ہی سوال لکھا جائے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مدعا یہ تھا کہ کسی مسئلہ میں بحث شروع ہو جائے کیونکہ وہ خود چنداں اس مسلک سے واقف نہیں تھے لیکن یہ تعیین مسئلہ جناب نے بطور خود مناسب سمجھ کر فرمائی سو یہ عذر پاس خاطر عزیز کا بھی بجا نہیں.

قولہ: پہلے گذارش ہوا کہ اصل اختلاف ماخذ مسائل دین ہے نہ محض فضائل بعض صحابہ.

اقول: اسی جگہ یہ بھی عرض ہو چکا ہے کہ اس اصل کی اصل بھی وہ ہی معاملہ صحابہ ہے کیونکہ ان کی ماخذیت اور عدم ماخذیت باعتبار ان اوصاف کے ہے جن میں فریقین اہلسنت وشیعہ باہم مختلف ہیں.

شیعہ کو جملہ صحابہ کے ایمان و فضائل میں گفتگو ہے

قولہ: حضرت نے یہاں محض لفظ صحابہ تحریر فرمایا جس سے سمجھا جائے کہ شیعہ کل صحابہ کے فضائل و ایمان میں گفتگو رکھتے ہیں حاشا و کلا یہ ہرگز نہیں کہ کل صحابہ کے فضائل کے منکر ہوں یا کل کے ایمان میں کلام ہو، بلکہ بعض کے فضائل وغیرہ کی نسبت البتہ گفتگو ہے۔ اور یہ صرف اہل حق ہی نہیں کہتے بلکہ حضرات اہلسنت کا بھی یہ ہی حال ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا ہے کہ کل صحابہ کے فضائل کے یہ حضرات بھی قائل نہیں۔

اقول: شروع رسالہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے کہ علماء شیعہ کو کل صحابہ کے فضائل و ایمان میں گفتگو ہے یا بعض کے اور اس جگہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرات شیعہ علی الخصوص ہمارے مجیب کو تمام صحابہ کے فضائل و ایمان میں گفتگو ہے کیونکہ ان کے نزدیک معصیت خلاف مکرمت ہے اور صحابہ میں سے بالاتفاق کوئی معصوم نہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب صحابہ سوائے سماک بن خرشہ یوم احد جنگ سے فرار کر چکے اور بعد انتقال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ سوائے مقداد کے حسب روایات طائفہ مذکورہ سابقہ مرتد ہو چکے تو فرمائیے وہ کون سے صحابہ ہیں جن کا ایمان اور جن کے فضائل و محامد مسلم ہیں اور بالفرض محال اگر پانچ چار بلکہ دس بیس بھی ہوئے تو لاکھوں کے شمار میں کس تعداد میں محسوب ہوں گے باقی رہا اہل سنت کی نسبت یہ الزام کہ وہ بھی کل صحابہ کے فضائل کے قائل نہیں محض دھوکہ دہی اور افترا ہے، اہل سنت کے نزدیک تو کوئی ولی امت ادنیٰ صحابی کے رتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا مگر پھر بھی عصمت صحابہ مسلّم نہیں پس بمقابلہ اہلسنت صحابہ کی خطا یا ان کی مذمت کے واسطے بیان کرنا بالکل بے سود ہوگا۔ اہل سنت کو باوجودیکہ ان کے فضائل کا اعتراف ہے ان کی عصمت مسلّم نہیں تو ان کو یہ روایات کچھ مضر نہیں۔

قولہ: فضائل یک حرف بعض کو آپ کے تمام محدثین صاحب خیانت و شرارت و فساد پیشہ و مردود ان جناب الٰہی تحریر فرماتے ہیں

اقول: بحول اللہ و قوتہ اس کا مفصل جواب مباحث سابقہ میں جس جگہ ہمارے حضرت مجیب نے بڑی شد و مد سے یہ اعتراض فرمایا ہے تحریر ہو چکا ہے حاجت تکرار و اعادہ نہیں مگر اس قدر گذارش ہے کہ اگر بالفرض [illegible] نہیں سمجھتے تاہم یہ [illegible] صحابہ

مردودان جناب الٰہی لکھتے ہیں محض آپ کا افترا اور بہتان ہے۔

قولہ: ہاں اگر ان امور میں خلفاء ثلثہ کی بابت تحریر فرماتے تو مضائقہ نہ تھا۔ کل صحابہ کے فضائل کے نہ آپ قائل ہیں نہ ہم۔

اقول: اگر آپ کو اور علماء شیعہ کو صرف خلفاء ثلثہ کے ہی فضائل و ایمان میں گفتگو ہوتی تو بے شک کچھ مضائقہ نہ تھا کہ خلفاء ثلثہ کی ہی بابت تحریر کی جاتی لیکن آپ کو تو حسب روایات کافی وغیرہ سوائے چند چار یا چھ صحابہ کے سب ہی کے فضائل و ایمان میں گفتگو ہے۔ معہذا آپ بھی اگر سوائے خلفاء ثلثہ کے باقی صحابہ کے فضائل و ایمان کو آپ تسلیم فرمائیں تو ہم صرف معاملہ خلفاء ثلثہ ہی پیش کریں گے اور جب کہ آپ کو ہزاروں بلکہ لاکھوں صحابہ کے فضائل و ایمان میں کلام ہو تو پھر خصوصیت خلفاء ثلثہ بالکل بے جا ہو گی اس وقت عام طور پر بحث ہو گی جس میں خلفاء ثلثہ بھی داخل ہوں گے باقی رہا یہ کہ اہلسنت کی طرف یہ نسبت کرنا کہ کل صحابہ کے فضائل کے قائل نہیں محض کذب و افترا ہے۔ منشاء اس غلطی کا یہ ہے کہ فضائل کو ملزوم عصمت تصور کر رکھا ہے اور یہ سراسر غلط ہے۔

قولہ: و نیز یہ بحث بھی آپ کے قول کے موافق بالآخر منجر بہ بحث امامت ہی ہوتی سو خیر ہم نے اول ہی شروع کر دی۔ اب آپ کا اختیار ہے۔

اقول: افسوس کہ اعتراض کچھ ہے آپ کچھ سمجھ رہے ہیں سوال از آسمان جواب از ریسمان تاہم جو کچھ ہو آپ نے جو بحث شروع فرمائی وہ خواہ علت بداہت کے موافق ہو یا مخالف آپ نے بہت اچھا کیا۔ آفرین و مرحبا اصل غرض یہ تھی کہ علت کچھ بیان کی اور بحث کچھ شروع کی تو شاید بزعم خود اس خاص مبحث میں وثوق کچھ زیادہ ہوگا ورنہ ہماری طرف سے تو جو بحث چاہیے شروع کیجئے ہم خود کیا دعویٰ کریں جناب کو خود معلوم ہو رہے گا۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ: لیکن جناب مخاطب کو شاید مسئلہ امامت میں زیادہ دعوے ہے اور اس کی بحث پر وثوق و اعتماد ہو گا اسی لئے اوّل اسی کو چھیڑا۔ اقول: ہر مسئلہ مختلف فیہ میں دعویٰ اور وثوق و اعتماد ہی اسی مسئلہ کی خصوصیت نہیں۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: حضرت مجیب کے دعویٰ اور وثوق و اعتماد کا حال کسی قدر ابحاث گذشتہ میں اہل انصاف و دانش پر منکشف ہو چکا ہے اور رہا سہا آئندہ کھل جائے گا لیکن تعجب یہ ہے کہ باوجود محض فارسی خوانی کے یہ اعتماد و وثوق کس راہ سے

آیا اور مرتبہ حق الیقین کا کیونکر حاصل ہوا۔ ہم جہاں تک تحریر کو دیکھتے ہیں اس سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اور کیا عجب ہے شاید بعض اوقات میں آدمی کو غلطی پر بھی اعتماد اور وثوق ہو جاتا ہوگا جیسے بعض بے وقوف اپنے آپ کو دانشمند تصور کر لیتے ہیں اور بعض جاہل اپنے زعم میں عالم بن بیٹھے ہیں آخر آپ کو معلوم ہوگا کہ علما نے ایک قسم یقین کا جہل مرکب بھی تو قرار دیا ہے جو اعتقاد جازم خلاف واقع کا نام ہے۔

قولہ: مگر چونکہ اس مسئلہ میں پہلے سے گفتگو تھی جیسا کہ گذارش ہوا اور واقعی یہ ہی مسئلہ اہم تھا اس لئے اس کو چھیڑ گیا۔

اقول: یہ عذر جناب نے اسی تحریر میں فرمایا اگر اصل میں اس کو ظاہر فرماتے تو کچھ گفتگو نہ تھی۔ باقی رہا اہمیت متنازعہ فیہا اس مسئلہ کی تو آپ ثابت کر ہی نہ سکے اور جو کچھ ثابت فرمایا وہ مفید مدعا نہیں تو انحصار اہمیت اس مسئلہ میں جس کا دعویٰ اس عبارت میں کیا گیا ہے بالکل غلط اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔

قال الفاضل المجیب: قولہ: پس بپاس خاطر منظور کر کے گذارش کرتے ہیں۔ جناب مخاطب مدعی ہیں کہ شروط ثلثہ امامت یعنی نص و عصمت و افضلیت دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہیں تو اوّل جناب کو لازم ہے کہ تعریف امامت کی فرماویں اور بعد اس کے شروط ثلثہ میں سے ہر ایک کی تعریف کر کے ہر ایک کو دلائل موعودہ سے ثابت فرماویں۔ اقول: آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: حضرت تسلیم۔

قولہ: مجھ کو امید ہے کہ بفضل الٰہی آپ امامت اور ہر سہ شرائط کی تعریف بخوبی جانتے ہوں گے مگر بخیال میرے اس قول اور اپنے اصول خلافت جو لکھیں پہلے ان کی تعریف صراحۃً فرما کر ہے کے منقلب کرنے کے لئے ایسا تحریر فرمایا۔

اقول: میں جانتا ہوں خواہ نہیں جانتا آپ سے دریافت کرنے میں کیا حرج ہے اگر میں جانتا ہوں تو یہ کیا ضرور ہے کہ آپ اس کے موافق ہی ہوں معہٰذا جب کہ آپ کو جمیع مسائل میں وثوق و اعتماد ہے اور حق الیقین کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے تو محض پوچھنے ہی پر منقلب کرنے کے ڈر سے کیوں گھبراتے ہیں اور آپ خریدہ موزہ کشیدہ رکیوں ہوئے جاتے ہیں مگر تعجب یہ ہے کہ یہاں تو بندہ کے ملک کے پیسے منتقد مرسہ کو یہ مرخود بخود تسلیم کیا کہیں امامت

اور اس کی شرائط کی تعریف بخوبی جانتا ہوں گا اور جس جگہ امامت کے فروع میں ہونے پر میں نے مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے وہاں کیوں ایسے ناخوش ہوئے کہ میرے جاننے کو بھی بے علمی سے تعبیر کیا۔

قولہ: افسوس کہ جناب نے میری عرض قبول نہ فرمائی۔ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل بسر و چشم کرتا ہوں متوجہ ہو جیئے۔

اقول: جناب کا ارشاد بے موقع و بے محل تھا اس لئے کہ مدعی ہو کر اپنے مدعا کے اثبات سے گریز و اعراض کرنا اور دوسروں سے مطالبہ اثبات معتقدات کرنا بے محل تھا اس لئے جناب سے مطالبہ کیا گیا جب جناب اپنے واجب سے سبکدوش ہو جائیں گے اور اپنے دعوے کو خصم پر ثابت فرماویں گے تو البتہ اس وقت جناب کو استحقاق مطالبہ دلیل ہوگا ورنہ خرط القتاد باقی رہا بندہ کی گذارش قبول فرمانا گو جناب نے اپنا ذمہ ہی وجوب سے بزعم خود فارغ کیا ہو اور فی الحقیقت صحیح ہو یا نہ ہو اس کا بندہ ممنون عنایات ہے۔

قولہ: امامت کی تعریف یہ ہے دین دنیا کے جمیع امور میں نیابت پیغمبر سے کل امت کا مقتدا و پیشوا ہونا۔ عصمت ایسی حالت سے مراد ہے کہ خداوند تعالیٰ کے لطف و عنایات سے کسی شخص میں ثابت ہو کہ اس حالت کے سبب سے باوجود قدرت کے بدی و گناہ کی خواہش و رغبت اس شخص سے منتفی ہو جاوے۔ نص سے یہ غرض ہے کہ خدا اور رسول سے صاف حکم اس کی امامت کی بابت صادر ہو۔ افضلیت کے یہ معنی ہیں کہ کل امت سے جس کا امام ہو صفات حمیدہ و اخلاق مستودہ میں افضل ہو۔

بحث تعریفات شرائط ثلثہ میں جرح قدح

اقول: یہ تعریفات بوجوہ چند محل بحث ہیں۔ اولاً یہ کہ امامت کی جو تعریف فرمائی ہے یہ تعریف قطع نظر اس سے کہ حقیقی ہے یا لفظی یہ تعریف یا لغۃً ہے یا اصطلاحاً۔ اگر اوّل ہے تو بے محل اور نیز غلط کیونکہ باعتبار لغت کے اس لفظ کے یہ معنی پائے بھی نہیں جاتے اور اگر ثانی ہے تو اصطلاح شرع ہے یا غیر شرع۔ اگر غیر شرع ہے تو قابل التفات نہیں اور اگر اصطلاح شرع ہے تو لسان شارع سے اس کا اثبات واجب ہے ورنہ دعویٰ بے دلیل کب قابل سماعت ہے مگر تتبع موارد کہ در شارع سے جن مواقع میں یہ لفظ بقرینہ اطلاق کیا گیا ہے جو حسب

قاعدہ دلیل حقیقت شرعیہ ہونے کے ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حد اپنی محدود پر منطبق نہیں کیونکہ جامع نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم کی نسبت ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ میں تجھ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

اور نیز انبیاء کے باب میں ارشاد فرمایا۔

وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا۔ ہم نے ان کو امام بنایا کہ ہمارے کام کی ہدایت کریں۔

اور بدیہی ہے کہ انبیاء کی امامت باعتبار تعریف مذکور کے صحیح نہیں ہے: ثانیاً مسلّم کہ یہ اصطلاح شرعی اور حقیقت شرعیہ ہے تو جس جگہ بلا قرینہ صارفہ اس کا اطلاق ہوگا یہ ہی معنی مراد ہوں گے تو پھر کیا وجہ ہے کہ امام کے قول کو نہیں مانتے اور جو کچھ امام علیہ السلام نے نسبت شیخین فرمایا ہما امامان عادلان اس میں کیوں معنی حقیقی شرعی مراد نہیں لیتے اور کس واسطے تاویلات بعید از عقل فرماتے ہیں۔ ثالثاً یہ تعریف مانع بھی نہیں ہے کیونکہ یہ تعریف ان انبیاء پر بھی صادق آتی ہے جو کسی رسول کے بعد اس کی شریعت کے احیاء کے واسطے بعد اندراسہا مبعوث ہوئے حالانکہ باعتبار اس اصطلاح کے ان کو امام اور خلیفہ راشد نہیں کہتے: رابعاً عصمت کی تعریف حالت کے ساتھ فرمائی ہے کہ جس کے ثبوت پر مثبت کریں اس کے سبب سے معصیت کی رغبت منتفی ہو جاوے اور یہ غلط ہے کیونکہ عوام مومنین میں بھی بعض اوقات یہ حالت بعنایت الٰہی پیدا ہو جاتی ہے کہ رغبت معصیت اس حالت کے سبب اس وقت منتفی ہو جاتی ہے اور اس کا انکار مکابرہ ہے حالانکہ آپ اس کو عصمت نہیں فرماتے اور تعریف عصمت اس پر صادق آتی ہے ہاں اگر ملکہ کے ساتھ تعریف کی جاتی تو شاید صحیح ہوتی کہ اس میں معنی رسوخ کے ہیں اور حالت میں معنی تغیر و تبدل کے۔ خامساً لفظ خواہش و رغبت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بدون رغبت کے مثلاً سہواً [illegible] کی حالت میں صدور معصیت جائز ہے حالانکہ آپ اس کے قائل نہیں ہیں۔ سادساً [illegible] تو حضرات نے کبائر بلکہ [illegible] بھی ائمہ پر ثابت کر دیا جو بخواہش و رغبت کرتے [illegible] کیونکہ [illegible] تعریف [illegible]

[illegible] اهل الخلاف فيه [illegible] تقیہ اہل خلاف کی موافقت ہے ان کے دینی امور میں۔

[illegible] عصمت کس کا نام ہے۔ سابعاً افضلیت کی تعریف میں تو ہمارے مجیب لبیب نے [illegible] [illegible] حضرت [illegible] اس تعریف کو اپنے معرف پر محمول تو فرمائیے گا اور [illegible]

یہ بھی تامل فرما کر دیکھ لیجئے کہ دور مصرح لازم آتا ہے یا آپ کا وہ ہی مصادرہ علی المطلوب اور بعد اس مرحلہ کے یہ بھی تحقیق کیجئے گا کہ مبنیٰ افضلیت کا صفات حمیدہ و اخلاق ستودہ پر ہے اور مدرک بالعقل ہے یا مدار کثرت ثواب اور قرب من اللہ تعالیٰ پر ہے اور غیر مدرک الا بالشرع بعد ان سب امور کے اپنی تعریف صحیح فرما کر درج جواب کیجئے گا۔ چونکہ خوف طوالت تھا اس لئے مختصراً اعتراضات بتداخل بعضہا فی البعض عرض کر دیئے۔

عصمت انبیاء اور عصمت ائمہ کے شیعہ نقطہ نظر پر جرح

قولہ: اور ان ہر سہ شرائط کے دلائل کی نسبت اگرچہ اس قدر گزارش کافی ہے کہ جب امامت ثانی مرتبہ نبوت ہے اور نیابت نبی سے مراد ہے پس جو دلائل کہ عصمت انبیاء پر دال ہیں وہی بعینہ یا کچھ تغیر سے عصمت ائمہ پر دال ہوں گے اور ظن غالب ہے کہ عصمت انبیاء کے آپ قائل ہی ہوں گے افضلیت خلفاء کے آپ معتقد ہیں نص کے باب میں بھی آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اہل سنت نص کے علی الاطلاق منکر نہیں پس اس صورت میں ہم کو ہر سہ شرائط کے دلائل کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی مگر چونکہ آپ نے بپاس خاطر یہ بحث منظور فرمائی ہے اس لئے اس کی رعایت ہم کو بھی ضرور ہے۔

اقول: یہ تقریر دلفریب بالکل ناتمام بلکہ غلط ہے اگر ثانی مرتبہ نبوت سے نیابت کے علاوہ کوئی دوسرا امر مراد ہے تو اس کی شرح کرنی چاہیئے اور اس کا ثبوت پیش کرنا چاہیئے اور اگر نیابت ہی مراد ہے اور جملہ (نیابت نبی سے مراد ہے) عطف تفسیری واقع ہے تو مسلّم لیکن یہ کہنا کہ جو دلائل عصمت انبیاء پر دال ہوں گے وہی بعینہ عصمت ائمہ پر دال ہوں گے سراسر سفسطہ ہے کیونکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ اصل میں جس قدر اوصاف ہوں گے وہی فرع میں بھی ہوں گے حالانکہ یہ بداہتہً غلط ہے ہاں اگر ذاتی اوصاف اصل و نائب لتاہیہ فرماتے تو مضائقہ نہ تھا اور اگر یہ مراد ہے کہ بعض اوصاف اصل نائب میں ہوتے ہیں تو توقف نظر ترجیح بلا مرجح کے یہ آپ کا قیاس غلط اور باطل ہوگا۔ عصمت انبیاء کا میں قائل ہوں اور اس امامت کو احیاء شرائع دین اور اجرائے شعائر و مراسم اسلام میں نیابت نبوت اعتقاد کرتا ہوں لیکن باوجود اس کے اوصاف نبوت کو نبی کے ساتھ مختص سمجھتا ہوں اور اوصاف امام کو اس کے ساتھ اور عصمت لوازم نبوت سے ہے وبس۔ پس نبوت عصمت کے لئے امام میں بچانے دلائل

کے امامت کو صرف نیابت نبوت کا ہونا کافی سمجھنا محض ہمارے مجیب کی ناجائز تقلید ہے کیونکہ یہ ہی غلطی آپ کے شہید ثالث وغیرہ کو بھی سدِ راہ حق ہوئی وہ مجالس المومنین کے ذکر محمد بن بابویہ قمی میں فرماتے ہیں زیرا کہ امام قائم مقام نبی ست در جمیع امور مگر در اسم نبوت و نزول وحی، اور اگر زیادہ تتبع کیا جاوے تو نزول وحی کا بھی مختصات نبوت سے ہونا باطل ہوگا اپنے امام کلینی کی حدیث ملاحظہ فرمایئے۔

عن السجاد ان علی بن ابی طالب کان محدثا وھو الذی یرسل اللّٰہ الیہ الملک فیکلمہ ویسمع صوتہ ولا یری الصورۃ عن تحفہ۔	امام سجاد سے مروی ہے کہ حضرت علی محدث تھے اور محدث وہ ہوتا ہے کہ جس کی طرف خدا فرشتہ بھیجے اور وہ اس سے بات چیت کرے اور اس کی آواز سنے اور صورت نہ دیکھے۔

اور کتاب مختوم بخواتیم الذہب اور مصحف فاطمی اگر بطور وحی کے نازل نہیں ہوئی تو کیونکر آئی بہرکیف معلوم ہوتا ہے کہ شاید خصوصیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل نکاح چار سے زائد اور بے نفس سے نکاح کا ہونا وغیرہ مختص بہ نسبت عوام امت کے ہیں نہ نسبت ائمہ کے تو بس یہ اصل آپ کی اور آپ کے اہل نحلت کی ہی مسلم ہے نہ اہل حق کے اور اپنے مسلمات سے خصم کو الزام دینا یہ آپ جیسے مناظرہ دان ہی کا کام ہے علاوہ اس کے یہ محض قیاس ہے جس کو آپ فروع میں بھی قابل اعتبار نہیں سمجھتے تو معلوم نہیں کہ ایسی کیا مجبوری پیش آئی کہ جس کی بدولت اصول عقائد میں اس کو تسلیم کر کے مستدل قرار دیا، معہذا یہ دلائل آپ کے مدعا کو کیونکر مثبت ہوں گے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دلائل عصمت انبیاء پر باعتبار اس مذہب کے وارد کئے ہیں کہ جس میں انبیاء کی عصمت صرف زمانہ نبوت میں تسلیم کی گئی ہیں اور عصمت معتقد علیہا سامی جس کے آپ اثبات کے درپے ہیں وہ یہی جو صغائر و کبائر سے سہواً و عمداً از مہد تا لحد ہو تو جس مدعا پر آپ یہ دلائل وارد فرما رہے ہیں خصم پر ان سے حجت لانا بالکل لغو اور باطل ہے پس میرا انبیاء کی نسبت عصمت کا قائل ہونا ائمہ کی عصمت کو مستلزم نہیں اور آپکا قیاس قیاس مع الفارق اور غلط ہے۔ باقی رہا اشتراط افضلیت و نص کے نبوت میں صرف میرے اعتقاد و افضلیت کو جو خلفاء کی نسبت ہی کافی سمجھنا اور میرے اس قول کو مکتفی خیال کرنا کہ اہلسنت علی الاطلاق نص کے منکر نہیں وہ بھی یہی غلطی ہے جو ادنیٰ طلبہ بھی نہ کریں اور ہمارے علماء [illegible] میں بہت جگہ لکھ چکے ہیں اور متنبہ کر چکے ہیں [illegible] تحریرات صاف

واضح ہو گیا کہ ہمارے مجیب لبیب کو ہر سہ شرائط کے دلائل کے بیان کرنے کی کس قدر ضرورت تھی لیکن کیا کریں ہمارے پاس خاطر کی رعایت لابدی تھی اس لئے جب کوئی دلیل بہم نہ پہنچی تو امام رازی کے ہی دامنوں میں پناہ لی ولات حین مناص۔

قولہ: لہٰذا گذارش ہے کہ اگرچہ دلائل عقلیہ و نقلیہ عصمت امام پر بے شمار ہیں اور ان میں سے بہت سے ہمارے علماء کرام نے کتب مبسوطہ کلامیہ میں تحریر فرماتے ہیں مگر یہاں صرف اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ آپ کے محققین فخام نے بھی ان کو لکھا ہے تاکہ آپ کو بھی جائے اعتراض نہ رہے۔ بیت،

خواہی کہ شود خصم تو عاجز و سخن	می بند بکار قول پیران کہن
خصم از سخن تو چون لنگر دد ملزم	او را بسخنہائے خودش ملزم کن

اقول: اے حضرات اہل انصاف ہمارے مجیب کے شبہ ریز انصاف کو دیکھنا چاہیئے کہ اس میدان مردآزما میں کس قدر طریق عدل سے منحرف ہے کہ مبحث اثبات عصمت ائمہ از مہد تا لحد میں دلائل عصمت انبیاء کے جو زمانہ نبوت میں ہی تسلیم کی گئی ہے پیش فرماتے ہیں اس کا نقض مجملاً گذشتہ قول کے تحت میں عرض کر چکا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ ہر ہر دلیل کے ساتھ اس پر جرح و قدح کر کے اس خطاء پر متنبہ کروں گا کہ جو ہمارے مجیب اور ان کے ہم مذہب کو واقع ہوئی ہے پھر با این ہمہ خوبی ہاکس ناز و افتخار سے رباعی زیب جواب فرماتے ہیں،

بحث عصمت

قولہ: پوشیدہ نہ رہے کہ امام فخر الدین رازی صاحب نے سولہ دلیلیں عصمت انبیاء پر قائم کی ہیں کہ وہ سب پیغمبر بسیر عصمت ائمہ میں بھی جاری ہیں بنظر اختصار ان میں سے بعض لکھے جاتے ہیں حضرت مجیب تفسیر کبیر ملاحظہ فرمائیں۔ امام صاحب موصوف سورہ بقرہ پارہ اول رکوع ۴ میں ذیل قولہ تعالیٰ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عصمت انبیاء میں اختلاف مذاہب کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں۔ والمختار عندنا انہ لم یصدر عنہم الذنب حال النبوۃ البتۃ لا الکبیرۃ ولا الصغیرۃ بیدل علیہ وجوہ احدھا [illegible] صدر الذنب عنہم لکانوا اقل درجۃ من عصاۃ الامۃ وذلک غیر جائز بیان الملازمۃ ان درجات الانبیاء کانت فی غایۃ الجلال والشرف

وکل من کان کذلک کان صدور الذنب عنه افحش الاتری الی قولہ تعالےٰ
یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ
والمحصن یرجم وغیرہ یحد وحد العبد نصف حد الحر واما انه
لا یجوز ان یکون النبی اقل حالا من الامۃ فذلک بالاجماع انتہی۔

آپ ہی غور فرمایئے کہ یہ دلیل بعینہ عصمت امام میں بھی جاری ہے ائمہ کے درجہ بھی نہایت شرف وجلال میں ہیں پس ایسے گناہ کا صادر ہونا بھی افحش ہوگا اور یہ بات کہ امام کا امت سے کم درجہ ہونا جائز نہیں ہے افضلیت کی بحث سے ظاہر ہے چنانچہ اس کا بیان بھی آگے آئے گا آپ افضلیت خلفاء کے معتقد ہیں

اثبات اشتراط عصمت ائمہ کی پہلی دلیل کا ابطال

اقول: یہ دلیل جو امام رازی نے عصمت انبیاء میں وارد کی ہے کسی طرح عصمت ائمہ کو ثبت نہیں ہوسکتی ہے اور بوجوہ محل بحث ہی اولاً ظاہر ہے کہ ائمہ مطیع انبیاء اور داخل افراد امت ہیں انبیاء نہیں۔ جو جلال وشرف انبیاء کو حاصل ہے ائمہ کو نہ ہوگا کیونکہ بالاجماع ہر نبی اپنی تمام امت سے اجل واشرف ہے ائمہ اگر جلال وشرف کے کسی مرتبہ میں واقع ہوں تاہم افراد امت سے خارج نہیں ہوسکتے اور انبیاء کے جلال وشرف کو نہیں پہنچ سکتے تو صدور معصیت اگر منافی ہے تو اس غایت درجہ کے جلال وشرف کو منافی ہے جو صرف انبیاء ہی کو حاصل ہے اور افراد امت کو حاصل نہیں ہوسکتا افراد امت میں سے اگر کسی کو کوئی شرف وجلال حاصل ہو وہ غایت درجہ کا جلال وشرف بداہتہً نہ ہوگا تو صدور معصیت کو بھی منافی نہ ہوگا پس درصورت صدور معصیت مستلزم کون سے استحالہ کو ہوگا اس میں کیا استحالہ ہے کہ امت میں کا فرو اعلیٰ فرد سافل ہوجائے ثانیاً افراد امت میں ائمہ سے لے کر عدول وصلحاء امت تک جس قدر افراد واصناف ہیں سب کو اپنے مرتبہ کے موافق جلال وشرف حاصل ہے صحابہ مقبولین غایت درجہ جلال وشرف میں واقع ہیں بلکہ اوصیا مثل ابوطالب غایت درجہ شرف وجلال میں واقع ہیں ازواج مطہرات میں آپ کے نزدیک حضرت ام سلمہؓ غایت درجہ شرف وجلال میں واقع ہیں اہل بیت سوائے ائمہ خصوصاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو آیت تطہیر میں بھی داخل ہیں غایت درجہ شرف وجلال میں واقع

ہیں تابعین لہم باحسان غایت درجہ شرف وجلال میں واقع ہیں علیٰ ہذا القیاس محدثین وفقہاء اخباریین واصولیین ومتکلمین خصوصاً جن کی شان میں ہے،

لولا هم لانقطعت اثار النبوۃ۔	اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو نبوت کے آثار منقطع ہوجاتے

غایت درجہ شرف وجلال میں واقع ہیں علاوہ ان سب کے نائب صاحب الزمان جو ہنگام غیبت کارکن ہے جس پر تمام دین کا دارمدار ہوگا غایت درجہ شرف وجلال میں واقع ہے پس اگر شرف وجلال مطلق مستلزم عصمت ہے تو تمام مذکورین معصوم ہوں گے۔ ولو لقیل به احد۔ اور اگر شرف خاص ہے تو وہ فقط انبیاء کا شرف وجلال ہے جو غایت اعلیٰ درجہ کا ہے ائمہ کے شرف وجلال کا استلزام کسی دوسری دلیل سے ثابت فرمایئے ودونہ خرط القتاد۔ ثالثاً نبی کا امت سے اشرف واجل واعلیٰ وافضل ہونا اور اقل حالاً نہ ہونا امام رازی نے باجماع ثابت کیا ہے لیکن ائمہ جو کہ خود افراد امت میں داخل ہیں آپ ان کا اسی طرح اجل واشرف ہونا بھی بالاجماع ثابت کیجئے ورنہ اس دلیل سے ہاتھ دھو لیجئے اور ائمہ کو قیاساً علی الانبیاء امت سے افضل کہنا ہمارے مجیب جیسے ہمہ دان کا کام ہے ورنہ فی الحقیقت یہ تفضیل محال ہے کیونکہ مستلزم محال کو ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ائمہ احاد امت میں داخل ہیں پس اگر تمام امت سے افضل ہوں گے تو اپنے نفس سے بھی افضل ہوں گے اور یہ محال ہے کیونکہ مستلزم محال کو ہے وهو فضل الشی علی نفسه پس افضلیت ائمہ قیاساً علی الانبیاء باطل ہوئی۔ اور اگر ائمہ سے مراد ماعدا القسم ہے تو پھر انبیاء پر قیاس کرنا بدیہی البطلان ہے اور تمام دلیل لغو۔ رابعاً آپ ائمہ کو اگر اس دلیل سے معصوم کہتے ہیں تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جو علت عصمت انبیاء ہے وہ بعینہ ائمہ میں بھی پائی جاتی ہے یعنی جیسے انبیاء غایت درجہ جلال وشرف میں واقع ہیں اسی طرح ائمہ بھی واقع ہیں۔ اور جس طرح انبیاء کا امت سے کم درجہ ہونا جائز نہیں ائمہ کا بھی امت سے کم درجہ ہونا جائز نہیں تو بوجہ اشتراک اس علت کے جیسے انبیاء معصوم ہیں ائمہ بھی معصوم ہوں گے اور یہ صریح قیاس ہے کیونکہ قیاس کی تعریف صاحب معالم الاصول نے یہ کی ہے۔

القیاس هو الحکم علی معلوم بمثل الحکم	قیاس وہ حکم ایک امر معلوم پر ہے مثل حکم
الثابت علی معلوم اخر لاشتراکهما	دوسرے امر معلوم کے بسبب اس کے کہ دونوں
فی [illegible]	[illegible]

اور یہ تعریف بداہتہً اس جگہ صادق آتی ہے اب ہم اس کی علت کو دیکھتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ علت منصوصہ تو نہیں ہے۔ تو مستنبط ہوتی پھر اگر آپ معالم الاصول وغیرہ کتب اصول دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ قیاس جس کی علت مستنبط ہو آپ کے نزدیک بالاجماع باطل ہے معالم الاصول میں مذکور ہے۔

والمشترک جامعا وعلة وهی اما	اور امر مشترک کو علت اور جامع کہتے ہیں اور علت
مستنبط او منصوصة وقد اطبق اصحابنا	یا مستنبط ہوتی ہے یا منصوصہ اور ہمارے اصحاب
علی منع العمل بالمستنبط الا من شذ	بجز شاذ کے اس پر متفق ہیں کہ مستنبط پر عمل منع ہے اور
وحکی اجماعهم فیه غیر واحد منهم وتواتر	بہت لوگوں نے اس پر اجماع بیان کیا ہے اور اہلبیت
الاخبار بانکاره عن اهل البیت وبالجملة	سے اس کا انکار متواتر ثابت ہے الغرض اس کی
فمنعه یعد من ضروریات المذهب۔	ممانعت ضروریات دین سے ہے۔

اور بالفرض ہم نے تسلیم کیا کہ علت منصوصہ ہی ہوتی تاہم مستلزم جواز عمل کو ہوگی نہ وجوب اعتقاد کو کیونکہ باب اعتقادات میں ظنیات کو دخل نہیں ہے پس یہ دلیل ثبوت عصمت ائمہ میں بالکل ناکافی ہوتی۔ خامساً وصف جلال وشرف جو انبیاء میں موجود ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ بھی معلول کسی علت کا ہے اور وہ علت نبوت ہے یعنی وہ جلال و شرف جس کی علت نبوت ہی مستلزم عصمت ہے اور ظاہر ہے کہ وہ جلال و شرف جس کی علت نبوت واقع ہے ائمہ میں بالمرہ مفقود ہے تو یہ قیاس بھی لغو ہوا کیونکہ علت جامعہ اصل اور فرع میں مشترک ہی نہیں ۔۔ بنا حکم علی المتفق علیہ ماخذ پر دلیل ہوتا ہے پس انبیاء پر حکم اجل واشرف ہونے کا کیا گیا ہے تو ظاہر و بین ہے کہ اس حکم کی علت نبوت واقع ہے۔ یعنی یہ شرف وجلال جو انبیاء کو حاصل ہوا ہے اس کی علت نبوت اور اصطفاء خداوند تعالیٰ شانہ ہے اور یہ حکم جبکہ معلول نبوت ہوا تو زمانہ نبوت ہی پر مقصور ہوگا اور جب زمانہ نبوت پر مقصور ہوا تو اس کا لازم یعنی عصمت وہ بھی زمانہ نبوت پر مقصور ہوگی پس اگر بفرض محال یہ دلیل عصمت ائمہ میں جاری ہو تو ہمارے مجیب کے مدعا کو مثبت نہ ہوگی کیونکہ مدعی اثبات عصمت از صغر تا لحد ہے اور اس دلیل سے غایت سے غایت یہ ثابت ہوگا کہ ائمہ زمانہ امامت میں معصوم ہیں واین ہذا من ذاک معہذا مدار اس دلیل کا اس پر ہے کہ اگر انبیاء سے معصیت صادر ہوگی تو انبیاء بایں ہمہ جلال و شرف عصات امت سے اقل درجہ ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اس کا

جریان اسی وقت ممکن ہے جب کہ نبوت ہو اور جب نبوت نہیں تو امت کہاں ہوگی کیونکہ امت بعد بعثت ہوگی اور جب امت نہ ہوئی تو اقل درجہ ہونا در صورت صدور معصیت لازم نہ آیا تو عصمت قبل نبوت ثابت نہ ہوئی تو اس دلیل سے عصمت قبل الامامت کیونکر ثابت ہوگی پس ہمارے حضرت مجیب ذرا انصاف سے ملاحظہ فرماویں کہ یہ دلیل عصمت ائمہ میں کیوں کر جاری ہوسکتی ہے۔

قولہ: پھر امام صاحب موصوف فرماتے ہیں۔ ثانیها ان بتقدیر اقدامه علی الفسق وجب ان لا یکون مقبول الشهادة بقوله تعالیٰ إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا لکنه مقبول الشهادة والا کان اقل حالا من عدول الامة وکیف لا نقول ذلک وانه لا معنی للنبوة والرسالة الا انه یشهد علی الله تعالیٰ بانه شرع هذا الحکم وذاک وایضا فهو یوم القیمة شاهد علی الکل بقوله تعالیٰ لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ چونکہ امام بھی احکام شریعت بیان فرماتا ہے اور شہادت دیتا ہے کہ خدا و رسول نے یہ حکم امت کے لئے شروع کیا ہے پس یہ دلیل بھی عصمت امامت میں جاری ہے کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں قول خلیفہ کو دین میں حجت اور اختلاف کے حیرت کا مخلص فرماتے ہیں چنانچہ مقصد اول کی فصل دوم میں یہ عبارت درج ہے صفحہ ۱۴ مطبوعہ مطبع مذکور کے آخر سے شروع ہوتی ہے۔ واز لوازم خلافت خاصہ آنست کہ قول خلیفہ حجت باشد در دین نہ بآن معنی کہ تقلید عوام مسلمین اورا صحیح باشد زیرا کہ این معنی از لوازم اجتہاد است و در خلافت عامہ بیان آن گذشت و نہ بآن معنی کہ خلیفہ فی نفسہ بے اعتماد و تنبیہ آنحضرت واجب الطاعت باشد زیرا کہ این معنی غیر نبی را میسر نیست بلکہ مراد اینجا منزلتی ست بین منزلتین تفصیل این صورت آن ست کہ آنحضرتؐ حوالہ فرمودہ باشند بعضی امور را بالتشخیص بخصوص اسم او پس لازم شود متابعت امراء جیوش آنحضرتؐ بمقتضاء امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و این خصلت در خلفاء راشدین ہمان مینماید کہ قول زید بن ثابت را در فرائض مقدم باید ساخت بر اقوال مجتہدین دیگر و قول عبداللہ بن مسعود را در قرآت و فقہ و قول ابی بن کعب را در قرآت بر قول دیگران و قول اہل مدینہ را نزدیک اختلاف امت بر قول دیگران آنحضرتؐ بتعلیم اللہ عز وجل دانستند کہ بعد آنحضرت اختلاف ظاہر خواہد شد و امت در بعض مسائل بحیرت در مانند رافت کاملہ آنحضرتؐ براست اقتضاء فرمود کہ مخلص آن حیرت برائے ایشان تعین فرمائند و درین باب حجتی برائے امت قائم کنند و این معنی

ثابت است برائے خلفاء اربعہ۔ انتہی بقدر الحاجۃ۔ پس یہ دلیل بھی عصمت امام میں جاری ہے اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کا شاہد ہونا احادیث اہل سنت سے ثابت ہیں پس وہ جناب بھی معصوم ہیں۔

اثبات اشتراط عصمت ائمہ کی دوسری دلیل ماخوذہ تفسیر کبیر کا ابطال

اقول: یہ دلیل بھی مثبت مدعا نہیں اور بوجوہ چند اس میں اختلال ہے چنانچہ وجوہ اختلال جو دلیل اول کے ابطال میں بیان کی گئی ہیں اس دلیل میں بھی جاری ہیں اور علاوہ ان کے اور بھی بعض وجوہ ہیں جو قادح استدلال ہیں۔ پس مختصراً گذارش ہے۔ اولاً اس دلیل کا مدار اس پر ہے کہ رسول بحکم نص تمام امت پر شہید ہے یا بالبداہتہ خداوند تعالیٰ پر شہید ہے کہ اس نے یہ احکام مشروع فرمائے اور نیز اس پر ہی کہ رسول کا عدول امت سے کم درجہ ہونا باطل ہے اب ہم امام کو دیکھتے ہیں تو نہ وہ بحکم نص تمام امت پر شہید ہے اور نہ خدا وند تعالیٰ پر اس کی تشریع احکام کا شہید ہے۔ امر اول کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو گروہ عدل تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو

اور اس آیت شریفہ کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے تم کو امت وسط اس لئے بنایا ہے کہ تم امم ماضیہ پر جب کہ وہ اپنے رسل کی تبلیغ کا انکار کریں گی ان کے رسل کی تبلیغ کی شہادت دو اور رسول تمہارا تمہاری توثیق فرماوے اور تمہارے صدق فی الشہادت پر شہادت دیوے تو اس میں حسب قاعدہ اصول مسلمہ سامی باخطاب ان لوگوں کو ہے جو ہنگام نزول آیت موجود تھے یا خیار امت کو یا تمام امت کو بہر کیف اگر یہ شہادت اول مستلزم عصمت ہے تو ہزارہا احاد امت معصوم ہوں گے کیونکہ اس شہادت میں سب شامل ہیں اور شہادت رسول میں حق تعالےٰ شانہ نے کسی کو امت میں سے شریک نہیں فرمایا اور نیز رسول کی شہادت فی نفسہا کیا کم ہے جو کسی دوسرے کے شریک کرنے کی ضرورت واقع ہو اور نیز مستلزم اس کو ہے کہ جو شخص احاد امت میں سے شریک شہادت رسول ہوگا اس کی شہادت اپنے صدق و توثیق پر ہوگی و هو بدیہی البطلان اور ظاہر ہے کہ جب یہ شہادت جناب امیر کے واسطے ثابت نہ ہوئی تو عصمت بھی ثابت نہ ہوئی

امر ثانی کی وجہ یہ ہے کہ جملہ۔

وانه لا معنى للنبوة والرسالة الا ان يشهد على الله تعالىٰ انه شرع هذا الحكم وذاك۔

نبوت اور رسالت کے سوائے اس کے اور کچھ معنی نہیں ہیں کہ خدا پر گواہی دے کہ اس نے یہ اور وہ حکم مشروع فرمایا ہے۔

کے یہ معنی ہیں کہ رسول بلا توسط کسی بشر کے بلکہ بتوسط وحی الٰہی کے یہ شہادت دیتا ہے کہ یہ احکام خداوند تعالیٰ نے مشروع فرمائے اور یہ شہادت قطعاً امام کو میسر نہیں کیونکہ بشہادت شہید ثالث شوستری ثابت ہو چکا کہ نزول وحی خاصہ رسول ہے امام اگر شہادت دیتا ہے تو رسول پر شہادت دیتا ہے اور بواسطہ رسول کے کہتا ہے کہ حق تعالیٰ نے بواسطہ اپنے رسول کے امت کے لئے فلاں احکام مشروع فرمائے اور یہ امر کچھ محض امام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر ایک علماء و فقہاء و مجتہدین و قضات و نواب و رواۃ وغیرہ سب کے سب اپنے اپنے درجہ کے موافق اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے بواسطہ اپنے رسول کے یہ احکام امت کے لئے مشروع فرمائے تو یہ شہادت بھی کسی طرح مستلزم عصمت کو نہیں ورنہ یہ سب فرقہ معصوم ہوں پس اس تقریر سے صاف واضح ہے کہ ہمارے مجیب نے جو عبارت ازالۃ الخفاء سے استدلال کیا ہے وہ محض لغو اور قلت فہم ہے ورنہ اگر تھوڑے سے بھی فہم ہو تو ازالۃ الخفاء کی عبارت سے مثل روز روشن ظاہر ہے اور اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ خلیفہ کا قول بالاستقلال بلا توسط تنبیہ رسول دین میں حجت نہیں وہ فرماتے ہیں ورنہ باین معنی کہ خلیفہ فی نفسہ بے اعتماد بر تنبیہ آنحضرتؐ واجب الطاعت باشد اس عبارت سے جو مطلب بصراحۃ ظاہر ہے وہ ادنیٰ فارسی خوان بھی سمجھ سکتا ہے لیکن معلوم نہیں ہمارے حضرت مجیب نے باین ہمہ ادعائے ہمہ دانی کیوں کر اس کو اپنا مستدل قرار دیا اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں اور اگر اور بھی کچھ نہ کریں تو حضرت کی خوش فہمی کی تو ضرور ہی داد دیویں باقی رہا یہ جملہ کہ جناب امیر کا شاہد ہونا احادیث اہل سنت سے ثابت ہے یہ محض برات عاشقاں بر شاخ آہو کا مصداق ہے اگر واقعی ثابت ہے تو لائیے ہم بھی تو آپ کا پایہ علم دیکھیں۔ علاوہ اس کے احادیث احاد کو اگر بالفرض صحیح بھی تسلیم کر لیں تو آپ حضرات ہی فرماتے ہیں کہ اعتقادات میں احادیث احاد کو کچھ دخل نہیں علی الخصوص جب کہ نص کے معارض واقع ہو۔ معہذا ہم نے جناب امیر کی شہادت کا کب انکار کیا ہے لیکن یہ شہادت مستلزم عصمت نہیں کیونکہ اگر یہ مستلزم عصمت ہوگی تو ہزارہا احاد امت معصوم ہوں گے۔ اور امام کی امت سے کم درجہ ہونے کی

پہلی دلیل کے جواب میں اس کی بحث گذر چکی ہے ہم بخوف تطویل اس کا اعادہ نہیں کرتے۔ ثانیاً بفرض محال اگر جناب امیر کا رسول کی شہادت میں شریک ہونا ثابت ہو بھی تاہم آپ کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ صرف عصمت جناب امیر ہی کے تو قائل نہیں ہیں بلکہ آپ کے نزدیک ائمہ احد عشر باقی بھی معصوم ہیں ان کی شہادت بھی ثابت کیجئے ورنہ ان کی عصمت سے دستبردار ہو جیئے۔ ثالثاً یہ دلیل مثبت مدعا مجیب نہیں ہے کیونکہ مدعا اثبات عصمت کا ہے معصیت صغیرہ اور کبیرہ سے سہواً ہو خواہ عمداً اور وہ اس سے ثابت نہیں ہوتا وجہ اس کی یہ ہے کہ اس دلیل کا مدار در صورت صدور معصیت کے عدم ثبوت شہادت پر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسی معصیت کے ساتھ مخصوص ہے جس کا صدور مستلزم رد شہادت ہو پس جو معاصی ایسے ہیں جن کا صدور مستلزم رد شہادت کو نہیں مثلاً سہواً کوئی صغیرہ گناہ صادر ہو جانا چاہیئے کہ وہ ممتنع نہ ہو حالانکہ اس کا صدور بھی مثل کبائر کے ممتنع الصدور معتقد ہے۔ رابعاً اس دلیل میں قیاس در قیاس واقع ہے کیونکہ جناب امیر المومنینؑ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کر کے حکم عصمت کا لگایا ہے اور باقی گیارہ ائمہ کو جناب امیر پر قیاس فرمایا وھو ظاہر البطلان۔

قولہ: پھر امام رازی صاحب فرماتے ہیں۔ لو صدرت المعصیة من الانبیاء لکانو مستحقین للعذاب لقولہ تعالیٰ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا۔ ولا مستحق اللعن لقولہ تعالیٰ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ واجمعت الامة علی ان احدا من الانبیاء لم یکن مستحقا للعن ولا العذاب فثبت انہ ما صدرت المعصیة عنہم انتہی۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر ائمہ علیہم السلام سے گناہ صادر ہوتا تو مستحق عذاب و لعن کے ہوتے اور اہل اسلام کا اجماع ہے کہ ائمہ برحق یعنی جناب امیر علیہ السلام و دیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام مستحق لعن و عذاب نہ تھے پس ثابت ہوا کہ ان حضرات سے گناہ صادر نہیں ہوا ہے۔

اثبات اشتراط عصمت ائمہ کی تیسری دلیل ماخوذہ تفسیر کبیر کا ابطال

اقول: یہ دلیل بھی مثل دلائل سابقہ مخدوش اور محل بحث ہے ہم کہتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ اور صحابہ مقبولین اور ذریۃ طاہرہ وغیر مستحق لعن و عذاب کے تھے تو پھر یہ بھی معصوم ہوں گے بلکہ اولیٰ ازیں صلحاء امت و اہل تقویٰ مستحق لعن و عذاب نعوذ باللہ نہیں منشاء اس تلبیس اور سفسطہ

کا یہ ہے کہ امامت کو ہم جنب نبوت جیسا کہ خود معتقد ہیں ویسا ہی خصم کے نزدیک بھی سمجھ لیا ہے حالانکہ خصم اس کو تسلیم نہیں کرتا اور چونکہ وصف نبوت بالبداہۃ بالاتفاق ایک ایسا وصف ہے جس میں غایۃ التقرب اور کمال خصوصیت حق تعالیٰ کی جناب کے ساتھ حاصل ہے اور کوئی وصف امامت وغیرہ اس منصب کو بالاتفاق نہیں پہنچتا تو جو منافات کہ اس وصف عالی کو عدم استحقاق عذاب و لعن کے ساتھ ہو گی وہ منافات کسی دوسرے وصف کے ساتھ نہ ہو گی اور جو استحالہ و فساد اس وصف کے ساتھ اجتماع استحقاق لعن و عذاب سے لازم آوے گا وہ کسی وصف کے ساتھ اجتماع سے لازم نہ آوے گا تو پس نبوت میں اس دلیل کے جاری کرنے میں یہ معارضہ پیش نہیں ہو سکتا علاوہ اس کے یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کا اجماع ہے کہ ائمہ برحق یعنی جناب امیر و دیگر ائمہ طاہرین مستحق لعن و عذاب نہ تھے پہلے آپ ان تمام حضرات کے بالاجماع امامت تو ثابت فرمایئے اس کے بعد اجماعی ہونے عدم استحقاق لعن و عذاب کا دعویٰ کیجئے اور بالاجماع ثبوت امامت محال ہے غرض اس دلیل سے بھی حضرات کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

قولہ: پھر امام صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ انہم کانوا یامرون الناس بطاعة فلو لم یطیعوہ لدخلوا تحت قولہ تعالیٰ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ الی قولہ کیف یجوز ان ینسب الی الانبیاء۔ آخر میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ جو بات واعظین امت کو لائق نہیں کیونکر جائز ہو کہ وہ انبیاء کی طرف نسبت کی جائے ائمہ بھی آدمیوں کو خدا کی اطاعت کا حکم کرتے تھے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تعریف تفصیلی امامت میں داخل ہے پس اگر ائمہ خود اطاعت اللہ جل شانہ نہ کریں تو اس آیت کے تحت میں داخل ہوں اور جو بات کہ واعظین امت کو لائق نہیں وہ ائمہ کی طرف کیونکر نسبت کی جاوے۔

اثبات اشتراط عصمت ائمہ کی چوتھی دلیل ماخوذہ تفسیر کبیر کا ابطال

اقول: یہ دلیل بھی ثبوت عصمت ائمہ میں مثل دلائل سابقہ کے مجروح و مخدوش ہے کیونکہ اگر مطلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مستلزم عصمت عند المجیب ہے تو پھر قضات و ناصحان اور واعظ وغیرہ کو بھی معصوم تسلیم فرمائیں اور یہ امر بدیہی ہے کہ مرتبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے [illegible] تشکیک ہے اور عصمت میں تشکیک بالاجماع نہیں تو امام رازیؒ نے فرد اعلیٰ [illegible] میں تحقیق عصمت یقینی ہو گا۔ حاصل یہ کہ وصف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اولاً بالذات انبیاء کو ثابت ہے اور ثانیاً و بالتبع ائمہ و قضات و محتسبان و وعاظ میں بھی پایا جاتا ہے
تو جو امر ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی شان کے لائق نہیں وہ اعلیٰ درجہ والوں کے لئے ممتنع و محال ہوگا،
کیونکہ اس مرتبہ کے ساتھ اس امر کو منافات تامہ ہوگی اور یہ ضرور نہیں کہ اگر کوئی امر اعلیٰ درجہ والوں
کے واسطے ممتنع ہو جاوے تو ادنیٰ درجہ سے بھی ممتنع ہو جاوے لائق نہ ہونا دوسری بات ہے
اور ممتنع ہونا دوسری، ہاں اس قدر مراتب متفاوتہ میں ضرور ہوگا کہ جو مراتب بحق درجہ عالیہ کے ساتھ
ہوں گے ان کو لحوق اور قرب اور تشابہ اس مرتبہ کے ساتھ زیادہ ہوگا اور جو مراتب درجہ سافلہ سے
اقرب ہوں گے ان کو اس درجہ کے اوصاف کے ساتھ زیادہ تشارک ہوگا پس چونکہ مرتبہ امامت
وخلافت کو مرتبہ نبوت سے زیادہ لحوق و قرب ہے تو اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر معصوم نہیں
تو محفوظ ہیں۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ یہ معارضہ اسی صورت کے ساتھ مختص ہے جب کہ حکم
[illegible] عالی سے متجاوز ہو کر کسی دوسرے مرتبہ سافلہ میں بھی جاری کیا جاوے اور اگر اسی مرتبہ پر منحصر رکھا
جاوے تو معارضہ نہیں ہو سکتا، معہذا سہو و نسیان میں بھی یہ دلیل جاری نہیں ہو سکتی پس مدعا
حضرت مجیب ثابت ہونا بھی ممتنع ہے اب بعد ختم جواب اولہ سامی جو امام رازی سے منقول ہوئی
مختصراً اس قدر اور گذارش ہے کہ علاوہ مفاسد مذکورہ کے عموماً آپ کے استدلال میں یہ فساد ہے
کہ آپ کو یہ ہی معلوم نہیں کہ عدم عصمت انبیاء کی صورت میں جو محالات لازم آتے ہیں ان محالات
کو عدم عصمت ائمہ کی صورت میں کون سا لزوم مثبت مدعا ہے اور کون سا نہیں آپ نے صرف
اپنی قلت استعداد کے سبب سے دھوکا کھایا اور آپ کی تو کیا حقیقت ہے آپ کے حلی وغیرہ نے
[illegible] وغیرہ میں جن کے آپ خوشہ چین ہیں یہ غلطی کھائی۔ ایسے علماء اعلام کی نسبت قلت استعداد
کا گمان تو مستبعد ہے لیکن ہاں انتصار مذہب کے واسطے بغرض فریب دہی جہال اس کے مرتکب
ہوئے ہوں گے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام رازیؒ نے دلائل منقولہ میں عدم عصمت انبیاء
کی صورت میں جو لزوم محالات بیان کیا ہے مثلاً پہلی دلیل میں عصاۃ امت سے اقلیت مرتبہ کا لزوم
ہے اور دلیل ثانی میں غیر مقبول الشہادۃ ہونے کا لزوم ہے اور غیر مقبول الشہادۃ ہونے میں عدول
امت سے اقل مرتبہ ہونے کا لزوم ہے اور دلیل ثالث میں استحقاق لعن و عذاب کا لزوم ہے
اور دلیل رابع میں دخول تحت قولہ تعالیٰ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ الخ کا لزوم ہے پس عدم عصمت
[illegible]
[illegible]

ہرگز مثبت دعویٰ نہیں، لیکن ثبوت لزوم اول اور ثانی ائمہ میں محال، کیونکہ مستلزم افضلیت یا
مساوات ائمہ کی انبیاء سے ہے جو محال ہے سو ثبوت لزوم بالاولیۃ والالولویۃ اور بالمساوات باطل
ہوا اور ثبوت لزوم بالضعف والقلت مفید ثبوت مدعا نہیں تو اس پر استدلال کا مدار رکھنا محض
قلت فہم و استعداد یا دھوکہ دہی پر مبنیٰ ہے۔ اب آپ میری گذارش کو خوب غور سے ملاحظہ فرمائیں
اور سوچیں واللہ الہادی،

قولہ: غرض کہ اسی طرح کل دلائل جو امام صاحب نے عصمت انبیاء میں تحریر فرمائی ہیں وہ
بعینہ یا کسی قدر تغیر سے عصمت ائمہ میں جاری ہیں بخوف طوالت اسی پر اکتفا کیا گیا آپ تفسیر کبیر کا
یہ مقام ملاحظہ فرماویں،

اقول: میں نے ارشاد سامی کی تعمیل کی اور تفسیر کبیر کا یہ مقام دیکھا اس کے دیکھنے کا جو
نتیجہ پیدا ہوا وہ جناب پر بخوبی منکشف ہو گیا ہوگا۔ غالباً جناب نے یہ وہ دلائل نقل فرمائے جو بعینہ
بلا تغیر عصمت ائمہ میں بزعم جناب جاری ہوتے ہیں سو ان کا بعینہ کیا بلکہ بتغیر بھی عصمت ائمہ
میں جاری ہونا جناب پر خصوصاً اور ارباب انصاف پر عموماً منکشف ہے اور ان دلائل سے
جو بتغیر یسیر عصمت ائمہ میں بزعم جناب جاری ہوتی ہیں چشم پوشی اور اغماض فرمانا جائز کہ ثبوت
عصمت میں بعض ان دلائل میں سے اقوی تھے خالی از علت نہیں، غرض اہل عقل و انصاف کے
نزدیک دلائل مذکورہ سے جو بعینہ عصمت ائمہ میں بزعم مجیب صاحب جاری ہو سکتے ہیں حال
دلائل غیر مذکورہ کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

بحث دلائل عصمت ائمہ از تحفہ اثنا عشریہ

قولہ: اب آپ کے خاتم المحدثین صاحب کی تقریر جو تحفہ کے باب ششم حنفیہ و سوم
میں تحریر فرمائی ہے لکھی جاتی ہے۔ اس سے بھی عصمت ائمہ ثابت ہے گو صاحب تحفہ اس کے
منکر ہیں وہ عبارت یہ ہے۔ والحق مرتبہ نبوت و فائدہ بعثت مقتضی عصمت این بزرگواران است
بچند وجہ اول آنکہ اگر از انبیاء گناہان عمداً صادر شوند و امت مامور است باتباع ایشان قُلْ اِنْ
كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ ۔ و خود ایشان از معاصی دیگران مردم را باز میدارند و نہی میکنند
پس تناقض درمیان دعوت قولی و [illegible] و اگر گناہ [illegible] شد عذاب معذب شود
[illegible]

مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۔ ومعذب شدن خاصہ باشد عذاب منافی ومخالف منصب نبوت است زیراکہ نبی شفیع امت است وشاہد نیکی وبدی ایشان است وچون خود درکار خود درماندہ باشد شفاعت کہ کند وشہادت کہ ادا نماید۔ سیوم آنکہ اگر گناہ میکردند مثل سلاطین جابر میشدند کہ مردم را زجر میکنند وسیاست می نمایند بررسوم فاسدہ وارتکاب فواحش وخود بعمل می آرند ولا بد روش انبیاء از ملوک جابر وسلاطین ظالم ممتاز ومباین می باید۔ چہارم آنکہ اگر گناہ کنند مستوجب ایذاء واہانت وعقوبت گردند۔ وقد قال اللہ تعالی اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔ پنجم آنکہ اگر گناہ ایشان برامت ظاہر شود استنکاف نمایداز اطاعت ایشان وازنظر ایشان بیفتند بلکہ من بعد تصدیق نکنند وتکذیب نمایند وگویند اگر ایشان در اخبار ومواعید خود راست میگفتند خود چرا مرتکب این کارہا میشدند انتہی۔ بیان دلیل اول یہ ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اولی الامر کی اطاعت مثل اطاعت خدا ورسول ہے ضرور ہے کہ جن کی اطاعت مثل اطاعت خدا ورسول ہے وہ معصوم ہوں ورنہ وہی تناقض لازم آئے گا وباتفاق مفسرین فریقین اولی الامر سے مراد ائمہ وخلفاء ہیں۔ اور اس آیت میں جو توجیہات بلحاظ مابعد کی آیتوں کے اہلسنت کرتے ہیں ان سب کو لفظ اطیعو باطل کرتا ہے۔

اثبات اشتراط عصمت ائمہ کی پہلی دلیل ماخوذہ تحفہ کا ابطال

اقول: جریان اس دلیل کا عصمت ائمہ میں بوجوہ محل بحث ہے مختصراً گذارش ہے اول اس استدلال میں غلطی یہ ہے کہ اطاعت کو اور اتباع کو ہم معنی سمجھ لیا حالانکہ ان دونوں الفاظ کے معانی میں جو بدیہی تغایر ہے وہ ادنی طلبہ پر بھی مخفی نہیں۔ رسول کے حق میں اطاعت اور اتباع ہر دو نازل ہوئی ہیں اور اولوالامر سے اگر مراد ائمہ ہی ہوں تاہم ان کے حق میں صرف اطاعت وارد ہوا ہے اتباع وارد نہیں ہوا اور علامہ دہلوی قدس سرہ العزیز نے استدلال عصمت انبیاء پر لفظ اتباع سے کیا ہے اطاعت سے نہیں کیا پس یہ ہمارے مجیب لبیب کی خوش فہمی اور ادعائے ہمہ دانی ہے کہ اس استدلال کو لفظ [illegible] میں لے گئے حالانکہ [illegible] جاری نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ائمہ سے معصیت صادر ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان کی اتباع کے مامور نہیں جو معصیت میں بھی [illegible] اور ان کی معصیت میں بھی اتباع کریں اور

اگر معصیت کا حکم کریں تاہم اطاعت واجب نہیں کیونکہ مطاع مطلق نہیں بلکہ مطاع محدود ہیں کیونکہ واسطہ اطاعت خدا ورسول ہیں اور نیز:

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق — جس میں خالق کی معصیت ہو اس میں مخلوق کی اطاعت نہیں

بھی مانع ہے بخلاف اتباع کے کہ اول اتباع بحق ائمہ منصوص نہیں اور اگر کہیں وارد ہوا ہو تو ظاہر ہے کہ اتباع مطلق نہیں بلکہ وہ بھی محدود ہے اور حق تعالیٰ شانہ نے رسول کی پیروی کو مطلق اپنی محبت کے ساتھ مرتبط کیا ہے جو کسی امام کے حق میں نہیں ہو سکتی فرمایا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ — تو کہہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ — اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخشے گا

حق تعالیٰ شانہ رسول کی اتباع کو سبب محبت خداوند تعالیٰ اور سبب مغفرت ذنوب قرار دیتا ہے اور ائمہ میں یہ امر سراسر مفقود ہے۔ ثانیاً اس آیت سے یہ دعویٰ کہ اطاعت امام مثل اطاعت خدا ورسول ہے بالکل غلط ہے ہرگز آیت سے مماثلت ثابت نہیں ہوتی اور نہ آیت میں کوئی لفظ مماثلت پر لفظاً وتقدیراً دال ہے اور حرف تشبیہ ملفوظ یا مقدر ہے پس یہ محض ہمارے مجیب کا کمال علم ہے وبس۔ ثالثاً یہ جملہ کہ اولوالامر کی اطاعت مثل اطاعت خدا ورسول ہے ہمارے مجیب کے کمال علم پر واضح دلالت کرتا ہے کیونکہ اگر مماثلت سے مراد صرف تشا[illegible] ب اور مماثلت فی الجملہ ہے تو مسلم لیکن بداہتہً مفید مدعا نہیں کیونکہ نفس مماثلت مستلزم نہیں کہ [illegible] مشبہ بہ کے واسطے ثابت ہو وہ مشبہ کے واسطے بھی ثابت ہو ورنہ سنیر قالین بھی مفترس ہو اور صورت انسان علی الجدار ناطق علی ہذا اس کے جو حکم کہ آپ ائمہ میں جاری کرتے ہیں وہ ہی ہم ان اولوالامر میں جاری کریں گے جن کو امام عام خاص ولایات پر عامل وحاکم مقرر فرما کر بھیجے جیسے زیاد بن ابیہ دعی ابی سفیان کہ جناب امیر کا عامل تھا وہ بھی واجب الاطاعت ہونے میں آپ کے نزدیک مثل خدا اور رسول کے ہے تو وہ بھی معصوم ہو معہذا ہم یہ بھی سوال کریں گے کہ ائمہ کی اطاعت میں خدا اور رسول کے ہوتی اور آپ نے رسول کی اطاعت کے ساتھ مماثلت سے تو ائمہ کو خاصہ رسول یعنی عصمت میں شریک فرمایا کیونکہ ظاہر ہے کہ عصمت صرف وصف رسول ہے تو رسول کے ساتھ ائمہ کی مماثلت ائمہ میں عصمت کے ثبوت کی مقتضی ہوگی۔ لیکن ائمہ کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کے ساتھ بھی مماثلت فرمائی تو اس مماثلت کے [illegible] سے ائمہ کو خداوند تعالیٰ کے کون سے خاصہ میں شریک فرمایئے گا اور اگر مماثلت سے مراد

مساوات ہے تو غلط اور غیر مسلم ہے اولوالامر کی اطاعت مساوی اطاعت خدا و رسول کے ہرگز نہیں ہوسکتی کیونکہ خدا اور رسول جو کچھ امر فرماتے ہیں اس میں ذرا گنجائش چون و چرا کی نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ سراسر تشریع ہے اور اولوالامر کا امر تشریع نہیں اور اس میں تامل ہوسکتا ہے، اگر موافق کتاب و سنت ہے تو واجب الاطاعت ہوگا ورنہ نہیں چنانچہ خود جناب امیر نے اس کی نسبت شہادت فرمائی جو نہج البلاغۃ میں منقول ہے لا تکفوا عن مقالۃ بحق او مشورۃ بعدل فانی لست بفوق ان اخطی۔ خود خداوند تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اس کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا۔

فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول۔ الخ

تم اگر کسی چیز میں جھگڑو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔

اس سے صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ امر اولوالامر میں تنازع ممکن ہے لیکن امر خدا و رسول ہر حال واجب الاطاعت ہے اور اس میں تنازع بھی ممکن نہیں بلکہ تنازع کا فیصلہ انہی کے امر کے ساتھ منوط ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ دعویٰ مساوات بین الاطاعتین صریح دھوکا ہے جس کا منشاء کم فہمی ہے۔ رابعاً اگر اولوالامر سے مراد ائمہ و خلفاء ہیں اور ان کی اطاعت مثل اطاعت خدا و رسول کے ہے تو حسب شہادت جناب امیرؑ جس کو شریف رضی نے نہج البلاغۃ اور ابن میثم بحرانی نے اپنی شرح میں نقل کیا ہے ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بھی امام حق اور معصوم ہوں گے علامہ رضی نہج البلاغۃ کے خطبہ ومن کلام لہ علیہ السلام لما اراده الناس بالبیعۃ بعد قتل عثمان میں نقل فرماتے ہیں وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ ابن میثم اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں فقولہ وان ترکتمونی الی کنت کاحدکم فی الطاعۃ لامیرکم ولعلی اکون اطوعکم لہ ای لتوقع علمہ بوجوب طاعۃ الامام۔ اس عبارت کو اگر آپ دیکھیں تو مختصر شرح ابن میثم میں دیکھیں بلکہ شرح کبیر میں ملاحظہ فرمادیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص خود امام مفترض الطاعۃ و خلیفہ برحق ہو تو وہ خود [illegible] ہوگا اس پر کسی کی اطاعت لازم نہیں تو جناب امیرؑ اہل حل و عقد سے ان کی بیعت کے [illegible] کے وقت یہ ظاہر فرماتے ہیں جس میں صاف نزود اطاعت [illegible] ذمہ جناب ثابت ہوتا

[illegible]

ہے تو اس سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ اس وقت خود جناب امیر امام مفترض الطاعت نہیں تھے بلکہ امام مفترض الطاعت وہ شخص ہے جس کو اہل حل و عقد امام بناویں اور جس سے وہ بیعت کریں اور خلفاء ثلثہؓ اہل حل و عقد کی بیعت سے امام ہوئے تو وہ امام حق اور خلیفہ مفترض الطاعت اور اولوالامر ہوئے اور انکی اطاعت مثل اطاعت خدا و رسول کے باعتبار اس مماثلت کے جو مماثلت کہ آپ مراد لیں ہوئی۔ خامساً یہ جو ہمارے مجیب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ باتفاق مفسرین فریقین اولوالامر سے مراد ائمہ ہیں اگر اس سے مراد حصر ہے کہ سوائے ائمہ کے اور کوئی مراد نہیں تو غلط ہے باتفاق مفسرین حصر باطل ہے کیونکہ اس حکم میں امراء و عمال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ائمہ بھی شامل ہیں بلکہ نزول اس آیت کا حسب تصریح محدثین و مفسرین اہل حق امراء سرایا میں واقع ہوا ہے۔

اخرج البخاری ومسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والبیہقی فی الدلائل من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس فی قولہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم قال نزلت فی عبداللہ بن حذافۃ بن قیس بن عدی اذ بعثہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ۔

بخاری مسلم ابو داؤد ترمذی نسائی ابن جریر ابن منذر ابن ابی حاتم بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس سے بطریق سعید بن جبیر تفسیر قولہ تعالیٰ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم میں روایت کی ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن حذافہ کے باب میں نازل ہوئی جب کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو لڑائی پر بھیجا تھا۔

واخرج ابن عساکر من طریق السدی عن ابی صالح عن ابن عباس [illegible] خرج ابن جریر عن میمون بن مہران فی قولہ واولی الامر منکم قال اصحاب السرایا علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] [illegible]

ابن عساکر نے ابن عباس سے بطریق سدی اور ابن جریر نے میمون سے تخریج کی ہے کہ قولہ تعالیٰ اطیعوا اللہ [illegible] [illegible] حضرت کے زمانے کے چھوٹے لشکروں کے افسر ہیں

اور نیز جمہور جمیع مفسرین سے بھی منقول ہے کہ بالخصوص جو کہ ایام غیبت امام میں

[illegible]

قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کی مؤید مفسرین نے تفاسیر میں روایات وارد کی ہیں۔

اخرج [illegible] ابن حمید و ابن جریر و ابن ابی حاتم عن عطاء فی قوله اطیعوا الله و اطیعوا الرسول قال طاعة الرسول اتباع الکتاب و السنة و اولی الامر منکم قال اولی الفقه و العلم و اخرج ابن جریر و ابن [illegible] و ابن ابی حاتم و الحاکم عن ابن عباس [illegible] قوله تعالی [illegible] اولی الامر منکم یعنی اهل [illegible] اهل طاعة الدین [illegible] یعلمون الناس معانی [illegible] یامرونهم بالمعروف [illegible] المنکر فاوجب الله طاعتهم [illegible] ابن ابی شیبة و عبد [illegible] الترمذی فی نوادر [illegible] ابن [illegible] ابن المنذر و ابن ابی حاتم [illegible] صححه عن جابر بن [illegible] اولی الامر منکم [illegible] عن ابی العالیة فی [illegible] قال هم اهل العلم [illegible] الی الرسول [illegible] یستنبطونه [illegible]

عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے عطا سے آیت اطیعوا اللہ میں تخریج کی ہے کہ رسول کی اطاعت کتاب وسنت کا اتباع ہے اور اولی الامر اہل فقہ اور علم ہیں۔ اور ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے ابن عباس سے قول تعالیٰ اولی الامر میں تخریج کی ہے کہ مراد اس سے اہل فقہ اور دین [illegible] اس کی اطاعت والے جو لوگوں کو ان کے دین کے احکام سکھلاتے ہیں [illegible] لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ نے ان کی اطاعت بندوں پر واجب فرمائی اور ابن ابی شیبہ نے اور عبد بن حمید نے اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور ابن جریر [illegible] ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ جابر بن عبداللہ سے قول تعالیٰ [illegible] اولوالامر میں تخریج کی ہے اور [illegible] ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے ابو العالیہ سے قول تعالیٰ [illegible] اولوالامر میں تخریج کی ہے کہ وہ اہل علم [illegible] کیا تو دیکھتے نہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے اور اس کو پھیرتے رسول کی طرف [illegible] [illegible] تو جان لیتے اس کو [illegible] وہ لوگ [illegible] ہیں۔

[illegible] ہے جو لفظ [illegible] سے وہ [illegible] شامل ہے [illegible] کہ آپ [illegible] عصمت [illegible] کو [illegible] قرار دیجئے کہ [illegible]

اطاعت مامور بہا ہے یا عام مراد ہے کہ وجوب اطاعت بطور تقیہ ہو یا بلا تقیہ، یا خاص مراد ہے اگر عام مراد ہے تو پھر حضرات شیعہ کو اس کا فکر فرمانا چاہیئے کہ تمام سلاطین جابرہ حتیٰ کہ یزید بھی حسب اصول شیعہ واجب الاطاعت ہو کر اولوالامر میں داخل ہو گیا اور معصوم قرار پایا کیونکہ تمام امراء جو باعتبار تقیہ کے واجب الاطاعت ہیں، اور اگر خاص مراد ہے یعنی وہ خاص اطاعت جو بلا تقیہ ہو تو چشم ما روشن ہم بھی اطاعت خاص ہی کہتے ہیں یعنی وہ خاص اطاعت جس میں خدا اور رسولؐ کی معصیت نہ ہو تو اس صورت میں حضرات شیعہ نے بھی اطاعت میں ایک قید لگا کر اس کو مخصوص کیا اور ہم نے بھی ایک قید لگائی اور اطاعت کو خاص کیا، لیکن کوئی وجہ نہیں ہے کہ حضرات شیعہ نے جو قید لگائی ہے وہ تو صحیح ہو اور ہم نے جو قید لگائی وہ غلط ہو جائے بلکہ سیاق آیت ہماری ہی تخصیص کی صحت کو مثبت ہے تو مدعا شیعہ جو اثبات عصمت ائمہ ہے باطل ہوا سابقاً حضرات ائمہ نے حضرات شیعہ کے لئے اس آیت سے عصمت ائمہ پر استدلال کرنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔ لیکن یہ ان حضرات کی کمال دانش وعلم وحیا وشرم ہے کہ اس آیت سے عصمت ائمہ پر بمقابلہ اہل حق استدلال لاتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ عصمت ائمہ پر اس آیت سے صحت استدلال اس امر پر موقوف ومنحصر ہے کہ لفظ اولوالامر سے صرف ائمہ معصومین ہی مراد ہوں کیونکہ اگر یہ لفظ غیر معصومین کو بھی شامل ہو گا تو پھر اس کی دلالت ثبوت عصمت پر قطعاً باقی نہ رہے گی بلکہ اس وقت اس کا مدلول وہ ہی مدعا ہو گا جو کہ اہل حق اس آیت سے کہتے ہیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ جناب ائمہ رضی اللہ عنہم نے حسب نقل وروایت عمدۃ المحدثین شیعہ ابن بابویہ قمی الملقب بصدوق طائفہ وحسب تاویل وتصحیح خاتم المحدثین بل مجدد مذہب شیعہ علامہ باقر مجلسی نے تصریح فرما دی ہے کہ اولوالامر سے ملوک مراد ہیں اور جب ملوک مراد ہوئے تو وہ بھی معصوم ہوں گے کیونکہ عصمت اولوالامر پر یہ آیت نص ہے روایت سنیئے ابن بابویہ قمی نے خصال میں ورق ۵۳ پر نقل کی ہے اور اس سے علامہ مجلسی بحارالانوار کی جلد اول مطبوعہ سلطانی ۲۵۵ صفحہ پر نقل کرتے ہیں۔
روایت طویل ہے مختصر عرض کرتا ہوں۔

القطان عن احمد الہمدانی عن علی بن الحسن [illegible] عن ابیہ عن مروان بن مسلم عن الثمالی عن ابن طریف عن ابن نباتہ قال قال امیر المومنین کانت الحکماء فیما

جناب امیر المومنین نے فرمایا کہ گذشتہ زمانہ کے حکماء نے کہ

مضى من الدهر فقل ينبغي ان يكون الاختلاف الى الابواب بعشرة اوجه اولها بيت الله عزوجل لقضاء نسكه والقيام بحقه واداء فرضه والثاني ابواب الملوك الذين طاعتهم متصلة بطاعة الله عزوجل وحقهم واجب ونفعهم عظيم وضررهم شديد والثالث ابواب العلماء الذين يستفاد منهم علم الدين والدنيا الى اخر ما قال۔

ہے کہ دس قسم کے دروازوں پر آمد و رفت رکھنا مناسب ہے اول بیت اللہ پر آمد و رفت اس کی نسک ادا کرنے اور اس کے حق کے برپا رکھنے اور اس کے فرض کے بجا لانے کے لئے دوسرے ان بادشاہوں کے دروازہ جن کی فرمانبرداری خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور ان کا حق واجب ہے اور ان کا نفع بڑا ہے اور ان کا ضرر سخت ہے تیسرے علما کے دروازہ جن سے دین دنیا کا علم حاصل ہوتا ہے۔

علامہ مجلسی اس کی شرح کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

بیان یحتمل ان یکون المراد بالملوك ملوك الدين من الائمة وولاتهم ويحتمل الاعم فان طاعة ولاة الجور ايضا تقية من طاعة الله انتهى۔

بیان: احتمال ہے کہ بادشاہوں سے مراد دین کے بادشاہ ہوں جو ائمہ اور ان کے صوبے ہیں اور احتمال ہے کہ عام بادشاہ ہوں کیونکہ ظالم بادشاہوں کی فرمانبرداری بھی بطور تقیہ اللہ کی طاعت سے ہی واجب ہے

حدیث سے صاف روشن ہے کہ جن کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت کے متصل ہے جیسا کہ آیت اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر میں پائی جاتی ہے وہ ملوک ہیں اور بدیہی ہے کہ ملوک کا اطلاق ائمہ پر نہیں ہوتا بلکہ ان ہی امراء و سلاطین پر ہوتا ہے جن کو تسلط ظاہری حاصل ہو لیکن علامہ مجلسی نے اپنے حفظ مذہب کے لیے دو احتمال پیدا کئے اول یہ کہ ملوک سے مراد ملوک دین ہیں جو ائمہ اور ان کی ولاۃ کو شامل ہے دوسرا احتمال یہ کہ ملوک سے عام مراد ہو جو ملوک دین اور ملوک دنیا کو مشتمل ہو۔ بروئے احتمال اول قطع نظر اس سے کہ یہ اطلاق غلط اور خلاف عرف ہے شیعوں کے سراسر مخالف اور ہمارے مدعا کو مثبت ہے۔ کیونکہ جب علاوہ ائمہ کے ان کی ولاۃ و حکام کی اطاعت بھی خدا تعالیٰ کی اطاعت کے متصل ہوئی تو وہ بھی لفظ اولوالامر میں داخل ہوئی اور امت ان کی بھی اطاعت کے مثل خدا اور رسول و ائمہ کی مامور ہوئی تو اس سے لازم آیا کہ یہ بھی معصوم ہوں لیکن حضرات شیعہ کے نزدیک سوائے ائمہ کے اور کوئی دوسرا معصوم نہیں۔ تو اگر اس آیت سے عصمت اولوالامر پر استدلال فرماویں اور اس آیت سے عصمت اولوالامر تصحیح الثبوت

سمجھیں تو پھر سوائے ائمہ کی عصمت کے ولاۃ و حکام ائمہ کی عصمت بھی قبول فرماویں اور ان کو بھی معصوم اعتقاد کریں ورنہ ائمہ کی عصمت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اور بروئے احتمال ثانی علاوہ اس کے کہ یہ عموم و اطلاق بھی خلاف عرف ہے اور نیز الزام سابق اور اعتراض گذشتہ یہاں بھی وارد ہوتا ہے یہ حدیث تمام ملوک جائرہ بنی امیہ و عباسیہ بلکہ تمام ملوک کفار کی عصمت کو بھی مثبت ہوگی کیونکہ وہ بھی اولوالامر میں داخل ہوئی اور وہ بھی واجب الاطاعت حسب زعم شیعہ کے مثل خدا تعالیٰ کی ہوئی ولو تقیۃً۔ تو وہ بھی معصوم ہوئی چنانچہ وجہ سادس میں ہم اس کو بیان کر چکے ہیں لیکن امید ہے کہ حضرات شیعہ ان کو معصوم نہ فرمائیں گے تو پھر ائمہ کی عصمت کا بھی ثبوت اس آیت سے محال ہے۔ الحمد اللہ کہ جناب امیر کے ہی ارشاد سے بطلان دلیل شیعہ ثابت ہوا اور عدم عصمت ائمہ اس آیت سے واضح ہو کر فیصلہ ہوا۔ بعد اس کے ہم ارباب انصاف کو تکلیف دیتے ہیں ذرا متوجہ ہو کر ہمارے مجیب کی اس عبارت کا جو خاتمہ دلیل پر بطور دفع دخل مقدر اور حفظ ما تقدم کے تحریر فرمائی ہے مطلب فرمائیں تو سہی اور ہمارے مجیب کے دین و دیانت و عقل و فراست اس پر قیاس فرمائیں پہلے تو یہ دیکھیں کہ مابعد کی آیتوں سے کیا مراد ہو سکتا ہے جن کے لحاظ سے اہل سنت اس آیت میں توجیہات کرتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ یہ آیت لفظ تاویلا پر ختم ہو چکی اس کے مابعد کی آیتیں بلکہ تمام رکوع جو لفظ مابعد سے متبادر الی الفہم ہے وجوب اطاعت خدا اور رسول پر صراحۃً دال ہیں اور اس کے مؤکد ہیں۔ تو ان آیات کے لحاظ سے اہلسنت کوئی ایسی توجیہہ نہیں کرتے جس سے وجوب اطاعت خدا اور رسول میں فتور پڑے اور اگر اہلسنت بلحاظ مابعد کی آیات کے کوئی توجیہہ کریں تو کیا قباحت ہے تؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض میں کیوں داخل ہوں اور قاعدہ القرآن یفسر بعضہ بعضاً کو کیوں ترک کریں اور اگر مابعد کی آیتوں سے مراد جملہ شرطیہ متفرعہ ہے جو فان تنازعتم سے شروع ہوتا ہے اور تتمہ اسی آیت کا ہے تو قطع نظر اس سے کہ یہ اطلاق محاورہ میں کس درجہ غلط ہے اس کی بعینہ وہ نظیر ہے کہ کوئی ملحد بے دین ہوا پرست لا تقربوا الصلوٰۃ سے نماز کی ممانعت پر اور کلوا واشربوا سے وجوب مطلق اکل و شرب پر استدلال کرے اور کہے کہ اس میں جو توجیہات بلحاظ مابعد کے مخالفین کرتے ہیں ان کو لفظ لا تقربوا الصلوٰۃ اور کلوا واشربوا باطل کرتا ہے۔ سبحان اللہ علم و فہم ہو تو ایسا ہو انصاف ہو تو ایسا ہو۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ اور اگر مابعد سے مراد اور الفاظ ہیں جو بعد اس کے قرآن میں بعید واقع ہوتے ہیں۔ تو اول تو سیاق کلام اس پر دلالت نہیں کرتا پھر

جمعیت آیات صحیح نہیں علاوہ اس کے یہ کہنا کہ لفظ اطیعوا باطل کرتا ہے بالکل غلط ہے۔

قولہ: اور دلیل دوم کا بیان ادلہ امام رازی صاحب کے بیان میں ہوچکا، رہی شفاعت سو ائمہ بھی شفیع ہوں گے فاضل رشید ایضاح لطافۃ المقال میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے مناقب کے ذکر میں کتاب فصل الخطاب سے نقل کرتے ہیں: عن الرضاؑ انہ قال من شد رحلہ الی زیارتی استجیب دعائہ وغفرت لہ ذنوبہ ومن زارنی فی تلک البقعہ کان کمن زار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکتب لہ ثواب الف حجۃ مبرورۃ و الف عمرۃ مقبولۃ وکنت انا و ابائی شفعائہ یوم القیمۃ الخ یہ روایت اس پر نص ہے کہ حضرت امام رضا اور ان کے اباء طاہرین زائرین قبر اقدس امام کی شفاعت فرمائیں گے اور شفاعت حضرت شاہ صاحب کے افادہ سے عصمت کے لوازم سے ہے پس الحمد للہ ان کے ہی اعتراف سے عصمت ائمہ ثابت ہے۔

اثبات اشتراط عصمت ائمہ کی دوسری دلیل ماخوذہ تحفہ کا ابطال

اقول: اس دلیل کا جواب بھی بیان ادلہ امام کے جواب میں گذر چکا ہے لیکن شفاعت کی بابت جو مجیب لبیب روایت فصل الخطاب سے دھوکا کھا کر غلطیوں میں پڑے ہیں ان پر متنبہ کرنا ضرور ہے اس لئے مختصر گذارش ہے اول یہ روایت حسب قاعدہ حدیث ہی نہیں بعد اس کے صحت میں کلام ہے صاحب فصل الخطاب نے التزام صحت روایات نہیں کیا ہے جو اس کا وارد کرنا تصحیح روایت سمجھا جاوے چنانچہ بہت سی روایات ابن بابویہ قمی سے نقل کی ہیں جس سے بعض روایات سے ہمارے مجیب لبیب نے آئندہ ابحاث میں استدلال کیا ہے اور اس کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ بشرح وبسط اسی جگہ مذکور ہوگا اور ظاہر ہے کہ ابن بابویہ اہلسنت کی روایات میں سے نہیں ہے بلکہ خواجہ نصر اللہ نصر اللہ مثواہ صواقع میں اس کو زاملۃ الکذب سے تعبیر فرماتے ہیں، معہذا قاعدہ ہے کہ جو روایات ثواب اعمال میں مروی ہیں اور ان میں تھوڑے تھوڑے اعمال پر بڑے بڑے مثوبات موعود ہیں وہ اکثر ضعاف و موضوعات ہیں، خاتم المحدثین قدس سرہ العزیز عجالہ نافعہ حدیث میں قواعد کلیہ وضع کے بیان میں فرماتے ہیں: ہشتم افراط وعید شدید بر گناہ صغیر یا افراط در وعدہ عظیم بر فعل قلیل چنانچہ

من صلی رکعتین فیہ سبعون الف دار فی — جو دو رکعت پڑھے اس کے لئے ستر ہزار گھر

کل دار سبعون الف بیت وفی کل بیت سبعون الف سریر وعلی کل سریر سبعون الف جاریۃ۔ — اور ہر گھر میں ستر ہزار دالان اور ہر دالان میں ستر ہزار تخت اور ہر تخت پر ستر ہزار چھوکریاں۔

بلکہ احادیث این نسق را خواہ در ثواب باشند وخواہ در عذاب موضوع باید شناخت نہم آنکہ بر عمل قلیل ثواب حج وعمرہ ذکر نماید انتہی۔ باوجود اس کے یہ روایت حدیث لاتشد الرحال کے بھی معارض ہے پس قابل رد ہے لبفرض محال سلمنا کہ یہ حدیث صحیح سالم عن المعارضہ ہے لیکن تاہم ہمارے مجیب کا استدلال اس سے خطا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ شفاعت دو قسم ہے شفاعت عامہ ہے کہ تمام امت کی شفاعت ہو یہ خاصہ رسول کا ہے اور شفاعت صغریٰ شفاعت خاصہ ہے کہ خاص خاص لوگوں کی کیجاوے اور یہ شفاعت صغریٰ عوام صلحاء مومنین کو بھی حاصل ہوگی چنانچہ روایات کثیرہ اہل سنت وشیعہ کی کتابوں میں اس کی موید مروی ہیں اور یہ شفاعت جو اس روایت میں مروی ہوئی ہے وہ شفاعت خاصہ وصغریٰ ہے کیونکہ زائرین قبر اقدس کے ساتھ مختص ہے تو یہ مقتضی عصمت کو نہیں ہوسکتے قطع نظر اس سے یہ جو فرمایا کہ شفاعت شاہ صاحب کے افادہ سے عصمت کے لوازم سے ہے یہ بھی غلط ہے شاہ صاحب کے کلام سے ہرگز یہ افادہ نہیں کہ شفاعت عصمت کے لوازم میں سے ہے ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ شفاعت وعصمت دونوں نبی میں مجتمع ہیں اور نبی کے اوصاف لازمہ میں سے ہیں تو مستبعد نہیں لیکن ادعائے تلازم اور پھر شاہ صاحبؒ کے افادہ سے سراسر غلط ہے پس اگر اسی کا نام اعتراف عصمت ہے جیسا کہ آپ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو بے شک آپ میدان مناظرہ جیت چکے یہاں تو فارسی خوانی کا بھی حیلہ شاید کچھ پیش نہ جائے۔

قولہ: تیسری دلیل بھی بعینہ ائمہ علیہم السلام کی عصمت میں جاری ہے کیونکہ اگر ائمہ گناہ کرتے تو مثل سلاطین جابر کے ہوتے کہ اور آدمیوں کو رسوم فاسدہ اور ارتکاب فواحش پر زجر وسیاست کریں اور خود وہ امور عمل لائیں اور ضرور ہے کہ ائمہ وخلفاء راشدین کی روش ملوک جابرہ وسلاطین ظالم کی روش سے جدا ہو۔

اثبات اشتراط عصمت ائمہ کی تیسری دلیل ماخوذہ تحفہ کا ابطال

اقول: یہ دلیل بھی عصمت ائمہ میں مثل دلائل سابقہ بوجوہ سابقہ منقوض ہے۔ از نہد

تالحد سہوا وعمدا اس دلیل سے عصمت ثابت کیجئے تب مدعا ثابت ہوگا. افسوس کہ سوق دلیل کے وقت آپ اپنے مدعا کو بھول جاتے ہیں اتنا بھی خیال نہیں رہتا کہ مدعا کیا ہے اور ہم دلیل کیا بیان کر رہے ہیں علاوہ ازیں وہ ائمہ خیالی جو از عہد تا لحد عوام کے زی میں رہے اور تمام عمر بھی کبھی رائحہ حکومت کا نہیں سونگھا نہ امر و نہی کا اختیار رہا نہ زجر و سیاست کبھی کی ہمیشہ دوسروں کے محکوم و مطیع رہے ان کو ملوک سے کیا مناسبت اور سلاطین سے کیا نسبت پس اس دلیل سے ان کی عصمت پر استدلال لانا اور دلیل کے مضمون سے چشم پوشی و تغافل کرنا ہمارے مجیب جیسے منصف کا ہی کام ہے. ہاں اگر اس دلیل سے بانضمام ارشاد جناب امیرؓ کے جو نہج البلاغۃ میں منقول ہوا ہے۔ واللّٰہ[1] لا سلمن ما سلمت امور المسلمین خلفاء ثلثہؓ کی عصمت پر استدلال کیا جاوے اور شارح ابن میثم نے جو کچھ اپنی شرح کبیر میں اس کی شرح میں تحریر فرمایا ہے ملحوظ رکھا جاوے تو ہمارے منصف مزاج مجیب سے کچھ بعید نہیں کہ اس استدلال کو حق سمجھیں شارح ابن میثم فرماتے ہیں. و[2]فیہ اشارۃ الی ان غرضہ من المنافسۃ فی ھذا الامر ھو صلاح حال المسلمین و استقامۃ امورھم وسلامتھم عن الفتن وقد کان لھم من سلف من الخلفاء قبلہ استقامۃ وان کانت لا تبلغ عندہ کمال استقامتہا لو ولی ھو ھذا الامر فلذلک اقسم لیسلمن ذلک الامر ولا ینازع فیہ. عاقل جناب امیر کے ارشاد کو دیکھے بعد اس کے شارح کی عبارت میں غور فرما ہو تو تحقق امامت حقہ اور خلافت راشدہ کا اس سے بین معلوم ہوگا اور پہلے اس سے عنقریب گذشتہ اقوال میں حضرت کی ارشاد سے خلفاء کی اطاعت کی تسلیم گزارش کر چکا ہوں تو اس سے عصمت خلفاء بخوبی ہمارے مجیب مستنبط کر سکتے ہیں اگرچہ بخوف تطویل اس ارشاد میں ہم بسط کے ساتھ بحث نہیں کر سکتے لیکن تاہم اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس ارشاد سے وہ الزامات کہ جن سے شیعہ خلفاء ثلثہؓ کے دامن ہائے پاک کو ملوث کرتے ہیں وہ بشہادت جناب امیر باطل اور لغو ہیں نہ جناب سیدہ پر کوئی ظلم ہوا نہ معاذ اللہ بنات طیبات غصب ہوئیں نہ قرآن میں تحریف ہوا نہ صحابہ پر ظلم و زیادتی ہوئی یہ سب مضامین وزرارہ و ابو بصیر وغیرہ کے جامدان اور ابن بابویہ و مجلسی وغیرہ کے اذہان کا ذخیرہ ہے جو ہر موقع میں نیا

---

[1] اس کا ترجمہ سابق میں گزر چکا [2] اس کا ترجمہ سابق میں گزر چکا۔

رنگ پکڑتا ہے اور کسی طرح ٹھیک نہیں بیٹھتا خود جناب امیر کا کلام اس کا مکذب ہو رہا ہے۔

قولہ: اور وجہ چہارم کی تقریر یہ ہے کہ اگر امام گناہ کرے تو مستوجب ایذاء و اہانت و عقوبت ہو۔ وقد قال اللّٰہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُہْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا۔ اس آیت کے تحت میں نیشاپوری لکھتے ہیں۔ قیل نزلت فی اناس من المنافقین کانوا یوذون علیا کرم اللّٰہ وجہہ اور نیز احادیث سے ثابت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی ایذاء رسول خدا کی ایذاء ہے من اذا علیا فقد اذانی اور جب ایک امام میں یہ بات ثابت ہو تو کل میں ثابت ہوگی۔

اثبات اشتراط عصمت ائمہ کی چوتھی دلیل ماخوذہ تحفہ کا ابطال

اقول: یہ وجہ بھی ثبوت عصمت ائمہ میں غلط اور پوچ ہے اور نہ یہ دلیل وہ دلیل ہے جس کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عصمت انبیاء میں بیان فرمایا ہے بلکہ یہ صرف ہمارے مجیب لبیب کا ایجاد بندہ ہے شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ دلیل شاہ صاحب کا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ انبیاء کے حق میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ	جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول
لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ	کو خدا نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے
وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا۔	اور ان کے لئے خواری کا عذاب تیار کیا ہے۔

اس میں حق تعالیٰ نے رسول کے ایذاء کو اپنی ایذاء فرمایا اور مطلق ایذاء کو سبب لعن و عذاب کا قرار دیا۔ اور جب مطلق ایذاء سبب لعن و عذاب کے ہوئی تو اس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ ان سے معصیت کا صدور ممکن نہیں ورنہ وہ مستوجب ایذاء کے ہوتے اور ان کی مطلق ایذاء سبب لعن و عذاب کا نہ ہوتی اور یہ دلیل ائمہ میں بالمرہ مفقود ہے کیونکہ جو دلیل عصمت ائمہ میں جاری کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ مومنین کی شان میں فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ	اور جو لوگ ایذا دیتے ہیں ایمان والوں اور ایمان
بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُہْتَانًا	والیوں کو بدون کئے کام کے تو اٹھایا انھوں
وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا۔	نے جھوٹ کا بوجھ اور صریح گناہ۔

اول تو حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت میں عام مؤمنین اور مؤمنات کی نسبت یہ حکم فرمایا اور عموم جمع معرف باللام سے مستفاد ہے اور نیز حکم علی المشتق علیت ماخذ پر دلیل ہے۔ سو جس جگہ علت پائی جائے گی یہ حکم پایا جائے گا سلمنا کہ نزول خاص جناب امیر کی ہی نسبت ہو لیکن العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب قاعدہ مسلم فریقین ہے ورنہ اکثر قرآن ہی لغو ہو جائے گا کیونکہ اکثر آیات خاص مواقع اور خاص لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں اگر خوف تطویل نہ ہوتا تو ہم اس کو فریقین کی تفاسیر سے ثابت کرتے۔ افسوس کہ ہمارے مجیب کو اتنی بھی خبر نہیں۔ دوسری یہ کہ مومنین کے ایذاء کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنی ایذاء نہیں فرمایا جیسا کہ رسولؐ کے ایذاء کو اپنی ایذا فرمایا اور اس صورت میں ذکر جلال بطور توطیہ و تمہید کے واقع ہوا ہے تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جس طرح ایذاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایذاء خدا تعالیٰ ہے اس طرح ایذاء مومنین ایذاء خدا تعالیٰ نہیں پس اس میں مابہ الفرق اگر پیدا ہو گا تو یہ ہی ہو گا کہ رسولؐ معصوم ہے اس لئے اس کی ایذاء میں حق تعالیٰ نے اپنی ایذاء کو شامل فرمایا اور اس کی ایذاء کو اپنی ایذاء قرار دیا اور مومنین و مومنات معصوم نہیں تو ان کی ایذاء کے ساتھ اپنی ایذاء کو شامل نہ فرمایا بلکہ بغیر ما اکتسبوا کی قید کے ساتھ مقید فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے اکتساب ایسے افعال کا جن پر مستحق ایذاء کے ہوں ممکن ہے۔ تیسری یہ کہ اگر مومنین سے مراد ائمہ کو قرار دیا تو لفظ مومنات کو کہاں لے جا کر ڈالیں گے اور کس محل پر محمول کریں گے۔ چوتھی یہ کہ خدا تعالیٰ نے ایذاء مومنین کو بغیر ما اکتسبوا کے ساتھ مقید فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ناحق بدون پاداش کسی جرم کے مومنین و مومنات کو ایذاء دیتے ہیں وہ حمال اوزار بہتان اور آثام ہیں اور جو لوگ کہ کسی فعل کے بدلہ میں ایذاء دیتے ہیں وہ اس وعید سے خارج ہیں۔ تو اس سے مثل روز روشن واضح ہوا کہ مومنین و مومنات عموماً مصدر ایسے اعمال کے ہو سکتے ہیں جس کی پاداش میں مستوجب ایذاء کے ہوں بخلاف رسولؐ کے کہ حق تعالیٰ نے اس کی ایذاء کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں فرمایا بلکہ اس کو مطلقاً سبب لعن و عذاب کا قرار دیا جس سے صرف اس کی عصمت ثابت ہوتی ہے اور ائمہ کی عصمت ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ پانچویں یہ کہ جب نص قرآنی سے ثابت ہو گیا کہ مطلق ایذاء مومنین محرم نہیں تو یہ جو حدیث میں وارد ہوا کہ من اذا علیا فقد آذانی نہ ہم کو کچھ مضر ہے اور نہ ہمارے مجیب کے مفید مدعا کیونکہ یہ ایذاء جناب امیر جس کو اپنی ایذاء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہی ایذاء ہے جو بغیر ما اکتسبوا ہو نہ مطلق ایذاء۔ معہذا اگر ہمارے

مجیب لبیب ایسی ہی مطلق ایذاء جناب امیر کو ایذاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں اور رسولؐ کی ایذاء خدا کی ایذاء ہے اور خدا کی ایذاء کفر ہے تو پھر ان کلمات موذیہ کی نسبت جن کا جناب سیدہؓ کی زبان مبارک سے نکلنا نسبت جناب امیرؓ کی علماء طائفہ شیعہ بیان فرماتے ہیں کیا فرمائیں گے۔ مانند جنین پردہ نشین شدہ۔ الخ ظاہر ہے کہ ایسے کلمات ناسزا اگر بما اکتسبوا ہیں تو عصمت سنبھالیے اور اگر بغیر ما اکتسبوا ہیں تو حسب روایت خود جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کے ایمان سے معاذ اللہ ہاتھ دھو لیجیے کیونکہ ایسے کلمات جگر خراش ممکن نہیں کہ باعث کوفت قلب و سوزش دل نہ ہوں، علی الخصوص بے وجہ ناحق اور ایسی ضیق کی حالت میں چنانچہ روایت خصال ابن بابویہ سے جو ایک یہودی کے جواب میں جناب امیرؓ نے اپنی مواضع ابتلا ذکر فرمائی ظاہر ہے اور نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حسب روایت سامی جب کہ بصرہ کے بیت المال کا مال غبن کر کے مکہ آ بیٹھے۔ یہ بھی جناب کے ایذاء کا باعث ہے، چنانچہ جیسا کچھ درد انگیز خط آپ نے ان کو لکھا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، ہم سابق میں نہج البلاغۃ سے اس کی نقل کر آئے ہیں خود حضرت عباسؓ نے بھی جب کہ ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عمرؓ سے بجبر خلاف رضا جناب امیرؓ بطمع نفسانی کیا کیسی کچھ جناب کو ایذاء پہنچائی۔ عقیلؓ صاف امیر معاویہ سے جا ملے یہ بھی آپ کی ایذاء کا باعث تھا صحابہ مقبولینؓ نے سوائے مقداد کے آپ کو مخذول کیا اور تحلیق راس وغیرہ میں اطاعت نہ کی یہ بھی آپ کی ایذاء کا سبب تھا۔ امام حسینؓ نے بیت المال کے عسل میں بلا اجازت تصرف فرمایا جس سے آپ یہاں تک ناخوش ہوئے کہ ریحان رسول کے جس کو آپؐ دوش مبارک پر سوار کرتے تھے مارنے کا قصد کیا۔ اور ظاہر ہے یہ ہر ایک کا فعل دوسرے کے سخت ایذاء کا باعث ہوا۔ امام حسنؓ نے خلافت امیر معاویہ کے سپرد فرمائی۔ یہ بھی آپ کے ایذاء کا سبب تھا۔ اگر آپ بقید حیات ہوتے تو قطعاً متاذی ہوتے۔ قطع نظر اس سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ایذاء کا سبب ہوا یہاں تک کہ آپ نے اس کو اپنی ناک مبارک کے کٹنے سے بدتر سمجھا محمد بن الحنفیہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہمراہی و اعانت سے تاخر و تقاعد کیا یہ کس قدر آپ کے ایذاء کا باعث ہو گا بعد اس کے امام سجاد سے امامت کی بابت تنازع کیا یہاں تک کہ نوبت حجر الاسود کی حکومت کی پہنچی یہ بھی یقیناً جناب امام سجاد کی ایذاء کا باعث ہے کہاں تک عرض کروں یہ آپ کا قاعدہ انشاء اللہ تعالیٰ کسی کے ایمان کو بھی سلامت باقی نہیں چھوڑے گا۔ اگر آپ اس کے علی العموم والاطلاق قائل ہیں تو ان بزرگواروں کے ایمانوں کا فکر فرمائیے۔ چھٹی اگر یک امام میں عصمت

ثابت ہوئی تو پھر کل اماموں میں اس کا ثبوت یا بطریق قیاس ہوگا۔ اور وہ باب اعتقادات میں مفید نہیں یا کسی دوسرے طریق سے ہوگا اس کو بیان کرنا چاہیئے کہ وہ کیا ہے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ شرعاً باب اعتقادات میں کار آمد ہو سکتا ہے یا نہیں۔ غرضیکہ اہل انصاف روزگار اس دلیل کو دیکھ کر ہمارے مجیب کے فہم و انصاف کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہم اس سے زیادہ کیا عرض کریں۔

قولہ: وجہ پنجم کا بیان ظاہر ہے کہ اگر ائمہ کے گناہ امت پر ظاہر ہوں تو اطاعت سے استنکاف کریں اور اُن کی نظروں سے گر جائیں اور ان کے احکام وغیرہ کی تصدیق و تعمیل نہ کریں بلکہ تکذیب کریں کہ اگر یہ مواعید وغیرہ کے بیان میں سچے ہوتے تو خود کیوں ان کاموں کے مرتکب ہوتے۔

اثبات اشتراط عصمت ائمہ کی پانچویں دلیل ماخوذہ تحفہ کا ابطال

اقول: عصمت ائمہ میں اس کا ذکر ہنسی کے قابل ہے اہل انصاف سمجھ گئے ہوں گے کہ عصمت ائمہ میں اس کا بیان مصداق اس شعر کا ہے بیت۔

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا

بداہۃً اس دلیل کا مبنیٰ اس امر پر ہے کہ ائمہ بالاستقلال مبلغ شریعت ہیں پس اگر ہے تو یہ مسئلہ علماء شیعہ کے مسلمات سے ہے کہ تمام امور شریعت کے مثلاً تحلیل و تحریم وغیرہ سب ائمہ کو سپرد کر رکھے ہیں۔ اہل حق ہرگز اس کو تسلیم نہیں کرتے وہ انبیاء کو انبیاء سمجھتے ہیں اور ائمہ کو ائمہ۔ اصل کو اصل اور تابع کو تابع پھر اپنے مسلمات سے خصم کو الزام دینا ہمارے مجیب جیسے عاقل و انصاف پرست کا ہی کام ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام حیات میں دین تکمیل ہو چکا ہے اور الیوم اکملت لکم دینکم نزول اجلال پا چکا تھا اور امام صرف مروج شرع ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ امت کو شریعت مکملہ پر چلا وے تو وہ اگر مرتکب معصیت ہو تو اس کی اطاعت سے استنکاف کے کچھ معنی نہیں ہیں اور نہ ان کے احکام جو مطابق شرع ہوں عدم تصدیق و تعمیل کی کوئی صورت ہے اور جو احکام کہ شرع کے موافق نہ ہوں وہ خود بنص واجب الاطاعت نہیں تو امام کی اطاعت میں من حیث انہ متبع الشرع ہے نہ بحیثیت متبع تو لزوم ان امور کا مطلق نہ ہوگا۔ معہذا حق تعالیٰ شانہ نے ... کی طاعت کے

بیان میں صاف ارشاد فرمادیا۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی امر میں امت و اولوالامر باہم تنازع کریں اس کو کتاب و سنت کی طرف لوٹا دیں اگر موافق ہو قبول کریں ورنہ رد کریں تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کچھ ضرور نہیں کہ امام کا قول و فعل موافق شرع ہی ہو اور یہ ہی عدم عصمت ہے پس جب کہ امت کے ہاتھ میں میزان مستقیم شرع موجود ہے تو ان کو امام کے غیر معصوم ہونے سے کیا ڈر۔ اور کسی حکم میں امام کی تصدیق کرنے سے کیا خوف بخلاف نبی کے کہ اگر اس سے استنکاف کریں اور اس کی تصدیق نہ کریں بلکہ تکذیب کریں۔ تو دین و شریعت ہی درہم و برہم ہو جائے پس اس دلیل سے عصمت ائمہ میں استدلال کرنا ایک تعجب انگیز قصہ ہے۔ علاوہ اس بحث کے باقی نقوض و اعتراضات جو اس استدلال پر وارد ہوتے ہیں۔ وہ ان اعتراضات سے جو ہم دلائل سابقہ کے ابطال میں بیان کر آئے ہیں معلوم ہو سکتے ہیں بخوف طوالت ہم ان کو ترک کرتے ہیں۔

شاہ عبد العزیزؒ کے معاملہ میں شیعہ کی مغالطہ انگیزی کا جواب

قولہ: الحمد للہ کہ آپ کے خاتم المحدثین کی ہی تقریر سے عصمت ائمہ ثابت ہے شاید اب تو آپ بھی مان لیں۔

اقول: پیارے مجیب یہ آپ کا محض زعم و توہم ہے۔ جو بمقتضا حبک الشئ یعمی و یصم۔ آپ کا سدراہ تحقیق ہے ورنہ فی الحقیقت جو امر کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو بلکہ عقل و نقل کے خلاف ہو اس کا ثبوت خاتم المحدثینؒ کی تقریر سے ہرگز نہیں ہو سکتا ہے میں امید کرتا ہوں کہ اگر آپ بنظر انصاف و تحقیق حق اس مسئلہ میں غور فرمائیں گے تو آپ کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ واقعی یہ امر خلاف عقل و نقل ہے بلکہ آپ کی روایات مذہب کے بھی مخالف ہے۔ علامہ مجلسی نے جلد اول بحار الانوار کے باب کتمان العلم میں چند روایات تخریج فرمائی ہیں جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ اُولٰٓىِٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ کا مصداق ائمہ علیہم السلام ہیں۔

عن حمران عن ابی جعفر علیہ السلام فی قول الله اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ	امام ابوجعفرؓ سے تفسیر قولہ تعالیٰ (جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ کہ اتارا ہم نے دلائل و ہدایت سے

الْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتَابِ یعنی بذلك نحن والله المستعان۔

بعد اس کے کہ بیان کر دیا ہم نے اس کو لوگوں کے لئے کتاب میں) میں مروی ہے کہ اس سے ہم مراد ہیں اور اللہ سے مدد چاہتے ہیں،

عَنْ ابن ابی عمیر عمن ذکرہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی فی علی علیہ السلام۔

امام ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ آیت ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والہدے حضرت علی کے باب میں نازل ہے۔

عَنْ عبد اللہ بن بکیر عمن حدثہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ قال نحن هم وقد قالوا هو ام الارض عن بعض اصحابنا۔

امام ابو عبد اللہ سے تفسیر قولہ تعالےٰ اولئك یلعنہم اللہ ویلعنہم اللاعنون میں مروی ہے فرمایا وہ ہم ہیں۔ اور کہا ہے کہ حشرات الارض ہیں۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ اخبرنی عن قولہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتَابِ قال نحن نعنی بها والله المستعان ان الرجل منا اذا صارت الیہ لم یکن لہ او لم یسعہ الا ان یبین للناس من یکون بعدہ و روا محمد بن مسلم قال هم اهل الکتاب۔

امام ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے راوی نے آپ سے سوال کیا مجھ کو خبر دیجئے ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والہدے من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب۔ سے فرمایا اس سے ہم مراد ہیں اور اللہ سے مدد مطلوب ہے۔

ان روایات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ ائمہ اللہ تعالیٰ کے دین کے چھپانے والے اور معاذ اللہ توبہ توبہ ہیں کیونکہ اس کفر کو نقل کردن خدا کے اور لعنت کرنے والوں کے ملعون ہیں۔ پہلی اور دوسری روایت سے بخوبی یہ مدعا ثابت ہے چوتھی روایت اس مدعا کے اثبات کے لئے بہت بڑی قوی دلیل ہے تو جب حضرات شیعہ نے بمقتضائے کمال ولا و تمسک ان کے دشمنوں کو اللہ کی آیتیں چھپانے والے اور ملعون ٹھہرایا تو ان کے غیر معصوم ہونے کی بی

ثابت نہیں کیا بلکہ کفار سے بھی بُرائی میں بڑھا دیا۔ حضرت علامہ باقر مجلسی نے اس صریح کفر کو اس طرح چھپانا چاہا ہے کہ وہ صرف تیسری روایت کی تفسیر میں جو عبد اللہ بن بکیر سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

بیان ضمیر هم راجع الی اللاعنین۔ بیان ضمیر ہم لفظ لاعنین کی طرف پھرتے ہیں۔

بھلا کوئی عاقل متدین علامہ کی اس پوچ توجیہ سے اس کفر صریح کو جو ان روایات سے مثل آفتاب روشن ہے پوشیدہ سمجھ سکتا ہے۔ اگرچہ ہم کو علامہ کی اس تاویل بلکہ تحریف کے ابطال کی کچھ ضرورت نہ تھی کیونکہ اہل فہم و انصاف سیاق عبارات سے خود سمجھ سکتے ہیں لیکن بنظر تسکین خاطر مجیب لبیب کے ہم مختصر بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ پہلی اور دوسری روایت میں جس قدر آیت لکھ کر فرمایا ہے کہ اس سے ہم مراد ہیں۔ ان میں لاعنین کا ہرگز ذکر نہیں کیا بلکہ اس میں صرف کاتمین کا ہی ذکر ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کاتمین ہیں نہ لاعنین۔ علاوہ ازیں لفظ واللہ المستعان فرمانا خود اس کے ثبوت کی دلیل ہے کہ آپ کاتمین ہیں کیونکہ اس کا اطلاق مشقت اور تکلیف کے وقت ہوتا ہے چنانچہ واللہ المستعان علی ما تصفون۔ چوتھی روایت اس کے ثبوت میں نص صریح ہے کیونکہ اس سے صاف ثابت ہے کہ یا مراد ائمہ ہیں یا اہل کتاب اور ظاہر ہے کہ لاعنین میں یہ دونوں احتمال جاری نہیں ہو سکتے کیونکہ اہل کتاب لاعنین نہیں۔ ہاں ان میں بعض کاتمین حق ہیں جو ملعونین ہیں نہ لاعنین تو یہ دونوں احتمال کہ مراد یا ائمہ ہوں یا اہل کتاب اسی صورت میں صحیح ہو جب کہ ضمیر ہم کی راجع لفظ الذین یکتمون یا اولئك کی طرف ہو قطع نظر اس سے اس روایت میں حضرت امام نے بعد اس بیان کے کہ اس سے ہم مراد ہیں اس کی تائید میں یہ بھی فرمایا کہ ہر امام سابق پر واجب ہے کہ وہ خلافت خلیفہ لاحق پر نص فرما دے اور اس کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ نص نہ کرے اور اس کو چھپا دے تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ مقصود اس آیت سے بیان تہدید ائمہ ہے۔ لیکن اس میں کوئی ایسا لفظ جو عدم وقوع کتمان یا وقوع کے محتمل ہونے پر دلالت کرے وارد نہیں بلکہ یہ کلام صریح وقوع کتمان پر دال ہے چنانچہ اہل کتاب اسی وجہ سے اس کے مصداق ہیں تو اس سے معاذ اللہ ائمہ کے دشمنوں کا بروایات حضرات شیعہ کاتمین حق ہونا ثابت ہوا اور علامہ مجلسی کو یہ دھوکا شاید تیسری روایت سے پڑ گیا ہوگا کہ اس میں وقد قالوا ہوام الارض مذکور ہے تو اس کے تقابل سے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ تفسیر لاعنون کی ہے نہ کاتمین کی مگر یہ اس وقت ہے کہ جب کہ یہ مقولہ ائمہ کا تسلیم ہو اور اگر اس کو مانع منع

کرے اور کہے کہ یہ جملہ بعض روایت شیعہ کا اپنی ناموس مذہب کی حفاظت کے لئے تراشا ہوا ہے نو اس وقت علامہ کا یہ توہم بھی باطل ہو گا۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ علامہ مجلسی کو خود بھی اس جملہ کی نسبت یقین نہیں کہ یہ جملہ ائمہ کا مقولہ ہے بلکہ علامہ کے نزدیک احتمال ہے کہ یہ جملہ ائمہ کا ارشاد ہو اور احتمال ہے کہ مولف کے جس سے علامہ نے نقل کی ہے کلام ہو اور احتمال ہے کہ بعض رواۃ کا اضافہ ہو پھر جب اس قدر احتمالات قائم ہیں تو استدلال نہیں ہو سکتا ہے علامہ مجلسی فرماتا ہے۔

قولہ وقد قالوا اما کلامہ علیہ السلام فضمیر الجمع راجع الی العامۃ او کلام المولف او الرواۃ فیحتمل ارجاعہ الی اھل البیت علیھم السلام ایضاً

وقد قالوا اگر امام علیہ السلام کا کلام ہے تو اس صورت میں جمع کی ضمیر عامہ (اہل سنت وغیرہ) کی طرف پھرے گی یا یہ کلام مؤلف کتاب (مفسر عیاشی) کا ہے یا دوسرے راویوں کا کلام ہے تو اس صورت میں احتمال یہ بھی ہے کہ ضمیر اہل بیت کی طرف راجع ہو۔

اچھا بفرض محال سلمنا کہ ضمیر ہم لاعنین کی طرف ہی راجع ہے اور حضرات ائمہ ہی بقول حضرات شیعہ کے لاعنین ہیں لیکن ہم کہتے ہیں یہ بھی برائی سے خالی نہیں کیونکہ جناب امیر نے اپنے شیعہ کے سباب اور لعان ہونے کو مکروہ اور ناپسند فرمایا ہے تو جو امر ادنیٰ امت کے لئے ناپسندیدہ ہو ائمہ کی جناب میں کیونکر نسبت کیا جا سکتا ہے۔

ومن کلام لہ وقد سمع قوماً یسبون اھل الشام ایام حربھم بصفین انی اکرہ لکم ان تکونوا سبابین۔

آپکا کلام جبکہ آپ نے ایک گروہ کو سنا کہ اہل شام کو سب کرتے ہیں اور برا کہتے ہیں جنگ صفین کے ایام میں میں تمہارے لئے مکروہ اور ناپسند سمجھتا ہوں کہ تم سباب (برا کہنے والے) ہو۔

تعجب ہے اپنے شیعہ کے لئے تو لعان و سباب ہونا ناپسند فرمائیں اور خود اس قدر لعان ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کو اس وصف سے ذکر فرما دے یہ صرف حضرات مدعیان ولاء و تمسک کی زبانی ولاء کا مقتضا نہیں تو اور کیا ہے۔

بحث نص

قولہ: اب نص کا بیان سنیئے کہ آپ نے بہ تقلید اپنے خاتم المحدثین کی ان شرائط کی نسبت فرمایا ہے کہ باوجودیکہ دلائل شرعی سے ثابت نہیں مستنبط ردور ہیں۔ مگر نص کا وجوب

اقوال صحابہ و علماء کرام اہلسنت سے ثابت ہے صحیح مسلم کی کتاب الامارت میں باب الاستخلاف ملاحظہ فرمائیے کہ جناب ابن عمر ترک استخلاف کو ضیاع و فساد مردم کا سبب جانتے تھے چنانچہ اپنے اس عقیدہ میں ایسے راسخ تھے کہ جب سنا کہ ان کے پدر بزرگوار بدون استخلاف دنیا سے انتقال فرمانا چاہتے ہیں تو نہایت ہی تدین و تورع سے اپنے باپ اور امام وقت کو نصیحت فرمائی بخوف طوالت نقل عبارت نہیں کرتے آپ دیکھ لیں کہ وہ استخلاف کو نہایت ہی ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے ترک کو عین تضیع و افساد مردم جانتے تھے اور اس کے تارک کو اس راعی سے مشابہت دی ہے کہ شتر و غنم کو مہمل چھوڑ کر کہیں چلا جاتے غور فرمائیے کہ آپ کے خاتم المحدثین جو اس عقیدہ کو مخالف عقل و نقل فرماتے ہیں کیا حضرت ابن عمر کی شان میں بھی ایسا ہی فرمائیں گے یا خاتم المحدثین صاحب نے صحیح مسلم ملاحظہ نہیں فرمائی تھی۔

شیعہ سنی نزاع پر مسئلہ عصمت ائمہ کی دلیل

اقول: بحول اللہ و قوتہ جب کہ ہم دلائل عصمت کا ابطال و استیصال کر چکے تو ہم کو کچھ ضرورت نہ تھی کہ ہم ابطال دلائل نص و افضلیت میں اپنا وقت گراں بہا ضائع کریں کیونکہ جب عصمت ہی باطل ہو گئی تو تمام امامت ہی اصولاً و فروعاً باطل ہو گئی تو پھر اشتراط افضلیت و نص باطلہ کے ابطال کی کچھ حاجت نہ رہی لیکن ناظرین مناظرہ کے رفع خلجان اور اپنے مجیب لبیب کے مزید اطمینان کے لئے ہم اس طرف بھی متوجہ ہوتے ہیں اور مختصر اگذارش کرتے ہیں چونکہ ہمارے مجیب کی عادت ہے کہ استدلال کے وقت اپنے دعوے کو بھلا دیتے ہیں مدعا کچھ ہوتا ہے اور دلائل کچھ لاتے ہیں اس لئے مناسب ہے کہ ما بہ النزاع مسئلہ مجملاً بیان کریں اور ناظرین اوراق اور اپنے مجیب کو یاد دلائیں کہ آپ کا یہ دعویٰ ہے اگر دلائل اس کے مطابق ہوتے تو البتہ قابل التفات ہوں گے ورنہ لائق توجہ بھی نہیں سمجھے جائیں گے پس واضح ہو کہ اس جگہ ما بہ النزاع اہل سنت و شیعہ میں مسئلہ اشتراط نص و افضلیت ہے شیعہ معتقد ہیں کہ امام کے لئے نص و افضلیت مثل عصمت کے شرط ہے اگر نص و افضلیت نہ ہو تو امامت باطل ہے اور اہل سنت کہتے ہیں کہ جیسے امام کے واسطے عصمت شرط نہیں اسی طرح نص و افضلیت بھی شرط نہیں ہے۔ عصمت سوائے انبیاء کے کسی بشر میں نہیں پائی جاتی نص و افضلیت کا تحقق ہو سکتا ہے لیکن اگر ان کا تحقق نہ ہو تو بھی امامت متحقق ہو

سکتی ہے ہمارے مجیب اس جگہ اس امر کے اثبات کے درپے ہیں کہ اشتراط نص کو ثابت فرمائیں اور اس کے اثبات کے لیے سو چونکہ مسئلہ اعتقادی ہے دلائل قطعیہ بہم پہنچائیں تو بس خلاصہ دعویٰ مجیب لبیب یہ ہے کہ امامت کے لیے شرعاً نص جلی خداوند تعالیٰ کی طرف سے شرط ہے اگر نص نہ پائی جائے گی تو امامت و خلافت منعقد نہ ہو گی پس مدعا کو اپنے حافظہ میں محفوظ رکھ کر ہماری گذارش سُنیں کہ جب یہ مسئلہ آپ کے نزدیک اصول بلکہ اصل اصول دین میں سے ہے تو اول واجب تھا کہ اس کے اثبات کے واسطے دلائل قطعیہ پیش کرتے۔ اس مقام میں جس قدر آپ نے دلائل ذکر فرمائے ہیں اگر ان کی غلطیوں اور مفاسد سے جو مسئلہ متنازعہ فیہا میں جاری کرنے سے لازم آتی ہے چشم پوشی کی جاوے اور بفرض محال ان کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تاہم آپ کے مدعا کی ثبت نہیں ہو سکتی۔ پہلا قطعی مدعا دلائل ظنیہ سے کیونکر ثابت ہو سکتا ہے معہذا قطع نظر اس سے کہ آپ کا مدعا قطعی ہو یا ظنی اس قدر تو ضرور ہے کہ دلیل اس امر کو ثابت کرے کہ درصورت عدم تحقق نص کے عدم تحقق امامت ہو گا۔ اب آپ فرمائیے کہ آپ کی کونسی دلیل سے بدلالت مطابقی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اگر نص نہ ہو تو امامت متحقق نہ ہو گی۔

اثبات اشتراط نص کی پہلی دلیل کا ابطال

اب میں تفصیلی طور پر دلیل دلیل پر بحث کرتا ہوں بغور و انصاف سنیئے۔ دلیل اول صحیح مسلم کی کتاب الامارۃ سے جو ابن عمرؓ کے قول کا ماحصل نقل کر کے اس سے اس مدعا پر استدلال کیا ہے بالکل غیر مفید مدعا ہے اور غلط۔ کیونکہ ابن عمرؓ کے قول سے آپ کا مدعا اس وقت ثابت ہو گا جب کہ آپ یہ ثابت فرمائیں گے کہ جو خلافت و امامت بلا نص و استخلاف واقع ہوئی وہ ان کے نزدیک باطل ہے اور ظاہر ہے کہ خلافت ثالثہ اور خلافت رابعہ ابن عمرؓ کے نزدیک بلا نص واقع ہوئی بلکہ اُولیٰ کی بھی ابن عمرؓ کے نزدیک یہ ہی کیفیت ہے کیونکہ جناب خلیفہ ثانی کے اس قول کے جواب میں کہ ان لم استخلف فرمایا۔ اور رد نہیں کیا اور ثانیہ فرع اولیٰ کے ہے تو مدعا مجیب لبیب اس وقت ثابت ہو جب کہ ابن عمرؓ کے قول سے بطلان خلافتہائے اربعہ بسبب عدم ورود نص کے ثابت ہو جاوے اور یہ محال ہے۔ پس اس روایت سے استدلال کرنا اس پر مبنی ہے کہ ہمارے مجیب لبیب اپنے مدعا سے متغافل ہیں۔ ابن عمرؓ کے اس قول سے اگر بفرض محال وجوب نص ثابت ہو بھی تاہم مستلزم اشتراط نہیں کہ مفید مدعا ہو آپ نے دیکھا ہو گا کہ امام نوویؒ نے

اس حدیث کی شرح میں عدم وجوب نص پر اجماع لکھا ہے تو ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نص کو اولیٰ و مستحسن سمجھتے ہوں۔ لیکن علماء اسلام مستحبات کو بھی عمل میں مثل واجب کے سمجھتے ہیں اور نیز قاعدہ ہے کہ ہر شخص اپنے مدعا کو حتی الوسع مدلل و مبرہن بیان کیا کرتا ہے تو اس لئے انھوں نے اس کو اس مدلل پیرایہ میں ظاہر فرمایا۔ لیکن جب جواب سُن لیا تو چونکہ امر ضروری نہ تھا اس لئے سکوت فرمایا اور مکرر اس باب میں لب کشائی نہ ہوئی کیونکہ جو دلیل حضرت عمرؓ نے ذکر فرمائی وہ بداہتہ اس امر پر دال ہے کہ استخلاف و عدم استخلاف ہر دو جائز ہیں واجب نہیں اور نیز یہ ہی ممکن ہے کہ ابتداء میں دفعۃً حضرت ابن عمرؓ کے ذہن میں لزوم نص آیا ہو لیکن جب کہ حضرت امیر المومنین فاروق رضی اللہ عنہ کی زبانی دلائل قاطعہ سے عدم لزوم معلوم ہو گیا تو اپنے قول سے رجوع فرمایا۔ معہذا جب کہ خلیفہ ثانی نے ان کے جواب میں عدم وجوب نص بیان فرمایا اور صحابہؓ میں سے کسی نے اس کا رد و انکار نہیں فرمایا تو اجماع سکوتی ہو گیا۔ پس خاتمہ دلیل پر جو کچھ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ہمارے مجیب نے تحریر کیا وہ کمال وقاحت کی دلیل ہے مدعا کو دلیل سے ثبوت کی بو بھی نہیں پہنچی اور زبان درازی شروع کر دی۔ حضرت ابن عمرؓ کا عقیدہ اشتراط نص کا جو مستلزم عدم انعقاد خلافت غیر منصوصہ کو ہی پہلے ثابت فرمایا ہوتا اور اس کے بعد کچھ کہا ہوتا لیکن جب دیدہ بصیرت کحل فہم و انصاف سے خالی ہو تو بجز سکوت کے کیا جواب دیا جاوے۔

قولہ، جناب ابن عمرؓ ہی پر منحصر نہیں ہے اور صحابہ کا بھی یہ ہی اعتقاد تھا۔ چنانچہ خواجہ کابلی صواقع میں جس کا ترجمہ آپ کے خاتم المحدثین نے فرما کر اور تھوڑا سا تغیر و تبدل کر کے تحفہ لکھا ہے۔ ذیل قول جناب امیر علیہ السلام بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر الخ مطلب ثانی مقصد رابع امامت میں فرماتے ہیں وذهب بعضهم الی ان الامام یجب ان یکون منصوصا علیه نصا جلیا او خفیا والیه ذهب عبد الله بن مسعود و ابو الدرداء و حذیفة ابن الیمان و انس بن مالک و ابو هریرة و غیرهم وجم غفیر من المحدثین وشرذمة من الاصولیین و طائفة من المتکلمین وجماعة من الفقهاء انتهی حیرت و تعجب ہے کہ آپ کے خاتم المحدثین نے باوجودیکہ اس کتاب کے اکثر بلکہ کل مضامین ترجمہ کئے ہیں اس مقام کو ملاحظہ نہ فرمایا ورنہ اس جرأت سے اس عقیدہ کی نسبت نہ فرماتے کہ یہ عقیدہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔

اثبات اشتراط نص کی دوسری دلیل کا ابطال

اقول: یہ دلیل بھی زبان حال سے چلا کر کہہ رہی ہے کہ ہمارے مجیب کو اپنے مدعا کی خبر نہیں رہی اور نیز اس دلیل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے مجیب نے یا ہمارے مجیب کے اس بزرگ نے جس سے وہ اس کو نقل فرماتے ہیں نقل عبارت صواقع میں کمال دیانت فرمائی ہے اور جو جملہ کہ اپنے مذہب کے مخالف اور اس عبارت کے مابعد بہت ہی قریب مذکور ہے اور گویا تتمہ اس عبارت کا ہے اس کو حذف کر دیا سمجھا ہوگا کہ صواقع عزیز الوجود کتاب ہے کہاں دستیاب ہوتی ہے جو کوئی معائنہ کر کے غلطی نکالے گا۔ لیکن خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے اس عاجز کو یہ کتاب بلا دقت میسر ہو گئی اس لئے اصل کتاب سے پوری عبارت اہل انصاف کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اہل انصاف ملاحظہ فرماویں اور یہ بھی دیکھیں کہ ہمارے مجیب لبیب کے مدعا سے اس دلیل کو کچھ تعلق ہے یا نہیں۔

ذهب بعضهم الى ان الامام يجب ان يكون منصوصا عليه نصا جليا او خفيا واليه ذهب عبد الله بن مسعود و ابي الدرداء وحذيفة بن اليمان وانس بن مالك وابي هريرة وغيرهم وجم غفير من المحدثين وشرذمة من الاصوليين و طائفة من المتكلمين وجماعة من الفقهاء وتمسكوا بالاحاديث الواردة في خلافة الخلفاء الاربعة واختلفوا في النص والجمهور على انه جلي وجمع على انه خفي واليه ذهب الحسن البصري واتفقوا على انها تثبت بالاجماع ان لم يتعين الافضل ولم يوجد النص انتهى۔

بعض اس طرف گئے ہیں کہ امام کا منصوص ہونا خواہ نص جلی ہو یا خفی واجب ہے اور اسی طرف گئے ہیں عبد اللہ بن مسعود اور ابو درداء اور حذیفہ بن الیمان اور انس بن مالک اور ابو ہریرہ اور محدثین کی ایک بڑی جماعت اور اصولیین کا ایک گروہ اور متکلمین میں کا ایک فرقہ اور فقہا میں سے ایک جماعت اور ان احادیث سے دلیل پکڑی ہے جو خلفاء اربعہ کی خلافت کے بارہ میں واقع ہوئی ہیں اور نص کے باب میں اختلاف ہے جمہور اس پر ہیں کہ نص جلی ہے اور ایک جماعت اس پر ہے کہ وہ نص خفی ہے حسن بصریؒ اسی طرف گئے ہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ اگر افضل متعین نہ ہو اور نص نہ پائی جاوے تو خلافت اجماع کے ساتھ منعقد ہو جاتی ہے۔

اس عبارت کے آخر کا جملہ واتفقوا سے جو بداہۃً مدعا کی نقیض کو ثابت کر رہا تھا ترک فرمایا

تاکہ استدلال بوجہ اتم راست ہو پس اگر یہ نقل میں خیانت نہیں تو کیا ہے، لیکن اگر اس جملہ سے قطع نظر کی جاوے تاہم یہ عبارت ہمارے مجیب کے ثبوت مدعا میں کچھ فائدہ بخش نہیں ہے کیونکہ نص عام ہے جلی ہو یا خفی اور آپ کا دعویٰ اثبات نص جلی کا ہے تو اس صورت میں آپ کا دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام ہے اور دلیل عام سے خاص مدعا کا ثبوت ناممکن ہے اور اگر بغور و تامل دیکھا جاوے تو دلیل و مدعا میں باہم عموم و خصوص نہیں بلکہ تغائر و تباین ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ آپ کے نزدیک انعقاد امامت کے لئے یہ شرط ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس طرح نص وارد ہوئی ہو کہ فلاں شخص بعد فلاں نبی یا فلاں امام کے اس کا خلیفہ ہے اگر اس طرح نص نہ ہوگی تو امامت وخلافت متحقق نہ ہوگی اور صحابہ میں سے کوئی اس کے لزوم و اشتراط کا قائل نہیں اور کسی نے اس کو ضروری نہیں سمجھا اور نص جلی سے بھی یہ مراد نہیں ہے کہ جو معتقد علیہ سامی ہے، چنانچہ جملہ وتمسکوا بالاحادیث الواردة في خلافة الخلفاء الاربعة اس مدعا پر ظاہر دلیل ہے تو بس دلیل و مدعا باہم متغائر ہوئی پس ایسی پوچ اور غلط دلیل پر اس قدر ناز و افتخار۔ اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت صواقع میں اس مقام کے نہ دیکھنے کا الزام بالکل لغو اور ناجائز ہے علی الخصوص جب کہ شاہ صاحبؒ کی عبارت کو جو تحفہ میں مذکور ہے دیکھا جاوے وہ فرماتے ہیں۔ وامامیہ میگویند کہ نصب امام بر خدا واجب است پس میباید کہ منصوص بود از جانب خدا و این عقیدہ مخالف عقل ونقل است، معلوم نہیں یہ مدعا جو مجموعہ امرین کا ہے اور جس کو شاہ صاحبؒ مخالف عقل ونقل فرما رہے ہیں اس کو ہمارے مجیب نے کیونکر موافق عقل ونقل کے ثابت کیا ذرا تو انصاف فرمائیں اپنی دلیل کو بھی ملاحظہ فرمائیں اور جس کی نسبت شاہ صاحب نے فرمایا کہ خلاف عقل ونقل ہے اس کو بھی دیکھیں اور سوچیں بعد اس کے اپنے طعن کو میزان انصاف میں رکھ کر تولیں تو صاف معلوم کر لیں گے کہ آپ نہ عبارت صواقع کو سمجھے اور نہ تحفہ کو سمجھے اور نہ خود اپنا مدعا ہی ضبط فرمایا۔ خدا تعالیٰ توفیق انصاف و راہ راست عطا فرما دے۔

خاندان شاہ ولی اللہؒ کے معاملہ میں شیعہ حضرات کی بد زبانی اور تعریض کا جواب

قولہ: اگرچہ اس مقام میں ہم بہت کچھ گفتگو کر سکتے ہیں مگر بنظر اختصار ترک کر کے

اب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی نص کے باب میں شہادت لکھتے ہیں کہ یہ حضرت بنا بر مشہور آپ کے خاتم المحدثین کے والد ماجد ہیں اگرچہ تحفہ میں ان کے الوہیت میں تو ریہ فرمایا ہے مگر نہایت ہی درجہ کی تعریف و ستائش فرمائی ہے حتیٰ کہ آپ نے از آیات الٰہی و معجزہ از معجزات جناب رسالت پناہی ان کی شان میں لکھا ہے جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔

اقول: نہایت افسوس رہا کہ اس مقام پر آپ نے بہت کچھ گفتگو نہ فرمائی۔ جس قدر اس مقام پر گفتگو واقع ہوئی ہے اس سے آپ کے علم و فہم و انصاف کی کیفیت اور استدلال کی حالت بخوبی منکشف ہو گئی ہے اور اگر اور کچھ گفتگو فرماتے تو اور زیادہ اغلاط فاضحہ ثابت ہو کر اس دعویٰ کو باطل کرتے جو آپ نے ابتدا۔ جواب میں فرمایا ہے۔ بہتر ہوا کہ آپ نے اختصار کے پیرایہ میں اس کو ترک فرمایا۔ اور جو کچھ حضرت شاہ صاحبؒ کی نسبت لفظ بنا بر مشہور لکھ کر تعریض فرمائی اور باوجود ادعاء تہذیب و اخلاق کے بد تہذیبی کا جامہ پہنا اس کے جواب میں ایسی تعریضیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہم بھی بہت سے مجتہدین حال و ماضی کی نسبت عرض کر سکتے تھے لیکن ہم بجز سکوت و صبر کے اس کا کچھ جواب نہیں دیتے۔ اس کے بعد جو شہادتیں کہ نص کے ثبوت کی بابت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمائی ان کی کیفیت بھی ملاحظہ ہو۔

قولہ: آپ بنظر غور و انصاف ملاحظہ فرمایئے کہ جو تقریریں ہم نص کے باب میں کرتے ہیں بعینہ وہی حضرت شاہ صاحب ازالۃ الخفا میں رقم فرماتے ہیں مقصد اول فصل دوم لوازم خلافت خاصہ کے نکتہ سوم میں جو صفحہ ... میں واقع ہے یہ عبارت تحریر ہے۔ نکتہ سوم آنکہ خلافت امیر خطیر است و نفوس بنی آدم مجبول بر اتباع ہواد شیطان در بنی آدم جاری مجری الدم چون خلافت برای شخصی مستقر شود احتمال دارد کہ جور پیش گیرد در مقاصد خلافت تہاون صریح العمل آرد و ضرر این خلیفہ در امت مرحومہ اشد باشد از ضرر ترک استخلاف وی و این احتمال کثیر الوقوع ست نمی بینی کہ بادشاہان ہمہ الا ماشاء اللہ درین مہلکہ گرفتار شدہ اند و میشود تا وقتیکہ این احتمال برانداختہ نشود بوعدہ الٰہی یا باوصافی کہ نزدیک حصول آنہا جور و تہاون ممتنع عادی گردد۔ و ظن قوی بعدل و قیام خلیفہ بامر ملت بظہور رسد استخلاف چنین شخصی خیر محض نباشد و نفوس بنی آدم باقامت او اطمینان پیدا نکنند و کسیکہ مرشد خلائق گردد و مرد لی الشان در ظاہر و باطن محتمل کہ در علم و حال خود غلط کردہ باشد و دیگران ببعض قرائن متمسک شدہ ہمان غلط را رواج دادہ باشند و ما احسن ما قیل۔ بیت۔

ای بسا ابلیس آدم روی ہست   پس بہر دستے نشاید داد دست

تا اعتماد بر علم و حال شخصی بحدیث مستفیض صادق و مصدوق و اشارات او حاصل نشود کار ناتمام است پس خلافت کاملہ ہمانست کہ وثوق بصاحب آن داشتہ باشیم بنص شارع و اشارات او انتہی بقدر الحاجۃ۔ اس عبارت کو تامل و انصاف سے ملاحظہ کیجئے جیسے کہ اس سے نص کا وجوب ثابت ہوتا ہے ویسے ہی عصمت خلیفہ بھی ثابت ہے بباعث خوف طوالت ہم اس کے الفاظ پر بسط و نشاط سے بحث نہیں کرتے اسی قدر اشارہ کافی سمجھتے ہیں۔

اشتراط نص کی تیسری دلیل کا ابطال

اقول: اس دلیل کو بھی مدعا سے کچھ ربط نہیں ہے۔ اور یہاں بھی اپنا مدعا بھولے جو نص کہ عبارت منقولہ ازالۃ الخفاء سے مفہوم و مستنبط ہوتی ہے اگر وہی نص معتقد علیہ جناب مجیب اور ان کے ہم مذہبوں کی ہے تو مرحبا بالوفاق لیکن یہ نص وہی نص ہے جو آیت سورہ نور وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ اور حدیث ان تومروا ابابکر اور اس کے امثال سے ثابت ہوتی ہے اور نیز یہ وہی وعدہ خداوندی ہے جس نے احتمال اتباع ہوا کا استیصال کر دیا اور وقوع جور و تہاون کو ممتنع عادی بنا دیا اور یہ نص و اشارات وہ ہیں جن سے صرف استحقاق خلافت مستخرج ہوتا ہے نہ انعقاد اور یہ نص و اشارات متعدد اشخاص کے واسطے بھی ایک وقت میں بلا تعیین تقدم و تاخر ممتنع نہیں ہیں پس اگر آپ اس کے قائل ہوں تو لیجئے ہماری آپ کی کچھ نزاع نہیں اور اگر نص معتقد علیہ سامی جس کے اثبات کا دعویٰ کیا گیا ہے یہ نہیں ہے بلکہ وہ نص جلی ہے کہ جو علما قوم ائمہ اثنا عشر کے واسطے دعویٰ کرتے چلے آئے ہیں تو اس کے اشتراط کو اس دلیل سے یا کسی دلیل سے ثابت فرمایئے۔ میں اس استدلال پر ہمہ تن حیرت ہوں کہ مجیب لبیب نے اپنے آپ کو کم از کم فارسی خوان تو ضرور ہی تسلیم کیا تھا لیکن اس استدلال سے تو اس دعویٰ کے بھی ثبوت میں تردد قوی ہے۔ کیونکہ اگر فارسی خوان ہوتے تو کیا اس عبارت کا بھی مطلب نہیں سمجھ سکتے تھے کہ جس کا سہل المأخذ ہونا مثل روز روشن ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے کسی نے یہ عبارت پڑھ کر سنا دی ہو گی آپ نے لفظ نص کا سن کر کمال دانشمندی سے سمجھ لیا کہ بس ثبوت نص میں حجت قاطعہ مل گئی اور خصم کے سامنے پیش بھی کر دیا۔ افسوس کہ آپ نے بسط و نشاط سے اس عبارت کے

الفاظ پر بحث نہیں فرمائی۔ پھر جب کہ آپ اس عبارت سے نص کو جو آپکا مسوق لہ تھا ثابت نہیں کر سکے تو عصمت کو تو کیا ثابت کریں گے

قولہ: اور سنیئے مقصد اول کی فصل ہفتم کے مقصد دوم مقدمہ نخستین صفحہ ۲۶۸ مطبوعہ مطبع مذکورہ میں یہ فرماتے ہیں دلیل اول استقراء احادیث کہ در باب فتن روایت میکنند دلالت ظاہرہ دارد برانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وقائع آتیہ تقریر فرمودہ است و ہر واقعہ را بلفظی ادا کردہ کہ رضائے خدا تعالیٰ یا سخط بآن از ان مفہوم شود چون این مقدمہ را بشناسیم بحدس قوی یقین می نمائیم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ اول وثانی وثالث کہ بر نزدیک بودند ودر اختلاف قوم در استخلاف ایشان فتنہ بر میخاست وکارہائے عظیم مثلاً فتح فارس وروم بر ہم میخورد البتہ تعیین فرمودہ اند عاقل نتواند تجویز کرد کہ اہم مہمات را بگذارند ودر میان امور جزئیہ اہتمام نمایند سبحانک ھذا بہتان عظیم انتہیٰ بقدر الحاجۃ۔ یہ دلیل بعینہ وہی تقریر ہے کہ اہل حق خلیفہ کے منصوص ہونے میں بیان کرتے ہیں اور حضرت شاہ صاحب نے اصل اس دلیل کی ہماری ہی تقریر سے اخذ کر کے بعض الفاظ زائد اپنی طرف سے زائد کئے ہیں اور بجائے مطلق خلیفہ و امام کے خلفاء ثلثہ کا بالخصوص ذکر کیا ہے اور حاصل یہ ہے جو ہم کہتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت پر ایسی شفقت وعطوفت رکھتے تھے کہ احکام جزئیہ و مسائل فرعیہ نہایت تشریح و تفصیل سے بیان فرمائی حتی کہ آپس کی مصاحبت و عورتوں سے مباشرت بلکہ بیت الخلاء تک کے آداب پر واقف فرمایا۔ کوئی مسلمان کب تجویز کر سکتا ہے کہ آنحضرت باایں ہمہ شفقت و رافت ایسی اہم مہمات کو کہ امت کے جمیع مصالح دینی و دنیوی اس سے وابستہ ہیں مہمل چھوڑ دیں اور اس پر نقل نہ فرمادیں اور امت کو معاذ اللہ عمداً اختلاف و تنازع و تشاجر میں ڈال دیں۔

اشتراط نص کی چوتھی دلیل کا ابطال

اقول: ہمارے علامہ مجیب نے جو اس جگہ عبارت ازالۃ الخفا سے نقل کی وہ بالکل بے سود ہے کیونکہ ثبوت مدعا مجیب سے اس کو کچھ تعلق نہیں علی الخصوص حضرت صاحب ازالۃ الخفاء مبدا۔ اس بحث میں تصریح فرما چکے ہیں وپیش از شروع در تقریر آن نکتہ ایست مہمہ کہ ترتیب دلائل و تقریب آن مسائل بر معرفت او موقوف است و آن نکتہ ایست کہ مراد از

تعیین خلیفہ کہ بوجوب و لزوم آن زبان میکشائیم نہ آنست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزدیک بوفات خود مسلمانان را جمع فرمائید وبہ بیعت آن خلیفہ امر نمائید الخ اس سے صاف واضح ہے کہ وہ نص جس کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ مراد نہیں اور وجہ اس کی بجز بطلان کے اور کوئی نہیں اور ظاہر ہے کہ جب وقائع آتیہ کی تقریر فرمائی جس سے رضا یا سخط خداوندی اس کے ساتھ مفہوم ہوئی تو وہ خلافت حقہ جس میں اختلاف کے سبب فتنہ کا اندیشہ نہ تھا اور بڑے بڑے اعلیٰ درجہ کے کاموں کے درہم وبرہم ہونے کا خوف تھا اولیٰ واحق بالبیان ہے بہ نسبت اس خلافت کے کہ جس میں یہ اندیشہ نہ تھا بلکہ اس میں خود اختلاف واقع ہونے والا تھا اور اس اختلاف پر بھی مطلع فرمایا اور یہ تقریر واطلاع بطور کشف واقعہ اور بطور اخبار بالغیب واقع ہوئی تو یہ غلط ہے کہ بجائے مطلق خلیفہ کے خلفاء ثلثہ کو ذکر کیا کیونکہ حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کی ذوات مقدسہ کے ساتھ وقائع عظیمہ متعلق تھی کہ جس میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے اس لئے بالخصوص ان کا ذکر کیا نہ کسی دوسری وجہ سے باقی رہا یہ کہ یہ دلیل حضرات شیعہ کی تقریر سے اخذ کی گئی ہے اور کچھ الفاظ کم و بیش کئے گئے ہیں سو اہل انصاف جنھوں نے اول سے آخر تک کتاب ازالۃ الخفا کا مطالعہ کیا ہے اور حضرات شیعہ کی تقاریر علمیہ ان کے پیش نظر ہیں معلوم کر سکتے ہیں کہ ابتداء حدوث مذہب تشیع سے یا جس روز سے کہ اس مذہب کے علماء نے حجاب تقیہ کا چہرہ مذہب سے اٹھا کر طریق کلام کو جاری کیا آج تک کسی شخص نے علماء شیعہ میں سے بیان معانی کتاب و سنت میں بایں خوبی و اسلوبی کوئی تقریر دیکھی ہے اگر کوئی ہو تو مجیب لبیب ہی نام لیں۔ عدو: اس کے ابتداء زمانہ خلافت خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم میں جناب ان ہی کے ہم مشرب رہے ان ہی کے موافق مسائل فرماتے رہے۔ اپنا قرآن جو متمسک اعظم و ثقل اکبر ہے پردہ تقیہ میں ایسا چھپایا کہ بجز ائمہ کے اس کو نہ کسی نے پڑھا نہ کسی نے دیکھا اپنے زمانہ خلافت میں بھی تقیہ کی وہی حالت رہی اور بعد اس کے تمام ائمہ یکے بعد دیگرے حضرت ہی کے قدم بقدم چلے آئے اور ہمیشہ تقاریر علمیہ اور مسائل دینیہ موافق اہل سنت کے بیان کرتے چلے آئے پھر اگر یہ اکابر اہل سنت سے اخذ نہیں کیا تو کہاں سے آیا اپنے مفسرین کو دیکھئے کہ عموماً علوم مختلفہ کے بیان میں خوشہ چین خرمن فیوض اہلسنت ہیں۔ تفسیر صافی کو دیکھئے کہ اس کے مصنف نے اس بارہ میں اپنے مفسرین پر کیسی تشنیع فرمائی تفسیر مجمع البیان جو نہایت معتبر تفاسیر میں سے ہے ایک صفحہ اس کا آپ پڑھیں تو میرے قول کی تصدیق ہو جائے۔ اگر زیادہ تکلیف گوارا طبع سامی نہ ہو تو رسالہ

المکاتیب ہی دیکھ لیجیے کہ فاضل اجل مولوی نور الدین حسین اس بارہ میں کس درد انگیز افسوس
کے ساتھ فرماتے ہیں صـ۱۵۶ پر یہ عبارت مکتوب ہے۔ متاخرین بسبب عدم مہارت فن حدیث
حقیقت الامر را ادراک نکردہ بکاسہ لیسی عامہ پرداختہ اند و منشاء این امر غیر از قلت استعداد
درفن حدیث شریف چیزی دیگر ملحوظ نیست جب کہ علماء اہل تشیع باعتراف خود ہمیشہ کاسہ
لیس اہلسنت رہے تو بڑی شرم کی بات ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر جھوٹا الزام اخذ
دلیل کا لگاتے ہیں اور کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے اور اپنے علماء کے حالات کو لحاظ نہیں فرماتے
بے شک نمک حلالی اسی کا نام ہے لیکن جو دلیل کہ مجیب لبیب نے ثبوت نص میں بیان فرمائی
اور ان کے اکابر بڑے افتخار کے ساتھ ثبوت اس مدعا میں بیان فرماتے چلے آئے ہیں البتہ
اس کی تردید اور اس کا جواب ضرور ہے پس واضح ہو کہ حضرات شیعہ کو مثل مشہور۔

الغریق یتشبث بکل حشیش۔ ڈوبتا ہر ایک گھاس پھوس پر سہارا پکڑتا ہے

جب کوئی دلیل ثبوت مدعا میں بہم نہیں پہنچی تو ایسی ایسی واہی دلیلوں سے ہی اپنا دل خوش
کر لیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جیسا مدعا ہوتا ہے اس کے لئے ویسی ہی دلیلوں کی ضرورت
ہوتی ہے جب کہ امامت اور اس کی شرائط موقوف علیہ اور اصل اصول دین سے ہیں تو کیا ان
کا ثبوت ایسی ایسی دلیلوں سے جو محض خیالی ہیں اور جن کی تائید کسی کتاب و سنت سے نہیں
ہوتی بلکہ بالعکس کتاب و سنت سے ان کی تکذیب ہوتی ہے ہو سکتا ہے ہرگز نہیں قطع نظر
اس سے یہ دلیل خود مستدل پر منقلب ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے کلام مجید میں جس کی محافظت کا
وعدہ فرمایا اور اکمال دین کا مژدہ سنایا اور اصول دین میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس کو
حق تعالیٰ نے بیان نہ فرمایا ہو بلکہ فروعات فقہیہ عبادات و معاملات میں سے صوم و صلوٰۃ و حج
و زکوٰۃ۔ نکاح و طلاق بیع و شرا و اعتکاف وغیرہ تک بیان فرمائی تو باوجود اس رافت و رحمت
کے کہ خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے کوئی مسلمان کیونکر تجویز کر سکتا ہے کہ حق تعالے
فروعات کو تو باین اہتمام مکرر سہ کرر بیان فرمادے اور کسی ایسے اصل اصول دین اور اہم المہمات
کو مہمل چھوڑ دے جس کے ساتھ عباد کے تمام مصالح دینی و دنیوی منوط ہوں اور عمداً عباد کو
تنازع و تشاجر میں ڈال دے بلکہ علاوہ فروع دین کے مثلیں اور پرانے قصے بلکہ متشابہات
تک فرمادے اور اصول دین کو چھپا رکھے اور نص نہ فرمادے اور تارک واجب ہو سبحانک
ہذا بہتان عظیم۔ تعجب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و رسالت کی کتب سابقہ میں

خداوند تعالیٰ نے خبر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو صاف نام ظاہر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ اور خوشخبری دینے والا رسول کے جو آتے گا میرے پیچھے نام اس کا احمد ہے۔

اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ راشد جو انبیاء و رسل سابقہ سے افضل ہے اس کا
کہیں ذکر نہیں فرمایا حالانکہ عباد کا ایمان اسی پر موقوف تھا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اصول
دین ہی میں سے نہیں ورنہ خود خداوند تعالیٰ ہی اپنے کلام میں نص فرماتا۔ معہذا ہم کب کہتے ہیں
کہ امر امامت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمل چھوڑ دیا اور عمداً امت کو با این ہمہ شفقت و
رافت اختلاف و تشاجر میں ڈال دیا اور یہ کچھ اسی پر منحصر نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نام بنام نص فرماتے اور کہتے کہ میرے بعد فلاں اور اس کے بعد فلاں خلیفہ و امام ہے بلکہ ہر گاہ خداوند
تعالیٰ اس مہم کا متکفل ہوا اور تمکین دین کا وعدہ فرمایا اور حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم
کو معلوم ہو گیا کہ حسب وعدہ خداوندی جو خلافت واقع ہوگی وہ حق ہوگی اور منہاج نبوت پر ہوگی
تو آپ کو کچھ حاجت نہ رہی کہ آپ خلافت پر تنصیص خاص فرماویں لیکن آپ نے خلفاء اور ان
کے اوصاف اور مدت خلافت کو صراحۃً اور اشارۃً بیان فرما دیا اور سب سے آخر میں بطور تمہید و
تنبیہ یہ کیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے قائم مقام امام صلوات مقرر فرمایا بعد وفات
سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے وعدہ صادقہ خداوندی نے جلوہ ظہور پکڑا اور
خلافت موعودہ بر روئے کار آئی اور تمکین دین مرضیہ حاصل ہوئی تو اب اس سے جس کو ذراسی
بھی عقل ہے معلوم کر سکتا ہے کہ نص نہ ہونے کی صورت میں کس امر کا احتمال باقی رہا اور
کون سا تخالف و تشاجر ہے کہ جس میں امت کو ڈال دیا تنازع و تشاجر کے اندیشہ کو تو خود خداوند
تعالیٰ کے بھی وعدہ صادقہ نے بیخ دین سے اکھاڑ دیا تھا بلکہ اگر بقول شیعہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے نص فرمائی تو باوجود اس شفقت و عطوفت و رافت و رحمت کے جو امت مرحومہ کی
حالت پر مبذول تھی تمام امت کو جس کو سالہا سال کی محنت و مشقت میں صدہا طرح کی اذیتیں
اٹھا کر مسلمان کیا تھا اس نص کی بدولت ورطۂ ضلالت میں اوندھا ڈال دیا۔ اگر یہ نص نہ ہوتی تو
کیوں لاکھوں آدمی کفر میں مبتلا ہوتے۔ کیا توحید و نبوت و معاد کا اعتراف کافی نہ تھا۔ غرض
جس قدر مفاسد کو یہ نص متضمن ہے ترک نص ہرگز نہیں با این ہمہ نص یہ ہی ہے یوم غدیر خم
فرمائی یا کوئی اور اس کا نص ہونا تو ظاہر ہے اور اگر کوئی اور ہو تو لا ئیے پیش کیجیے۔ علاوہ ازیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باایں ہمہ رافت و رحمت نص فرمائی بھی سہی لیکن کیا فائدہ ہوا جبکہ خداوند تعالیٰ نے ان کو تمکین نہ دی اور اپنے واجب کو جو لطف تھا اپنے ذمہ سے نہ اتارا تو جو امور دینی و دنیوی اس کے ساتھ وابستہ تھے وہ کیونکر حاصل ہوتے اور نیز نص سے کیا فائدہ ہوا جبکہ امام نے غائب ہو کر باوجودیکہ تمام منافع دینی و دنیوی اس کے ساتھ وابستہ تھے سب کو خاک میں ملا دیا اور امت کو عمداً اختلاف و تنازع و تشاجر میں ڈال دیا۔ کیا کوئی شخص جس کو ذرا دین اسلام کا لحاظ ہو گا وہ ایسا کہہ سکتا ہے۔ علاوہ ان سب کے ہمارے مجیب کے نزدیک اگر قطع عرق تنازع نص ہی پر منحصر تھا تو یہ بھی بداہتہً غلط ہے کیونکہ جو تنازع و تشاجر و تکاذب و تجاحد دربارہ نص فرق شیعہ میں عموماً اور امامیہ میں خصوصاً واقع ہو رہا ہے اس کو دیکھ کر بے اختیار آیت وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ زبان پر جاری ہوتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر واقعی نص ہوتی تو یہ اختلاف و تنازع جو نصرانیوں کے بھی اختلاف و تنازع سے بدرجہا بڑھ کر ہے واقع نہ ہوتا تو معلوم ہوا کہ یہ باتیں تراشی ہوئی ہیں و بس۔ اگر خوف تطویل نہ ہوتا تو اس اختلاف کو مفصل بیان کرتا لیکن چونکہ صواعق و تحفہ و سیف مسلول وغیرہ میں لبشرح و لبسط مذکور ہے جس کا دل چاہے وہاں دیکھ لیوے۔

حضرت شاہ ولی اللہ اور خلیفہ رابع رضی اللہ عنہم

قولہ: اگرچہ اس عبارت پر بہت کچھ گفتگو ہو سکتی ہے مگر بخیال اختصار عرض بصر کر کے اس قدر گذارش ہے کہ باوجودیکہ خلیفہ رابع بھی خلفاء اہلسنت کے خلفاء راشدین سے ہیں اور ان کی خلافت بھی مدت سنی ۳۰ سال میں ہی واقع ہوئی مگر حضرت شاہ صاحب نے کمال تورع اور تدبر سے محض خلفاء ثلثہ کا ہی ذکر کیا ہے۔ یہ بھی قابل غور ہے تمسک عترت و ولائے اہلبیت کے یہ ہی معنی ہیں۔

اقول: یہ تو آپ نے اپنے ہی حق میں بہت اچھا کیا کہ اس عبارت پر بہت گفتگو نہیں فرمائی کیونکہ جس قدر زیادہ گفتگو فرماتے اسی قدر آپ کی استعداد و لیاقت کی زیادہ قلعی کھلتی سوا اس کے کسی پر کچھ احسان نہیں۔ باقی رہا شاہ صاحب پر خلیفہ رابعؓ کے نہ ذکر کرنے کا الزام سو یہ محض عدم فہم مراد و دوسرے کی بنا ہے کہ خلافت رابعہ کی حقیت متفق علیہ بین الفریقین ہے اس کے بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں تھی ثابت کرنا مقصود ہے تو خلفاء ثلثہ کا ہے جو مختلف فیہ

ہیں سو ان کا بیان کرنا ضروریات سے ہے اگر ایسے مواقع میں خلافت رابعہ کا ذکر کا نہ کیا جاوے تو جب کہ اس کو خلافت حقہ تسلیم کر لیا ہے تو ہماری تمسک وولاء میں کچھ قصور واقع نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ مدعی ہیں تو وجوب ذکر کو کسی دلیل عقلی یا نقلی سے ثابت کیجئے وہمیات سے موقع استدلال میں کام نہیں چلتا۔ اور نیز بیان کرنا اس امر کا مقصود تھا کہ ان خلافتوں میں اختلاف واقع ہوتا تو جن مہمات دینی و دنیوی کو یہ خلافتیں متضمن تھی مثل فتح روم و فارس وغیرہ ممالک اور شیوع اسلام کے وہ سب درہم و برہم ہو جاتے کیونکہ یہ حصہ خاص خلافت ہائے ثلثہ ہی کا ہے۔ اسی لئے وہ اس بیان کے لئے مخصوص ہیں تو انہیں کا ذکر کیا گیا۔ علاوہ ازیں ہم آپ کی روایات میں بہت زیادہ دیکھتے ہیں کہ صرف جناب امیر کا ذکر ہوتا ہے اور باقی ائمہ کا نہیں ہوتا تو کیا اس سے استدلال ہو سکتا ہے کہ حضرات کو ائمہ باقیہ سے بغض تھا۔ قرآن شریف میں حق تعالیٰ شانہٗ نے بعض مواضع میں بعض انبیاء کا ذکر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں فرمایا۔ اسی طرح بعض انبیاء کا ذکر فرمایا اور بعض کا ذکر ترک فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے

مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ — بعض ان میں سے وہ ہیں جن کا ہم نے قصہ بیان کر دیا ہے اور بعض ان میں سے وہ ہیں جن کا قصہ نہیں بیان کیا

حالانکہ وہ بھی انبیاء تھے اور نیز کفار تک کا ذکر کیا تو اس سے حسب قاعدہ خود کیا سمجھیئے گا۔ یہ حضرت ہی کی مناظرہ دانی ہے کہ ترک ذکر کو دلیل بغض کی قرار دیتے ہیں اور بلا دلیل خلاف ولاء و تمسک کہتے ہیں۔

امامت کے متعلق سُنی شیعہ نقطہ نظر کی تفصیل

قولہ: اور نیز امامت کا اہم المہمات ہونا بھی اس عبارت سے ثابت ہے جس کا شاید آپ کو انکار ہے۔

اقول: جب کہ آپ میرے انکار میں شاک و متردد ہیں تو کچھ ضرورت نہیں تھی کہ اس کا جواب لکھا جاوے لیکن چونکہ یہ شک نہیں محض تجاہل ہے اس لئے آپ کو آپ کی غلطی پر متنبہ کرتے ہیں واقعی یہ درست ہے اور آپ کے مسئلہ امامت میں یہ اختلاف ہے کہ آپ اس کو اصول دین میں سے مثل توحید و نبوت کے سمجھتے ہیں اور ہم فروع دین میں سمجھتے ہیں مگر اس کے اہم المہمات ہونے کا انکار ہے تو یہ باعتبار ہے کہ یہ مسئلہ اصول دین میں سے نہیں ہے اور اس عبارت سے

اس کا ہرگز اصول دین میں سے ہونا ثابت نہیں ہوتا اگر آپ اس عبارت یا کسی عبارت سے امامت کا اصول میں سے ہونا ثابت فرماتے تو بجائے خود تھا اور نہ صرف یہ فرمانا کہ اس عبارت سے امامت کا اہم المہمات ہونا ثابت ہے اس پر مبنی ہے کہ آپ نے محل نزاع سے تجاہل فرما رکھا ہے۔

قولہ: اور سنیئے اسی فصل و مقصد و مقدمہ میں بصفحہ ۲۷ یہ عبارت مرقوم ہے۔ دلیل ثانی ہر کہ کتاب فضائل الصحابہ را از اصول خواندہ باشد و فن معرفت الصحابہ را تتبع نمودہ باشد البتہ میداند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در حق ہر یکی از اصحاب خود کہ نشست و برخاست با آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم داشتند نفس رانی فرمودہ است و کلمہ کہ مرآت حاصل عمر او تواند بود بر زبان شریف جاری شدہ و این قصص بیرون از شمار است ہر گاہ برای ہر کسی کلمہ روان ساختہ است بزرگان اصحاب خود در زمان حیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ وزیر و مشیر او بودند و بعد وی صلی اللہ علیہ وسلم تحمل اعباء خلافت نمودند چرا نفس رانی نفرمودہ باشد و خلافت ایشان از دو حال بیرون نیست یا خیر است یا شر اگر خیر است بہترین جمیع خیرات است کہ من سن سنۃ حسنۃ فی الاسلام کان لہ اجرھا و اجر من عمل بھا این بزرگواران را مثل اجور جمیع مجاہدین و جمیع آنانکہ بسعی ایشان مہتدی شدہ اند حاصل است و اگر شر است بدترین شرہا است زیرا کہ دین محمدی را برہم زدند و امام معصوم را ترسانیدند بہر تقدیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امور جزئیہ اصحاب خود را کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بآن متصف شدند بیان فرماید چرا امر عظیم را اما الی الخیر و اما الی الشر بیان نفرماید اگر خیر است لطف خدائے تعالیٰ و رأفت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تقاضا مینماید کہ بران خیریت مطلع سازند تا مردم آن خیر را خیر دانند و بآن اہتمام نمایند و اگر شر است لطف الٰہی و رأفت حضرت رسالت پناہی تقاضا میفرماید کہ بر شریت آن مطلع سازند تا مردم آن را شر بدانند و حجۃ اللہ بر ایشان تمام شود اگر نوع ثانی می بود آن نیز بیان امر خلافت است و نوعی از تعیین خلفاء ست کہ فلان فلان بخلافت حقیق نیستند و حقیق غیر ایشان است بالجملہ استقراء سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در تکلم بر احوال صحابہ دلالت ظاہرہ دارد کہ خلفاء را بیان فرمودہ است و تعیین خلفاء بوجہ اتم کردہ است۔ انتہی بقدر الحاجۃ۔ یہ تقریر جو خلفاء پر وجوب نص کے بارہ میں حضرت شاہ صاحب نے فرمائی ہے نہایت ہی متین و لطیف ہے اور تحقیق و تدقیق کی داد دی ہے خلفاء پر وجوب نص کو خوب ظاہر کرنے سے چونکہ ہمارا مطلب اس جگہ صرف

اس قدر ہے کہ خلیفہ کا منصوص علیہ ہونا واجب ہے اور یہ شاہ صاحب کی اس دلیل سے بخوبی واضح ہے لہذا اس باب میں کلام کہ شارع علیہ السلام نے خلفاء ثلثہ کی صحت خلافت میں نص فرمائی یا بطلان خلافت میں اور اوروں کی صحت خلافت میں فضول معلوم ہوتی ہے۔

اشتراط نص کی پانچویں دلیل کا ابطال

اقول: یہ دلیل بھی جو ہمارے مجیب نے ازالۃ الخفا سے نقل کی ہے ان کے مدعا سے غیر مربوط ہے۔ یہاں بھی آپ کو مدعا یاد نہ رہا حضرت آپ کا مدعا اشتراط نص کا اثبات تھا پھر براہ خدا ذرا تو دیکھئے کہ اس عبارت میں اشتراط کس جگہ سے مفہوم ہوتا ہے۔ انصاف کی آنکھوں پر ایسی پٹی تو نہ باندھیے۔ اول تو اس عبارت سے وجوب نص ہی ثابت نہیں کیونکہ نص متنازعہ فیہ کے اثبات کو یہ عبارت متضمن نہیں ہے اور جس نص کو یہ عبارت متضمن ہے جس کو ہمارے مجیب نے اپنا مستدل قرار دیا ہے وہ متنازعہ فیہ نہیں ہے اور اگر یہ ہی قیاس وجوب نص متنازعہ فیہ میں جاری کریں اور یہ مقصود ہو کہ اسی دلیل سے وجوب نص متنازعہ فیہ بھی ثابت ہے تو غیر مسلم ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وجوب نص متنازعہ فیہ کو یہ ہی دلیل مانع ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان وقائع و اوصاف صحابہ سب کچھ بیان فرمایا اور ہر ایک شے کی اس کے تعین سے خبر فرما دی تو اب نص متنازعہ فیہ کی کچھ حاجت نہ رہی۔ اور نیز یہ بھی یاد رکھیئے گا کہ آپ کے نزدیک وجوب نص میں وجوب علی اللہ ہے جس کے اہلسنت سخت منکر و مخالف ہیں دلیل سے اس کا اثبات بھی ملحوظ رکھیئے۔ معہذا اگر وجوب نص بفرض محال ثابت بھی ہو تو اشتراط کے ثبوت کو یہ مستلزم نہیں پس ثبوت اشتراط میں اس کو پیش کرنا قلت تدبر پر مبنی ہے۔ قطع نظر اس سے یہ دلیل اقناعی ہے جو اثبات اصول میں کارآمد نہیں ہو سکتی۔ لیکن جس مدعا کے اثبات کے لئے حضرت شاہ صاحب نے ذکر فرمائی سو اول تو وہ اصول میں نہیں پھر جس قدر دلائل اقناعی و خطابی ذکر فرمائی ہیں وہ سب بطور مؤیدات کے اس دلیل کے ذیل میں واقع ہیں جو قطعی طور پر نص قرآنی سے مدعا کو ثابت کر رہی ہے لیکن وہ مدعا آپ کے مدعا سے بمراحل بعید ہے۔ فی الواقع یہ تقریر بلکہ تمام تقاریر جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت متین و لطیف ہیں اور تحقیق حق کی داد دی ہے۔ ع۔ و الفضل ما شھدت بہ الاعداء۔ لیکن آپ کو کچھ مفید نہیں چنانچہ گذارش ہو چکا۔

خلفاء ثلثہ کے معاملہ میں شاہ عبدالعزیزؒ کی عبارات سے مغالطہ انگیزی کی شرمناک مثال اور اس کا جواب

قولہ: تاہم اس قدر لکھنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ ایسی دلیل سے خلافت خلفاء ثلثہ کی صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ان کا غیر منصوص علیہ ہونا ایسا واضح ہے کہ آپ کے خاتم المحدثین نے تحفہ میں اس کا اقرار کرلیا ہے چنانچہ باب ہشتم تحفہ میں وہ یہ تحریر فرماتے ہیں زیراکہ خلفاء ثلثہ نزد اہلسنت نہ معصوم اند و نہ منصوص علیہ و در افضلیت ہم گنجائش بحث بسیار است. پس جب کہ خلیفہ کا منصوص علیہ ہونا آپ کے خاتم المحدثین کے والد ماجد کی دلیل سے ضروری ثابت ہوا اور یہ خلفاء اہلسنت کے ہی حسب اقرار صاحب تحفہ منصوص علیہ نہیں تو ان کی خلافت صحیح نہ رہی۔

اقول: اے حضرات اہل انصاف ذرا ہمارے مدعی انصاف مجیب کی اس دلیل کو جو ابطال خلافت خلفاء ثلثہ پر قائم فرمائی ہے ملاحظہ کیجئے اور اس سے آپ کے غور و فہم و غزارت علم اور مرتبہ اجتہاد و انصاف کا اندازہ فرمائیے اور دیکھئے حضرت کو کیسے کیسے پوچ ولچر شبہات سد راہ حق ہو رہے ہیں با این ہمہ دعوی یہ ہے کہ ہم نے حق الیقین کا مرتبہ تحقیق مسائل میں حاصل کرلیا ہے اس دعوی کو دیکھئے اور اس دلیل کو ملاحظہ فرمائیے. زمین و آسمان کے فرق سے زیادہ فرق پائیے گا. اگرچہ اس لغو دلیل کے ابطال کی اور اس میں تضیع اوقات کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ ہمارے مجیب لبیب نے بڑے ناز و افتخار سے بیان فرمائی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ مختصراً اس کے بطلان پر متنبہ کیا جاوے. پس واضح ہو کہ اول تو آپ نے یہ غلطی کھائی کہ آپ نے جو وجوب نص ازالۃ الخفاء سے مستنبط کیا ہے اس کو شرط اور موقوف علیہ صحت خلافت سمجھ لیا حالانکہ اگر بالفرض وجوب تسلیم بھی کرلیا جاوے تو مستلزم اشتراط نہیں دوسری بڑی غلطی یہ ہوئی کہ جو وجوب نص حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے صاحب تحفہ کے اعتراف عدم منصوصیت خلفاء کو اسی نص پر محمول فرمایا جس کا وجوب عبارت ازالۃ الخفاء سے سمجھا تھا حالانکہ یہ ایسی بڑی غلطی ہے جس سے ادنی طلبہ بھی شرما ویں کہ تحفہ کی عبارت فارسی کے سمجھنے کا تھوڑا سا بھی سلیقہ ہو وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ صاحب ازالۃ الخفاء نے [illegible] جس نص مراد [illegible] ہے یہ وہی متنازعہ فیہ ہے یا کوئی اور ہے ظاہر ہے کہ یہ نص

متنازعہ فیہ تو مراد نہیں ہے کیونکہ وہ عبارت جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں بدلالت مطابقی اس پر دال ہے وہ فرماتے و آن نکتہ آنست کہ مراد ما از تعیین خلیفہ کہ بوجوب ولزوم آن لب می کشائیم نہ آنست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزدیک بوفات خود مسلمانان را جمع فرماید و بہ بیعت آن خلیفہ امر نماید بالفعل از افعال مفہمہ استخلاف درین حالت بعمل آرد. چنانچہ الحال بر تخت نشاندن و چتر برسر نہادن مفہم استخلاف می باشد. اور بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ صاحب تحفہ نے عدم منصوصیت سے کون سی عدم منصوصیت مراد رکھی ہے. ظاہر ہے کہ وہ ہی عدم منصوصیت مراد رکھی ہے جو متنازعہ فیہ بین الفریقین ہے اور وہ منصوصیت جس کا وجوب صاحب ازالۃ الخفاء نے بیان فرمایا صاحب تحفہ کو اس کا ہرگز انکار نہیں. جس کا صاحب تحفہ کو انکار ہے وہ اس سے بالکل جدا ہے پس یہ ہمارے مجیب کی فارسی دانی اور خوش فہمی ہے کہ دونوں کو ایک سمجھ گئے. پھر ان باتوں پر کیا کچھ دعوی انصاف ہے. ہاں اگر آپ انصاف سے اپنے یہاں کی روایات و عبارات کو ملاحظہ فرماویں تو معلوم کرلیں کہ ان سے عدم اشتراط نص ثابت ہوتا ہے زیادہ تکلیف کی ضرورت نہیں صرف نہج البلاغۃ کی شرح ابن میثم کو ملاحظہ فرمالیجئے۔

(۱) المیثاق ما لزمہ من بیعۃ ابی بکر	میثاق وہ ہے جو کہ آپ پر بیعت ابی بکر اس کے
بعد ایقاعہا ای فاذا میثاق القوم	واقع کرنے کے بعد لازم ہوگئی یعنی ناگاہ قوم کا عہد
قد لزمنی فلو یمکنی المخالفۃ بعدہ۔	جن پر لازم ہوگیا پھر اس سے پیچھے مخالفت مجھ سے نہ ہو سکی

اس عبارت کو بغور دیکھئے اور فرمائیے کہ خلافت صدیقی آپ کے نزدیک بہرحال غیر منصوصہ ہے تو پھر خلافت غیر منصوصہ کا میثاق لازم کیونکر ہوا. اس سے معلوم ہوا کہ اشتراط نص باطل بلکہ یہ ہی دلیل بطلان اشتراط عصمت و افضلیت کو بھی مثبت ہے اور اس دلیل سے صحت خلافت صدیقی مثل روز روشن ثابت ہے (۲) اس خطبہ میں جس کی ابتداء یہ ہے ومن خطبۃ لہ لما خصمہم روایت نقل فرماتے ہیں۔

الائمۃ من قریش۔	امام قریش میں سے ہیں

جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کو عام قریش میں شائع فرما دیا تو بعد [illegible] کے دعوی تخصیص نص امام اثنا عشرہ یہ محض تراشی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے اور [illegible] حقیقت [illegible] جس کے ثبوت کا دعوی فرماتے ہیں اس کے مخالف ہے شارح ابن میثم کے جواب کو بھی [illegible] پھر اس کو فرمائیے ملاحظہ فرمائیے کہ اس وہ خطبہ جس کی ابتداء یہ ہے ومن [illegible]

اما بعد فقد اتتنی منک موعظة اس کی شرح میں علامہ ابن میثم نے جو خط جناب امیرؑ کا نقل کیا ہے۔

وکنت امرأً من المهاجرین	میں بھی ایک شخص مہاجرین سے ہوں وارد ہوا میں
او ردت کما اوردوا و اصدرت کما	جس طرح وہ وارد ہوئے اور لوٹا جس طرح وہ لوٹے اور
اصدروا وما کان الله لیجمعهم علی	اللہ ان کو گمراہی پر اکٹھا نہ کرے گا اور ان کو حق
الضلال ولیضربهم بعمی۔	سے نابینا نہ بنائے گا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ جب مہاجرین کا اجماع خطاء نہیں ہو سکتا تو نص کا اشتراط باطل ہوا (۴) اسی خطبہ میں اس کے بعد ہی مذکور ہے۔

و اما ما میزت بین اهل الشام و اهل	لیکن تو نے جو کچھ اہل شام اور اہل بصرہ
البصرة و بینک و بین طلحة والزبیر	میں اور اپنے میں اور طلحہ و زبیر میں فرق بیان
فلعمری ما الامر فی ذلک الا واحد	کیا پس اپنی حیات کی قسم صرف یہ ایک ہی امر
لانها بیعة واحدة الخ قوله لانها الخ۔	ہے کیونکہ ایک بیعت ہے۔

اس عبارت کو بنظر تامل دیکھا جائے معلوم ہوگا کہ کس صراحت سے اشتراط نص کو باطل کر رہی ہے اور اگر اطراف و جوانب کلام کو ملحوظ خاطر رکھیئے گا تو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ دلیل من باب مجارات الخصم نہیں ہے (۵) یہ امر مثل بدیہی اولی کے ہے کہ اگر معاذ اللہ خدا تعالےٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ نص امامت واجب ہوتی تو وہ عام طور پر اس طرح نص فرماتے جس میں کوئی خفا باقی نہ رہتا۔ بلکہ یہ امر اصول دین سے تھا اور جب اس میں نزاع ہونے والا تھا تو ضرور تھا کہ اکثر مجالس نشست و برخاست میں اس کی نسبت تنصیص فرماتے بلکہ قرآن منزل میں بطور وحی متلو کے نازل ہو کر ورد زبان اکابر و اصاغر امت ہوتا کہ اور اس میں ہر ایک امام کا نام تک بیان کیا جاتا تاکہ پھر کسی کو اس میں مجال تردد و انکار باقی نہ رہتی۔ اور اگر بالفرض تنصیص مستفیض کی صورت میں اور لوگ اس میں مخالف ہوتے تو شیعہ خصوص امامیہ کی تو باہم کچھ اختلاف واقع نہ ہوتا لیکن جب ان کے بھی باہم تکاذب و تجاحد پایا جاتا ہے۔ تو اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ محض بنائی ہوئی باتیں ہیں نص مزعومہ کسی کے واسطے نہیں ہوئی پس نص یہ ہے کہ جو نہج البلاغۃ میں بایں الفاظ مروی ہے الائمۃ من قریش۔ اور نص وہ ہے جو آیات کلام مجید اور احادیث صحیحہ اہل سنت سے ثابت ہے (۶) محمد بن حنفیہ اور امام سجاد کا باہم نزاع

اور حجر اسود کا حکم بنانا صاف دلیل ہے کہ امامت منصوصہ نہیں ورنہ کیا محمد بن حنفیہ پر بھی مخفی ہوتا جو جناب امیر کا مثل بازو کے تھا اور اگر محمد بن حنفیہ کو معلوم تھا تو نہایت مستبعد ہے کہ نص خداوندی و رسالت پناہی میں توچوں و چرا فرمائی اور حجر اسود کے فیصلہ کو منظور کر لیا۔ حجر اسود کے فیصلہ کی نسبت اتنا اور بھی یاد رکھیئے گا کہ اس میں بھی باہم اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ حجر اسود نے امام سجاد کی امامت کی تصدیق کی اور بعض کہتے ہیں کہ امامت محمد بن حنفیہ کی شہادت دی۔ علاوہ ان کے اور بہت دلائل ہیں جو عجلت وقت ان کے نقل کی فرصت نہیں دیتا اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

قولہ: نص کے بارہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تیسری دلیل اسی مقصد و فصل و مقدمہ میں صفحہ ۲۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔ و دلیل ثالث ہر کہ فن مغازی را تتبع نمودہ باشد البتہ میداند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگاہ برای غزوہ از مدینہ شریفہ سفر میفرمودند شخصی را حاکم مدینہ می نمودند امر مسلمین را گاہی مہمل نگذاشتہ اند پس چوں کوس رحلت از دنیا نواختند و غیبت کبریٰ پیش آمد آن سیرت مرضیہ خود را چرا مراعات نفرمایند اگر تامل کنی در رافت تامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شد رومذر گذاشتن امت بغیر نسق محال دانی و اگر اصلاح عالم کہ سبب بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودہ است پیش نظر دلہری شاعر گذاشتن بنی آدم بعد سعی بلیغ در تربیت و اصلاح آنہا تہافت و تناقض انگاری و اگر بہ سیرت علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در نصب حکام و قضات و تفویض ہر امری بمستحق آن نظر بر گماری بغیر استخلاف بدرود کردن دنیا مستنکر و مستبعد شماری استقراء اکثر افراد و احوال و حکم کردن بموجب آن در افراد و احوال باقیہ یکی از ادلہ خطابیہ است کہ در معرفت احکام بآن اکتفا میتوان کرد و قصص نصب نواب بعد برآمدن در غزوات از آن واضح تر است کہ بنقل شمہ از ان احتیاج افتد انتہی۔ یہ دلیل بھی نہایت بین متین ولطیف ہے اگر اہل حق مقابلہ اہلسنت یہ دلیل بیان کرتے تو حضرات سنیہ کیا کچھ نہ کہتے اور حماقت و عقل کے سخافت سے منسوب کرتے عقل و نقل کے خلاف فرماتے مگر چونکہ حضرت شاہ صاحب نے یہ دلیل بیان فرمائی ہے اب مجال نہیں کہ اس کی جرح و قدح میں چوں بھی کر سکیں۔

اشتراط نص کی چھٹی دلیل کا ابطال

اقول: اس ضعیف اور واہی استدلال پر ہمارے مجیب لبیب کا یہ ناز و فخر و جوش و

خروش قابل تماشا ہے اے حضرت میر صاحب جناب کو اس کی بھی کچھ خبر ہے کہ وہ مدعا جس پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس دلیل کو اپنا مستدل قرار دیا ہے کچھ اور ہے اور وہ مدعا جس پر آپ اس دلیل کو کھینچا تانی کر کے گھسیٹتے ہیں کچھ اور ہے باہم ہر دو دعووں کے تغائر و تباین ہے گستاخی معاف پھر اگر اہل سنت حماقت و سخافت عقل کی طرف آپ کو منسوب نہ کریں اور تحمیق و تجہیل نہ کریں تو اور کیا کریں کیونکہ حماقت کے کام پر کچھ تحمیق بیجا نہیں ہے۔ اور تغائر حضرت شاہ صاحب کے دعویٰ کا آپ کے دعویٰ سے ایسا بدیہی ہے کہ محتاج بیان نہیں اور ماقبل میں ہم کسی قدر بیان بھی کر آئے ہیں۔ اب بھی اگر شک ہے تو کسی فارسی خوان سے دریافت کر لیجئے گا۔ عبارت ازالۃ الخفاء کی پڑھ کر انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو تبلا دے گا۔ اور اس دلیل کا آپ کے مدعا میں جاری نہ ہونا یہ بھی ایسا ہی بدیہی ہے۔ چنانچہ اس پر کسی قدر آپ بھی متنبہ ہوئے اور آئندہ عبارت میں بزعم خود اس اعتراض کے رفع کرنے میں تمام علم اصول و معقول کو خرچ کر ڈالا چنانچہ اس کی کیفیت ہم اسی قول کی شرح میں آپ پر اور ناظرین پر واضح کریں گے چونکہ یہ دلیل متین اور رصین حسب اقرار سامی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدعا کو پوری پوری مفید و مثبت ہے۔ اور کچھ گنجائش چون و چرا کی نہیں ہے اس لئے نہ ہم کو کچھ تامل ہے نہ آپ ہی کچھ چون کر سکتے ہیں لیکن آپ کے مدعا کو جو شاہ صاحب کے مدعا کے مباین ہے ہرگز مثبت نہیں اس لئے بحول اللہ وقوتہ اس کی نسبت بہت کچھ تغلیط کر سکتے ہیں اور سب کچھ کہہ سکتے ہیں لیکن جناب کا یہ خیال کہ یہ دلیل چونکہ شاہ صاحب نے بیان فرمائی اس لئے اس میں چون و چرا نہیں کر سکتے محض غلط ہے منشا اس کا یہ ہے اہلسنت کی کتابوں کو بغور ملاحظہ نہیں فرمایا ہمیشہ اہل سنت قول راجح کی تقویت اور ضعیف کی تضعیف و تزییف کرتے رہتے ہیں اگر آپ ازالۃ الخفاء کو ہی دیکھیں گے تو اس دعویٰ کا ثبوت پا تیں گے۔

قولہ اگر شاہ صاحب کی پچھلی کلام اس دلیل میں استقراء کی طرف راجع ہے لیکن شروع [illegible] یہ دلالت کرتی ہے کہ یہ دلیل قیاس بالاولویت پر کہ بالاتفاق معتبر ہے اور عقل بھی اس کے [illegible] دلالت کرتی ہے راجع ہے۔

شیعہ کی [illegible] دانشی لیکن ضد و اصرار

قولہ [illegible] ہے کہ جس میں ہمارے مجیب لبیب نے اپنا علم اصول خرچ فرمایا [illegible] مقدمات بطور دفع دخل مقدر ذکر فرمائیں لیکن مثل مشہور ہنوز دہلی دور است مطلب

کو پہنچا تو درکنار ایسی غلطیوں میں غلطاں و پیچاں ہوتے کہ جو حضرت کے دعویٰ فضل و کمال و علم و اجتہاد کی نقیض پر واضح دلائل ہیں۔ پس واضح ہو کہ ہمارے فاضل مجیب نے اس دلیل کو قیاس بالاولویت قرار دیا اور یہ فاحش خطا ہے کیونکہ قیاس بالاولویت اگر تسلیم کر لیں کہ قیاس ہے اس جگہ ہرگز جاری نہیں ہو سکتا اس کی مثال ولا تقل لهما اف سے اثبات حرمت ضرب و شتم ہے جو بالاولیٰ حرمت تافیف سے مفہوم ہوتی ہے۔ اس جگہ اصل میں حرمت کا حکم منصوص ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے بنص متلو حرمت تافیف بیان فرمائی تو چونکہ اصل میں یہ حکم قطعی تھا۔ اور فرع میں بالاولویت ثابت ہوا تو قطعی ہوا بخلاف، سخن فیہ کے کہ اس میں نہ اصل اصل ہے نہ فرع فرع نہ اصل میں حکم وجوب بنص قطعی ثابت ہے بلکہ نفس وجوب ہی ثابت نہیں۔ پس جس کو فرع قرار دے رکھا ہے اس میں کیونکر وہ حکم بطور وجوب قطعی کے ثابت ہوگا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ احوال و سیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سفر غزوات وغیرہ میں پائی جاتی تھی اس امر پر دال ہیں کہ آپ نے جب کبھی سفر فرمایا تو کسی کو مدینہ پر خلیفہ و حاکم مقرر فرمایا اب اس کو بنظر غور ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کے قیاس بالاولویت کی اگر اصل ہے تو یہی سفر غزوات وغیرہ ہے پس اس کی اصالت کو دیکھئے اور یہ دیکھئے کہ اس میں حکم کون سا ہے اور وجوب اس کا کس دلیل سے ثابت ہے اور علت اس حکم کی کیا ہے اور جب کہ اصل کی یہ کیفیت ہے تو فرع کی کیا حالت ہوگی پس اس کا قیاس بالاولویت کہنا صریح غلطی ہے۔ علاوہ ازیں لفظ لیکن کے ساتھ جملہ سابقہ کا استدراک فرمایا جس کا حاصل یہ تھا کہ شاہ صاحب کے آخر کلام استقراء کی طرف راجع ہے۔ اگر اس استدراک سے یہ غرض ہے کہ ہر گاہ شروع کلام اس دلیل کے قیاس بالاولویت ہونے پر دلالت کرتی ہے تو راجع الی الاستقراء ہونے کا اعتبار نہ رہا تو یہ صریح غلط ہے کیونکہ آخر کلام اول کلام کے لئے مغیر ہوتی ہے نہ بالعکس سو قیاس بالاولویت ہونا باطل ہوا نہ رجوع الی الاستقراء معہذا جب کہ دار و مدار تتبع و استقراء احوال پر ہی ہے تو اس کو کوئی کیونکر رفع کر سکتا ہے اور اگر غرض یہ ہے کہ قیاس بالاولویت جو شروع کلام سے مفہوم ہوتا ہے وہ اس دلیل میں بجائے خود معتبر ہے اور رجوع الی الاستقراء جو پچھلے کلام سے معلوم ہوتا ہے وہ اپنی جگہ معتبر ہے اور ایک دوسری کو مزاحم و متصادم نہیں تو اس سے بھی زیادہ بدیہی غلطی ہے کیونکہ یہ ایک دلیل ہے جو اعتبار قیاس بالاولویت اس دلیل کے قطعی ہونے کو مستلزم ہے اور اعتبار رجوع الی الاستقراء اس کی ظنیت کو مقتضی ہے تو ایک ہی دلیل قطعی بھی ہوئی اور ظنی بھی معہذا اتنا تو آپ بھی جانتے

ہوں گے کہ قطعی اور غیر قطعی سے مرکب قطعی نہیں ہو سکتا پھر معلوم نہیں کہ اس استدراک نے آپ کو کیا فائدہ دیا اور بفرض محال اگر قیاس بالاولویت ثابت بھی ہو تو آپ کو کیا مفید ہے اس کے بعد اس قدر اور گذارش ہے کہ یہ بھی واضح رائے عالی رہی کہ قیاس بالاولویت کو قیاس کہنا صرف علامہ طوسی کے نزدیک ہے ورنہ آپ کے یہاں محقق وغیرہ نے اس کے قیاس ہونے سے انکار کیا ہے ۔ معالم الاصول بحث قیاس میں مذکور ہے ۔

ذھب العلامۃ فی التھذیب وکثیر من العامۃ الی ان تعدیۃ الحکم فی تحریم التافیف الی انواع الاذی الزائدۃ عنہ من باب القیاس و سموہ بالقیاس الجلی و انکر ذلک المحقق وجمع من الناس ۔	علامہ طوسی تہذیب میں اور بہت لوگ عامہ میں سے اس طرف گئے ہیں کہ اس حکم کا تعدیہ جو حرمت تافیف میں ہے انواع تکلیفات کی طرف جو تافیف سے زائد ہیں باب قیاس سے ہے اور اس کا قیاس جلی نام رکھا ہے اور محقق اور ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے ۔

اور جو لوگ کہ اس کے قیاس ہونے کے منکر ہیں وہ اس کو مفہوم الموافقہ اور فحوی الخطاب وغیرہ اسماء سے مسمی کرتے ہیں ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ بجز نصوص کے دوسری جگہ جاری نہیں ہو سکتا پھر معلوم نہیں ہمارے فاضل مجیب باایں ہمہ علم و فضل ایسے کیوں بہکے کہ اپنے اصول و فروع کی بھی خبر نہ رہی ۔ ہم نے مانا کہ حضرت کا قیاس بالاولویت عقلاً معتبر ہے لیکن کہاں معتبر ہے جس جگہ جاری ہو اسی جگہ معتبر ہے یا جس جگہ جاری نہ ہو وہاں بھی اس کو معتبر سمجھے گا اگر وہاں بھی معتبر ہے تو بجز اس کے کہ اس کے اعتبار کرنے والی صرف ہمارے فاضل مجیب ہی کی عقل ہو اور کسی فرد بشر کی نہ ہوگی ۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

قولہ : اور سنیئے پھر اسی صفحہ میں فرماتے ہیں ۔ دلیل رابع اگر شریعتی راکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برای دفع مفاسد عالم و اصلاح جہانیان بجا آوردہ بچشم عبرت تتبع کنی شک نداری در آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آن مقربات کہ افراد بنی آدم را از حضیض بہیمیت باوج ملکیت رساند بیان فرمودہ بعد از آن ہر چہ حاجت بآن ماس ست از آداب معیشت و مکاسب و معاملات و تدبیر منازل و سیاست مدن ہمہ را مشروع ساختہ و ہر نا بایستنی کہ در اینجا بود آن را منع و زجر فرمودہ و از ان ہمہ گذشتہ تحسینات و سد ذرائع مفاسد و دواعی آنہا را بوجہ احسن گردانیدہ

و ہر چیزی بیان کردہ ارکان و شروط و آداب مفصل ساختہ مثل این حکیم دانا و مشفق مہربان عقل تجویز میکند کہ امت خود را در عین مہلکہ بسیار دو تدبیر خلاص ایشان نفرماید در غزوہ تبوک متوجہ شام شود و اثارۂ قوۂ غضبیہ رومیان کند و ایشان را تخویف نماید و نامہ بکسری نویسد کہ آتش غیرت بسبب آن بدماغ او رسد و وی از کمال رعونت خود قاصدی پیش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرستد و قصد اہانت کند و متنبیان مانند مسیلمہ کذاب و اسود عنسی از زمین عرب برخاستہ باشند و مردم ضعیف الاسلام در پے ترویج کفر افتادہ باشند و سور قرآن مانند عصافیر در دست مردم پراگندہ باشند بحکمت این حکیم دانا و رافت این مشفق مہربان مناسبت دارد کہ تدبیر اصلاح عالم ناکردہ امت خود را از زیر نسق خلیفہ نسپردہ از عالم بگذرد ۔ سوال اگر گوئی ہمہ احکام در شرع مبین نشدہ است بلکہ بسیاری از احکام بقیاس مجتہدین حوالہ گذاشتہ اند نصب خلیفہ ہم از احکام غیر مبینہ باشد گو ۔ جواب گویم چیزی کہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقع بود خبر آن بآن حضرت رسیدہ لابد اصلاح آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است اگر خیر است تقریر نمودہ و اگر شر است منع فرمودہ و الا تقریر بر معصیت لازم آید و آن محالست و مصادم عصمت و چیزیکہ قریب الوجود و قریب الحصول بود آن را بیان فرمود آری آنچہ بعید الوقوع است اثارت شبہات بآن نکرد و آن عین رحمت است احکامیکہ بقیاس مجتہدین حوالہ کردہ اند آن وقائع بعید الوقوع است نہ قریب الوقوع و واقعہ کہ تقریر آن کردیم قریب الوقوع است پیش پا افتادہ کہ ہر عاقلی وقوع آن را غداً بعد غد میداندشتان بین القبیلتین باز بر قیاس مجتہدین آنرا حوالہ کرد کہ عقل بہ تحقیق آن مشتغل باشد نہ آنچہ تعبدی محض باشد و تعیین خلیفہ کہ در زمان آئندہ تغییر و تبدیل نکند وسعی او مفید مطالب مقصودہ باشد امری موکول بترجمان لسان غیب کہ عقل را مدخل نتوان بود ۔ انتہی ۔ غور فرمائیے کہ اس دلیل کا ہر حرف ہمارے مدعا کو کیسا ثابت کرتا ہے اور وہ چاروں اصول انعقاد بیعت خصوصاً اصل اول کہ حضرت شاہ صاحب نے اس کتاب کے شروع میں لکھی ہیں کیسی ہباءً منثوراً ہو گئی بخوف طوالت زیادہ نہیں لکھ سکتے ۔

اشتراط نص کی ساتویں دلیل کا ابطال

اقول : یہ دلیل بھی مثل دلائل سابقہ کے ہمارے فاضل مجیب کے مدعا سے بمراحل بعید ہے کیونکہ اولاً یہ دلیل بھی دلائل خطابیہ میں سے ہے اور ظنی ہے تو اس مدعا کو جو اصل اصول دین میں سے ہے ہرگز مثبت نہ ہوگی ۔ ثانیاً جو نص کہ اس عبارت سے مفہوم ہوتی ہے یا اس نص

پر محمول ہے جو مدعا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور یا اس نص پر حمل کیجئے گا جو ہمارے فاضل مجیب کا مقصود بالاثبات ہے اگر بفرض محال وہی نص مراد ہو جس کے اثبات کے مجیب درپے ہیں تاہم مانع کو گنجائش ہے کہ وہ اس استدلال کو منع کرے اور وہ یہ کہے کہ محتمل ہے کہ وہ نص مراد ہو کہ جو مدعا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور قاعدہ ہے اذا جآء الاحتمال بطل الاستدلال تو یہ استدلال جب تک کہ رفع احتمال نہ کیا جاوے باطل ہوگا اور اس احتمال کا رفع ہونا محال ہے اور ظاہر ہے کہ اگر اس نص کو اس پر محمول کیا جاوے جو شاہ صاحبؒ کا مدعا ہے اور بروئے عقل و نقل اس پر محمول ہے تو اس صورت میں اس دلیل سے ہمارے مجیب کے مدعا کی ثبوت کی کوئی سبیل نہیں۔ باقی رہا یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ اس دلیل سے چاروں اصول انعقاد بیعت کے خصوصاً اصل اول ہباءً منثوراً ہو گئی سو یہ ہمارے فاضل مجیب کی خوش فہمی ہے منشاء اس کا یہ ہے کہ اول نص سے وہ نص سمجھے جو اپنا مدعا تھا بعد اس کے یہ سمجھے کہ یہ نص انعقاد کے لئے کافی تھی حالانکہ یہ ہر دو امر فاسد تھے نہ نص سے وہ نص مراد ہے جو مجیب نے سمجھ رکھی ہے اور نہ یہ نص انعقاد کے لئے کافی ہے کیونکہ یہ نص محض کاشف وقائع اور مثبت استحقاق ہے پس بطلان اصول کا دعویٰ محض غلط فہمی سے ناشی ہے اور بناء فاسد علی الفاسد۔

قولہ: پھر صفحہ ۴۷، ۴۸ میں فرماتے ہیں دلیل خامس غلبہ بر جمیع ادیان در رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منطوی بود کما قال عز من قائل هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ وکما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالتواتر انہ بشر بفتح فارس والروم فی اول صبغتہ بمکۃ وفی اول قدومہ بالمدینۃ وعند وفاتہ۔ واگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریب عب دبآن فریضہ مختومہ نکنند ادای ما وجب نکردہ باشند حاشا من ذلک زیرا کہ فتوح فارس و روم از آن قبیل نیست کہ بدون نصب خلیفہ راشد میسر شود و مطلق ایجاب خلیفہ ای خلیفۃ کان کفایت نمیکند زیرا کہ برای امر قوت ہر نفسی مساعد نیست مستحق با غیر مستحق مشتبہ است و قرعہ اختیار برای کسی زدن کہ برای آن موفق باشد و آن امر بروی میسر گردد از علوم امتیان بیرون است و مقدمۃ الواجب واجبۃ و فتنہ ردت معلوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود کہ پیدا شدنی است بنزول يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ۔ واوائل این فتنہ در زمان شریف ظہور کرد کہ مسیلمہ کذاب و اسود عنسی سر برداشتند و بالقطع معلوم بود کہ آن متنبیان و مرتدان اگر دست یابند بنت

اسلام را برہم زنند و مسلمانان استاصل سازند دفع این فتنہ سوائی نصب خلیفہ راشد ممکن نیست و نہ ہر خلیفہ باشد بلکہ شخصی عزیز القدری کہ بتدبیر غیب برای این امر عظیم تعین فرماید و دفع ضرر واجب است و حقیقت حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ بخیر تقریب بخیر و تبعید از شر متحقق نمی شود قال اللہ تعالیٰ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اگر دریں آیت فہم خود را کار فرما شوی بدانی کہ مقابلہ با کفار ابتداءً و دفعاً بغیر نصب خلیفہ امکان نیست و ہر خلیفہ بآن قائم نمی تواند شد بل واحد بعد واحد و تمیز این واحد از عقول عامہ خارج ست پیغامبری باید کہ از ملقی غیب تعین آن فرماید و فتنہ اختلاف ظاہر بنیان در تعیین خلافت فرو نشاند و آتش شغب قدح کنندگان بعض معائب عرفیہ و مثالب رسمیہ بآب زلال معارف حقہ اطفا نماید و اگر تاریخ ملوک را بخوانی البتہ بدانی کہ در مثل این حالات مضطر شدہ اند منصب بادشاہ عزیز الوجود و در تعیین آن بادشاہ گاہی بذیل بخوم متمسک میشدند و گاہی بر رویا و استخارہ و گاہی بفراست حکیمی کہ بر کہانت او اعتماد داشتہ باشند و جزئیات این قصص از حد شمار بیرون ست و اگر یاد نداری مگر قصہ رائی زدن زال دستان بعد قتل نوذر گفتن او بیت۔

> نزیبد بہر پہلوی تاج و تخت بباید یکی شاہ فرخندہ بخت
>
> کہ باشد بر و فرۂ ایزدی بتابد ز گفتار او بخردی

و در آخر کار بیزرد و طہماسپ اتفاق نمودن و قصہ ضعف سلطنت کاؤس در وقت پیری او و خواب دیدن گودرز کہ اصلاح سلطنت فارس بخلافت کیخسرو خواہد بود و گیو را فرستادن برای آوردن کیخسرو از اقصای توران این نیز کفایت میکند۔ انتہی۔ اقول: اگرچہ آپ جانتے ہیں کہ ان فصیح کلموں اور ان عمدہ عبارتوں سے حضرت شاہ صاحبؒ کا کیا مطلب ہے مگر الحمد اللہ کہ یہی تقریریں ہمارا مدعا ثابت اور آپ کا مطلب باطل کرتے ہیں کیونکہ جب ان دلیلوں سے خلیفہ پر نص کا وجوب ثابت ہو گیا تو ہمارا مطلب بکمال وضوح حاصل اور اس باب میں آپ کے تمام شبہے دفع و باطل ہو گئے۔

اشتراط نص کی آٹھویں دلیل کا ابطال

اقول: یہ دلیل بھی مثل دلائل گذشتہ کے ہرگز آپ کے مثبت مدعا نہیں ہے اور اگرچہ آپ اس دلیل کی تعریف فرماتے ہیں اور اس کو تسلیم کرتے ہیں اور اپنا مثبت مرام اعتقاد کرتے ہیں

لیکن فی الحقیقت اگر آپ نظر غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو واضح معلوم ہو جائے گا کہ یہ دلیل آپ کے خرمن مطالب کے لئے صاعقۂ آتش بار ہے کہ جس نے اصول مطالب کا بیخ و بن سے استیصال کر دیا۔ قطع نظر مفاسد استدلالات سابقہ کے جو یہاں بھی لازم آتی ہیں۔ اس اجمال کی شرح ذرا گوش انصاف و ہوش سے سنیئے واضح ہو کہ مختصراً خلاصہ مطالب کی دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ شانہ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے دین اسلام کا جمیع ادیان پر غالب کرنا مقصود تھا چنانچہ لیظھرہ علی الدین کلہ ارشاد ہوا اور نیز وعدہ تھا کہ دین اسلام کو تمکین کامل دیں گے اور خوف کو زائل کر دیں گے اور اس کی جگہ امن تام عطا فرمائیں گے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم لقا کی طرف رحلت فرمائی اور یہ امور حجاب قوۃ سے منصہ فعلیتہ پر جلوہ گر نہ ہوئے کیونکہ خود دو سلطنتیں عظیمہ پہلو بہ پہلو تھے وہ اس وقت تک اس قوت و شوکت پر تھے کہ جن کو ہر طرح غلبہ تھا اور ان سے مامون ہونا عقل سلیم ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے تھے تو لامحالہ ایسے شخص کی ضرورت ہوئی جو نبی کے قائم مقام ہو اور اس کا فعل بمنزلہ فعل رسول ہو اور مراد خداوند تعالیٰ کے ظہور کا جارحہ بنے ہو دو سلطنتیں پائمال ہوں مرتدین نے جو اس وقت سر اٹھایا تھا ان کی سرکوبی فرما دی اور نائرفتن معاندین کو اب تدابیر حسنہ سے فرو کرے اور جس قدر امور داخلی و خارجی میں تشتت ہو اس کو منتظم فرما دے اور ایسے شخص کا دریافت ہونا عقول عامہ سے خارج ہے تو اس لئے ضرور ہے کہ ایسے عزیز الوجود کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب سے تلقی فرما کر متعین فرما دے کہ جس کے ہاتھ پر یہ مہمات سرانجام ہوں اب ہم اس کے بعد اس دلیل کے مطالب کو آپ کے ائمہ کے حالات سے مطابقت کر کے دیکھتے ہیں تو مثل روز روشن صاف اور واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے ہاتھوں نہ روم فتح ہوا نہ فارس فتح ہوا نہ مرتدین کی بیخ کنی ہوئی نہ اسلام غالب نہ شائع ہوا نہ دین کی تمکین ہوئی نہ خوف زائل ہوا نہ امن حاصل ہوا بلکہ برخلاف اس کے ہمیشہ خائف و مختفی و غیر مامون رہے دین ہمیشہ مغلوب رہا کفار و منافقین کے خوف سے ہمیشہ جھوٹ بولتے رہے اور غلط مسائل امت کو تبلاتے رہے ثقل اعظم آج تک تیرہ سو برس گذر گئے وہی محرف اور غلط امت میں مروج رہا کبھی اس کو نہ سنبھالا ثقل اصغر کے ساتھ کیا کچھ سلوک ہوئے اور کچھ اس کا چارہ نہ ہو سکا بلکہ خلعت خلافت حقہ اپنے بدن سے جدا کر کے ایک ایسے غیر مستحق کو عطا فرما دیا کہ جس سے کیا کچھ دین و اسلام میں فتن پھیلے کہ جن کی نظیر شاید عالم میں نہ ہو پھر کیا ایسے ہی اشخاص غیب سے انصرام مہمات کے لئے متعین ہوتی ہیں اور ایسے ہی حضرات معاذ اللہ بقول

آپ کے جو انحطاط دولت دین کے جارحہ ہوئی سبب غلبہ دین کے ہو سکتے ہیں سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ ہم کہاں تک عرض کریں در خانہ اگر کس است یک حرف بس است پس اگر بفرض محال اس دلیل سے وجوب نص مدعا بہا ثابت ہو جاوے تو اس کا مصداق کون سے ائمہ کو قرار دیجئے گا اور ثبوت اشتراط نص محال ہے وجوہات گذشتہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

قولہ: اگرچہ کسی قدر طول ہو گیا مگر شاہ صاحب کا ایک دقیقہ اور سن لیجئے پھر افضلیت کے دلائل گوش توجہ سے اصغا فرمایئے انصاف کرنا آپ کا کام ہے عبارت مسطورہ کے متصل ہی فرماتے ہیں۔ و اینجا دقیقہ الیست اگر فہم کنی اکثر معضلات آسان شود سنۃ اللہ جاری است بر آن کہ چون اکثر خلق لشدتی در مانند مدبر السموات والارض الہامی بالتقریبی می فرستد تا اصلاح عالم بآن تدبیر در رفع شدت صورت گیر دبعث رسل و نصب مجددین بر ہر مائۃ و چیزہائے بسیار متفرع بر ہمین اصل است سری کہ لبعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در وقت غلبہ کفر در آفاق تقاضا کردہ است۔ کما جاء فی الحدیث القدسی ان اللہ مقت عربھم و عجمھم الا بقایا من اھل الکتاب و انی اردت ان ابتلیک بھم و ان ابتلھم بک الحدیث ہمان سر چون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از عالم ادنی بعالم اعلیٰ انتقال فرمود و ہنوز ظہور دین حق چنانکہ می بائست نشدہ و اسباب اختلال دین حق بہم رسیدہ بار دگر برقع از روئے خود کشاد و تعیین خلیفہ ثم خلیفہ نمود تا آنکہ مراد حق تمام شد و موعود او منجز گشت و چنانکہ معرفت شخصی کہ متحمل اعباء نبوت میشود از علوم بشر خارج است و لہذا جاہلان گفتند لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔ ہمچنان معرفت شخصی کہ اعباء خلافت حمل نماید و آن مراد حق بکمال رساند مقدور بشر نیست این ہمہ تدبیر غیب است کہ از پس پردہ کار میکند و لابد است کہ پیغامبر آن شخص معین ارشاد فرماید انتہی بقدر الحاجۃ۔ یہ کلام بلاغت نظام اہل حق کے مطلب کو نہایت ہی صراحت سے ثابت کرتی ہے اور طالب حق کو ہدایت کی منزل پر پہنچاتی ہے کیونکہ اس سے بذریعہ وحی یزدانی و ارشاد رسول ربانی خلیفہ کا منصوص علیہ ہونا ہر ادنی و اعلیٰ پہ بالوجوب ثابت ہے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ انسان کا مقدور نہیں کہ متحمل اعباء خلافت اور لائق مسند امامت کو پہچان سکے۔

ؒ

اشتراط نص کی نویں دلیل کا ابطال

اقول: اس کلام بلاغت نظام کی نسبت جس قدر تعریف و توصیف و مدح و ثنا فرمائی بجا و درست ہے وہ اسی کے قابل ہے لیکن میں اس تعریف کی نسبت وہ ادر کہتا ہوں جو جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر فرمایا تھا۔ کلمۃ حق ارید بہا باطل اگرچہ دلائل سابقہ کے جوابات میں آپ کے تمام استدلالات کا بخوبی ابطال ہو چکا ہے لیکن یہاں بھی اس قدر گذارش ضرور ہے کہ یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ اس سے بذریعہ وحی یزدانی و ارشاد رسول ربانی خلیفہ کا منصوص علیہ ہونا بالوجوب ثابت ہے یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ وجوب سے مراد حسب قاعدہ وجوب علی اللہ ہے اور اس دلیل سے وجوب علی اللہ کا عدم ثبوت اجلی بدیہیات سے بھی زیادہ واضح ہے بلکہ وجوب علی اللہ کا بطلان جا بجا قرآن مجید اور احادیث رسول کریم صلوات اللہ علیہ وسلامہ اور اقوال ائمہ سے ثابت ہے۔ معہذا اگر معاذ اللہ خدا تعالیٰ پر بعث رسل و استخلاف ائمہ واجب ہے تو اس کی علت غائی یہ ہے کہ عالم کی اصلاح ہو اور وہ شدت کہ جس میں لوگ مبتلا ہوں رفع ہو جاوے تو اصلاح عالم کی پیشتر واجب ہوئی اور جب اصلاح عالم کی خدا تعالیٰ پر واجب ہوئی تو پھر وقوع فساد بجز اس کے کیونکر ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ تارک واجب ہو تو جب وقوع فساد ممکن نہ ہوا تو بعث رسل کی کیا ضرورت رہی اور اس کا وجوب محض لغو ہو گیا تو وجوب نص خود اس دلیل سے باطل ہو گیا۔ علاوہ ازیں جو عبارت کہ مابعد متصل اس عبارت منقولہ کی مذکور ہے اور جس کو ہمارے فاضل مجیب نے اپنے مخالف مطلب سمجھ کر نہیں لکھی ہے وہ خود اس استدلال کو بیخ و بن سے اکھاڑ رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس عبارت منقولہ کے بعد ہی فرماتے ہیں واگر فرض کنیم کہ بعض انواع تعیین بگذارد و آن نخواہد بود الا از جہت اعتماد بر تکفل آنکہ یابی اللہ والمومنون الا ابا بکر اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب کہ خداوند تعالیٰ شانہ اس کے سرانجام کا متکفل ہو چکا تو ضرورت نہیں رہی کہ تعیین و تنصیص خاص فرما دے تو وہ نص جس کے آپ تمام عبارت میں درپے اثبات ہیں ہباءً منثوراً ہو گئی۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ خاص نص مدعا یہ کے ثبوت کے لئے دلیل کی فکر فرماویں ورنہ دلیل مذکور کے ضمن میں مدعا خاص کا ثبوت نہیں ہے۔ اور یہ جو آپ فرماتے ہیں [illegible] خلافت اور [illegible] مسند امت کو بچا [illegible]

استخلاف سے اس کے ہاتھوں پر پوری ہوں اور کفار و فجار و فساق و اشرار کا ہم پیالہ و ہم نوالہ نہ بنے تو مسلم فی الواقع ایسے شخص کی پہچان مقدور عوام الناس نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ آپ کو کچھ مفید نہیں اور اگر مراد یہ ہے کہ ایسے خلیفہ کی پہچان مقدور بشر نہیں ہے جو بوجہ خلافت اٹھا نہ سکے بلکہ کفار و فجار کے ہمیشہ ہم پیالہ و ہم نوالہ رہے بلکہ اس کی مسامحت و مداہنت اور ضعف اور جبن کے سبب دین اسلام تباہ و برباد ہو اور باوجود قدرت کے کسی امر کی اصلاح اس سے نہ ہو سکے یا فرض کرو ایسا شخص ہو کہ جس کی نسبت انصرام مہمات خلافت میں تردد ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ سر انجام امور خلافت اس سے ہو سکے گا یا نہ ہو سکے گا تو یہ غیر مسلم ہے اور ایسا غلط ہے کہ محتاج دلیل نہیں پھر باوجود اپنے علماء کی تصریحات کے دیکھنے کے جو ائمہ کے حالات کے متعلق ہیں یہ فرمانا کہ ان کی پہچان مقدور بشر نہیں آپ ہی کے علم و انصاف پر زیبا ہے۔ علاوہ ازیں اس پہچان اور عدم پہچان کا قضیہ تو خود حضرت امیرؓ نے ہی فیصل فرما دیا اور ان خطبات میں جو نہج البلاغۃ اور اس کی شرح میں منقول ہیں یہ قصہ چکا دیا شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ علامہ ابن میثم بحرانی اپنی شرح کبیر نہج البلاغۃ میں اس خط کی شرح میں جس کا عنوان یہ ہے ومن کتاب لہ الی معویۃ اما بعد فقد اتتنی منک موعظۃ موصلۃ الخ فرماتے ہیں وکنت امرء من المہاجرین اوردت کما اوردوا واصدرت کما اصدروا وما کان اللہ لیجمعہم علی ضلال اولیضربہم بالعمی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل حل و عقد مہاجرین و انصار جس پر اتفاق کر لیں اور مجتمع ہو جاویں وہی امام و خلیفہ برحق ہے خواہ وہ ان امور کے حصول کو جو مقاصد خلافت ہیں اس کی نسبت جس کو امام بنا دیں معلوم کریں یا نہ کریں اور پہچانیں یا نہ پہچانیں کیونکہ بشہادت جناب امیرؓ ان کا اجماع ضلال پر محال ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حسب ارشاد جناب امیر بیعت اہل حل و عقد کافی ہے چنانچہ دوسرے خطبہ میں بھی اس کو بصراحۃ ظاہر فرمایا و انما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فاذا اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان ذلک للہ رضی۔ اس ارشاد سے بداہۃً واضح ہے کہ اجماع اہل حل وعقد خلاف مرضی حق ہو نہیں سکتا تو حسب ارشاد جناب امیرؓ آپ کا منہ نہیں کہ ہم پر امام نہ پہچاننے سے اس کے منصوص ہونے پر استدلال کریں۔

قولہ: پس بعینہ یہی تقریر ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ امامت میں عصمت شرط ہے اور عصمت کا علم مقدور بشر نہیں [illegible] ضرورت ہے کہ امام منصوص اللہ والرسول ہو [illegible] فرق

لفظ عصمت کے ہونے نہ ہونے میں ہے ورنہ مطلب ایک ہے۔

عصمت ائمہ کے شیعی تخیل سے خاندان ولی اللہی کا کوئی تعلق نہیں

اقول: اول تو یہ ہی غلط کہ بجز عصمت کے آپ کی تقریر میں اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر میں درباب نص کچھ فرق نہیں کیونکہ اولاً آپ اس کے وجوب علی اللہ کے قائل ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ اس کے قائل نہیں اور نہ کوئی عاقل مومن اس کا قائل ہوسکتا ہے اور ثانیاً آپ ایک نص کے فرد خاص کے مثبت ہیں جس کا اثبات نہ عقل سے ہوسکتا ہے نہ نقل سے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے ہرگز اس کا اثبات نہیں ہوتا معہذا یہ فرق جو عصمت کے ہونے نہ ہونے کا ہے کہ جو فرق ضیاء و ظلام کے فرق سے بھی زیادہ ہے کیا آپ کے نزدیک کچھ فرق نہیں ہے، اس کے اوپر تو دلیل کی صحت و غلط ہونے کا مدار ہے چونکہ عصمت خود باطل ہے چنانچہ گذارش ہوچکا اس لئے جو اس پر مبنی ہے وہ بھی از قبیل بناء فاسد علی الفاسد اور باطل ہے اور حضرت شاہ صاحب کی دلیل ایک ایسے امر حق پر متفرع ہے جس میں مخالفین کو بھی چوں کرنے کی گنجائش نہیں ہے، پس اس فرق کو کچھ فرق نہ سمجھنا اور اس دلیل کو بعینہ اپنی دلیل سمجھنا اور یہ کہنا کہ "ورنہ مطلب ایک ہے" ہمارے مجیب صاحب جیسے مدعی انصاف کے سوا کسی دوسرے عاقل کا کام نہیں۔

قولہ: اگر حضرات اہل سنت ہماری تقریر لفظ عصمت کے سبب پسند نہ فرماویں اور اس سے گھبرائیں اور انکار کے لئے آمادہ ہوں تو حضرت شاہ صاحب کی یہ عبارتیں جو اوپر مذکور ہوئیں پیش نظر رکھیں اور ہمارے لفظوں کا خیال نہ فرماکر تنازع لفظی نہ فرماویں بلکہ مطلب کے اتحاد پر نظر کرکے اس کو تسلیم کریں اگر ہم عبائر منقولہ از ازالۃ الخفاء پر بسط سے گفتگو کرتے تو ایک کتاب ہو جاتی اور بہت طول ہوتا محض اسی خیال سے صرف اشارات ہی پر اکتفا کیا گیا حضرت مجیب صاحب بغور ان کو ملاحظہ فرمائیں انھیں عبائر سے عصمت بھی بخوبی ثابت ہے بلکہ اگر نظر دقیق سے دیکھا جائے تو عصمت ہی کے لئے ان امور کی ضرورت ہے جو شاہ صاحب نے بیان فرمائی ہیں مگر چونکہ خلفاء ثلثہ میں عصمت مفقود ہے ان معانی کو اور الفاظ سے بیان کیا ہے انصاف کے یہ ہی معنی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارات شیعہ سمجھ نہیں سکتے

اقول: بفضل اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارتیں اہلسنت کے پیش نظر ہیں اور وہ ان کے مطلب و مدعا سے بخوبی واقف و آگاہ ہیں اور کسی قدر آپ بھی سمجھتے ہیں چنانچہ آپ ہی فرما چکے (کہ اگرچہ آپ جانتے ہیں کہ ان فصیح کلموں اور عمدہ عبارتوں سے حضرت شاہ صاحبؒ کا کیا مطلب ہے) لیکن آپ کیا کریں اپنے انصاف کے ہاتھ سے لاچار ہیں اگر ان عبارتوں کو اپنے مدعا کی طرف نہ کھینچیں تو اور کیا کریں۔ کتاب و سنت سے تو دلائل کا میسر ہونا معلوم تو اب ایسی مجبوری کی حالت میں اپنا دل یوں ہی خوش کرلیں پھر اس کا نام جواب رکھ چھوڑا ہے اور اس پر یہ جوش و خروش ہاں شاید عوام کالانعام تو دھوکا کھا جائیں گے اور کہہ دیں گے کہ جناب میر صاحب نے دلائل نص تحریر فرمائے ورنہ اہل علم و انصاف ایسے جواب سے سکوت بہتر سمجھتے ہیں۔ جب نص کا یہ حال ہے جو مسوق لہ ان دلائل کا ہے تو واسئے برحال ثبوت عصمت کہ جس کی طرف اشارہ ہی اشارہ ہے اور نیز عصمت جب کہ ان دلائل سے ہی ثابت نہ ہوسکی جن پر کیا کیا کچھ ناز و افتخار تھا تو ان دلائل سے آپ کیا ثابت کرسکیں گے مشتی نمونہ از خروارد قطرہ انموذج بحار حضرت کے اشارات ہی سے بسط گفتگو کا حال معلوم ہوگیا اور بخوبی صحیح صحیح اندازہ کرلیا گیا فی الحقیقت آپ نے دانش مندی کو کام فرمایا کہ کلام میں بسط نہیں کیا اور اشارات ہی پر اکتفا فرمایا کہ بندہ نے بھی بجواب اس کے محض اشارات پر ہی اکتفا کیا اور مجملاً و مختصراً آپ کو آپ کی غلطیوں پر متنبہ کردیا اگر جناب بسط و تفصیل کی طرف متوجہ ہوتے تو اسی سے آپ بھی اندازہ فرمالیجئے کہ بندہ بھی بجواب اس کے کیا کیا کچھ آپ کے استدلالات کے ساتھ سلوک کرتا اور آپ کے ذخیرہ دلائل پر کیسے صواقع اعتراضات نازل ہوتے باقی رہا خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم میں عصمت کا مفقود ہونا سو یہ اہل سنت کے نزدیک کچھ خلفاء ثلثہ کے ہی ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اہل بیت و صحابہ بلکہ سوائے انبیاء تمام افراد انسانی اس میں شامل ہیں لیکن اگر خدانخواستہ اہل سنت بھی معاذ اللہ خلاف کتاب و سنت مثل حضرات شیعہ کے خلفاء کے لئے مدعی عصمت ہوتے اور ان کی عصمت کے لئے ایسے ہی دلائل جیسے حضرات شیعہ ائمہ کے لئے پیش کرتے ہیں، پیش کرتے تو آپ کے دلائل سے کچھ زیادہ ہی مضبوط ہوتے مگر اہل سنت کا امام و مقتدا۔ تو کتاب و سنت ہے جو اس سے ثابت نہ ہو وہ معتبر نہیں بخلاف حضرات شیعہ کے کہ باوجودیکہ عصمت کتاب اللہ یا کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں پھر اس کے ایسے معتقد ہیں کہ

اصول دین میں سے سمجھ رکھا ہے اور اسی پر کیا منحصر ہے بہت مسائل فروعی واعتقادی ہیں جن میں یہ ہی حال ہے۔ کتاب اللہ کے معانی کو پھیر پھیر کر اس طرف کھینچتے ہیں اور نہیں کھنچتے تاویلات بعیدہ رکیکہ کرتے ہیں اور کسی کل سیدھے نہیں بیٹھتے واقعی انصاف کے یہی معنی ہیں۔ اہل سنت کو حاشا للہ یہ انصاف کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔

بحث افضلیت

قولہ: اب اس بحث کو ختم کرتے ہیں اور افضلیت کو شروع کرتے ہیں اس کے دلائل سنیئے یہ بھی عقل ونقل سے ثابت ہے اول ایک دو عقلی دلیلیں عرض ہیں غور سے سنیئے خلافت ریاست عامہ دین و دنیا سے مراد ہے اور غرض اس سے شرائع الٰہیہ و معالم ربانیہ کی ترویج اور مسائل دینیہ و احکام شرعیہ کا پھیلانا اور حدود و ثغور کا ضبط و جہاد کرنا اور ظالم سے مظلوم کا انصاف لینا وغیرہ ہے اور یہ سب کام اس طرح ہونے چاہئیں کہ رضا الٰہی حاصل ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص اعلم واتقی واورع واعقل وافضل ہوگا بے شک اس شخص سے کہ جو علم وورع وتقویٰ وغیرہ میں بہ نسبت اس کے کم ہوگا خلافت کے امور مطلوبہ بوجہ احسن بجالائے گا اور حصول مرضی حق تعالیٰ جس طرح اس سے ہوگا مفضول سے ہرگز نہ ہوگا اور بدیہی ہے کہ ایسے شخص سے جو خلافت کے امور بوجہ احسن انجام کرے خلافت لے کر ایسے مفضول کو دینا کہ یہ امور اس سے ویسے سرانجام نہ ہوسکیں عقل مستقیم ورائے سلیم کے نزدیک نہایت ہی قبیح و شنیع ہے۔

اشتراط افضلیت کی پہلی دلیل کا ابطال

اقول: یہ شرط بھی مثل اپنے اختیں کے خلاف عقل ونقل و باطل ہے اور جس قدر دلائل اس جگہ ذکر ہوتے ہیں وہ ہرگز مثبت مدعا مجیب نہیں ہیں بلکہ افضلیت کے معنی جو ہمارے مجیب لبیب نے سمجھ رکھے ہیں اور اس عبارت سے معلوم ہوتے ہیں اور سابق میں تعریف افضلیت میں بھی تحریر کر آئے ہیں وہ ہی غلط اور خلاف تصریحات علمائے قوم ہیں اس لئے ضرور ہوا کہ اول مجیب لبیب کو ان کے علما کی نصوص سے افضلیت کو تعریف بتادے کہ اس کا مدار مدار کن امور پر ہے بعد اس کے ناظرین رسالہ مجیب صاحب کی غلطی معلوم کر لیں گے اور تھوڑی سی تنبیہ کے بعد فاضل مجیب بھی اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائیں گے [illegible] افضلیت کی تعریف

ہمارے فاضل مجیب نے یہ فرمائی (افضلیت کے یہ معنی ہیں کہ کل امت سے جس کا امام ہو صفات حمیدہ واخلاق ستودہ میں افضل ہو اس جگہ مدار افضلیت کا صفات حمیدہ واخلاق ستودہ پر رکھا کہ ملکات نفسانیہ ہیں اور اس دلیل کے ضمن میں فرمایا کہ جو شخص اعلم واتقی واورع واعقل وافضل ہوگا، گویا اس جگہ ہمارے مجیب نے صفات حمیدہ واخلاق ستودہ کی تفصیل بیان کر دی۔ قطع نظر اس سے کہ اجمال وتفصیل باہم موافق ہیں یا نہیں۔ جب ہم علمائے قوم کی تصریحات کو اس بارہ میں دیکھتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مجیب کا افضلیت کی نسبت یہ اعتقاد بالکل خطا ہے اور مدار فضل کا ان پر ہرگز نہیں۔ آپ کے شیخ مفید صاحب اپنے رسالہ افضلیت امیر المومنین میں جو اس وقت میرے سامنے موجود ہے تحریر فرماتے ہیں۔

فصل وقد اعتمد اکثر اھل النظر فی التفضیل علی ثلث طرق احدھا ظواھر الاعمال والثانی علی السمع الوارد بمقادیر الثواب ومادلت علیہ معانی الکلام والثالث المنافع فی الدین بالاعمال.	نفس اہل نظر نے تفضیل میں تین طریقوں پر اعتماد کیا ہے۔ ایک تو ظاہری اعمال دوسرے شارع سے سنے پر جو کہ مقادیر ثواب میں وارد ہو اور جس پر معانی کلام دلالت کریں۔ تیسرے دین میں منافع جو اعمال سے حاصل ہوئی ہوں۔

انتہی بقدر الحاجۃ

اس عبارت سے صاف [illegible] ہے کہ افضلیت کا مدار اوصاف واخلاق پر نہیں۔ شیخ صاحب اسی رسالہ میں دوسری جگہ بیان اختلاف مسئلہ تفضیل میں فرماتے ہیں۔ ووقف منھم نفر قلیل فی ھذا الباب فقالوا لسنا نعلم اکان افضل ممن سلف من الانبیاء او کان مساویا لھم او دونھم فیما یستحق بہ الثواب۔ آپ کے حضرت علم الہدیٰ اپنے املائیہ میں فرماتے ہیں۔ اعلم انہ لا طریق من جھۃ العلم والعقل الی القطع بفضل مکلف علی غیرہ لان الفضل المراعی فی ھذا الباب ھو زیادۃ استحقاق الثواب ولا سبیل الی معرفۃ مقادیر الثواب من ظواھر فعل الطاعات۔ اور اس کے کچھ بعد فرماتے ہیں۔ فان دل سمع مقطوع بہ من ذلک علی شیء عول علیہ والا کان الواجب التوقف عنہ والشک فیہ۔ آپ کے علم الہدیٰ صاحب نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ افضلیت کا مدار زیادتی استحقاق ثواب پر ہے اور اس میں عقل کو کچھ دخل نہیں صرف اس نقل وسمع پر جو قطعی ہے موقوف و منحصر ہے [illegible]

کہ آپ ان کے موافق ہیں یا مخالف۔ معہذا اگر افضلیت کا مدار اخلاق حمیدہ وصفات پسندیدہ پر ہو تو لازم آوے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے افضل ہوں کیونکہ جب ہم تفاسیر شیعہ سے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے حالات دریافت کرتے ہیں تو آپ کے اخلاق کی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں بجائے اخلاق حمیدہ کے معاذ اللہ اخلاق ناپسندیدہ تھے۔ تفسیر صافی سورۂ کہف میں جو معاملہ حضرت موسیٰ کا اپنے استاد خضرؑ کے ساتھ واقع ہوا قابل دید ہے۔

القمی عن الباقر لما اخبر رسول اللہ قریشا بخبر اصحاب الکہف قالوا اخبرنا عن الاعلم الذی امر اللہ موسیٰ ان یتبعہ وما قصتہ فانزل اللہ عزوجل واذ قال موسیٰ لفتٰہ قال وکان سبب ذلک انہ لما کلم اللہ موسیٰ تکلیما فانزل علیہ الالواح وفیہا کما قال وکتبنا لہ فی الالواح من کل شئ موعظۃ وتفصیلا لکل شئ رجع موسیٰ الی بنی اسرائیل فصعد المنبر فاخبرہم ان اللہ قد انزل علیہ التوراۃ وکلمہ قال فی نفسہ ما خلق خلقا اعلم منی واوحی اللہ الی جبرئیل ادرک موسیٰ فقد ہلک واعلمہ ان عند ملتقی البحرین عند الصخرۃ رجل اعلم منک فصر الیہ وتعلم من علمہ فنزل جبرئیل علی موسیٰ واخبرہ وذل موسیٰ وعلم انہ اخطأ ودخلہ الرعب وقال لوصیہ یوشع ان اللہ قد امرنی ان اتبع رجلا عند ملتقی البحرین واتعلم منہ فتزود یوشع حوتا مملوحا وخرجا۔

قمی نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے جب حضرتؐ نے قریش کو اصحاب کہف کا قصہ سنایا انھوں نے کہا ہم کو اس بڑے عالم کا قصہ سناؤ جس کی اتباع کا خدا نے موسیٰ کو حکم فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت واذ قال موسیٰ لفتٰہ نازل کی فرمایا اس کا سبب یہ ہوا جب خدا نے موسیٰ سے کلام کی اور تختیاں اتاریں اور ان میں حسب ارشاد ہر شے سے نصیحت اور ہر شے کی تفصیل لکھی تو موسیٰ بنی اسرائیل کی طرف لوٹے اور ان کو خبر دی کہ خدا نے اس پر توریت نازل فرمائی اور کلام کی اور اپنے دل میں کہا کہ خدا نے کسی کو مخلوق میں مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں پیدا کیا خدا نے جبرئیل کی طرف وحی کی کہ موسیٰ کی خبر لے کہ وہ ہلاک ہو چکا اور اس کو جتلا کہ ملتقی البحرین میں صخرہ کے پاس ایک شخص ہے وہ تجھ سے زیادہ جاننے والا ہے اس کی طرف جا اور اس کے علم سے سیکھ جبرئیل موسیٰ کے پاس آئے اور خبر دی اور موسیٰ کو رستہ بتایا اور موسیٰ نے سمجھا کہ میں نے خطا کی اور ڈر گیا اور اپنے وصی یوشع کو کہا کہ خدا نے مجھ کو ایک شخص کی پیروی اور سیکھنے کا حکم دیا ہے جو ملتقی البحرین کے قریب ہے تو یوشع نے ایک نمکین مچھلی بطور توشہ کے لی اور نکلے۔

اگرچہ اس روایت میں بہت سے فوائد منطوی ہیں لیکن بخیال تطویل فہم ناظرین پر چھوڑ کے صرف بیان مقصود پر اکتفا کیا جاتا ہے وہ یہ کہ بنص خدا تعالیٰ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اعلم تھے اور بحکم خداوندی حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم اور ان کی اتباع کے مامور ہوتے اور بارشاد خداوند تعالیٰ بقصد غاشیہ برداری تلمذ واسترشاد اپنے استاد کی تلاش میں اپنے وصی کو لے کر بیابان نورد دشت غربت ہوئے اور پھر بعد ملاقات کے کیسی کس عہد و پیمان سے ہمراہ ہوئے کہ میں کسی معاملہ میں چون وچرا نہ کروں گا۔ چنانچہ بصراحت تمام نص قرآنی میں مذکور ہے۔ اس کے بعد کا قصہ سنیئے۔ غلام کے قتل پر حضرت موسیٰ کو کیسا کچھ جوش آیا اور اپنے عہد و پیمان کو یک لخت توڑ ڈالا اور اپنے استاد کی کیسی بے حرمتی فرمائی۔

فی العلل عن الصادق فغضب موسیٰ واخذ بتلبیبہ وقال اقتلت الآیہ قال الخضر ان العقول لا تحکم علی امر اللہ بل امر اللہ یحکم علیہا فسلم لما تری واصبر علیہا فقد کنت علمت انک لن تستطیع معی صبرا۔

علل میں امام صادق سے مروی ہے کہ موسیٰ غصہ ہوئے اور خضر کی گردن پکڑی اور کہا اقتلت نفسا الخ خضر نے کہا کہ عقول خدا کے امر پر حاکم نہیں ہیں بلکہ اللہ کا امر عقلوں پر حاکم ہے پس جو کچھ تو دیکھ رہا ہے اس کو تسلیم کر اور اس پر صبر کر میں تو جان چکا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔

اس سے یہ بھی یاد رکھیئے گا کہ عقول پر امر اللہ حاکم ہے نہ بالعکس جیسا کہ حضرات شیعہ معتقد ہیں اور اس کے کچھ آگے مذکور ہے۔ القمی عن الرضا فی تتمۃ الحدیث السابق فمروا فلم یزالوا حتی انتہوا الی ساحل البحر وقد شحنت سفینۃ وہی ترید العبور فقال ارباب السفینۃ نحمل ہؤلاء الثلثۃ نفرا فانہم قوم صالحون فحملوہم فلما جنحت السفینۃ فی البحر قام الخضر الی جوانب السفینۃ فکسرہا وحشاہا بالخرق والطین فغضب موسیٰ غضبا شدیدا وقال للخضر اخرقتہا لتغرق اہلہا لقد جئت شیئا امرا فقال لہ الخضر الم اقل انک لن تستطیع معی صبرا قال لا تؤاخذنی بما نسیت ولا ترہقنی من امری عسرا فخرجوا من السفینۃ فنظر الخضر الی غلام یلعب بین الصبیان حسن الوجہ کانہ قطعۃ قمر وفی اذنیہ درتان فتأملہ الخضر ثم اخذہ فوثب موسیٰ علی الخضر وجلد بہ الارض فقال اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس لقد جئت شیئا نکرا فقال الخضر الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ

اعلمیۃ مستلزم افضلیت کو نہیں کیونکہ حضرت خضر اعلم تھے اور افضل نہ تھے اور سنیئے کہ قارون
کے لئے خلاف رضاء خداوندی عذاب کے خواستگار ہوتے اور جب عذاب نازل ہوا تو ہر چند
قارون نے الحاح وزاری کی لیکن شدت غضب میں ایک مسموع نہ ہوئی جو جناب خداوندی
میں ناپسند ہوئی اور حق تعالیٰ نے انھیں کلمات کے ساتھ موسیٰ کو عار دلایا جن کلمات کے ساتھ
قارون کو آپ نے عار دلایا تھا مختصراً عبارت تفسیر لکھتا ہوں،

وقد کان قارون قد امر ان یغلق باب قصره فاقبل موسیٰ فاومی الی الباب فانفرجت ودخل علیه فلما نظر الیه قارون علم انه قد اتی بالعذاب فقال یا موسیٰ اسئلك بالرحم الذی بینی وبینك فقال له موسیٰ یا ابن لاوی لا تزدنی من کلامك یا ارض خذیه فدخل القصر بما فیه فی الارض ودخل قارون الی رکبته فبکی وحلفه بالرحم فقال له موسیٰ یا ابن لاوی لا تزدنی من کلامك یا ارض خذیه فابتلعته بقصره وخزائنه وهذا ما قال موسیٰ لقارون یوم اهلکه الله عزوجل فعیره الله عزوجل بما قال لقارون فعلم موسیٰ ان الله تبارك وتعالیٰ قد عیره بذلك فقال یا رب ان قارون دعانی بغیرك ولو دعانی بك لاجبته فقال الله عزوجل یا ابن لاوی لا تزدنی من کلامك فقال موسیٰ یا رب لو علمت ان ذلك لك رضی لاجبته انتهی بقدر الحاجه۔

قارون نے حکم کیا تھا کہ محل کا دروازہ بند کیا جاوے موسیٰ آئے اور دروازہ کی طرف اشارہ کیا وہ کھل گیا اندر ان کے پاس گئے جب موسیٰ کو قارون نے دیکھا سمجھا کہ عذاب آیا کہا اے موسیٰ میں تجھ سے بواسطہ اس رحم کے جو میرے اور تیرے درمیان ہے سوال کرتا ہوں موسیٰ نے اس کو کہا اے لاوی کے بیٹے مجھ سے زیادہ کلام مت کر اے زمین لے اس کو پس محل اور جو کچھ اس میں تھا زمین میں اتر گیا اور قارون بھی گھٹنوں تک دھنس گیا پھر قارون رو پڑا اور موسیٰ کو رحم کی قسم دینے لگا موسیٰ نے کہا اے لاوی کے بیٹے مجھ سے زیادہ بات مت کر اے زمین اس کو لے لیں زمین نے اس کو اور اس کے محل اور خزانوں کو نگل لیا یہ وہ تھا جو قارون کی بلا کے دن موسیٰ نے کہا، پھر خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو اس قدر سے جو قارون کو کہی تھی عار دلایا اور موسیٰ سمجھے کہ خدا تعالیٰ نے اس کلام سے مجھ کو عار دلایا عرض کیا اے پروردگار قارون نے تیرے غیر کے واسطے سے مجھ کو پکارا تھا اگر تیرے واسطے سے پکارتا تو میں قبول کرتا خدا تعالیٰ نے فرمایا اے لاوی کے فرزند مجھ سے زیادہ بات مت کر موسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار اگر میں یہ جانتا کہ اس میں تیری رضا ہے تو میں قبول کرتا۔

علاوہ اس کے قبطی کو مار ڈالا اور اپنے بڑے بھائی بے گناہ کی جو نبی تھے داڑھی پکڑ کر کھینچا

الواح تورات جو عطیہ خداوندی تھا اور جس میں موعظہ اور تفصیل ہر ایک شی کی مذکور تھی شدت
غضب میں ڈال دینا حضرت کے اخلاق واوصاف پر پوری دلیل ہے حضرت ہارون کے
اخلاق کی نسبت جو ہم اسی تفسیر صافی میں دیکھتے ہیں تو اس کی تفسیر سورہ اعراف تحت آیت
واخذ براس اخیه یجره الیه قال ابن ام میں لکھا ہے۔

وفی الکافی عن امیر المومنین فی خطبة الوسیلة انه کان اخاه لابیه وامه والقمی مثله عن الباقر والصادق قیل کان هارون اکبر من موسیٰ بثلث سنین وکان حمولا لینا ولذلك کان احب الی بنی اسرائیل انتهی۔

کافی میں جناب امیر رضی اللہ عنہ سے خطبہ وسیلہ میں مروی ہے کہ ہارون موسیٰ کا حقیقی بھائی تھا، اور قمی نے مثل اس کی امام باقر اور امام صادق سے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ ہارون موسیٰ سے تین سال بڑے تھے اور نہایت متحمل اور نرم مزاج تھے اسی سبب سے بنی اسرائیل ان کو زیادہ دوست رکھتے تھے۔

اب ہم ان روایت میں تامل کی نظر سے دیکھتے ہیں اور حسب قاعدہ حضرات شیعہ کی عقل
کو جو حسن وقبح میں خدا پر بھی حاکم ہے اس معاملہ میں حکم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ
حضرت موسیٰ میں اخلاق ناپسندیدہ تھے اور اگر بالفرض ظاہر سے پھیر کر تاویل بھی آپ فرمائیں
گے تو بس غایۃ مافی الباب یہ ثابت ہوگا کہ فی الجملہ بعض مواقع میں درشتی وسختی وغلظت
وفظاظت محمود ہوتی ہے لیکن بروئے عقل جس کو الحکم الا لعقل کہنا آپ کے قاعدہ کے بموجب
واجب ہے بداہتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ علی العموم لین ورفق بہ نسبت درشتی وعنف کے زیادہ
محمود وپسندیدہ ہیں اور اگر یہ تسلیم نہ کریں گے تو لازم آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں، آپ کی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فبما رحمة من الله لنت لهم۔ — پس خدا کی رحمت کے سبب تو ان کے لئے نرم ہوگیا ہے

اور رؤف رحیم آپ کی صفات خاصہ ہیں، عموم وقائع واحوال آپ کے رفق ولینت و
رافت ورحمت کے شاہد حال ہیں، اساری بدر کا قصہ شاید آپ کو یاد ہوگا، الحاصل اگر مدار
تفضیل کا اخلاق حمیدہ پر ہے تو حضرت ہارونؑ وغیرہ جن میں رفق ولینت پائی جاتی ہے
حضرت موسیٰؑ سے افضل ہوں گے اور نیز حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب امیر المومنین
والد بزرگوار سے افضل اور امام سجاد اپنے والد سے افضل ہوں اور یہ آپ کے نزدیک بدیہی البطلان
ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ مدار افضلیت کا اخلاق حمیدہ پر نہیں ہے جو مدرک بالعقل ہو بلکہ

مدار زیادتی استحقاق ثواب پر ہے اور غیر مدرک بالعقل چنانچہ بیان تعریف افضلیت میں ہم اس کی طرف ایما کر چکے ہیں اب بعد اس کے گذارش ہے کہ اعقل ہونے کی قید بھی ایجاد و اختراع ہے قطع نظر اس سے عقلاً اعقلیت کا جاننا اس پر موقوف ہے کہ حروب و وقائع وغیرہ معاملات میں اس سے تدابیر حسنہ ظاہر ہوں اور مثمر نتائج محمودہ کو ہوں اور اپنے ناخن تدابیر صائبہ سے پیچیدہ معاملات کی گل جھڑیوں کو عمدہ طور پر سلجھاوے اور جب ائمہ کے تاریخی حالات کو دیکھا جاتا ہے تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ اعقل تھے اور نہیں تو قصہ تحکیم کو ہی ملاحظہ فرما لیجئے یا خلع اپنے خلیفۂ ثانی کو ہی دیکھ لیجئے۔ غرض کہ ایام خلافت میں جس قدر معاملات پیش آئے ان میں سے کوئی بھی سلجھا اور کوئی بھی رو براہ ہوا اور خلافت سے جو غرض حق تعالیٰ کی تھی کہ ترویج شرائع الٰہیہ و معالم ربانیہ ہو اور مسائل دینیہ و احکام شرعیہ پھیلیں کچھ ہی حاصل ہوئی اور جب کچھ حاصل نہ ہوئی تو آپ کو قاعدہ کلیہ معلوم ہی ہوگا اذا خلا الشی عن مقصود لغا۔ علاوہ ازیں اعقلیت کی ضرورت تو اس وقت ہے جب کہ معصوم نہ ہوں اور جب معصوم ہوں اور سہواً و عمداً خطا کا صادر ہونا ان سے محال ہو تو پس یہ قید محض لغو ہے۔ اعلم ہونے کی قید بھی غلط ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جب امامت تالی نبوت ہے تو اوصاف متشارکہ میں بھی فرعیۃ ہوگی نبوت کو جب نظر تامل سے دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مدار محض اصطفاء و اجتباء خداوند تعالیٰ شانہ پر ہے حق تعالیٰ اپنی عباد میں سے جس کو چاہے برگزیدہ فرما دے کسی کو کچھ زور خداوند تعالیٰ پر نہیں اور نہ کچھ اعتراض لا یسئل عما یفعل اس کی شان ہے اور نہ یہ ہے کہ جو اعلم اہل زمان ہو وہی نبوت کے واسطے برگزیدہ ہو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی پیدا ہوتے اور بعثت تک اُمی رہے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہیں پائی اور اس زمانہ میں صدہا علماء و احبار دین موسوی و عیسوی کے موجود تھے جن کو کتب سماوی از بر تھے اور مسائل شرعیہ مستحضر لیکن خلعت رسالت ہمارے پیغمبر نبی امی صلوات اللہ علیہ وسلامہ کو ہی عطا ہوا ذَٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔ گو بعد نبوت کے حق تعالیٰ شانہ اپنے نبی کے سینہ کو مرآت لوح محفوظ بنا دے اور اس کے قلب کو گنجینہ علوم و معارف فرما دے۔ اسی طرح امامت کا حال ہونا چاہیئے کہ جو امام ہو وہ محض اصطفاء خداوندی سے ہو چنانچہ اشتراط لفظ اس پر دال ہے اور قبل از امامت اس کا اعلم اہل زمان ہونا ضروری نہ ہو بلکہ باتباع رسول اُمی ہو۔ گو بعد امامت بسبب محدثیۃ کے کہ یہ خاصہ امام ہے اعلم ہو جاوے لیکن پہلے سے اس کے اعلمیۃ

کا مدعی ہونا خطا ہے اور آپ کو اس بحث میں حضرت موسیٰ و خضر کا قصہ یاد ہوگا باوجودیکہ خضر عالم تھے تو بھی حضرت موسیٰ ان سے افضل تھے۔ باقی رہا یہ کہ خلافت فاضل سے لے کر مفضول کو دینا عقلاً نہایت قبیح ہے اس میں یہ تو فرمایئے کہ فاضل سے خلافت لینے کے کیا معنی ہیں لینا فرع استخلاف کی ہے اور جب استخلاف نہیں تو لینا کیونکر متحقق ہوگا ہاں اگر اس کے معنی یہ ہیں کہ فاضل کو چھوڑ کر مفضول کو خلافت دینا ہے تو صحیح ہے مگر اس کی نسبت گذارش ہے کہ ہم اس کے قبح کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ بنص قرآنی ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے فاضل کو چھوڑ کر مفضول کو امامت عطا فرمائی حضرت شمویل علیہ السلام جو اپنے زمانہ میں نبی اور اورع اور افضل اور اعلم اور اتقیٰ تھے حق تعالیٰ نے ان کو چھوڑ کر طالوت کو امام بنایا جو ان سے کم تھے تو اس سے ثابت ہوا کہ فاضل کو چھوڑ کر مفضول کو امام بنانے کا قبح محض آپ کی احکم الحاکمین عقل سے ناشی ہے۔ ورنہ فی الحقیقت عند اللہ تعالیٰ کچھ قبح نہیں۔ سلمنا قبح سہی لیکن یہ ہی قبح و شناعت بعینہ تعین نواب و عمال میں بھی جاری ہے کیونکہ جیسے امامت تالی نبوت ہے نیابت تالی امامت ہے اور عقلاً قبیح ہے کہ فاضل کو چھوڑ کر مفضول کو کسی ملک پر نائب اور حاکم مقرر کر کے بھیجا جائے اور اس سے زیادہ اقبح و اشنع یہ ہے کہ حکومت اس شخص سے لے کر جو عمدگی سے اس کے فرائض بجا لا رہا ہو کسی دوسرے ایسے کو دے دیں جس کا حال ابھی تک تجربہ میں نہ آچکا ہو۔ اس کے بعد آپ شرح نہج البلاغۃ یا متن ہی کو کھول لیے اور جناب امیر کے حالات کو ملاحظہ فرمایئے کہ آپ نے کس کس کو حاکم بنایا اور کس کس کو معزول فرمایا اور کہاں تک اس شرط کی رعایت رکھی تاکہ آپ کو اس کے اشتراط کی بابت بندہ کے قول کی تصدیق ہو جائے اور ہم بھی کسی موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو متنبہ کریں گے۔

قولہ: اور نیز افضل کے ہوتے مفضول کی خلافت کے بطلان پر عقل اور طرح بھی دلالت کرتی ہے اور وہ یہ کہ اگر مفضول افضل کے ہوتے خلیفہ ہو تو لازم آئے افضل مفضول کا محکوم ہو اور اشرف ادون کی تواضع کا مامور ہو کیونکہ افضل مفضول کی رعایا میں سے ہوگا اور رعایا خلیفہ کی تواضع کے لئے مامور ہے اور یہ بات عقلاً نہایت قبیح ہے اور اگر آپ ہماری عرض قبول نہیں کرتے تو فخر الدین رازی صاحب کی تقریر سنیئے۔ وہ سورہ بقر کی تفسیر میں جس مقام پر کہ ان لوگوں کے دلائل بیان کئے ہیں کہ جو انبیاء کو ملائکہ پر تفضیل دیتے ہیں یہ فرماتے ہیں۔ واحتج من قال بفضل الانبیاء علی الملائکۃ باموراحدھا ان اللہ تعالیٰ امر الملائکۃ بالسجود لآدمؑ وثبت

ان آدم لم يكن كالقبلة بل كانت السجدة في الحقيقة له واذا ثبت ذلك فوجب ان يكون ادم افضل منه لان السجود نهاية التواضع وتكليف الاشرف بنهاية التواضع للادون مستقبح في العقول فانه يقبح ان يومر ابوحنيفة ان يخدم اقل الناس بضاعة في الفقه فدل هذا على ان آدم عليه السلام كان افضل من الملائكة. انتهى

اشتراط افضلیت کی دوسری دلیل کا ابطال

اقول: یہ دلیل بھی بمراحل مدعا سے بعید ہے اور بوجوہ چند محل بحث ہے۔ اولاً یہ گفتگو اشتراط افضلیت میں ہے اور یہ دلیل ہرگز مثبت مدعا نہیں کیونکہ اشتراط اس وقت ثابت ہو جب کہ دلیل مفضول کی امامت کے عدم انعقاد پر یقیناً دلالت کرے یہاں اگر ہے تو لزوم قبح ہے جس پر عنقریب بحث کی جائے گی ہاں اگر اہل حل وعقد کسی کو خلیفہ کریں تو منہ افضلیت کو مرعی رکھیں اور اگر کوئی فاضل جامع شرائط افضل کے ہوتے منصب خلافت ہو تو اس کی خلافت کے عدم انعقاد پر یہ دلیل ہرگز دلالت نہیں کرتی۔ ثانیاً افضل کا مفضول کے لئے مامور ہونے اور اشرف کا ادون کے لئے محکوم ہونے کا لزوم بھی غلط ہے کیونکہ جب کہتے ہیں کہ فاضل مفضول کا مامور اور اشرف ادون کا محکوم ہو تو ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ قانون شریعت جس کو حق تعالیٰ نے بواسطہ رسول کے امت کے لئے دستور العمل مقرر فرمایا ہے تمام امت کیا افضل کیا مفضول اور کیا شریف اور کیا وضیع سب اسی کے محکوم و مامور ہیں۔ امام کا حکم گو واجب الاطاعت ہے تو اسی حیثیت سے ہے کہ وہ حکم موافق قانون شریعت ہو چنانچہ خود ہمارے فاضل مجیب بھی فرما چکے ہیں کہ غرض اس سے شرائع الٰہیہ و معالم ربانیہ کی ترویج ہے پس اگر کوئی ایسا نہ ہو جو اس حیثیت سے خالی ہو تو وہ ہرگز واجب الاطاعت نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر امام کہے کہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دے یا اپنا تمام مال میرے حوالے کر دے یا فی سبیل اللہ لٹا دے یا مجھ کو سجدہ کرے تو یہ حکم ہرگز واجب الامتثال نہ ہوگا چنانچہ قولہ تعالیٰ فان تنازعتم سے اس کی طرف اشارہ ہے بخلاف رسولؐ کے کہ جمیع اقوال و افعال مگر مختصات وغیرہ سب امت کے لئے تشریع ہے کیونکہ امت کے لئے شریعت کا حصول بدون واسطہ رسولؐ کے ممکن نہیں۔ بالجملہ اس جگہ فاضل کا مفضول کے محکوم ہونا لازم نہیں آتا ثالثاً سلمنا افضل مفضول کا محکوم ہو لیکن ہم اس کا قبیح ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ بالاتفاق طالوتؑ سے حضرت شمویلؑ بلکہ حضرت داؤد افضل تھے اور اس کے محکوم اور تابع ہوتے

حضرت خضرؑ سے حضرت موسیٰؑ افضل تھے اور ان کے مامور و مطیع ہوتے تو معلوم ہوا کہ افضل کا مفضول کے مطیع و تابع ہونا قبیح نہیں ورنہ لازم آوے کہ معاذ اللہ شارع آمر بالقبیح ہو جو کہ عقلاً و شرعاً قبیح بلکہ محال ہے تو لزوم قبح عقلاً و شرعاً باطل ہے۔ رابعاً بالفرض والتسلیم اگر افضل کا محکوم ہونا مفضول کے لئے قبیح و شنیع ہے تو سب جگہ ہی تعین نواب و عمال و حکام سرایا و جیوش و نصب قضاۃ وغیرہ میں سب جگہ جاری ہوگا لیکن جب ہم اس معاملہ میں جناب امیرؑ کے حالات کا تتبع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے ہرگز اس کی پابندی نہیں کی ہے اور اس قبیح کو قبیح نہیں جانا۔ آپ صرف نہج البلاغۃ ہی کو ملاحظہ فرمایئے مختصراً تنبیہاً گذارش کرتا ہوں کہ آپ نے عمر بن ابی سلمہ کو جو حضرت ام المومنین ام سلمہ کی صاحبزادے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیب تھے بحرین کی حکومت سے معزول فرما کر نعمان بن عجلان کو مقرر فرمایا حالانکہ حضرت عمر بن ابی سلمہ نے امارت کی مہمات کو ایسی طرح ادا کیا کہ مورد تحسین و آفرین ہوئے چنانچہ اسی کتاب میں موجود ہے تو کیا نعمان عمر سے افضل تھے اور ظاہر ہے کہ عمر بن ابی سلمہ نہ حضرت امیرؑ کے کسی کام کے موقوف علیہ تھے اور نہ حضرت آپ کے محتاج تھے پھر بلا ضرورت داعیہ کیوں آپ نے ارتکاب قبیح فرمایا اور بانضمام عصمت اور بھی زیادہ اقبح و اشنع ہے اور اسی طرح محمد بن ابی بکر کو امامت مصر سے معزول کر کے اشتر کو مقرر فرمایا اور اپنی جیش سے دو امیروں پر جو زیاد بن نصر اور شریح ابن ہانی تھے۔ اور ان کی اتباع پر مالک بن حارث اشتر کو امیر کیا اور ان کو لکھا فاسمعالہ واطیعا۔ ان سب کو رہنے دیجئے زیاد بن ابی سفیان کو فارس پر امیر کیا۔

زیاد کا مختصر تاریخی حال

اس کا مختصر احوال گذارش کرنا ضرور ہے آپ شروح نہج البلاغۃ سے مطابق فرمائیں یہ شخص سمیہ لونڈی کا بیٹا کم بخت زبان کا فصیح و بلیغ و زبان آور تھا۔ ایک روز حضرت عمرؓ کے روبرو مجلس میں ایسی تقریر کی کہ حاضرین کو نہایت پسند خاطر ہوئی۔ عمرو بن العاص بولے کاش اگر یہ قریشی ہوتا تو تمام عرب کو اپنی لاٹھی سے ہانکتا۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم یہ قریشی ہے اور اگر تو جانے تو معلوم کرے کہ یہ قبیلہ کے عمدہ لوگوں میں سے ہے۔ عمرو بن العاص نے پوچھا کہ اس کا باپ کون ہے قسم کھا کر کہا کہ میں نے اس کو اس کی ماں کے رحم میں رکھا تھا۔ عمرو بن العاص نے کہا تو پھر اس کو اپنے ساتھ نسب میں کیوں نہیں ملا لیتا۔ اس نے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف

اشارہ کرکے کہا کہ اس سے ڈرتا ہوں کہ میرے بدن پر میری کھال بھی جلادے گا چونکہ اس کے باپ کا تعین نہیں اس لئے اس کو زیاد ابن سمیہ اور زیاد بن ابی سفیان اور زیاد بن ابیہ کہتے ہیں جناب امیرؑ نے اپنے زمانہ امارت میں اس کو فارس کا حاکم مقرر فرمایا بعد اس کے حضرت کو معلوم ہوا کہ امیر معویؔہ اس کو تحریص و ترغیب دے رہا ہے اور اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہے تو آپ نے زیاد کو خط لکھا جو نہج البلاغۃ میں مروی ہے۔ اس خط کو پڑھ کر قسم کھا کر کہا کہ حضرت نے بھی ابوسفیان کے دعوے کے صدق کی شہادت دی۔ قد شھد بھا و رب الکعبۃ۔ انجام یہ ہوا کہ حضرت امیرالمومنین کو چھوڑ کر امیر معویہ سے جا ملا اور اس کا جو کچھ نتیجہ نکلا وہ سب کو معلوم ہے۔ غرض کہ ایسے شخص کو جس پر ولد الزنا ہونے کا ظن غالب تھا آپ نے فارس پر حاکم مقرر فرمایا حالانکہ ولد الزنا نجس عین ہے اور اس کا جھوٹا تک نجس ہے۔ من لا یحضر میں ہے۔

ولا یجوز الوضوء بسور الیھودی والنصرانی وولد الزنا والمشرک۔	یہودی، نصرانی، ولد الزنا، مشرک کے جھوٹے پانی سے وضو جائز نہیں ہے۔

اور ہرگز ولد الزنا مومن نہیں ہوتا۔ ابن بابویہ قمی نے خصال میں روایت کی ہے۔

عن ابی عبد اللہ لا یدخل حلاوۃ الایمان قلب سندی ولا خوزی ولا زنجی ولا کردی ولا بربری ولا نبطی ولا من حملتہ امہ من الزنا۔	امام ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ ایمان کی شیرینی سندی اور خوزی اور زنگی اور کردی اور بربری اور نبطی کے دل میں داخل نہیں ہوتی اور نہ ولد الزنا کے دل میں۔

شریح بن حارث کو جو خلفاء کے زمانہ سے قاضی تھا اپنا قاضی مقرر فرمایا۔ ان حالات کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے تعین میں افضلیت کو ملحوظ خاطر نہیں فرمایا۔ پس اس سے عدم اشتراط افضلیت ائمہ میں بھی ثابت ہوا۔ خامساً امام رازیؒ کی دلیل کو جو افضلیت انبیاء میں بیان کی ہے اپنا مستدل قرار دینا غلط ہے اور اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ امام کی دلیل کے استدلال کا مدار سجود پر ہے جو نہایت تواضع ہے اور نیز سجود بھی اس طرح کہ بالاستقلال حضرت آدمؑ کو ہی تھا یہ نہیں تھا کہ سجود فی الحقیقت خدا تعالیٰ کو تھا اور حضرت آدم محض واسطہ تھے اور فاضل مجیب کی دلیل میں نہ نہایت تواضع ہے کہ امت امام کی اطاعت کے لئے مامور ہے بشرطیکہ حکم موافق شرع ہو اور یہ اطاعت ہرگز نہایت تواضع نہیں نہایت تواضع جب ہو کہ جب امت امام کو سجدہ کرنے کے لئے مامور ہو پس یہ کہنا کہ رعایا خلیفہ کی

بابت تواضع کے لئے مامور ہے غلط ہے اور نہ تواضع یا اطاعت بالاستقلال ہے بلکہ امام کی اطاعت اس حیثیت سے ہے کہ وہ واسطہ اطاعت خدا و رسولؐ ہے آپ خود فرما چکے ہیں کہ مقصود امامت سے ترویج شرائع الٰہیہ و معالم دینیہ ہے اور اگر آپ کو دعویٰ ہو کہ امام کے لئے امت مامور بہ نہایت تواضع ہے اور امام بالاستقلال متبوع و مطاع ہے تو ثابت کیجئے اور دلیل دیجئے۔ سادساً اس دلیل کا ذکر کرنا اور اس کا جواب جو امام رازیؒ نے ان لوگوں کی طرف سے دیا ہے جو ملائکہ کی تفضیل کے قائل ہیں ذکر نہ کرنا کس قدر ناانصافی ہے۔ لیجئے ہم اس جواب کو نقل کرتے ہیں اور جواب استدلال کو اس پر ختم کرتے ہیں۔

اجاب القائلون بتفضیل الملک عن الحجۃ الاولی فقالوا قد سبق بیان ان من الناس من قال المراد من السجود هو التواضع لا وضع الجبهۃ علی الارض ومنهم من قال انه عبارۃ عن وضع الجبهۃ علی الارض لکنه قال السجود للہ تعالیٰ وآدم قبلۃ السجود وعلی هذین القولین لا اشکال اما اذا سلمنا ان السجود کان لآدم فلم قلتم ان ذلک لا یجوز من الاشرف فی حق الشریف وذلک لان الحکمۃ قد تقتضی ذلک کثیرا من حب الاشرف واظهار النهایۃ فی الانقیاد فان للسلطان ان یجلس اقل عبیده فی الصدر ویامر الاکابر بخدمته ویکون غرضه من ذلک اظهار کونهم مطیعین له فی کل الامور منقادین له فی جمیع الاحوال فلم لا یجوز ان یکون الامر هٰهنا کذلک وایضا الیس من مذهبنا انه یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید [illegible]	جو لوگ فرشتوں کی تفضیل کے قائل ہوئے ہیں۔ انھوں نے پہلی حجت کا جواب دیا ہے کہ پہلے گذر چکا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سجود سے مراد تواضع ہے نہ پیشانی رکھنا اور بعض کہتے ہیں کہ سجدہ ما تقدم کہنا ہی ہے لیکن سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا اور آدم سجدہ کے لئے بطور قبلہ کے تھے اور ان دونوں اقوال پر کچھ اشکال نہیں لیکن جب یہ تسلیم کریں کہ سجدہ آدم کو تھا تو تم یہ کیوں کہتے ہو کہ یہ اشرف سے شریف کے حق میں جائز نہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بسا اوقات حکمت اس کی مقتضی ہوتی ہے کہ اشرف کی محبت اور اس کی نہایت اطاعت ظاہر کیجائے بادشاہ کو اختیار ہے کہ کمترین غلامان کو صدر میں بٹھلادے اور اکابر کو اس کی خدمت کا حکم کرے اور اس کی غرض اس سے اظہار اطاعت و انقیاد تمام امور و احوال میں ہو تو کیا جائز نہیں ہے کہ یہاں بھی اسی طرح ہو و نیز کیا ہمارا مذہب نہیں ہے کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کا ارادہ فرماتا ہے حکم کرتا ہے اور اس کے افعال معلل نہیں ہیں اسی سبب سے [illegible]

قلنا انہ لا اعتراض علیہ فی خلق الکفر فی الانسان ثم فی تعذیبہ علیہ ابد الاباد و اذا کان کذلک فکیف یعترض علیہ فی ان یامر الاعلی بالسجود للادون انتھی۔

اس پر کچھ اعتراض نہیں ہے اور نہ پھر اس کے ابدالاباد تک عذاب کرنے میں کچھ اعتراض ہے اور جب یہ حال ہے تو اس پر اس میں کیونکر اعتراض ہوسکتا ہے کہ وہ اعلیٰ کو ادنیٰ کے سجدہ کرنے کا حکم فرمائے۔

تفسیر بیضاوی سے مغالطہ انگیزی کی شرمناک مثال اور اس کا جواب

قولہ: آپ تفسیر بیضاوی ملاحظہ کیجئے تحت آیت فلما انبائھم باسمائھم الخ وہ یہ لکھتے ہیں واعلم ان ھذہ الایات تدل علی شرف الانسان ومزیۃ العلم وفضیلۃ علی العبادۃ وانہ شرط فی الخلافۃ بل العمدۃ فیھا انتھی بقدر الحاجۃ اور پھر اس کے اخیر میں یہ لکھتے ہیں۔ وان آدم افضل من ھؤلاء الملائکۃ لانہ اعلم منھم والاعلم افضل لقولہ تعالیٰ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ دیکھئے آپ کے قاضی صاحب اس کو شرط خلافت بل العمدہ فرماتے ہیں۔

اشتراط افضلیت کی تیسری دلیل کا ابطال

اقول: یہ استدلال تو اس استدلال سے بھی کہیں بڑھ کر ہے جیسا کسی نے لا تقربوا الصلوٰۃ سے کیا تھا اس کم بخت نے تو صرف قید ہی کو حذف کرکے معنی مقصود کو بگاڑا تھا اور جملہ کے معنی حقیقی ٹھیک رکھے تھے لیکن ہمارے فاضل مجیب نے تو نہ سیاق عبارت کا لحاظ فرمایا اور نہ جملہ کے معنی صحیح رکھے پس واضح ہو کہ ابتداء اس قصہ کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ملائکہ سے فرمایا کہ ہم زمین میں نائب بنانا چاہتے ہیں۔ واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ تو اب اس سے اہل انصاف وعلم وعقل وفہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ خلافت سے کون سی خلافت مراد ہے اور حضرت آدمؑ کس معنی کر خلیفہ تھے کیا اس جگہ وہ خلافت جو ہمارے اور ہمارے مجیب کے متنازعہ فیہا ہے اور جس میں اس وقت گفتگو ہو رہی ہے اور جس کے لئے شرائط نفس وعصمت وافضلیت مختلف فیہ بین الفریقین ہیں وہی خلافت مراد ہے گروہ

ہی خلافت مراد ہے تو فرمائیں تو سہی کہ حضرت آدم علیہ السلام کون سے نبی کے خلیفہ تھے یا کوئی اور خلافت مراد ہے افسوس کہ ہمارے مجیب کو یہ بھی خبر نہیں کہ اس جگہ خلافت سے کون سی خلافت مراد ہے اگر قرآن شریف یاد نہیں تھا تو کھول کر دیکھ لینا تھا یا کسی سنی حافظ سے ہی پوچھ لیا ہوتا تاکہ سیاق عبارت سے واضح ہو جاتا کہ یہ حضرت آدم کا قصہ ہے اور خلافت سے مراد خلافت نبوت ہے۔ علاوہ ازیں اس جگہ ہمارے فاضل مجیب کے علم وفہم پر آفرین ہے کہ اس عبارت کو اشتراط افضلیت کی دلیل سمجھ کر پیش کیا ہے اور اپنی کمال دانشمندی اور دور فہم سے یہ سمجھے وانہ شرط فی الخلافۃ میں وانہ کی ضمیر شرف یا فضل کی طرف راجع ہے حالانکہ اطفال کافیہ خوان بھی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ غلط ہے پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ اس سے آگے فرماتے ہیں کہ دیکھئے آپ کے قاضی صاحب اس کو شرط خلافت بل العمدۃ فرماتے ہیں اس جگہ بھی لفظ اس کو پر اکتفا فرمایا اور یہ نہ فرمایا کہ قاضی صاحب کس کو شرط خلافت فرماتے ہیں۔ سلمنا آپ کے سیاق عبارت کے خلاف مرجع ضمیر (وانہ) کا علم ہے اور لفظ اس کو بھی علم ہی کی طرف راجع ہے لیکن تاہم مدعا سے بعید ہے کیونکہ یہ جب ثابت ہو کہ جب اعلمیت افضلیت کو مستلزم ہو حالانکہ یہ استلزام آپ کے اعتراف سے باطل ہے آپ نے افضلیت کی تعریف میں اس کا دارومدار اخلاق حمیدہ اور صفات پسندیدہ پر رکھا تھا اور شروع دلائل میں اعلم واورع واتقی واعقل ہونے پر رکھا تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعلمیت مستلزم افضلیت کو نہیں بلکہ اس کے لئے اور صفات کا حاصل ہونا ضروریات سے ہے علی الخصوص ملکات نفسانیہ کا ہونا واجبات سے ہے پس جب کہ اعلمیت مستلزم افضلیت کو نہیں ہے تو یہ استدلال بھی لغو ہوا۔ قطع نظر اس سے جب ہم نفس اس عبارت میں تامل کی نظر سے دیکھتے ہیں تو بداہۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت ہرگز مثبت مدعا نہیں کیونکہ قاضیؒ فرماتے ہیں وانہ شرط فی الخلافۃ بل العمدۃ فیھا اور ظاہر ہے کہ لفظ بل اس جگہ ترقی کے واسطے نہیں ہے کیونکہ شرط بہ نسبت عمدہ ہونے کے اعلیٰ واقویٰ ہے تو ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے نہ بالعکس اور اگر ترقی تسلیم کی جاوے تو اعلیٰ سے جو شرط ہے ادنیٰ کی طرف جو عمدگی ہی ہوگی کیونکہ شرط موقوف علیہ ہوتی ہے اور عمدگی محض اولویت ہے نہ موقوف علیہ تو لابد لفظ بل اس جگہ اضراب کے واسطے ہوگا اور اتیان لفظ الشرط محض بغرض مزید تاکید ہوگا تو گویا قاضیؒ نے لفظ بل العمدۃ فیھا کہہ کر یہ ثابت کر دیا۔ وانہ شرط فی الخلافۃ سے یہ مراد نہیں کہ وہ موقوف علیہ خلافت کا ہے اور اگر یہ معنی نہ ہوں گے تو لفظ

بل العمدة فیہا النحو ولا طائل محل مقصود ہوگا۔ پس قاضی صاحب کا یہ قول آپ کو کچھ مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ عدم اشتراط پر دلالت کرتا ہے نہ اشتراط پر۔

قولہ: حدیث سنیئے آپ کے علامہ جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع جامع صغیر میں روایت کی ہے۔ ایما رجل استعمل رجلا علی عشرۃ انفس وعلم ان فی العشرۃ افضل ممن استعمل فقد غش اللہ ورسولہ وغش جماعۃ المومنین ع۔ عن حذیفہ انتہی۔ اب ذرا انصاف فرمائیے کہ جب مفضول کی حکومت دس آدمیوں پر جائز نہ ہو اور اس میں خدا و رسول و جماعت مومنین سے دغا لازم آوے پس تمام مومنین پر مفضول کی حکومت میں کہ اموال و انفس وغیرہ کا متکفل بنے اولی بتصرف ہو کس قدر قباحت و شناعت لازم آئے گی۔

اشتراط افضلیت کی چوتھی دلیل کا ابطال

اقول: اس حدیث کے معنی آپ نے جو کچھ سمجھے غلط ہیں یہاں افضلیت سے افضلیت متنازعہ فیہا ہرگز مراد نہیں کہ من حیث مزیتہ استحقاق الثواب عند اللہ افضل ہو بلکہ اس جگہ افضلیت سے مراد بالفضل الجزئی ہے کہ جو متعلق بجا آوری مقاصد ریاست و شرائط سرداری کی ہو مثلاً اگر کسی سریہ یا جیش پر حاکم مقرر کیا جاوے تو وہ شخص زیادہ لائق ہوگا جو خاص فن حرب و طعان و ضرب میں زیادہ ماہر و خبیر ہو اور اشجع ہو اور خداع حرب اور اس کی چالوں سے واقف ہو اور اگر کسی کو کسی ملک پر حاکم کیا جاوے تو وصف تالیف قلوب بغیر وحس اور سیاست بدون ظلم اس میں اعلیٰ درجہ کا ہو یا مثلاً باوجود مساوات باہمی کے کسی خاص مصلحت کی وجہ سے مقدم کیا جاوے مثلاً کسی خاص سانحہ کی وجہ سے اس کی سعی و کوشش اس میں زیادہ مؤثر متصور ہو آپ کو معلوم ہو گا کہ طالوت سے حضرت شمویل علیہ السلام و داؤد علیہ السلام افضل تھے باوجود اس کے حق تعالیٰ نے مفضول کو امام مقرر فرمایا اور ظاہر ہے کہ یہ کچھ ضرور نہیں کہ جس شخص کو زیادتی استحقاق ثواب حاصل ہو اور ولی کامل ہو وہ مہم متعلقہ کو بھی سب سے عمدہ طور پر انجام دیوے علاوہ ازیں ہم کب کہتے ہیں رعایت افضلیت نہیں چاہیے ہم اگر انکار کرتے ہیں تو اشتراط کا انکار کرتے ہیں اس حدیث سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی عامل بنایا جاوے تو [illegible] افضلیت ضروری ہے ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ جب کسی کو امیر یا عامل بناویں تو افضلیت ملحوظ رکھنا چاہیئے لیکن اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ اگر افضلیت فوت ہوگئی تو امارت غیر منعقد ہوگی اور اس کی اطاعت واجب نہ ہوگی

بلکہ اگر تامل کی نظر سے دیکھا جاوے تو اسی روایت سے انعقاد مفہوم ہوتا ہے کیونکہ خدا اور رسول و جماعت مومنین کے ساتھ غش تو اسی وقت ہے جب کہ اس کی امارت منعقد ہوگی اور وہ واجب الاطاعت ہوگا اور اگر وہ واجب الاطاعت ہی نہیں ہوا اور اس کی امارت ہی منعقد نہیں ہوئی تو مثل عوام کے رہا اور کیا غش ہوا وہ تامیر ہی لغو ہوگئی۔ غرض کہ افضلیت کی مراعات سے انکار نہیں اشتراط سے انکار ہے تحفہ اثنا عشریہ کی بحث افضلیت میں مذکور ہے آپ نے دیکھا ہوگا۔ آری اگر نصب رئیس بہ بیعت اہل حل و عقد باشد می باید کہ نصب افضل کنند در ریاست و شرائط سرداری نہ در امور دیگر آری لبادلی کامل عالم متبحر و سید اصیل الطرفین کہ از وی امور سرداری یک خانہ سرانجام نمی تواند شد در ینجا فضیلتی دیگر می باید۔ اس سے قطع نظر آپ کو بحث میں عنقریب معلوم ہو چکا ہے کہ جناب امیرؓ نے اس شرط کا لحاظ نہیں فرمایا کیونکہ جب زیاد جیسے شخص کو ایک ملک کا حاکم بنا دیا تو بس اس سے بڑھ کر اور کیا عدم رعایت اس شرط کی ہوگی پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرط جناب امیرؓ کے نزدیک منسوخ ہے اور معمول بہ نہیں یا آپ معصوم نہیں کیونکہ خدا اور رسولؐ و جماعت مومنین کے ساتھ غش کیا معاذ اللہ۔

قولہ: ایک دو اور حدیث شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نقل کلام میں آئے گی۔ اس مقام میں عترت کی شہادت سن لیجئے آپ کے عالم جلیل و فاضل نبیل خواجہ محمد بن محمد بن محمود مشہور بخواجہ پارسا نے باوجود سخت تعصب کے کتاب فصل الخطاب کے آخر میں بعد ذکر ائمہ اثنا عشر ابو جعفر قمی علیہ الرحمۃ سے علامات امام میں جناب امام رضا سے ایک طویل روایت لکھی ہے چونکہ شیخ عبد الحق صاحب دہلویؒ نے بھی وہ روایت رسالہ مناقب و احوال ائمہ اطہار میں جس کا ذکر فاضل رشید نے بھی ایضاح میں کیا ہے نقل کی ہے لہٰذا بخوف طوالت شیخ صاحب دہلوی کی ہی فارسی روایت پر اکتفا کرتے ہیں وہ اس رسالہ کے اخیر میں بعد ذکر ائمہ فرماتے ہیں۔ عبارتہ ہٰکذا او این ابو جعفر قمی مذکور در علامات امام و نقل وی از امام علی رضا آوردہ است کہ فرمودہ امام را علامات انیست کہ عالم تر وحکم تر و حلیم تر و پرہیزگار تر و شجاع تر و عابد تر از دیگران باشد و ولادت کردہ شود مختون و وی پاک باشد و از پیش و پس یکسان بیند و چون از شکم مادر بر زمین آید بر دو کف دست [illegible] [illegible] شہادتین بر آورد و محتلم نشود و چشم او بخواب رود و دلش بیدار بود و محدث باشد و درع رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بروی راست آید و نزد وی سلاح آنحضرت باشد و شمشیر او ذو الفقار و نزد وی مصحف فاطمہ بود و نزد وی صحیفہ بود کہ در وی نامہای شیعیان او تا روز قیامت باشد ثبت بود و [illegible]

وغائط او را کسی نبیند و زمین موکل بود بر فرو بردن آنچہ بیرون آید از وی و بوی وی خوشتر از بوی مشک بود و بر مردم از نفسہائے ایشان نزدیک تر بود و مہربان تر از مادر و پدر و متواضع ترین مردم بود مر حق را عز و علا و امر بالمعروف کنندہ و نہی از منکر کنندہ تر بود و از ہمہ خلق دعای او مستجاب بود کہ اگر بر سنگ دعا کند دو پارہ شود و موید بروح قدس بود و میان او و خدا عمودی بود از نور کہ بیند در وی اعمال بندگان را و ہر چہ بدان محتاج بود گاہی بسط کردہ شود و برائے او پس بداند و گاہی قبض کردہ شود از وی پس نداند و امام زائیدہ شود و بزاید و تندرست بود و مریض نشود و بخورد و بنوشد و جماع کند و بخسپد و شادمان شود و غمگین نشود و بخندد و بگرید و بزید و بمیرد و در قبر نہادہ شود و زیارت کردہ شود و حشر کردہ شود و ایستادہ کردہ شود در موقف عرصات و عرض کردہ شود برائے اعمال پرسیدہ شود از انہا و اکرام کردہ شود و شفاعتش قبول کردہ شود و دلیل در دو خصلت است یکی علم و دیگر استجابت دعوات و ائمہ بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کشتہ شدہ اند بشمشیر و زہر و این کشتہ شدن در حقیقت و نفس الامر است نہ چنانکہ غلات گویند علیہم اللعنۃ کہ ایشان کشتہ شدہ اند و در حقیقت بر مردم شبہ ایشان انداختند و این سخن دروغ است چہ این مخصوص از انبیاء و اولیاء بعیسی بن مریم است چہ وی را از زمین زندہ برداشتند در زمین و آسمان روح او را قبض کردند و چون بر آسمانش بردند روح او را در بدنش باز آوردند و امامت بزرگتر و عظیم تر است از آنکہ مردم بعقل بجنبہ آن برسند و او را بکسب حاصل کنند اما مخصوص است بتمام فضل بے طلب و کسب بلکہ محض اختصاص است از مفضل و باب حکما متحیر و عقلاء قاصر و ادبا عاجز و بلغا محصور از وصف شانی از شانہائے او و فضلی از فضائل او مید بد او را حق تعالیٰ مخزن از علم و حکمت خود آنچہ نمی دہد غیر او را انتہی۔ اگرچہ اس روایت سے جو خرابی کہ مذہب اہلسنت و خلافت و امامت خلفائے ثلثہ و دیگر خلفاء منغصبہ پر کہ ان اوصاف سے موصوف نہ تھے آتی ہے بیب ذکی بلکہ ادنیٰ صاحب فہم پر پوشیدہ نہیں مگر یہاں مدنظر صرف شرط افضلیت امام کا ثابت کرنا ہے اور وہ اس روایت سے اظہر من الشمس ہے قطع نظر اور اوصاف مندرجہ روایت ہذا کے شروع علامات امام میں یہ الفاظ ہیں عالم تر و حاکم تر و حلیم تر و پرہیزگار و شجاع تر و عابد از دیگران باشد۔ وہی افضلیت پر دال ہیں کہ اہل حق خلافت و امامت کی شرط جانتے ہیں حضرت مجیب یہاں کے لئے ہم مذہب کو یہ وہم نہ ہو کہ چونکہ یہ روایت ابوجعفر قمی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے اس لئے اہلسنت پر حجت نہیں کیونکہ یہ وہم فاسد چند وجہ سے مردود ہے اول یہ کہ خواجہ پارسا اور شیخ عبد الحق دہلوی نے اس روایت کی نقل کے بعد سکوت

کیا ہے اور ہرگز انکار یا رد کا اشارہ تک نہیں کیا اور آپ کے خاتم المحدثین کے نزدیک نقل کے بعد سکوت تسلیم کی دلیل ہے۔ دوم روایات شیخ ابوجعفر قمی علیہ الرحمۃ خواجہ پارسا کے نزدیک مقبول و شیخ ممدوح معتبر و قابل احتجاج و روایت کے ہیں چنانچہ اس سے پہلے چند روایتیں نقل کر کے کہتے ہیں، اخرج ھذہ الاحادیث الخمسۃ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ القمی وکان من شیوخ الشیعۃ ومشھوریھم استشھد بہ البخاری فی کتاب الطب اھ اور شیخ عبد الحق صاحب اس رسالہ میں فرماتے ہیں و این پنج حدیث ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی خرج کردہ و ابن بابویہ از شیوخ شیعہ و مشہوران ایشان ست بخاری در کتاب خود در کتاب الطب بوی استشہاد کردہ و در حدیثیکہ مضمونش نیست کہ شفا در سہ چیز است حجامت کردن و عسل خوردن و داغ نہادن گفتہ روایۃ القمی عن لیث عن مجاھد عن ابن عباس این چنین آوردہ است در کتاب الانساب امام ابوسعید عبد الکریم محمد سمعانی انتہی

اشتراط افضلیت کی پانچویں دلیل کا ابطال

اقول: ہمارے فاضل مجیب اس روایت کو نقل کر کے خوشی سے پھولے نہیں سماتے جامہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں اللہ اللہ اس پر کیا کچھ اترائے ہیں اور کیسا کچھ نازش و افتخار ہے گویا میدان مناظرہ آج آپ ہی کے ہاتھ ہے اور بزعم خود مذہب اہلسنت پر کیسی کچھ خرابی آئی مگر یہ خبر نہیں کہ اسی روایت کی بدولت بطرد فرح کے بدلے حزن و غمگینی اور نازش و افتخار کے عوض ذلت و شرمندگی نصیب ہوگی ہم تو کیا عرض کریں اہل انصاف خود دیکھ لیں گے اور انصاف سے بول اٹھیں گے کہ آپ کا نازو افتخار بجا ہے یا بیجا او تعلی و ترفع روا ہے یا ناروا ہم کو سخت افسوس ہے کہ آپ نے فصل الخطاب کو ماقبل و مابعد سے ذرا بھی نہ دیکھا کہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ روایت کس موقع کی ہے اور کس عبارت سے اس کا ربط ہے اور کس مدعا کے لئے نقل کی گئی ہے اگر آپ بتامل کتاب کو ملاحظہ فرماتے تو میں یقین کرتا ہوں آپ اس روایت کو اہل حق کے مقابلہ میں نقل تک بھی نہ فرماتے چہ جائیکہ آپ ناز و افتخار اس پر فرمائیں اگرچہ آپ نے اس روایت کو رسالہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے لیکن چونکہ اصل روایت فصل الخطاب کی ہے اور رسالہ مناقب میں بھی اسی سے ترجمہ کیا گیا ہے اس لئے ہم اصل فصل الخطاب ہی کو پیش نظر رکھ کر منشاء جواب ہوتے ہیں کہ ترجمہ کے جواب سے بھی مستغنی ہو کر

ہم کو ضرورت نہ تھی کہ بجواب اس روایت کے ہم ابوجعفر راوی کے اسقاط و تضعیف اور روایت کی تغلیط اور تزئیف کی طرف متوجہ ہوتے کیونکہ بحول اللہ وقوتہ ہمارے پاس اس کا جواب ہادم بنیان استدلال اور قاطع عرق شبہ موجود ہے جس کو ہم آئندہ گذارش و پیش کش کریں گے لیکن جبکہ ہمارے مجیب صاحب نے بطور دفع دخل مقدر کے فرمایا ہے اور گویا بزعم خود دلائل سے ثابت کر دیا کہ نہ راوی کی تکذیب ممکن ہے اور نہ روایت کی تغلیط ہو سکتی ہے تو ضرور ہوا کہ ہم اپنے مجیب لبیب کو ان کی غلطی پر متنبہ کر دیں۔ واضح ہو کہ صحت و عدم صحت و اعتبار و عدم اعتبار روایت باتفاق فریقین عدالت و عدم عدالت اور صدق و کذب روات پر منحصر ہے۔ آپ کے شہید ثانی صاحب معالم الاصول میں تحریر فرماتے ہیں ملخصاً عرض کرتا ہوں۔

وللعمل بخبر الواحد شرائط كلها تتعلق بالراوى الاول التكليف الثانى الاسلام الثالث الايمان الرابع العدالة وهى ملكة فى النفس يمنعها عن فعل الكبائر والاصرار على الصغائر ومنافيات المروة الخامس الضبط.

خبر واحد پر عمل کرنے کے لئے شرائط ہیں سب متعلق راوی کے ہیں پہلی شرط مکلف ہونا ہے دوسری اسلام تیسری ایمان چوتھی عدالت اور وہ نفس میں ایک ملکہ ہے جو اس کو کبیرہ گناہوں کے کرنے اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے سے روکتا ہے اور مروت کی مخالف باتوں سے پانچویں ضبط ہے۔

علیٰ ہذا القیاس آپ کو معلوم ہوگا کہ اہل سنت کے نزدیک بھی روایت کا اعتبار راوی کے اعتبار پر ہے۔ اگر آپ نے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی کوئی رسالہ متعلق اصول حدیث ملاحظہ فرمایا ہوگا تو معلوم ہوگا کہ شیخ رحمۃ اللہ بھی یہ ہی فرماتے ہیں اور طریق معرفت عدالت بھی چند امور پر موقوف ہے معالم الاصول ہی میں دیکھ لیجئے لکھا ہے۔

تعرف عدالة الراوى بالاختبار بالصحبة المتأكدة والملازمة بحيث تظهر احواله ويحصل [illegible] على سريرته حيث يكون ذلك ممكنا [illegible] [illegible] بين العلماء واهل الحديث وبالشياع [illegible] [illegible] وبالتزكية من العالم بها [illegible]

راوی کی عدالت اس قدر پختہ صحبت اور ملازمت کے ساتھ آزمائش سے معلوم ہوتی ہے کہ اس کے حال ظاہر ہو جائیں اور اس کے چھپے ہوئے حالات [illegible] [illegible] جس قدر ممکن ہو اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

بحث نفیس

خواجہ محمد پارسا کی فصل الخطاب میں انساب سمعانی سے ابوجعفر قمی شیعی کے ساتھ امام بخاری کے استشہاد کے باب میں

پس جب ہم روایت مذکورہ کے راوی ابوجعفر قمی کے حالات کی طرف تفحص کی نظر سے متوجہ ہو کر دیکھتے ہیں تو اہل حق کے اسماء الرجال میں اس کا کہیں نام و نشان بھی نہیں پاتے۔ عدول وحفاظ میں تو کہاں ضعفاء و مجاہیل میں بھی حضرت کا کہیں پتہ و نشان نہیں تقریب التہذیب مغنی میزان الاعتدال ان میں کسی میں آپ کا ذکر نہیں ہاں متکلمین نے مناظرہ کی کتابوں میں آپ کا ذکر کیا ہے مجملاً اوصاف بھی ظاہر کئے ہیں مولانا خواجہ نصر اللہ رحمہ اللہ نے صواقع میں اور حضرت خاتم المحدثین علامہ دہلوی نے تحفہ میں ذکر فرمایا ہے سو مولانا خواجہ نصر اللہؒ تو امثال کلمہ زاملۃ الکذب سے یاد فرماتے ہیں اور تحفہ میں آپ نے خود ہی ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ کس درجہ کی تکذیب فرمائی بخاری کی طرف نسبت کرنا کہ اس نے اپنی صحیح میں ابوجعفر قمی سے استشہاد کیا ہے سراسر غلط ہے۔ بخاری اور اس کی شروح بفضلہ تعالیٰ نادر الوجود نہیں جس کا دل چاہے دیکھ لیوے اس میں ہرگز ابوجعفر قمی سے استشہاد نہیں بلکہ وہ قمی جس سے امام بخاریؒ نے استشہاد فرمایا ہے اور شخص ہے اور اس قمی کے مغائر ہی قسطلانی میں ہے۔

رواه القمى بضم القاف وتشديد الميم المكسورة يعقوب بن عبد الله بن سعد بن مالك بن هانى بن عامر بن ابى العامر الاشعرى من اهل قم مدينة عظيمة حصينة واهلها شيعة مما وصله البزار

قمی بضم قاف اور تشدید میم مکسورہ ہے یعقوب بن عبداللہ بن سعد بن مالک بن ہانی بن عامر بن ابی العامر اشعری قم کے لوگوں سے ہے اور قم ایک بڑا مستحکم شہر ہے اور اس کے رہنے والے شیعہ ہیں

اور اسی طرح دوسری شروح میں بھی اس کی تشریح ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ ابوجعفر ضعفاء و مجاہیل ہی میں نہیں بلکہ اہل حق اس کو وضاعین و کذابین میں سے سمجھتے ہیں خواجہ پارسا اور شیخ رحمۃ اللہ علیہما کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہوا ہے کہ بخاری نے اس سے استشہاد کیا اس کو

توثیق سمجھنا بالکل غلط اور نقش برآب یا لمعان سراب ہے کیونکہ یہ توثیق نہیں بلکہ حکایت ملزوم توثیق ہے بلکہ حکایت در حکایت کیونکہ خواجۂ انساب سمعانی سے حکایت کرتے ہیں اور صاحب انساب بخاری سے اور بدیہی ہے کہ صحت حکایت محکی عنہ کی موافقت پر موقوف ہے اگر حکایت محکی عنہ کے مطابق ہے تو حکایت صحیح اور قابل اعتبار ہوگی اور اگر محکی عنہ کے مطابق نہیں ہے تو ہرگز قابل اعتبار نہیں اور اس جگہ حکایت ہر دو محکی عنہ کے مطابق نہیں۔ بخاری کے استشہاد کا حال تو واضح خدمت ہو ہی چکا ہے دوسری حکایت انساب کی نسبت عنقریب واضح خدمت کیا جائے گا۔ باقی خواجہ صاحبؒ کا خلاف واقع حکایت کرنا اگر فی الواقع صحیح ہو اور یہ جملہ الحاقیہ نہ ہو، چنانچہ قرائن اس کے الحاق پر دال ہیں اور ہم عرض خدمت کریں گے باعث کسی جرح یا خوف کا نہیں ہے کیونکہ ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ خواجہ صاحبؒ سہو و خطا سے معصوم ہیں اگر انھوں نے ایسا لکھا ان سے خطا ہوئی بحمد اللہ مذہب اہلسنت الیا محجہ بیضاء ہے کہ اس میں نہ کسی کی غلطی سے احتمال نقصان ہے اور نہ غلطی کا اتباع کیا جا سکتا ہے کیونکہ اصل امام کتاب وسنت کو قرار دے رکھا ہے نہ اپنے اہوار کو والحمد اللہ علی ذلک لیکن جب ہم قرائن میں غور کرتے ہیں تو ظن قریب یقین کے ہوتا ہے کہ خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب میں یہ عبارت الحاقی ہے۔

استشهد به البخاري في كتابه في كتاب الطب فقال في حديث الشفاء في ثلثة شرطة محجم وشربة عسل وكية بنار رواه القمي عن ليث عن مجاهد عن ابن عباس رضي الله عنهما كذا في كتاب الانساب للامام ابي سعد عبد الكريم بن محمد سمعاني ؒ	بخاری نے اپنی کتاب کی کتاب الطب میں اس کے ساتھ استشہاد کیا ہے اور اس حدیث میں جس کا حاصل یہ ہے شفا تین چیزوں میں پچھنے لگوانے اور شہد پینے اور داغ دلوانے میں ہے کہا ہے کہ روایت کیا ہے اس حدیث کو قمی نے لیث سے اور اس نے مجاہد سے اور اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح ہے امام ابی سعد عبد الکریم بن محمد سمعانی کی کتاب انساب میں۔

کیونکہ اولاً جو جملہ کہ اس عبارت سے پہلے متصل مذکور ہے وکان من شیوخ الشیعہ و مشہوریہم اس کے بالکل مخالف و منافی ہے کیونکہ وہ جملہ پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ شخص شیوخ شیعہ اور مشہورین ان کی سے ہے تو قابل رد و انکار ہے۔ غالباً اہل حق کے اصول حدیث کے رسائل میں علی الخصوص شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی تحریرات میں جناب نے مطالعہ فرمایا ہو

گا کہ جو شخص متہم بہ بدعت ہو وہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے علی الخصوص بدعت تشیع میں ملوث ہونا جس کو اہل حق رفض سے تعبیر فرماتے ہیں اس کا ادنی شبہ مسقط اعتبار ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ روایت کی صحت کا مدار صدق راوی پر ہے اور ان حضرات کے نزدیک کذب تقیہ جائز بلکہ فرض قطعی ہے جس کے تارک کو دین سے خارج فرماتے ہیں تو ان کے صدق و کذب کی حالت ایسی ملتبس و مشتبہ ہو گئی کہ جس میں امتیاز احد ہما عن الآخر محال و ممتنع ہو گیا تو جس شخص کی نسبت یہ کہا گیا کہ یہ متہم بہ بدعت رفض ہے تو گویا اس سے یہ مراد ہوئی کہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے تو جس شخص کے لئے اذعان و یقین کے ساتھ یہ لکھا گیا ہو کہ یہ شخص اس جماعت کا سرگروہ اور امام ہے اور سر تا پا تشیع مصطلح میں غرق ہے تو اس پر قیاس کر لینا چاہیئے کہ اس کا سقوط اعتبار کس درجہ میں ہوگا اور جب اس کا سقوط و عدم اعتبار اس درجہ پر پہنچا پا گیا تو اب یہ جملہ استشهد به البخاري الخ جو فی الجملہ وثوق و اعتبار پر دال ہے گویا جواز اجتماع نقیضین کا حکم ہے علاوہ ازیں بخاری اور اس کی شروح عزیز الوجود نہیں اور ہر زمانہ میں اس کی یہی تداول و کثرت رہی ہے چنانچہ خود امام سے اس کی روایت آلاف کے درجہ کو پہنچی تھی اور نیز خواجہ پارسا اپنی کتاب میں بخاری سے روایات نقل فرماتے ہیں اور اس کی بعض شروح سے بھی نقل کرتے ہیں تو ایسی حالت میں عقل سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرتی کہ باوجود علم اس امر کے کہ ابوجعفر شیوخ شیعہ سے ہے بلا مراجعت اصل کتاب کے محض سمعانی کے نقل پر اس کو اس درجہ معتبر اور صحیح سمجھیں کہ اس کو اپنی کتاب میں بھی داخل کر لیں بہرکیف سیاق و سباق کو دیکھ کر اس جملہ کے الحاقی ہونے کا قوی شبہ پیدا ہوتا ہے معہذا یہ کہ اس روایت کے نقل کے بعد سکوت کیا اور ہرگز رد یا انکار نہیں کیا سو یہ سر غلط ہے چنانچہ جب سابق میں بیان ہو چکا تھا کہ اس روایت کا راوی شیوخ شیعہ اور مشاہیر ان میں سے ہے تو اب حاجت اس کے رد و انکار کی باقی نہیں رہی کیونکہ اس سے معلوم ہو چکا تھا کہ جس قدر روایت کہ سلسلہ اس راوی کے جن میں یہ منفرد ہوگا مروی ہوں گی وہ قابل اعتبار نہ ہوں گی سو فی الحقیقت کلام سابق میں اس روایت پر بھی رد و انکار ہو چکا تھا اور نیز بعد ختم روایات اہلبیت سے نقل کیا کہ وہ اپنی دعائیں کہا کرتے تھے۔

اللهم لعن الرافضة فانهم يتهموننا	الٰہی رافضیوں پر لعنت کر کہ وہ ہم پر تہمت لگاتے ہیں

تو اب یہ صریح رد و انکار نہیں تو کیا ہے پھر تعجب ہے کہ آپ یہ فرماتے ہیں کہ رد و انکار کا

اشارہ تک نہیں کیا اور بفرض محال اگر یہ استشہاد صحیح ہو تاہم ہمارے مجیب کا استدلال بالکل فاسد ہے کیونکہ جب یہ بات محقق ہو چکی کہ ابوجعفر راوی شیوخ شیعہ سے ہے تو پھر اگر کسی روایت میں استشہاد کیا تو اس سے جمیع مرویات کی نسبت اعتبار اور وثوق سمجھنا سراسر غلط اور ناواقفی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی متہم بہ بدعت کا وثوق واعتبار بھی ہو تو اس کی مرویات کا اعتبار مقصور ان ہی روایات تک ہے کہ جن روایات میں اپنے مذہب کی طرف دعوت نہیں کی اور جن روایات میں مذہب کی طرف دعوت پائی جائے گی وہ قطعًا واجب الرد والانکار ہوں گی سو اگر بخاری نے بالفرض ابوجعفر سے روایت میں استشہاد بھی کیا ہے تو یہ روایت وہ روایت ہے جس میں دعوت اپنے مذہب کیطرف نہیں پائی جاتی تو اس روایت سے استشہاد مطلق اس کے وثوق پر دال نہیں اور اس سے اس روایت کی تصحیح وتقویت نہیں ہوسکتی جس کو ہمارے مجیب نے اپنا مستدل قرار دے رکھا ہے کیونکہ اس روایت میں صاف اور صریح اپنے مذہب کی طرف دعوت ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ وہ روایت جس سے ہمارے مجیب نے استدلال فرمایا ہے قابل قبول نہیں ہوسکتی لیکن بحمداللہ تعالی وبحولہ وقوتہ ہم کو اس کی کچھ ضرورت نہیں کہ ہم ابوجعفر کی تکذیب کریں یا روایت کے عدم اعتبار کو اس بنا پر ثابت کریں کیونکہ جب اس عبارت کو اس کے ماقبل سے دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ پارسا نے کچھ ماسبق سے مذہب شیعہ ائمہ کی بابت بیان کرنا شروع کیا ہے اور چونکہ اس مدعا کے لئے ضرور تھا کہ شیعہ ہی کی روایات نقل کرتے تو لامحالہ ان کی روایات کو نقل فرمایا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جملہ استشہد بہ البخاری الخ اپنے ماسبق سے بے جوڑ اور بے ربط ہے اور الحاقی ہونے کا گمان ہوتا ہے لیکن نقل روایات کے اثنا میں بعض روایات شیعہ کے جو موافق روایات اہلسنت کے واقع ہوگئی تو اس لئے ان کے بعد ہی چند روایات اہل سنت کی بھی ذکر کرکے پھر اصل بیان کی طرف عود کیا جو کہ مقصود تھا یعنی بیان مذہب شیعہ ائمہ کی نسبت شروع کردیا تو اس سے یہ سمجھنا کہ خواجہ نے روایت مذکورہ اپنی مقبولہ بیان کی ہے محض سراسر غلط ہے منشاء اس غلطی کا یہ ہے کہ اول تو یہ نہیں سمجھے کہ یہ مذہب شیعہ کا ان کی روایات سے بیان ہو رہا ہے دوسری یہ غلطی ہوئی کہ جو روایات اثنا میں تبعًا اہل سنت کی مذکور ہوئی تھی ان کی نسبت یہ نہیں خیال کیا کہ یہ محض بطور جملہ معترضہ کے ہیں اس کے بعد یہ خطا ہوئی کہ جب روایات اہلسنت کو ختم کرکے اصل مدعا کی طرف رجوع کیا تو اس کو یہ نہیں سمجھا کہ رجوع الی المقصود ہے بلکہ اپنی دانشمندی سے یہ سمجھ گئے کہ خواجہ صاحب یہ اپنا مذہب اور اپنا معتقد علیہ بیان کر رہے ہیں حالانکہ یہ گمان [illegible]

عبارت متعلقہ من اولہا الی آخرہا فصل الخطاب کی نقل کرتا ہوں اور ناظرین جواب کی خدمات میں عمومًا اور اپنے مجیب کی خدمت میں خصوصًا گذارش کرتا ہوں کہ ذرا ملاحظہ فرماویں اگرچہ نقل تمام عبارت خالی از اطناب وتطویل نہیں لیکن چونکہ مدار نقل عبارت پر ہے اس لئے آپ مجھ کو معاف فرمائیں گے

وقال الامام فخر الملة والدین الرازی ایضًا رحمۃ اللہ فی کتابہ المحصل اما الامامیۃ فالذی استقر علیہ رایہم ان الامام بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ثم ولدہ الحسن ثم اخوہ الحسین ثم ابنہ علی زین العابدین ثم ابنہ محمد الباقر ثم ابنہ جعفر الصادق ثم ابنہ موسیٰ الکاظم ثم ابنہ علی الرضا ثم ابنہ محمد التقی ثم ابنہ علی النقی ثم ابنہ الحسن الزکی ثم ابنہ محمد القائم المنتظر رضی اللہ عنہم اجمعین ولقد کان لہم فی کل ہذہ المراتب اختلافات وروی عن جعفر الصادق رضی اللہ عنہ باسنادہ عن ابائہ الکرام رضی اللہ عنہم عن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ انہ سئل عن حدیث کتاب اللہ وعترتی من العترۃ فقال رضی اللہ عنہ انا والحسن والحسین والائمۃ الی المہدی رضی اللہ عنہم لا یفارقون کتاب اللہ عزوجل ولا یفارقہم حتی یردوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوضہ وعن السید زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہما عن سید الشہداء الحسین بن علی عن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور نیز امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب محصل میں فرمایا ہے۔ لیکن جس پر امامیہ کی رائے ٹھہری ہے یہ ہے کہ امام بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں پھر ان کے فرزند حسن رضی اللہ عنہ پھر ان کے بھائی حسین رضی اللہ عنہ پھر ان کے فرزند زین العابدین پھر ان کے فرزند محمد باقر پھر ان کے فرزند جعفر صادق پھر ان کے فرزند موسیٰ کاظم پھر ان کے فرزند علی رضا پھر ان کے فرزند محمد تقی پھر ان کے فرزند علی نقی پھر ان کے حسن زکی پھر ان کے فرزند محمد امامت کے تھامنے والے جن کا انتظار ہے خدا ان سب سے راضی ہو اور امامیہ فرقوں کو ان مراتب کے ہر ایک مرتبہ میں باہم اختلافات ہیں۔ امام جعفر صادق سے بواسطہ ان کے اباء کرام رضی اللہ عنہم کے جناب امیر سے کسی نے حدیث کتاب اللہ وعترتی میں پوچھا کہ عترت کون ہے فرمایا میں اور حسن اور حسین اور ائمہ مہدی تک رضی اللہ عنہم نہ یہ کتاب اللہ سے جدا ہوں گے نہ وہ ان سے جدا ہوگی یہاں تک کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔ امام زین العابدین سے بواسطہ سید الشہدا امام حسین جناب امیر سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بعد

الائمة بعدی اثنا عشر اولهم انت یا علی
واخرهم المهدی الذی یفتح الله سبحانه
علی یدیه مشارق الارض ومغاربها وفی حدیث
ابی عبد الله جعفر الصادق رضی الله عنه عن
ابائه عن علی رضی الله عنهم انه قال قال
رسول صلی الله علیه وسلم اثنا عشر من
اهل بیتی اعطاهم الله عزوجل فهمی و
حکمتی وخلقهم من طینتی فویل للمنکرین
علیهم بعدی وعن وکیع رحمة الله باسناده
عن سید الشهداء الحسین بن علی رضی الله عنهما
انه قال منا اثنا عشر مهدیا اولهم علی بن
ابی طالب رضی الله عنهم واخرهم المهدی
القایم بالحق یحیی الله تعالی به الارض بعد
موتها ویظهر به دین الحق علی الدین کله ولو
کره المشرکون. وعن ابی عبد الله جعفر الصادق
رضی الله عنه انه قال منا اثنا عشر مهدیا مضی
ستة وبقی ستة ویضع الله تعالی فی السادس
ما احب اخرج هذه الاحادیث الخمسة ابو
جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسی بن
بابویه القمی وکان من شیوخ الشیعة ومشهوریهم
استشهد به البخاری رحمه الله فی کتابه
فی کتاب الطب فقال فی حدیث الشفاء فی ثلاثة
شربة محجم وشربة عسل وکیة نار رواه
القمی عن لیث عن مجاهد عن ابن عباس
رضی الله عنهما کذا فی کتاب الانساب للامام

بارہ امام ہوں گے اے علی ان میں کا اول تو ہے
اور ان میں کا آخر مہدی ہے جس کے ہاتھ پر اللہ
تعالیٰ مشارق ومغارب زمین کی فتح کرے گا۔ امام جعفر
صادق کی حدیث میں بواسطہ ان کے آبا کرام کے جناب
امیر سے مروی ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے میری اہل بیت میں بارہ شخص ہیں
اللہ تعالیٰ نے ان کو میری سمجھ اور میری حکمت عطا
فرمائی ہے اور ان کو میری مٹی سے پیدا کیا ہے پس
ہلاکی ان پر جو میرے بعد ان کا انکار کریں گے۔ وکیع سے
بواسطہ اس کی سند کے سید الشہداء امام حسین سے مروی
ہے انھوں نے فرمایا ہم میں بارہ مہدی ہیں پہلا علی
بن ابی طالب اور پچھلا مہدی حق کا قائم کرنے والا
اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ زمین کو آباد کرے گا
اور دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرے گا اگرچہ مشرکوں
کو برا لگے۔ امام جعفر صادق سے مروی ہے انھوں نے
فرمایا ہم میں بارہ مہدی ہیں چھ گذر چکے اور چھ
باقی رہے اور اللہ تعالیٰ چھٹے میں جو چاہے گا رکھے
گا ان پانچوں حدیثوں کی تخریج ابوجعفر محمد بن علی بن
الحسین بن موسےٰ بن بابویہ قمی نے کی ہے
اور وہ شیعہ کے شیوخ اور ان کے شہرت یافتوں میں
سے ہے بخاری نے اپنی کتاب کے کتاب الطب
میں اس کے ساتھ استشہاد کیا ہے اور اس حدیث میں
جس کا مضمون یہ ہے کہ شفا تین چیزوں میں ہے سینگی لگانا
شہد پینا آگ سے داغ دینا کہا ہے کہ اس کو قمی نے لیث
سے اور اس نے مجاہد سے اور نے ابن عباس سے روایت کیا ہے

ابی سعد عبد الکریم بن محمد السمعانی
رحمه الله وقد اخرج ابو جعفر القمی هذا
باسناده عن جابر بن سمرة رضی الله عنه
انه قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم فسمعته
یقول ان هذا الامر لن ینقضی حتی یملك اثنا
عشر خلیفة کلهم ثم قال کلمة تخفیه لم افهمها
قلت لابی ما قال فقال قال رسول الله صلی الله
علیه وسلم کلهم من قریش وفی روایة کلهم
یعمل بالهدی ودین الحق وفی روایة
ولیس بعزیز ان یجمع الله تعالی هذه الامة
یوما ونصف یوم وان یوما عند ربك کالف
سنة مما تعدون وحدیث جابر بن سمرة
رضی الله عنهما اخرجه البخاری ومسلم
والترمذی وابو داؤد رحمهم الله وقد
مضی عن قریب روایات هذا الحدیث و
تاویلاته وعن ابی جعفر القمی هذا باسناده
عن علی رضی الله عنه انه قال قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم ابشروا ابشروا ابشروا
ثلاث مرات انما مثل امتی کمثل غیث لا
یدری اوله خیر ام اخره وکیف یهلك امة
انا اولها واثنا عشر خلیفة من بعدی
والمسیح عیسی بن مریم اخرها فی کتاب
نوادر الاصول فی معرفة اخبار الرسول
صلی الله علیه وسلم تالیف الشیخ الامام
العارف نولی ابی عبد الله محمد بن علی الحکیم

اسی طرح امام ابی سعد عبد الکریم بن محمد سمعانی کی کتاب الانساب
میں ہے اور اس ابوجعفر قمی نے اپنی اسناد سے جابر بن
عبد اللہ سے تخریج کی ہے کہ میں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے سنا آپ
فرماتے تھے یہ امر تمام نہ ہوگا یہاں تک کہ بارہ خلیفہ مالک
ہوں گے اور سب کے سب قریش سے ہوں گے
اور ایک روایت میں ہے سب کے سب ہدایت
اور دین حق پر عمل کریں گے اور ایک
روایت میں ہے کچھ دشوار نہیں ہے
کہ خدا تعالیٰ اس امت کو ایک دن یا آدھا دن
اکٹھا کر دے اور ایک دن تیرے پروردگار کے
نزدیک تمہاری گنتی کے موافق ہزار برس کے برابر ہے
اور جابر بن سمرہ کی حدیث بخاری ومسلم وترمذی
وابوداؤد نے تخریج کی ہے اور عنقریب اس کی
روایات وتاویلات گذر چکی ہیں اور اسے ابوجعفر قمی
سے بواسطہ اس کی اسناد کے جناب امیر سے مروی
ہے کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
تم کو مژدہ ہو پھر مژدہ ہو پھر مژدہ ہو تین مرتبہ فرمایا
میری امت کی مثال بارش جیسی ہے کہ معلوم نہیں
ہوتا اس کا اول بہتر ہے یا آخر اور وہ امت
کیونکر ہلاک ہوگی کہ جس کے اول میں میں اور
بارہ خلیفہ میرے پیچھے اور مسیح ابن مریم اس کے
آخر میں ہے اور کتاب نوادر الاصول فی معرفۃ
اخبار الرسول تالیف شیخ امام ابی عبد اللہ
محمد بن علی حکیم ترمذی قدس اللہ

الترمذی قدس اللہ تعالیٰ روحہ و نور
ضریحہ فی الاصل الرابع والعشرین والمائۃ
حدثنا الحسین بن عمر بن شقیق البصری
قال حدثنا سلیمان بن طریف عن مکحول عن
ابی الدرداء رضی اللہ عنہ انہ قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر امتی اولہا و اٰخرہا
وفی وسطہا الکذب حدثنا صالح بن عبد اللہ
قال حدثنا عیسٰی بن میمون البصری عن بکر
بن عبد اللہ المزنی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما
انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل
امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر او اٰخرہ
اخبرنا صالح بن حماد الزجی عن ثابت البنانی
عن انس رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بمثلہ حدثنا الفضل بن محمد
حدثنا ابراہیم بن الولید بن سلمۃ الدمشقی
ثنا ابی ثنا عبد الملک بن عقبۃ الافریقی
الواسطی عن ابی یونس مولی ابی ہریرۃ رضی
اللہ عنہ عن عبد الرحمن بن سمرۃ قال
بعثنی خالد بن الولید بشیرا الی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یوم موتۃ فلما دخلت
علیہ قلت یا رسول اللہ فقال علی رسلک
یا عبد الرحمن اخذ اللواء زید بن حارثۃ
فقاتل زید حتی قتل رحم اللہ زیدا ثم اخذ
اللواء جعفر فقاتل جعفر حتی قتل رحم اللہ
جعفر ثم اخذ اللواء عبد اللہ فقاتل فقتل

روحہ و نور ضریحہ کی ایک سو چوبیسویں اصل
میں ہے ابو درداء سے بسند مذکورہ روایت
ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم نے میری بہتر امت
اول اور آخر اس کا ہے اور اس
کے درمیان میں جھوٹ ہے ۔ اور ابن
عمرؓ سے بسند مذکورہ روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا میری امت کی مثال مثل بارش
کے ہے کہ یہ نہیں جانا جاتا کہ اس کا
اول بہتر ہے یا آخر ۔ اور بواسطہ انسؓ
کے بسند مذکور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے مثل اس کے مروی
ہے ۔ اور عبد الرحمن بن سمرہ
سے بسند مذکورہ روایت ہے وہ
کہتے تھے کہ مجھ کو جنگ موتہ کے روز
خالد بن ولید نے فتح کی
خوشخبری سنانے کے
لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں بھیجا جب میں حاضر
ہوا عرض کیا یا رسول اللہ تو فرمایا اے عبد الرحمن
ذرا صبر کر زید بن حارثہ نے جھنڈا لیا اور قتال
کیا یہاں تک کہ مقتول ہوا اللہ تعالیٰ زید پر رحمت کرے
پھر جعفر نے جھنڈا لیا وہ لڑا یہاں تک کہ مقتول ہوا اللہ
تعالیٰ جعفر پر رحمت کرے پھر عبد اللہ نے جھنڈا لیا اور لڑکر

رحم اللہ عبد اللہ ثم اخذ اللواء خالد ففتح
اللہ لخالد فخالد سیف من سیوف اللہ فبکی
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہم
حولہ فقال ما یبکیکم فقالوا و ما لنا لا نبکی و
قد قتل خیارنا و اشرافنا و اہل الفضل منا قال
لا تبکوا فانما مثل امتی مثل حدیقۃ قام علیہا
صاحبہا فاجتث رواکبہا و ہیأ مساکنہا
وحلق سعفہا فاطعمت عاما فوجا ثم عاما فوجا
ثم عاما فوجا فلعل اٰخرہا طعما یکون اجودہا
قنوانا و اطولہا شمراخا والذی بعثنی
بالحق لتجدن ابن مریم فی امتی خلفا من
حواریہ حدثنا علی بن سعید بن مسروق
الکندی قال حدثنا عیسٰی بن یونس عن صفوان
بن عمرو السکسکی عن عبد الرحمن بن جبیر
بن نفیر الحضرمی قال لما اشتد جزع اصحاب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی من اصیب
مع زید بن حارثۃ یوم موتۃ قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم لیدرکن المسیح من ہذہ
الامۃ اقوام انہم لمثلکم او خیر منکم ثلاث
مرات ولن یخزی اللہ تعالیٰ امۃ انا اولہا
والمسیح اٰخرہا قال ابو عبد اللہ رحمہ اللہ
فمن اللہ سبحانہ علی ہذہ الامۃ خصوصا ثم
عدد المنۃ فقال کنتم خیر امۃ اخرجت
للناس وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا
شہداء علی الناس و موصوف بالسطۃ ہو

مقتول ہوا اللہ تعالیٰ عبد اللہ پر رحمت کرے پھر خالد نے
جھنڈا لیا پس اللہ نے خالد کو فتح دی اور خالد اللہ کی
تلواروں میں کی ایک تلوار ہے ۔ اس پر اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے رو پڑے اور وہ آپ کے گرد تھے
آپ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو عرض کیا ہم کیوں کر نہ روئیں
حالانکہ ہمارے بہتر اور اشراف اور بزرگی والے مقتول ہوئے
فرمایا مت روؤ کیونکہ میری امت کی مثال مثل اس باغ
کے ہے کہ اس کا مالک اس کے لئے کھڑا ہوا اور اس کی کھجور
کے تنا میں سے دوسری کھجور نکلی ہوئی کو اکھاڑا اور اس
کے رہنے کی جگہ کو تیار کیا اور اس کی شاخوں کو برابر کیا پس
اس نے ایک سال ایک جماعت کو پھل دیا پھر دوسرے
سال اور جماعت کو پھر تیسرے برس اور جماعت کو پس
شاید پچھلے پھل والا عمدہ خوشوں والا اور لمبے شاخوں والا
ہو پس اس ذات کی قسم جس نے مجھ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے
ابن مریم میری امت میں اپنے حواریین کا جانشین پائے
گا ۔ عبد الرحمن بن جبیر بن نفیر سے مروی ہے جب کہ جنگ
موتہ کے دن ان پر جو زید بن حارثہ کے ساتھ شہید
ہوتے تھے اصحاب کا واویلا سخت ہوا تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا اس امت سے
بعض لوگ عیسیٰ بن مریم کو ملیں گے وہ تم جیسے یا تم سے بہتر
ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اس امت کو رسوا نہیں کرے گا
جس کا اول میں اور آخر میں مسیح ہوگا ۔ ابو عبد اللہ نے کہا
کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر خصوصا احسان کیا پھر احسان گن کر
اور فرمایا تم بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے اور
اسی طرح کیا ہم نے تم کو گروہ بہتر اس لئے کہ تم لوگوں پر گواہ

الموصوف بالعدل لا يميل الى افراط
ولا الى نقصان فالميزان لسانه فى وسطه
وباستواء الطرفين والكفتين يستوى لسان
الميزان ويقوم الوزن فجعلت اوائل هذه الامة
واواخرها ممن يهدون بالحق وبه يعدلون
فجعل اولها واخرها ككفتى الميزان يستويان
وما بينهما من الكدر والشح والعوج كلسان
الميزان يستقيم ولا يميل هكذا وهكذا باستواء
الكفتين فمعناه ان ينجو هذا الوسط بهذين
الكفتين فانه ان مال الوسط الى اى الجانبين
مال الى ركن وثيق فغير استواء هاتين الكفتين
اعوجاج هذا الوسط وشبحه الا يرى
انه عمهم فقال وكذلك جعلنا كم امة وسطا
اى عدلا وفى وسط الامة اعوجاج فكما كان
فى استواء الكفتين استقامة اللسان فكذلك
فى استواء اوايل هذه الامة واواخرها يقوم
الوسط فلا يهلك وقد جاء فى الخبر انه
سيظهر العلم فى اخر الزمان ويقبل الناس
على امر الله سبحانه حتى يتم حجة الله على
عباده وقد اخرج ابوجعفر القمى المذكور فى
علامات الامام وذكر فضل الامام عن الرضا
رضى الله عنه انه قال للامام علامات يكون
اعلم الناس واحكم الناس واحلم الناس واتقى
الناس واسخى الناس واشجع الناس واعبد
الناس ويولد مختونا ويكون مطهرا ويرى من

اور جو وسط ہونے کے ساتھ موصوف ہے وہی عدل کیساتھ
موصوف ہے جو افراط و تفریط کیطرف مائل ہو پس ترازو کا کانٹا
اس کے بیچ میں ہوتا ہے اور دونوں پلڑوں کی برابری سے
کانٹا بھی برابر رہتا ہے اور وزن بھی برابر رہتا ہے اس لئے
امت کے پہلے اور پچھلے وہ لوگ کئے گئے جو سچا راہ بتلاتے
ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں پس اس کے اول و آخر
کو مثل ترازو کے دو پلڑوں کے کیا جو برابر رہتے ہیں اور ان
کے درمیان میں کدورت اور کجی ہو جیسے ترازو کا کانٹا مستقیم
رہتا ہے اور پلڑوں کی برابری کے سبب ادھر ادھر نہیں جھکتا
تو اس سے مراد یہ ہے کہ ان دو پلڑوں کے سبب یہ درمیان ہی
نجات پا جائے گا کیونکہ اگر درمیان ان دونوں جانبوں میں سے
کسی طرف مائل ہوگا تو مضبوط رکن کی طرف مائل ہوگا تو ان دونو
پلڑوں کی ناہمواری کہ اس درمیان کی کجی ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں
ہے کہ خدا تعالیٰ نے عام طور پر فرمایا ہے (اسی طرح کیا ہم نے تم کو
عمدہ گروہ) حالانکہ وسط امت میں کجی ہے پس جس طرح پلڑوں
کی برابری میں کانٹے کی ہمواری حاصل ہوتی ہے اسی طرح
اس امت کے پہلوں اور پچھلوں کی صلاحیت سے وسط
کا قیام ہے تو وہ ہلاک نہ ہوگا۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ آخر
زمانہ میں علم ظاہر ہوگا اور لوگ اللہ کے دین کی طرف متوجہ ہونگے
یہاں تک کہ اللہ کی حجت اس کے بندوں پر پوری ہو۔ اور اسی
ابوجعفر قمی مذکور نے علامات امام میں تخریج کی ہے اور امام
کی بزرگی امام رضا رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے انھوں نے فرمایا
ہے امام کے لئے نشانیاں ہیں وہ یہ کہ لوگوں میں سب سے زیادہ
عالم ہو اور سب سے زیادہ حاکم اور سب سے زیادہ حلیم اور
سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ سخی اور سب سے

خلفه كما يرى من بين يديه واذا وقع
على الارض من بطن امه وقع على راحتيه
رافعا صوته بالشهادتين ولا يحتلم
وينام عينه ولا ينام قلبه ويكون محدثا
ويستوى عليه درع رسول الله صلى
الله عليه وسلم ويكون عنده سلاح
رسول الله صلى الله عليه وسلم وسيفه
ذو الفقار ويكون عنده مصحف فاطمة رضى الله
عنها ويكون عنده صحيفة فيها اسماء مخالفيه
الى يوم القيمة ولا يرى له بول ولا غايط لان الله
تعالى قد وكل الارض بابتلاع ما يخرج عنه و
يكون رائحته اطيب من رائحة المسك
ويكون اولى الناس منهم بانفسهم واشفق
عليهم من ابائهم وامهاتهم ويكون اشد
الناس تواضعا لله تعالى ويكون اخذ الناس بما
يامر به واكف الناس عما ينهى عنه ويكون دعاؤه
مستجابا حتى انه لو دعا على صخرة لانشقت
بنصفين ويكون مؤيدا بروح القدس و
بينه وبين الله تعالى عمود من نور يرى فيه
اعمال العباد وكل ما احتاج اليه يبسط له فيعلم
ويقبض عنه فلا يعلم والامام يولد ويلد و
يصح ويمرض وياكل ويشرب وينكح وينام
ويفرح ويحزن ويضحك ويبكى ويموت
ويقبر ويزار ويحشر ويوقف ويعرض ويسأل
ويكرم ويشفع ودلالته فى خصلتين فى العلم

زیادہ شجاع اور سب سے زیادہ عابد ہو اور مختون اور ستھرا
پیدا ہو اور جیسا سامنے سے دیکھے ویسا ہی پیچھے سے دیکھے
اور جب ان کے پیٹ سے نکلے کلمہ شہادتین پکار کر کہتا ہوا
ہتھیلیوں کے بل زمین پر آ دے اور محتلم نہ ہو اس کی آنکھیں
سوتی دل بیدار ہو اور فرشتہ اس سے کلام کرتا ہو اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ اس کے بدن پر برابر آتی ہو اور اس کے
پاس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار ہوں اور اس کی تلوار
ذوالفقار ہو اور اس کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مصحف
ہو اور اس کے پاس ایک ایسا صحیفہ ہو جس میں اس کے مخالفین
کے نام ہوں جو قیامت تک ہوں گے اور اس کا پیشاب پاخانہ
کوئی نہ دیکھ سکے کیونکہ اس کے فضلات کے نگلنے پر زمین مقرر
ہے اور اس کی خوشبو مشک سے اچھی ہو اور لوگوں کا ان کی
جانوں سے زیادہ اولی ہو اور ان کے ماں باپ سے زیادہ
ان پر مہربان ہو اور اللہ کے سامنے سب سے زیادہ عاجزی کرنے
والا ہو اور جس کا حکم کرے خود اس پر سب سے زیادہ عمل
کرنے والا ہو اور جن باتوں سے منع کرے خود سب سے زیادہ
ان سے بچنے والا ہو اور اس کی دعا یہاں تک مستجاب ہو کہ اگر
پتھر پر دعا کرے تو پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے۔ اور روح القدس
کے ساتھ مؤید ہو اور اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین نور کا
ایک ستون ہو جس میں بندوں کے اعمال اور جس کی ضرورت
ہو دیکھ لیا کرے گا ہی اس کے لئے بسط ہوتا ہے پس جانتا
ہے اور کبھی قبض ہوتا ہے پس نہیں جانتا۔ امام پیدا ہوتا ہے اور
اس سے اولاد ہوتی ہے اور تندرست ہوتا ہے اور بیمار ہوتا ہے
اور کھاتا ہے اور پیتا ہے اور نکاح کرتا ہے اور سوتا ہے اور خوش
ہوتا ہے اور غمگین ہوتا ہے اور ہنستا ہے اور روتا ہے اور مرتا

واستجابة الدعوة والائمة لعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورضی عنہم قتلوا بالسیف او السم ویری ذلک علیہم علی الحقیقة لاکما یقول الغلاة علیہم اللعنة فانہم یقولون انہم لم یقتلوا علی الحقیقة وانہ شبہ علی الناس امرہم فکذبوا علیہم غضب اللہ عزوجل فانہ ما شبہ امر احد من انبیاء اللہ سبحانہ واولیائہ للناس الا امر عیسی بن مریم علیہم الصلوٰة والسلام لانہ رفع من الارض حیا وقبض روحہ بین السماء والارض ثم رفع الی السماء ورد علیہ روحہ وذلک قول اللہ عزوجل اذ قال اللہ یاعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی الآیة ان الامامة اجل قدر او اعظم شانا من ان یبلغہا الناس بعقولہم او ینالوہم بارائہم الامام مخصوص بالفضل کلہ من غیر طلب منہ ولا اکتساب بل اختصاص من المفضل الوہاب تحیرت الحکماء وتقاصرت الاولیاء وعجزت الادباء وحصرت البلغاء عن وصف شان من شئونہ او فضیلة من فضائلہ یؤتیہ اللہ عزوجل من مخزن علمہ وحکمہ ما لا یؤتی غیرہ وعن الرضا رضی اللہ عنہ انہ قال ان سرک ان یلقی اللہ عزوجل ولا ذنب علیک فزر الحسین رضی اللہ عنہ ان بکیت علی الحسین رضی اللہ ثم سالت دموعک علی

ہے اور دفن ہوتا ہے اور زیارت کیا جاتا ہے اور قیامت میں اٹھایا جائے گا اور ٹھہرایا جائے گا اور پیش کیا جائے گا اور سوال کیا جائیگا اور اکرام کیا جائے گا اور شفاعت قبول کیا جائیگا اور اس کی دلالت دو خصلتوں علم اور قبولیت دعا میں ہے۔ اور امام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے زہر اور تلوار سے قتل ہوئے اور یہ مقتول ہونا واقعی ہے نہ جیسا غالی شیعہ کہتے ہیں خدا تعالیٰ ان پر لعنت کرے وہ کہتے ہیں کہ واقع میں مقتول نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کو ان کا امر مشتبہ ہو گیا ہے پس وہ جھوٹے ہیں خدا کا ان پر غضب ہو کیونکہ انبیاء اور اولیا میں سے بجز عیسیٰ بن مریم کے کسی کا امر مشتبہ نہیں ہوا وہ زندہ زمین سے اٹھایا گیا اور اس کی روح زمین آسمان کے بیچ میں قبض کی گئی پھر آسمان پر بلند کیا گیا اور اس کی روح اس کو واپس دی گئی اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اجب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھ کو دنیا سے لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا بیشک امامت باعتبار بزرگی قدر اور عظمت شان کے اس سے بالاتر ہے کہ لوگ اس کو اپنی عقلوں سے پہنچ سکیں اور اس کو رایوں سے لے سکیں امام پوری بزرگی کے ساتھ مخصوص ہے بدون طلب اور کسب کے بلکہ مفضل وہاب کی طرف سے محض اختصاص ہے اس کے احوال میں سے ایک حال اور اس کے فضائل سے ایک فضیلت کے وصف سے حکما حیران اور ولی قاصر اور ادیب عاجز اور بلیغ گونگے اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے خزانہ سے جس قدر اس کو دیتا ہے دوسرے کو نہیں دیتا اور نیز امام رضا سے ہے فرمایا اگر تجھ کو پسند آوے تو خدا سے اور تجھ پر کوئی گناہ نہ ہو تو امام حسین کی زیارت کر اور امام حسین پر رووے [illegible] سے آنسو رخساروں پر بہے تو اللہ تیرے تمام گناہ بخش دے گا اور اگر تجھ کو خوشی

خدیک غفر اللہ تعالیٰ لک کل ذنب وان سرک ان یکون لک من الثواب مثل ما لمن استشہد مع الحسین رضی اللہ عنہ من اہل بیتہ وہم ما لہم فی الارض شبیہ فقل متی ما ذکرتہ یا لیتنی کنت معہم فافوز فوزا عظیما ولقد نزل الی الارض من الملائکة اربعة الاف لنصرہ لم یؤذن لہم فہم عند قبرہ شعث غبر الی ان یقوم القائم رضی اللہ عنہ فیکونون من انصارہ وسئل الرضا عن قبر فاطمة رضی اللہ عنہا فقال دفنت فی بیتہا فلما زادوا فی المسجد صار قبرہا فی المسجد وعن الرضا رضی اللہ عنہ انہ قال من شد رحلہ الی زیارتی استجیب دعاؤہ وغفرت لہ ذنوبہ من زارنی فی تلک البقعة کان کمن زار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکتب اللہ لہ ثواب الف حجة مبرورة والف عمرة مقبولة وکنت انا وآبائی شفعاؤہ یوم القیمہ وہذہ البقعة روضة من ریاض الجنة ومختلف الملائکة لا یزال فوج ینزل من السماء وفوج یصعد الی ان ینفخ فی الصور وعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ستدفن بضعة منی بارض خراسان ما زارہا مکروب الا نفس اللہ تعالیٰ کربتہ ولا مذنب الا غفر اللہ تعالیٰ ذنوبہ وعن الرضا رضی اللہ عنہ من زارنی وہو علی غسل خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ وعن الرضا رضی اللہ عنہ من زارنی عارفا بحق

لگے کہ تجھ کو بھی اس قدر ثواب ملے جس قدر ان کو ملا تھا جو حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے اہل بیت سے شہید ہوئے حالانکہ روئے زمین پر ان کا مشابہ نہیں تو تو یہ کہہ جو میں تجھ سے ذکر کرتا ہوں۔ یالیتنی کنت معہم فافوز فوزا عظیما اور زمین پر چار ہزار فرشتہ اس کی مدد کے لیئے نازل ہوئے لیکن ان کو اجازت نہ ہوئی پس وہ اس کی قبر کے پاس پراگندہ سر غبار آلودہ قائم رضی اللہ عنہ کے قیام تک رہیں گے اور اس کی مدد کریں گے کسی نے امام رضا سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پوچھا فرمایا اپنے گھر میں دفن ہوئیں اور جب مسجد میں بڑھایا تو آپ کی قبر مسجد میں ہو گئی اور امام رضا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا جو شخص میری زیارت کے لئے کجاوہ باندھے اس کی دعا قبول ہو اور اس کے گناہ معاف ہوں اور جو شخص اس جگہ میری زیارت کرے گویا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اس کے ہزار حج مقبول اور ہزار عمرہ مقبول کا ثواب لکھا جائے گا اور قیامت میں میں اور میرے آباء اس کے شفیع ہوں گے اور یہ جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور فرشتوں کی آمد و رفت کی جگہ ہے نفخ صور تک ہمیشہ ایک جماعت فرشتوں کی اترے گی اور ایک چڑھے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے فرمایا عنقریب میرا لخت جگر خراسان کی زمین میں دفن ہوگا جو سختی رسیدہ اس کی زیارت کرے گا خدا اس کی سختی دور کر دے گا اور جو گنہگار اس کی زیارت کرے گا اس کے گناہ معاف کرے گا امام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا جو شخص نہا کر میری زیارت کرے اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسا کہ ماں کے پیٹ سے

غفر الله تعالیٰ له ما تقدم من ذنبه وما تاخر و
عن الرضا رضی الله عنه من زارنی فی غربتی
کان معی فی درجتی یوم القیمة مغفورا له وعن
علی بن محمد بن الرضا رضی الله عنهم انه قال من
زار الرضا فاصابه فی الطریق قطرة من السماء
حرم الله تعالیٰ جسده علی النار وعن
علی بن محمد الرضا رضی الله عنهم انه
قال من کانت له الی الله عزوجل حاجة فلیزر قبر
جد الرضا رضی الله عنه وهو علی غسل
ولیصل عند راسه رکعتین ولیسال الله تعالیٰ
حاجته فانه یستجاب له ما لم یسال فی ماثم
او قطیعة رحم وان موضع قبره لبقعة من
بقاع الجنة لا یزورها مؤمن الا اعتقه الله
تعالیٰ من النار وادخله دار القرار وعن الصادق
رضی الله عنه انه قال من زار واحدا من
الائمة فکانما زار رسول الله صلی الله علیه وسلم
وقیل للرضا رضی الله عنه علمنی قولا بلیغا کاملا
اذا زرت واحدا منکم فقال اذا صرت الی
الباب فقف واشهد الشهادتین وانت علی
غسل واذا دخلت ورأیت القبر فقف وقل الله
اکبر الله اکبر ثلثین مرة ثم امش قلیلا وعلیك
السکینة والوقار وقارب بین خطاك ثم قف
وکبر الله عزوجل ثلثین مرة ثم ادن من القبر
وکبر الله عزوجل اربعین مرة تمام مائة مرة
ثم قل السلام علیکم یا اهل بیت الرسالة و

پیدا ہونے کے دن تھا امام رضاؑ سے مروی ہے جو شخص میرا حق
سمجھ کر میری زیارت کرے گا اس کے پہلے پچھلے گناہ خدا تعالیٰ
بخشے گا۔ امام رضاؑ سے مروی ہے جو شخص میری غربت میں میری
زیارت کرے گا قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں
بخشا ہوا ہوگا۔ علی بن محمد رضا رضی اللہ عنہم سے مروی ہے فرمایا
جس شخص نے امام رضا کی زیارت کی اور راستہ میں اس کو آسمان
سے مینہ کا قطرہ پہنچ گیا اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن کو آگ دوزخ
پر حرام کر دے گا۔ علی بن محمد رضا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
فرمایا جس کو خدا کی طرف کوئی حاجت ہو چاہیے کہ سنا کر دادا
رضا کی قبر کی زیارت کرے اور سر کے متصل دو رکعتیں پڑھے
اور اللہ سے حاجت مانگے تو اس کی دعا قبول ہوگی جبتک
کہ گناہ اور قطع رحم کی دعا نہ کرے اور اس کی قبر کی جگہ جنت
کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے جو مومن اس کی زیارت
کرے گا اللہ اس کو آگ سے آزاد کرے گا اور اس کو جنت
میں داخل کرے گا۔ امام صادق سے مروی ہے فرمایا جس نے کسی
امام کی زیارت کی گویا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
زیارت کی۔ امام رضا سے کسی نے کہا کہ مجھ کو کوئی بلیغ کامل کلمہ
سکھلائیے کہ میں آپ کی زیارت کے وقت پڑھوں، فرمایا جب دروازہ
پر جائے تو ٹھہر اور شہادتین پڑھ اور تو نہایا ہوا ہو اور جب اندر
جائے اور قبر دیکھے تو ٹھہر اور تیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ پھر
تھوڑا سا تسکین اور وقار کے ساتھ چل اور چھوٹے قدم
رکھ پھر ٹھہر اور تیس مرتبہ تکبیر پڑھ پھر قبر کے قریب ہو
اور چالیس مرتبہ تکبیر پڑھ یہ پورے سو مرتبہ ہوگئے پھر
کہہ تم پر سلام ہو اے اہل بیت رسالت
اور ملائکہ کی آمد و رفت کی جگہ اور وحی کے

...ت الملائکة ومهبط الوحی وخزان العلم
...ی الحلم ومعدن الرحمة واصول الکرم
...ة الامم وعناصر الابرار ودعایم الاخیار
...ابواب الایمان وامناء الرحمن وسلالة
...النبیین وعترة صفوة المرسلین صلی الله علیه
وسلم ورحمة الله وبرکاته السلام علی ائمة
الهدی ومصابیح الدجی واعلام التقی وذوی
الحجی والنهی ورحمة الله وبرکاته السلام
علی محال معرفة الله تعالیٰ السلام علی
مساکن ذکر الله تعالیٰ ومساکن برکة الله تعالیٰ
ومعادن حکمة الله تعالیٰ سر الله عزوجل وحملة
کتاب الله عزوجل وورثة رسول الله صلی الله
علیه وسلم ورحمة الله وبرکاته السلام
علی الدعاة الی الله عزوجل والادلاء علی
مرضات الله عزوجل والمظهرین لامر
الله عزوجل ونهیه والمخلصین فی توحید
الله سبحانه ورحمة الله وبرکاته انی مستشفع
الی الله تعالیٰ بکم ومقدمکم امام طلبی وارادتی
ومسألتی وحاجتی اشهد الله سبحانه انی
مؤمن بسرکم وعلانیتکم وانی ابرا الی الله عز
وجل من عدو ال محمد من الجن
والانس وصلی الله علی محمد واله الطاهرین
وسلم تسلیما وعن الرضا رضی الله عنه وعن
ابائه رضی الله عنهم عن رسول صلی الله علیه
وسلم انه قیل له یا رسول الله متی یخرج

نزول کی جگہ اور علم کے خزانچی اور حلم کے ختم
ہونے کی جگہ اور رحمت کی کان اور کرم کے اصل
اور امتوں کے سردار اور نیکوں کے عنصر اور
بہتروں کے ستون اور ایمان کے دروازے اور خدا
کی امانت دار اور انبیاء کے خلاصہ اور رسولوں
کے برگزیدہ اور اللہ کی رحمت اور برکات ہوں
سلام اوپر ائمہ ہدیٰ اور اندھیروں کے چراغ اور
تقوے کے جھنڈے عقل و دانش والے اور اللہ
کی رحمت اور برکات ہوں اللہ تعالیٰ کی معرفت
کے محلوں پر سلام اللہ تعالیٰ کے ذکر اور برکت
کے مساکن پر سلام اور اللہ کی حکمت اور بھیدوں کی
کانوں پر اور اللہ کی کتاب کے اٹھانے والوں اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں پر سلام اور اللہ
کی رحمت اور برکات ہوں خدا کی طرف بلانے والوں پر
اور اللہ کی مرضی کی طرف راہ بتانے والوں پر اور
اللہ کے امر و نہی کے ظاہر کرنے والوں پر اور اللہ
کی توحید میں اخلاص والوں پر سلام اور اللہ کی رحمت
اور برکات ہو میں اللہ کے یہاں تمہاری شفاعت
چاہتا ہوں اور اپنے مطلب اور سوال اور ارادہ اور
حاجت سے آگے تم کو پیش کرتا ہوں میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں
کہ مجھ کو تمہارے ظاہر و باطن پر ایمان ہے اور میں آل محمد
کے دشمن سے خواہ جن ہو یا انسان اللہ کی طرف بیزار ہوں
اور رحمت ہو اللہ کی محمد پر اور اس کی اولاد طاہرین پر
اور سلام ہو۔ امام رضا اور ان کے آباء سے روایت ہے
کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ

القائم من ذريتك فقال صلى الله عليه وسلم
مثله مثل الساعة لا يجليها لوقتها الا هو
ثقلت في السموت والارض لا تاتيكم الا
بغتة. وبرواية اهل البيت في صفة المهدي
رضي الله عنه يحكم بالعدل ويامر به يخرج
من تهامة يصدقه الله عزوجل في قوله
ويصدق الله عزوجل تجمع الله تعالى له من
اقصى البلاد على عدة اهل بدر ثلثمائة وثلثة
عشر رجلا معه صحيفة مختومة فيها عدد
اصحابه باسمائهم وبلادهم وحلاهم له علم
اذا حان وقت خروجه انتشر ذلك العلم
وانطقه الله عزوجل وناداه العلم اخرج
يا ولي الله وله سيف مغمد فاذا حان وقت
خروجه اقتلع ذلك السيف من غمده وانطقه
الله عزوجل وناداه السيف اخرج يا ولي الله
فيخرج ويقيم حدود الله ويحكم بحكم الله
عزوجل جبريل عليه السلام عن يمينه و
ميكائيل عليه السلام عن يساره طوبى لمن لقيه
وطوبى لمن احبه وطوبى لمن قال به وعن ابي عبد الله
جعفر الصادق رضي الله عنه انه قال منا اثنا
عشر مهديا مضى ستة وبقي ستة ويضع الله
عزوجل في السادس ما احب ومما قيل في
مرثية الرضا رضي الله عنه.

آپ کی اولاد سے قائم کب ظہور فرمائے گا
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی مثال قیامت
کی ہے وہ ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر بھاری
ہے آسمانوں میں اور زمینوں میں تمہارے پاس نہیں آئے
گی مگر ناگہاں اور اہل بیت کی روایت سے ہے مہدی رضی
اللہ عنہ کی صفت میں کہ وہ انصاف کے ساتھ حکم کرے
گا۔ تہامہ کی زمین سے نکلے گا اللہ تعالیٰ اس کے قول کی
تصدیق کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرے گا
اللہ تعالیٰ اس کے لئے اقصی بلاد سے تین سو تیرہ
آدمی بقدر تعداد اہل بدر کے اکٹھے کرے گا اور
اور اس کے پاس ایک مہری صحیفہ ہوگا جس میں اس
کے اصحاب کی تعداد اور ان کے نام اور ان کے شہر
اور ان کے حلیے اور اس کا علم ہوگا جب اس کے
ظہور کا وقت قریب آئے گا تو یہ علم منتشر ہوگا اور اللہ
تعالیٰ اس کو گویا کرے گا اور پکارے گا اے ولی اللہ
نکل اور اس کی تلوار میان میں ہے جب اس کے خروج
کا وقت قریب ہوگا وہ تلوار اپنی میان سے نکلے گی
اور اللہ تعالیٰ اس کو گویا کرے گا اور تلوار اس کو پکارے گی
اے ولی اللہ نکل پھر نکلے گا اور اللہ کی حدود قائم کرے
گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ حکم کرے گا جبریل علیہ
السلام اس کے دائیں اور میکائیل علیہ السلام اس کے بائیں
ہوگا مبارک ہو جو اس سے ملا مبارک ہو جس نے اس کو
دوست رکھا مبارک ہو جو اس کا قائل ہوا امام ابو عبداللہ
جعفر [illegible] سے مروی ہے فرمایا ہم میں بارہ مہدی ہیں چھ گذر چکے اور چھ [illegible] ہے اور اللہ تعالیٰ چھٹے میں جو چاہے
گا کرے گا امام رضا کے مرثیہ میں کسی نے کہا ہے۔

اشعار

قبر بطوس به اقام امام - حتم اليه زيارة
ولمام. قبر سنا انواره يجلو العمى.
وبتربه قد يدفع الاسقام. قبر اذا حل
الوفود بربعه. رحلوا وحطت عنهم
الاثام. ارواحكم موجودة اعيانها. ان
عن عيون غيبت اجسام. تربة الرضا
رضي الله عنه بطوس مباركة كان يستشفي
به الناس وعن بعض وزراء خوارزم انه
اصابه البرص فدعا الله تعالى عندها فشفاه
الله سبحانه فعمر ذلك الوزير فيها عمارة
انفق فيها قريبا من عشرة الاف دينار وعن
بعض كبار اهل البيت انه كان يقول في دعائه
اللهم العن الرافضة فانهم
ينتهموننا. وعن زين العابدين علي
بن الحسين رضي الله عنهما انه قال له رجل
كيف رأيت منزلة ابي بكر وعمر رضي الله عنهما
من النبي صلى الله عليه وسلم فقال كمنزلتهما
اليوم وعن زين العابدين رضي الله عنه
انه قال اقرب ما يكون العبد من غضب الله
عزوجل اذا غضب ومن كلامه رضي الله عنه
العافية ملك خفي ومن كلامه قنوطك اعظم
من ذنبك ومن روايته رضي الله عنه يقول
الله عزوجل اذا عصاني من خلقي من يعرفني
سلطت عليه من خلقي من لا يعرفني ومن

مرثیہ طوس میں قبر ہے جس میں امام مقیم ہے۔ اس کی زیارت
اور اس کی طرف قرب واجب ہے قبر ہے جس کے انوار کی
روشنی اندھے پن کو دور کرتی ہے اور اس کی مٹی سے بیماریاں
دور ہوتی ہیں۔ ایسی قبر ہے جب جماعتیں اس کے صحن میں اترتی
ہیں۔ کوچ کرتی ہیں اور گناہ ان سے دور ہوتے ہیں تمہاری
ارواح باعیانہا موجود ہیں اگر تمہارے اجسام آنکھوں کے
سامنے سے غائب ہو گئے ہیں۔ رضا کی قبر کی مٹی طوس میں
مبارک ہے لوگ اس سے شفا طلب کرتے تھے بعض وزراء خوارزم
سے حکایت ہے اس کو برص کی بیماری ہو گئی اس نے خدا
تعالیٰ سے اس جگہ دعا مانگی پس اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا دی
اس وزیر نے دس ہزار دینار خرچ کر کے ایک عمارت بنائی
بعض اکابر اہل بیت سے مروی ہے وہ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے
الٰہی رافضیوں پر لعنت فرما کہ وہ ہم پر تہمتیں جھوٹی لگاتے ہیں
اور امام زین العابدین علی بن الحسین سے مروی ہے کسی
شخص نے ان سے کہا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا مرتبہ کیسا دیکھا فرمایا جیسا
آج ان کا مرتبہ ہے۔ امام زین العابدین سے مروی ہے
فرمایا غصہ کے وقت بندہ اللہ کے غصہ سے زیادہ قریب
ہوتا ہے اور آپ کے کلام میں سے ہے عافیت پوشیدہ
بادشاہت ہے۔ آپ کے کلام میں سے ہے ناامیدی تیرے
گناہ سے بڑی ہے اور آپ کی روایت سے ہے اللہ
عزوجل فرماتا ہے جب میری مخلوق میں سے میری
نافرمانی وہ کرتا ہے جو مجھ کو پہچانتا ہے اس پر اپنی
مخلوق میں سے اس کو مسلط کرتا ہوں جو مجھ کو نہ پہچانتا

کلامہ رضی اللہ عنہ یا اہل العراق احبونا حب الاسلام فما زال حبکم بنا حتی صار علینا عارا. بلغ شیعتنا انا لانغنی عنہم من اللہ سبحانہ شیئا و ان ولایتنا لاتنال الا بالورع. انتہی بلفظہ.

ہو اور آپ کے کلام سے ہے اے عراق والو ہم کو دوست رکھو بقدر اسلام کی محبت کے تمہاری محبت تو ہم پر عار ہوگئی ہماری شیعہ کو پہنچا دی کہ ہم ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے کچھ کفایت نہیں کر سکتے اور ہماری ولایت و محبت بجز پرہیز گاری کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اب اہل علم و انصاف اس عبارت میں بنظر تامل ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ اول خواجہ پارسا نے مذہب شیعہ ائمہ اثنا عشر کی نسبت امام رازی سے نقل فرمایا اس کے بعد ان کی روایات خمسہ نقل فرمائی کہ جن سے ائمہ اثنا عشر کی امامت کا ثبوت پایا جاتا ہے اور ان روایات کے مخرج کے مذہب کو بیان کر دیا تاکہ لوگ اس کی ان روایات سے دھوکا نہ کھادیں جو متضمن بیان مذہب کو ہوں۔ اور اگر الحاق نہیں ہے تو غلطی سے استشہاد بخاری نقلا عن الانساب نقل کر دیا۔ بعد اس کے اسی قمی راوی سے چھٹی روایت جو کتاب الخصال میں مروی ہے۔ اور مطابق روایات اہل حق ہے نقل کی اور اس کی تخریج اہل سنت کی روایات سے کر کے اس کی تاویلات سابقہ کی طرف اشارہ کیا اور ان کو یاد دلایا اور اس روایت کی نقل سے اس امر کی طرف ایما کیا ہے کہ روایات خمسہ سابقہ حضرت ابوجعفر کی موضوعہ و مخترعہ ہیں اور صحیح یہ ہی ہے جو مؤید بروایات اہل حق ہے۔ بعد اس کے ساتویں روایت اسی سے نقل کی جو کتاب الخصال میں مذکور ہے اور اس میں بطور بشارت کے دو امر ارشاد ہوئے ہیں ایک یہ کہ امت کی مثل باران جیسی ہے جس کے اول و آخر کی تمیز (خیریت و نفع رسانی میں) دشوار ہے دوسری یہ کہ جس امت کے اول میں میں اور ائمہ اثنا عشر ہوں اور آخر میں عیسیٰ بن مریم ہوں وہ کیونکر ہلاک ہو سکتی ہے چونکہ فی الجملہ یہ روایت بھی روایات اہل حق کے مطابق تھی جز اول پورا مطابق ہے جز دوم میں ذکر ائمہ اثنا عشر حضرت قمی نے اپنی طرف سے تراش کر بڑھا دیا حالانکہ اپنے مذہب کے بھی خلاف تھا کیونکہ ائمہ اثنا عشر کو اوائل امت میں شمار کرنا غلط ہے امام قائم بالامر اواخر امت میں متصل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے ہیں نہ اوائل امت میں پس حضرت صدوق کو حسب قاعدہ کلیہ اس کا خیال نہ رہا ورنہ یوں فرماتے انا واحد عشر خلیفۃ من بعدی اولہا والامام القائم بالامر وعیسی بن مریم آخرہا۔ اور اگر ترکیب عبارت اس طرح ہے۔ انا اولہا واثنا عشر خلیفۃ من بعدی والمسیح بن مریم آخرہا کہ مسیح کا عطف اثنا عشر پر ہے تو اول سے بھی زیادہ غلط چنانچہ خود بدیہی ہے کہ ائمہ اثنا عشر کو جناب امیر سے لے کر آخر تک جانب آخر امت

میں کہنا بدیہی البطلان اور خلاف واقع ہے تو اس لئے خواجہ پارسا علیہ الرحمۃ نے اپنی روایات سے جو فی الجملہ اس روایت کے مطابق تھی ذکر و اشارہ کر دیا کہ اس روایت میں لفظ و اثنا عشر خلیفۃ من بعدی حضرت قمی کا افترا و اختراع ہے پھر یہ روایات نقل کر کے اصل مقصود کی طرف جو ائمہ کی بابت مذہب شیعہ کا بیان کرنا تھا رجوع کیا اور اسی ابوجعفر قمی کی روایت علامات امام میں نقل فرمائی جس کو ہمارے فاضل مجیب نے اپنے استدلال میں پیش کیا اور اپنی کمال دانش مندی سے یہ سمجھ گئے کہ یہ روایت خواجہ پارسا کی مقبولہ ہے اور اس پر یہ قرینہ قرار دیا کہ چونکہ بعد نقل روایت سکوت کیا تو یہ سکوت دلیل قبول و تسلیم روایت ہے اور یہ نہ سمجھے کہ مقصود اس روایت کے نقل سے صرف حکایت مذہب شیعہ ہے اس کو قبول و عدم قبول روایت سے کچھ تعلق نہیں اس کے بعد اور روایتیں شیعہ کے متعلق فضائل ائمہ نقل فرمائی اور خاتمہ روایات پر تمام مرویات شیعہ کی جو ائمہ کے حق میں مبالغہ آمیز روایتیں کرتی ہیں اور ان کے مناقب و مدائح میں غلو و اغراق فرماتے ہیں یہاں تک کہ انبیاء کے مرتبہ سے بھی بڑھا دیتی ہیں جس پر جناب امیرؓ کی پیشین گوئی خوب صادق آتی ہے سیہلک فی صنفان محب مفرط الخ روایات اہل بیت سے تکذیب فرما دی اور کبار اہل بیت سے نقل فرمایا کہ وہ اپنی دعا میں بجناب باری عز شانہ عرض کیا کرتے تھے اللہم العن الرافضۃ فانہم یتہمونا افسوس کہ اس پر بھی آپ یہ ہی فرماتے ہیں کہ خواجہ پارسا نے بعد نقل روایت سکوت کیا اور اسی کو آپ تسلیم کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ بحث کسی قدر طویل ہوگئی ہے لیکن ایک گذارش باقی رہ گئی ہے ذرا گوش انصاف و ہوش اس طرف متوجہ فرما کر سن لیجئے وہ یہ کہ کمال تعجب اور نہایت افسوس ہے کہ آپ نے باوجودیکہ سن تمیز سے ہی آپ کو مناظرہ میں توغل و انہماک رہا اور بہت کچھ کتابیں دیکھ ڈالیں اور بہت لوگوں سے مباحثہ کیا گویا اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ اس میں صرف کیا اور مسائل خلافیہ وغیرہ میں حق الیقین کا مرتبہ بھی بزعم خود حاصل کر لیا اور گویا اپنے مجتہدین سے بھی گوئی سبقت لے گئے با این ہمہ ادعائی ہمہ دانی تحفہ کو بھی ملاحظہ نہ فرمایا جو اس دبستان کے اطفال کا پہلا سبق ہے کہ اس کے مصنف خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ نے اس شبہ کا کیسا استیصال کیا ہے مجھے امید ہے کہ اگر آپ اس کو ملاحظہ فرماتے تو اس دلیل کا نام بھی نہ لیتے۔ لیجئے اب میں تحفہ کی عبارت نقل کرتا ہوں۔ خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ تحفہ کے باب سیوم در ذکر احوال اسلاف شیعہ فرماتے ہیں۔ محمد بن علی بن بابویہ القمی و ابن قمی غیر آن قمی است کہ بخاری بوی استشہاد کردہ است در روایت حدیث الشفاء فی ثلث شرطۃ محجم و شربۃ عسل و کیۃ بنار۔ در کتاب

الطب از صحیح خود گفته است و رواه القمی عن لیث عن مجاهد زیرا که این بابویه قمی از قرن رابع است ولیث از اهل قرن ثانی امکان نیست که لیث را دیده باشد وازوی روایت کرده واگر روایت عن لیث را بر ارسال و روایت بالواسطه حمل کنیم حالانکه خلاف متعارف بخاری است در امثال این مقامات نیز درست نمی شود زیرا که وفات بخاری در وسط مائه ثالثه است پس ابن بابویه ازوی متاخر است بزمان بسیار بوی چه قسم استشهاد تواند کرد.

ولنعم ما قیل فی میلاد البخاری وفاته وسنی عمره ولد فی صدق وعاش حمیدا ومات فی نور

البتہ اچھا ہے جو بخاری کی تاریخ ولادت اور وفات اور عمر کے سالوں میں کیا گیا۔ ولد فی صدق ١٩٤ عاش حمیدا ٦٢ - مات فی نور ٢٥٦

در این مقام بعضی از بزرگان متاخر را در فهم عبارت سمعانی غلط افتاده چنان گمان برده اند که ابن قمی همان قمی است که بخاری بوی استشهاد نموده در اینجا نقل عبارت سمعانی کرده شود و منشا غلط بیان کرده آید.

قال السمعانی فی المنسوبین الی قم وابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویه القمی نزل بغداد وحدث بها عن ابیه وکان من شیوخ الشیعة ومشهورے الرافضه روی عن محمد بن طلحة النعالی ویعقوب بن عبد الله بن سعد القمی استشهد به البخاری فی صحیحه فی کتاب الطب فقال فی حدیث الشفاء فی ثلثة شرطة محجم وشربة عسل وکیة بنار رواه القمی عن لیث عن مجاهد عن ابن عباس والاسناد العمید ابو طاهر سعد بن علی بن عیسی القمی صار وزیر السلطان سنجر بن ملکشاه الی اخر ما قال عبارت الانساب وصرح شرح البخاری بان القمی الذی استشهد به البخاری هو یعقوب بن عبد الله بن سعد القمی

سمعانی نے ان کے بیان میں جو قم کی طرف منسوب ہیں کہا ہے اور ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ قمی بغداد میں ٹھہرا اور اپنے باپ سے وہاں حدیث کی شیعہ کے شیوخ اور رافضیوں کے شہرت یافتوں میں تھا محمد بن طلحہ نعالی نے اس سے روایت کی اور یعقوب بن عبد اللہ بن سعد قمی نے اپنی صحیح کے کتاب الطب میں اس کے ساتھ استشہاد کیا ہے اور اس حدیث میں جس کا حاصل یہ ہے کہ شفا تین چیزوں میں ہے سینگی لگوانا شہد پینا آگ کے ساتھ داغ دینا کہ ہے اس روایت کیا ہے اس کو قمی نے لیث سے اور اس نے مجاہد سے اور اس نے ابن عباس سے اور اسناد عمید ابو طاہر سعد بن علی بن عیسی قمی جو سلطان سنجر بن ملکشاہ کا وزیر ہو گیا تھا آخر عبارت سمعانی تک۔ اور بخاری کی شرح نے تصریح کی ہے کہ بخاری نے جس قمی کے ساتھ استشہاد کیا ہے وہ یعقوب بن عبد اللہ بن سعد قمی ہے

له ابن بابویه والضابطة فی کتاب الانساب ان یعطف احد المنسوبین بنسبة واحدة علی آخر بواو عطف مکتوبة بالحمرة فلعل ناسخ نسخة ذلك البعض سها فكتب تلك الواو بالسواد حتى ظن من رواة ابن بابويه وان ما بعده وهو قوله استشهد به البخاری مما يتعلق بحال ابن بابويه والواقع ليس كذلك بل تمت ترجمة ابن بابويه الى قوله روى عنه محمد بن طلحة النعالي وابتدأ بقوله ويعقوب بن عبد الله بن سعد استشهد به البخاري في ترجمة اخرى وكل هذا نشأ من غلط الناسخ وتصرف الناسخ اشد تغليطا من هذا القدر والله العاصم عن كل زلل. انتهى بلفظه الشريف

نہ ابن بابویہ قمی اور کتاب الانساب کا قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ ایک نسبت کے ساتھ منسوب ہیں ان میں سے ایک کو دوسری پر سرخی کا واو درمیان میں لکھ کر عطف کرتا ہے شاید اس نسخہ کی کاتب نے یہ واو سہواً سیاہی سے لکھ دیا یہاں تک کہ یعقوب بن عبد اللہ ابن بابویہ کی روات سے گمان کیا گیا اور یہ کہ مابعد اس کا اور وہ قولہ استشہد بہ البخاری ابن بابویہ کے حال کے متعلق ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے بلکہ ابن بابویہ کا حال قول روی عنہ محمد بن طلحہ التعالی تک تمام ہو گیا تھا اور قول ویعقوب بن عبد اللہ بن سعد استشہد بہ البخاری سے دوسرا حال شروع کیا اور یہ سب کاتبوں کی غلطی سے ناشی ہے اور کاتبوں کی غلطی اس سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نگہبان ہے ہر ایک لغزش سے۔

اب اس تقریر سے صاف واضح ہو گیا کہ ابوجعفر قمی سے نہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استشہاد کیا اور نہ انساب میں بخاری کا اس سے استشہاد منقول ہے صرف بعض متاخرین کو کاتب کی غلطی سے غلطی واقع ہو گئی ہے اور واضح ہو کہ بالفرض اگر بعض سے مراد علامہ دہلوی کی خواجہ پارساؒ ہی ہو تاہم اس تقریر کا مدار اسی امر پر ہے کہ اس عبارت کو خواجہؒ کی تسلیم کر لی جاوے اور اس میں اس کے الحاق کی نسبت چون وچرا نہ کی جاوے۔ چونکہ ثبوت الحاق کا انحصار قرائن خارجیہ ہی پر ہے جس میں گفتگو کی گنجائش ہے اور جواب بدون اس کے بھی سہل تھا تو اس لئے حضرت خاتم المحدثین صاحب تحفہ نے اس عبارت کو خواجہ پارساؒ کی ہی تسلیم وفرض کر کے جواب تحریر فرمایا تو اب بعد اس کے اس تقریر میں اور تقریر سابقہ میں جو متعلق الحاق بیان ہو چکی ہے باہم کچھ تعارض وتناقض نہیں ہے۔ اب اس قدر گذارش کرنا اور باقی رہ گیا ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ ایسی ایسی واہیہ وموضوعات ومفتریات سے اہل سنت کے مذہب پر خرابی واقع ہونا محالات سے ہے۔

شیعہ مذہب کی خرابی ظاہر و باہر ہے

لیکن یہ ہی روایت کہ جس کے ناصبیہ کا ذب سے امارات وضع وافترا ظاہر و باہر ہیں حضرات شیعہ کے مذہب پر خرابی ڈالنے کے واسطے کافی ہے۔ شرح اس اجمال کی مختصرا یہ ہے کہ اس روایت میں بعضے جملے ہیں جو دوسری روایات کے معارض و مناقض ہیں اور نیز باہم متعارض ہیں۔

کیا ائمہ شجاع تھے؟

(۱) اس روایت میں مذکور ہے کہ شجاع تر ہو اور جب ہم تتبع روایات و حالات ائمہ کرتے ہیں تو نقیض شجاعت ثابت ہوتی ہے۔

روی الاخباریون کلہم من الامامیۃ عن ابی حمزۃ الثمالی عن علی بن الحسین قال ابو حمزۃ قال لی علی بن الحسین کنت متکئا علی الحائط وانا حزین متفکر اذ دخل علی رجل حسن الثیاب طیب الرائحۃ فنظر فی وجھی ثم قال ما سبب حزنك قلت اتخوف من فتنۃ ابن الزبیر قال فضحك ثم قال یا علی ھل رأیت احدا خاف اللہ ولم ینجہ قلت لا قال یا علی ھل رأیت احدا سأل اللہ فلم یعطہ قلت لا ثم نظرت فلم ار قدامی احدا فعجبت من ذلك فاذا بقائل اسمع صوتہ ولا اری شخصہ یقول یا علی ھذا الخضر عن تحتہ۔

امامیہ کے تمام اخباریوں نے بواسطہ ابو حمزہ ثمالی کے امام علی بن الحسینؓ سے روایت کی ہے ابو حمزہ نے کہا مجھ سے امام زین العابدینؓ نے فرمایا میں اندوہ اور فکر کی حالت میں دیوار سے سہارا لگائے ہوئے تھا ناگاہ ایک شخص عمدہ لباس اچھی خوشبو والا آیا اور میرے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ تیری اندوہ کا کیا سبب ہے میں نے کہا میں ابن زبیر کے فتنہ سے ڈرتا ہوں فرمایا وہ ہنس پڑا پھر کہا اے علی کیا تو نے کسی کو دیکھا کہ خدا سے ڈرا ہو اور اس کو نجات نہ دی ہو میں نے کہا نہیں کہا اے علی کیا تو نے کسی کو دیکھا ہے کہ خدا سے سوال کیا اور اس نے نہ دیا ہو میں نے کہا نہیں پھر میں نے نظر کی تو اپنے سامنے کسی کو نہ دیکھا مجھ کو اس سے تعجب ہوا ناگاہ ایک ایسے قائل کی آواز کو سنا جس کی صورت کو نہ دیکھتا تھا کہتا تھا اے علی یہ خضر ہے

قطع نظر اس سے اس روایت سے قرائن اور حالات کو حسب تصریح علماء شیعہ جب دیکھا جاتا ہے تو کچھ نفی شجاعت کی ہی نہیں پائی جاتی بلکہ معاذ اللہ توبہ توبہ قطع نظر عدم شجاعت سے بے غیرتی و

اس روایت کو خرائج و جرائح میں قطب راوندی نے بالسند نقل کیا ہے اس کے صفحہ پر منقول ہے

بے حفاظتی حضرات کے دشمنوں کی طرف منسوب ہوتی ہے جناب امیر اور جناب حسنین رضی اللہ عنہم کی نسبت خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں ان کی مظلومی کی کیفیت بیان کرنے پر آتے ہیں تو نہ شجاعت ہی چھوڑتے ہیں اور نہ غیرت و حمیت ہی باقی رہنے دیتے ہیں بلکہ دین و ایمان تک خیرباد کہہ دیتے ہیں۔

ائمہ کی محدثیت کا عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے

(۲) و محدث باشد یہ بالکل خلاف کتاب اللہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بصراحت تمام مذکور ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین نبوت آپ پر ختم ہو چکی اب ائمہ کو محدث کہنا حضرت کے ختم نبوت کو بالکل باطل کرنا ہے کیونکہ محدثیت اس کا نام ہے کہ نزول وحی کا بواسطہ فرشتہ کے ہو لیکن اس طرح پر کہ فرشتہ کی صرف آواز مسموع ہو اور اس کا مشاہدہ نہ ہو خواہ اس کا نام وحی رکھا جاوے یا نہ رکھا جاوے یہ آپ کے اختیار ہے آپ کے حضرت کلینی نے امام سجاد سے روایت کی ہے

وان علی بن ابی طالب کان محدثا وھو الذی یرسل اللہ الیہ الملك فیكلمہ ویسمع الصوت ولا یری الصورۃ۔

اور علی بن ابی طالب محدث تھے اور محدث وہ ہے جس کی طرف اللہ فرشتہ بھیجے اور اس سے کلام کرے اور آواز سنے اور اس کی صورت نہ دیکھے۔

(۳) و نزد وی مصحف فاطمہؓ بود۔ کیا جناب امیر کا مصحف کافی نہ تھا جو صحیفہ جناب فاطمی کی ضرورت پڑی (۴) و امر بالمعروف کنندہ و نہی از منکر کنندہ تر بود کیا اسی کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نام ہے کہ غلط مسائل خلق کو بتلا کر گمراہ کریں استبصار کو دیکھ لیجیے حال منکشف ہو جائے گا اور رقم کھا کر امراء جور کی جھوٹی تعریفیں اور خوشامد کریں خطبہ للہ بلاد فلان وغیرہ سے اس کی کیفیت منکشف ہو سکتی ہے اور کیا امر بالمعروف و نہی از منکر اسی کا نام ہے جو جناب امام حسن نے خلع خلافت کر کے کیا (۵) دعاتے او مستجاب بود کہ بر سنگ دعا کند دو پارہ شود۔ افسوس کہ حکام ظالمین کے ظلم و زیادتیاں سہی متقلین ذلیل و خراب ہوئے دین و دنیا ایک عالم کی درہم و برہم ہوئی ائمہ اس کا دفع کر سکتے تھے اور نہ کیا اگر چہ برق فوج و سپاہ ذوعدد و عدد نہیں تھی تو کاش کوئی دعائے سحری ہی کام کرتی جس سے معاندین دین کا کام تمام ہوتا امت کی اصلاح ہوتی حق حقدار کو پہنچتا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر ائمہ کے زمانہ میں حکام و امراء تھے جابر و ظالم و دشمن دین نہ تھے ورنہ پھر استجابت کس دن کے لیے رکھ چھوڑی تھی۔

ائمہ کے علم کی گفتگو

(۶) درمیان او و خدا عمودی بود از نور کہ بہ بیند در وی اعمال بندگان و ہرچہ بدان محتاج بود یہ جملہ
اور وہ جملہ جو اس کے بعد متصل مذکور ہے باہم متعارض ہیں اور وہ جملہ یہ ہے وگاہی بسط کردہ شود
برای او پس بداند وگاہی قبض کردہ شود از وی پس نداند۔ جملہ اول دلالت کرتا ہے کہ ہر شئے کو ہر
وقت معلوم کر سکتے ہیں تو ہر وقت بدون تخصیص شئی دون شئی و زمان دون زمان ہر ایک شئی جس کی
حاجت ہو معلوم کر سکتے ہیں اور جملہ دوسرا اس کا مدعا یہ ہے کہ امام پر دو حالتیں طاری ہوتی ہیں، ایک
حالت قبض کی اور دوسری حالت بسط کی، حالت بسط میں مغیبات کو جانتے ہیں اور حالت قبض
میں مغیبات کے ساتھ علم متعلق نہیں ہوتا اور نیز جملہ ثانیہ اس کے بھی منافی جو آپ کے علماء محدثین و
فضلاء متبحرین نے جناب امیر کے واسطے علم ما کان وما یکون ایسی روایات سے ثابت کیا ہے کہ شاید
بعض مراتب میں درجہ تواتر کو پہنچتی ہوں، چنانچہ آپ کے امام کلینی نے کافی میں اور ابن بابویہ نے خصال
وغیرہ میں ثابت کیا ہے بنظر اختصار اس جگہ صرف ایک روایت خصال پر اکتفا کرتا ہوں

حدثنا ابی و محمد بن الحسن رضی اللہ عنہما قال
حدثنا سعد بن عبد اللہ قال حدثنا محمد بن
عیسی بن عبید و ابراہیم بن اسحق بن ابراہیم
عن عبد اللہ بن حماد الانصاری عن صباح المزنی
عن الحارث بن حصر عن الاصبغ بن بنانہ عن
امیر المومنین علیہ السلام قال سمعتہ یقول ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنی الف باب
من الحلال والحرام ومما کان ومما یکون الی یوم
القیمۃ کل باب منہا یفتح الف باب فذلک
الف الف باب حتی علمت علم المنایا والبلایا
وفصل الخصومات۔

اصبغ بن بنانہ جناب امیر سے روایت کرتا ہے کہتا ہے
میں نے جناب امیر سے سنا فرماتے تھے کہ مجھ کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال سے اور حرام سے جو گذر چکا ہے
اور جو آئندہ ہوگا ہزار باب تعلیم فرمائے کہ ہر باب ان میں
کا ہزار باب کھولتا ہے تو یہ دس لاکھ باب ہوئے یہاں
تک کہ میں موتوں اور مصیبتوں اور جھگڑوں کے فیصلہ
کا علم سکھلایا گیا

اب اس روایت کو ملاحظہ فرمایئے اور اس جملہ سے مطابقت دیکھئے بلکہ اس روایت سے یہ
بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر کو جس قدر ما کان وما یکون تھا وہ اس تعلیم کے طفیل تھا جو حضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے مرض کی حالت میں سرگوشی فرما کر تعلیم فرمایا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ عمود نوری محض حضرات کا
اختراع ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تعلیم ائمہ باقیہ تک نہیں پہنچی تو چاہیئے کہ ان کو علم ما کان وما یکون نہ ہو
علاوہ ازیں کتاب اللہ کی بھی مخالفت ہے حق تعالیٰ شانہ فرماتا ہے،

وما تدری نفس ماذا تکسب غدا ۔
اور کوئی نفس نہیں جانتا ہے کہ کل کو کیا کمائے گا،

القمی عن الصادق ہذہ الخمسۃ اشیاء
لم یطلع علیہا ملک مقرب ولا نبی مرسل
وہی من صفات اللہ تعالیٰ۔
امام صادق سے روایت ہے ان پانچ چیزوں پر نہ
مقرب فرشتہ اور نہ نبی مرسل مطلع ہے اور یہ اللہ
کی صفات سے ہیں،

اور فرمایا ہے۔

عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا
الا من ارتضی من رسول الخ۔
بھید کا جاننے والا نہیں ظاہر کرتا اپنے بھید کو کسی پر
مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو،

(۷) ابن بابویہ قمی نے جو روایت خصال میں بیان علامات امام میں لکھی ہے ہم اس کو نقل کر کے
بعض فوائد بیان کرتے ہیں،

عشر خصال من علامات الامام علیہ السلام عن
ابی عبد اللہ جعفر بن محمد علیہما السلام قال عشر
خصال من صفات الامام العصمۃ والنص وان یکون
اعلم الناس واتقیہم للہ واعلمہم بکتاب اللہ و
ان یکون صاحب الوصیۃ الظاہرۃ ویکون
لہ المعجزۃ والدلیل وینام عینہ ولا ینام
قلبہ ولا یکون لہ فیئ ویری من خلفہ کما یری
من بین یدیہ قال مصنف ہذا الکتاب معجزۃ
الامام ودلیلہ فی العلم واستجابۃ الدعوۃ
فاما اخبارہ بالحوادث التی تحدث قبل
حدوثہا فذلک بعہد معہود الیہ من رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible] مخلوق من نور [illegible]

امام کی صفات سے دس خصلتیں ہیں عصمت
اور نص اور یہ کہ زیادہ عالم اور زیادہ
پرہیزگار اور زیادہ کتاب اللہ جاننے
والا اور ظاہر وصیت والا ہو اور اس
کے لئے معجزہ اور دلیل حاصل ہو
اور اس کی آنکھ سوئے اور دل بیدار رہے
اور اس کے سایہ نہ ہو اور جیسا سامنے سے
دیکھے ویسا ہی پیچھے سے دیکھے اس کتاب کا
مصنف کہتا ہے امام کا معجزہ اور دلیل علم اور
قبولیت دعا میں ہے اور امام کی پیشین گوئیاں
یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
عہد سے [illegible]
ہوتا کہ خدا کے نور سے مخلوق ہے

اما رؤيته من خلفه كما يرى من بين يديه فذلك لما اوتى من التوسم والتفرس فى الاشياء قال الله عزوجل ان فى ذلك لأيات للمتوسمين ـ انتهى ـ

ہے اور پیچھے سے دیکھنا یہ سبب اس کے ہے کہ ان کو فراست عطا ہوئی ہے اللہ تعالٰے فرماتا ہے اس میں نشانیاں ہیں فراست والوں کے لئے۔

اب براہ مہربانی اس روایت کو ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ آپ کے صدوق صاحب نے اس روایت میں جو روایت سابقہ سے کس قدر مخالف ہے ائمہ کے لئے معجزہ بھی ثابت کر دیا پھر بعد اس کے آپ اپنے صدوق صاحب کی تاویل بلکہ تحریف کا بھی معائنہ فرمایئے کہ انھوں نے معجزہ کو علم کے ساتھ مخصوص فرمایا اور اخبار بالحوادث کو معجزہ ہونے سے خارج کیا اور اس کی نسبت فرمایا کہ اخبار بالحوادث بعہد معہود من الرسول ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ وہ ہونا چاہیئے جو اپنا خانہ زاد ہو اور کسی سے ماخوذ نہ ہو تو آپ کے حضرت صدوق نے علم کو حضرت امیر کا خانہ زاد سمجھا اور یہ خیال کیا کہ یہ بعہد معہود الیہ من الرسول نہیں ہے حالانکہ اس نے اپنی کتاب الخصال کی وہ روایت جو ابھی خصال سے نقل کی گئی علمنی الف باب خود بطریق متنوعہ روایت فرمائی ہے حضرت کو وہ یاد نہ رہی علاوہ اس کے جب اخبار بالحوادث بعہد معہود الیہ ہے تو وہ عمود نوری جو روایت سابقہ میں بتایا گیا ہے وہ محض وضع و اختلاق ہے اور نیز قصہ قبض و بسط کا بھی غلط ہوا۔

قولہ ، سیوم یہ کہ فاضل رشید نے شیخ عبد الحق صاحب دہلوی کی توصیف میں کتاب ایضاح لطافۃ المقال میں لکھا ہے کہ تصانیفش در علوم دینیہ مسلم الثبوت نزد علماء اہل سنت و جماعت و کلامش بجہت اتصاف بجودت و انصاف مستند اصحاب دیانت و براعت است۔ انتہی بقدر الحاجۃ۔ اور یہ روایت بھی شیخ عبد الحق صاحب کی تصنیف دینی میں بلا رد و انکار منقول ہے۔ چاہیئے کہ یہ بھی مسلم الثبوت علماء اہلسنت و جماعت کے نزدیک ہو

انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں

اقول : فاضل رشید رحمۃ اللہ علیہ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ معصوم از سہو و خطا تھے بفرض محال اگر یہ بات ثابت بھی ہو جاوے کہ یہ روایت بلا رد و انکار علی سبیل تسلیم نقل کی ہے تو بھی اس کی صحت کو مقتضی نہیں کیونکہ جب بدایۃ نقل مطابق منقول عنہ کے نہیں تو پھر کیونکر واجب التسلیم ہو گی۔ معہذا اگر یہ قاعدہ آپ کا مسلم ہے تو ابن بابویہ کی تمام روایات اور اسی

طرح اپنے طوسی صاحب کی تمام روایات واجب القبول ہوں گی علاوہ ان سب کے کافی کلینی جو کتاب اللہ سے بھی اصح سمجھی جاتی ہے اس کی روایات تو ضرور ہی واجب القبول ہوں گی۔ اور متقدمین میں سے جوالیقی و صاحب الطاق وغیرہ بھی مسلم الثبوت ہیں ان کی روایات بھی بلا دلیل بر سر و چشم قبول ہوں گی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بالکل غلط اور غیر معمول بہ ہے۔ ہشام بن الحکم نے جوالیقی اور صاحب الطاق پر رد لکھا ہے۔ معالم العلماء محمد بن علی بن شہر آشوب میں دیکھ لیجئے ہشام بن الحکم کے ترجمہ میں لکھا ہے جس جگہ اس کے مصنفات بیان کئے ہیں۔ الرد علی هشام الجواليقى اور پھر لکھا ہے كتاب على الشيطان الطاق اور واضح ہو کہ یہ مبارک لقب آپ کے ابن شہر آشوب کا ہی عطیہ ہے بندہ کی طرف سے یہ خیال فرما دیں کہ بندہ نے یہ گستاخی نہیں کی۔ آپ کے امام کلینی جو مسلم الثبوت اور کتاب کافی جو صحاح اربعہ میں اعلیٰ مرتبہ اور امام پر پڑھی گئی ہے آپ کو معلوم ہے کہ اس میں تحریف و اسقاط آیات قرآنی کی نسبت روایات باسانید صحیحہ مروی ہیں حالانکہ ابن بابویہ نے ان روایات کو موضوع و مفتری اور ان کے قائل کو کاذب فرمایا ہے،

وقال شيخنا الصدوق رئيس المحدثين محمد بن على بن بابويه القمى طيب الله ثراه فى اعتقاده انه اعتقادنا ان القرآن الذى انزله الله على نبيه هو ما بين الدفتين وما فى ايدى الناس ليس اكثر من ذلك قال ومن نسب الينا انا نقول انه اكثر من ذلك فهو كاذب ـ نقل عن تفسير الصافى ص۱۵۔

ہمارے شیخ صدوق رئیس المحدثین محمد بن علی بابویہ قمی طیب اللہ ثراہ نے اپنے اعتقادات میں کہا ہے ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جو قرآن اللہ تعالٰی نے اپنے نبی پر نازل فرمایا تھا وہ وہ ہے جو دو پٹھوں کے درمیان ہے اور جو لوگوں کے پاس ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو ہماری طرف نسبت کرے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ زیادہ ہے وہ جھوٹا ہے۔

اسی طرح ابن مطہر حلی نے حدیث لیلۃ التعریس اور حدیث ذی الیدین کو موضوع کہا ہے حالانکہ کلینی میں باسناد صحیح مروی ہے اور نیز شریف مرتضٰی نے اپنے استاد الاستاد شیخ ابن بابویہ کی حدیث کو جو میثاق کی بابت روایت کی ہے تکذیب کی ہے اور موضوع کہا ہے باوجود اس کے سند بھی صحیح ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ مرتضٰی نے اس روایت کی ہی جس کی سند حسب قاعدہ بالاتفاق مجروح ہے تکذیب کی ہے۔ اور حضرت نے ان روایات کو موضوع و مفتری کہا ہے جن کی سند کی صحت مسلم الثبوت فرقہ ہے پھر جو جواب ہمارے مجیب ان روایات کی طرف سے تجویز فرماویں وہی ہماری طرف سے براہ مہربانی قبول فرماویں۔ باقی رد و انکار کی نسبت پہلے گذارش مفصلاً ہو ہی چکا ہے،

قولہ: چہارم یہ کہ اگر یہ روایت جو خواجہ پارسا و شیخ عبدالحق نے علامات امام میں نقل کی ہے موضوع و مفتری ہے اور ہم جانتے ہیں کہ آخر حضرات اہل سنت کو شاید مجبوراً یہ ہی کہنا پڑے سو لازم آئے گا کہ حضرت خواجہ پارسا و شیخ عبدالحق صاحب نہایت ہی صاحب حیا و غیرت ہیں کہ خود ہی ایسی مبحث میں اہل حق پر اس گمان و وہم سے کہ روایتیں موضوعہ نقل کر کے جناب امیرؑ کی افضلیت ثابت کرتے ہیں نہایت ہی تشنیعات تشنیع و تعریفات قبیح وارد کی ہیں یہ کیا اندھیر ہے کہ بمجواے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم تمام اپنے افادات کو پس پشت ڈال کر اسی امر کے خود مرتکب ہوئے کہ جس کا طعن اہل حق پر کرتے تھے یعنی ایسی حدیث موضوع و روایت مجعول کہ ان کے زعم میں محض کذب و افترا ہے حضرت امام رضاؑ کے نام لگا کر روایت کی اور اس کو دینی کتاب میں جو ہدایت خلق بسیما اہل سنت کے لئے تصنیف کی ہے لکھی اور کچھ بھی اس کا رد و انکار نہ کیا بلکہ برعکس اس کے راوی کی توثیق و بخاری کا اعتماد نقل کیا اور سنّی مسلمانوں کو جو رافضیوں کی ایسی خرافات سے پاک ہیں گمراہ کیا کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ ایسے عالم ثقہ و جلیل و معتمد نے اس حدیث کو اپنی دینی کتاب میں لکھا ہے اور بجائے رد و انکار کے اس کے راوی کی توثیق کی ہے تو بے شک اس کو حق سمجھیں گے اور تصدیق کریں گے۔

اقول: یہ جوش و خروش ہمارے مجیب کا محض اپنی اور اپنے اکابر کی خوش فہمی کے سبب سے ہے کہ عبارت فصل الخطاب و رسالہ مناقب جس میں ترجمہ فصل الخطاب مذکور ہے نہیں سمجھے ورنہ فی الحقیقت نہ اس روایت کی ان میں توثیق ہے بلکہ رد و انکار ثابت ہے اور نہ کسی کو گمراہ کیا اگر کوئی اپنی کوتاہ فہمی سے گمراہ ہو اس کا الزام ان کے ذمہ نہیں ہو سکتا۔ ہزار ہا آدمی معانی قرآن کے نہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہ ہو گئے معاذ اللہ خدا تعالیٰ پر اس کا الزام آپ کے نزدیک نہیں حالانکہ وجوب لطف کے بھی آپ قائل ہیں، پس بحمد اللہ بقول سامی سنی مسلمان اب بھی ایسی خرافات سے پاک و منزہ ہیں اور اہل سنت کی تشنیعات و تعریضات کچھ فضائل ائمہ کی ہی بابت نہیں ہیں بلکہ تمام الہیات و نبوات و اعتقادات و عملیات کی نسبت ہیں، اگر آپ تھوڑی سی بھی تحقیقات اپنی روایات و رواۃ کی فرمائیں تو آپ پر بھی واضح ہو سکتا ہے اور مشرح جواب اس دلیل کا ابحاث سابقہ کے ضمن میں گذر چکا ہے اس سے آپ کو واضح ہو گیا ہو گا کہ ہم کو کچھ مجبوری نہیں کہ ہم اس روایت کو موضوع و مفتری ہی کہیں گو فی الحقیقت موضوع و مفتری ہے پس آپ کا یہ فرمانا صرف آپ کی کمال فہم و نہایت دانشمندی کی دلیل ہے۔ باقی کلمات ملائمہ کا جواب ہم دانستہ قلم انداز کرتے ہیں۔

قولہ: باب افضلیت کے باب میں حضرت خلیفہ اول کی شہادت لیجئے۔ کنز العمال کی فرع اول خلافت ابوبکر باب ثانی کی فصل ثانی کتاب الامارت حرف ہمزہ میں لکھا ہے۔ عن ابی نضرۃ قال لما ابطأ الناس عن بیعۃ ابی بکر قال من احق بھذا الامر منی الست من صلی الست الست فذکر خصالا۔ خلیفہ اول کی یہ کلام صریح اس پر دال ہے کہ بسبقت اسلامیہ و خصال شریفہ مزعومہ اپنی کو اپنی خلافت کی افضلیت پر دلیل لائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلیفہ صاحب کے نزدیک بھی احق خلافت وہی ہے جو افضل ہو۔

اشتراط افضلیت کی چھٹی دلیل کا ابطال

اقول: اجی میر صاحب ہم نے یہ کب کہا ہے کہ افضل احق بالخلافت نہیں ہے مدعا کچھ تھا آپ کچھ فرمانے لگے۔ اصل مدعا جس کے اثبات کا آپ نے بیڑا اٹھایا ہے وہ ہی آپ کے حافظہ شریفہ سے نکل گیا ہے پہلے اس کو سوچ کر یاد کر لیجئے پھر اس روایت سے اس مدعا پر استدلال کیجئے۔ افسوس کہ جناب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ ثبوت احقیت مثبت اشتراط افضلیت نہیں ہے بلکہ اگر آپ بنظر تامل ملاحظہ اس دلیل کا کریں تو اس آپ کی ہی دلیل سے اثبات عدم اشتراط افضلیت ہوتا ہے کیونکہ جس وقت ایک فرد کے لئے افضلیت اور احقیت ثابت ہوئی اور ظاہر ہے کہ افعل التفضیل میں زیادتی نسبی ہوتی ہے جس کو اس کی وضع مقتضی ہے تو افراد باقیہ کے لئے بھی فی الجملہ فضل اور حقیق بالخلافت ہونا ثابت ہوا پھر اگر خلافت احق کو کسی وجہ سے نہ پہنچے اور حقیق کو پہنچ جاوے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ منعقد نہ ہو کیونکہ جب حقیق بالخلافت ہونا اس کے لئے پایا گیا تو وہ خود بالبداہۃ مستلزم انعقاد کو ہے ورنہ حقیق ہونا باطل ہو گا وذلک خلف۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ افضلیت شرط انعقاد خلافت نہیں وہذا ہوا المطلوب۔

قولہ: چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں اعتراف کرتے ہیں کہ اثبات خلافت خاصہ میں افضلیت کو دخل ہے مسند ابی بکر فصل رابع مقصد اول واقع صفحہ ۵۸ میں یہ عبارت لکھی ہے اما اثبات صدیق خلافت حضرت فاروق را بافضلیت او، فقد اخرج الترمذی عن جابر بن عبد اللہ قال عمر لابی بکر یا خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر اما انک ان قلت ذاک فلقد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر واخرج ابوبکر بن ابی شیبۃ عن زید بن حارث

ان ابا بکر حین حضرہ الموت ارسل الی عمر لیستخلفہ فقال الناس تستخلف علینا فظا غلیظا ولو قد ولینا کان افظ و اغلظ فما تقول لربک اذا لقیتہ و استخلفت علینا عمر قال ابوبکر ابربی تخوفنی اقول اللہم استخلفت علیہم خیر خلقک الحدیث و اخرج ابوبکر بن ابی شیبۃ عن محمد عن رجل من بنی زریق فی قصۃ طویلۃ قال ابوبکر لعمر انت اقوی منی فقال عمر انت افضل منی ۔ ناظر و منصف درین آثار مضطر میشود در آنکہ این اوصاف را دخلی ہست در اثبات خلافت خاصہ کہ در طبقہ اولیٰ بود و الا ذکر این کلمات در مبحث اثبات خلافت خارج از قانون مخاطبات باشد انتہیٰ۔ دیکھئے حضرت خلیفہ اول کے نزدیک افضلیت خلافت کے لئے ایسی ضروری تھی کہ باوجودیکہ اصحابہ کرام خلیفہ ثانی کو فظ غلیظ کہتے رہے ان کے خلیفہ کرنے سے خداوند تعالیٰ سے ڈراتے رہے مگر چونکہ خلیفہ اول کے نزدیک وہ افضل تھے کچھ بھی خیال نہ کیا اور خلیفہ کر ہی دیا۔

اشتراط افضلیت کی ساتویں دلیل کا ابطال

اقول: یہ دلیل بھی مثل دلیل سابق کے موافق مدعا منہیں اور اس سے بھی اشتراط افضلیت ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حسب اعتراف فاضل مجیب اس دلیل سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ افضلیت کو اثبات خلافت خاصہ میں دخل ہے اور اس کا ہم نے انکار نہیں کیا انکار صرف اشتراط کا ہے اور معلوم دخل ہونا بداہۃ مستلزم اشتراط کو نہیں پس اثبات اشتراط کے لئے اس کو پیش کرنا بجائے خود نہیں اور جب کہ افضلیت کو دخل ہے تو ہنگام استخلاف ضرور اس کو ملحوظ رکھا جائے گا اور افضل احق بالخلافت ہوگا لیکن اس سے اشتراط افضلیت سمجھنا اور عدم انعقاد کا قائل ہونا خطا ہے اور خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو باوجود لوگوں کے ڈرانے کے انہا مہم تجارت و نتیجہ حسنات ہوا کہ ایک عالم نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو قبول کیا اور جس ارشاد خدا سے ہم دائمہ منجز وعدہ خداوند تعالیٰ شانہ کو وعدہ استخلاف ظاہر ہوا اس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ استخلاف یقینی اس معاملہ میں رضائے خداوندی کے موافق ہوا اور جو لوگ اس باب میں مخالف تھے ان کی ندامت ظاہر ہی تھی باقی رہا فظ و غلیظ ہونا یہ وہ صفت ہے جو مقبول و پسندیدہ جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہو چکے اور اساری بدر کے قصہ میں اسی وصف میں حضرت عمر کی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تشبیہ عطا ہوئی اشداء علی الکفار

رحماء بینہم۔ ان کی شان تھی، ان پر اعتراض لیغیظ بہم الکفار کا مصداق ہے۔

قولہ: اب حضرت خلیفہ ثانی بانی مبانی خلافت خلیفہ اول کی شہادت لیجئے۔ بخاری کی کتاب المحاربین باب الرجم علی الحبلی من الزنا اذا احصنت میں حدیث فلتہ مسطور ہے وہ بہت بڑی روایت ہے انعقاد بیعت خلیفہ اول کی کل کیفیت لکھی ہے اس کے شروع سے مطلب کا فقرہ لکھتے ہیں آپ وہ مقام ملاحظہ فرمائیں وہ یہ ہے۔ ولیس فیکم من تقطع الاعناق الیہ مثل ابو بکر الخ اب غور فرمایئے کہ باوجود اس بیعت کی فلتہ یعنی کار بے اندیشہ بدون مشورہ ہونے کے چونکہ آپ کے خلیفہ ثانی کے زعم میں خلیفہ اول افضل تھے بدون مشورہ و اجماع و تامل یہ بیعت صحیح ہوگئی چنانچہ آپ کے خاتم المحدثین مطاعن ابوبکر طعن نہم میں یہ عبارت لکھتے ہیں کہ در آخر این کلام کہ شیعہ در ابرائے تزویج شبہ خود نقل کردہ اند این لفظ ہم واقع است و ایکم مثل ابی بکر یعنی کیست در شما مثل ابوبکر در افضلیت و خیریت و عدم احتیاج بمشورہ و تامل در حق او انتہیٰ بقدر الحاجۃ۔

اشتراط افضلیت کی آٹھویں دلیل کا ابطال

اقول: افسوس ہمارے فاضل مجیب نے اس استدلال میں بھی وہ ہی غلطی کھائی جو دلائل سابقہ میں کھا چکے تھے اور یہ دلیل بھی مثل دلائل سابقہ کے مدعا کے ساتھ مربوط نہیں ہے کیونکہ اس دلیل سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ افضلیت کو خلافت میں مدخل ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ افضلیت کو خلافت میں دخل ہے افضل احق بالخلافت ہے لیکن اس سے اثبات اشتراط افضلیت خیال محال ہے باقی رہا فلتہ کے معنی کار بے اندیشہ و بدون مشورہ کے فرما کر نفی اجماع کی فرمانا ہم تو کچھ عرض نہیں کر سکتے گستاخی میں شمار ہوگا لیکن جناب ہی فرمائیں کہ یہ کہاں کی دیانت ہے کہ جو مفہوم لفظ کا نہیں ہے اس کو اس پر چپکاتے ہیں۔ ذرا دیکھئے تو سہی کہ اجماع کی فلتہ سے کیا تعلق ہے آپ اگر نظر انصاف سے ذرا بھی تامل فرمائیں گے تو واضح ہو جائے گا کہ پہلے سے کام میں تامل و مشورہ نہ کرنا دوسرا امر ہے اور بے تامل و مشورہ ایک امر کو بالاجماع قبول کر لینا دوسرا۔ پھر اول کی نفی سے دوسرے کی نفی سمجھنا حضرت کی خوش فہمی کی دلیل ہے۔

قولہ: تعجب و حیرت ہے کہ آپ کے خاتم المحدثین افضلیت کو شرط خلافت نہیں مانتے بلکہ کو ہمارے مقابہ میں صرف حق و نقل فرماتے ہیں اور خود بھی اس مقام میں تحریر فرماتے ہیں کہ بسبب افضل و خیر ہونے خلیفہ اول کے مشورہ و تامل کے بھی احتیاج نہیں۔

اقول: یہ آپ کی حیرت و تعجب خود قابل حیرت و تعجب ہے کیونکہ اس قول سے اگر بسبب افضل و خیر ہونے خلیفہ اول کے مشورہ و تامل کے بھی احتیاج نہیں) ہرگز اشتراط افضلیت پر دلالت نہیں بلکہ اس سے صرف اس قدر مفہوم ہوتا ہے کہ افضل احق بالخلافت ہے، پس اس سے اشتراط سمجھنا آپ جیسے منصف و مناظرہ دان و ذکی و ذہین سے البتہ لائق سخت حیرت و تعجب کے ہوگا پھر اس پر اظہار حیرت و تعجب باعث مزید حیرت و تعجب اضعاف مضاعفہ ہے۔ آپ کے دل میں افضلیت کچھ ایسی سمائی ہے کہ آپ کی عادت ہو گئی ہے کہ جس جگہ آپ نے لفظ افضلیت دیکھا سمجھا کہ اشتراط افضلیت کی دلیل ہے اور جھٹ پیش کر دیا۔ بیت

بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ہر چہ پیدا میشود از دور پندارم توئی

اور یہ نہیں خیال فرماتے کہ بمقابلہ خصم ایسے دلائل پیش کرنے سے بجز ندامت و شرمندگی کچھ حاصل نہیں۔

قولہ: اصل اجماع جو حضرات سنیہ نے محض اس خلافت کے لئے وضع کی تھی اور اس پر بڑا ناز ہے اس کا بھی کچھ خیال نہ فرمایا۔

اقول: اے اہل دانش و انصاف خدا کے لئے ذرا اس جملہ کے مطلب کو فرمانا اور اس تعارض و تخالف کو جو فیما بین فلتہ اور اجماع کے ہمارے فاضل مجیب نے واقع کیا ہے دیکھنا اور ہمارے مجیب لبیب کے فہم کی داد دینا کیا اصل اعتراض طبع وقار سے ایجاد فرمایا۔ سبحان اللہ! اے حضرت مشورہ و تامل کو اجماع کے ساتھ تساوی و اتحاد نہیں ہے کہ اگر مشورہ و تامل رفع ہو تو اجماع بھی رفع ہو جائے ہو سکتا ہے کہ مشورہ و تامل ہو اور اجماع نہ ہو یا مشورہ و تامل نہ ہو اور اجماع ہو جائے اس میں کوئی استحالہ نہیں ذرا تامل فرمائیے اور سوچئے۔

قولہ: افسوس ہے کہ آپ کے خاتم المحدثین اپنا قول بھی یاد نہیں رکھتے اور یہ بھول کچھ اسی مقام پر منحصر نہیں بلکہ تحفہ میں اکثر جا ایسا ہوا ہے اور سبب اس کا آپ جانتے ہی ہیں ہم کیا عرض کریں۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے تحفہ اثنا عشریہ کے متعلق شیعہ کا اضطراب

اقول: جہاں تک ہم کو علم ہے اور ہمارا تجربہ شاہد ہے ہم یہ جانتے ہیں کہ یا تو آپ کی در
آپ کے ان بزرگوں کی جو تحفہ پر اعتراض کرتے ہیں خوش فہمی ہے یا محض عداوت و عناد ہے جس کی ...

کا حال بھی اسی پر قیاس فرما لیجئے گا۔ پس آپ کا یہ افسوس لائق افسوس کے ہے کہ مطلب خود نہ سمجھیں اور الزام قائل کے ذمہ لگائیں۔ علاوہ ازیں آپ کو معلوم ہے کہ زبان عناد سے خدا تعالیٰ اور اس کی کتاب پاک اور رسول بھی نہیں بچے تو بمقابلہ ان کے تحفہ و صاحب تحفہ کی کیا حقیقت ہے بایں ہمہ ہم صاحب تحفہ کو سہو و نسیان سے معصوم بھی نہیں سمجھتے۔

قولہ: علاوہ اس کے اور بہت سے اقوال خلیفہ ثانی کی شرط افضلیت پر دلالت کرتے ہیں بخوف طوالت ان کو ترک کیا جاتا ہے۔

اقول: جب کہ آپ نے ان اقوال سے تعرض نہیں فرمایا تو ہم بھی ان سے اغماض کرتے ہیں اگر آپ ان اقوال کو ذکر فرماتے ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ درپے استیصال استدلال کے ہوتے۔

قولہ: مگر اس قدر گذارش کرنا ضرور ہے کہ خلیفہ ثانی کا افضلیت کو شرط خلافت جاننا ایسا صریح امر ہے کہ محققین اہلسنت نے اس کا اقرار کیا ہے چنانچہ صدر المحققین ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کتاب الاحکام فی اواخر الکتاب باب کیف یبایع الامام میں حدیث شوریٰ کی شرح میں ابن بطال سے نقل کرتے ہیں۔ فان قیل بعض ھولاء الستۃ افضل من بعض وکان رأی عمران الاحق بالخلافۃ ارضاھم دیناً وانہ لا یصح ولایۃ المفضول مع وجود الفاضل فالجواب انہ لو صرح بالافضل منھم لکان قد نص علی استخلافہ وھو قصد ان لا یتقلد العھدۃ فی ذلک فجعلھا فی ستۃ متقاربین فی الفضل لانہ تحقق انھم لا یجتمعون علی تولیۃ المفضول ولا یالون المسلمین نصحا فی النظر والشوریٰ وان المفضول منھم لا یتقدم علی الفاضل ولا یتکلم فی منزلۃ وغیرہ احق بھا منہ وعلم رضی الامۃ عمن رضی بہ الستۃ۔ انتھی۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ علاوہ خلیفہ ثانی کے کل صحابہ کے نزدیک افضلیت خلافت کی ایسی شرط تھی کہ وہ مفضول کی خلافت صحیح نہ جانتے تھے

اشتراط افضلیت کی نویں دلیل کا ابطال

اقول: یہ استدلال بھی ہمارے فاضل مجیب کے لئے مثبت مدعا نہیں کیونکہ جملہ (وکان رای عمران الاحق بالخلافۃ ارضاھم دیناً) بصراحۃ اس امر کو بیان کر رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ احق بالخلافت وہ شخص ہے جو زیادہ دیندار ہو اور اس سے بالبداہۃ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشتراط افضلیت باطل ہے کیونکہ اسم تفضیل جس کی صفت واقع ہے اس کے لئے ثبوت فعل مع زیادت پایا جاتا ہے تو یہ ہرگز اس کو مانع نہیں ہے کہ نفس فعل بدون زیادت کسی کے واسطے ثابت

ہو بلکہ باعتبار اقتضاء اصل وضع تفضیل کے وجود ایسے فرد کا ہونا چاہیئے جس کی نسبت زیادتی ثابت ہو ورنہ مبالغہ اور تفضیل میں کچھ فرق باعتبار معنی کے نہ رہے گا جب کہ اس جملہ کا مطلب ذہن نشین ہو چکا تو دوسرا جملہ جو اس جملہ سے مستنبط اور مستخرج ہے اسی کے مطابق ہونا چاہیئے اور اس کا بھی مطلب واضح ہے کہ ولایت کے معنی تولیہ کے ہیں اور لایصح کے معنی لایجوز کے حاصل مدعا عبارت یہ ہوگا۔ و انہ لایجوز تولیۃ المفضول مع وجود الفاضل یعنی فاضل کے ہوتے مفضول کو متولی امور بنانا جائز نہیں پس اس صورت میں یہ جملہ اور جملہ سالقہ ہم معنی ہو گئے کہ دونوں کا ماحصل احقیۃ بالخلافت افضل کے لئے ہے اور اگر اس جملہ کو باوجودیکہ جملہ اولی کے فرع ہے اس کی طرف راجع نہ کیا جائے گا تو باہم اصل و فرع متعارض رہیں گے۔ اس کے بعد سنیئے کہ خاتمہ جواب کی عبارت سے جولانہ تحقق سے آخر تک مذکور ہوئی یہ سمجھنا کہ کل صحابہ کے نزدیک افضلیت خلافت کی ایسی شرط تھی کہ وہ مفضول کی خلافت صحیح نہ جانتے تھے سراسر غلط ہے کیونکہ اول تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کو تمام صحابہ میں دائر نہیں کیا تھا بلکہ صرف چھ شخصوں میں منحصر کر دیا تھا جن کا عبارت اعتراض میں صراحۃً ذکر ہے تو جس قدر ضمائر جمع کے اس عبارت میں مذکور ہیں وہ سب راجع بطرف ستہ متقاربین فی الفضل ہیں تو اس سے ہمارے فاضل مجیب کا کل صحابہ کو سمجھنا کمال خوش فہمی کا شاہد ہے اور دوسری یہ کہ بصراحت اس عبارت سے بھی فاضل کا احق بالخلافت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جو نہ ہمارے فاضل مجیب کو کچھ مفید ہے اور نہ ہم کو کچھ مضر ہے۔ لیکن اس سے اشتراط سمجھنا البتہ تعجب انگیز ہے، منشا اس کا مدعا کا نسیان یا تناسی ہے۔ معہذا اگر بفرض محال یہ دلیل مثبت اشتراط ہو تاہم ہمارے مجیب کے مذہب کو مفید نہیں کیونکہ مسئلہ امامت جب کہ اصول مذہب سے ہے تو اس کا اور اس کی شرائط کا اثبات ایسی ادلہ سے ہونا چاہیئے جو اپنے مدلول کو قطعی طور پر ثابت کریں ظنیات اس میں ہرگز کارآمد نہیں اور بالفرض اہل سنت کے نزدیک اگر افراد امامت کی کسی فرد میں اشتراط افضلیت ثابت ہو جاوے تو یہ مسئلہ چونکہ ان کے نزدیک فروعات میں سے ہے اس لئے اس کے ثبوت کے لئے ادلہ ظنیہ کافی ہوں گے اور قطعیہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ لیکن ان ادلہ کو علما شیعہ کا بمقابلہ اہل حق پیش کرنا ثبوت اشتراط افضیت میں جو ان کے زعم میں اصول اعتقادیات سے ہے باطل ہوگا۔ پس ہمارے مجیب لبیب ان دلائل کو جن کو بزعم خود مثبت اشتراط سمجھ رکھا ہے ہمارے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں اور جن پر بہت کچھ نازو افتخار فرما کر جامہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں گو فی الواقع مثبت اشتراط نہیں لیکن اگر واقع کی رو سے اشتراط افضلیت ثابت ہو بھی تاہم اپنے مدعا کے ثبوت میں اس کو پیش کرنا سراسر غلط اور خلاف

قاعدہ ہے علی ہذا القیاس جس قدر شرائط ثلاثہ کے اثبات کے دلائل فرمائے سب کی یہ ہی حالت ہے کیونکہ حضرت مجیب کا گمان یہ ہے کہ الزامی جوابات و استدلالات کافی ہوں گے چنانچہ فرومایات سے ابتداء بحث میں ایک رباعی بھی زیب جواب فرمائی تھی جس کا اول مصرعہ یہ تھا خواہی کہ شود خصم تو عاجز ز سخن، حالانکہ یہ غایت درجہ کے بدیہی غلطی ہے اگر بفرض محال ان دلائل سے یہ مدعا ثابت ہو تاہم مفید مذہب شیعہ نہیں ہو سکتا اور خصم کو گنجائش ہے کہ اس کو صرف اس وجہ ہی سے رد کرے کہ چونکہ ہر دو مدعا اہل سنت و شیعہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے ان کے نزدیک مسئلہ متنازعہ فیہا فروعی اور ان کے نزدیک اصولی ہے تو کیا ضرور ہے اگر دلائل ظنیہ سے ان شرائط کا ثبوت اہلسنت کے نزدیک ہوتا ہو تو قطعی طور پر بھی ثبوت ہو کر مفید مدعا اہل تشیع ہو بلکہ جب دلائل ظنیہ ہیں تو مثبت مدعا قطعی کو نہیں ہو سکتی۔ پھر باوجود ایسی موٹی موٹی اور فاحش غلطیوں کے جو ہمارے فاضل مجیب سے سرزد ہوتی ہیں یہ دعوی کیونکر صحیح ہوگا کہ ہم نے تمام مسائل متنازعہ فیہا میں مرتبہ حق الیقین کا حاصل کر لیا ہے، افسوس کہ اتنا بڑا دعوی کیا اور اس کا ثبوت کہیں بھی نہ دیا ہیں بجز اس کے کہ اس کو سہو و نسیان پر محمول کر کے ٹال دیا جائے ہیں تو اور کچھ عرض نہیں کر سکتا کاش خود ہی چشم انصاف کھول کر ملاحظہ فرماویں، علاوہ ازیں ترجمہ عبارت میں جو کچھ غلطیاں واقع ہوئیں ان کو ہم بخوف تطویل ترک کرتے ہیں،

قولہ: تعجب و حیرت ہے کہ آپ کے خاتم المحدثین نے باایں ہمہ تبحر فتح الباری کو بھی ملاحظہ نہ فرمایا کہ باوجود خلیفہ ثانی بلکہ کل صحابہ کی افضلیت کو شرط خلافت جاننے کے اس شرط کو لازم نہیں مانتے اور نہیں تو خلیفہ ثانی کی تقلید تو ان کو لازم تھی،

اقول: یہ تعجب و حیرت سامی اس سے ناشی ہے کہ باایں ہمہ ادعائے ہمہ دانی آپ نے فتح الباری کی عبارت کا مطلب نہیں سمجھا لیکن طرفہ یہ ہے کہ اس بے سمجھی پر اپنی سمجھ پر یہ کچھ ناز ہے کہ خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت فتح الباری کے نہ دیکھنے کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ خود ہی علامہ کنتوری کی شرح ابن میثم نہ دیکھنے کے الزام کے جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ کچھ ضرور ہے کہ علامہ نے شرح دیکھی ہو یا نہ دیکھی ہو اور اس کا مطلب مستحضر ہی ہو، افسوس کہ یہاں اگر اپنی غلط فہمی کا خیال نہ آیا تھا تو کیا وہ عذر بھی محو خاطر سامی ہو گیا تھا

قولہ: آپ نے جو بتقلید اپنے خاتم المحدثین کے ان شرائط کو دلائل شرعیہ کے خلاف فرمایا ہے ظن غالب ہے کہ اب تو آپ بھی اس شرط کو مان لیں کیونکہ اقتدائے صحابہ خصوصاً خلیفہ ثانی آپ کو لازم ہے۔

حضرت عمر فاروق کے حوالہ سے مغالطہ دہی اور اس کا جواب

اقول: جو کچھ میں نے ان دلائل کی نسبت گذارش خدمت کیا تھا وہ محض تقلیداً ہی نہیں تھا چنانچہ ابحاث سابقہ سے جناب کو معلوم ہو ہی گیا ہو گا پس مجھ کو امید ہے کہ جناب میری معروضات کو نظر انصاف و تامل سے خالی الذہن ملاحظہ فرمائیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ خود ان شرائط سے دست بردار ہو جائیں گے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

قولہ: اور نیز خلیفہ ثانی اور اور صحابہ کی یہ رائے کہ افضلیت کو شرط خلافت جانتے تھے اگرچہ اس روایت سے بخوبی واضح ہے مگر توضیحاً اس قدر اور گذارش ہے کہ بخاری کی کتاب الفضائل میں حدیث سقیفہ ملاحظہ فرمایئے کہ خلیفہ ثانی نے خلیفہ اول کے جواب میں فرمایا۔ بل نبایعک انت فانت سید نا وخیرنا واحبنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ اور خلیفہ ثانی کی یہ کلام صریح دلیل اس کی ہے کہ جو شخص بہتر و افضل ہو وہ خلافت کا احق ہے۔

اشتراط افضلیت کی دسویں دلیل کا ابطال

اقول: ہم بھی کہتے ہیں کہ بے شک وہ شخص جو افضل ہو احق بالخلافت ہے لیکن اس سے آپ کا مدعا کیا حاصل ہوا بلکہ وہ ہی غلطی ہے جو اکثر استدلالات میں آپ کو واقع ہوئی ہے پس اس کا بھی پیش کرنا حضرت کی کمال فہم پر دلالت کرتا ہے افسوس فہم کا یہ حال ہے اور لن ترانیوں کا وہ حال۔

قولہ: اور یہ بھی ثابت ہے احب الی الرسول بھی احق بالخلافت ہے اس کو یاد رکھیئے گا اگر آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا تو پھر کس کام آئے گا۔

اقول: تسلیم شکر گذار ہوں گو بندہ کو پہلے سے بھی یاد ہے لیکن تعمیل حکم یاد کر لیا ہے اور اس وقت کا بھی منتظر ہوں جس وقت یہ لفظ کام آئے گا۔

قولہ: غرض کہ اس وقت صحابہ نے خلیفہ ثانی کے اس قول کو تسلیم کر لیا اور یہ نہیں کہا کہ افضلیت کو خلافت میں کیا دخل ہے شرط خلافت افضلیت نہیں تو معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک افضلیت شرط تھی۔

اقول: اے حضرات اہل انصاف ہمارے فاضل مجیب کی اس دلیل کی خوبی و متانت و برجستگی و لطافت کو تو ذرا ملاحظہ فرمایئے گا کہ کس طرح اس دلیل سے کل صحابہ کے نزدیک اشتراط افضیت ثابت فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ افضلیت کو خلافت میں دخل ہے

اچھا مسلم لیکن دخل ہونے سے یہ کیونکر لازم آیا کہ افضلیت شرط خلافت بھی ہو گئی علاوہ ازیں بجواب اس قول کے سکوت صحابہ کا کیونکر اشتراط کے واسطے حجت ہو گیا۔ ممکن ہے کہ یہ سکوت اس وجہ سے ہو کہ جب کہ ہر ایک کے نزدیک اس خلافت کا تحقق ہو گیا تو کسی نے اس کی حقیت پر کسی دلیل سے استدلال کر کے حق جانا ہو اور کسی نے کسی دلیل سے مثلاً بعض نے نص قرآنی سے اس کی حقیت سمجھی ہو اور بعض نے احادیث سے اور بعض نے ان کے ساتھ دلائل قیاسیہ بھی منضم کئے ہوں۔ تو چونکہ مدعا اور مطلوب ہر ایک کا متحد تھا تو کیا ضرورت تھی کہ ان دلائل میں الجھتے جو اپنے ہی مدعا کو مؤید تھے اور نیز باعتبار نفس الامر کے صحیح تھے اور مطابق واقع کے تھے۔ پس اس سکوت کو حجت سمجھنا البتہ باعث استعجاب ہے۔ معہذا اس سکوت کو تو آپ دلیل تسلیم کی تسلیم فرماتے ہیں اور تعجب ہے کہ جناب امیرؓ کے سکوت کو جو بزمان خلفاء ثلثہ فرمایا بلکہ مسائل بھی ان ہی کے موافق بتلاتے رہے اور سامنے ہو کر یہ کبھی نہ فرمایا کہ اہل بیت کے سوا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا ہے تسلیم کی دلیل تسلیم نہیں فرماتے علی ہذا القیاس جناب امام حسن رضی اللہ عنہ کے سکوت بلکہ تسلیم کو بھی تسلیم نہیں کرتے اور اسی طرح ائمہ باقیہ میں سے جنھوں نے سکوت فرمایا اور سب کچھ دیکھتے رہے اور کچھ دبولے تو اس کو بھی تسلیم تصور کیجئے گا۔ رہا خوف کی وجہ سے تقیہ کا جھگڑا وہ خود ایک اطرفہ بات ہے کہ اصول شیعہ کے موافق بھی کوئی اس کو تسلیم نہیں کر سکتا یہ صرف اس لئے عرض کیا ہے کہ آپ نے سکوت کی حجیت کو تسلیم کر کے استدلال فرمایا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول فانت سید نا وخیرنا واحبنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس اعتبار سے بھی تسلیم تھا کہ باعتبار واقع کے صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ اوصاف حاصل ہے اور اس اعتبار سے بھی تسلیم تھا کہ ان اوصاف کو خلافت میں دخل ہے۔

قولہ: اگرچہ بعض صحابہ جلیل القدر مثل ابن عباس و ابن عمر وغیرہ کے یہ رائے کتب معتبرہ اہلسنت مثل ازالۃ الخفاء وغیرہ میں مفصل درج ہے ارادہ تھا کہ گذارش ہو مگر بخوف اطناب باز رہا اگر حضرت مجیب چاہیں ازالۃ الخفا ملاحظہ فرمائیں اکثر علماء اہلسنت کا یہ ہی مذہب ہے کہ افضل امام ہوتا ہے چنانچہ شرح مقاصد کے مبحث سادس کے خاتمہ میں تحریر ہے۔ ذهب معظم اهل السنة وكثير من الفرق الى انه يتعين للامامة افضل اهل العصر۔

اشتراط افضلیت کی گیارہویں دلیل کا ابطال

اقول: ظاہر ہے کہ جن دلائل سے جناب نے اشتراط افضلیت پر استدلال فرمایا ہے تو وہ

دلائل بہ نسبت ان دلائل کے جو ترک فرماتے اوضح واقوی ہوں گے تو جب میں دلائل مذکورہ کو جو اوضح واقوی تھے دیکھ چکا اور ان کو باطل کر چکا تو متروکہ دلائل کے دیکھنے کی کیا حاجت باقی رہی بہر کیف جن کو ترک فرمایا ہے وہ دلائل مذکورہ سے کچھ کم درجہ کے ہی ہوں گے تو جو ان کا جواب ہے وہی جواب تقریباً ان کا بھی سمجھ لیجئے شرح مقاصد کی عبارت آپ کے مثبت مدعا نہیں اور اس کے مطلب کو آپ نے نہیں سمجھا افضل اہل العصر کی امامت کے لئے متعین ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اگر اہل حل وعقد بیعت خلافت کے لئے امام کو منتخب کریں تو چونکہ افضل احق ہے اس سے تجاوز کر کے کسی دوسرے کو امام نہ بنائیں افضل کے ہوتے فاضل یا مفضول امام بنانا نہیں چاہیئے اور اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ افضل بدون بیعت اہل حل وعقد کے امام ہو جائے گا اور اس کے انعقاد خلافت کے لئے بیعت اہل حل وعقد کی حاجت نہ ہوگی اور اگر افضل کے ہوتے فاضل یا مفضول امام ہو گیا تو اس کا انعقاد نہ ہوگا اور اس کی اطاعت لازم نہ ہوگی، پس اس سے بھی اشتراط کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

قولہ: تعجب ہے و عبرت کا مقام ہے کہ آپ کے خاتم المحدثین با ایں ہمہ ہمہ دانی ان اپنی کتابوں میں احادیث و اقوال صحابہ و علماء ملاحظہ نہ فرما کر اس شرط کو مخصوص روافض سے فرماتے ہیں اور اس کی مخالفت کتاب اللہ سے اپنے زعم میں ثابت کرتے ہیں،

اقول: یہ تعجب اس وجہ سے ہے کہ عبائر کے مطالب تک ذہن رسا نے رسائی نہیں فرمائی ورنہ اگر بنظر انصاف سے ان دلائل کو ملاحظہ فرمائیں گے اور معروضات فقیر کو بنظر انصاف دیکھیں گے تو خود اپنے فہم پر تعجب فرمائیں گے اور اسی کو عبرت کا مقام سمجھیں گے چنانچہ پیشتر بھی عرض کیا جا چکا ہے۔

قولہ: اگرچہ اور بہت سے دلائل اس کے ثبوت میں ہیں مگر بخوف طوالت ان سب سے قطع نظر کر کے اب کچھ شہادتیں آپ کے خاتم المحدثین کے والد بزرگوار کی پیش کرتے ہیں وہ کتاب قرۃ العینین میں لکھتے ہیں کہ ایں سخن حق است کہ تا اعتقاد افضلیت مبلغ قرآن وسنت ومبین معانی بروفکنندہ خاطر بر اخذ شرائع جمع نگردد، اور یہ بھی اس میں لکھا ہے شیعہ قائل شدہ اند باآنکہ امام می باید کہ افضل امت باشد ومعصوم ومفترض الطاعت ومنصوب من عند اللہ ورسولہ وایں قول متضمن حق و باطل ہر دو شدہ است قول محقق آنست کہ افضلیت ازامت بہ نسبت اہل خلافت ونبوت کہ مقنن قوانین ومبلغ شرائع ومروج دین ایشاں نند لازم است والا اعتماد کلی حاصل نشود و بجائے عصمت حفظ الٰہی وتائید ربانی بحسب عادت می باید اثبات کرد و بجائے افتراض طاعت ونصب من عند اللہ ورسولہ استخلاف بنص و اشارت می باید ذکر کرد تا سخن درست گردد انتہی۔ اگرچہ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ محض خلافت حفظ ثمرہ

بچانے کے لئے شاہ صاحب نے یہ تاویل علیل بدون دلیل فرمائی ہے اور خود ان کے اسی قول سے رد ہو سکتی ہے اور ہمارا دعویٰ ثابت ہے مگر چونکہ یہ محل صرف افضلیت کے ثبوت کا ہے اس لئے ہم اس سے تعرض نہیں کرتے اور افضلیت اس عبارت سے بخوبی ثابت ہے کہ افضلیت از امت کو لازم لکھتے ہیں۔

اشتراط افضلیت کی بارہویں دلیل کا ابطال

اقول: چونکہ ہمارے مجیب لبیب نے اس جگہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کلاموں سے استدلال فرمایا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر بسط وتفصیل کے ساتھ جواب گذارش کریں تاکہ وہ شبہات جو ہمارے فاضل مجیب کو عبارت ازالۃ الخفاء وغیرہ سے واقع ہوتی ہیں رفع ہو جائیں اور اس دلیل میں قرۃ العینین سے دو جگہ کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں، لیکن ہم صرف دوسری عبارت کو جس کو ہمارے مجیب صاحب نے مثبت مدعا زیادہ سمجھ رکھا ہے بتمامہ نقل کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ بعض مواضع میں نقل عبارت میں شاید سہواً خطا واقع ہوئی ہے۔ ونیز ایں سخن بداں ماند کہ شیعہ قائل شدہ اند باینکہ امام می باید کہ افضل امت باشد ومعصوم ومفترض الطاعت ومنصوب من عند اللہ ورسولہ وایں قول متضمن حق و باطل ہر دو شدہ است قول محقق آنست کہ افضلیت از امت بہ نسبت اہل خلافت نبوت کہ مقنن قوانین ومبلغ شرائع ومروج دین ایشاں نند لازم است والا اعتماد کلی حاصل نشود و بجائے عصمت حفظ الٰہی وتائید رحمانی بحسب عادت اللہ می باید اثبات نمود و بجائے افتراض طاعت ونصب من عند اللہ ورسولہ استخلاف بنص واشارت می باید ذکر کرد اہلسنت وجماعت ہمیں قول محقق ومنقح در شیخین بلکہ در خلفاء اربعہ اثبات نمودند تفصیل ایں اجمال آنکہ افضلیت کہ میگویند در طبقہ اولیٰ می باید کہ ہنگام احکام دین وترویج شریعت وتقنن قوانین آں بود نہ در ملک عضوض زیرا کہ در ملک عضوض حامل علم دیگر شد واصحاب دولت دیگر چنانکہ فتویٰ موقوف بود بر علم کثیر الحال ایں ہمہ فتویٰ ہا را منقح کردہ نوشتہ اند الحال عبارت دانی می باید وبس انتہی۔ اس عبارت میں لفظ اہل خلافت نبوت بترکیب اضافی واقع ہے اور ہمارے مجیب لبیب کی عبارت منقولہ میں واو عاطفہ زیادہ ہو کر اہل خلافت ونبوت منقول ہوا ہے فرق باہمی صرف اطلاق وتقیید ہے اور عجب نہیں کہ اصل نسخہ منقول عنہ ہی میں یہ غلطی کاتب سے ہوئی ہو غرض کہ ہم کو اس سے چنداں تعرض نہیں ہے اس کے بعد گذارش ہے کہ جو کچھ افضلیت کے بارہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے نہ وہ آپ کے مدعا کو مثبت ہے اور نہ اس کے معارض ومخالف ہے جو حضرت خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں عدم اشتراط افضلیت کی نسبت تحریر فرمایا ہے وجہ اس کی یہ ہے

کہ خلاصہ مطلب عبارات حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو مواقع شتی میں بیان فرماتی ہیں یہ ہے کہ خلافت ایک کلی ہے جس کے نیچے افراد مختلفہ ہیں اور ان کے عوارض جداگانہ اور اس کلی کا اپنے افراد پر صدق بطور تشکیک کے ہے پس حاصل مدعا یہ ہے کہ خلافت جو طبقہ اولیٰ میں پائی جاتی ہے وہ حسب تصریح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مدت متعین تک ہے اور متصف بصفت خلافت نبوت ہے اور افراد خلافت میں اکمل ہے اس لئے اس کے خواص میں سے چند امور ہیں. مثلاً اول لازم ہے کہ خلیفہ مہاجرین اولین اور حاضران حدیبیہ اور حاضران نزول سورہ نور اور حاضران مشاہد عظیمہ مثل بدر و تبوک میں سے ہو. دوسری یہ کہ مبشر بالجنۃ ہو. تیسری یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ایسا معاملہ فرمایا ہو جیسا کہ امیر منتظر الامارت کے ساتھ معاملہ کیا کرتا ہے. چوتھی یہ کہ جن امور کے ظہور کا وعدہ حق تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہو بعض ان میں سے اس کے ہاتھ پر بھی ظاہر ہوں. پانچویں یہ کہ اس کا قول دین میں حجت ہو بسبب تلویح و تنبیہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی. چھٹی یہ کہ افضل امت ہو. اس سے صاف ظاہر ہے کہ افضلیت گویا نتیجہ اوصاف و لوازمات سابقہ کا ہے اور وہ خلافت نبوت جو طبقہ اولیٰ میں پائی جاتی ہے وہ منحصر خلفاء اربعہ پر ہی ہے اور مخصوص انہیں کی ذوات مقدسہ کے ساتھ ہے اس کے بعد سنیئے کہ جو لوازم خلافت خاصہ کے مذکور ہوئے اگر ان میں سے کسی کا تحقق خلیفہ میں نہ پایا جاوے مثلاً افضلیت ہی مفقود ہو تو اس خلافت کی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ خلافت منعقد تو ہو جاتے گی لیکن مرتبہ اکمل سے اس کا انحطاط ہوگا اور مرتبہ عزیمت سے نکل کر درجہ رخصت میں مستقر ہوگی لیکن اس کے خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس کے تحت حکم جہاد جب دکھلا دے گا اس کا نصب عمال و قضات و اخذ زکوٰۃ و صدقات صحیح ہوگا حضرات شیعہ فرماتے ہیں کہ افضلیت ایسی شرط خلافت ہے کہ اگر وہ فوت ہو جاوے تو مطلق خلافت باطل ہو جاوے گی اور اس کی اطاعت و خلافت اور اس کے ساتھ ہو کر جہاد معصیت ہوگا. پس منشاء اختلاف صاف ظاہر ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے افضلیت وغیرہ کو شرط کمال قرار دیا ہے جس کے فوت ہونے سے نفس خلافت فوت نہیں ہو سکتی اور حضرات شیعہ نے اس کو شرط نفس خلافت ٹھہرایا ہے جس کے فوت ہونے سے ان کے نزدیک خلافت فوت ہو جاوے گی پھر اگر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ میں مقابلہ شیعہ کے شرط افضلیت کا انکار کیا ہے تو وہ ہرگز معارض ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کے نہیں ہے کیونکہ حضرت صاحب تحفہ

نے جس اشتراط کا انکار کیا ہے وہ اشتراط وہ ہے جس کے شیعہ قائل ہوتے ہیں وہ یہ کہ افضلیت کو شرط نفس خلافت قرار دیا ہے اور حضرت شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ نے جس اشتراط کا اثبات فرمایا ہے نہ وہ اشتراط ہے کہ جس کے شیعہ مثبت ہیں اور صاحب تحفہ نافی بلکہ وہ اشتراط اس سے جدا ہے اور وہ اشتراط راجع الی الکمال ہے نہ نفس خلافت کی طرف پس نفی و اثبات امرین مختلفین کی طرف راجع ہیں اور آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ تناقض میں آٹھ وحدتیں ماخوذ و معتبر ہیں جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتے گی تناقض رفع ہو جائے گا اور اجتماع جائز ہوگا اب اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جس قدر عبارتیں ازالۃ الخفاء و قرۃ العینین میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مثبت اشتراط تحریر ہیں ہمارے مجیب لبیب کا ان سے استشہاد صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ان کے مدعا کے موافق نہیں ان کا مدعا اثبات اشتراط افضلیت کا ہے نفس خلافت کے واسطے اور ان عبارتوں کا مدعا ثبوت اشتراط افضلیت کے واسطے نفس خلافت کے نہیں ہے بلکہ اکملیت خلافت کے واسطے ہے پس اگر یہ باریک فرق اگرچہ عبارات میں تامل کرنے سے واضح ہے تاہم اگر ہمارے مجیب لبیب پر پوشیدہ رہا تو ہم معذور سمجھتے ہیں. علاوہ ازیں ہم پہلے گذارش کر آئے ہیں کہ آپ کا مدعا جو اصول دین میں ثبوت قطعی کو مقتضی ہے اور ہمارے واسطے اس کے ثبوت کے لئے دلائل قطعیہ کی اس لئے ضرورت نہیں کہ اس کو اصول میں سے نہیں سمجھتے تو ہم کو دلائل ظنیہ کافی ہوں گے. لیکن آپ ان کو ہمارے مقابلہ میں اپنے مدعا کے ثبوت میں کیونکر پیش کر سکتے ہیں اور وہ آپ کے مدعا کو کیونکر ثابت کر سکتے ہیں پس ان دلائل کا اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرنا صریح غلطی ہے جس کا منشاء یا یہ ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے دعویٰ کو بھول جاتے ہیں اور یا یہ ہے کہ دھوکا دینا مدنظر عالی ہے

قولہ: اب ذرا ازالۃ الخفاء کو جو کثیر الوجود ہے ملاحظہ فرمائیے مقصد اول کی فصل دوم واقعہ صفحہ ۱۶ کو دیکھیے یہ عبارت تحریر ہے. و از لوازم خلافت خاصہ آنست کہ خلیفہ افضل امت باشد در زمان خلافت خود عقلاً و نقلاً از ان جہت کہ در نکتہ اولیٰ تقریر کردیم کہ چون خلافت ظاہرہ ممدود شد خلافت حقیقیہ است و وضع شی در محل خود ثابت گردد لیکن اینجا این نکتہ باید شناخت کہ غیر اخص خواص ریاست خواص را لائق نیست پس خلافت او مطلق نباشد و نصب غیر افضل حکم رخصت دارد بہ نسبت عزیمت و رخصت خالی از ضعفی نیست و مورد مدح مطلق نتواند شد و از آن جہت کہ خلافت خاصہ تمکین دین مرتضیٰ من کل وجہ مطلوب است و آن بغیر استخلاف افضل صورت نہ بندد چنانچہ حضرت مرتضیٰ نزدیک استخلاف امام حسن فرمودند ان یرد اللہ بالناس خیرا فیجمعہم علی

علی خیر هم. رواه الحاکم. بخلاف خلافت عامہ کہ آنجا تمکین دین مرتضی من وجہ دون وجہ مطلوب است، من کل الوجوہ ازاں جہت کہ خلافت خاصہ مقیس است بر نبوت زیرا کہ در حدیث آمدہ، خلافة علی منهاج النبوة ونیز آمدہ تکون نبوة و رحمة ثم خلافة ورحمة وجامع ہر دو ریاست عامہ است در دین ودنیا ظاہرا و باطنا پس چنانکہ استنبار شخصی دلالت میکند بر افضلیت وی برامت تا قبح از مستنبی جل ذکرہ مرتفع گردد ہمچناں استخلاف شخصی برامت دلالت می نماید بر افضلیت وی برامت وازاں جہت کہ عامل ساختن شخص مفضول خیانت است، عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استعمل رجلا من عصابة وفی تلك العصابة من هو ارضی للہ منه فقد خان اللہ وخان رسوله وخان المومنین وعن ابی بکر الصدیق قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولی من امر المسلمین شیئا فامر علیهم احدا محاباة فعلیه لعنة اللہ لا یقبل اللہ منه صرفا ولا عدلا حتی یدخله جهنم اخرجهما الحاکم. ازینجا میتواں دانست کہ خلافت کبری چہ خواہد بود آری نزدیک تزاحم امور واختلاط خیر وشر وعدم انتظام امر علی ما هو حقه میتواں راہ ترخص پیش گرفت وازاں جہت کہ در وقت مشاورت صحابہ مدار استخلاف افضلیت را نہادند ولفظ احق بهذا الامر گفتند وجمعیکہ مناقشہ داشتند در استخلاف صدیق اکبر چوں خطاء رائے خود برایشاں ظاہر شد قائل شدند بافضلیت او واین مبتنی است بر آنکہ استخلاف بافضلیت مسادق باشد وافضلیت خلفاء اربعہ ثابت است بترتیب خلافت بہ ادلہ بسیار اینجا بر سعہ مسلک اکتفا کنیم مسلک اول آنکہ استخلاف این بزرگواران بنص واجماع ثابت شدہ واستخلاف کذا لازم است افضلیت را کما مر تقریرہ انتہی بقدر الحاجۃ اس عبارت کو بنظر غور وانصاف ملاحظہ فرمایئے کہ عقلاً ونقلاً افضلیت کے قائل ہیں اور جس حدیث کا م وعدہ کر آئے تھے وہ بھی اس میں مذکور ہے۔

اشتراط افضلیت کی تیرہویں دلیل کا ابطال

اقول: قول سابق کے جواب میں جو تقریر مطلب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت کی کر آیا ہوں بصراحتہ یہاں جاری ہے افسوس کہ آپ نے باوجود اس وضوح مرام اور ظہور مطلب کی عبارت کو نہ سمجھا اور مثل لا تقربوا الصلوٰۃ کے استدلال فرمایا پس مختصراً گذارش ہے متوجہ ہو کر سن لیجئے۔ وہی مدعا یہاں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو خلافت نبوت کے مرتبہ میں واقع ہے اور ثانی مرتبہ

ہے اس کے لئے افضلیت خلیفہ لازم ہے جس جگہ یہ خلافت پائی جائے گی افضلیت بھی ضرور پائی جائے گی اور جس جگہ افضلیت فوت ہو گی یہ خلافت باعتبار اپنے اس مرتبہ کے فوت ہو جائے گی دلیل اس کی خود شاہ صاحب کی اسی عبارت سے ظاہر ہے فرماتے ہیں (ونصب غیر افضل حکم رخصت دارد. بہ نسبت عزیمت ورخصت خالی از ضعفی نیست وموردمدح مطلق نتواند شد) اس سے صاف ظاہر ہے کہ غیر افضل کی امامت وخلافت منعقد ہو جاتی ہے. لیکن مرتبہ عزیمت میں نہیں رہتی اور مطلق مورد مدح کے نہیں رہتی تو افضلیت شرط اکملیت خلافت ہوئی نہ شرط نفس خلافت۔ اور اس سے آگے فرماتے ہیں. آری نزدیک تزاحم امور واختلاط خیر وشر وعدم انتظام علی ما هو حقه میتواں راہ ترخص پیش گرفت. تعجب ہے کہ آپ نے اس عبارت کو نقل کیا اور اس سے استدلال فرمایا اور ان جملوں کو نہ دیکھا اور نہ ان کے مطلب کو سمجھا اے کاش کچھ بھی فہم وانصاف سے کام لیتے اب ملاحظہ فرمایئے کہ آپ کا استدلال ان عبارتوں سے اور جو ان کے مماثل ہیں کیونکر صحیح ہوگا اور حدیث موعود کیا کار آمد ہوگی۔

شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز میں اختلاف کا افسانہ اور اسکا جواب

قولہ: حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحب تو اس شرط کے عقلاً ونقلاً قائل ہوں اور ان کے خلف رشید یعنی آپ کے خاتم المحدثین اس عقیدہ کو مخصوص بروافض جانیں اور کتاب اللہ سے اس کی مخالفت بزعم خود ثابت کریں اور کتب احادیث وغیرہ تو خیر. کاش یہ کتاب اپنے پدر بزرگوار کی ہی جس کا حوالہ خود فرماتے ہیں مطالعہ کرتے۔

اقول: اس افسوس کا مورد ہمارے حضرت فاضل مجیب کی فہم شریف ہی ہے اور یہ امر عبارت ازالۃ الخفاء وغیرہ کو دیکھ کر اور بندہ کی گذارش سن کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس کے عقلاً ونقلاً قائل ہیں حضرت خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ اس کے ہرگز منکر ومخالف نہیں، یہ معارضہ محض فاضل مجیب کی خوش فہمی سے ناشی ہے. حضرت خاتم المحدثین نے اس کی نسبت جو کچھ تحریر فرمایا وہ از سرتا پا صحیح ہے یہ عقیدہ مخصوص شیعہ کے ساتھ ہے اور مخالف عقل ونقل کے ہے نہ اس کو کتاب اللہ مساعد ہے اور نہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مؤید فتوارجع البصر کرتین

قولہ: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس عقیدہ صحیحہ کی تقریر اسی مقام میں نہیں فرمائی بلکہ ملازمت افضلیت وخلافت میں ایک طومار طویل الذیل لکھا ہے اور کتاب وسنت واقوال صحابہ

دلائل وبراہین لاتے ہیں چونکہ وہ عبارت طویل ہے اور اس تحریر میں طول نہ ہونا چاہیئے لہذا ہم نہیں لکھتے اگر حضرت مجیب لبیب چاہیں تو ازالۃ الخفا کا ملاحظہ فرمادیں ہم نشان لبعید فصل ومقصد و صفحہ گذارش کرتے ہیں مسلک رابع در اثبات افضلیت شیخین کے مقدمہ اولی واقعہ صفحہ ۳۲۸ کو بنظر غور ملاحظہ فرمائیں شروع اس کا بیان ملازمت درمیان خلافت خاصہ و افضلیت شخصی کہ باین خلافت کمرش ساختہ اند اور ختم پس افضلیت لازم خلافت خاصہ گشت واللہ اعلم ہے۔

اقول : ہم نے ازالۃ الخفا میں یہ مقام بھی دیکھا علاوہ اس کے بہت مواضع میں افضلیت کی ابحاث میں تامل کیا ہمارے فاضل مجیب لبیب کے مفید مدعا نہیں اور اس سے اشتراط افضلیت مطلق خلافت کے لئے ثابت نہیں ہوتا جس کے اثبات کے ہمارے فاضل مجیب درپے ہیں اور حاصل مطلب دلائل وہی ہے جو پیشتر گذارش ہوچکا حاجت تکرار نہیں۔

قولہ : اگرچہ افضلیت کے ثبوت میں جس قدر گذارش ہوا منصف کے لئے کافی ووافی ہے اور کسی قدر طول بھی ہوگیا مگر اس شرط کا ثبوت مختصر سا آپ کے خاتم المحدثین کی تقریر سے بھی پیش کرتے ہیں وہ اور سن لیجئے پھر اپنے اقوال باقیہ کا جواب بگوش توجہ سنیے اور وہ یہ کہ آپ کے خاتم المحدثین باب نبوت عقیدہ دوم میں یہ تحریر فرماتے ہیں وعقل نیز صریح دلالت میکند کہ نبی را واجب الاطاعت کردن ووحی بسوی او فرستادن واورا آمر وناہی وحاکم علی الاطلاق ساختن وامام را نائب وتابع او گردانیدن بدون افضلیت نبی بروصی متصور نیست وچون این ہمہ معانی درحق ہر نبی موجود اند ودر حق امام مفقود ہیچ امام از ہیچ نبی افضل نمی تواند بود انتہی لقدر الحاجۃ۔ یہ کلام صریح دلالت کرتی ہے کہ نبی کا آمر وناہی وحاکم علی الاطلاق ہونا افضلیت کا سبب ہے اور امام کا متبوع ہونا اس کی مفضولیت کا موجب ہے اور آپ کے خاتم المحدثین کے نزدیک بھی اس پر عقل صریح دلالت کرتی ہے پس الحمدللہ کہ آپ کے خاتم المحدثین کے اس افادہ سے امام کا افضل ہونا سائر رعایا سے ثابت ہوگیا کیونکہ امام بھی آمر وناہی وحاکم علی الاطلاق ہے اور تمام رعایا اس کی تابع ہیں۔

اشتراط افضلیت کی چودہویں دلیل ماخوذ تحفہ کا ابطال

اقول : گستاخی معاف عصبیت کے غبار نے نور بصیرت فہم وانصاف سب کو یہاں تک مکدر کردیا ہے کہ سلیس سہل مدخا عبارتوں کو آپ نہیں سمجھتے اور [illegible] ہے ہیں اس پر [illegible] چلتے ہیں افسوس آپ [illegible] جمیع مناظرہ دو [illegible] جس نے [illegible] تحقیق

کی ہو کہ مرتبہ حق الیقین کا حاصل کرلیا ہو ایسی عبارتوں میں ایسی فاحش غلطی کھاوے فیاللعجب لفضیحۃ الادب. آپ نے اس عبارت سے استدلال نہیں فرمایا بلکہ اس کو مسخ وتحریف کر ڈالا۔ اب سنیئے مختصراً گذارش ہے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کا واجب الاطاعت ہونا اور وحی کا اس کی طرف نازل ہونا اور آمر وناہی وحاکم علی الاطلاق ہونا اور امام کا اس کے تابع ہونا یہ مجموعہ اوصاف جو خداوند تعالیٰ نے نبی میں ودیعت رکھی ہیں اس امر کو مستلزم ہیں کہ نبی امام سے افضل ہو اور بدون افضلیت نبی کے امام سے یہ امور متصور نہیں اور یہ تمام اوصاف ہر ایک نبی میں پائے جاتے ہیں اور امام میں مفقود ہیں تو کوئی امام کسی نبی سے افضل نہیں ہوسکتا ہے۔ آپ نے اس سے استدلال اس طرح فرمایا کہ آمر وناہی وحاکم علی الاطلاق ہونا افضلیت کا سبب ہے اور یہ امر یعنی آمر وناہی وحاکم علی الاطلاق ہونا امام میں بھی پایا جاتا ہے تو وہ بھی افضل ہوگا اس استدلال میں چند وجہ سے بحث وتامل ہے اول یہ کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بصراحۃ ان امور کے امام میں نہ پائے جانے کو بیان فرمایا تھا آپ نے اپنے استدلال میں اس کے خلاف اس کو تحریف کیا اور یہ کہا کہ امام میں آمر وناہی وحاکم علی الاطلاق ہونا پایا جاتا ہے اور باوجود اس کے اس مخالف دعوی کو کسی دلیل سے ثابت نہیں فرمایا پس شاہ صاحب کی عبارت سے یہ کون سا استدلال ہے آپ کو شاید یہ خیال نہیں رہا کہ اس تغیر سے تمام دلیل ہی درہم وبرہم ہوجائے گی اور اصل مدعا سے اس کو کچھ تعلق نہیں رہے گا کیونکہ مدعا یہ تھا کہ کوئی امام کسی نبی سے افضل نہیں ہوسکتا اور جب وہ اوصاف مخصوصہ کہ جن پر نبی کی افضلیت کا امام پر دارومدار تھا امام میں بھی پائے جانے تسلیم کرلئے تو تمام دلیل ومدعا کو مسخ کردیا پس فی الحقیقت یہ استدلال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل سے نہیں بلکہ اپنے مقدمہ مطویہ فی الذہن سے استدلال ہوا جس کا ثبوت نہ عقلاً ہوسکے اور نہ نقلاً ثانیاً ہم کہتے ہیں کہ جب افضلیت مجموعہ صفات مذکورہ کو ہے نہ ہر واحد کیونکہ واجب الاطاعت ہونا علی العموم علت افضلیت نہیں عمال وقضات بعد والدین واجب الاطاعت ہیں اور افضلیت شرط نہیں تو یہ حضرت مجیب کی کمال مناظرہ دانی اور نہایت فہم وانصاف ہے کہ اس مجموعہ میں سے بعض اوصاف لے کر ان پر حکم مجموعی محمول فرمایا اور یہ سمجھا کہ مجموعہ کا حکم جزء کے حکم سے جدا گانہ ہوتا ہے اس میں نزول وحی کو بھی شامل کیا ہوتا کہ امام کے واسطے ثابت ہے چنانچہ آپ کے حضرت کلینی نے محدث کے معنی میں ایک قسم کے نزول وحی کو روایت کیا ہے اور جب نزول وحی اور آمر وناہی وحاکم علی الاطلاق ہونا ثابت ہوتا تو آپ کا استدلال شاید صحیح ہوتا۔ گو حضرت [illegible] نزدیک بات صحیح ہوتا [illegible] ثالثاً [illegible] کہ آمر وناہی وحاکم علی الاطلاق ہونا مستلزم افضلیت ہے لیکن [illegible]

کب تسلیم کرتے ہیں کہ امام آمر وناہی علی الاطلاق وحاکم علی الاطلاق ہے یہ تو صرف حضرات شیعہ ہی نے خلاف عقل ونقل تسلیم فرما رکھا ہے پس اپنے مسلمات سے خصم کو الزام دینا ہمارے مجیب لبیب کی کمال دانشمندی اور مناظرہ دانی ہے، ہم امام کو آمر وناہی وحاکم علی الاطلاق نہیں کہتے بلکہ علی التقیید کہتے ہیں کیونکہ وہ متبع قانون شرع ہے بخلاف نبی کے کہ اس کے اوامر ونواہی خود تشریع ہیں جو کچھ وہ فرماوے وہ قطعاً حکم خداوند تعالیٰ ہے اس میں دوسرا احتمال نہیں اور نہ کوئی دوسرا قانون اس کے لئے ہے کہ جس کی مطابقت وعدم مطابقت سے اس کی صحت وغلطی پر مطلع ہو سکیں وہ دوسروں کے اوامر ونواہی کے لئے میزان وقانون ہے۔ رابعاً اس جملہ کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا معلوم نہیں یہ کیا چیستان وپہیلی ہے (اور امام کا متبوع ہونا اس کی مفضولیت کا موجب ہے) ہمارے مجیب فرمائیں تو سہی کہ حضرت نے اس جملہ میں مطلب رکھا ہے یا نہیں ہمارے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ متبوع اسم مفعول کا صیغہ تھا تو خیال کیا ہوگا کہ اس کے لئے مخالف صیغہ اسم فاعل کا (فاضل یا افضل) تو مناسب نہیں اور باعتبار معنی کے صحیح نہ ہوگا اس کے لئے اگر صحیح ہوگا تو ہم جنس مفعول کے واسطے مفعول کا ہی صیغہ ہوگا اس لئے مفضولیت کا اطلاق کر دیا سبحان اللہ برین علم ودانش بباید گریست۔ بلکہ بباید خندید۔ پھر اس فہم ولیاقت پر یہ دعویٰ یہ کچھ ہندی کی مثل مشہور ہے اس بہنی پر تتا پانی۔

شیعہ کی سینہ زوری اور اس کا جواب

قولہ: اب امید ہے کہ کوئی غبی بھی چہ جائیکہ ہمارے مجیب سے ذکی وذی ہوش اس شرط کا انکار نہ کرے گا کیونکہ ہم نے عقل ونقل کتاب وسنت حتی کہ اقوال شیخین وصحابہ وعترت وعلماً اہلسنت ووالد ماجد آپ کے خاتم المحدثین کے قول سے اس شرط کو بخوبی ثابت کر دیا والحمد اللہ علی ذلک

اقول: جس قدر آپ نے افضلیت بلکہ شرائط ثلثہ کے ثبوت میں دلائل پیش فرمائے اور بزعم خود عقل ونقل کتاب وسنت واقوال شیخین وصحابہ وعترت وعلماء اہلسنت سے ثابت کیا وہ فی الحقیقت نقش برآب بلکہ لمعان سراب تھا بحول اللہ وقوتہ تعالیٰ ہماری معروضات سے جو اس پر متعلق جرح وقدح کے گئے یک لخت تمام کرماد اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف ہباءً منثوراً ہوگیا اور مثل تار وپود عنکبوت کے ہم نے اس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اور مثل آفتاب نیمروز کے واضح کر دیا کہ یہ استدلالات محض حضرت مجیب کے اور ان کے بزرگوں کے خوش فہمی سے ناشی ہیں اب بعد اس کے یقین ہے کہ کوئی غبی وذہنی بھی چہ جائیکہ ہمارے فاضل مجیب جیسے ذکی الطبع وذی ہوش ان شرائط کو تسلیم نہ کرے گا کیونکہ جو امر عقل ونقل کے خلاف ہو اس کو کوئی عاقل دیندار تسلیم نہیں کر سکتا واللہ الموفق للرشاد۔

قال الفاضل المجیب: قولہ اور بیان کرنا چاہیئے کہ مدار وجوب نص کا اس اصل پر ہے کہ لطف علی اللہ واجب ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کا اثبات بھی ضروری ہے۔ اقول، ہم آپ کے علماً وصحابہ مقبولہ کے اقوال سے وجوب نص ثابت کر چکے آپ اپنے علماء سے دریافت کیجئے کہ وجوب نص کا مدار اس اصل پر ہے یا کس اصل پر۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: ہمارے فاضل مجیب علماء وصحابہ کے اقوال سے جیسا کچھ وجوب نص ثابت فرما کر آئے وہ اہل علم وانصاف پر بخوبی واضح ہو چکا اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ محض تعلل اور دفع الوقتی بلکہ گریز ہے جب ان حضرات کو دار وگیر ابحاث کے شکنجہ میں پھنسنے کا خوف ہوتا ہے تو اسی طرح راہ فرار ڈھونڈتے ہیں علاوہ ازیں یہ کیا ضرور ہے کہ جو چیز وجوب نص کے لئے آپ کے نزدیک اصل ومدار ہو وہ ہی ہمارے نزدیک بھی ہو۔ ہمارے نزدیک سرے سے وجوب علی اللہ ہی غلط اور لغو ہے لیکن آپ کے نزدیک بروئے آپ کی عقل کے خداوند تعالیٰ عما یقولون علواً کبیرا کی ذات پاک پر لطف واجب ہے اور وجوب علی اللہ ثابت ہے اور وجوب نص کا مدار بھی اسی پر ہے۔ لیکن چونکہ وجوب نص کے دلائل ہی میں بہت غلطاں وپیچاں ہوئے اور بہ ہزار وقت وہ بھی غلط سلط دلائل نقل کئے تو اب اگر اس اصل کے دلائل کو چھیڑا جاتا تو دل تو ہم پہنچتے تو معلوم لیکن بحکم المبنی علی الفاسد فاسد جس قدر دلائل ثبوت وجوب نص میں ذکر فرمائے تھے وہ بھی لغو اور زائل ہو جاتے اس دور بینی پر آفرین ہے۔

قولہ: اگرچہ اسی قدر جواب کافی تھا اور جوع [illegible] ازالۃ الخفاء کی نقل ہوئی ہیں ان میں [illegible] وجوب کا مدار بھی کسی قدر لکھا ہے مگر ہم حضرت مجیب [illegible] ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں و[illegible] مدار بھی [illegible] وجوب کا عرض کرتے ہیں چونکہ امامت کے لئے عصمت ضروری ہے چنانچہ ثبوت اس کا گذر چکا اور عصمت سوائے اللہ جل شانہ کے کوئی نہیں جانتا اس لئے ضرور ہے کہ امام منصوص من اللہ ورسول ہو، عبارات ازالۃ الخفاء سے بھی یہ بات ثابت ہے گو شاہ صاحب نے لفظ عصمت صریح نہیں لکھا اور وہ بپاس خلافت خلفاء ثلثہ یہ لفظ کیونکر لکھ سکتے تھے۔

اقول: کتب عقاید شرح تجرید وشرح باب حادی عشر مسمی بالنافع یوم المحشر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل امامت کا بھی مدار [illegible] اصل پر ہے کہ لطف علی اللہ واجب ہے [illegible]

یہ شرائط بھی خواہ بلاواسطہ خواہ بالواسطہ اسی اصل کی طرف راجع ہوں گی۔ لیکن وجوب لطف کا نام کیونکر لیں اس لئے نہ اس کی اصالت کا اقرار کرتے ہیں اور نہ اس سے انکار ہی فرماتے ہیں اگر اقرار کریں تو اس کا ثبوت کہاں سے لاویں اور انکار کریں تو یہ ڈر ہے کہ کل کو خصم دست بگریبان ہوگا۔ اس لئے آپ نے وجوب نص کا مدار وجوب عصمت کو ٹھہرایا اور اصل سوال (کہ وجوب نص کا مدار اس اصل پر کہ لطف علی اللہ واجب ہے یا نہیں) کے وجوب میں لا و نعم کچھ نہ فرمایا یہ مناظرہ میں دار و گیر خصم سے بچنے کے ہتھکنڈے نہیں تو کیا ہیں۔ لیکن آپ کا خصم لچوج کب پیچھا چھوڑنے والا ہے اور خبر وجوب لطف کو اچھا رہنے دیا اگر وجوب عصمت پر ہی کچھ ناز ہے تو ہم نے اس کے دلائل پر بھی مختصراً وہ کچھ جرح و قدح کی ہے جو آپ جانیں گے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اگر عصمت کو نہیں لکھا تو بپاس خلافت خلفاء نہیں بلکہ بپاس کتاب سنت نہیں لکھا کہ خلاف کتاب و سنت کیونکر لکھ سکتے تھے۔

قولہ: اور لطف علی اللہ کا جو ذکر کیا ہے اور اس کا ثبوت چاہا ہے اگرچہ یہ اصل بھی اپنے محل پر ثابت کی گئی ہے مگر چونکہ یہ بحث الٰہیات سے متعلق ہے لہذا اس کے ثبوت کی چنداں ضرورت نہیں۔

اقول: جناب میر صاحب یوں تو آپ کا جو دل چاہے فرمائیں نہ آپ کو ثبوت الٰہیات کی ضرورت نہ نبوات کی صرف ایک امامت ہے امامت کافی ہے لیکن پہلے آپ اپنے خصم کی گذارش سنیئے اس کے بعد فرمائیے کہ آپ کو وجوب لطف کے ثبوت کی ضرورت ہے یا نہیں وہ یہ گذارش خدمت والا کرتا ہے کہ وجوب عصمت نص وغیرہ بلکہ تمام مبحث امامت کے لئے وجوب لطف علی اللہ اصل ہے یا نہیں اگر ہے اور فی الواقع آپ کے نزدیک اس کی اصالت مسلم ہے تو یہ اصل فاسد ہے کیونکہ مستلزم محال کو ہے تو وہ فرع جو اس اصل پر متفرع ہوگی وہ بھی فاسد و باطل ہوگی تو گویا آپ کے خصم نے اس صورت میں آپ کے مسئلہ امامت کو مع اس کے لواحق کے مبداء بحث ہی میں باطل کرنا چاہا اور خیال کیا کہ ابطال دلائل میں زیادہ بحث استدلالات کی ضرورت نہ پڑی اس پر جناب والا کا یہ فرمانا کہ چونکہ یہ بحث الٰہیات سے متعلق ہے لہذا اس کے ثبوت کی چنداں ضرورت نہیں آپ ہی انصاف سے فرما دیں کہ بروئے داب مناظرہ کے صحیح ہے یا غلط ہے اور آپ کو بحث امامت ہی میں اس کے ثبوت و اثبات کی ضرورت ہے یا نہیں علاوہ ازیں اس بحث کے الٰہیات سے متعلق ہونے سے اگر یہ غرض ہے کہ اس کا امامت سے کچھ تعلق نہیں تو غلط ہے جیسا کہ ابھی واضح ہو چکا ہے اور اگر نفی علاقہ کی امامت سے مقصود نہیں تو پھر یہ ارشاد فضول ہے

کے ثبوت کی چنداں ضرورت نہیں میدان مناظرہ سے صریح گریز ہے۔ بیت۔

حرف مطلب کو میرے سن کے بصد ناز کہا
ہم سمجھتے نہیں بکتا ہے یہ سودائی کیا

شاید لفظ چنداں اس لئے بڑھایا ہوگا کہ فی الجملہ ضرورت تو ہے لیکن بمقابلہ کشمکش شکنجہ انتظار کے کالعدم لیکن سمجھی گئی۔

قال الفاضل المجیب قولہ۔ اور اختلاف نص کی صورت میں کس کو امام سمجھا جائے گا۔ اقول اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا جب کہ نص کی شرط ہم نے ثابت کر دی اختلاف نص کے کیا معنی اگر نص میں اختلاف ہے تو نص ہی کہاں ثابت ہوئی۔

امامت کی بابت ائمہ سے اختلاف نص کا ثبوت

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: حضرت میر صاحب واقعی اس کا مطلب جناب کی فہم شریف میں نہ آیا ہوگا کیونکہ باوجود این ہمہ ادعائے تبحر آپ کو اپنے مذہب کی روایت و عقیدہ کی خبر نہیں ہے۔ لیجئے ہم ہی خدمت سامی میں گذارش کرتے ہیں کہ حضرت امام صادق رضی اللہ عنہ کے جو دو فرزند تھے ایک اسمٰعیل دوسرے حضرت موسیٰ کاظم ان میں سے آپ کے فرزند کلاں اسمٰعیل تھے جن کو آپ حسب تصریح صاحب تذکرۃ الائمہ سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے اور بہت پیار کرتے تھے اور قدر و منزلت میں تمام اولاد سے زیادہ برگزیدہ و ممتاز سمجھتے تھے۔ اور حضرت نے امامت کو ان کی نامزد فرمایا اور ان کے لئے امامت کی نص فرمائی یہی وجہ ہوئی کہ ایک جم غفیر اسمٰعیل کی امامت کا قائل ہوا جو فرقہ اسمٰعیلیہ کے نام سے موسوم ہے بعد اس کے حسب روایت حضرات شیعہ اور دروغ برگردن راوی جب اسمٰعیل مصدر افعال ذمیمہ و حرکات قبیحہ کا ہوا تو حضرت امام صادق رضی اللہ عنہ نے امامت کو بنام امام موسیٰ کاظم کے منصوص فرمایا اور اپنے اصحاب کے جواب میں جو بابت اختلاف نص صادر ہوا بدا کا عذر فرمایا آپ کے رئیس المتکلمین نے نقد محصل میں اپنے پیشوایان دین سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام صادق رضی اللہ عنہ اسمٰعیل پسر خود را قائم مقام خویش فرمودہ بر امامتش نص نمودند چون موی نامشروعہ از و صدور یافت امامت را بنام موسیٰ کاظم قرار دند و بجواب اصحاب عذر بدا آغاز نمودند نقد محصل از رئیس المتکلمین اور اس کی تائید و تقویت کلینی کی روایت سے ہوتی ہے جس کو خاتم المتکلمین رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الغین میں نقل کیا ہے۔

بدا الله فی ابی محمد بعد ابی جعفر بما لم یکن یعرف له کما فی بدا له بعد مضی اسمٰعیل۔

ابو جعفر کے پیچھے ابو محمد میں اللہ کو بدا اس کے لئے نہیں پہچانا جاتا تھا واقع ہو گیا جیسا اسمٰعیل کے گذرنے کے بعد ابو موسیٰ میں ہوا تھا۔

بلکہ روایت کلینی سے اس اختلاف کے علاوہ دوسرا اختلاف ابی محمد اور ابی جعفر میں بھی معلوم ہوتا ہے پس ان روایات کو ملاحظہ فرمایئے اور ان کا مطلب سمجھئے اور اور اختلاف نص کو دیکھئے بندہ کی گذارش بھی سمجھ میں آجائے گی بعد اس کے جواب کا فکر کیجئے اور اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آوے تو بندہ کا قصور نہیں ہے

حسب روایات شیعہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو بداء واقع ہوتا ہے

قولہ: کیا بارگاہ خداوندی میں بھی مثل تخالف و تشاجر صحابہ اختلاف واقع ہوتا ہے۔

اقول: جناب کیا آپ کو معلوم نہیں ہے حسب روایات حضرات شیعہ کے بارگاہ خداوندی میں (معاذ اللہ توبہ توبہ نقل کفر کفر نباشد) مثل تخالف و تشاجر صحابہ بلکہ مثل عوام اختلاف ہوتا ہے اور بمقتضاء ان روایات کے جائز ہے کہ (نعوذ باللہ) خداوند تعالیٰ شانہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا اول خلاف مصلحت نادانستگی سے کوئی ارادہ یا امر فرمادے اور بعد اس کے امر قرین مصلحت اس پر ظاہر ہو اور اس کا حکم فرماوے اور اس کو لفظ بدا سے تعبیر فرماتے ہیں چنانچہ روایات سابقہ میں پہلے نادانستگی سے اسمٰعیل کے نام خلاف مصلحت امامت کی نص ہوتی اور جب اس سے اعمال ناشائستہ سرزد ہوئے اور معلوم ہوا کہ یہی نص جو اس کے نام تھی خلاف مصلحت تھی تو پھر دوسری دفعہ حضرت امام موسیٰ کاظم کے نام پر امامت کی نص فرمائی اور عذر کر دیا گیا کہ پہلی نص میں خدا تعالیٰ کو (معاذ اللہ) بداء واقع ہو گیا تھا علیٰ ہذا القیاس اور بہت روایتیں ہیں جو اس بداء کو ثابت کرتی ہیں تفسیر صافی سورہ رعد تحت قولہ تعالیٰ یمحو اللہ ما یشاء روایت مذکور ہے۔

والعیاشی عن الباقر انه قال کان علی بن الحسین یقول لولا اٰیة فی کتاب الله لحدثتکم بما یکون الی یوم القیمة فقلت له ایة اٰیة قال قول الله یمحو الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب۔

مفسر عیاشی نے امام باقر سے روایت کی ہے کہا امام زین العابدین فرمایا کرتے تھے اگر کتاب اللہ میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم کو قیامت تک ہونے والی باتوں کی خبر دیتا۔ میں نے پوچھا کون سی آیت ہے فرمایا اللہ کا قول جس کا ترجمہ یہ ہے مٹاتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ہے اصل کتاب

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام کو اگر حالات آئندہ کے بیان کرنے میں خوف تھا تو یہی تھا کہ شاید بطور بداء کے بدل سدل ہو جاوے اور ہم جھوٹے ہوں اور نہیں بیان فرماتے تھے تو اسی وجہ سے نہیں بیان فرماتے تھے اور علاوہ اس کے تفسیر صافی کے مواضع مختلفہ سے بدلالت النص بداء ثابت ہے اور نیز خاتم المحدثین علامہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ میں جو اس کی نسبت بہت روایات نقل فرمائی ہیں ان میں سے تبرکاً چند روایات نقل کرتا ہوں۔

وما رواه ایضا صاحب الکافی فی کتاب النکاح فی باب اللواطة فی تضاعیف حدیث رواه بالاسناد عن ابی جعفر وهذا موضع الحاجة منه قال لهم لوط یا رسل ربی فما امرکم ربی قالوا امرنا ان ناخذهم بالسحر قال فلی الیکم حاجة قالوا وما حاجتك قال تاخذوهم الساعة فانی اخاف ان یبدو فیهم لربی وما رواه صاحب الکافی فی باب بداء خلق الانسان من کتاب العقیقة ان الله یقول للملکین الخلاقین اکتبا علیه قضائی وقدری ونافذ امری واشترطا لی البداء فیما تکتبان۔

اور نیز وہ جو صاحب کافی نے کتاب نکاح کے باب لواطہ میں ایک حدیث کے ضمن میں بواسطہ اپنی اسناد کے ابو جعفر سے روایت کیا ہے اس میں سے بقدر حاجت یہ ہے۔ فرشتوں کو لوط نے کہا اے میرے رب کے پیغام پہنچانے والو تم کو میرے پروردگار نے کیا حکم کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم کو حکم کیا ہے کہ ہم ان کو وقت سحر پکڑ لیں کہا تو مجھ کو تمہاری طرف حاجت ہے انھوں نے پوچھا کیا حاجت ہے کہا کہ اسی وقت پکڑ لو کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ان میں میرے پروردگار کو بداء نہ ہو جائے اور وہ جو صاحب کافی نے کتاب عقیقہ کے باب بداء الخلق میں روایت کی ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والے دونوں فرشتوں کو فرماتا ہے اس پر میری قضاء اور میری قدر اور میرا حکم جاری لکھو اور میرے لئے بداء کی شرط جو کچھ لکھو اس میں کر لیجیو۔

اور تفسیر صافی میں ہے۔

وعن الصادق انه سئل عن قول الله تعالیٰ ادخلوا الارض المقدسة التی کتب الله لکم قال کتبها لهم ثم محاها ثم کتبها لابنائهم فدخلوها والله یمحو ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب۔

امام صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان سے کسی نے اس آیت سے پوچھا ادخلوا الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم۔ فرمایا ان کے لئے اس کو لکھا تھا پھر مٹا دیا پھر ان کی اولاد کیلئے لکھا اور وہ داخل ہوئے واللہ یمحو ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب۔

لیکن اس قدر گذارش اور ہے کہ اس بداء مذکورہ کو نسخ کہہ کر نہ ٹال دیجئے گا۔ بداء کو آپ کے علماء محققین نے اس طرح بیان فرمایا ہے یقال بدا له اذ ظهر له رای مخالف للرای الاول وظهر له من

الامر ما امکن ظاهرا اور بدا میں نادانستگی اور خلاف مصلحت ہوتی ہے بخلاف نسخ کے کہ نسخ میں بیان اتمام مدت ہوتا ہے و بس غرض کہ بدا و نسخ ہر دو متغایر و متباین ہیں ان میں اتحاد نہیں۔

قولہ: اس کو مفصل تحریر فرما کر سمجھائیں تا کہ جواب گذارش ہو۔

اقول: ہم نے مفصل گذارش کر کے بخوبی سمجھا دیا حسب وعدہ جواب عنایت ہو۔

قال الفاضل المجیب، قولہ، اور زمان فترت میں کیا حکم ہو گا۔ اقول، وہی جو زمان فترت نبوت میں ہوتا ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: یہ جواب محل بحث و تامل ہے کیونکہ فترۃ الرسل کے معنی حسب تصریح صاحب تفسیر صافی فتور الارسال اور انقطاع الوحی کے ہیں جس سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں رسالت بند ہو جاوے اور وحی منقطع ہو جاوے تو ہمارے فاضل نے جو فترۃ امامت کو فترۃ رسالت پر قیاس کیا وہ قیاس، قیاس مع الفارق اور غلط ہے کیونکہ شرائع سابقہ کی نسبت خداوند تعالیٰ شانہ کی طرف سے حفظ اور بقا کا وعدہ نہیں تھا یہی وجہ ہوتی ہے کہ لوگ اس دین کو متغیر کر دیتے تھے اور کتاب اللہ کو تحریف کر ڈالتے تھے بعد اس کے جب کوئی نبی مبعوث ہوتا تھا تو اس کی تجدید کرتا تھا اور جو کچھ اس میں خرابیاں ہوتی تھیں رفع فرماتا تھا کوئی مستقل شریعت جداگانہ دے کر بھیجا جاتا تھا جب ہمارے نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم الی کافۃ العرب والعجم مبعوث ہوئے اور خداوند تعالیٰ شانہ نے کتاب نازل فرما کر دین کی تکمیل فرمائی اور اس کی حفظ و صیانت کا وعدہ فرمایا اور تمام ادیان پر دین اسلام کے غلبہ کا مژدہ سنایا تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شریعت میں تغیر واقع نہ ہو گا اور اس کی کتاب محرف نہ ہو گی تو اگر ایسی شریعت میں فترۃ امامت واقع ہے جن کا واقع ہونا کچھ ضرر رساں نہیں ہے تو اس کو ایسی شرائع کی فترت رسالت پر قیاس کرنا جو مندرس ہو چکی ہو اور نہ اس کی کتاب باقی ہو اور نہ اس کے احکام اپنے حال پر ثابت رہے ہوں سخت بدیہی غلطی ہے قطع نظر اس سے فترۃ کا واقع ہونا ہی خود وجوب لطف کے خلاف ہے گویا اگر نبی مبعوث نہ فرما دے یا امام منصوص نہ فرما دے تو معاذ اللہ آپ کے نزدیک خدا تعالیٰ خود تارک واجب اور ملزم ہو گا تعالیٰ شانہ عما یصفون اور ظاہر ہے کہ تفضیہ موجبہ میں وجود موضوع کی ضرورت ہے تو گو حضرات شیعہ خلاف کتاب اللہ و شواہد حسیہ محض ایک خبر واحد کی وجہ سے جو خود ہی جناب امیر سے روایت کرتے ہیں۔

ویخلو الارض عن قائم للہ بحجۃ اما ظاهر مشهور او خائف مغمور۔

اللہ کی زمین ... سے خالی نہیں ہوتی یا تو وہ مشہور ہوتا ہے اور یا ڈر سے ... چھپا ہو۔

... زمان فترت کے منکر ہیں لیکن ہمارے فاضل مجیب نے انصاف فرمایا اور فترت کو تو قبول فرمایا مگر قیاس میں غلطی کھائی سو خیر ہم اس کو بھی غنیمت سمجھتے ہیں۔

قال الفاضل المجیب، قولہ، اور بعد تحقق امامت نزع و خلع جائز ہے یا نہیں۔ اقول، اس سوال سے بھی تعجب ہے جب کہ ہم ثابت کر چکے کہ امت کا کام ہی امام بنانا نہیں ہے بلکہ منصوص من اللہ و من الرسول ہونا چاہیئے تو بعد تحقق امامت نزع و خلع امامت کے کیا معنی۔

امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلع خلافت فرمایا

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی، بے شک اس سوال سے جناب کو تعجب ہو گا لیکن شاید تعجب اس وجہ سے ہو گا کہ اپنے خلیفہ دومی جناب امام حسن رضی اللہ عنہ کا قصہ مصالحت محفوظ خاطر اشراق آثر نہ رہا ہو گا اور عنقریب بزعم خود منصوصیت امام ثابت کراتی ہیں تو ایسی حالت میں اس سوال سے زیادہ استعجاب ہو گا لیکن جناب اس قصہ مصالحت کو دیکھیں اور مصالحت نامہ کو تاریخ کی کتابوں میں پڑھیں تو پھر یہ استعجاب جو سوال سے ناشی ہوا ہے رفع ہو جائے گا اگرچہ دوسری حیرت لاحق حال ہو جائے گی اول مصالحت نامہ کی نقل کرتا ہوں سنیئے مرزا غیاث الدین شیرازی نے جن کا تشیع ان کی تاریخ سے ثابت ہے اپنی تاریخ مسمی حبیب السیر میں جلد دوم صفحہ ۱۴ و ۱۵ پر مصالحت نامہ باین الفاظ لکھا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما صالح عليه الحسن بن علي بن ابي طالب ومعٰوية بن ابي سفيان صالحه على ان يسلم اليه ولاية امر المسلمين على ان يعمل فيهم بكتاب الله تعالى وسنة رسوله وسيرة الخلفاء الصالحين وليس لمعوية بن ابي سفيان ان يعهد الى احد من بعده عهدا بل يكون الامر من بعده شورى بين المسلمين وعلى ان الناس امنون حيث كانوا من ارض الله في شامهم وعراقهم وحجازهم ويمنهم وعلى ...

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وہ ہے جس پر حسن بن علی بن ابی طالب نے معویہ کے ساتھ مصالحت کی اس پر مصالحت کی کہ مسلمانوں کے امر کی ولایت اس کو سپرد کر دی اس شرط پر کہ ان میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سیرت خلفاء صالحین پر عمل کرے اور اس پر کہ معویہ بن ابی سفیان کو اختیار نہیں کہ اپنے بعد کسی کو اپنا ولی عہد بنا دے بلکہ اس کے بعد امر مسلمانوں میں بطور مشورہ کے ہو گا اور اس پر کہ لوگ ان کے شہروں میں جس جگہ ہوں گے خواہ شام میں اور عراق میں اور حجاز میں اور یمن میں امن سے ہوں گے اور ...

اصحاب علی وشیعته آمنون علی انفسهم واموالهم ونسائهم واولادهم وعلی معویة بن ابی سفیان بذلک عهد الله ومیثاقه وما اخذ الله علی احد من خلقه بالوفاء بما اعطی الله من نفسه وعلی ان لا یبتغی للحسن بن علی بن ابی طالب ولا لاخیه الحسین ولا لاحد من اهل بیت رسول الله صلی الله علیه وسلم غائلة سرا و جهرا ولا یخیف احدا منهم فی الآفاق شهد علیه بذلک وکفی بالله شهیدا فلان وفلان والسلام۔

علی کے اصحاب اور اس کے شیعہ اپنی جانوں اور مالوں اور عورتوں اور بچوں پر امان ہوں گے اور اس معاملہ میں معویہ بن ابی سفیان پر خدا کا عہد اور میثاق ہے اور جو کچھ اللہ نے عہد لیا ہے کسی سے اپنی مخلوق میں سے وفا کرنے اس عہد پر جو اس نے اپنی طرف سے [illegible] کے ساتھ کیا ہے اور اس شرط پر کہ نہ حسن بن علی [illegible] کو اور نہ اس کے بھائی حسین کو اور نہ اہل بیت [illegible] سے کوئی فریب ہوگا نہ پوشیدہ اور نہ ظاہر اور نہ [illegible] میں سے کسی کو ڈرایا جائے گا اس پر فلاں فلاں [illegible] ہوئے اور اللہ گواہ کافی ہے۔

اس صلح نامہ کے کلمات کو غور و تامل سے ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت امام نے امیر معویہ کو کیا چیز تسلیم فرمائی وہ تولیت اور ولایت امور مسلمین ہے جو مرتبہ امامت سے پاک ہی اور چیز ہے اگر ولایت امور مسلمین کے سپرد فرمائی ہے تو پھر آپ ہی فرمائیے امامت کو اپنے سے خلع کیا یا نہیں کیا اب فرمائیے آپ کی وہ لفظ کہاں گئی جس کو آپ ثابت فرماتے تھے اور علاوہ اس کے وہ جملے علی ان یعمل فیهم بکتاب الله وسنة رسوله وسیرة الخلفاء الصالحین اور لیس لمعویة ان یعهد الی احد من بعده شوری بین المسلمین مذہب تشیع پر کیسی کچھ خرابی واقف ڈالتے ہیں اور جڑ تشیع کی نکالتے ہیں چونکہ مقصود اختصار ہے اس لئے اشارہ کر دیتے ہیں اہل فہم کو ذرا کافی ہے ہاں یہاں اس قدر باقی رہ گیا کہ حضرت امام نے خلافت و امامت حضرت امیر معویہ کو تسلیم تو فرما دی لیکن بیعت بھی فرمائی یا نہیں فرمائی سو اس کو روضۃ الاحباب سیر ہی میں دیکھئے یہاں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے بیعت بھی فرمائی ہے کذا عبارتہ چون امام عالی مقام با اہل اسلام بقضیه [illegible] حاکم شام در [illegible] عمرو بن العاص معویه را گفت که حسن را بگو که خطبه خواند و مردم را استحقاق خویش و [illegible] تو [illegible] و چنان منود که حسن رضی الله عنه از اداء خطبه عاجز خواهد آمد و خلایق را معلوم خواهد شد که او در [illegible] این امر بوده معویه نخست از قبول این سخن [illegible] نموده آخر بنابر الحاح عمرو [illegible] امر [illegible] التماس نمود [illegible] مختص او را امید و [illegible] داشته در مجمع [illegible] اعیان عرب [illegible] حاضر بودند بر منبر صعود فرموده [illegible] ایها الناس [illegible] تقوی است و بدترین حمق فجور است و [illegible] طلب کنند [illegible] که جدا و محمد باشد نیز بید

کسی غیر از من و برادر من و شما امید انید که خدا تعالی شما را هدایت داد بجد من و نجات بخشید از غوایت و شما را عزیز گردانید بعد از مذلت و بسیار ساخت بعد از قلت و بدرستیکه معویه با من نزاع کرد در امری که حق من بود پس من برای قطع فتنه و صلاح امت این مهم را بوی باز گذاشتم و ترک محاربه گفته ریختن خون اهل شام را روا نداشتم و هر آئینه شما ملامت کنید مرا که این امر را بغیر اهل آن دادم و این حق را در غیر موضعش نهادم اما قصد من اصلاح امت بود. وان ادری لعله فتنة لکم ومتاع الی حین چون سخن به اینجا رسید معویه بے طاقت شده گفت بس است اے ابو محمد فرود آئی و بروایتیکه در کشف الغمه مرقوم گشته در آخر خطبه مذکوره مسطور است که.

قد بایعته ورایت ان حقن الدماء خیر من سفکها ولم ارد بذلک الا صلاحکم وبقائکم وان ادری لعله فتنة لکم ومتاع الی حین.

تحقیق میں نے اس سے بیعت کر لی ہے اور میری رائے میں یہ آیا کہ خون ریزی سے ان کی حفاظت بہتر ہے اور میرا ارادہ اس سے بجز تمہاری خیر خواہی کے اور بقا کے اور کچھ نہیں ہے اور میں نہیں جانتا شاید تمہارے لئے فتنہ اور ایک وقت تک نفع اٹھانا ہے

وازین عبارت چنان مستفاد میشود که امام حسن با معویه بیعت نموده و از کتب اہل سنت نیز این معنی فهم میشود اما باتفاق علماء امامیه امام حسن علیه السلام دست بیعت بمعاویه نداد. والعلم عند الله الملهم للرشاد. اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ جناب امام نے امیر معویہ کے ساتھ بیعت بھی فرمائی اور جب کشف الغمہ کی روایت میں بیعت کا واقع ہونا بنص صریح موجود ہے اور لفظ قد بایعته فرماتے ہیں تو پھر یہ کہنا کہ علماء امامیہ کا اتفاق ہے جناب امام نے امیر معویہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی سراسر پوچ اور لغو ہے۔

قولہ: یہ بعینہ ایسا سوال ہے کہ کوئی کہے کہ بعد تحقق نبوت نزع و خلع جائز ہے یا نہیں جو جواب اس کا حضرت مجیب دیں وہی ہماری طرف سے قبول فرما دیں۔

اقول: یہ بعینہ ایسا سوال جب ہو کہ جب کسی نبی نے خلعت نبوت کسی کافر و فاسق کو بخشا ہو اور کسی کافر کے ہاتھ پر بیعت کی ہو اور اس کا ربقہ اطاعت اپنی گردن میں ڈالا ہو اور اگر ایسا نہیں ہو تو یہ سوال بھی بعینہ ایسا سوال نہیں ہو سکتا لیکن اگر ہمارے مجیب لبیب کے نزدیک کسی نبی سے بھی ایسا واقع ہوا ہو جیسا کہ ان کے امام اول و ثانی وغیرہ سے ہوا تو اس کے جواب دہی میں ہم مخالف ناحق فیہ کے کہ اول حضرات شیعہ کی حضرت خلیفہ اول نے زمانہ خلافت خلفاء ثلثہ میں خلع کیا اور دوسرے خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بیعت کر کے کس طرح جو علی [illegible] ہر جس پر دارمدار حجت

امور ہے اپنے سے امامت کا خلع اور دوسروں کی امامت کی تسلیم ہے اگرچہ یہ خلع قبل از وقوع بیعت اہل حل وعقد ہوا لیکن آپ کے نزدیک بیعت کے وقوع اور عدم وقوع کو انعقاد خلافت میں کچھ دخل نہیں ہے بعد اس کے حضرت امام ثانی رضی اللہ عنہ نے بیعت اہل حل وعقد کے بعد اور باعتبار ظاہر استقرار خلافت کے بعد امیر معویہ کے ساتھ اس طور مصالحت کی کہ ولایت امور خلائق کی جو خدا اور رسول سے آپکو مفوض ومنصوص تھے اپنے سے جدا کی اور امیر معویہ رضی اللہ عنہ کو تسلیم فرمائی اور خدا تعالی کو اس پر گواہ کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی پس جب ائمہ میں نزع اور خلع کا وجود پایا جاتا ہے اور انبیاء میں کہیں نہیں پایا گیا تو پھر اس قسم کے جواب دینا اپنی لیاقت اور مادہ قابلیت کو ظاہر کرنا ہے اور دارو گیر ابحاث سے جان چھوڑانا جیسا کہ اس بحث میں جو کچھ جواب بعد اختتام سترالط ارشاد ہوتے ہیں سب کی کیفیت ایسی ہے کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہمارے فاضل مجیب کو ان جوابات میں راہ فرار تنگ نظر آرہا ہے اور رہائی مد نظر ہے ولیس۔ ولات حین مناص۔

قال الفاضل المجیب قولہ اور درصورت تخطیہ احدہما الآخر کس کو صواب پر سمجھا جائے گا اور کس کو خطا پر۔ اقول، یہ سوال بھی حیرت انگیز ہے جب کہ عصمت ثابت ہو جاتے اور دو یا زیادہ اشخاص معصوم ثابت ہوں ان کے آپس میں تخطیہ کے کیا معنی عصمت اور خطا یعنی چہ ہرگز آپس میں تخطیہ ممکن نہیں۔

باہم ائمہ میں ایک دوسرے کی تخطیہ کا ثبوت

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی لاریب آپ کو یہ سوال حیرت انگیز معلوم ہوتا ہوگا کیونکہ اول آپ نے خلاف عقل ونقل ائمہ کی عصمت تسلیم فرمائی بعد اس کے آپ کو اس تخطیہ کی خبر نہ ہوئی جو ایک امام نے دوسرے امام کی نسبت فرمایا اور آپ کی کتب معتبرہ میں موجود ہے پس آپ کو یہ سوال حیرت انگیز نہ معلوم ہو تو تعجب ہے جب کہ آپ کو باین ہمہ ادعائے تبحر وقوع تخطیہ کے اطلاع نہیں ہے تو لیجئے ہم ہی گذارش کرتے ہیں کہ صاحب کشف الغمہ وغیرہ امامیہ نے نقل کیا ہے کہ جب اس مصالحت کی خبر جو فیما بین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معویہ رضی اللہ عنہ واقع ہوئی تھی امام حسین رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے یہ خبر وحشت اثر سن کر یہ کلمہ ناملائم زبان مبارک سے نکالا اور فرمایا لوجز انفی بسکین کان احب الی مما فعلہ اخی۔ اب ذرا آپ اس عبارت کے مضمون میں تامل فرمائیے اور سوچئے کہ یہ عبارت کس درجہ شناعت وقباحت فعل امام حسن رضی اللہ عنہ پر دلالت کرتی ہے لفظ جز انف کے معنی خواہ حقیقی لئے جاویں یا مجازی بہ صورت پر دلالت کرتی ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا یہ فعل جناب امام حسین

رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس درجہ قبیح وشنیع تھا کہ جز انف کو اس سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ سمجھتے ہیں اور امام حسن رضی اللہ عنہ اس ہی فعل کو اصلاح سے تعبیر فرمادیں تو ظاہر ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا اس کو قبیح سمجھنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا تخطیہ صریح ہے پس ہم پوچھتے ہیں کہ عصمت اور خطا یعنی چہ علاوہ ازیں اوائل رسالہ ہذا میں گذر چکا ہے کہ ایک دفعہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی عسل سے ایک ضیف کے لئے بقدر ایک رطل کے عسل لے لیا تھا اس پر جناب امیرؓ نے اس قدر غیظ وغضب فرمایا کہ مارنے کا قصد کیا اور عذر استحقاق بیت المال کا پذیرا نہ فرمایا بلکہ تصرف قبل القسمت کو ناجائز فرمایا اور حضرت امام نے جس قدر عسل بیت المال سے لیا تھا فی الفور جناب امیر نے قسم اول بازار سے خرید کر کے اسی قدر اس میں داخل فرمایا اور ظاہر ہے کہ یہ تخطیہ ہے پس اب فرمائیے کہ عصمت اور خطا یعنی چہ۔ لیجئے آپ امکان تخطیہ کے بھی منکر تھے ہم نے آپ کو اس کا وقوع ثابت کر دیا۔ اور نیز شروع اس رسالہ میں تم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جناب امیر رضی اللہ عنہ کی نسبت تخطیہ کرنا اور کلمات مستہجن مثل جنین پردہ نشین رحم شدہ الخ فرمانا بیان کر آئے ہیں آپ کو یاد ہوگا اب مجھ کو نظر آتا ہے کہ آپ حصار ابحاث میں محصور ہو کر ملجاؤ ومامن قصہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو سمجھیں گے اور الزاماً اس کو پیش فرمائیں گے لیکن اتنا خیال رہے کہ اول اس کا تخطیہ ہونا باطل ہے علاوہ اس کا ایسی خطا ہونا جس سے انبیا معصوم ہیں غیر مسلم ہے اور بفرض محال اگر انبیاء میں تخطیہ واقع ہو بھی تو چونکہ انبیاء باتفاق فریقین معصوم ہیں اور ان کی عصمت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے تو اس لیے ان کی تاویل ضرور ہوگی بخلاف ائمہ کی کہ نہ ان کی عصمت مسلم اور نہ اس پر کوئی دلیل مثبت قائم ہے تو اس کو انبیاء کے تخطیہ پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔

قولہ: مگر ہم حسب مذاق حضرت مجیب عرض کرتے ہیں کہ بفرض محال اگر یہ امر ثابت بھی ہو تو کس طرح سمجھا جائے گا جس طرح انبیاء ایک دوسرے کا تخطیہ فرمادیں جو جواب حضرت مجیب وہاں دیں گے وہی یہاں بھی تصور فرماویں۔

اقول: ہمارے فاضل مجیب کو فرض محال کی تکلیف اٹھانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے ہم نے آپ کی ہی روایات سے وقوع تخطیہ ثابت کر دیا اب فرمائیں کہ انبیاء میں کون سا تخطیہ واقع ہوا ہے جو اس تخطیہ کے برابر ہو جس کو مشترک الجواب تصور فرما رکھا ہے۔ علاوہ ازیں اس کا دارومدار ثبوت عصمت ائمہ پر ہے اور اس کو ہم سابق میں باطل کر آئے ہیں، تو پس یہ محض بناء فاسد علی الفاسد ہوگی قطع نظر اس سے اگر اس کو تامل سے دیکھا جائے تو یہ مشترک الالزام بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ جو تخطیہ ائمہ میں واقع ہوا ہے وہ اس طرح ہے کہ امام بالفعل نے امام بالقوہ کا تخطیہ فرمایا ہے اور اگر یہ ہی صورت تخطیہ کی انبیاء میں فرض کی

جاوے تو چونکہ عصمت انبیاء قبل البعثۃ علی الخصوص صغائر سے مختلف فیہ بین اہل السنت ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ نبی بالفعل کا تخطیہ کرنا نبی بالقوہ کی نسبت صحیح ہے۔ اور جب آپ کے حکم کے بموجب ہم نے اس جواب کو آپ کی طرف سے ائمہ میں بھی تصور فرمایا تو یہ ثابت ہوا کہ جو تخطیہ ائمہ میں واقع ہوگا اس میں امام بالفعل صواب پر ہوگا اور امام بالقوہ خطا پر تو غسل کے قصہ میں جناب امیر رضی اللہ عنہ صواب پر تھے اور معاملہ صلح میں جناب امام حسن رضی اللہ عنہ صواب پر تھے۔ لیجئے بطلان عصمت کو یہاں تو خود تسلیم فرمالیا۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ اور نیز عصمت کا تحقق جمیع عمر میں ہے یا بعض میں۔ اقول۔ مذہب اہل حق یہ ہے کہ از مہد تا لحد عصمت متحقق ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ؛ چونکہ عصمت کی نسبت سابق میں بہت کچھ بحث ہوچکی ہے جو کافی ہے اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف اسی قدر گذارش ہے کہ قطع نظر اس سے کہ ابتداء غایۃ از مہد صحیح ہے یا نہیں کیونکہ شاید آپ کو معلوم نہیں ہوگا کہ اس میں بھی باہم اختلاف ہے اس لئے اس کو مذہب اہل حق فرماتے ہیں۔ بحث اثبات عصمت میں جس قدر دلائل ذکر فرمائے ہیں ان میں سے کوئی دلیل بھی عصمت از مہد پر دلالت نہیں کرتی۔ کاش اثبات کے وقت بھی یہ ہی دعویٰ ملحوظ خاطر سامی ہوتا۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ پس جب جناب مخاطب اپنی شرائط کو دلائل کے ساتھ بیان فرمائیں گے تو اس پر رد و قدح اسی صرف ہوگی۔ اقول۔ ہم نے آپ کی ہی کتب سے یہ شرائط مدلل بیان کردیں۔ اگر آپ رد و قدح اپنے علماء کے کلام و صحابہ کے اقوال پر کرسکتے ہیں تو بسم اللہ کیجئے۔ ہمارا ہر طرح فائدہ ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ، سبحان اللہ یہ ہمارے فاضل مجیب کی خرد و دانش اور مناظرہ دانی ہے کہ اپنی استدلالات کے [illegible] علماء و اقوال صحابہ پر رد و قدح سمجھتے ہیں۔ کیوں حضرت اگر آپ نے کتاب اللہ یا سنت رسول [illegible] یا اقوال صحابہ یا تحقیقات علماء سے غلط استدلال کیا اور اپنے [illegible] پر خلاف پیش کیا اور آپ کے خصم نے آپ کو آپ کی غلطی پر متنبہ کیا اور آپ کو [illegible] کہ آپ کا استدلال [illegible] غلط ہے اور ان کو آپ کے ثبوت [illegible] کچھ مساس نہیں [illegible] ثابت کردیا تو کیا اس صورت میں آپ یہ ہی فرمائیں [illegible] آپ کے خصم نے [illegible]

اسی دھمکی سے ڈرا کر اپنی استدلالات کے ابطال و رد و قدح سے باز رکھیں گے۔ قطع نظر اس سے کہ ایسی غلط اور واہی باتیں آپ کے لئے ثبوت فضل و کمال میں مضر و قادح ہیں آپ کے خصم کو ہرگز رد و قدح سے باز رکھنے والے نہیں اور نہ آپ کا خصم آپ کی ایسی باتوں پر کان رکھے گا۔ پس آپ کا اس میں کسی طرح کچھ فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے۔ چنانچہ جب ہمارے رد و قدح سے آپ کو روز سیاہ نظر آئے گا تو معلوم ہوگا کہ آپ کو کس قدر ضرر رساں ہے۔

قال الفاضل المجیب؛ قولہ سردست جناب نے دعویٰ کیا کہ مدعا بدلائل عقلیہ و نقلیہ ثابت ہے اور کوئی دلیل ذکر نہیں فرمائی تو دعویٰ بلا دلیل کے واسطے تو محض لانسلم ہی جواب ہے بلکہ لانسلم کی بھی حاجت نہیں کیونکہ دعویٰ بلا دلیل خود ہی غیر مقبول ہے۔ ان مدلل جواب کے واسطے آئندہ اپنے دلائل کے ساتھ منتظر رہیں۔ اقول۔ اگرچہ اس کے جواب میں بھی کچھ گذارش ہوتا اور کسی قدر شروع میں عرض کیا گیا ہے مگر چونکہ کوئی مطلب کی بات نہیں اس لئے صرف اسی قدر گذارش ہے کہ ہم نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کردی اب ہم حسب وعدہ منتظر ہیں۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ؛ ہم بھی اس جگہ صرف اسی قدر گذارش کافی سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایفاء عہد وفا کیا اور آپ کے استدلالات کا مدلل جواب آپ کے دلائل کے ساتھ گذارش کرکے آپ کا انتظار رفع کردیا اب ہم حسب وعدہ انصاف کے منتظر ہیں۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ معہذا مجملاً و مختصراً اس قدر گذارش ہے کہ جن شروط کی نسبت دعویٰ فرمایا ہے کہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہیں ان کے مکذب خود کلام امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ہے جس کو شریف رضی نے نہج البلاغۃ میں ذکر کیا ہے۔ وانما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان ذلک للہ رضی منخصا بقدر الحاجۃ۔ اقول۔ الحمد للہ کہ شرائط ثلثہ ان دلائل عقلیہ و نقلیہ سے جو آپ کے ہی علماء نے اپنی کتب معتبرہ دینیہ میں لکھی ہیں ثابت کی گئیں۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ؛ بحول اللہ و قوتہ شرائط ثلثہ کے ثبوت کو ان دلائل عقلیہ و نقلیہ سے جو آپ کے علماء نے اپنی کتب معتبرہ دینیہ میں لکھی ہیں بالکل زیر و زبر کرکے ہباءً منثوراً کر آئے ہیں [illegible] یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ شرائط خلاف عقل و نقل تسلیم کررکھی ہیں نہ ان کی عقل مساعد ہے [illegible] مؤید ہے۔

قولہ؛ آپ نے جو یہ تعلیہ بنایا ہے خاتم المحدثین کے کہ وہ حضرت اپنی خوش فہمی سے اس قول

جناب امیر المومنین علیہ السلام کو مکذب ان شرائط کا سمجھتے ہیں یہ قول نقل کیا ہے اسکا بھی جواب سُنیئے

اقول: شاید ہمارے مجیب لبیب کچھ ملہم یا محدث ہونے کے بھی مدعی ہیں۔ اگرچہ خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید ہمارا فخر ہے لیکن معلوم نہیں اس جگہ ہمارے مجیب کس دلیل سے تقلید سمجھے۔ آپ کی عادت ہو گئی ہے کہ ہر گاہ کسی نے کوئی دلیل پیش کی خیال کر لیا کہ تحفہ سے نقل کی ہو گی گو آپ کی کتابیں بدقت میسر آتی ہیں لیکن خداوند تعالیٰ کے فضل سے بعض کتابیں اس عاجز کو میسر آگئی ہیں منجملہ ان کے منہج البلاغۃ اور اس کی شروح ہیں۔ پس ہم نے جو کچھ عرض کیا تھا تحفہ سے نقل نہیں کیا تھا بلکہ نہج البلاغۃ سے ملخصاً عرض کیا تھا باقی رہا خوش فہمی سو اس بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ آپ کے ان اکابر کی خوش فہمی ہے جنھوں نے اس کلام کو دلیل الزامی قرار دیا ہے یا خاتم المحدثین کی خوش فہمی ہے کہ انھوں نے اس کو دلیل تحقیقی ٹھہرایا ہے۔

قولہ: اول ہم اس روایت کو جس کی تلخیص آپ نے فرمائی ہے تحفہ سے نقل کرتے ہیں آپ کے خاتم المحدثین تحفہ میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔ منہا ما رواہ الرضی فی نہج البلاغۃ عن امیر المومنین فی کتاب کتبہ الی معاویۃ وھو اما بعد فان بیعتی یا معاویۃ لزمتک وانت بالشام فانہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان ذلک للہ رضی فان خرج منہم خارج بطعن او بدعۃ ردوہ الی ما خرج منہ فان ابیٰ قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المومنین وولاہ اللہ ما تولی واصلاہ جہنم وساءت مصیرا انتہی۔ اب اس کا جواب سنیئے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے خلیفہ اول کی بیعت بعد انعقاد خلافت نہیں کی بلکہ اس کے برہم کرنے کی تدبیریں فرماتے رہے چنانچہ ازالۃ الخفا کی عبارت جو قصہ احراق بیت جناب سیدہ علیہا السلام میں نقل ہوئی ہے اس پر شاہد ہے اور بعد میں جو بیعت فرمائی وہ بھی بخوشی نہیں کی چنانچہ بروایت بخاری بلکہ صحیحین تا شش ماہ وحیات جناب سیدہ بیعت نہیں کی اور اس روایت میں یہ الفاظ ہیں وکان لعلی من الناس وجہ حیات فاطمۃ فلما توفیت استنکر علی وجوہ الناس فالتمس مصالحۃ ابی بکر ومبایعتہ۔ پس اگر اس خط سے جو جناب امیرؑ نے معاویہ کی طرف تحریر فرمایا ہے خلیفہ اول کی صحت خلافت ثابت ہو اور جناب امیر علیہ السلام اس کے معتقد ہوں تو لازم آئے کہ معاذ اللہ جناب امیر علیہ السلام خلیفہ برحق و امام مطلق سے تا شش ماہ منحرف رہے ہوں اور ایسے

برحق خلیفہ کی خلافت و امامت برہم کرنے کے لیے مشورہ کرتے رہے ہوں حالانکہ کتاب اللہ میں یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ وحدیث رسول اللہ میں من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ موجود ہے اور جناب امیر علیہ السلام کی شان اس سے ارفع ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ خطبہ بطور الزام معاویہ کو تحریر فرمایا ہے۔ چونکہ معویہ خلفاء سابق کو برحق خلیفہ جانتا تھا اور ان کا ہی حاکم کردہ تھا اس لیے جناب امیر نے اس پر حجت ختم فرمائی چنانچہ اس خطبہ کے یہ الفاظ انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوھم۔ اس پر صاف دلالت کرتے ہیں اگر یہ امر تحقیقی ہوتا تو اس کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی اور خصوصاً وہ فقرہ جو آپ کے خاتم المحدثین اپنی تبحر علمی سے اصل سمجھ گئے یعنی لزمتک وانت بالشام۔ الزامی تحریر پر دال ہے کیونکہ یہ داب تحریر نہیں ہے کہ اپنی مسلمات کو بیان کر کے خصم پر کوئی بات لازم کریں۔

بحث نفیس

خطبہ منہج البلاغۃ انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر الخ کی دلیل تحقیقی یا الزامی ہونے کی بابت جس سے تکذیب شرائط ثلثہ بلکہ ابطال مذہب تشیع حاصل ہے

اقول: ہم نے تبرعاً اجمالی طور پر جناب امیر کا والا نامہ جو بنام امیر شام تحریر فرمایا ملخصاً بصراحت تکذیب شرائط ثلثہ کے لیے اور فی الحقیقت استیصال اصول و فروع مذہب تشیع کی غرض سے گذارش خدمت کیا تھا بجواب اس کے جناب نے اس کے تحقیقی ہونے سے تو انکار کیا اور الزامی ہونا اس کا تسلیم فرمایا گویا اس امر کو تسلیم کر لیا کہ اگر یہ کلام جناب امیر رضی اللہ عنہ سے بہ تحقیق کے صادر ہوئی ہو تو شرائط ثلثہ بلکہ تمام اصول و فروع مذہب شیعہ کے باطل اور برباد و شکستہ اور ریخ ہباءً منثوراً ہوں گے ع بس یک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا۔ اب ہم پر لازم ہے کہ اس خط کے الزامی ہونے کا بطلان اظہر من الشمس و ابین من الامس کر کے دکھلا دیں اور ثابت کر دیں کہ یہ خطبہ الزامی طور پر تحریر نہیں ہوا بلکہ واقعی و تحقیقی طور پر جناب نے تحریر فرمایا ہے پس واضح ہو کہ جب ہم ان خطبوں کے جملوں میں اور ان کے مضامین میں غور و تامل کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام خطبہ میں اول سے آخر تک کوئی حرف ایسا نہیں پاتے ہیں جو اس کے الزامی ہونے پر دلالت کرتا ہو اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول تمام خط کی نقل شرح ابن میثم بحرانی

سے کی جاوے اور بعد اس کے اس کے جملوں سے ثابت کیا جائے کہ یہ الزام نہیں بلکہ تحقیق ہے اس خطبہ کی شرح میں جس کا شروع یہ ہے۔

ومن كلام له عليه السلام وقد اشار اليه اصحابه بالاستعداد لحرب اهل الشام بعد ارساله الى معوية جرير بن عبد الله۔

یہ آپ کے اس کلام میں سے ہے جب کہ آپ کے اصحاب نے اہل شام کی لڑائی کے لئے مستعد ہونے کا مشورہ جریر بن عبداللہ کو معویہ کی طرف بھیجنے کے بعد دیا

شارح ابن میثم تحریر فرماتا ہے۔

ثم كتب معه اما بعد فان بيعتى بالمدينة لزمتك و انت بالشام لانه بايعنى القوم الذين بايعوا ابا بكر وعمر وعثمان على ما بايعوهم عليه فلم يكن للشاهد ان يختار ولا للغائب ان يرد و[illegible]نما الشورى للمهاجرين والانصار اذا اجتمعوا على رجل فسموه ا[illegible]ما كان ذلك لله رضى فان خرج من [illegible]هم خارج بطعن او رغبة ردوه الى [illegible] خرج منه فان ابى قاتلوه [illegible] اتباعه غير سبيل المومنين وولاه الله ما تولى [illegible] جهنم و [illegible] مصيرا وان طلحة والزبير بايعانى ثم نقضا [illegible] وكان نقضهما كردتهما فجاهدتهما [illegible] [illegible]

پھر اس کے ساتھ لکھ کر بھیجا بعد حمد و صلوٰۃ کے۔ میری بیعت مدینہ میں تجھ پر لازم ہوگئی باوجودیکہ تو شام میں ہے کیونکہ مجھ سے ان لوگوں نے اس امر پر بیعت کی ہے جنھوں نے [illegible] امر پر ابوبکر و عمر و عثمان سے بیعت کی تھی تو اب [illegible] حاضر کو کچھ اختیار [illegible] اور نہ غائب رد کر سکتا ہے مشورہ صرف مہاجرین اور انصار کا ہے جب وہ کسی شخص پر مجتمع ہو جاویں اور امام بنالیں وہ اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے پھر اگر کوئی نکلے [illegible] میں طعن یا اس سے اعتراض کر کے نکلے اس کو اس جگہ جہاں سے نکلا ہے لوٹا دو اور اگر [illegible] تو اس سے مومنین کے رستہ کے سوا پیروی کرنے [illegible] [illegible]

[illegible] هو على كتاب الله فاما تلك التى تريدها فخدعة الصبى عن اللبن ولعمرى وان نظرت بعقلك دون هواك لتجدنى ابرء قريش من دم عثمان. واعلم انك من الطلقاء الذين لا يحل لهم الخلافة ولا يتعرض فيهم الشورى وقد ارسلت جرير بن عبد الله وهو من اهل الايمان والهجرة فبايع ولا قوة الا بالله. انتهى

امانت چاہوں گا اور تو بقیہ عثمان کے قاتلوں میں بہت گفتگو کی تو جس میں لوگ داخل ہوتے ہیں تو بھی داخل ہو۔ پھر قوم سے میری طرف محاکمہ کر میں تجھ کو اور ان کو کتاب اللہ پر اٹھاؤں گا اور یہ جو تو چاہتا ہے تو یہ بچے کو فریب دینا ہے اور میری زندگانی کی قسم اگر تو اپنے بدون ہوائے نفسانی کے نظر کرے گا تو مجھ کو قریش میں عثمان کے خون سے سب سے زیادہ بری پائے گا اور جان لو کہ تو طلقائین سے ہے جن کے لئے نہ خلافت کا زیور حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ان کو کچھ مشورے سے تعرض ہے اور میں نے تیری طرف جریر بن عبداللہ کو بھیجا ہے اور وہ اہل ایمان اور ہجرت سے ہے پس تو بیعت کرلے ولا قوۃ الا باللہ۔

عاقل منصف اول اس تمام خط کی عبارت کو اجمالی نظر سے دیکھے کوئی جملہ یا کوئی حرف وغیرہ اس خط کے الزامی ہونے پر دلالت کرتا ہے ہرگز نہیں تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ یہ خط الزامی نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خبر فی الحقیقت حکایت ہوتی ہے اور اس کا محکی عنہ یا تو حال واقع ہوتا ہے یا اعتقاد متکلم بلکہ اعتقاد متکلم کا محکی عنہ ہونا بھی اسی وجہ سے معتبر ہے کہ متکلم اپنے اعتقاد کو مطابق واقع کے سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ صدق و کذب کا مدار جمہور کے نزدیک تطابق اور عدم تطابق واقع پر ہوتا ہے پس جب کوئی متکلم کسی خبر کے ساتھ تکلم کرے گا تو سامع بمجرد استماع خبر کے یہ سمجھے گا کہ متکلم نے حال واقع یا اپنے اعتقاد کی حکایت کی اور اس قدر سمجھنے میں کسی قرینہ حالیہ یا مقالیہ کا محتاج نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ تبادر الی الفہم دلیل حقیقت کی ہے۔ لفظ موضوع کے اطلاق کے بعد جو معنی کہ بلا احتیاج قرینہ منساق الی الفہم ہوں گے اس کو حقیقی سمجھا جائے گا اور جو معنی کہ کسی قرینہ سے سمجھے جاویں گے اور محتاج سمجھنے میں قرینہ کی طرف ہوں گے اس کو حقیقت نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کو مجاز کہیں گے تو اب اگر اس خط کے مضمون کو تحقیقی سمجھا جائے گا تو تمام عبارت اپنے معنی حقیقی پر محمول ہوگی اور بسبب تبادر الی الفہم ہونے کے کسی قرینہ کی محتاج نہ ہوگی اور سمجھا جائے گا کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ حال واقع کی حکایت فرماتے ہیں اور اگر اس کو الزامی سمجھا جائے [illegible] تصور کیا جاوے کہ حضرت [illegible] کی حکایت [illegible] معتقدات مخاصم کے فرماتے ہیں تو یہ عبارت اپنے حقیقی معنی پر محمول نہ ہوگی [illegible] کی محتاج قرینہ کی طرف ہوگی [illegible] اگر کوئی قرینہ [illegible] گا تو [illegible] حقیقت سے [illegible] معنی پر محمول ہوگی ورنہ نہیں [illegible] ہر ایک جملہ کے [illegible]

الزامی ہونا سمجھا جائے یا نہیں اور واضح رہے کہ قرینہ خارجیہ جو کلام کو معنی حقیقی پر محمول ہونے سے مانع ہو
وہ ہوتا ہے جو عام طور پر متبادر الی الفہم ہو اور ہر شخص اس سے سمجھ سکے کہ یہ کلام مصروف عن الظاہر ہے
اور ما نحن فیہ میں ایسا قرینہ مفقود ہے اور جس کی نسبت ادعا ہے وہ بلا دلیل ہے اور غیر مسلم اول جملہ لانہ بایعنی
القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوھم علیہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جملہ حال واقع
کی حکایت ہے اور اپنے محکی عنہ کے مطابق ہے اور یہ اخبار باعتبار واقع کے صحیح ہے کیونکہ جن لوگوں نے
خلفائے ثلثہ سے بیعت کی تھی اور اہل حل وعقد تھے انہوں ہی نے حضرت سے بھی بیعت کی۔ دوسرا جملہ
فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد ہے اس جملہ میں کوئی قرینہ دلالت نہیں کرتا کہ برخلاف
واقع کے صرف مخاطب کے اعتقاد پر مدار کلام ہے اور اس کے معنی فاذا عندکم لیس للشاھد ان
یختار الخ ہیں اور جب کوئی قرینہ موجود نہیں تو یہ جملہ اس معنی خلاف متبادر وظاہر پر محمول نہ ہوگا بلکہ
اپنے معنی حقیقی پر جو متبادر الی الفہم عند عدم القرینہ ہوتا ہے محمول ہوگا اور وہ یہ کہ بیعت اہل حل وعقد کی
صورت میں باعتبار واقع ونفس الامر کے نہ شاہد اختیار کر سکتا ہے نہ غائب رد کر سکتا ہے جب بیعت اہل حل
وعقد کی واقع ہوگئی تو پھر کسی کو چون وچرا کی گنجائش نہ رہی تیسرا جملہ وانما الشوری للمھاجرین
والانصار ہے اس جملہ میں بھی کوئی قرینہ نہیں جو اس کے الزامی ہونے پر دلالت کرے بلکہ اگر اس عبارت میں
تامل کیا جاوے تو صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد تحقیق ہے اور الزام نہیں کیونکہ لفظ انما مفید حصر کو
ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ شوریٰ صرف مہاجرین وانصار ہی میں منحصر ہے اور کسی دوسرے کو اس میں دخل
نہیں تو گویا ضمناً اس جگہ یہ ثابت کیا کہ مخاطب کو جو طلقاء میں سے ہے شوریٰ میں بھی کچھ دخل نہیں تو خلافت
کا مستحق کیوں کر ہو سکتا ہے اور اس حصر کے بموجب یہ فقرہ اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کہ اس کو تحقیق
پر محمول کیا جاوے اور اگر اس کو الزام پر حمل کیا جاوے تو باطل ہے کیونکہ امیر معویہؓ اس امر کے قائل نہیں کہ
شوریٰ منحصر مہاجرین وانصار میں ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک شوریٰ میں تمام مسلمین کو دخل ہے چنانچہ اس خط
کے جواب میں جو خط امیر شام نے جناب امیر کی خدمت میں بھیجا ہے اس سے ظاہر ہے اور اس خط کو ہم
آئندہ نقل کریں گے۔ اس جگہ کچھ بے موقع نہیں ہے اگر ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں شارح ابن میثم کی عبارت
جو اس جملہ کی شرح میں لکھی ہے نقل کریں اہل انصاف وفہم اس عبارت سے بخوبی سمجھیں گے کہ یہ عبارت بلکہ تمام
خط تحقیقی ہے یا الزامی۔

یعنی یہ عبارت تو حصر الشوری ... و اجماع ... مشورہ اور جمع کو مہاجرین اور انصار میں حصر
فی المہاجرین والانصار ... فرمایا کیونکہ وہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ... ہیں

والعقد من امۃ محمد فاذا اتفقت کلمتھم علی حکم من الاحکام کاجتماعھم علی بیعتہ وتسمیتہ اماماً کان ذلک اجماعاً حقاً انتھی بقدر الحاجۃ۔

وعقد ہیں پس وہ جب احکام میں سے کسی حکم پر متفق ہو جائیں جیسا کہ جناب امیر کی بیعت پر اور آپ کا امام نام رکھنے پر اکٹھے ہوتے تو یہ اجماع واتفاق حق ہوگا۔

چوتھا جملہ فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماماً کان ذلک للہ رضی ہے اس میں بھی
کوئی قرینہ نہیں جس سے سمجھا جاوے کہ مراد فی الواقع نہیں بلکہ عند المخاطب ہے اور صارف عن الحقیقۃ ہو تو
اس عبارت کا خلاف واقع اور کذب پر محمول کرنا بلا قرینہ کیونکر جائز سمجھا جائے گا کیونکہ بلا ضرورت مصیر
الی المجاز جائز نہیں تو بس یہ عبارت محمول اپنے معنی حقیقی پر ہوگی اور حاصل معنی یہ ہوگا کہ اگر لوگ یعنی
اہل حل وعقد مجتمع ہو کر کسی شخص کو امام بنا دیں تو وہ شخص فی الواقع عند اللہ امام ہو جائے گا اور اس کی
امامت خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوگی۔ پانچواں جملہ فان خرج منھم خارج بطعن او بدعۃ
ردوہ الی ما خرج منہ ہے اس جملہ میں بھی کوئی حرف نہیں جو صارف عن الحقیقۃ ہو اور الزام ہونے پر
دلالت کرے تو اپنے معنی حقیقی پر محمول ہوگا اور نسبتہ مطابق واقع نفس الامر کے منصور ہوگی۔ چھٹا
جملہ فان ابی قاتلوہ اتباعہ غیر سبیل المومنین وولاہ اللہ ما تولی ویصلیہ جھنم و
ساءت مصیرا ہے۔ اس عبارت میں بھی کوئی لفظ نہیں جو اس کے الزام ہونے پر دلالت کرے بلکہ
یہ عبارت بصراحۃ اس امر پر دال ہے کہ مراد تحقیق ہے نہ الزام کیونکہ یہ عبارت بطور اقتباس کے کلام اللہ
سے ارشاد ہوئی ہے اور اس آیت شریفہ کی طرف مشیر ہے جو سورہ نساء میں ہے ومن یشاقق
الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ
جھنم وساءت مصیرا۔ اور اس آیت سے استدلال فرما کر امیر معویہؓ کو متنبہ کیا کہ یہ استدلال
گویا نص قرآنی کے ساتھ استدلال ہے اور اس میں گنجائش شک وشبہ کی نہیں ہے کیونکہ جس دلیل
کا مبنیٰ علاوہ اجماع کے نص قطعی پر ہو اس میں شک وشبہ کو دخل نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ اتباع
غیر سبیل کی مذمت حق تعالیٰ شانہ نے بطور الزام نہیں فرمائی بلکہ بسبیل تحقیق فرمائی ہے اور اس آیت
شریفہ سے کسی کو الزام نہیں دیا بلکہ واقع اور نفس الامر کے اعتبار سے فرمایا ہے پس جناب امیر نے اسی آیت
شریفہ کو اسی قسم کے اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش فرمایا تو کیونکر ممکن ہے کہ اس کو الزام پر محمول کیا جائے کیونکہ
اگر اس کو الزام پر محمول کیا جاوے تو یہ ثابت ہوگا کہ جناب امیر اس آیت شریفہ کے مضمون کے منکر تھے
حالانکہ یہ بداہتہ غلط ہے پس اس جملہ سے مثل بدیہی امر کے واضح ہوگیا کہ یہ کلام تمام تحقیق واقع پر مبنی ہے
اور حضرات علمائے شیعہ کی خوش فہمی ہے کہ اس کلام کو الزام پر محمول کر کے اس کے معنوی تحریف فرماتے ہیں

اور نہ کریں تو کیا کریں صریح دیکھتے ہیں کہ مذہب تشیع کی بیخ و بنیاد اکھڑی جاتی ہے اس لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں تو اس تمام عبارت میں باوجود اس قدر بسط و تطویل کے با این ہمہ عقل و فراست و دانش و کیاست ایک حرف بھی ایسا تحریر نہ فرمایا جو اس کلام کے الزامی ہونے پر دلالت کرتا حالانکہ بدون قرینہ کے ہرگز الزام پر حمل نہیں کی جا سکتی بلکہ جس قدر بسط کیا اور جس قدر جملے بڑھائے ان سے اس امر کا ثبوت قوی ہو گیا کہ اس عبارت کی بنا تحقیق پر ہے الزام ہرگز ممکن نہیں۔ پس اگر اب بھی اس کو الزام ہی پر محمول کیا جاوے تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ معاذ اللہ حضرت امیر کو عبارت نویسی کا کچھ بھی سلیقہ نہیں تھا اور آپ کو یہ بھی خبر نہیں تھی کہ کس مضمون کے لئے قرینہ کی احتیاج ہے اور کون سے معنی قرینہ سے مستغنی ہیں علاوہ اس کے جو عبارت کہ اس کے بعد اس خط کی شارح نے بڑھائی جس کو حضرت رضی صاحب نے ساقط کر دی ہے جس کو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں وہ بھی دلالت کرتی ہے کہ مقصود الزام نہیں وہ جملے یہ ہیں وان طلحة والزبير بايعاني ثم نقضا بيعتي فكان نقضهما كردتهما فجاهدتهما جب حقیت خلافت دلیل اجماعی و نصی سے ثابت فرما چکے اس کی بنا پر فرماتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر نے بیعت خلافت جو دلائل حقہ سے ثابت تھی توڑی اور یہ نقض مثل ردت کے ہے کیونکہ گویا انکار نص کا ہے اس لئے میں نے ان سے جہاد کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ سابق میں جو کچھ فرمایا تھا وہ تحقیق تھا الزام نہیں تھا اس کے بعد فرماتے ہیں فادخل فيما دخل فيه المسلمون فان احب الامور الي فيك العافية پھر مکرر امیر معویہ کو اتباع سبیل المومنین کی تاکید فرماتے ہیں کہ جس امر میں مسلمان داخل ہوئے تو بھی داخل ہو کیونکہ وہی حق ہے اور اس میں عافیت ہے اور مجھ کو پسندیدہ وہی امر ہے کہ جس میں عافیت ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس کو مسلمان اختیار کریں وہ حق ہوگا اور اس میں عافیت دارین منصور ہوگی تو وہ امر جس کو کبرائے اہل اسلام نے کیا اور اہل حل و عقد نے منعقد کیا وہ کیونکر حق نہ ہوگا۔ پس اس عبارت نے بالبداہت ثابت کر دیا کہ تمام دلیل سابق تحقیق ہے الزامی نہیں اس کے بعد آخر خط میں تحریر فرماتے ہیں واعلم انك من الطلقاء الذين لا تحل لهم الخلافة ولا تعرض لهم الشورى اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ یہ الزام نہیں بلکہ تحقیق ہے کہ باعتبار واقع و نفس الامر کے خلافت و شوری میں طلقاء کو کچھ دخل نہیں صرف یہی سوائے طلقاء کے اور لوگوں میں سے اور اہل شوری بھی سوائے طلقاء دوسرے آدمی ہیں تو اس سے سمجھا گیا کہ شوری حق ہے پس اس سے بہی شہادت کا مضمون سمجھ لیجئے گا اب اس کے بعد گذارش ہے کہ جو جواب اس خط کا امیر معویہ نے تحریر کیا اور جو کچھ اس کا جواب جواب جناب امیر نے تحریر فرمایا ہم اس کو شرح سے

نقل کرتے ہیں آپ ان کو ملاحظہ فرماویں اور دیکھیں کہ وہ خط بدیہی طور پر ثابت کر رہے ہیں کہ ان تحریرات کا مدار الزام پر نہیں اور یہ دلائل باب مجارات الخصم سے ہرگز نہیں بلکہ یہ واقع اور تحقیق نفس الامر ہے۔

فاجابه معوية اما بعد فلعمري لو بايعك القوم الذين بايعوك وانت بريء من دم عثمان كنت كابي بكر وعمر وعثمان ولكنك اغريت بعثمان وخذلت عنه الانصار فاطاعك الجاهل وقوي بك الضعيف وقد ابى اهل الشام الا قتالك حتى تدفع اليهم قتلة عثمان فان فعلت كانت شورى بين المسلمين ولعمري ما حجتك علي كحجتك على طلحة والزبير لانهما بايعاك ولم ابايعك وما حجتك على اهل الشام كحجتك على اهل البصرة لانهم اطاعوك ولم يطعك اهل الشام فاما شرفك في الاسلام وقرابتك من النبي صلى الله عليه وسلم وموضعك من قريش فلست ادفعه ثم كتب في آخر الكتاب قصيدة كعب بن جعيل۔

پس معاویہ نے اس کا جواب لکھا۔ اما بعد مجھ سے جنھوں نے بیعت کی ہے اگر وہ تجھ سے بیعت کرتے اور عثمان کے خون سے بری ہوتا تو تو بھی مثل ابوبکر و عمر و عثمان کے ہوتا لیکن تو نے عثمان پر فتنہ [illegible] اور اس سے مددگاروں کو جدا کر دیا تو جاہل نے تیری [illegible] ضعیف بسبب تیرے قوی ہو گیا اور اہل شام نے [illegible] قتال کے انکار کیا یہاں تک کہ تو عثمان کے قاتل [illegible] پھر اگر تو نے ایسا کیا تو خلافت بطور مشورہ [illegible] میں ہوگی اور میری زندگی کی قسم جیسی تیری حجت [illegible] ہے مجھ پر نہیں کیونکہ انھوں نے تجھ سے بیعت [illegible] میں نے بیعت نہیں کی اور جیسی تیری حجت بصرہ [illegible] اہل شام پر نہیں کیونکہ انھوں نے تیری اطاعت کی [illegible] نے تیری اطاعت نہیں کی اور لیکن تیری بزرگی [illegible] قرابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تیرا مرتبہ قریش سے [illegible] اس کو نہیں مٹاتا اور خط کے آخر میں کعب [illegible] قصیدہ لکھا۔

اور بعض روایات سے اس خط کے [illegible] اس طرح معلوم ہوتے ہیں۔

من معوية بن ابي سفيان الى علي بن ابي طالب اما بعد فلو كنت على ما كان عليه ابوبكر وعمر وعثمان ما قاتلتك ولا استحللت ذلك ولكنه انما افسد عليك معنى خصيتك في عثمان [illegible] كان اهل الحجاز الحكام على الناس حين كان الحق فيهم فلما تركوه صار [illegible] الحكام على اهل الحجاز وغيرهم من الناس

معویہ کی طرف سے [illegible] ابی طالب کی طرف اما بعد اگر تو اس [illegible] ابوبکر و عمر و عثمان تھے تو میں تجھ سے [illegible] تیرے قتل حلال جانتا لیکن صرف عثمان کے [illegible] تیری خطا نے میری بیعت کو تجھ سے [illegible] لوگوں پر حاکم تھے وقت تک کہ حق [illegible] اور جب انھوں نے حق چھوڑ دیا تو [illegible] پر حاکم ہو گئے

ولعمری ماحجتك علی اهل الشام الخ — اور میری حیات کی قسم تیری حجت اہل شام پر ایسی نہیں جیسی اہل العراق پر ہے۔

اب اس خط کے مضمون میں اہل انصاف و دانش تامل فرمادیں اگر جناب امیر کا خط الزام ہو تو بالکل مہمل اور بے معنی ہوا جاتا ہے کیونکہ امیر معویہ کے خط سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جب خلیفہ خلافت لائق نہ ہو اور مہمات خلافت کو سر انجام نہ کر سکے تو بیعت اہل حل وعقد سے وہ شخص خلیفہ نہیں ہو سکتا ہے تو جب اس کا یہ مذہب ہے تو اس کو یہ الزام دینا کہ ہماری خلافت ثابت ہے کیونکہ ہم سے اہل حل وعقد نے بیعت کی ہے اور جس سے اہل حل وعقد نے بیعت کی وہ خلیفہ ہے بالکل پوچ اور لغو ہوگا۔ اس لیے کہ معویہ رضی اللہ عنہ بیعت اہل حل وعقد کو بدون وجود صلاحیت کے بالکل لغو اور فضول سمجھتا ہے بلکہ اس پوچ الزام پر بسط کلامی اور تطویل اور بھی زیادہ بے ہودہ ہے چنانچہ اہل ذوق صحیح اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور صاحب تحفہ علیہ الرحمۃ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کے بعد اس خط کا جو کچھ جواب جناب امیرؓ نے تحریر فرمایا اور اس کو آپ کے حضرت رضی نے نہج البلاغۃ میں نقل کیا ہے لیکن اپنی عادت شریفہ کے موافق حضرت رضی نے اس میں کمی و بیشی فرمائی اور سبب اس کا آپ جانتے ہی ہیں کہ حضرت رضی جناب امیر کے خطوط میں ایسا تصرف کیوں فرماتے ہیں اور کس واسطے ان کی تحریف کرتے ہیں اس لیے ہم اصل خط شرح ابن میثم سے نقل کرتے ہیں اور بعد اس کے شارح نے جو کچھ تحریف کی نسبت لکھا ہے نقل کریں گے۔

فکتب جوابه من عبد الله علی امیر المومنین الی معویة بن صخر اما بعد فانه اتانی کتابك کتاب امرئ لیس له بصر یهدیه ولا قائد یرشده قد دعاه الهوی فاجابه وقاده الضلال فاتبعه فهجر لاغطا وضل خابطا ان قال زعمت انما افسد علی بیعتك و کنت امرئ من المهاجرین اوردت کما اوردوا واصدرت کما اصدروا وما کان الله لیجمعهم علی ضلال ولا یضربهم بالعمی [illegible] بما ضربت بین اهل الشام واهل البصرة و بینك و بین طلحة و الزبیر فلعمری ما [illegible] فی ذلك [illegible] واحدة لان بیعة

جناب امیر نے اس کا جواب لکھا اللہ کے بندہ امیر المومنین علی کی طرف سے معویہ بن صخر کی طرف اما بعد میرے پاس تیرا خط ایسے شخص کا خط تھا کہ نہ اس کی بینائی تھی جو راہ دکھا دے اور نہ کھینچنے والا تھا جو سیدھا رستہ بتا دے خواہش نفسانی نے اس کو بلایا اس نے اس کی اجابت کی اور گمراہی نے اس کو کھینچا تو اس نے اس کا اتباع کیا پس بیہودہ بکواس کی اور خبط میں گمراہ ہوا یہاں تک کہ [illegible] تو نے گمان کیا کہ تیری بیعت کو میرے ساتھ بگاڑ دیا میں بھی ایک شخص مہاجرین میں سے ہوں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

واحدة لا یثنی فیها النظر ولا یستانف فیها الخیار الخارج منها طاعن والمروی فیها مداهن۔

صرف ایک حکم ہے کیونکہ ایک بیعت ہے نہ اس میں مکرر نظر ہو سکتی ہے اور نہ نئے سر سے اختیار ہو سکتا ہے اس میں سے نکلنے والا طعن کرنیوالا ہے اور اس میں توقف کرنیوالا مداہن ہے۔

اس خط سے جیسی کچھ خرابی و مصیبت مذہب تشیع پر واقع ہوئی ہے بے پایاں اور خارج از بیان ہے اور جو کچھ فوائد و منافع اس سے حاصل ہوتے ہیں ان کا حصر و احاطہ خارج از حیطہ امکان ہے لہذا بخوف اطناب حوالہ اذہان صافیہ اولوا الابصار و البصائر کر کے صرف اس مبحث کے متعلق اس قدر بیان کرتے ہیں کہ یہ خط صریح دلیل ہے کہ جو کچھ مضامین پہلے خط میں مرقوم تھے جن کی نسبت الزامی ہونے کا دعویٰ کیا گیا تھا وہ سب تحقیقی تھے اور الزامی ہونا ان کا بالکل باطل ہے پس واضح ہو کہ جناب امیرؓ نے اپنے پہلے خط میں جس میں بحث واقع ہو رہی ہے جو کچھ تحریر فرمایا تھا امیر معویہ نے اس کے جواب میں اس کے مضامین میں سے دو امر کی تردید کی اور ایک امر کو کنایۃً غیر مسلم رکھا اور باقی امور کو تسلیم کیا جناب امیرؓ نے دلیل اول یہ تحریر فرمائی تھی کہ میری خلافت اہل حل وعقد کی بیعت سے کہ جن کی بیعت سے ابوبکرؓ وعمرؓ و عثمانؓ کی بھی خلافت ثابت ہوئی تھی واقع ہوئی چونکہ اس خلافت کی حقیقت جو بیعت اہل حل وعقد سے واقع ہو عند اللہ و عند المومنین واقعی اور نفس الامری ہے اس لیے اس میں نہ حاضر کو بدل سدل کا اختیار ہے نہ غائب کو رد کی گنجائش اور اہل شوریٰ صرف مہاجرین و انصار ہیں جس کو وہ امام بنائیں اور جس پر وہ کھڑے ہو جائیں وہی خدا کے نزدیک بھی پسندیدہ ہوگا۔ امیر معاویہ نے اس کے جواب میں اس امر کو تو تسلیم کیا کہ بے شک آپ سے اہل حل وعقد نے بیعت کی ہے اور وجوہ مہاجرین و انصار نے جنھوں نے خلفاء ثلثہ سے بھی بیعت کی انھوں ہی نے آپ کو بھی خلیفہ بنایا گویا امیر معویہ نے قیاس کے صغریٰ کو تسلیم کیا لیکن کبریٰ قیاس کو نہ مانا اور اس کی کلیت کو باطل کیا اور کہا کہ یہ غلط ہے کہ جس شخص سے مہاجرین و انصار بیعت کر لیں وہ امام برحق ہے بلکہ اگر وہ شخص جس سے اہل حل وعقد بیعت کریں صلاحیت خلافت نہ رکھتا ہو تو وہ بیعت اہل حل وعقد سے خلیفہ نہیں ہو سکتا اور آپ خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ مہمات خلافت کا سر انجام نہیں کر سکتے اور قوی سے ضعیف کا حق نہیں دلا سکتے بلکہ امام برحق کے خون میں شریک ہوئے کہ ان کی مدد نہ کی یہاں تک کہ بغاۃ نے ان کو شہید کر ڈالا پس اگر تم میں صلاحیت خلافت ہوتی اور جیسے صالح خلافت ابوبکر و عمر و عثمان تھے ایسے ہی تم بھی ہوتے تو بیعت اہل حل وعقد تم کو بھی مفید اور باعث انعقاد خلافت ہوتی اور جب تم مثل خلفاء سابقین کے صالح خلافت نہیں تو تم کو بیعت اہل حل وعقد کچھ مفید نہیں اور نہ ان کی بیعت سے تمہاری خلافت بسبب عدم صلاحیت کے منعقد ہو سکتی ہے اگر تم مثل ابوبکر و عمر و عثمان

کے ہوتے تو میں تمہارے ساتھ ہرگز قتال نہ کرتا اور جب تم جور پیشہ ہو گئے تو اب خلافت تم میں سے نکل گئی اس کے جواب میں جو کچھ جناب امیرؓ نے تحریر فرمایا وہ قابل دیکھنے کے ہے حضرات شیعہ خصوصاً ہمارے مجیب لبیب بغور ملاحظہ فرمائیں حاصل جواب یہ ہے کہ تیری کتاب پہنچی ایسے شخص کی کتاب کہ اس کے لئے نہ عقل ہادی نہ کوئی قائد رہنما ہے ہوا کا مطیع ضلال کا متبع ہو کر بے ہودہ گوئی کی اور خبط کے ساتھ ہاتھ پاؤں مارے۔ جو معاملہ شہادت عثمان میں ذکر کیا اور سقوط صلاحیت خلافت اور فساد بیعت کا سبب سمجھا اور فارق میرے اور خلفائے ثلثہ کے درمیان خیال کیا سو بالکل بے عقلی اور ضلال اور بیہودہ گوئی اور خبط ہے کیونکہ میں بھی مہاجرین میں سے ایک شخص ہوں جیسے وہ وارد ہوئے ہیں میں بھی وارد ہوا اور جیسے وہ صادر ہوئے میں بھی صادر ہوا اور خدا تعالیٰ ان کو یعنی مہاجرین کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور سب کو اندھے پن میں مبتلا نہیں فرمائے گا حاصل یہ کہ بموجب اعتراض کے اگر میں صالح للخلافت نہ ہوں اور بدون میری صلاحیت کے اہل حل وعقد نے میرے ساتھ بیعت خلافت کی ہو تو سب اہل حل وعقد وجوہ مہاجرین وا عیان انصار گمراہی پر ہوں کہ غیر صالح للخلافت کو خلیفہ بنا دیا اور مہاجرین وانصار کا گمراہی پر مجتمع ہونا محال ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ہرگز ان کو گمراہی پر مجتمع نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو حق سے نابینا کرے گا تو اس سے ثابت ہوا کہ جب وجوہ مہاجرین وانصار نے میرے ساتھ بیعت کی تو میں صالح للخلافت ہوں ورنہ لازم آوے کہ تمام مہاجرین وانصار گمراہی پر مجتمع ہوں اور یہ محال ہے اور ثبوت اس استحالہ کا کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ سے ہے اب اس خط کی عبارت میں بالفعل مطلب اس خط کے عاقل منصف تامل فرماویں اور سوچیں کہ آیا اس سے مقصود قطع نظر قرینہ اور عدم قرینہ کے الزام ہے یا تحقیق۔ اس خط کی عبارت نے مثل روز روشن روشن کر دیا کہ پہلے خط میں جس قدر مضمون شوریٰ کے متعلق تھا وہ سب تحقیقی تھا ہرگز الزامی نہیں تھا کیونکہ اگر اس کو الزامی تسلیم کیا جاوے گا تو یہ جواب بالکل لغو اور مہمل ہو جاوے گا اس لئے کہ جب امیر معاویہ بیعت مہاجرین وانصار کو بدون صلاحیت لغو سمجھتے ہیں تو پھر یعنی مہاجرین وانصار کی بیعت سے الزاماً اپنی صلاحیت استحقاق خلافت ثابت کرنا بالکل خلاف عقل ہوگا دوسرا معاملہ جناب امیر نے طلحہ و زبیر کا تحریر فرمایا تھا کہ انھوں نے بیعت توڑ دی اور میں نے ان سے جہاد کیا سو اگر تو بھی مخالفت کرے گا تو تجھ سے بھی جہاد کروں گا۔ امیر معاویہ نے اس کا جواب لکھا کہ میرے اور طلحہ و زبیر اور اہل شام اور اہل بصرہ کے معاملہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے جیسی آپ کی حجت طلحہ و زبیر و اہل بصرہ پر تھی ویسی مجھ پر قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ طلحہ و زبیر نے آپ کی بیعت کی تھی اور میں نے آپ سے بیعت نہیں کی اور اہل بصرہ نے آپ کا ربقہ اطاعت اپنی گردنوں میں ڈال

لیا اور اہل شام نے نہیں قبول کیا تو آپ کی بیعت واطاعت جنھوں نے قبول کی ان ہی پر لازم ہے نہ جنھوں نے قبول کی ہے اور نہ ہم پر لازم ہو سکتی ہے۔ جناب امیر نے اس کے جواب میں یہ مضمون لکھا اور قسم کھا کر کہا کہ اس میں کچھ فرق نہیں حاضر و غائب سب برابر ہیں کیونکہ ایک بیعت ہے نہ اس میں مکرر سوچ کر کچھ ہو سکتا ہے اور نہ از سر نو کچھ اختیار ہو سکتا جو ایک دفعہ منعقد ہو گئی وہ ہو گئی اس میں گنجائش چون و چرا کی کچھ نہیں رہی حاضر و غائب سب پر لازم ہو گئی جو شخص اس میں سے خارج ہو وہ گویا اس میں طاعن ہے اس کے ساتھ جہاد کرنا واجب ہے کہ سبیل المومنین کا مخالف ہے اور جو اس میں متوقف ہو وہ مداہن ہے اور یہ بھی ایک قسم کا نفاق ہے شارح فرماتا ہے

قوله الخارج منها الخ قسمه من لم يدخل في بيعته الى قسمين لانه اما خارج عنها وهو الطاعن في صحتها ويجب مجاهدته لمخالفته سبيل المومنين واما مرتب في ذلك ومتوقف وحكمه انه مداهن وهو نوع من النفاق انتهى

قوله الخارج منها الخ۔ جو لوگ آپ کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے ان کو دو قسموں پر منقسم کیا کیونکہ یا تو وہ بیعت کے اس میں سے نکلنے والا تھا اور وہ اس کی صحت میں طعن کرنے والا ہے اور اس سے مومنین کے رستہ کی مخالفت کے سبب جہاد کرنا واجب ہے اور یا بیعت میں متوقف ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ مداہن ہے اور یہ بھی نفاق کی ایک قسم ہے۔

اہل انصاف اس جواب کو بھی ملاحظہ فرماویں کہ اہل حل وعقد کی بیعت کے ثبوت کو جناب الزاماً فرما رہے ہیں یا تحقیقاً اور قسم اس کے الزام ہونے پر کھا رہے ہیں یا تحقیق ہونے پر اگر الزام ہے تو اس نے کب اس کو تسلیم کیا تھا اور اگر تحقیق ہے تو فہو المراد غرض جواب بجواب کے انضمام سے مثل آفتاب نیمروز روشن ہو گیا کہ پہلے خط میں حضرت نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ الزامی طور پر نہیں بلکہ تحقیقی طور پر ہے اور جس امر کو کنایتہً غیر مسلم رکھا وہ یہ تھا کہ حضرت نے شوریٰ کو مہاجرین و انصار میں منحصر فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ طلحہ پر کو اس میں کچھ دخل نہیں تو اس کے عدم تسلیم کی طرف کنایتہً ایما کیا اور کہا کہ اگر تو قاتلین عثمان کو ہمارے حوالہ کر دے تو خلافت شوریٰ بین المسلمین ہوگی گویا عموماً اہل اسلام جس کو خلیفہ بنا دیں وہی خلیفہ ہو جاوے گا کچھ تخصیص اہل حل وعقد کی نہیں ہے

جناب امیر کے خطوں میں شریف رضی کی تحریف

اب اس کے بعد حسب وعدہ جناب امیر کے خطوں کی تحریف کی نسبت جو کچھ الزام حضرت رضی کی طرف سے شارح نے ذکر کیا ہے اس کو نقل کرتے ہیں شارح اس جواب جواب کی شرح یہاں سے کا شروع کرتے ہیں ومن کتاب له الى معاوية اما بعد فقد اتتني منك موعظة موصلة لکھتے ہیں

فکتب جوابه من عبد الله علی امیر المومنین الی معویة بن صخر اما بعد فانه آتانی کتابک
کتاب امرء الی قوله خابطاً ثم یتصل به ان قال زعمت انما افسد علی بیعتک وکنت امرأ من
المهاجرین اوردت کما اوردوا واصدرت کما اصدروا وما کان الله لیجمعهم علی ضلال
ولیضربهم بعمی و مما میزت بین اهل الشام و اهل البصرة و بینک وبین طلحة والزبیر
فلعمری ما الامر فی ذلک الا واحد ثم یتصل به قوله لانها بیعة عامة الخ آخر میں شارح
کہتا ہے۔

ومما ینبه علی هذا ان هذا الفصل المذکور	اور منجملہ ان امور کے جن پر متنبہ کرنا چاہیئے یہ ہے کہ یہ فصل
لیس من الکتاب المدون لانه المدون لم یکن	مذکورہ بیچ خط میں سے نہیں کیونکہ جیسے خط میں موعظت
فیه ذکر موعظة حتی یذکر هاف جوابه	کا ذکر نہ تھا یہاں تک کہ اس کے جواب میں اس کا ذکر
غیران السید اضافه الی هذا الکتاب	ہوتا مگر سید نے اس خط میں اضافہ کر دیا جیسا کہ ان کی
هو عادته فی عدم مراعات ذلک ومثاله انتہٰی	عادت ہے کہ اس جیسے امور کی رعایت نہیں کرتے۔

اب تو آپ کو تحریف کا یقین ہوا کہ شارح صاحب نے بڑی صرف سے خطبہ میں عبارت جو اس
میں نہیں تھی اضافہ کر دی اور واضح ہو کہ یہ عبارت جو زعمت انما افسد سے شروع ہو کر لیضربهم بعمی پر
ختم ہوتی جو مخالف مذہب کے تھی یہ بھی حذف فرما دی ہے تاکہ کسی کو موقع استدلال کا ہاتھ نہ آوے
اس کے بعد جو دوسری کتاب نقل کی ہے جس کا شروع یہ ہے ومن کتاب له الی معویة فاراد قومنا
تک نبیہ شارح اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ثم یتصل به قوله ولعمری یا معویة الخ وهذا خبط	پھر اس کے ساتھ متصل ہے قولہ ولعمری الخ اور یہ
عجیب من السید مع وجود کتبه فی	سید سے عجیب قسم کا خبط ہے باوجودیکہ جناب امیر کے
کثیر من التواریخ	خطوط اکثر تواریخ میں مذکور ہیں

اب آپ دیکھ لیجئے کہ شارح آپ کی نسبت کیا کچھ فرما رہے ہیں خیر یہ
بات ہم معتقد حضرات کی نسبت کچھ زیادہ نہیں اور کچھ اسی جگہ خاص نہیں بلکہ یہ قطع وبرید
اکثر جگہ ہے اب پھر ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور گذارش کرتے ہیں کہ جناب امیر کے
کلام بلاغت نظام سے واضح وعیاں ہو گیا کہ خلفائے راشدین کی بیعت اجماع اہل حل وعقد سے منعقد ہوئی
اور خداوند تعالیٰ کے خوشنودی کے ہر توقع ان پر روشن تھی اور جس شخص نے اس سے انحراف کیا
وہ ہر گز باغی اور مستوجب جہاد ہو گیا جسکی وہ مستحق ہوا اب فرمائیے کہ جناب امیر نے خلفائے راشدین کی خلافت

ہمراہ مہاجرین والفار کے تھے جیسا کہ معتقد اہل حق کا ہے
تھے حاشا ثم حاشا معاذ اللہ جو کچھ لازم آتا ہے ظاہر و باہر ہے
تی ہے اگرچہ بعد اس وضوح وتبیان کے حاجت نہیں رہی
یں لیکن تبرعاً حضرت مجیب کے مزید اطمینان کے لئے تھوڑے
نیں علاوہ اس کے کہ جو کچھ نہج البلاغة سے نقل کیا گیا اور
یں اس پر اول دلیل ہیں کہ حضرات ائمہ اہل حل وعقد کو تسلیم کر
اعتقاد کرتے تھے بلکہ ثبوت اجماع کے لئے اجتماع جمیع کا شرط
ل کرتے ہیں ولعمری لئن کانت الامامة لا تنعقد حتی
ولکن اهلها یحکمون علی من غاب عنها ثم لیس للشا
یختار الا وانی اقاتل رجلین رجلا ادعی ما لیس له واخر
ان زواری امامیہ کہ علی بن حسن نام اوست این است وترجمه زندگانی من اگر
جمیع مردمان نمی باشد بانعقاد امامت راهی در هیچ زمان واین جواب
بیعت آن امام علیه السلام بنا بر آنکه اجماع محتاج است در انعقاد
مود باین کلام که اجماع باین وجه امکان ندارد و اگر ممکن باشد عاقل اورا
انعقاد واجماع اتفاق اهل حل وعقد است امامت محمد صلی الله علیه وسلم
ان ولیکن اہل امامت حکم میکنند بر کسیکه غائب است ازان پس
هر که از بیعت رجوع نماید و نه غائب را چه معاویه که او را برای خویش
ل کی نظر سے ملاحظہ فرماویں اور اس کے ترجمہ و جو آپ کے نزدیک
عت کے ساتھ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اہل حل وعقد کے اجماع کو
انعقاد امامت کو تسلیم فرمایا اور انعقاد اجماع کے لئے حضور جمیع کی نسبت
بعض کو کافی فرمایا اور بدیہی ہے کہ یہ عبارت الزامی نہیں تو وہ خطبہ جو ما
ہے وہ بھی الزامی نہیں ہو سکتا حمد اللہ و منتہ خود جناب امیر نے اہل
خلافت کے لئے ثابت فرمایا اور مہاجرین وانصار کے اتفاق پر ترتب
کو بیخ و بنیاد سے قلع وقمع کر دیا دوسرے نہج البلاغة میں ایک خطبہ
فی خطاب اصحابه وقد بعثتم من کرت منهم تکدیبا

وکانت امور اللہ علیکم ترد وعنکم تصدر والیکم ترجع۔
اور اللہ کے کام تم پر وارد ہوتے تھے اور تم سے پھرتے تھے اور تمہاری طرف لوٹتے تھے۔

شارح ابن میثم اپنی مختصر شرح میں اس جملہ کی شرح اس طرح فرماتے ہیں،

قولہ کانت امور اللہ الی قولہ ترجع ای انکم کنتم اھل الاسلام والحل والعقد فیہ وھم المہاجرون والانصار۔
قولہ کانت امور سے قولہ ترجع تک یعنی تم اہل اسلام اور مہمات کے کھولنے باندھنے والے ہو اور وہ مہاجرین والنصار ہیں،

اب ان الفاظ کو ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ حضرت اپنے اصحاب کو اہل حل وعقد فرما رہے ہیں اور شارح کی تصریح سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل حل وعقد مہاجرین والنصار ہیں اور جب اہل حل وعقد ہونا ثابت ہوا تو آپ کی شرط تعلیقہ باطل ہوئی تو اصل اصول دین آپ کا جو امامت ہے وہ بھی باطل ہوا بلکہ تمام اصول وفروع بھی باطل ہوگئے اور ظاہر ہے کہ یہ خطبہ بخطاب اپنے خواص اصحاب کے ہے تو اس میں الزامی ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے اور نہ تقیہ کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ تیسرے جو صلح نامہ فیما بین حضرت امام حسنؑ اور حضرت امیر معویہؓ تحریر ہوا تھا اور اس کی نقل ہم عنقریب اوپر کر چکے ہیں اس کے چند الفاظ نقل اپنے مدعا کے اثبات کے لئے کرتے ہیں ہمارے فاضل مجیب ملاحظہ فرمائیں چنانچہ علی ان یسلم الیہ ولایۃ امر المسلمین علی ان یعمل فیھم بکتاب اللہ تعالیٰ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وسیرۃ الخلفاء الصالحین وسیرۃ الخلفاء الراشدین المہدیین واقع ہو چنانچہ صاحب ازالۃ الغین کے مخاطب نے اسی طرح ضبط کیا ہے اور دوسرا جملہ اس کے متصل مذکور ہے ولیس لمعویۃ بن ابی سفیان ان یعھد الی احد من بعدہ بل یکون الامر من بعدہ شوریٰ بین المسلمین انتہیٰ یہ دو جملے اس صلح نامہ کے حقیقت خلافت خلفاء کو اور صحت وحقیقت اس بیعت کو جو بطور مشورے کے بین المسلمین واقع ہو ثابت کرتے ہیں اور جب یہ امر ثابت ہوگیا تو تمام مذہب تشیع اصول وفروع باطل ہوگیا اور مذہب اہل حق ثابت ہوا والحمد للہ علی ذلک بعد اس کے اس قدر گذارش کرنا ضرور ہے کہ ہمارے فاضل مجیب نے اس خط کے الزامی ہونے پر جب [illegible] کوئی دلیل نہ پہنچی تو تاخر بیعت کو قرینہ الزام قرار دیا اور حدیث بخاری کو جو مشعر ہے کہ جناب [illegible] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیعت نہیں فرمائی پیش [illegible] تھا [illegible] مختصر [illegible] جواب گذارش کرتے ہیں [illegible] ہوکر [illegible] کے جواب [illegible] ہے [illegible] خفیف [illegible] حضرت چنانچہ بھی عرض ہوتا ہے [illegible] توقف [illegible] مستحق [illegible] غیر [illegible] تاخر [illegible] کی وجہ سے تو

بالفرض اس تاخر کی دلالت اس خط کے الزامی ہونے پر تسلیم نہیں کی جاسکتی کیونکہ اگر بالفرض اس تاخر بیعت سے آپ کی ناخوشی مفہوم ہوتی ہو بھی تو سالہا سال تک آپ کا خلفاء کے ساتھ تمام دنیاوی ودنیوی امور میں رفیق وغمگسار رہنا صریح اس کا مبطل وناسخ ہے ہاں اگر آپ رضی اللہ عنہ خلفاء کی بیعت سے تمام عمر ناخوش رہتے اور ان کے کسی کام میں شریک نہ ہوتے اور ان کی اعانت نہ کرتے اور وہاں سے مہاجرت کرکے کہیں نکل جاتے اور تمام عمر خلفاء کی عداوت میں رہتے تو شاید یہ کلام اس قرینہ سے الزامی سمجھے جاتے۔ علاوہ ازیں کسی قدر واضح گذارش ہے کہ جناب امیر کا مذہب معلوم ہوچکا ہے کہ انعقاد خلافت کے واسطے جمیع کی بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے تو جب اکثر افراد اہل حل وعقد نے بیعت کرلی خلافت منعقد ہوگئی تو جناب نے یہ خیال فرمایا کہ بیعت تو منعقد ہوچکی ہے خواہ میں بیعت کروں یا نہ کروں اور آپ کے دل میں بطور شکر رنجی کے استبداد وعدم مشورہ کی جہت سے ملال تھا ہی نہ یہ کہ معاذ اللہ آپ کو استحقاق خلافت خلیفہ اول میں تامل تھا اس لئے آپ نے تاخر فرمایا اور یہ نہیں ہوا کہ آپ نے اطاعت سے انحراف کیا ہو اور اگر کبھی اتفاق بالفرض ہو ہو تو ہم کب آپ کو معصوم اعتقاد کرتے ہیں غرض جناب امیر کو استحقاق خلیفہ اول کی نسبت میں کبھی تردد نہیں ہوا اور نہ کبھی استحقاق خلافت کا انکار کیا باقی رہا نقض خلافت کے مشورے کی بابت ہم شروع رسالہ میں عرض کرچکے کہ روایت سے صراحۃً یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ نقض خلافت کے مشورے کئے ہوں بلکہ چونکہ یہ اجتماع ومشورے منجر بفساد تھے تو اس لئے ان کو نقض خلافت کے مشورے کہا گیا بعد عذر ومعذرت کے صفائی ہوگئی تو بخوشی وطیب نفس بیعت کرلی چنانچہ یہ بھی اس روایت میں مذکور ہے جس کی تلخیص بخاری سے ہمارے مجیب لبیب نے فرمائی علاوہ ازیں ہم حسب مذاق اپنے مجیب لبیب کے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حسب روایات شیعہ کے یہ بھی ممکن نہیں کہ جناب امیر بعد انعقاد خلافت صدیقی بیعت نہ کریں اور تخلف فرمائیں بلکہ شش ماہ تک منحرف رہیں کیونکہ بحکم تاکید وتشدید آپ سے صمت وسکوت کا عہد لیا گیا تھا اور عدم منازعہ ومناقشہ کا حتمی وعدہ کرایا گیا تب مختوم تھا [illegible] اسی مدعا کے واسطے نازل ہوئی وصیت نامہ اس سے شہادت وخونریزی کے ساتھ مرتب ہوا تھا سابق میں ہم شرح نہج البلاغہ سے نقل کرچکے ہیں۔

وکان معہود الیہ ان [illegible] امر الخلافۃ [illegible]
جناب میرے سے عہد لیا گیا تھا کہ امر خلافت میں [illegible]

اور [illegible] روایت [illegible] نقل کی ہے۔

روی ابان بن عیاش عن سلیم بن قیس
سلیم بن قیس ہلالی وغیرہ سے روایت ہے [illegible]

الهذلي وغيره عن غيره ان عمر قال لعلي ان لم تبايع ابابكر لنقتلنك قال له لولا عهد عهده الى خليلي لست اخونه لعلمت اينا اضعف ناصرا واقل عددا۔

نے علی سے کہا اگر تو ابوبکر سے بیعت نہیں کریگا تو بیشک ہم تجھ کو قتل کر ڈالیں گے حضرت علی نے جواب دیا کہ اگر عہد نہ ہوتا جو میرے خلیل نے مجھ سے لیا ہے کہ جس کو میں توڑ نہیں سکتا تو تو جانتا کہ ہم میں کون ضعیف تر مددگاروں والا اور تھوڑی تعداد والا ہے۔

قرآن کی تحریف پر اسی وجہ سے نہ بولے بنات طیبات کے معاذ اللہ توبہ توبہ غصب پر اسی لئے چون وچرا نہ کی صد ہا احداثات اور ابتداعات ہوئی اور چپکے اسی باعث سے بیٹھے دیکھا کئے تو باوجود معصومیت کے کیوں کر ممکن ہے کہ حکم الٰہی کا خلاف فرمادیں اور وصیت رسالت پناہی پس پشت ڈال دیں اور تسلیم خلافت میں چون وچرا نہ فرمادیں ہاں یہ ممکن ہے کہ بعد انتقال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غم مفارقت میں مبتلا رہے ہوں اور بعد اس کے جمع مصحف میں مشغول رہے ہوں جس کی نسبت قسم کھائی تھی کہ جب تک جمع نہیں کرلوں گا چادر نہیں پہنوں گا تفسیر صافی میں ہے۔

روی علی بن ابراهيم القمي باسناده عن ابي عبد الله قال ان رسول الله قال لعلي يا علي ان القرآن خلف فراشي في الصحف والحرير والقراطيس فخذوه واجمعوه ولا تضيعوه كما ضيعت اليهود التوراة فانطلق علي فجمعه في ثوب اصفر ثم ختم عليه في بيته وقال لا ارتدي حتى اجمعه قال كان الرجل ليأتيه فيخرج اليه بغير رداء حتى جمعه۔

امام ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے فرمایا اے علی قرآن میرے فرش کے پیچھے صحیفوں اور ریشم اور کاغذوں میں ہے اس کو لے کر اکٹھا کرو اور ضائع نہ کیجیو جس طرح یہود نے توریت کو ضائع کردیا پس علی نے اس کو جمع کیا زرد کپڑے میں پھر اس پر مہر لگائی اپنے گھر میں اور فرمایا میں رداء نہ اوڑھوں گا جب تک کہ اس کو جمع نہ کرلوں چادر نہ پہنوں گا کہا بعض شخص آپ کے پاس آتا تھا تو بدون چادر آپ اس کے نکلتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اس کو جمع کرلیا۔

اور ظاہر ہے کہ اس جمع وتالیف کے لئے ایک مدت زمانہ چاہیے اس سے فارغ ہوئے کہ حضرت فاطمہ کی بیماری اور تیمارداری مرض جانکاہ میں مشغول ومبتلا ہوئے ہوں گے تو ان خیالوں کی وجہ سے شاید تاحیات فاطمہ رضی اللہ عنہا عقد بیعت میں تاخیر رہا ہوگا ورنہ بعد مخاصمہ ومنازعہ کے ہرگز ممکن نہیں کہ آپ نے بیعت سے تاخیر فرمایا ہو بہرحال برخلاف روایت معتمدہ اہل سنت کے اگر اس تاخیر کے وقوع کو روایت مشہور سے مفہوم ہوتا ہے تسلیم کیا جاوے تو نزدیک شیعہ کے نزدیک بروایات خود واجب ... اہل سنت کے نزدیک تو ظاہر ہے کہ ابوبکر صدیق خلیفہ برحق تھے اور ان

سے انحراف کبیرہ تھا تو بغرض عبارت ذیل جناب امیر تاویل واجب ...
سے بھی اظہر ہے کیونکہ امام معصوم کا خلاف حکم خدا ورسول کرنا محال ہے تو ...
فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وجاہت کا حال سو شرح نہج البلاغۃ اور تالیفات ...
خلفاء وصحابہ کے نزدیک کیسی وجاہت تھی کیا اسی کا نام وجاہت ہے کہ کو...
کا (معاذ اللہ خاک بدہن دشمنان آں پاک نژاد) اٹھا نہ رکھا تفصیل کسی ...
نے خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حقوق غصب کئے اور ضرب ...
وجاہت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کیا رعایت کریں گے،

جناب امیر نے حسب روایت مصححہ بیعت میں تاش...

ہاں اس قدر گذارش کرنا رہا جاتا ہے کہ یہ روایت بخاری کی جس کو ہما...
استدلال میں پیش کیا ہے دوسری روایت مصححہ سے معارض ہے جس میں ...
زبیر نے ابتداء انعقاد خلافت میں بیعت فرمائی اور وہ روایت ابن سعد اور ...
الفاظ اس کے ملخصا صواعق سے نقل کرتا ہوں۔

ثم بايعه المهاجرون والانصار وصعد ابوبكر المنبر ونظر في وجوه القوم فلم ير الزبير فدعا به فجاء فقال قلت ابن عمة رسول الله صلى الله عليه وسلم وحواريه اردت ان تشق عصا المسلمين فقال لا تثريب يا خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام فبايعه ثم نظر في وجوه القوم فلم ير عليا فدعا به فجاء فقال قلت ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم وختنه على ابنته اردت ان تشق عصا المسلمين فقال لا تثريب يا خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعه۔

اور اسی کے قریب دوسری روایت ابن حجر نے صواعق میں ...

... موسى بن عقبة في مغازيه واخرج عمرو ...

صححه عن عبد الرحمن بن عوف قال خطب ابو بكر فقال والله ما كنت حريصا على الامارة يوما ولا ليلة قط ولا كنت راغبا فيها ولا سألت الله في سر وعلانية ولكن اشفقت من الفتنة ومالي في الامارة من راحة لقد قلدت امرا عظيما مالي به من طاقة ولا يد الا بتقوية الله تعالى فقال علي والزبير ما غضبنا الا لانا اخرنا عن المشورة وانا نرى ان ابا بكر احق الناس بها انه لصاحب الغار وانا لنعرف شرفه وخيره ولقد امره رسول الله صلى الله عليه وسلم بالصلوة وهو حي.

ہے اور تصحیح کی ہے عبد الرحمن بن عوف سے کہا خطبہ پڑھا ابوبکر نے اور کہا کہ اللہ کی قسم میں امارت پر کبھی نہ کسی دن اور نہ کسی رات حریص تھا اور نہ میں اس میں راغب تھا اور نہ پوشیدہ و ظاہر خدا سے اس کا سوال کیا تھا لیکن میں فتنہ سے ڈرا اور مجھ کو امارت میں کچھ راحت نہیں میں ایک امر عظیم گلے میں پہنایا گیا ہوں جس کی بجز اللہ کی تقویت کے مجھ کو طاقت اور قوت نہیں تو اس پر علی اور زبیر نے کہا ہم ناخوش نہیں ہوئے مگر اس پر کہ ہم مشورے سے پیچھے ہٹائے گئے اور ہم جانتے ہیں کہ ابوبکر لوگوں میں سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کیونکہ وہ یار غار ہیں اور ان کی بزرگی اور بھلائی کو ہم جانتے ہیں اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ حیات میں نماز کی امامت کا ان کو حکم فرمایا تھا

اور جب ہم اس روایت میں جو ابو سعید سے مروی ہوئی اور اس روایت میں جو بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہوئی اور ہمارے مجیب لبیب نے اس کو اپنا مستدل قرار دیا ہے وجوہ تطبیق کو دیکھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ حضرت ام المومنین کا ان مجامع میں شریک ہونا ثابت نہیں بلکہ بظاہر نہایت مستبعد ہے اور ابو سعید خدری راوی حدیث بیعت ضرور ان مجامع میں شریک تھے تو وہ جو کچھ بیان کریں گے اپنے مشاہدہ و محسوس اور اپنے معائنہ سے روایت کریں گے اور حدیث میں ہے .

ليس الخبر كالمعاينة.

خبر معائنہ کے برابر نہیں ہوتی .

تو اس سے روایت ابو سعید کی جو مثبت بیعت ہے بہ نسبت روایت ام المومنین کے جو نافی ہے ارجح ہوگی علاوہ ازیں حضرت ام المومنین کی روایت متضمن نفی کو ہے اور حضرت ابو سعید کی روایت متضمن اثبات کو اور قاعدہ ہے کہ حسب اصول ترجیح اثبات نفی پر مقدم ہے اور مثبت نافی سے ارجح و اقوی ہے علی الخصوص جب کہ اس کے ساتھ اس آیت و حدیث کو بھی منضم کیا جاوے جس کو ہم نے فاضل مجیب نے منضم کیا ہے

يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله و اطيعوا الرسول و اولي الامر منكم . [illegible] ولم يعرف [illegible]

[illegible] سے خیال کیا جاوے کہ حضرت امیر کی شان ارفع ہے کہ خلیفہ برحق سے باوجود [illegible] مجلس گذر جانے کے تخلیۂ امام جو بھی مثل خدا و رسول کے [illegible] اور اولو الامر کے زمرہ میں معدود ہیں تو ان وجوہ مذکورہ سے ابو سعید کی روایت کو حسب

زیادہ رجحان و اعتبار ہوگا تو اب اس صورت میں مرجع نفی بیعت اول کا جو روایت بخاری میں ام المومنین سے ہے یا تو علم اور اطلاع کی طرف ہے کہ آپ کو بیعت سابقہ کی اطلاع نہیں ہوئی اور یا وہ بیعت ہے جس کے بعد کچھ ملال و شکر رنجی نہ رہی ہو چونکہ بیعت اول کے بعد بھی فی الجملہ ملال رہا تھا اور معاملہ فدک اس کا ضمیمہ ہوکر اور باعث کشیدگی ہوگیا اور دل جوئی و تیمارداری حضرت زہرا اور بھی مشغولی اور عدم حاضری مجالس خلیفہ برحق کا سبب ہوا اس کے بعد جب آپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر تفصیلاً معذرت فرمائی اور افضلیت کا اقرار کیا اور مکرر بیعت کی تو قلب شریف ملال و کدورت سے بالکل صاف ہوگیا اور عام طور پر سمجھا گیا کہ آپ نے بیعت فرمائی بہر کیف جہاں تک روایات میں دیکھا جاتا ہے تو آپ کا ملال یا تاخر عدم اہلیت و صلاحیت خلیفہ صدیق رضی اللہ عنہ کی وجہ سے نہیں تھا جو قادح یا مضر اجماع ہو کہیں روات نے اس کو صراحۃً بیان کیا . ما غضبنا الا انا اخرنا عن المشورة اور کہیں کنایۃً روایت کیا اور کہا .

ولكنا كنا نرى ان لنا في هذا الامر نصيبا .

اور لیکن ہم جانتے تھے کہ ہم کو بھی اس امر میں حصہ ہے .

اور ظاہر ہے کہ بقرینہ سیاق عبارت ہذا الامر نصیبا سے مراد مشورہ ہے کیونکہ ماقبل اس عبارت کا یہ ہے .

وحدث انه لم يحمله على الذي صنع نفاسة على ابي بكر ولا انكار للذي فضله الله به

اور بیان کیا کہ ابوبکر پر بڑائی اور اس کی فضیلت کے انکار نے کچھ اس پر برانگیختہ نہیں کیا جو کام کیا ہے .

اور بعد میں مذکور ہے و استبد علينا تو اس عبارت کے ماقبل و مابعد کے لحاظ سے ہرگز یہ معنی معلوم نہیں ہوتے کہ لنا في هذا الامر نصيبا سے مراد استحقاق خلافت ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہوں کہ ہم جانتے تھے کہ خلافت ہمارا حق ہے یہ حضرات شیعہ کی خوش فہمی ہے اور روایت مسلم کی ابو سعید سے جو تاخر بیعت پر دال ہے اس کو شراح بخاری نے بسبب عدم اسناد زہری کی ضعیف کہا ہے اور صواعق محرقہ میں لکھا ہے

قال البيهقي واما ما وقع في صحيح مسلم عن ابي سعيد من تاخر بيعته هو وغيره من بني هاشم الى موت فاطمة فضعيف فان الزهري لم يسنده وايضا فالرواية الاولى عن ابي سعيد هي الموصولة فيكون اصح

بیہقی نے کہا ہے کہ جو روایت ابو سعید سے مسلم میں واقع ہوئی ہے موت فاطمہ رضی اللہ عنہا تک بیعت جناب امیر و دیگر بنی ہاشم کی بیعت وہ ضعیف ہے کیونکہ زہری نے اس کو مسند نہیں کیا اور نیز پہلی روایت ابو سعید سے موصول [illegible] صحیح ہوئی

پس بعد اس تحقیق کے ثابت ہوا کہ استحقاق خلافت خلیفہ اول سے جناب امیر کو کبھی انکار نہیں ہوا اور روایت تاخیر بیعت کی رجوح ہے اور اس سے استدلال ہمارے فاضل مجیب کا صحیح نہیں ہے اور نہ ان کے مفید مدعا تو اس جملہ کا تحریر فرمانا۔ انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان اس وجہ سے ہے کہ وہ خلافتیں عنداللہ اور ہمارے نزدیک اور تمہارے نزدیک حق تھی اور بیعت اہل حل وعقد سے ثابت ہوئی تھیں اور جس سے وہ بیعت کریں اس کی خلافت حق ہے تو اس جملہ سے اس واسطے استدلال فرمایا کہ اس کی حقیت میں کسی کو کسی طرح کا تامل نہ تھا اور ہمیشہ دانشمندوں کا قاعدہ ہے کہ ایسے ہی دلائل سے استدلال کیا کرتے ہیں کہ جن کی حقیت مثل آفتاب نیم روز روشن ہو۔ پس یہ دلیل بھی ایسی قضایا حقہ سے مرکب ہے کہ جس کی حقیت عنداللہ و عندالفریقین مسلم ہے اور فی الحقیقت یہ دلیل اسی وقت تام ہوسکتی ہے بلکہ لاجواب ہے جب کہ اس کو تحقیق تسلیم کی جاوے اور مقدمات حقہ سے مرکب کہی جاوے کیونکہ جب واقع اور نفس الامر میں اور عنداللہ و عندالفریقین صحت و حقیت خلافت کے اجماع اہل حل وعقد سے ثابت ہوتی ہے اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی بھی حقیت خلافت اسی طرح اور اسی دلیل سے ہم ثابت کرتے ہیں تو آپ ہی فرمایئے کہ اس دلیل کا کیا جواب ہے اور امیر معویہؓ اس کی کیونکر تردید کرسکتے ہیں اگر اس کے جواب میں یہ کہیں کہ صحت و حقیت خلافت بیعت اہل حل وعقد پر اس وقت مترتب ہوتی ہے جب کہ بیعت اہل حل وعقد صالح للخلافت کے واسطے واقع ہو چنانچہ خلفاء ثلثہ کے لئے ہوئی تھی اور اگر غیر صالح کے لئے واقع ہوگی جیسا کہ جناب کے لئے ہوئی تو وہ بیعت مثبت نہ ہوگی تو ظاہر ہے کہ یہ تردید بالکل مردود ہے اور اس کا جواب خود جناب امیرؓ نے اس خط میں جو اس کے جواب میں لکھا تحریر فرمایا وہ یہ کہ جب خداوند تعالیٰ نے صحت خلافت بیعت اہل حل وعقد پر رکھ دی ہے تو جس کو وہ خلیفہ بنادیں گے اور باختیار خود جس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے وہ صالح للخلافت ہوگا اس لئے اس کی خلافت حق ہوگی کیونکہ خداوند تعالیٰ ان کو ہرگز گمراہی پر مجتمع نہیں فرماوے گا اور اگر ان کی بیعت خلافت باختیار خود کسی غیر صالح للخلافت کے ہاتھ پر واقع ہوجاتے تو سب گمراہ و ضال ہوگئی اور تمام ضلالت پر مجتمع ہوگئی اور یہ محال ہے تو اہل حل وعقد کا کسی شخص کی بیعت پر متفق ہونا خود اس کی صلاحیت اور اہلیت کی دلیل ہے اور اس جواب کا کچھ جواب نہیں ہو سکتا نہ امیر معویہ اس کا کچھ جواب دے سکتے ہیں اگر حوصلہ ہو تو آپ ہی ان کی طرف سے اس کی تردید کیجئے ورنہ اس دلیل کو دلیل الزامی کہا جاوے تو ناقص و ناتمام ہے اور ہرگز مثبت مدعا نہ ہوگی اور اس ... جناب امیر ملزم و مجحوج ہوجائیں گے کیونکہ جب امیر معویہ نے بجواب اس کے اہل حل وعقد کی

بیعت پر مترتب حقیت کے لئے صلاحیت و عدم صلاحیت کا فرق نکالا تو اب فرمایئے الزام تو باطل ہوگیا اب جناب امیر کو مرحلہ ثبوت صلاحیت و اہلیتہ کا پیش آیا تو اس کو خود اس بیعت اہل حل وعقد سے ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ واقعی اور نفس الامری نہیں تو دوسری کسی دلیل کی طرف مثل نص و عصمت کے رجوع فرمادیں گے اور یہ دلائل ایسے ہیں کہ صدہا مواقع و مرحلے پیش آئے لیکن کبھی ظاہر نہیں کی گئیں پس ان کی نسبت امیر معویہ کو ان کے ابطال میں اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ حضرت یہ دلائل خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں کبھی نہ پیش ہوئیں جو آج میرے مقابلہ پیش کی جاتی ہیں اور جب انھوں نے تسلیم نہیں کی تو میں کیونکر تسلیم کروں تو آپ ہی فرمائیں کہ حضرات امیر کے پاس اس کا کیا جواب ہے اور اس مرحلے سے کیونکر خلاصی ممکن ہے بجز اس کے کہ آپ ملزم و مجحوج ہوں۔

مجیب لبیب کی تبحر علمی کا ثبوت اور اس الزام کا جواب جو صاحب تحفہ رحمہ اللہ پر کیا ہے

اور اگر جناب نے کوئی امر اس وقت تراشا بھی ہو تو اس جواب کا ملحوظ خاطر رکھنا ضرور ہوگا جو اس کے جواب میں خود حضرت نے تحریر فرمایا ورنہ وہ بالکل لغو ہوگا۔ اور اس قول میں جو آپ نے یہ جملہ تحریر فرمایا (اور خصوصا وہ فقرہ جو آپ کے خاتم المحدثین اپنی تبحر علمی سے اصل سمجھ گئے ہیں یعنی لزمتك وانت بالشام الزامی تحریر پر دال ہے کیونکہ یہ داب تحریر نہیں ہے کہ اپنی مسلمات کو بیان کر کے خصم پر کوئی بات لازم کریں) معلوم نہیں آپ نے کس حالت میں یہ جملہ تحریر فرمایا نہ مدعا صحیح ہے نہ دلیل دعوے کے مطابق اور اس کے مثبت ہے اب سنیئے کہ حضرت خاتم المحدثین کی نسبت الزاما تحریر فرمایا کہ وہ جملہ لزمتك وانت بالشام کو اپنی تبحر علمی سے اصل سمجھ گئے تو اس جگہ اصل و فروع کو گیا دخل ہے اور یہاں اصل سے کیا مراد ہے اور اس کے اصل ہونے کی کیا وجہ ہے خط مذکور میں جناب امیر نے اول اپنا دعویٰ ذکر فرمایا اور وہ یہی جملہ ہے یعنی لزمتك وانت بالشام۔ اور اس کے بعد اس کی دلیل بیان فرمائی پس جملہ مذکورہ اس اعتبار سے کہ مکتوب میں داخل ہے اصل ہے اور اس اعتبار سے بھی اصل ہے کہ دعویٰ مقصودہ ہے جس کا اثبات مد نظر ہے۔ پھر حضرت شاہ صاحب پر الزام دینا کہ وہ اپنی تبحر علمی سے اصل سمجھ گئے اور گویا فی حقیقت اصل نہیں ہے محض نافہمی ہے قطع نظر اس سے جس جگہ حضرت شاہ صاحب نے اس خط کو نقل فرمایا ہے اور اس پر بحث کی ہے

چنانچہ ہمارے فاضل مجیب بھی اسی جگہ سے اس خط کو نقل فرماتے ہیں وہاں اس جملہ کا کچھ مذکور نہیں ہے اور نہ اس کی اصالت وعدم اصالت سے تعرض فرمایا ہے اور اس جملہ سے تعرض کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے کیونکہ یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اگر بحث وگفتگو واقع ہوئی ہے تو دلیل کی نسبت ہے کہ دلیل مقدمات الزامیہ مسلمہ خصم سے استدلال فرمایا ہے یا مقدمات حقہ ثابتہ فی نفس الامر سے اور اس جملہ کی اصالت وعدم اصالت کو دلیل کے تحقیقی والزامی ہونے سے کیا تعلق غرض نہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اصالت سے تعرض فرمایا اور اگر ہو بھی تو اس کی اصالت میں کچھ تردد نہیں مدعا اصل ہوا ہی کرتا ہے۔ پس یہ الزام محض لغو اور پوچ ہے جس کا مدار ہمارے فاضل مجیب کی خوش فہمی رہی تحفہ کے جوابات میں کہیں کچھ مضمون دیکھا ہوگا بے سمجھے اس کو کچھ سے کچھ نقل وترجمہ کر دیا اس کے بعد یہ لکھنا کہ یہ جملہ الزامی تحریر ہونے پر دال ہے سراسر لچر اور واہیات محض ہے مدعا کو دلیل کے الزامی یا تحقیقی ہونے پر دلالت سے کیا علاقہ اس کے لئے خواہ دلیل الزامی ہو خواہ تحقیقی ہو وہ ہر طرح اپنا مسلمہ ہے اور خصم کا غیر مسلمہ اگر اس کا ثبوت صحت وحقیت نفس الامری وعند الخصم مطلوب ہوگا تو دلیل تحقیقی ذکر کی جاوے گی ورنہ اگر صرف اسکات والزام خصم مقصود ہوگا تو دلیل الزامی ذکر کی جاوے گی پس یہ کہنا کہ یہ جملہ تحریر کے الزامی ہونے پر دال ہے حضرت کی کمال تبحر علمی پر دال ہے ہاں حضرت کی تبحر علمی سے کچھ بعید نہیں کہ اس جملہ میں جو لفظ لزمتک کا واقع ہوا چونکہ مادہ الزام کا تھا تو اس سے جناب نے اپنی تبحر علمی کی بدولت سمجھا ہو کہ یہ مادہ الزام اس تحریر کے الزامی ہونے پر دال ہے اس کے بعد اس کی دلیل ارشاد ہوئی کیونکہ یہ داب تحریر نہیں ہے کہ اپنی مسلمات کو بیان کر کے خصم پر کوئی بات لازم کریں سبحان اللہ یہ دلیل اور بھی حضرت کی تبحر علمی خصوصاً مناظرہ دانی پر اوضح دلیل ہے کیوں حضرت یہ دلیل جو جملہ لزمتک وانت بالشام کے الزام ہونے پر وارد فرماتے ہیں اس کو کیوں کر مثبت ہے ذرا سمجھائیے تو سہی کاش آپ کے ان افادات تازہ کو کوئی منصف لبیب دیکھے اور آپ کو آپ کے علم اور فہم اور مناظرہ دانی کی داد دے اس عبارت سے صاف مستفاد ہوتا ہے کہ جملہ لزمتک وانت بالشام کو بھی آپ مسلمات خصم سے سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ مدعا ہے یہ اگر مسلم خصم ہو تو وہ خصم ہی کیوں بنے اور دلیل سے اس کے اثبات کی ہی کیا ضرورت پڑے اسے حضرت یہ دعویٰ ہی جو صرف اپنا ہے مسلم ہے اور خصم اس کا منکر ہے اب اس دعویٰ کا دلیل سے ثابت کرنا مقصود ہے قطع نظر اس سے ہم پوچھتے ہیں اس قول سے کہ یہ داب تحریر نہیں کہ اپنی مسلمات سے خصم پر کوئی بات لازم کریں کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ ایسے اقوال سے جو صرف اپنی ہی مسلمات ہیں اور خصم ان کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ واقعہ اور نفس الامر

کے اعتبار سے مسلم ہیں خصم پر کوئی بات لازم کرنا داب تحریر نہیں تو صحیح ومسلم لیکن آپ کو مفید نہیں کیونکہ اس دلیل کی نسبت ہم کب کہتے ہیں کہ صرف جناب امیر کی ہی مسلم ہے اور باعتبار واقع کے غیر مسلم ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ اپنی مسلمات سے گو وہ حقہ واقعہ اور مسلمہ خصم ہی کیوں نہ ہوں ان سے خصم پر کسی امر کا لازم کرنا خارج از داب تحریر ہے تو غلط ہے اور اس کی غلطی ایسی بدیہی ہے کہ اس پر حاجت دلیل پیش کرنے کی بھی نہیں اور ہم اس دلیل کو ایسا ہی کہتے ہیں مثلاً کوئی شخص اہل اسلام میں سے کسی مسلمان پر قرآن کی آیت پیش کرے یا حدیث پیش کرے یا اجماع پیش کرے تو اس کو کوئی الزامی دلیل نہیں کہے گا حالانکہ اس نے اپنی مسلمات سے خصم کو الزام دینا چاہا ہے غرض کہ یہ جملہ عجیب وغریب ہے جو حضرت کی تبحر علمی کو آشکارا طور پر بیان کرتا ہے اور علم وفہم ومناظرہ دانی کا پورا پورا اندازہ بتاتا ہے۔

قولہ: جناب امیر علیہ السلام چونکہ حجت خدا تھی خصم پر ایسی حجت ختم فرماتے تھے کہ پھر جواب کا موقع نہ رہے۔

اقول: اس دلیل کا ایسی حجت ہونا جس کے پھر جواب کا موقع نہ رہے اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کو باتباع اہل سنت دلیل تحقیقی قرار دی جاوے اور اسی کے بموجب حضرت امیر کا حجت خدا ہونا بھی بقول شیعہ ثابت ہو جائے گا اور اگر اس دلیل کو حسب تقریر علماء شیعہ دلیل الزامی کہا جاوے تو پھر دلیل ہی تام نہیں چہ جائیکہ عسیر الجواب ہو اور حضرت کا حجت خدا ثابت ہونا تو درکنار ان کا ملزم ومنخصم ہونا لازم آئے گا چنانچہ مفصل ہم ابھی گذارش کر آئے ہیں۔

شیعی الزام اور اس کے جوابات

قولہ: جیسے کہ بعد سقیفہ وبیعت وخلافت خلیفہ اول جب حضرت کو بیعت کے واسطے بلایا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے قرابت رسول کے ذریعہ سے انصار سے خلافت لی ہے اب تم ہی انصاف کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کون قریب ہے چونکہ تم سے حق پایا ہے حق دو اس کا جواب بجز سختی ودرشتی حسب عادت خود خلیفہ ثانی نے کچھ نہ دیا اور جواب ہی کیا تھا چنانچہ یہ کل حال کتب معتبرہ تواریخ مثل روضۃ الصفا وغیرہ میں مفصل ومشرح مندرج ہے۔

امامت کے بارہ میں عجیب وغریب استدلال شیعہ کا جناب امیر کی طرف نسبت کرنا

اقول: اس کلام میں بوجوہ چند بحث وکلام ہے اولاً اس قصہ کو اہل سنت کی معتبر کتابوں سے ثابت کیجئے اس کے بعد جواب لیجئے اور کتب معتبرہ کے اندراج کی نسبت جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا اگر معتبرہ سے اپنی کتب معتبرہ مراد ہیں تو ہم پر حجت نہیں اور اگر ہماری معتبرہ مراد ہیں تو پہلے اعتبار ثابت فرمایئے اور روضۃ الصفاء کا معتبر ہونا غیر مسلم ہے ثانیاً خود آپ کی ہی کتب معتبرہ میں اس طرح مروی نہیں نہج البلاغۃ جو نہایت معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے۔

ومن کلام له علیه السلام لما انتهت الی امیر المومنین انباء السقیفة بعد وفات رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما قالت الانصار قالوا قالت منا امیر و منکم امیر قال فهلا احتججتم علیهم بان رسول الله صلی الله علیه وسلم وصی بان یحسن الی محسنهم ویتجاوز عن مسیئهم قالوا وما فی هذا من الحجة علیهم فقال لو کانت الامارة فیهم لم تکن الوصیة بهم ثم قال فماذا قالت قریش قالوا احتجت بانها شجرة الرسول فقال احتجوا بالشجرة واضاعوا الثمرة۔

اور آپ کے کلام میں سے ہے جب کہ سقیفہ کی خبریں بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس پہنچیں پوچھا انصار نے کیا کہا انھوں نے جواب دیا کہ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے فرمایا تم نے ان پر یہ دلیل کیوں نہ پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے کہ ان کے نیکوکاروں کے ساتھ احسان کیا جائے اور ان کے گناہگاروں سے درگذر کی جاوے انھوں نے کہا اس میں ان پر کیا حجت ہے فرمایا اگر ان میں امارت ہوتی تو ان کی وصیت نہ ہوتی فرمایا تو قریش نے کیا کہا کہا قریش نے دلیل دی کہ وہ رسول کے درخت میں یعنی نسب میں داخل ہیں درخت کی شاخیں ہیں پس فرمایا درخت سے تمسک کیا اور پھل کو چھوڑ دیا

دیکھو اس محل میں [illegible] کا نازل ہونا [illegible] سے [illegible] کرم [illegible] سے [illegible] اس میں [illegible] کہ جب آپ کو سقیفہ کی خبریں پہنچیں [illegible] کلام فرمایا اور [illegible] آپ کے [illegible] مقصود تھی [illegible] کے ساتھ [illegible]

نہیں چون وچرا کرنا سراسر خلاف حکم الٰہی ووصیت رسالت پناہی ناجائز اور حرام تھا تو کیوں کر ممکن ہے کہ آپ باوجود عصمت کے مرتکب معصیت کے ہوتے چنانچہ اس کے ایک خطبہ میں جس کا شروع یہ ہے ومن کلام له فی بیعة عثمان فرماتے ہیں والله لاسلمن ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیها جور الخ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل غلط اور موضوع ومفتری ہے۔ رابعاً جب ہم نفس اس الزام میں تامل کرتے ہیں تو اس کو غلط اور پوچ پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس دلیل سے ہرگز احتجاج صحیح نہیں ہوسکتا ہے اور نہ کوئی عاقل اس دلیل کو لائق احتجاج سمجھ سکتا ہے کیونکہ یہ دلیل حضرت نے اپنی احقیت خلافت کے لئے حسب زعم اولیا سامی فرمائی ہے پس ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے آپ کی احقیت خلافت کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کیونکہ آپ کے اس قول سے کہ قریش نے شجرہ کو پکڑا اور ثمرہ کو ضائع کیا یا یہ مراد ہے کہ ابعد کو لیا اور اقرب کو چھوڑ دیا تو اس سے آپ کی خلافت متنازعہ فیہا یعنی بلافصل ہرگز ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس تقریر سے لازم آتا ہے کہ حضرت عباس وعقیل احق بخلافت ہیں کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرب العصبات ہیں اعمام کا درجہ بنی الاعمام سے مقدم ہے یا یہ مراد ہے کہ اصول کو لیا اور فروع کو چھوڑا تو اس سے بھی واضح ہے کہ جناب امیر اس جگہ اپنے آپ کو فرع ہونے سے تعبیر فرماتے ہیں حالانکہ ابن العم فروع میں داخل نہیں اور اگر احقیت بالخلافت فروع کے لئے ثابت ہوگی تو جناب حسنینؓ بہ نسبت جناب امیر احق بالخلافت ہوں گے اور اگر فرعیۃ مجازیہ مراد ہے تو قطع نظر اس سے کہ ایسے امور میں مجازیۃ کو دخل نہیں اور لفظ شجر اور ثمر اس سے اباکرتا ہے یہ لازم آتا ہے کہ اسامۃ بن زید احق بالخلافت ہوں غرض یہ دلیل کسی پہلو پر ٹھیک نہیں بیٹھتی اور کسی کل سیدھی نہیں ہوتی ایسے واہی دلائل کا حضرت کی طرف منسوب کرنا گویا آپ کی حجت خدا ہونے میں قدح کرنا ہے کہ معاذ اللہ حضرت کو سلیقہ استدلال کا کچھ بھی نہیں تھا۔ خامساً ظاہر ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے دعویٰ خلافت کی تردید میں جو دلیل پیش کی تھی جس کو سب نے تسلیم کیا اور کسی نے چون وچرا نہیں کی اور جو متفق علیہ فریقین ہے وہ یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الائمة من قریش۔ امام قریش میں سے ہوں گے۔

صورت استدلال یہ تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص سے امامت کا ان میں قریش میں ہونا ثابت ہوا کہ جس میں انصار شریک نہیں ہوسکتے تو انصار کا استحقاق باطل اور ان کا مطالبہ بے محل ہوا اور اس حدیث متفق علیہ شیعہ واہل سنت سے یہ بھی واضح ہے کہ جب امامت

قریش کا ہی حق ہے تو نفس اس حق میں تمام قریش متساویۃ الاقدام ہیں کیونکہ الفاظ نص سے کسی کی تخصیص وترجیح معلوم نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ خداوند کریم کے نزدیک اس کی عباد میں سے محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو اسی لئے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ — خدا کے نزدیک تم میں بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

ارشاد ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پیارا وہی ہے جو احکام الٰہی کا زیادہ مطیع ہو خواہ حر ہو یا عبد عربی یا عجمی چنانچہ شرح نہج البلاغۃ میں آپ سے نقل ہوا ہے۔

ان ولی محمد من اطاع اللہ وان بعدت لحمتہ وان عدو محمد من عصی اللہ وان قربت قرابتہ۔ — محمد کا دوست وہ ہے جو خدا کی اطاعت کرے اگرچہ اس کی قرابت بعید ہو اور محمد کا دشمن وہ ہے جو خدا کی نافرمانی کرے اگرچہ اس کی قرابت قریبہ ہو۔

اسی واسطے خداوند کریم نے حضرت نوح کے فرزند کی نسبت انہ لیس من اھلک فرمایا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدار قرب کا قرب قرابت پر نہیں بلکہ اس کے لئے دوسرے اوصاف کی ضرورت ہے تو اس سے واضح ہوا کہ اس حدیث میں حضرت نے خاص قریش ہی کو اس فضل کے ساتھ مخصوص فرمایا کہ الائمۃ من قریش یہ خصوصیت محض توفیقی ہے عقل کو اس میں دخل نہیں ہے اور قاعدہ ہے کہ جو امر شارع علیہ الصلوٰۃ سے خلاف قیاس ثابت ہو اس کا تعدیہ نہیں ہو سکتا اور شیعہ کے نزدیک تو قیاس عموماً یوں بھی جائز نہیں ہے حضرت خلیفہ اول نے اگر اس حدیث سے انصار کی امامت کو رد کیا تو ایسی نص سے رد کیا جو خلاف قیاس محض توقیفی تھی تو اگر جناب امیر نے اس کو ثن کر یہ فرمایا ہو احتجوا بالشجرۃ واضاعوا الثمرۃ جیسا کہ شیعہ کا زعم ہے اور واقع میں ایسا آپ نے نہیں فرمایا ہوگا تو گویا آپ نے خلاف قیاس نص میں قیاس کیا اور یہ ایسی خطا ہے کہ مجتہدین امت سے بھی صادر نہیں ہو سکتی آپ کے شہید ثانی معالم الاصول میں تحریر فرماتے ہیں القیاس ھو الحکم علی معلوم بمثل الحکم الثابت لمعلوم اخر لاشتراکھما فی علۃ الحکم فموضوع الحکم الثابت یسمی اصلاً وموضوع الاخر یسمی فرعا والمشترک جامعا وعلۃ وھی اما مستنبطۃ او منصوصۃ وقد اتفق اصحابنا علی منع العمل بالمستنبطۃ الا من شذ وحکی اجماعھم فیہ غیر واحد منھم وتواتر الاخبار بانکارہ عن اھل البیت علیھم السلام وبالجملۃ فمنعہ یعد من ضروریات الدین واما المنصوصۃ ففی العمل بھا خلاف بینھم فظاھر المرتضی

ایضاً الخ۔ اور نیز اس متفق علیہ نص سے یہ بات بھی ثابت ہوتی کہ تخصیص ائمہ اثنا عشر کے غلط اور بلا دلیل ہے کیونکہ جب ایک حکم ایک بڑے قبیلہ کی طرف عموماً نسبت کیا گیا ہے وہ اس کے تمام افراد کو شامل ہوگا اور اس قبیلہ کے افراد میں سے جس جگہ وہ حکم پایا جائے گا معتبر اور صحیح ہوگا ورنہ ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت کی بابت نص فرماتے کہ ائمہ کے ہی واسطے ہے تو الائمۃ من قریش کی کیا ضرورت تھی پس معلوم ہوا کہ وہ نص محض حضرات کی تراشی ہوئی ہے الغرض یہ الزام ایسا واہی الزام ہے کہ ہم کو بلکہ جس کو ذراسی بھی عقل ہوگی وہ اس الزام کا جناب امیر کی طرف منسوب کرنا نہایت شنیع سمجھے گا اور حضرات شیعہ کو اسی پر کیا کچھ افتخار و ناز ہے اور اسی کو لاجواب سمجھتے ہیں افسوس کہ ایسے وقت میں تمام نصوص ووصایا حضرت فراموش ہو گئے اور یاد آیا تو یہ ایک ناقص ولغو استدلال یاد آیا۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

حوالہ جات میں شیعہ کی تحریف کا ایک نمونہ اور اس کا جواب

قولہ: اسی طرح اس خط میں معویہ کو الزاما تحریر فرماتے ہیں کہ تو خلفاء سابقہ کی خلافت کو حق جانتا ہے اور مہاجرین وانصار کا شوریٰ حجت سمجھتا ہے میری بیعت بھی تجھ پر لازم ہے کیونکہ یہ بیعت بھی ان اشخاص نے کی ہے کہ جنھوں نے خلفاء سابقہ کی بیعت کی تھی۔

اقول: حضرت خط کے آخر جملوں کے مطلب کا خلاصہ بھی تو ذکر فرمایا ہوتا تاکہ بزعم سامی الزام کو اور زیادہ تقویت ہوتی، آخر کس مصلحت سے ان کے مضمون کو ترک کیا ہے ہم سابق میں تفصیل کے ساتھ گذارش کر آئے ہیں کہ یہ دلیل، دلیل الزامی نہیں ہو سکتی اور یہ جو ہمارے فاضل مجیب اپنی کمال تبحر اور تدین سے فرما رہے ہیں کہ تو خلفاء سابقہ کی خلافت کو حق جانتا تھا اور مہاجرین وانصار کا شوریٰ حجت سمجھتا تھا یہ ہرگز ان الفاظ سے مفہوم نہیں ہوتا اگر اس عبارت کے یہ معنی ہوں تو مصداق مثل المعنی فی بطن الشاعر کا ہوگا اور کیا ضرورت ہے جو بے ضرورت خلاف اصل ارتکاب حذف کا اختیار کیا جاوے پس صاف اور سیدھا مطلب اس عبارت کا یہ ہے جو ہم کہتے ہیں کہ جناب نے تحریر فرمایا میرے ہاتھ پر متابعین خلفاء نے بیعت کی ہے اس میں کسی حاضر وغائب کو چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ شوریٰ کا استحقاق صرف مہاجرین وانصار ہی کو ہے جب وہ کسی امر پر مجتمع ہو جاویں اور کسی کو امام بنالیں تو اس میں خدا کی رضامندی ہے اور اگر کوئی طعن یا بدعت کر کے اس میں سے نکلے اس کو اس میں لوٹا دو اور اگر انکار کرے تو لڑو۔ اور خدا اس کو جہنم میں ڈالے گا۔ آپ اس مضمون کو بھی

مطابق اصل عبارت کے کیجئے اور اپنے مدعا کو بھی مطابق کیجئے اور انصاف سے دیکھئے کہ کون سا ترجمہ مطابق عبارت کے ہے پھر آنکھیں کھول کر دیکھئے کہ الزام ہے یا تحقیق واللہ ہو الموفق۔

قولہ: آپ کے خاتم المحدثین جو یہ فرماتے ہیں کہ ویر بدیہی است کہ بیعت مہاجرین و انصار را کہ ہرگز بر معویہ پوشیدہ نبود اگر بجوی می شمرد چرا در حیات حضرت امیر در مجالس و مکاتیب خود ذکر میکرد انتہی بقدر الحاجۃ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لازم نہیں کہ ہر آدمی اپنے ہر قول و فعل میں ہمیشہ صواب پر ہی ہو اور اس کے افعال و اقوال میں تناقض نہ ہو بلکہ اہل ہوا و اصحاب دنیا کا یہ ہی حال ہے کہ جس میں اپنا نفع دیکھتے ہیں وہ اختیار کرتے ہیں جب خلفاء ثلاثہ کی خلافت میں اپنا دنیوی فائدہ دیکھا ان کی صحت و حقیت خلافت کا قائل ہو گیا اور جب سمجھا کہ جناب امیر علیہ السلام کی صحت خلافت میں وہ فائدہ دنیوی نہ رہے گا منکر و باغی ہو گیا ورنہ آپ ہی فرماویں کہ اگر معویہ خلفاء ثلثہ کی صحت خلافت پر مہاجرین و انصار کی بیعت کا قائل نہ تھا تو ان کی خلافت اس کے نزدیک کیوں کر اور کس دلیل سے ثابت ہوئی تھی کیا معویہ جو رجال المومنین اور اصحاب رسول اللہؐ سے ہے اجماع اہل حل و عقد کو حجت نہ جانتا تھا اور وہ بھی مثل روافض نص و عصمت و افضلیت کا قائل تھا یا اس کے نزدیک خلافت کی اور شرطیں تھیں اگر یہ بات ہے تب بھی اجماع حجت نہ رہا اور خلیفہ اول کی خلافت جو اجماع سے ہی ثابت ہے اور اہل سنت کا اس پر ہی ناز ہے درست نہ رہی۔

امیر معویہؓ جناب امیرؓ کی خلافت کو کیوں تسلیم نہ کرتے تھے اور ان کے نزدیک کون سا امر شرط انعقاد خلافت تھا

اقول: اگرچہ اس کا جواب ہمارے کلام سابق سے واضح ہے لیکن چونکہ حضرت مجیب کو عبارت تحفہ کی فہم میں خطا ہوئی اور یہ مضمون اس پر بطور اعتراض بیان فرمایا اس لئے آپ کی خوش فہمی کا اظہار بھی واجبات سے ہے پس واضح ہو کہ اے حضرت میر صاحب سخن فہمی جناب پر ختم ہے جواب تو آپ نے تحریر فرمایا لیکن پہلے تحفہ کی عبارت کا مضمون تو سمجھا ہوتا بے سوچے سمجھے اناپ شناپ یونہی لکھ دینا کون سی عقل کا کام ہے چونکہ تحفہ عام طور پر ہر جگہ دستیاب ہوتا ہے نقل عبارت کی کچھ ضرورت نہیں صرف بیان مضمون پر اکتفا کرتا ہوں اور اس کے بعد آپ کے جواب کی خوبیاں ظاہر ہوجائیں گی حضرت خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ اس دلیل کے الزامی ہونے کے ابطال میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ دلیل الزامی

ہے تو الزامی دلیل کے واسطے لازم ہے کہ اس کے مقدمات مسلم عند الخصم ہوں۔ اور امیر معاویہ کے نزدیک یہ مقدمات کب مسلم تھے اس کا مذہب جو اس کے خطوط سے جو حضرت امیر کے خطوط کے جوابوں میں بھیجے اور امامیہ و زیدیہ کی کتابوں میں مذکور ہیں ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جو مسلمان قریشی کہ مہمات امامت کو سرانجام کر سکے اور تنفیذ احکام و جہاد کفار و سیاست رعایا اور تجہیز جیوش اور سد ثغور پر قادر ہو اور مسلمانوں میں سے ایک جماعت اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں خواہ وہ جماعت اہل مدینہ اور مکہ ہوں یا اہل عراق و شام وہ امام ہے اور جس کے اندر یہ صفات مذکورہ نہ پائی جائیں اور ان پر قادر نہ ہو اور دفع مفاسد نہ کر سکے گو وہ مہاجرین اولین سے ہو اور اگرچہ اس کے ہاتھ پر مہاجرین و انصار نے بیعت کی ہو وہ صالح اور اہل للامامۃ نہیں اور بیعت اہل حل و عقد سے وہ امام نہیں ہو سکتا۔ پس جناب امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت امیر معویہ کے نزدیک اسی واسطے صحیح نہیں ہے کہ اس کے زعم میں جناب میں یہ اوصاف مفقود تھے بلکہ علاوہ فقدان اوصاف کے کہ جو خلافت کے لئے شرائط ہیں بوجہ اتہام قتل عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے قاتلین کی حمایت کے حضرت کو غیر مصلح اور ساعی فی الارض بالفساد گمان کرتا تھا چنانچہ بارہا مجالس و مکاتیب میں اس کا ذکر کیا اور طنز و تعریض کے طور پر تخطیہ کیا تو ایسی حالت میں جب کہ اس کے نزدیک معاذ اللہ جناب امیر میں شرائط صحت خلافت ہی مفقود ہیں اور آپ اہل اور صالح للخلافت ہی نہیں ہیں تو بیعت مہاجرین و انصار اس کے نزدیک کیا حقیقت و وقعت رکھ سکتی ہے اور یہ بیعت اس کے نزدیک کیونکر صحیح اور مسلم ہو سکتی ہے اور اس بیعت سے اس پر کیونکر الزام دیا جا سکتا ہے بخلاف خلفاء ثلثہ کے کہ وہ بحول اللہ و قوتہ ان سب صفات کے ساتھ متصف تھے مرتدین کی قوت و شوکت کو ان ہی کی ہمت علیا نے خاک میں ملایا کسریٰ و قیصر کی بڑی بڑی سلطنتیں ان ہی کی حسن تدابیر سے پائمال ہو کر اہل اسلام کے قبضہ میں آئی مشرق سے مغرب تک اسلام کا شیوع ان ہی کی قوت ایمانی اور نیک نیتی کا ثمرہ ہے اور ان ہی کے نامہ اعمال میں ثبت ہے جناب امیر اسی کے واسطے ہمیشہ حسرت سے فرماتے رہے ابتلیت بقتال اهل القبلة اور اس سے زیادہ ان کی قوت و شوکت و ہمت و شجاعت و حسن تدبیر کی کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ انھوں نے امامت کو بزور و زبردستی ایسے شخص کے ہاتھ سے غصب کیا جو شجاعت میں یکتا اور تہور میں لاثانی اور جرأت میں بے مثل تمام قوم عاد کو تن تنہا ایک لحظہ میں دار الفنا کو پہنچا دیا اور منصوص من اللہ اور منصوب من الرسول تھا موت و حیات کا بھی جس کو علم تھا مگر اختیار میں تھے کہ تمام روئے زمین کے آدمی بھی اس کے مقابلہ میں ہوں تو کچھ پروا نہ کرنے والا تھا فی الواقع ایسے شخص سے زبردستی غصب کرنا بڑی شجاعت اور عقل کی [illegible] سے بعید [illegible] ہے کہ معاذ اللہ [illegible]

خدا اور سول نے بھی ڈر کر بکمال تاکید و تشدید اشجع الناس و اعقل الناس کو فرمایا کہ تو ان کے مقابلہ میں چون و چرا کچھ نہ کیجیو اور بھولے سے بھی کبھی اپنے حق کا نام نہ لیجیو اور ان سے بیعت بھی کر لینا اور جس طرح گزرے تقیہ کے پردہ میں اطاعت و آشتی سے گزارنا پس جب ان کے اندر یہ کمالات وجوہر تھے تو جب اہل حل و عقد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو معویہ کو اس میں کیا چون و چرا کی گنجائش تھی اور کسی متدین عاقل کو اس میں چون و چرا نہیں ہو سکتی اب اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ (اگر معویہ صحت خلافت خلفاً پر بیعت مہاجرین و انصار کا قائل نہ تھا تو ان کی خلافت اس کے نزدیک کیوں کر اور کس دلیل سے ثابت ہوئی تھی) بالکل لغو اور پوچ ہو گیا منشاء اس کا یہ تھا کہ مطلب عبارت کا نہیں سمجھے اور بعد اس کے یہ فرمانا کہ (کیا عصمت و نص و افضلیت کا قائل تھا یا اس کے نزدیک اور شرطیں تھیں تب بھی ثبوت خلافت باجماع نہ رہا) اس سے بھی زیادہ لغو اور بے ہودہ ہے۔ عبارت تحفہ کو سمجھئے اس سے بخوبی واضح ہے کہ اس کو کون امر تسلیم خلافت جناب امیر سے مانع تھا اور وہ خلفاء ثلثہ میں موجود ہے یا مفقود نہ اس کے نزدیک شرائط ثلثہ شرط خلافت تھی نہ کوئی اور شرط تھی بلکہ بیعت اہل اسلام کو مع وجود الاہلیۃ والصالحیۃ شرط خلافت گنتا تھا جو اس کے زعم میں جناب امیر میں مفقود تھی اور خلفاء ثلثہ میں موجود۔ پس بر دستے اس کے مذہب کے خلفاء ثلثہ کی صحت خلافت میں تامل و تردد نہیں ہو سکتا رہا یہ الزام کہ امیر معویہ نے جب تک خلفاء ثلثہ کی خلافت میں اپنا دنیوی فائدہ دیکھا ان کی حقیت خلافت کا قائل رہا اور جب سمجھا کہ جناب امیر کی خلافت میں وہ فائدہ نہ رہے گا منکر و باغی ہو گیا عجیب و غریب ہے کیا آپ کے نزدیک امیر معاویہ بھی مثل جناب امیر کے محدث و غیب دان تھا کہ وہ اول ہی سمجھ گیا کہ حضرت کی خلافت میں وہ فائدہ نہ رہے گا کیا امیر معویہ زیاد بن ابوسفیان سے بھی زیادہ برا تھا کہ آپ نے اس کو عامل مقرر فرمایا اور امیر معویہ کو نہ کرتے۔ علاوہ ازیں اگر آپ کے نزدیک یہ امر شنیع ہے تو آپ کے حضرت محمد بن الحنفیہ نے جناب سید الشہداء کی رفاقت ترک کی اور یزید کی خدمت اور آستانہ بوسی کا احرام باندھا و شتان بینہما آپ کے صحابہ مقبولین نے جناب امیر کی خدمت چھوڑ کر خلفاء کا عامل ہونا قبول فرمایا پس آپ کے نزدیک اگر یہ حضرات مطعون بطلب دنیا ہیں تو امیر معویہ بھی سہی ورنہ جو جواب یہاں دیں وہی وہاں بھی قبول فرماویں۔

قولہ: واقعی یہ الزامی حجت جناب امیر نے اس پر ایسی ختم فرمائی تھی کہ اس کا کچھ جواب نہ دیسکا در صرف دو کاغذ سفید و سادہ پیچیدہ کر کے اور یہ عبارت لکھ کر من معویۃ بن ابی سفیان الی علی بن ابی طالب بھیج دیئے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے زبیر بن بکار سے جو محدثین اہل سنت سے ہے نقل کیا ہے

[illegible] نے جریر بن عبد اللہ بجلی سے ایک طویل روایت کے ضمن میں روایت کی ہے۔ فلما جاء ھذا الکتاب وصل بین ابیضین ثم طواھما وکتب عنوانھما من معویۃ بن ابی سفیان الی علی بن ابی طالب ودفعھما الی لا اعلم ما فیھما ولا اظنھا الا جوابا وبعث معی رجلا من بنی عبس لا ادری ما معہ فخرجنا حتی قدمنا الکوفۃ واجتمع الناس فی المسجد لا یشکون انھا بیعۃ اھل الشام فلما فتح علی الکتاب لم یجد شیئا انتھی۔ پس جو مذہب اس کا آپ کے خاتم المحدثین نے لکھا ہے اگر وہی ہوتا تو اس خط کے جواب میں کیوں نہ اس کو لکھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حجت الزامی اس پر ایسی ختم ہوئی تھی کہ بجز سادہ کاغذ کچھ جواب نہ دے سکا۔ کیونکہ ایسی مجبوری الزامی حجت ہی میں ہو سکتی ہے ورنہ اور قسم کا جواب تو ہر شخص اپنی عقل کے موافق دے سکتا ہے۔

امیر معاویہ نے جناب امیر کے خط کا ایسا جواب دیا کہ اگر اہلسنت کیموافق نہ دیکھا جائے تو پھر جناب امیر کیطرف سے کچھ جواب نہیں ہو سکتا

اقول: امیر معویہؓ کے جواب نہ دینے اور سادہ کاغذ لپیٹ کر بھیجنے کی نسبت جو کچھ لکھا وہ حضرت کی باوجود ادعائے ہمہ دانی کے کمال تجر علمی پر واضح دلالت کرتا ہے اور اس کی تکذیب ہمارے پہلے قول سے جس میں ہم نے ابن میثم سے جواب اور جواب الجواب نقل کیا ہے کماحقہ ہوتی ہے اور ابن ابی الحدید باوجود معتزلی ہونے کے اگرچہ علماء شیعہ کے نزدیک فی الجملہ معتبر ہے لیکن بمقابلہ ابن میثم اس کا قول ہرگز قابل احتجاج نہیں ہو سکتا ہے اور اہلسنت پر اس کے قول و روایت سے حجت لانا ہمارے فاضل مجیب جیسے مناظرہ دان کا ہی کام ہے غرض آپ شرح ابن میثم دیکھ لیجئے آپ کو ابن ابی الحدید کی روایت کی غلطی معلوم ہو جائے گی اور ثابت ہو جائے گا کہ امیر معویہ نے ایسا جواب دیا کہ اگر یہ تحریر الزام ہو تو آپ ملزم و مفحم ہوں اور اگر بالفرض سادہ کاغذ ہی پیچیدہ کر کے بھیج دیا تو اس سے ہمارے مجیب لبیب کا یہ مطلب سمجھنا کہ چونکہ کچھ جواب نہ دے سکا اس لئے سادہ کاغذ لپیٹ کر بھیج دیا بالکل غلط ہے بلکہ ممکن ہے کہ اس وجہ سے سادہ کاغذ بھیجا ہو کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو جاوے کہ آپ کو مدعا یہاں حاصل شدنی نہیں چونکہ آپ نے جریر کے ہاتھ جو خط بھیجا تھا اس میں بیعت کے واسطے لکھا تھا تو [illegible] سادہ کاغذ [illegible] تھا کہ اس میں تاکہ مبانی پر دیں ہو جائے

یا ممکن ہے کہ سادہ بھیجنے سے ایما اس طرف ہے کہ یہ تحریر قابل جواب ہی نہیں کیونکہ پہلے آپ اپنے آپ کو اہل اور صالح للخلافت تو ثابت کریں۔ باقی رہا یہ فرمانا کہ ایسی مجبوری الزامی حجت ہی میں ہو سکتی ہے، ورنہ اور قسم کا جواب تو ہر شخص اپنی عقل کے موافق دے سکتا ہے حضرت کی کمال مناظرہ دانی پر دال ہے حضرت کو یہ بھی اب تک معلوم نہیں کہ اقسام ادلہ میں سے کون سی دلیل زیادہ قوی اور معتبر ہوتی ہے۔ حضرت میر صاحب الزامی دلیل کے واسطے یہ لازم نہیں ہے کہ باعتبار واقع اور نفس الامر کے بھی صحیح ہو یا نہ ہو پس اگر اس کی صحت ہوتی ہے تو صرف بزعم مستدل عند الخصم ہوتی ہے خواہ واقع میں اور عند الخصم غلط ہی کیوں نہ ہو اور ہم اس تحریر کو جو دلیل تحقیقی اور مقدمات حقہ سے مرکب کہتے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ یہ دلیل عند اللہ حق ہے اور باعتبار واقع کے صحیح تو ہر یک مسلمان کو اس کا اتباع واجب ہے کیونکہ جس کی حقیت اصول شرع سے ثابت ہو وہ تمام اہل اسلام کو واجب القبول ہے اور مستدل اور خصم کے نزدیک مسلم ہو گی اب خیال فرمایئے یہ تحقیق قوی ہے جو سب کی مسلم ہے یا وہ الزام قوی ہے جو صرف خصم کا ہے بزعم مستدل مسلم ہے اگر بالفرض اس پر بھی امیر معویہ کی طرف سے آپ وہی اعتراض فرمادیں جو انھوں نے کہا ہے سو اس کا جواب وہی ہے جو جناب امیر نے تحریر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اتباع سبیل المومنین کا حکم فرمایا اور اس کی مخالفت سے ڈرایا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہو گی تو اب یہ کہنا کہ بیعت اہل حل و عقد کی غیر صالح للامامت کے واسطے ہوئی گویا سب کی تضلیل ہے جو مستلزم تکذیب خداوند تعالیٰ شانہ ہے چنانچہ اس کا جواب امیر معویہ کی طرف سے ہماری نظر سے نہیں گذرا اور اگر کوئی اس کا جواب ہوگا بھی تو غالبا اسی قسم کا جیسا پہلے جواب دیا تھا جس کی تردید ایک جملہ میں کر دی گئی تو اب آپ خیال فرمائیں کہ اگر اس تحریر کو الزامی سمجھا جائے تو امیر معویہ کے اعتراض کا کچھ جواب نہیں ہو سکتا اور جب تک اس کو تحقیقی تسلیم نہ فرمادیں اس وقت تک یہ خط لاجواب نہیں ہو سکتا لیکن اس کے تحقیقی ہونے میں مذہب تشیع سے دست بردار ہونا پڑے گا کیونکہ یہ خط قلع اساس تشیع بالبداہتہ کر رہا ہے

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی پر اعتراض کا جواب

قول: جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ خط اس کو الزاما لکھا گیا ہے تو یہ فقرہ انما الشوری [illegible] بھی الزاما ہو [illegible] آپ کے [illegible] یہ جو فرماتے ہیں کہ [illegible] چشم پوشی نمودن [illegible] اطراف وجوانب کلام [illegible] قدر [illegible] کی تحریر سے سخت تعجب ہے [illegible] جہاں کرنے [illegible]

مخالف کے نزدیک ان کی قدر و منزلت ہو اور یہ بدون بسط کلام و تکرار و نشاط ہو نہیں سکتا۔

اقول: جو کچھ آپ نے بزعم خود ثابت سمجھا تھا کہ یہ خط الزاما لکھا گیا ہے وہ محض کنسج العنکبوت تھا اس پر بندہ نے جو کچھ گذارش کیا اس سے مثل روز روشن واضح ہو گیا کہ اس خط کا الزامی ہونا غلط اور باطل ہے بلکہ تحقیقی ہونا ثابت ہے خاتم المحدثینؒ کی تحریر سے اگر آپ کو سخت تعجب لاحق حال ہو تو کچھ تعجب نہیں عموما آپ کا فہم عبارات میں یہ ہی حال ہے کہ سہل عبارتوں میں غلطاں و پیچاں ہوتے ہیں اور نہیں سمجھتے اگر اس عبارت کو بھی نہ سمجھے تو کچھ تعجب نہیں اس کلام میں قدر الزام سے جس قدر زیادہ بسط کیا ہے وہ صاف طور پر اس کی تحقیق ہونے پر دال ہے تو جب ایسے جملے بڑھائے جائیں گے جو الزامی ہونے کو باطل کریں گے تو کیونکر مخالف کے نزدیک باعث قدر و منزلت دلیل کے ہوں گے تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چشم پوشی کرنا اطراف وجوانب کلام سے جو زائد قدر الزام ہے الزام صرف اسی قدر سے حاصل ہو سکتا تھا کہ ذکر بیعت فرمادیتے اور باقی عبارت کو فاذا اجتمعوا علی رجل سے آخر تک الزام میں کچھ دخل نہیں ہے ترک کرتے امام معصوم معاذ اللہ کیوں جھوٹ بولنے اور وہ بھی خدا تعالیٰ پر کہ کان للہ رضی ولیصلہ جہنم وساءت مصیرا کمال نشاط و تحسین و تاکید و تکریر کے ساتھ معاذ اللہ غرض کلام کی اطراف وجوانب جو زائد قدر الزام سے ہیں وہ ہیں جن کو الزام میں کچھ دخل نہیں بلکہ کذب بے حاصل اور الزام کے مخالف ہیں پس ان میں بسط و نشاط کرنا سراسر بے جا اور ناجائز ہے افسوس کہ کلام میں اس قدر بسط و نشاط ہو اور ایک لفظ بھی ایسا نہ فرماویں جو اس کے الزام ہونے پر دال ہو بلکہ جس قدر بسط کریں وہ الٹا اس کے تحقیقی ہونے پر زیادہ دلیل ہوتا جائے آپ ہی کے اعتقاد کے بموجب حجت اللہ کی ایسی کلام ہو سکتی ہے کہ دل میں کچھ کریں اور زبان سے اس کے خلاف کچھ ظاہر ہو معاذ اللہ من سوء الظن۔

قول: معہذا یہ کلام گو بطور الزام فرماتے مگر واقع میں عین صدق و محض حق ہے اور اس سے بطلان خلافت خلیفہ اول ثابت ہے کیونکہ خلیفہ اول کی بیعت پر سب مہاجرین و انصار کا اجماع نہیں ہوا کیونکہ جناب امیر و بنی ہاشم وغیرہ و سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی چونکہ اس میں ذات ستودہ صفات جناب امیر بھی داخل ہے کیونکہ آنحضرت بھی جملہ مہاجرین بلکہ رئیس المہاجرین تھے فی نفسہ ہماری موید ہے [illegible] خلیفہ اول خلیفہ [illegible]

[illegible] اللہ [illegible] صاحب نے اس دلیل کا تحقیقی ہونا [illegible]

[illegible]

اے مسیحا میرے ایام بھلے آئیں گے جب
بن بلائے میرے گھر آپ چلے آئیں گے

مجیب لبیب نے خط انه بالیعنی القوم الذین الخ کو تحقیقی تسلیم فرما کر مذہب تشیع کو باطل کر دیا

ہمارے فاضل مجیب فرماتے ہیں گو یہ کلام بطور الزام کے ہے لیکن واقع میں عین صدق اور محض حق ہے اور ہم تحقیقی اسی کو کہتے ہیں کہ جو باعتبار واقع اور نفس الامر کے عین صدق اور محض حق ہو تو جب یہ کلام باعتبار واقع کے عین صدق و محض حق ہے تو ہر ایک جملہ اس کا مطابق واقع کے ہے اور صغری و کبری قیاس کے عند اللہ حق ہیں تو صغری قیاس اقترانی کا جو اس دلیل سے مستنبط ہوتا ہے یہ ہے۔ لانه بالیعنی القوم الذین بالیعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بالیعوهم علیه اور اس کا کبری یہ ہوگا و کل من بالیعه هولاء القوم فلیس لمن شهد بیعتهم ان یختار غیر من بالیعوه ولا للغائب عنها ان یردها اور یہ ہر دو صغری و کبری حسب اعتراف فاضل مجیب عین صدق و محض حق ہیں تو نتیجہ اس کا بھی حق ہوگا وہ یہ کہ انه لیس لاحد ممن حضر او غاب ان یرد بیعتهم لی اور یہ اس امر کو مستلزم ہے کہ حاضر و غائب سب پر بیعت لازم ہو گئی کیونکہ جب عند اللہ حق ہوئی تو کسی کو حاضرین و غائبین میں سے چون و چرا کی گنجائش نہیں ہو سکتی عبارت شرح ابن میثم کی اس کی مؤید عرض کرتا ہوں،

فقوله اما بعد الی قوله الشام صورة الدعوی وقوله لانه بالیعنی الی قوله علیه صورة صغری القیاس ضمیر من الشکل الاول لینتج منه ملزوم ملك الدعوی لغایته صدقها بالصدق ملزومها و تقدیر الکبری وکل من بالیعه هولاء القوم فلیس لمن شهد بیعتهم ان یختار غیر من بالیعوه ولا للغائب عنها ان یردها ینتج انه لیس لاحد من حضر او غاب ان یرد بیعتهم لنا و ذلك یستلزم کونها

قوله اما بعد سے قوله الشام تک دعوی کی تصویر ہے اور قوله بالیعنی سے قوله علیه تک شکل اول سے قیاس کا صغری ہے تاکہ اس سے اس دعوی کے ملزوم کا نتیجہ حاصل ہو جائے کیونکہ اس کے ملزوم کے صدق کو منتج ہے، اور کبری کی تقدیر یہ ہے وکل من بالیعه هولاء فلیس من شهد بیعتهم ان یختار غیر من بالیعوه ولا للغائب عنها ان یردها تو نتیجہ یہ ہوگا لیس لاحد من حضر و غاب ان یرد بیعتهم [illegible] اور یہ مستلزم [illegible]

[illegible]لازمة لمن حضر او غاب وهذه النتیجة هی قوله فلم یکن الی قوله یرد وقوله وانما الی قوله تولی تقریر لکبری القیاس وحصر للشوری والاجماع فی المهاجرین والانصار لانهم اهل الحل والعقد من امة محمد صلی اللہ علیه وسلم فاذا اتفقت کلمتهم علی حکم من الاحکام کاجتماعهم علی بیعته وتسمیته اماما کان ذلك اجماعا ورضی اللہ ای مرضیا له وسبیل المومنین الذی یجب اتباعه فان خالف امرهم وخرج عنه بطعن فیهم او من اجمعوا علیه کخلاف معویة وطعنه فیه بقتل عثمان ونحوه او ببدعة کخلاف اصحاب الجمل وبدعتهم فی نکث بیعته ردوه الی ما خرج عنه فان ابی قاتلوه علی اتباعه غیر سبیل المومنین حتی یرجع الیه وولاه اللہ ما تولی واصلاه جهنم وساءت مصیرا۔

کو ہے کہ بیعت حاضر اور غائب کو لازم ہو جاتے اور یہ نتیجہ قوله فلم یکن سے قوله یرد تک ہے اور قوله انما سے قوله تولی تک کبری قیاس کی تقریر ہے اور شوری اور اجماع کو مہاجرین اور انصار میں حصر کیا کیونکہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ ہی اہل حل و عقد ہیں جب وہ متفق الکلمہ کسی حکم پر احکام میں سے ہو جائیں جیسا آپ کی بیعت اور آپ کے امام بنانے پر تو یہ اجماع صحیح اور اللہ کا پسندیدہ اور مومنین کا رستہ جس کا اتباع واجب ہی ہوگا پھر اگر کوئی ان کے امر کی مخالفت کرے اور ان میں سے ان پر طعن کر کے نکلے جیسا کہ معویہ نے خلاف کیا اور جناب میں قتل عثمان کا طعن کیا یا مثل اس کے یا کوئی شخص بدعت کر کے نکلے جیسا اصحاب جمل نے خلاف کیا اور بدعت نکالی تو ان کو لوٹا دو جس جگہ سے نکلے ہیں اور اگر انکار کرے تو لڑو مسلمانوں کے سوا دوسرے رستہ کی پیروی کرنے پر یہاں تک کہ اس طرف لوٹے اور متوجہ کرے گا اس کو اللہ جدھر وہ پھرا ہے اور جہنم میں اس کو داخل کرے گا اور وہ بری جگہ ہے۔

اگرچہ اس عبارت سے اس دلیل کا تحقیقی ہونا صاف و صریح مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ بمقابلہ اعتراف سامی اس عبارت سے اس کے تحقیقی ہونے پر کسی شاہد و برہان کی ضرورت نہیں تو یہ عبارت صرف بطور تنبیہ و تشریح اجزاء قیاس عرض کی گئی ہے تو جب اس کلام کا حسب اعتراف فاضل مجیب عین صدق اور محض حق ہونا ثابت ہوا تو اس کلام میں ابوبکر و عمر و عثمان کی حقیت خلافت کے ساتھ اپنی خلافت کی حقیت پر استدلال کیا ہے اگر ان کی خلافت کی صحت و حقیت کسی دلیل سے باطل ہو تو آپ کی خلافت بھی ثابت نہ ہوگی اور اگر ان کی خلافتیں حق ہوں گی تو چونکہ یہ خلافت بھی ان ہی پر متفرع اور ان ہی کی قدم بقدم ہے یہ بھی حق ہوگی تو اس کلام کے عین صدق و محض حق ہونے کی صورت میں ثبوت حقیت خلافت خلفاء ثلثہ کا اولاً ہے اور ثبوت حقیت خلافت جناب امیر ثانیاً کیونکہ اولاً اجماع و بیعت اہل حل و عقد سے [illegible] ثابت ہوئی بعد اس کے صحت و حقیت خلافت خلفاء ثابت ہوئی

اس کے بعد حضرت کی خلافت کی حقیت ثابت ہوئی۔ اس پر ہمارے فاضل مجیب کا یہ ارشاد کہ اسی سے بطلان خلافت خلیفہ اول ثابت ہے کیونکہ خلیفہ اول کی بیعت پر سب مہاجرین و انصار کا اجماع نہیں ہوا الخ قابل تماشائے منصفان روزگار اولوا البصار و الابصار ہے کیونکہ اس قول میں کہاں ہے کہ انعقاد خلافت کے لیے تمام مہاجرین و انصار کی بیعت کی ضرورت ہے اور اس کلام میں کس جگہ اشتراط اجتماع جمیع اہل حل و عقد حقیت خلافت کے لیے لکھا ہے اس میں تو صاف و صریح مثل آفتاب روشن ہے کہ میرے ہاتھ پر بیعت ان لوگوں نے کی جنھوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کے ہاتھ پر کی تھی خواہ وہ تمام مہاجرین و انصار تھے اور خواہ وہ بعض تھے اور خواہ وہ دس تھے یا پانچ تھے یا ہزار تھے یا دس ہزار تھے جس قدر تھے ان کی بیعت کرنے سے انعقاد خلافت ثابت ہوا اور حقیت خلافت متحقق ہوئی خواہ جناب امیر و بنی ہاشم و سعد بن عبادہ شریک تھے یا نہیں تھے حضرت امیر نے اس قول عین صدق اور محض حق میں یہ تسلیم فرمالیا کہ جنھوں نے خلفاء سے بیعت کی وہ کوئی تھے اور اگرچہ بالفرض وہ مہاجرین بھی نہیں تھے کیونکہ معرفت حجت کی جو شرط ہجرت علی مزعوم الامامیہ ہی مفقود تھی تاہم ان کا بیعت کرنا موجب حقیت خلافت تھا پھر اس پر دعوئے عدم ثبوت خلافت خلفاء کو ذرا سوچئے اور دل میں شرمائیے

خسطت نتیا وغابت عنك اشیاء خود اس خط کا یہ جملہ فلم یکن للشاهد ان یختار ولا للغائب ان یرد اور شارح کا یہ قول،

فلیس لمن شهد بیعتهم ان یختار غیر من بایعوه ولا للغائب عنها ان یردها — اور شخص کہ ان کی بیعت میں حاضر ہو اس کو یہ امر حاصل نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی کو مختار کرے جس کے ساتھ اہل حل و عقد نے بیعت کی ہے اور نہ غائب کو حاصل ہے کہ اس کو رد کرے۔

اور یہ فرمانا۔

و ذلك لیستلزم کونها لازمة لمن حضر او غاب۔

بدلالت مطابقی اس امر کو ثبت ہے کہ بعد ان لوگوں کے جنھوں نے خلفاء ثلثہ سے بیعت کی تھی کسی غائب کی غیبوبت اور کسی متخلف کا تخلف اس کو قادح نہیں ہے اور نہ اس کے انعقاد کو مانع ہے بلکہ جب بعض نے بیعت کر لی چونکہ ان کے ضلالت پر اکٹھا ہونا محال ہے اور سب کا حق سے منع ہونا ناممکن اس لیے وہ خلافت راشدہ ہو گئی ہے اور سب حاضرین و غائبین پر لازم ہو جاتی ہے تو جیسا طلحہ و زبیر و امیر معاویہ و جمیع اہل شام پر باوجود ان کے تخلف کے لازم ہو گئی ہے اسی طرح

بجناب امیر و زبیر و بنی ہاشم و سعد بن عبادہ پر لازم ہو گئی تھی۔ پس جب کہ حسب اعتراف سامی یہ کلام عین صدق اور محض حق ہوئی اور فی الواقع ایسی ہی ہے اور اس سے جو آپ نے اپنی خوش فہمی سے بطلان خلافت خلفاء سمجھا تھا وہ بالبداہتہ باطل ہوا تو اس سے ملاحظہ فرما لیجئے کہ آپ کی شرائط ثلثہ بلکہ تمام امامت بلکہ تمام اصول و فروع کا کیا حال ہوا سب پر یک قلم پانی پھر گیا اور مٹی چھٹ گئی اور آپ کے بلکہ امیرؓ کے اعتراف سے صحت و حقیت مذہب اہل حق ثابت ہوئی والحمد للہ علی ذلک مضمون آیت۔ هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله۔ صادق آیا باقی رہا نفس تخلف کی نسبت گذارش ہے کہ جناب امیر و حضرت زبیر کے تخلف کی نسبت پہلے مفصلاً عرض ہو چکا ہے سعد بن عبادہ کا بیعت سے تخلف کرنا مجروح اور ضعیف ہے چنانچہ صواعق اور صواقع اور منتہی الکلام وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور ابن میثم بحرانی نے بھی اپنی کبیر شرح نہج البلاغۃ میں اس کی طرف لفظ قیل سے اشارہ کیا ہے،

وحمل سعد بن عبادة وهو مریض فی دخل منزله — اور سعد بن عبادہ کو مرض کی حالت میں اٹھا کر گھر میں لے گئے

وقیل انه بقی ممتنعا من البیعة حتی مات — اور کہا گیا ہے کہ وہ بیعت سے باز رہا یہاں تک کہ راہ

بحوران فی طریق الشام — شام میں حوران میں اس نے وفات پائی۔

علاوہ ازیں حسب اقرار سامی اگر بفرض محال خلیفہ اول چھ ماہ تک امام نہ ہوں اور بعد چھ ماہ کے امام مطلق اور خلیفہ برحق ہو جاویں تو آپ خیال کر لیجئے کہ مذہب تشیع کے استیصال کے واسطے تو یہ بھی بہت کچھ ہے پھر آپ کا بعد چھ ماہ کے خلافت کو حق تسلیم کرنا خود آپ کے حق میں باعتبار آپ کے مذہب کے سم ہو گیا۔ اچھا اگر آپ کے دین و ایمان و عقل و انصاف کی رو سے خلیفہ اول چھ ماہ تک خلیفہ نہ ہوں اور بعد شش ماہ ان کی خلافت ثابت ہوئی ہو تو آپ اسی وقت سے ان کی حقیت خلافت کے قائل و معتقد ہو جئے شش ماہ کے لیے پھر ہم آپ سے سمجھ لیں گے۔ ہاں خوب یاد آیا اس کے تو ہم آپ کے نہایت شکر گزار ہیں کہ آپ نے اس کلام کو باعتبار واقع اور نفس الامر کے عین صدق و محض حق تسلیم فرمایا لیکن آپ نے اس کے ساتھ یہ کیا فرمایا کہ یہ کلام گو بطور الزام فرمائی اگر اس سے یہ مراد ہے کہ یہ کلام دلیل الزامی ہے لیکن باوجود اس کے پھر واقع میں عین صدق اور محض حق ہے تو ظاہر البطلان ہے کیونکہ دلیل الزامی صرف اس کو ہی کہتے ہیں جو صرف مسلم خصم ہو اور بطور مجارات مع الخصم ذکر کی جاوے اور اگر یہ مراد نہیں ہے تو اس کے ذکر کی کیا ضرورت تھی اور کیا اس میں فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ دلیل تحقیقی سے بھی مقصود یہی ہوتا ہے کہ خصم پر مدعا کو لازم کریں اور اس کا تسلیم کرنا واجب ہو غرض الزام و تحقیق کا اجتماع اس جگہ ذکر

فرمانا صرف حضرت مجیب کی مناظرہ دانی کی اوضح دلیل ہے ہم نے یہ جملہ صرف آپ کے دعوی مناظرہ دانی کی ہی وجہ سے ذکر کر دیا ہے وبس۔

قولہ: اور نیز نہج البلاغۃ میں اس خطبہ سے چند ورق پہلے ایک خطبہ موجود ہے جس میں یہ عبارت ہے لا یقع اسم المہاجر علی احد الا بمعرفۃ الحجۃ فمن عرفہا و اقربہا فہو مہاجر۔ اور ابن ابی الحدید نے اس کی شرح میں لکھا ہے لا یصح ان یعد الانسان من المہاجرین الا بمعرفۃ امام زمانہ وہو معنی الا بمعرفۃ الحجۃ فی الارض قال فمن عرف الامام و اقربہا فہو مہاجر انتہی۔ جناب امیر علیہ السلام کے اس فرمان کے بموجب خلیفہ اول کی بیعت کرنے والے مہاجرین بھی نہ رہے کیونکہ اس وقت حجۃ اللہ و امام وقت جناب امیر علیہ السلام تھے کہ انھوں نے نہ پہچانا اور اگر موافق اہل سنت کے اس کے معنی لئے جائیں تو معاذ اللہ جناب امیر علیہ السلام و بنی ہاشم وغیرہ مہاجرین نہیں رہتے۔

مہاجر ہونے کے واسطے معرفت حجت کی شرط ہے یا نہیں

اقول: اس قول میں بوجوہ چند بحث ہے۔ اولا افسوس کہ ہمارے فاضل مجیب نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر رضی شیعی اور ابن ابی الحدید معتزلی بلکہ شیعی کے اقوال سے ہم پر استدلال فرمایا ہم نے کب تسلیم کیا ہے کہ یہ خطبہ قول جناب امیر علیہ السلام کا ہے ہم ایسے پوچ و لچر اقوال کو جو باعتبار لغت و اصطلاح کے ہرگز صحیح نہیں کب جناب امیر کی طرف منسوب کرتے ہیں ثانیا ہم نے کب کہا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے حجۃ اللہ اور امام مطلق تھے جن کے نہ پہچاننے سے آدمی مہاجر نہیں رہتا۔ ثالثا ہم نے ہرگز نہیں کہا ہے کہ ثبوت ہجرت کے واسطے معرفت خلیفۂ وقت شرط ہے۔ رابعا ہم ہرگز نہیں کہتے کہ جناب امیر و بنی ہاشم وغیرہ کو امام وقت کی معرفت نہیں تھی خامسا ہم کہتے ہیں کہ اس قول میں امام سے مراد خلیفہ نہیں بلکہ رسول ہے اور اس کی معرفت سے مراد اس پر ایمان رکھنا ہے یعنی مہاجر انسان اس وقت ہوتا ہے جب کہ رسول پر ایمان لا کر ہجرت کرے ورنہ مہاجر نہیں ہوتا۔ سادسا اگر مہاجر ہونا معرفت خلیفہ پر ہی موقوف ہو تو ہم کہتے ہیں کہ حسب مذاق شیعہ خلفائے ثلثہ اور ان سے بیعت کرنے والے سب مہاجرین تھے کیونکہ ان کو معرفت حجۃ اللہ فی الارض حاصل تھی اس لئے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علی مزعوم الامامیہ جناب امیر کی خلافت و امامت کی نسبت متواتر نصوص سے تھے صد ہا مرتبہ تاکیدات و تشدیدات کا صریح ہونا اور بھی

نہیں تو خم غدیر کا خطبہ تو ضرور یاد تھا جو اب تک اہلسنت کی بھی کتابوں میں مروی ہے علاوہ ازیں بہت روایتیں شیعہ کی اس پر دال ہیں کہ صحابہ نے نکث عہد کیا اور وصایا کو پس پشت ڈال دیا خلاصہ یہ کہ اس میں کسی شیعہ کو چون و چرا نہیں ہے کہ صحابہ حضرت امیرؓ کو امام برحق و خلیفہ مطلق جانتے تھے لیکن باوجود امام برحق جاننے کے بطریق نفسانی متصدی خلافت ہوئی اور حق جناب امیر کا غصب کیا غرض اس ساری گفتگو سے یہ ثابت ہوا کہ علی زعمہم تمام صحابہ جناب امیر کو خلیفہ برحق پہچانتے تھے لیکن معاذ اللہ طمع نفسانی کے ہاتھ سے لاچار ہو کر مخالفت اختیار کر رکھی تھی پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ مہاجرین ہوئے کیونکہ مہاجر ہونے کی جو شرط معرفت امام کی ہے وہ ان میں پائی گئی اور چونکہ مہاجر ہونے کے واسطے صرف معرفت شرط ہے تسلیم و انقیاد کا ہونا اس سے مفہوم نہیں ہوتا اس لئے عدم انقیاد و اطاعت ان کے مہاجر ہونے کو مضر اور قادح نہ ہوئی چنانچہ خداوند تعالیٰ شانہ نے اس معرفت کو جو کہ کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاصل تھی جس کو ان الفاظ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔

یعرفونہ کما یعرفون ابناءہم	اس کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں
وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم ظلما وعلوا	اور انھوں نے اس کا انکار کیا براہ ظلم اور برائی کی اور ان کے دلوں نے اس کا یقین کر لیا تھا

ایمان کی تحقیق کے واسطے کافی نہیں فرمایا۔ ورنہ محل فیہ میں صرف معرفت ہی ضروری ہے اور وہ متحقق ہے تو مہاجر ہونا صحابہ کا متحقق ہو۔ سابعا آپ کے صحابہ مقبولین بھی جنھوں نے خلفائے ثلثہ کی بیعت کی اور ان کے حکم کے موافق خدمات بجا لائے کوئی عامل ہوا اور کوئی حاکم ہوا وہ بھی مہاجرین نہ رہے جو جواب ان کی طرف سے دیجئے گا وہی ہماری طرف سے قبول کر لیجئے گا ثامنا باعتبار لغت کے مہاجر وہ ہے جو ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاوے اور اصطلاح شرع میں وہ ہے جو دار الکفر سے قطع تعلق کر کے اور چھوڑ کر دار الایمان میں آ کر متوطن ہو پس معرفت خلیفہ کی ہجرت کے معنی لغۃ ہے نہ اصطلاحا۔ تاسعا اگر اس وقت کوئی شخص دار الکفر میں ایمان لاوے اور اس کو چھوڑ کر دار الاسلام میں توطن اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس وقت بعد غیبت کبریٰ کے امام کی معرفت شیعان اخص خواص کو بھی حاصل نہیں ہے چہ جائیکہ ایک بیچارہ نومسلم کو حاصل ہو تو ایسی حالت میں شیعیان پاک اس کی ہجرت کو معتبر رکھیں گے یا نہیں۔

شیعہ کی کج فہمی

عاشر: بطور حل گذارش ہے کہ آپ نے اپنی عادت قدیمہ کے موافق اس عبارت کے فہم میں بھی خطا کی اور صحیح مطلب نہ سمجھے اس لئے مختصر شرح ابن میثم بحرانی کی عبارت اس کے متعلق نقل کر کے اس کا مطلب عرض کرتا ہوں شیخ منجر کمال الدین بحرانی فرماتے ہیں۔

قوله والهجرة قائمة على حدها الاول اى كما كانت حقيقة الهجرة ترك منزل الى آخر لكن تخصيصها بهجرة الرسول صلى الله عليه وسلم من مكة الى المدينة و من تبعه مخرج لها من حدها اللغوى واذا كان كذلك كان مراده من بقائها على حدها الاول صدقها على من هاجر اليه و الى الائمة من اهل بيته عليهم السلام فى طلب دين الله كصدقها على من هاجر الى الرسول و فى معناها ترك الباطل الى الحق كقوله ومن يهاجر فى سبيل الله الآية وكقوله صلعم المهاجر من هاجر ما حرم الله عليه والمقصود من الهجرة ليس الا اقتباس [illegible] والتعرف كيفية سبيل الله وهذا المقصود حاصل من [illegible] الرسول بحيث لا فرق [illegible] [illegible] ولا يدخل لاحد هذين [illegible] فى تخصيص مسمى الهجرة بمن قصده دون من قصد الائمة [illegible]

قولہ والہجرۃ قائمۃ علی حدہا الاول یعنی جب کہ حقیقت ہجرت کی ایک مکان کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا ہے تو اس کو ہجرت رسول کے ساتھ خاص کرنا جو مکہ سے مدینہ وغیرہ کی طرف ہوئی لغوی حد سے نکالنے والا ہے اور جب یہ ہے تو اس کی حد اول پر باقی رہنے سے مراد اس کا صدق ہے اس پر جو حضرت [illegible] جناب کی طرف اور ائمہ اہلبیت کی طرف اللہ کے دین کی طلب میں ہجرت کرے جیسا کہ اس کا صدق ہے [illegible] [illegible] ہے۔

شارح [illegible]

تحقیق اور ظاہر ہے کہ رسولؐ کے زمانہ میں جن لوگوں نے بعد ایمان لانے کے دارالکفر کو چھوڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں توطن اختیار کیا تو ان کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور تسلیم و انقیاد حاصل تھی تو اس اعتبار سے وہ لوگ مہاجرین تھے اور اسی لئے خداوند تعالیٰ نے جا بجا ان کو مہاجرین کے نام سے ذکر کر کے مشرف فرمایا تو جب ان کا مہاجر ہونا متشخص ہوگیا تو پھر اس کے لئے کسی حالت منتظرہ کی ضرورت و احتیاج نہیں رہی اور نہ اور کوئی موقوف علیہ ہے لیکن اس قرن کے بعد کے لوگ جو امام کے زمانہ میں ہجرت کریں گے ان کے لئے بموجب اس قول کے اس امام کی معرفت ضرور ہوگی وبس لیکن اگر نظر تدقیق سے دیکھا جاتے تو تخصیص اس امر کی کہ معرفت امام موجود کی شرط ہجرت ہے بالکل غلط ہے کیونکہ مشاہدہ تو شرط نہیں اخبار بہ کتنی ہے تو جس نے گذشتہ ائمہ میں سے بھی کسی کو پہچان کر بلکہ نبی ہی کو پہچان کر ہجرت کی تو چاہیئے کہ وہ مہاجر ہو اور جملہ ولا یدخل لاحد هذين الوصفين فى تخصيص مسمى الهجرة الخ اس پر صاف دلالت کرتا ہے کہ معرفت لاعلی سبیل التعیین کسی کی ہونی چاہیئے علاوہ ازیں کیا ضرور ہے کہ حجت سے مراد بتقلید ابن ابی الحدید خلیفہ ہو بلکہ حجت سے مراد حکم خداوندی ہے جو نبی نے اور خلیفہ نے پہنچایا اور ایمان کی طرف دعوت کی جو شخص اس حکم خداوندی کو جو انبیا و ائمہ کے واسطہ سے پہنچا، پہچانے اور ایمان لاکر دارالکفر سے قطع تعلق کر کے دارالاسلام میں آباد ہو وہ مہاجر ہے چنانچہ عبارت آئندہ اس پر دلالت کرتی ہے۔

ولا یقع اسم الاستضعاف علی من بلغته الحجة۔

استضعاف کا نام اس پر واقع نہیں ہوتا جس کو حجت پہنچ چکی ہو۔

پس اس جگہ حجت سے خلیفہ مراد لینا خود غلط ہے۔ ہاں حسب اعتراف فاضل مجیب جب خطا انہ بالیمن القوم الذین الخ عین صدق و محض حق ہے جو مثبت حقیت خلافت خلفاء ثلثہ ہے اور بجائے خود امام کو حجت اعتقاد کر ہی رکھا ہے جس کے نہ پہچاننے سے مہاجر ہونا باطل ہوتا ہے اور یہ بھی اعتراف ہے کہ جناب امیر نے خلفاء ثلثہ کو خلفاء نہیں مانا تو لازم آیا کہ حضرت امیر و بنی ہاشم و زبیر وغیرہ مہاجر نہ رہے اور من لم یعرف امام زمانہ کی وعید میں زیادہ نہیں تو ستشش ماہ تک حسب اعتراف فاضل مجیب داخل ہوئے تعجب یہ ہے کہ مہاجرین ہونے میں تو یہ تصرف کیا لیکن انصار ہونے میں کچھ کیوں نہ تراشا گیا۔ شارح ابن میثم کے کلام سے جو اس خطبہ کے متعلق ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ میں بھی آپ کے حضرت رضی نے تقطع و بریہ فرمائی ہے شرح مختصر میں لکھتے ہیں۔

والكلمة وما قبلها و ما بعدها وهو قوله لا يقع

اور یہ کلمہ اور اس کا ماقبل اور مابعد اور وہ قولہ لا یقع

اسوالهجرة الی قولہ قبلہ کلمات ملتقطہ منقطعۃ — اسم الہجرہ سے قولہ قبلہ تک کلمات ملتقطہ اور منقطع ہیں،

اب آپ اس گذارش کو بھی ملاحظہ فرمایئے اور اپنے استدلالات کو بھی دیکھیئے۔

قولہ: جناب امیر علیہ السلام حجت خدا تھی ایسی کلام جامع مانع فرماتے تھے کہ مخالف کو چون وچرا کی گنجائش ہی نہ رہے،

اقول: یہ تو حضرات کا محض زبانی دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس قدر اس کے ثبوت میں تحریر فرمایا وہ فی الحقیقت اس دعویٰ کو تو مثبت نہیں ہاں اس کے نقیض کو مثبت ہے چنانچہ جو کچھ مجملاً ومفصلاً گذارش ہوچکا منصف لبیب کے لئے وہ بھی کافی ووافی ہے،

قولہ: انما الشوریٰ الخ اصل میں واقعہ میں قالع بنیان خلافت خلفاء سابقہ ہے اور ظاہر میں ان کے مذہب کے موافق ہے سوائے حجت الٰہی یہ ہر کسی کا کام نہیں۔

حسب اعتراف مجیب جناب امیرؓ کا کلام ظاہر میں خلفا کے موافق ہونا

اقول: معاذ اللہ توبہ توبہ اصول تشیع میں حجت الٰہی اس کا نام ہے جو ظاہر میں کچھ ہو اور باطن میں کچھ اور اس کا قول ذو وجہین ہو اس لئے حضرت امیر کے کلام میں یہ اعجاز ہے جیسا آپ کا ظاہر وباطن یکساں نہ تھا ظاہر میں خلفاء سابقہ کے ساتھ خلا وملا ومحبت والفت رکھتے تھے اور باطن میں خلاف وعداوت اسی کا اثر گویا حسب زعم مجیب لبیب آپ کے کلام میں ہے کہ اس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ اور ہی ہے لیکن سوائے مخلصین لسانی کے دوسروں کو اس کا سمجھنا محال ہے اہل فہم اس تقریر سے اس قول کے لغو اور واہی ہونے کے علاوہ یہ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ اصول تشیع پر جناب امیر معاذ اللہ وحاشا وعن ذلک صفت نفاق میں تمام منافقین سے بڑھ کر تھے کہ ان کا راز تو فاش بھی ہوگیا تھا لیکن یہ عقدہ کھل ہی نہیں سکتا نعوذ باللہ من ذلک۔ ان حضرات دشمن دوست نما اہل بیت سے کوئی پوچھے کہ ایسی واہیات باتوں سے جن سے علاوہ توہین اہلبیت کے خود اپنی عقل وفہم پر دھبہ لگے اور الزام آوے کیا حاصل ہے اسی کی بدولت ہمارے فاضل مجیب اپنی ان روایات کی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھیں جن میں تو وہ مناقب شجاعت وشوکت بمقابلہ خلفا، روایت کئے جاتے ہیں کیونکہ جب جناب امیر کو یہاں تک اخفا منظور تھا اور یہاں تک رعایت فرماتے تھے کہ محض ان کی خوشنودی کے واسطے ایسی کلام فرمائی تھی جو بظاہر ان کی مؤید ہو اور فی الحقیقت ان کی خلافت کی قالع بنیان ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ ایسے امور جو باعث اثارہ وہیجان فتن ہوں برملا عمل میں لاویں معہذا ہمارے فاضل مجیب نے اپنی زبان شریف سے یہاں بھی اسقدر

اعتراف فرمایا کہ یہ کلام بظاہر خلفاء کے مذہب کے موافق ہے اور اسی میں ہمارا مدعا ہے کیونکہ جب ہم کو ظاہر کا ہی مامور اور پابند فرمایا ہے اور یہ حکم نہیں کیا کہ لوگوں کے دل چیر کر دیکھیں تو جب ظاہر کے اعتبار سے حسب اعتراف سامی ہماری مؤید ہے تو ہمارے استدلال کی حقیت کے لئے بس ہے خداوند تعالیٰ کے یہاں بھی ہمارے لئے یہ ہی آپ کی حجت الٰہی کا قول سند کافی ہوگا اور واضح رہے کہ ظاہر میں اس خط کا خلفاء کے مذہب کے مؤید ہونا اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کو دلیل تحقیقی قرار دیا جاوے اور عدم وجدان اجماع سے بطلان خلافت پر حجت نہ لایا جاوے اور اگر اس کو دلیل الزامی قرار دیں جیسا کہ علماء شیعہ نے توہم فرما رکھا ہے تو پھر بظاہر مؤید ہونا بھی غلط ہوگا تو اس صورت میں آپ نے اس کے تحقیقی ہونے کا اعتراف فرمالیا۔ والحمد للہ۔ باقی رہا اس قول کا فی الحقیقت قالع بنیان خلافت خلفاء ہونا سو بحول اللہ تعالیٰ وقوتہ بخوبی ہم اس کا قلع بنیان کرچکے ہیں ضرورت اعادہ نہیں۔

اہلسنت پر لایعنی اعتراض کا نمونہ اور اس کا جواب

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ اور دوسری جگہ مذکور ہے،

وانہ لابد للناس من امیر بر او فاجر یعمل فی امرتہ المؤمن ویستمتع فیہا الکافر — اور یہ کہ ضرور ہے کہ لوگوں کے لئے امیر خواہ نیک ہو یا فاجر مومن اس کی امارت میں عمل کرے اور کافر اس میں فائدہ اٹھاتے

اقول: حضرات اہل سنت کی فہم وعقل پر تعجب ہے اصل مطلب کو نہیں سمجھتے فحوائے کلام کو نہیں دیکھتے ماقبل ومابعد کا کچھ خیال نہیں کرتے جہاں لفظ امیر وغیرہ دیکھا اور فوراً سنداً الزاماً نقل کردیا اور اپنے زعم میں اہل حق کو جواب دے دیا آدمی کو کچھ تو عقل وعلم سے بھی کام لینا چاہیئے انصاف بالائے طاق مشہور ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاه الغنی: اس کے جواب میں ہم اور کچھ نہیں صرف اس قدر باادب گذارش کرتے ہیں کہ اہل علم وانصاف فریقین کے مذہب کی تحقیقات کا اصولاً وفروعاً عموماً اور ہماری اور ہمارے فاضل مجیب کی تقریرات کا خصوصاً موازنہ کرکے دیکھیں اور جو کچھ امر واجبی انصاف سے اس پر سمجھ میں آوے فرمادیں،

قولہ: اب ذرا انصاف فرمادیں کہ اگر آپ کا یہ توہم صحیح ہو تو اس پر لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ جناب امیر علیہ السلام کے نزدیک عدالت بھی شرط امامت نہ تھی کیونکہ آپ کی غرض اس نقل کرنے سے یہ ہے کہ آنجناب نے فرمایا ہے کہ آدمیوں کو امیر نیک یا فاسق وفاجر سے چارہ نہیں پس اگر عصمت شرط امامت

ہوتی تو فاجر کی امامت کیوں صحیح ہوتی حالانکہ جناب امیر نے فاجر کی امامت صحیح فرمائی و فاجر معصوم نہیں اگر یہ بات درست ہے تو باوجود ادعائے تمسک اہل بیت حضرات اہل سنت عدالت کی قید کو وقت نصب ہی کیوں نہ ہو کیوں لگاتے ہیں چنانچہ آپ کے خاتم المحدثین تحفہ میں فرماتے ہیں آری در وقت نصب باید کہ مرتکب کبائر و مصر بر صغائر نباشد کہ معنی عدالت است۔

اقول: مناظرہ داناں روزگار و ارباب قانون توجیہ و استدلال کہاں ہیں جو ہمارے فاضل مجیب کے ادعائے مناظرہ دانی کا تماشا دیکھیں کہ حضرت کو اپنے منصب کا بھی ہوش نہیں رہا بندہ نے ابطال شرائط امامت کے لئے الزاماً نہج البلاغۃ کی ایک عبارت نقل کی تھی جس سے صاف متحقق ہوتا ہے کہ امامت کے لئے عصمت وغیرہ تو ایک طرف عدالت بھی شرط نہیں ہے کیونکہ فاسق و فاجر کی امامت کو جناب امیر نے بزعم شیعہ ضروری تسلیم فرمائی اور فرماتے ہیں وانہ لابد للناس من امیر بر او فاجر۔ اس کے جواب میں ہمارے حضرت فاضل مجیب ارشاد فرماتے ہیں (کہ اگر آپ کا یہ توہم صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ جناب امیر علیہ السلام کے نزدیک عدالت بھی شرط امامت نہ ہو) میں کہتا ہوں کہ یہ توہم نہیں بلکہ واقعی مضمون ہے جو اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ بزعم شیعہ جناب امیر کے نزدیک عدالت بھی شرط امامت نہیں پس اس کا لزوم آپ کو ہی مخالف و مضر ہے نہ ہم کو اور آپ ہی اس کے جواب دہ ہیں نہ ہم، تو اس لزوم سے آپ کا ہم کو ڈرانا یہ آپ کی مناظرہ دانی اور کمال عقل و فہم کی دلیل ہے ہم نے خود اسی لزوم کے لئے نقل عبارت کی ہے رہا اہلسنت پر الزام دینا کہ جب تم بھی مدعی تمسک اہل بیت ہو تو یہ الزام در باب تعارض عدالت تمہارے بھی مخالف ہے اور زیادہ عقل و فہم سامی کا اندازہ بتاتا ہے کیونکہ جب یہ لزوم محض نہج البلاغۃ کی عبارت سے ہے تو اس سے اہل حق کو الزام دینا سراسر خلاف عقل ہے ہم کب کہتے ہیں کہ جو آپ کے رضی صاحب نے نقل کیا ہے وہ صحیح ہے۔

قولہ: اگر فرمایئے کہ ہم نے الزاماً یہ روایت پیش کی ہے جو اعتراض اس پر ہوگا اس کے جوابدہ شیعہ ہیں نہ اہلسنت۔

اقول: یہ تو صاف واضح تھا کہ یہ الزاماً عرض کیا گیا ہے پھر سابق میں اس حشو و تطویل سے کیا فائدہ ہوا، ہاں اس کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ پہلے تو بزعم خود جواب لکھا اس کے بعد متنبہ ہوا اور آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ یہ جواب تو کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ خصم الزام دے رہا ہے تو اس کو اس طرح پھیرا سو اس کی کیفیت بھی آئندہ ملاحظہ ہو۔

قولہ: اس کے جواب میں گذارش ہے کہ اول تو کتاب نہج البلاغۃ ثقات اہلسنت مثل قوشجی و

تفتازانی و یعقوب لاہوری و گازرونی کے اعتراف سے جناب امیر کے کلام سے ہے۔

اقول: سبحان اللہ ثقات اہل سنت کے اعتراف سے نہج البلاغۃ کا کلام جناب امیر ہونا اب ضرور ثابت فرمائیں گے۔

نہج البلاغۃ اہلسنت کے نزدیک معتبر نہیں ہو سکتی بلکہ حسب اعتراف ابن میثم رضی نے اس میں خلط و خبط فرمایا ہے

حالانکہ ہم نے آپ کے فاضل متبحر ابن میثم شارح نہج البلاغۃ کے اعتراف سے ثابت کر دیا کہ اس میں جابجا حضرت رضی صاحب کی طرف سے خلط و خبط و حذف و الحاق و محو و اثبات ہے پس کیونکر ممکن ہے کہ اہل سنت جو کلام حق و باطل کے امتیاز کے لئے نقاد و معیار ہیں اس کو خالص کلام جناب امیر کا تسلیم کر لیں اہل سنت کے اصول حدیث کا عام قاعدہ ہے کہ جس روایت کے سلسلہ سند میں کوئی راوی اگر غیر ثقہ واقع ہو تو اس کو صحیح نہیں سمجھتے پس نہج البلاغۃ کی روایت جو صرف بواسطہ حضرت رضی صاحب کے ہے اس کو کیونکر کلام جناب امیر کا باور کریں گے۔ علی الخصوص اس میں صدہا جگہ اس کے عقیدہ فاسدہ کی طرف دعوت پائی جاتی ہے، ہاں نہج البلاغۃ کو جناب امیر کی ایسی کلام سمجھیں تو کچھ بعید نہیں جیسا کہ تورات و انجیل کو جو اب یہود و نصاریٰ کے پاس ہے یا بعد تحریف کے تھی کلام خداوند تعالےٰ شانہ کی سمجھتے ہیں، اور آپ کو یہ تسلیم کچھ مفید نہیں ہے

قولہ: ثانیاً اہل سنت کی اور کتابوں میں یہ کلام جناب امیر علیہ السلام سے وارد ہے چنانچہ شہرستانی نے کتاب ملل نحل ترجمہ خوارج حکمیہ میں لکھا ہے۔ ولما سمع امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ هذه الكلمة قال كلمة عدل يراد بها جور انما يقولون لا امارة ولابد من امارة برة او فاجرة اور درمنثور میں ذیل آیت اطیعو اللہ والرسول الخ یہ عبارت لکھی ہے اخرج البیہقی عن علی بن ابی طالب قال لا یصلح الناس الا امیر بر او فاجر الخ اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے آپ تفسیر مذکور کا یہ مقام ملاحظہ فرمائیں ثالثاً اہل سنت نے مثل اسی کلام کے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی نقل کی ہے چنانچہ کنز العمال کی کتاب الامارۃ حرف الالف میں تحریر ہے لابد للناس من الامارة برة او فاجرة فاما البرة فتعدل في القسم وتقسم بينكم بالسوية واما الفاجرة فيبتلى فيه

المومن والامارة خیر من الهرج قیل یارسول الله وما الهرج قال القتل والکذب طب
عن ابن مسعود۔ انتہی۔ اب فرمایئے کہ اگر کوئی ان روایتوں سے دلیل لائے کہ جناب امیر
علیہ السلام وجناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجار کی امارت وخلافت جائز فرمائی اور تم عدالت
کی قید گو وقت نصب ہی ہو کیوں لگاتے ہو تو آپ کیا جواب فرمائیں گے کیونکہ یہاں باب تاویل
خود جناب نے ہی بند کر دیا ہے بالجملہ جو جواب اب عدالت کی شرط قائم رکھنے کے واسطے فرمائیں وہی
ہماری طرف سے عصمت میں قبول فرمائیں۔

حسب ارشاد مجیب جو جواب ہم عدالت کی طرف سے دیتے ہیں وہی عصمت کی طرف سے قبول کر کے مذہب شیعہ باطل کرینگے

اقول: للہ الحمد ہر انچہ خاطر میخواست آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید۔
یہاں تو ہمارے فاضل مجیب نے اپنی شرط عصمت کی خود اپنے ہاتھ سے جڑ کاٹ ڈالی تفصیل
اس اجمال کی یہ ہے کہ اس جگہ امارت برہ اور فاجرہ ہماری روایات سے ثابت کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جیسا
عصمت کے منافی ہے ویسا ہی عدالت کے مخالف ہے جو معتقد علیہ اہلسنت ہے پس جو جواب عدالت
کی طرف سے اہلسنت دیویں وہی جواب شیعہ کی طرف سے عصمت کے بارہ میں قبول فرمادیں۔ اس
سے معلوم ہوا کہ وہی جواب ہمارے فاضل مجیب کو عصمت کے باب میں تسلیم ہوگا خواہ اس جواب
سے عصمت باقی رہے یا نہ رہے۔ پس واضح ہو کہ جو مذہب اہل سنت کا اشتراط عدالت کی نسبت
ہے اس کو یہ روایات ہرگز مخالف نہیں ہیں۔ اول روایات کے الفاظ میں تامل کرنا چاہیئے اور پھر مذہب
اہلسنت کو سمجھ کر اس کے مطابق کرنا چاہیئے۔ روایات کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ امارت ضرور
ہے خواہ برہ ہو یا فاجرہ اور امیر ضرور ہونا چاہیئے خواہ بر ہو یا فاجر اور وقت ضرورت واحتیاج اگر امیر بر
نہ ہو سکے تو فاجر ہی ہونا چاہیئے مثلاً کوئی شخص فاجر اپنے غلبہ واستیلا کی وجہ سے امیر ہوگیا یا اہل حل و
عقد نے کسی بر کو امیر بنایا تھا اور بعد امارت کے وہ فاجر ہوگیا اور جور پیشہ ہوگیا تو ایسے وقت میں اس
امارت فاجرہ کو ہی تسلیم کیا جاوے گا کیونکہ اس کے رفع میں نائرہ قتل وقتال متضمن افناء نفوس مشتعل
ہوگا جو بہ نسبت اس امارت کے مفاسد کے اشد ہے بالجملہ اس وقت اس امارت کی لابدیت جو لفظ
ہے سے مفہوم ہوتی ہے صادق ہے پس اب ہم مذہب اہل سنت میں اشتراط عدالت کی نسبت

ل کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اشتراط عدالت اہل سنت کے نزدیک اس وقت کے ساتھ مخصوص
ہے جب کہ اہل حل وعقد باختیار خود دانستہ کسی شخص کو امیر بنادیں اور اگر یہ صورت نہ ہو تو انعقاد امارت
کے لئے اشتراط عدالت نہیں ہے بلکہ وہ امارت فاجرہ ہے منعقد ہو جاوے گی اور انواع زکوٰۃ و
عشر وخراج اس کو ادا کرنے سے ادا ہو جائے گا اس کے ساتھ ہو کر جہاد، جہاد کہلائے گا اس کے غنائم
واموال فی وسبایا وغیرہ سب حلال ہوں گے غرض اس تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ یہ روایات مذہب اہل
حق کے درباب اشتراط عدالت منافی نہیں ہیں اور نہ اہل حق کے نزدیک اشتراط عدالت بالعموم ہے
بلکہ ضرورت اور لابدی وقت میں شرط عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور امارت غیر عادلہ منعقد ہو جاتی ہے
چنانچہ اشتراط قرشیت کے بارہ میں یاد آتا ہے کہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں یہ ہی لکھا ہے
پس حسب الحکم جناب مجیب جب ہم اس جواب کو جو ہم نے اشتراط عدالت کے بارہ میں اہل سنت کی
طرف سے دیا ہے حضرت مجیب کی طرف سے قبول کرتے ہیں تو اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہمارے
فاضل مجیب بلکہ تمام شیعہ عصمت کے مسئلہ میں اس امر کے معتقد ہیں کہ اشتراط عصمت علی العموم ثابت
نہیں بلکہ اگر کوئی شخص بنص خداوندی بلکہ باختیار اہل حل وعقد امام ہو تو وہ معصوم ہوگا اور اگر کوئی شخص بدون
نص یا بیعت اختیاری اہل حل وعقد مدعی ریاست ہو اور دار الاسلام پر اپنا تسلط واستیلا کرے تو
اس کی امارت باوجود عدم عصمت کے بھی منعقد ہو جائے گی اور باوجود عدم عصمت کے اس کی امارت
منعقد ہو کر اس کو نصب عمال وقضات واخذ جزیہ وخراج وصدقات وقسمت غنائم وغیرہ حلال ہوگی،
اور ظاہر ہے کہ عصمت کے لئے ہی نص کی ضرورت ہے جب اشتراط عصمت مرتفع ہوگیا تو نص بھی
مرتفع ہوئی پس حسب ارشاد اپنے فاضل مجیب کے اشتراط عصمت میں اس جواب کو ہم نے
ان کی طرف سے نہایت شکر گذاری کے ساتھ قبول کر لیا اور اگر اپنے اس قول پر مستقیم رہیں گے اور
اس سے نہیں پھریں گے تو مذہب تشیع سے پھر چکے اور اس کو باطل اور غلط تسلیم کر چکے اور فی الواقع وہ
مذہب اسی لائق تھا۔

قولہ: یہ جواب تو الزامی تھا اب بحضور گوش توجہ سے سنیئے یہ کلام بلاغت نظام خوارج
لئام کے مقابلہ میں رداً لقولہم کہ بار بار وہ باطل کہتے تھے لا حکم الا للہ صادر ہوا ہے کیونکہ نہج البلاغۃ میں اس
کا عنوان اس طرح مسطور ہے ومن کلام له علیه السلام فی معنی الخوارج لما سمع
علیه السلام قولهم لا حکم الا لله قال کلمة حق یراد بها الباطل نعم انه لا حکم الا لله ولکن
هؤلاء یقولون لا امرة ... وانه لابد للناس من امیر بر او فاجر

نے جب اس کا یہ قول لاحکم الا للہ سُنا تو فرمایا کہ یہ کلمہ حق ہے مگر اس سے باطل مراد لی گئی ہے خوارج نے اس کے اصل معنی ہی نہیں سمجھے اور باطل معنی سمجھ کر گمان کیا ہے کہ ہم کو رئیس کی متابعت درکار نہیں اس کے جواب میں فرمایا لابد للناس الخ غرض اس سے یہ ہے کہ چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور بدون مشارکت بنی نوع اس کے کام تمام نہیں ہوتے اور مشارکت و اجتماع بدون سیاست منجر بفساد و افساد ہوتا ہے اور جانوں مالوں کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے پس انسان کی جبلی یہ بات ہے کہ بدون رئیس و امیر کے خواہ نیک ہو خواہ بد زندگی بسر نہیں کر سکتا اور مطلق امارت سے ان کا انکار بدیہی لم کا انکار ہے چنانچہ یہ ہی سبب تھا کہ باوجود اس انکار زبانی کے عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر کر لیا اور بدون امیر ان کا کام منتظم نہ ہوا چنانچہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے انھم کانوا فی بدو امرھم یقولون ویذھبون الی انہ لاحاجۃ الی الامامۃ ثم رجعوا عن ذلک القول لما امروا عبداللہ وھب الراسبی۔ انتھی۔

ارشاد جناب امیر لابد للناس من امیر بر او فاجر سے ابطال عصمت کی تقریر

اقول: اب ہم اس حل کی بھی قلعی کھولے دیتے ہیں ذرا گوش توجہ سے سنیئے کہ شیعہ کے نزدیک حسن و قبح عقلی ہیں عقل جس کے حسن کی شہادت دے وہ حسن ہے اور جس کے قبح کی شہادت دے وہ قبیح ہے چونکہ آپ کو اس کا اعتراف ہے کہ شروع رسالہ میں اہل حق پر حسن و قبح شرعی ہونے کی بنسبت طعن فرمایا ہے تو اس لئے حاجت نقل روایات و تصریحات طائفہ نہیں ہے اب ہم مطلق امارت کو دیکھتے ہیں تو بروئے عقل نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے اور چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اس کے امور کا انتظام و اجتماع بدون مشارکت بنی نوع کے ممکن نہیں اور مشارکت و اجتماع بوجہ اختلاف طبائع منجر بفساد ہے تو سیاست لابدی ہے جو بدون امارت حاصل نہیں ہو سکتی تو امارت خواہ جائرہ ہو یا عادلہ انسان کے لئے لابد اور ضرورت اور واجب عقلاً اقسام حسن میں داخل ہے بلکہ اقسام حسن میں سے اعلیٰ قسم ہے کیونکہ اس کی اقسام میں سے مندوب وغیرہ بھی ہیں پس جب کہ امارت مطلقہ خواہ عادلہ ہو یا فاجرہ حسن ہوئی اور حسن میں بھی اعلیٰ درجہ کی یعنی واجب ہوئی تو پھر خلاف حکم عقل کے حکم شرع سے وہ قبیح اور ناجائز اور حرام نہیں ہو سکتی اور نہ حکم شرع بمقابلہ حکم عقل کے جو بدیہی ہے حسب اصول قوم مسموع ہو سکتا

ہے ہاں یہ سہی چونکہ مرتبہ تشکیک کو بہت گنجائش ہے تو اس کی اعتبار سے یہ ممکن ہے کہ فیما بین ہر دو قسم امارت یعنی عادلہ و فاجرہ کی تشکیک ہو اور امارت عادلہ امارت فاجرہ سے اولیٰ و احق ہو چنانچہ عقل اس کے استحسان کی بھی بالبداہت شہادت دیتی ہے جس کا کسی عاقل کو انکار نہیں اور اگر فاضل مجیب یا ان کے کسی ہم مذہب کو یہ شبہ ہو کہ امام برحق کے ہوتے امام جائر کی ضرورت اور اس کا لابدی ہونا فیرمسلم ہے اور جب ضروری نہ ہوئی تو قبیح ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس صورت میں یہ عبارت خطبہ کی لغو اور مہمل ہو جائے گی کیونکہ ہم پوچھتے ہیں امارت مطلقہ خواہ عادلہ یا فاجرہ ضروری ہے یا غیر ضروری، اگر ضروری ہے تو مدعا حاصل اور اس کی ضرورت سے انکار باطل اور اگر غیر ضروری ہے تو خطبہ میں مطلق امارت برہ یا فاجرہ کو ضروری کہنا غلط اور کذب ہوا اور نیز اس کی ضرورت کا ابھی اعتراف کر چکے ہیں اس کے مناقض ہوگا۔ دوسری یہ کہ امام کی غیبت میں علی الخصوص جب کہ غیبت کبریٰ حاصل ہو تو اس وقت بداہۃً عباد امام برحق کی بعیت کرنے میں عاجز ہیں اور اس کو کسی تدبیر و حیلہ سے حاصل نہیں کر سکتے چنانچہ اس زمانہ امن و ہدنہ میں لکھوکھا مومنین ساکنان دارالایمان ایران اس کے منتظر ہیں اور امارت ایسی لابدی ہے کہ بدون اس کی مدت قلیل بھی گذارنا دشوار ہے تو اگر امارت فاجرہ کی ایسے وقت میں بھی ضرورت نہ ہو گی تو کس وقت ہو گی اور ثابت ہو گا کہ مطلق امارت و سیاست کی کچھ ضرورت نہیں علاوہ ازیں اگر بالفرض امام بھی موجود ہو لیکن کوئی شخص کسی حیلہ و تدبیر سے لوگوں کو اپنی طرف راجع کر لے اور امیر بن جاوے اور مسند امارت پر ایسا استحکام پیدا کرے کہ اگر اس کے عزل کا نام بھی لیا جاوے تو ہیجان فتن و ثوران حوادث و مفاسد کا یقین ہوں تو ایسے وقت میں کوئی سلیم العقل اس کے ضروری ہونے کا انکار نہیں کر سکتا تو جب امارت مطلقہ عقلاً لابدی اور حسن ہوئی تو لامحالہ شرعاً بھی حسن ہوئی کیونکہ برخلاف حکم عقل شرعاً قبیح نہیں ہو سکتی اور جب عقلاً و شرعاً لابد اور حسن ہوئی تو کم از کم اتنا تو ضرور ہو گا کہ ضرورت کے وقت میں منعقد ہو جاوے اور شرعاً و عقلاً اس پر احکام امامت کے جاری ہوں اور جہاد و قسمت غنائم وغیرہ میں اس کا حکم شرعاً نافذ ہو اور شرعاً اس کی اطاعت واجب ہو اور عموم اولی الامر میں شمار کیا جاوے چنانچہ مذہب اہلسنت کا بھی اس بارہ میں یہ ہے کہ ایسی امارتیں ضرورۃً منعقد ہو جاتی ہیں اور ان پر شرعاً احکام امارت جاری ہوتے ہیں اور ان کی اطاعت واجب ہوتی ہے اور اگر خود ان ہی الفاظ میں جو نہج البلاغہ میں ہیں تامل کیا جاوے تو مفہوم ہوتا ہے کہ جناب امیر نے اس کلام میں لابد للناس من امیر بر او فاجر فرمایا مسلم او کافر نہیں فرمایا حالانکہ انسانی ضرورت ہونے میں امارت مسلمہ اور کافرہ دونوں برابر ہیں جب سیاست اس سے حاصل ہوتی ہے کافرہ سے بھی حاصل ہوتی ہے اور

انتظام واجتماع ودفع فساد وافساد جیسے اس سے متصور ہے اس سے بھی متصور ہے باوجود اس کے حضرت امیر نے کافرہ نہیں فرمایا کیونکہ کافر کی امامت کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا۔

اور اللہ ہرگز نہیں کرے گا کافروں کے لئے ایمان والوں پر راہ۔

ارشاد ہے اور مسلم کی امامت گو فاجر ہو ضرورۃً منعقد ہو جاتی ہے اور یہ ہی مذہب اہل سنت کا ہے جو موافق ارشاد جناب امیر کے ہے بخلاف مذہب تشیع کے کہ ان کے نزدیک کسی مومن کی امامت کیسا ہی متقی و پرہیزگار بلکہ قرشی فاطمی حسنی حسینی ہو اس کی امامت علاوہ ائمہ اثنا عشر کے ہرگز صحیح نہیں اور کیسی ہی ضرورت کے وقت میں ہو منعقد نہیں ہو سکتی سوائے ائمہ اثنا عشر کے کوئی شخص واجب الاطاعۃ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے ساتھ ہو کر جہاد جائز ہے اور جو سبایا و اموال کفار کہ اس کے جہاد سے حاصل ہوں نہ وہ حلال ہیں اس لئے حنفیہ وغیرہ وغیرہ کی بابت علماء شیعہ متذبذب تشویش ہیں بہرحال اس تقریر سے ثابت ہوا کہ یہ مذہب حضرت کے ارشاد کے سراسر منافی و مخالف ہے اور جناب امیر کے اس ارشاد سے بطلان عصمت واضح طور پر ثابت ہے مگر اس کے سمجھنے کے لیے بھی عقل بینا چاہیے وباللہ التوفیق۔

قولہ: بالجملہ اس قول سے جناب امیر کی غرض یہ ہے کہ انسان کو باعتبار اس کے مدنی الطبع ہونے کے امیر سے چارہ نہیں نیک ہو یا فاجر اس سے یہ قیاس نہیں کر سکتے کہ امام مصطلح شرعی جو نائب رسول سے مراد ہے وہ بھی فاجر ہو سکے پس یہ کلام بلاغت نظام جناب امیر تعیش انسان کے بیان میں ہے نہ حکم شریعت میں۔

امام خلیفہ معصوم نہیں ہوتا

اقول: ہمارا مدعا بھی اسی غرض سے جو جناب امیر کے اس کلام سے ہی حاصل ہے کیونکہ جب کوئی فرد افراد امامت میں سے ایسی ثابت ہوئی کہ جو باوجود عدم عصمت کے بھی منعقد ہوئی تو آپ کا دعوئے عصمت باطل ہوا اور ہمارا مدعا ثابت ہوا باقی رہا خلیفہ راشد اور امام مصطلح کا فاجر نہ ہونا سو اس کے ہم بھی معتقد ہیں بے شک فاسق و فاجر خلیفہ راشد نہ ہوگا لیکن یہ اس کو مستلزم نہیں کہ معصوم ہو کیونکہ عصمت اور فسق و فجور کے درمیان میں مراتب کثیرہ ہیں اور نہ خلیفہ راشد کا فاجر نہ ہونا اس کو مستلزم ہے کہ غیر راشد امام بامامت عامہ نہ ہو سکے ممکن ہے کہ کسی سبب سے تنزل ضرورۃً اس کی امامت منعقد ہو [illegible] منافع دینی و دنیوی حاصل ہوں اور کچھ نہ ہو تو انتظام وسیاست و شوکت اسلام

تو ضرور حاصل ہوں گی۔ غرض انسان کو باعتبار مدنی الطبع ہونے کے جب امیر نیک یا فاجر سے چارہ نہیں تو جناب امیر کا یہ ارشاد اگرچہ تعیش انسان کے بیان میں ہو لیکن تاہم مستلزم حکم تشریع کو ہوگا اور تشریع اس امر کی جو بروئے عقل انسان کو لازم و متحتم ہے مخالف عقل نہ ہوگی چنانچہ فی الواقع ایسا ہی ہے کہ تشریع اس کے خلاف واقع نہیں ہوئی بلکہ جابجا روایات سے اس کی تائید و تقویت ثابت ہوتی ہے اس وقت صرف ایک ہی روایت پر اکتفا کرتا ہوں ابن بابویہ قمی نے خصال میں روایت کی ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ثلثۃ یدخلھم اللہ الجنۃ بغیر حساب وثلثۃ یدخلھم النار بغیر حساب فاما الذین یدخلھم الجنۃ بغیر حساب فامام عادل وتاجر صدوق وشیخ افنی عمرہ فی طاعۃ اللہ عزوجل واما الثلاثۃ الذین یدخلھم اللہ النار بغیر حساب فامام جائر وتاجر کذوب وشیخ زان۔

امام ابوعبد اللہ سے مروی ہے فرمایا تین شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بلا حساب جنت میں داخل کرے گا اور تین ہیں جن کو دوزخ میں بلا حساب داخل کرے گا۔ جن کو جنت میں بلا حساب داخل کرے گا وہ ایک امام عادل دوسرا سچا سوداگر تیسرا بڈھا جس نے اپنی عمر اللہ کی اطاعت میں فنا کر دی ہو اور جن تینوں کو بلا حساب دوزخ میں داخل کرے گا وہ امام ظالم اور جھوٹا سوداگر اور بڈھا زانی ہے۔

اس روایت سے صاف واضح ہے کہ اس میں جزا و سزا کو عدل و جور کے ساتھ جو بعد امامت کے فصل خصومات وغیرہ میں پیش آتے ہیں منوط و مربوط فرمایا ہے اور اصل بناء فساد یعنی انعقاد امامت جائرہ کی نسبت کچھ نہیں فرمایا اول واجب تھا کہ اسی کی نسبت عدم انعقاد بیان فرماتے اور لوگوں کو ہدایت کرتے کہ اسے نزع و خلع کرا دیں اور امام جائر پر خروج کریں جب یہ نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ امامت جائرہ جیسی کچھ بھی ضرورۃً منعقد تو ہو گئی اب اس کے مفاسد سے جو آئندہ محتمل ہیں کہ امام جائر سے صادر ہوں اس کو تخویف و ترہیب ضروری ہوئی۔ علاوہ ازیں یہ جو حضرات شیعہ کی عادت ہے کہ جہاں کہیں لفظ امام کا اپنے مذہب کے مخالف دیکھا اس کے معنی لغوی لینے پر تیار ہو گئے اس حدیث سے وہ بھی باطل ہو گیا اور ثابت ہوا کہ امام فاجر بھی بامامت عامہ نہ بامامۃ خاصہ راشدہ لفظ امام اصطلاحی کا مصداق ہے کیونکہ لفظ امام اپنے معنی اصطلاحی شرعی میں حقیقۃ شرعیہ ہے اور عدول حقیقۃ سے تاوقتیکہ کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو جائز نہیں قاعدہ ہے کہ حتی الامکان نصوص اپنے ظاہر ہی پر محمول ہوتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس جگہ بالمتقابل دو لفظ امام عادل اور امام جائر واقع ہیں پس ان دونوں لفظوں سے یا ہر دو جگہ معنی لغوی مراد ہیں اور یہ باطل ہے کیونکہ اول تو کوئی قرینہ نہیں جو حقیقۃ شرعیہ سے صارف ہو علاوہ ازیں

جو سلاطین وخلفاء کہ عادل گذرے ہیں جن کا اب تک عدل ضرب المثل ہے مثل کسریٰ نوشیروان وعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وہ سب برخلاف مزعوم امامیہ اس وعدہ کے مستحق ہوں گے اور اگر ایک جگہ معنی اصطلاحی اور دوسری جگہ معنی لغوی مراد لئے جائیں تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ وجود قرینہ جو صارف عن الحقیقت ہو غیر مسلم ہے علاوہ ازیں تقابل صحیح نہیں ہوگا بلکہ خود تقابل قرینہ ہے اور اس امر پر دال ہے کہ جو معنی لفظ امام اول کے ہوں گے وہی ثانی کے ہوں گے اور تقابل کے بطلان سے کلام درجہ فصاحت سے ہی نہیں گرے گا بلکہ مہمل ہو جائے گا تو اب متعین ہوا کہ ہر دو جگہ معنی اصطلاحی ہی مراد ہیں، چونکہ اور کوئی محتمل باقی نہیں اور اس میں ہر دو جگہ معنی اصلاحی ہونے پر بوجہ انعقاد خلافت ائمہ جور کے جو کچھ کہ مصیبت وآفت مذہب تشیع پر واقع ہے محتاج بیان نہیں چونکہ اس تحریر میں اطناب ہوتا جاتا ہے اس لئے ہم اس کی شرح وبسط کو کسی دوسرے وقت پر منحصر کرتے ہیں،

قولہ: اور اگر یہ بات معاذ اللہ جائز ہوتی تو فرمایئے کہ جناب امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کیوں نہ کی اور کیوں شہید ہوئے بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ انسان کو حاکم سے چارہ نہیں امام معصوم کو جب رعایا برایا کے امور میں تمکین نہ دیں اور اس سے منازعت کر کے اس کے اصلی مقام سے مدافعت کریں تو اس صورت میں حفظ نوع انسانی وحصول انتظام امور کے لئے گو وہ کیسا ہی ہو امیر وحاکم سے گریز نہیں،

امام کے معصوم ہونے کے لغو عقیدہ کے سلسلہ میں شیعہ کا اپنے جال میں خود پھنسنا

اقول: کیوں حضرت اور اگر معاذ اللہ یہ بات جائز نہ ہوتی تو اول الائمۃ وافضلہم کیوں خلفاء ثلثہ کے ہاتھ پر بیعت فرماتے، اور کیوں ان سے مثل امام ثالث رضی اللہ عنہ کے مناقشہ کر کے ہنگامہ کارزار گرم نہ کرتے یہاں تک کہ یا اپنے حق کو پہنچتے یا مثل جناب امام ثالث کے شربت شہادت چکھتے اور نیز اگر معاذ اللہ یہ بات جائز نہ ہوتی تو کیوں جناب امام ثانی رضی اللہ عنہ امیر معویہ کو خلافت تسلیم کر دیتے اور کیوں اس سے بیعت کر لیتے اور باوجود عدد وعدد کیوں جدال وقتال نہ کر کے یا اپنے حق کو پاتے یا درجہ شہادت پر پہنچتے اور مصداق اس شعر کے ہوتے۔ بیت،

ورنشاید بدوست رہ بردن   شرط عشقست در طلب مردن

ع حفظت شیئاً وغابت عنك اشیاء، افسوس کہ آپ کو ایک امام ثالث کا بھی قصہ یاد رہا اور

امام اول وثانی کا فراموش ہو گیا لیجئے ہم ہی نے آپ کو یاد دلا دیا لا ینبئك مثل خبیر. علاوہ ازیں جبکہ دلائل وبینات واضحہ سے اس بات کا ضرورۃً جائز ہونا ہم نے حسب اصول امامیہ ثابت کر دیا تو اب اس کے بھی جواب وہ اہل تشیع ہی ہوں گے معہذا حاصل اس دلیل کا جو ہمارے فاضل مجیب نے عدم انعقاد بیعت امام جائر کی نسبت بیان فرمائی ہے یہ ہے کہ معاذ اللہ اگر امامت جائرہ منعقد ہوتی تو امام حسین رضی اللہ عنہ ضرور بیعت فرماتے اور شہید نہ ہوتے اور جب انھوں نے بیعت نہ فرمائی اور یہاں تک لڑے کہ شہید ہو گئے تو اس سے معلوم ہوا کہ امامت یزید جو امامت جائرہ تھی صحیح نہ ہوئی تو کوئی امامت جائر منعقد نہ ہو گی لعدم الفصل فیہا، بندہ عرض کرتا ہے کہ خود اس دلیل سے بالبداہت یہ امر ثابت ہے کہ امامت میں جیسا مناقشہ کرنا امام معصوم کا دلیل اور قرینہ اس کے بطلان اور عدم انعقاد کا ہے اسی طرح تسلیم امامت اور مناقشہ نہ کرنا دلیل اس کی صحت کی ہے علی الخصوص ایسی حالت میں ترک مناقشہ کرنا کہ حالت عدم عجز اور خوف کی ہو۔ اب ہم ائمہ کے حالات کو درباب رد وتسلیم خلافت کی نظر تفصیلی سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کہ جناب امیر نے زمانہ خلفاء ثلثہ میں ان کی خلافتوں کو تسلیم کیا اور یہ تسلیم وانقیاد بسبب عجز وبیچارگی وخوف کے نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ یہ خلافتیں مطابق رضاء خداوند تعالیٰ شانہ واقع تھیں چنانچہ یہ امر آپ کے ان بعض خطبوں میں جو نہج البلاغۃ میں شریف رضی نے جمع کئے ہیں بصراحۃ درج ہے، وہ خطبہ یہ ہے،

ومن کلام لہ لما عزموا علی بیعۃ عثمان لقد علمتم انی احق بہا من غیری واللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیہا جور الا علی خاصۃ التماسا لاجر ذلك وفضلہ وزہدا فیما تنافستموہ من زخرفہ وزبرجہ. انتہی

منجملہ آپ کی کلام کے جب کہ لوگوں نے عثمان کی بیعت کا قصد کیا بے شک تم جانتے ہو کہ میں بہ نسبت دوسرے کسی شخص کے احق بالامامت ہوں اللہ کی قسم میں تسلیم کر دوں گا جب تک مسلمانوں کے امور سلامت رہیں گے اور اس میں بجز میری ذات خاص کے کسی پر ظلم نہ ہوگا اس کے اجر اور بزرگی کی طلب کے لئے اور جس کی زینت اور خوش آئندگی میں تم نے رغبت کی ہے اس میں بے رغبتی کے سبب سے۔

اس خطبہ سے مثل آفتاب روشن ہے کہ جناب امیر نے باوجود اپنے دعوے احقیت بالخلافۃ کے جس کا مدار حسب مزعوم امامیہ وجود نص وعصمت وافضلیت پر ہے خلافت غیر اہل کو تسلیم فرمائی اور قسم خدائے پاک کی کھا کر فرمایا کہ میں جب تک مسلمانوں کے کام درست رہیں گے اور بجز میری ذات خاص کے کسی پر جور وظلم نہ ہوگا اس وقت تک خلافت کو تسلیم کروں گا اور اس میں چون وچرا نہ کروں گا تو اس

سے صاف جو آپ کا منشا ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے اوپر اس خلافت میں جور ہوا اور ان کی حق تلفی ہوتی تو اس وقت مناقشہ کروں گا اب دیکھا چاہیئے کہ جناب امیر کے اس ارشاد سے مذہب تشیع پر کیسی کچھ آفت و بلا نازل ہوتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جناب امیر نے اخیر زمانہ خلافت تک اس میں مناقشہ اور منافسہ نہیں فرمایا اور کچھ چون و چرا نہیں کی اور پہلی دونوں خلافتوں میں تو احقیت کا بھی نام نہیں لیا اور ہمیشہ سر تسلیم خم رکھا اور یہ تسلیم کچھ عجز اور بیچارگی اور تقیہ کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ اگر عجز اور بیچارگی کی وجہ سے ہوتی تو ملسلمت امور المسلمین ولم یکن الخ بالکل مہمل ہو جاتے گا بلکہ یہ سکوت و تسلیم حقیہ خلافت کی وجہ سے تھا اور اس وجہ سے تھا کہ خدا اور رسول کی طرف سے حکم سکوت و تسلیم تھا چنانچہ فاضل بحرانی نے اپنی شرح میں دوسری جگہ لکھا ہے۔ وانہ کان معھودا علیہ ان لا ینازع فی امر الخلافۃ۔ پھر اگر ان خلافتوں میں کسی پر جور ہوتا تو ضرور جناب امیر مناقشہ فرماتے کیونکہ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تک خلافت تسلیم ہے جب تک کسی پر جور نہ ہو تو جناب امیر کی تسلیم و عدم مناقشہ کی وجہ سے ثابت ہوا کہ یہ خلافتیں منعقد تھیں بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا جو کچھ تو وہ روایات متضمن کمال ظلم و جور کے جو خلفاء کے ہاتھوں اہلبیت پر یا صحابہ مقبولین پر ہوئے بشہادت جناب امیر کے کذب و زور و افترا و بہتان ہیں چنانچہ ہم شرح کبیر ابن میثم سے ملخصاً احداثات عثمان رض نقل کرتے ہیں،

واما الاحداثات المنقولۃ عنہ فالمشہورۃ منہا عشرۃ الاولی تولیۃ امور المسلمین من لیس اھلا من الفساق مراعاۃ للقرابۃ دون حرمۃ الاسلام کالولید بن عقبۃ وسعید بن العاص وعبد اللہ بن السرح۔ الثانیۃ ردہ للحکم بن ابی العاص۔ الثالثۃ انہ کان یوثر اھلہ بالاموال العظیمۃ الرابعۃ انہ حمی الحمی۔ الخامسۃ انہ اعطی من بیت مال الصدقۃ المقاتلۃ وغیرھا السادسۃ انہ ضرب عبد اللہ بن مسعود السابعۃ انہ جمع الناس علی قراءۃ زید بن ثابت واحرق المصاحف الثامنۃ اقدامہ علی عمار بن یاسر

اور بدعتیں منقول اس سے ان میں مشہور دس ہیں اول نالائقوں فاسقوں کو بسبب رعایت قرابت کی بدون حرمت اسلام کے امور مسلمین پر متولی کرنا جیسا ولید بن عقبہ اور سعید بن العاص اور عبد اللہ بن سرح دوسری حکم بن العاص کو لوٹا لینا تیسری اپنے لوگوں کو اموال عظیمہ کے ساتھ مخصوص کرتے تھے۔ چوتھی اس نے ردکی پانچویں صدقہ کے بیت المال سے مقاتلہ وغیرہ کو دیا چھٹی عبد اللہ بن مسعود کو مارا ساتویں لوگوں کو زید بن ثابت کی قراءت پر اکٹھا کرکے باقی مصاحف کو جلا دیا آٹھویں عمار بن یاسر کو پٹوایا

بالضرب التاسعۃ اقدامہ علی ابی ذر حتی نفاہ الی الربذۃ العاشرۃ تعطیلہ الحد الواجب علی عبید اللہ بن عمر فانہ قتل الھرمزان مسلما انتھی

نویں ابو ذر کو ربذہ کی طرف جلا وطن کر دیا دسویں حد کو جو عبید اللہ بن عمر پر بسبب ہرمزان مسلمان کے قتل کے واجب ہوئی تھی معطل کر دیا۔

اب ان احداثات کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ احداثات ظلم اور جور ہیں بعض ان میں سے عموماً حقوق اہل اسلام پر جور و تعدی ہے اور بعض خاص کر کبراء صحابہ پر لیکن حضرت امیر کی ذات خاص کے متعلق ان میں سے کوئی نہیں ہے اگر فی الواقع انکا وقوع صحیح ہوتا تو ضرور تھا کہ حضرت مناقشہ فرماتے اور جب آپ نے تسلیم میں آخر تک چون و چرا نہیں کی تو معلوم ہوا کہ یہ احداثات محض ان جیسے حضرات کے محدثہ و مخترعہ ہیں جو ملعون و لاعن ائمہ ہیں اور جن کے منہ پر کتی نے پیشاب کیا تھا اور فی الواقع ایسی کذبات کی پاداش ایسی ہی ہونی چاہیئے اور شارح ابن میثم نے اس جگہ کسی قدر انصاف کیا اور بعد بیان احداثات محدثہ یہ لکھا،

وقد اجاب الناصرون لعثمان عن ھذہ الاحداثات باجوبۃ مستحسنۃ وھی مذکورۃ فی المطولات۔

اور تحقیق ان بدعتوں کے عثمان کے حمایتیوں نے عمدہ عمدہ جواب دیئے ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں،

اب پھر ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور گذارش کرتے ہیں کہ ابن میثم بحرانی دوسرے خطبہ کی شرح میں جس کا عنوان یہ ہے۔ ومن کلام لہ لما ارید قبل البیعۃ بعد قتل عثمان دعونی والتمسوا غیری الخ فرماتے ہیں،

قولہ وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ امرکم ای کنت کاحدکم فی الطاعۃ لامیرکم بل لعلی اکون اطوعکم لہ ای بقوۃ علمہ بوجوب طاعۃ الامام۔

قولہ وان ترکتمونی الخ اگر تم مجھ کو چھوڑ دو گے تو میں تم کا ایک جیسا ہوں اور شاید میں زیادہ سننے والا اور اطاعت کرنے والا ہوں جس کو تم اپنے امر کا متولی بناؤ یعنی میں تم میں کا ایک جیسا ہوں تمہارے امیر کی فرماں برداری میں بلکہ شاید میں تم سے زیادہ مطیع ہوں یعنی بسبب اس کے کہ آپ کو امام کی طاعت کے وجوب کا قوی علم ہو۔

خدا کے لئے کوئی عاقل منصف ان نصوص صریحہ کو دیکھے کہ جناب امیر حسب تقریر و اعتراف ابن میثم کس وضاحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ مجھ کو چھوڑ کر جس کو تم امام بنا لو میں بھی تم میں کا ایک ہوں جیسی تم پر اس کی اطاعت واجب ہوگی ویسی ہی مجھ پر بھی واجب ہوگی بلکہ امید ہے کہ میں بہ نسبت تمہارے زیادہ

مطیع و فرمانبردار ہوں کیونکہ جب امام واجب الاطاعت ہے تو ہیں اداتے مادجب میں زیادہ ساعی ہوں گا اس لئے کہ اطاعت امام کے وجوب کا علم آپ کو سب سے زیادہ تھا اب فرمائیے کہ اگر امامت منعقد ہی نہیں ہوئی تو وجوب اطاعت اور وہ بھی امام منصوص و معصوم مفترض الطاعت پر کیسا اور امام معصوم کی اطاعت میں مثل عوام کے ہونے کے کیا معنی۔ یہاں بھی فرما دیجئے گا کہ حضرت نے تعیش کا بیان کیا ہے نہ مسئلہ شرعی سبحان اللہ فہم و انصاف ہمارے فاضل مجیب پر بس ختم ہو چکا جناب امیر کے اس ارشاد نے ہر سہ شرائط نص و عصمت و افضلیت کا بھی بیخ و بن سے استیصال کر دیا اور بصراحت ثابت کر دیا کہ اہل حل و عقد جس کو امام بناویں وہی امام ہے اور واجب الاطاعت اور ظاہر ہے کہ حسب اصول امامیہ درمیان امامت بارہ اور امامت فاجرہ کے اور کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ جو امامت کہ غیر منصوص و معصوم کے واسطے ثابت ہوگی کائنا من کان وہ امامت فاجرہ ہوگی کیونکہ امام معصوم کا حق اس میں غصب ہوا ہے اور جناب امیر نے اپنے ارشاد میں امارت اور امیروں کو صرف دو قسموں میں محصور فرمایا ہے لابد للناس من امیر برا و فاجر اور ہر ایک قسم کا حکم جدا ہے امارت بارہ راشدہ خلافت عادلہ ہوگی اور امارت فاجرہ امارت جائرہ ہوگی، اسی طرح امیر بار خلیفہ راشد و امام عادل ہوگا اور فاجر جائر ہوگا اس معاملہ میں بھی ہم فاضل بحرانی کو ہی حکم مقرر کرتے ہیں وہ اس خطبہ ماتحن فیہ کی شرح میں فرماتے ہیں،

ومما یوید ذلك ان اکثر الخلق متفقون علی ان امراء بنی امیة کانوا فجارا عدا رجلین او ثلثة کعثمان وعمر بن عبد العزیز۔

اور اس میں سے جو اس کی تائید کرتا ہے یہ ہے کہ اکثر مخلوق اس پر متفق ہیں کہ امراء بنی امیہ بجز دو یا تین شخصوں کے مثل عثمان اور عمر بن عبد العزیز کے فاجر تھے۔

اور جب یہ فاجر نہیں تو بار اور ان کی امامت امامت بارہ ہوئی جو امارت راشدہ کے مرادف ہے پس عصمت وغیرہ شرائط بالکل باطل ہوئی اگرچہ اس معروض میں کسی قدر طول ہو گیا ہے مگر اس قدر اور گذارش ہے کہ امامت مطلقہ کے خواہ عادلہ ہو یا جائرہ آپ بھی اس کے اشد ضروری ہونے کے قائل ہیں کہ دنیاوی مصالح عباد کے اس کے ساتھ منوط و مربوط ہیں بدون اس کے انتظام ممکن نہیں پھر اس کی حالت یہ ہے کہ اگر اس کی نزع و خلع کا نام بھی لیا جاوے تو اس میں ایسی ایسی نوائر فساد کا مشتعل ہونا یقینی ہے کہ جس میں بحیثیت دین و دنیا کے ضرر و نقصان ہے اور دین کی حیثیت سے بھی جب ہم نظر کرتے ہیں تو اس میں بہ نسبت ضرر کے فائدہ زیادہ ہے اگر نقصان ہے تو خاص ان کی ذوات کے واسطے ہے اور جبکہ ائمہ اور مجتہدین و علماء احیاء مراسم دین و اجرائے شعائر اسلام میں مشغول ہیں تو ان کے فسق و فجور سے اسلام میں ضرر کا اندیشہ نہیں چنانچہ خود فاضل بحرانی اپنی شرح میں اس کی بھی شہادت دیتے ہیں۔

ومما یوید ذلك ان اکثر الخلق متفقون علی ان امراء بنی امیة کانوا فجارا عدا رجلین او ثلثة کعثمان وعمر بن عبد العزیز وکان الفئ یجمع بھم والبلاد تفتح فی ایامھم والثغور الاسلامیة محروسة والسبل امنة والقوی ماخوذ بالضعیف ولم یضر جورھم شیئا فی تلك الامور۔

اور منجملہ اس کے جو اس کی تائید کرتا ہے یہ ہے کہ اکثر مخلوق اس پر متفق ہے کہ امراء بنی امیہ بجز دو تین شخصوں کے جیسے عثمان اور عمر بن عبد العزیز فاجر تھے اور ان کے سبب اموال غنیمت جمع ہوتے تھے اور بلاد ان کے ایام میں فتح ہوتے تھے اور اسلامی گھاٹی محفوظ تھی اور راستہ مامون تھے اور قوی ضعیف کے حق کے عوض پکڑا جاتا تھا اور ان کے جور نے اس میں کچھ نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

پس جب فجار کی امامت میں یہ امور مثل سد ثغور و بناء قناطر و جسور و تجہیز جیوش و فتح بلدان و قلاع و جمع فی و امن طرق و فصل خصومات علی الحق ہوتے ہیں تو ان کے فجور سے اسلام میں کوئی ضرر شدید نہ پہنچا تو ان کی امامت کو وہ فاجر ہی سہی باعتبار دنیا کے تو حسب اعتراف فاضل مجیب لابدی ہے لیکن باعتبار دین کے بھی اس کے منافع اس کے مضار سے بہت زیادہ ہیں تو ایسی ضرورت کی حالت میں جب کہ وہ لابدی ہو اور اس سے گریز نہ ہو بروئے عقل ہرگز جائز نہیں کہ اس کو غیر منعقد کہا جاوے اور اس کے ساتھ جہاد کو ناجائز اور اس کے فئے کو حرام اور اس کی اطاعت کو جو امور موافق شرع میں ہو معصیت اور ناجائز قرار دیا جاوے سبحانک ہذا بہتان عظیم تو جب بروئے عقل اس کا واجب ہونا ثابت ہوا تو حسب قاعدہ امامیہ اگر شرع سے اس کی حرمت اور عدم جواز کا حکم صادر ہو تو لازم آوے کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے قبیح کا حکم کیا اور ترک اصلح و لطف فرمایا کیونکہ اس وقت اصلح و لطف یہ ہی تھا کہ اس کے جواز و رخصت انعقاد کا ضرور حکم دیا جاتا تعالیٰ شانہ عن ذلک علوا کبیرا پس اس تمام گفتگو سے ثابت ہوا کہ حضرت نے اس خطبہ میں حکم تعیش ہی نہیں فرمایا بلکہ حکم شرعی بھی بیان فرمایا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عصمت امامت کے لئے شرط نہیں معہذا جب ہم ان ہی الفاظ میں تامل کرتے ہیں اور قطع نظر دوسری قرائن و عبارات سے جو اوپر بیان کر آئے ہیں دیکھتے ہیں تو بداہتہً سمجھ میں آتا ہے کہ عصمت امامت کے لئے شرط نہیں کیونکہ جناب امیر نے منحصر فرمایا کہ یا امام نیک ہوگا یا امام فاجر ہوگا مسلما فاجر کی امامت ناجائز اور غیر منعقد ہے لیکن امامت بر و نیک کی تو ضرور جائز و راشدہ ہے کیونکہ خلو ان دونوں سے جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ نیک کے واسطے یہ ہی کچھ لازم نہیں ہے کہ وہ معصوم ہی ہو تو مطلق بر کی امامت جائز و منعقد ہوئی جو معصوم و غیر معصوم کو شامل ہے تو اگر بالفرض فاجر کی امامت صحیح نہ ہوتا ہم ہمارا استدلال اس عبارت سے بے غبار ہے اور اس عبارت سے بطلان عصمت کا شمس فی نصف النہار واضح ہے

علیٰ ذلک اس بحث کی تفصیل میں ہم کو اور بھی گنجائش ہے اور مضامین ذہن میں ہیں لیکن خوف تطویل اجازت نہیں دیتی اگر موقع ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ کسی موقع پر عرض کریں گے یار باقی وصحبت باقی۔

قولہ: جناب امیر علیہ السلام کے اس قول کی مثال یہ ہے کہ لابد للناس من قوت اور قوت عام ہے حلال اور حرام سے اگرچہ شرع حرام کی اجازت نہیں دیتی مگر انسان کو قوت لابدی ہے اگرچہ وجہ حلال سے حاصل کرے شرع کی پابندی کی ہو اور اگر وجہ حرام سے ہو تو خلاف شرع ہے اسی طرح امام شرعی کی عصمت وغیرہ شرائط جو بدلائل شرعیہ وعقلیہ ثابت ہیں اگر ایسے امام کی اطاعت کریں اور اس کو امام مانیں تو شرع کی پابندی کی ہو ورنہ چونکہ حاکم سے چارہ نہیں کسی نہ کسی کو ضرور حاکم وامیر کریں گے جیسا کہ خوارج لئام نے باوجود انکار زبانی آخر کو حاکم کیا۔

امامت فاجرہ حسب اعتراف مجیب بمنزلہ قوت کی ضروری ہے

اقول: اس موقع پر ہمارے فاضل مجیب نے مثال قوت کی تحریر فرمائی اور قوت کو مقیس علیہ قرار دیا یہ بعینہٖ ہماری مدعا کی موید ہے اور فاضل مجیب اس کی نقل میں مصداق مثل مشہور کالباحث عن حتفہ بظلفہ کے ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام مطلق کا لابدی ہونا جناب امیر کی شہادت اور جناب مجیب کے اعتراف سے ثابت ہو چکا ہے کہ لوگوں کے واسطے امام لابد ہے نیک ہو اگر نیک میسر نہ ہو سکے تو فاجر ہی ضرور ہے کیونکہ احد ہما سے گزیر اور جب اس کا لابد ہونا ثابت ہوا لاچاری اور ضرورت کے وقت میں اس کا انعقاد بطور رخصت بلکہ حسب روایات امامیہ اس کی صحت اور اس کا جواز انعقاد بطور وجوب وعزیمۃ کے ہوگا کیونکہ مقیس علیہ اس کا قوت ہے کہ لابد للناس من قوت من حلال کان او حرام پس اگر انسان کو قوت حلال سے میسر نہ ہو اور مضطر ہو قوت حرام کی طرف تو بشہادت نص صریح قرآنی جو چند جگہ کلام مجید میں ارشاد ہے تناول حرام اس کے لئے مرخص ہوگا چنانچہ ارشاد ہے۔

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ۔	پھر جو شخص مضطر ہو نہ بے حکمی کرتا ہے نہ زیادتی تو اس پر گناہ نہیں۔
فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم۔	پھر جو شخص لاچار ہو بھوک میں نہ گناہ پر ڈھلنے والا تو اللہ بخشنے والا ہے مہربان

بلکہ حسب تنصیص روایات شیعہ ایسی حالت میں اس پر فرض ہے کہ حرام کو قوت بنا دے اور اگر

اس نے حرام سمجھ کر ترک کیا اور مر گیا تو کافر مرا کیونکہ حق تعالیٰ نے جس چیز کو اس کے حق میں حلال فرما دیا تھا اس کو اس نے حرام سمجھا تفسیر صافی میں تحت تفسیر قولہ تعالیٰ فمن اضطر جو روایت لکھی ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں

فی الفقیہ عن الصادق فمن اضطر الی المیتۃ والدم ولحم الخنزیر فلم یاکل شیئا من ذلک حتی یموت فہو کافر۔	فقیہ میں امام صادق سے مروی ہے جو مردار اور خون اور خنزیر کے گوشت کی طرف مضطر ہو اور اس میں سے کچھ نہ کھاوے یہاں تک کہ وہ مر جاوے وہ کافر ہے۔

اب ہم اسی حکم کو جو مقیس علیہ میں موجود ہے مقیس یعنی امامت میں جاری کرتے ہیں تو یہ حاصل ہوتا ہے۔

وکذلک من اضطر الی الامارۃ الفاجرۃ فلم یقبلہا ولم ینقد لہا حتی مات فہو کافر۔	اسی طرح جو امامت فاجرہ کی طرف مضطر ہو اور اس کو قبول نہ کرے اور مطیع نہ ہو یہاں تک کہ وہ مر جاوے وہ کافر ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص امارت فاجرہ کی طرف مضطر ہو اور اس کو حرام سمجھ کر اس کا مطیع ومنقاد نہ ہو اور نہ مانے یہاں تک کہ مر جاوے تو وہ شخص کافر ہے کیونکہ جس چیز کو خداوند تعالیٰ نے اس کے لئے حلال فرما دیا اس کو اس نے حرام سمجھا اور بمقابلہ حکم خداوندی اپنی عقل کو دخل دیا تو مستحق کفر ہوا تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ ضرورت واضطرار کے وقت میں شریعت تناول قوت حرام کے رخصت واجازت دیتی ہے بلکہ فرض فرماتی ہے اور اس کے تارک ومنکر کو کافر کہتی ہے تو اس نے جب ایسی حالت میں قوت حرام سے کیا تو عین اتباع شرع کیا اور اگر حلال کے انتظار وتلاش میں رہا اور اس کو ترک کیا تو سراسر مخالفت شریعت کی اور کافر مرا اور نتیجہ یہ ہے کہ حکم امامت بہ نسبت اکل کے اگرچہ وہ ہے تو امامت کے اضطرار کی صورت میں اس کا انکار بلا دلیل منجر بکفر ہوگا پھر ہمارے مجیب کا یہ ارشاد کہ اگر وجہ حرام سے ہو تو خلاف شرع ہے ماتحن فیہ میں سراسر غلط ہے منشا اس کا یہ ہے کہ آپ کو باوجود ادعائے ہمہ دانی اپنے گھر کی بھی خبر نہیں ہے الحمد للہ کہ جو مثال آپ نے اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش کی تھی وہ ہی اس کے مکذب اور خود جناب پر منقلب ہو گئی والحمد للہ اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ: اگر شک ہو تو نہج البلاغۃ نکال کر دیکھیے اور انصاف سے فرمایئے کہ آپ کا دعویٰ سچا ہے یا میر مومنین کا ارشاد سچا ہے

شیعہ غریب تو نہج البلاغۃ بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے

اقول: بے شک یہ نہج البلاغۃ میں ہے اور جناب امیر علیہ السلام کا یہ ارشاد سراسر ارشاد عین صدق و محض حق ہے مگر آپ اس کا مطلب نہیں سمجھے اور گستاخی معاف کلمہ یراد بہا الباطل کا مضمون اس جگہ صادق ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: جب یہ ارشاد جناب امیر جو نہج البلاغۃ میں منقول ہے محض صدق اور عین حق ہے اور ہم نے بدلائل واضحہ ثابت کر دیا کہ اس کا مطلب بھی وہی ہے جو ہم سمجھے اور جو کچھ آپ نے سمجھا تھا وہ غلط اور آپ کے اصول کے برخلاف تھا تو انصاف سے فرمائیے کہ کلمۃ حق اریدبہا الباطل کس پر صادق آیا اور اس کا مصداق کون ہوا چنانچہ اگر اس گذارش کو برو‌ئے عقل و انصاف ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو بھی اس کی بخوبی تصدیق ہو جائے گی۔

قولہ: اور چونکہ ہمارا دعویٰ جناب امیر و رسول خدا و دیگر ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے اقوال سے مقتبس ہے بے شک سچا ہے۔

اقول: بے شک آپ کا دعوےٰ آپ کے زعم میں اقوال جناب امیر و رسول خدا و ائمہ ہدیٰ سے مقتبس اور سچا ہو گا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الواقع آپ کا اقتباس صحیح ہو بلکہ فی الحقیقت آپ کا اقتباس غلط ہے چنانچہ ہم دلائل سے ثابت کر چکے اگر اسی طرح ہر ایک فرقہ کے دعویٰ اقتباس کو مطابق واقع سمجھا جاوے تو خوارج بھی کہتے ہیں کہ ہمارا دعوےٰ خدا و رسول خدا کے ارشادات سے مقتبس ہے بلکہ یہود و نصاریٰ و مجوس وغیرہ تمام اہل ملل یہ کہتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ خدا و رسل کے کلام سے مقتبس ہے پھر معلوم نہیں کہ جناب کو ان کے تسلیم کرنے میں کیوں انکار ہے پس جو جناب اپنے انکار کی وہاں دلیل قائم کریں وہی دلیل یہاں بھی سمجھ لیں۔ ہاں جناب میر صاحب آپ نے شروع جواب میں یاد آتا ہے کہ ہم پر اعتراض فرمایا تھا کہ ہم نے اپنے خطبہ میں جو تقدیم آل کے صلوٰۃ و سلام میں اصحاب پر کی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ خلاف مذہب اہل سنت کے ہے کیونکہ باعتبار مذہب اہلسنت کے تقدیم اصحاب کی آل پر ہونی چاہئیے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ کے نزدیک تقدم فی الذکر مستلزم تقدم فی المرتبہ کو ہے پس اس جگہ جو آپ نے رسول خدا پر جناب امیر کو مقدم فرمایا کیا آپ کے نزدیک جناب امیر رسول خدا سے من حیث المرتبہ افضل ہیں جیسا کہ یہ تقدم حسب زعم سامی مقتضی ہے اگرچہ آپ کی بہت سی روایات سے مستنبط ہوتا ہے کہ جناب امیر جیسا تمام انبیاء سے حسب عقیدہ شیعہ افضل ہیں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں لیکن چونکہ زبانی طور پر خاص حضرت کی نسبت اس کا انکار کیا ہے اور عبارت اس مضمون کے متعلق ہم پہلے نقل کر چکے ہیں تو اس لئے دریافت کر لیا گیا۔

قولہ: اور حاشا کہ ہمارا دعویٰ اور اس ارشاد میں کسی قسم کی مخالفت ہو ہر دو بجائے خود درست ہیں

امارت کے سلسلہ میں سیدنا علی کے قول کا صحیح مطلب

اقول: یہ صرف جناب کا زعم ہے ورنہ واقع میں جناب امیر کے ارشاد اور آپ کے دعوے میں سراسر تناقض و تخالف ہے کیونکہ جناب امیر کا ارشاد ضرورۃً مطلق امارت کی صحت کو مقتضی ہے اور آپ کا دعویٰ اس کی عدم صحت کو مقتضی۔ پس حاشا و کلا کہ آپ کے دعویٰ اور جناب امیر کے ارشاد میں باہم توافق ہو نقیضین کا اجتماع باتفاق وحدات ثمانیہ محال ہے اور جناب امیر کے ارشاد میں تو کچھ تردد نہیں ہے ہاں آپ کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہو تو جناب امیر کا ارشاد غلط ہو گا پس ہر دو بجائے خود درست کسی طرح نہیں ہو سکتے۔

قولہ: آپ عقل سے علم سے انصاف سے کام لیں۔

اقول: بحول اللہ و فضلہ ہم نے تو اپنی عقل و علم و انصاف خداداد سے کام لیا تھا مگر افسوس کہ آپ نے اس پر عمل نہ فرمایا اور گستاخی معاف آیت اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم کا مضمون اس جگہ صادق آیا اور ہم اب بھی شکر گذاری اس پر عامل ہیں اور جو کچھ عرض کرتے ہیں وہ اپنے علم و عقل و انصاف سے کام لے کر عرض کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ جناب کو بھی توفیق عطا فرماوے آمین اللھم آمین ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین۔

قال الفاضل المجیب: قولہ اس کے بعد فرمائیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو خلیفہ مقرر فرمایا یا اس باب میں کیا ارشاد فرمایا اگر اس کلام کے موافق ہے تو مرحبا بالوفاق اور اگر مخالف ہے تو کس کو حق کہے گا اور کس کو باطل کیونکہ باب تاویل مسدود ہے۔ اقول: کلام بلاغت نظام جناب امیر علیہ السلام کے معنی اور اصلی مراد عرض ہوئی آپ کا شبہ رفع کیا گیا اور اپنے دعوے خلافت ائمہ ثلثہ کو آپ کے ہی علماء مستند کی کلام سے ثابت کر دیا۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: جناب امیر رضی اللہ عنہ کی کلام کے معنی اور اس سے اصلی غرض جو کچھ آپ نے سمجھی ہے وہ جناب کے مزعوم پر ہی منحصر ہے صحت اور واقعیت سے اس کو کچھ مساس بھی نہیں اور اس کلام سے معنی مذکورہ و اصلی غرض سمجھنا قبیل توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ سے ہے اور شہر [illegible]

ثلثہ کا بطلان تو ایسا جلی و بدیہی ہے کہ کسی عاقل پر مخفی نہیں رہ سکتا علی الخصوص جناب نے جس قدر ثبوت لکھا وہ تو نہایت ہی پوچ تھا بندہ نے جو کچھ اس پر گذارش کیا ہے اگر اس کو بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں گے اور انصاف ملحوظ رکھیں گے تو خود ہی بول اٹھیں گے اور اگر بعد ملاحظہ معروض بندہ پھر بھی دل میں شبہات خطور کریں تو ہم پھر بھی تقریراً و تحریراً حاضر ہیں واللہ ہو الموفق۔

قولہ: آپ چاہتے ہیں کہ جو امر ہم نے سوال میں دریافت کیا ہے وہ ہم سے ہی پوچھیں اور اس سے غرض آپ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسی طرح بحث میں طوالت ہو۔ اور آپ اعتراض و شبہات کرتے رہیں اور اصل سوال کی جواب دہی سے بچ جائیں۔

اقول: جب ہم نے جناب امیرؑ کے ارشادات مسلمہ سامی سے آپ کی شرائط اور مسئلہ امامت کا ابطال کر دیا تو وہ سوال جو آپ ہم سے کرتے تھے آپ پر ہی منقلب ہو اور آپ کو ہی اس کا جواب دینا لازم ہوا پھر اگر ہم نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت نے کس کو خلیفہ مقرر فرمایا یا اس باب میں کیا ارشاد فرمایا تو آپ اس سے کیوں گھبراتے ہیں اور اگر آپ اعتراضات و شبہات سے ڈرتے ہیں اور طوالت پسند نہیں فرماتے تو قصہ مختصر کیجئے اور زبانی بالمشافہ گفتگو کر لیجئے جلد فیصلہ ہو جائے گا اور جب ہم نے آپ کی شرائط کا بطلان مثل آفتاب نیم روز روشن کر دیا اور مسئلہ امامت مسلمہ سامی باطل ہو گیا تو ہم کو آپ کے سوال کی جواب دہی کی کیا ضرورت رہی اور جواب دہی سے بچنے کی کیا حاجت اگرچہ ہم کو مناسب یہ تھا کہ ہم آپ کے سوال کا جواب اس وقت لکھتے کہ جب آپ اپنے مسلمہ مسئلہ امامت کو اور اس کی شرائط ثلثہ کو بدلائل ثابت فرماتے حالانکہ اس وقت تک جس قدر دلائل ثبوت شرائط ثلثہ تحریر فرماتے ہیں وہ دلائل ان شرائط کو آپ کے اصول پر بھی ثابت نہیں کرتے اور خصوصیت حصول پر تو اس کا ثبوت از قبیل محالات ہے لیکن ہم انشاء اللہ تعالیٰ حسب فرمائش بپاس خاطر سامی خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا ثبوت عقلی و نقلی دلائل سے خدمت میں ابھی بدلائل پیش کریں گے تاکہ آپ کو بھی حسرت اعتراضات باقی نہ رہ جاوے فانتظروا ولا تکونوا من المستعجلین۔

قولہ: اگرچہ ہم اس سوال کا جواب بھی مفصل و مدلل دے سکتے ہیں اور جب موقع آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا اور اگر آپ کچھ انصاف و غور کریں گے تو سمجھ جائیں گے کہ ہمارا یہ دعویٰ زبانی ہی نہیں ہے یہ جواب جو لکھا گیا ہے نمونہ ہے مگر اس وقت صرف خیال مذکورہ بالا سے اس کا جواب عرض کرنا مصلحت نہیں جانتے۔

قولہ: جس قدر جناب نے تحریر فرمایا ہے وہ بطور نمونہ ہے جس سے بخوبی آپ کی مناظرہ دانی

اور پایہ علم معلوم ہو سکتے ہیں یہ ہی وجہ ہوئی کہ جب اس ہیچمدان نے آپ کے علم و فہم کا اندازہ کر لیا تو آپ کے جواب کے لئے بکراہت قلم اٹھایا اور تمام دلائل کو فجعلناھا حصیدا کان لم تغن بالامس کا مصداق کر دیا بلکہ نہ اس تحریر کو قابل جواب اور نہ جناب سامی کو اس حیثیت سے لائق خطاب سمجھا جا سکتا ہے یہ ہی وجہ تھی کہ آپ کی تحریر کا دوسرے حضرات نے جواب تحریر نہ فرمایا جس سے دماغ سامی میں یہ سمایا کہ ہمچو من دیگری نیست اگر وہ حضرات پہلو تہی نہ فرماتے تو جناب کو یہ حوصلہ کبھی نہ ہوتا پس میں نے جہاں تک انصاف سے دیکھا اور غور کیا مجھ کو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی ضروریات دین اور اصول مذہب کو بھی ثابت نہیں کر سکتے تو آپ کا یہ دعویٰ محض زبانی اور تقلیدی ہے جس قدر مواقع آئے کہ جن میں آپ نے بہت کچھ زور لگایا جب ان میں ہی آپ سے کچھ نہ ہو سکا تو اور کون سا موقع ہے کہ جس میں آپ کچھ کر کے دکھلا دیں گے آپ کسی مصلحت سے اور کسی خیال سے جواب میں تعلل کیجئے اور جان بچائیے لیکن جب کبھی آپ کچھ فرمائیں گے انشاء اللہ ایسے شکنجہ ابحاث میں کھنچے جائیں گے کہ راہ فرار تنگ ہو گی الا ان حزب اللہ ھم المفلحون و ان جندنا لھم الغالبون۔

بحث اثبات خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم

قولہ: آپ کے ارشاد کی ہم نے تعمیل کر دی اب آپ براہ مہربانی ہماری بھی عرض قبول فرماویں۔

اقول: آپ نے تو کیا ہماری گذارش قبول فرمائی اور کیا قبول فرما سکتے تھے لیکن ہم آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم کو بدلائل تحقیقیہ و الزامیہ و عقلیہ و نقلیہ ثابت کرتے ہیں ذرا تھوڑی دیر کے لئے انصاف دوست ہو کر سنیں اور یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے دشمن انصاف ہو کر مہر منیر کے نور پر خاک افشانی کریں جب ہم نے آپ کے نمونہ سے آپ کے ذخیرہ علم و فہم کا بخوبی اندازہ کر لیا ہے تو ہماری نظر میں آپ کے اعتراضات ضنین ذباب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے فشمر ذیلک و اجلب علینا رجلک و خیلک آپ بے شک دل کھول کر اعتراضات قدیم و جدید و طریف تلید جس قدر ہو سکے بیان فرمائیں۔ واضح ہو کہ اس رسالہ میں جس قدر دلائل کہ ہم مواقع مختلفہ میں لکھ آئے ہیں ان میں بہت دلائل ایسے ہیں جو خلافت خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کو واضح طور پر ثابت کرتے ہیں چنانچہ بعض جگہ ہم نے اس طرف اشارہ بھی کر دیا ہے لیکن چونکہ ہمارے فاضل مجیب کی فرمائش یہ معلوم ہوتی ہے کہ بحث اثبات خلافت جداگانہ مستقل طور پر ہو اس لئے ہم حسب ارشاد سامی اس بحث کے مستقل طور پر لکھنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔

جناب امیر وخلفاء رضی اللہ عنہم کے باہم اتحاد ومحبت کا ثبوت

پس سنیئے کہ ہم اول معاملات فیما بین جناب امیر وخلفاء ثلثہ کو دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں تو اوّل مرحلہ آپ کی باہمی محبت وعداوت کا ہے اہلسنت کہتے ہیں کہ یہ حضرات باہم یک جان ودل وشیر وشکر تھے نہایت محبت والفت فی اللہ اور تواضع تعظیم رکھتے تھے اور ہمیشہ فضائل ومحامد بیان فرماتے تھے ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ دلی تھا۔ اور اگر بمقتضائے بشریت کبھی کسی معاملہ میں دوستانہ شکر رنجی ہو جاتی تھی تو وہ زائل ہو جاتی تھی اور اس کو قلوب میں ہرگز قرار نہ ہوتا تھا اور کبھی اختلاف محض بوجہ جوش حقانیت اختلاف اجتہاد سے ناشی ہوتا تھا جو ان کے مراتب عالیہ کو کم نہ کرتا تھا حضرات شیعہ فرماتے ہیں کہ جناب امیر کے ساتھ ان کو کمال عداوت تھی بلکہ تمام اہلبیت نبوت کے ساتھ یہی حال تھا آپ کا حق منصوص خلافت غصب کیا اور کوئی دقیقہ تکلیف رسانی اور تضلیل کا اٹھا نہیں رکھا یہاں تک کہ قتل کا بھی قصد کیا تو لامحالہ جناب کو بھی ان سے ویسے ہی بغض وعداوت تھی لیکن جناب امیر مظلوم ومخذول بے یار وانصار تھے اس لئے ہمیشہ تقیہ کے پردہ میں ان کے ساتھ خلا وملا رکھتے تھے تقیہ کے طور پر کبھی کبھی ان کی تعریفیں بھی فرماتے تھے اور خلفاء ثلثہ بھی زمانہ سازی کے طور پر ان کو اپنے شامل رکھتے تھے اور ظاہری مدارات وتواضع وتعظیم سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب ہم کتاب اللہ کو دیکھتے ہیں اور روایات وواقعات میں تامل کرتے ہیں تو دعوی اہل سنت کا حق اور دعوی شیعہ کا باطل پاتے ہیں، امّا آیات پس اوّل خداوند علام الغیوب صحابہ کو خیر امت ارشاد فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے مخاطب وہی معدودے چند نہیں ہیں جن کو حضرات شیعہ کرام سمجھتے ہیں بلکہ خطاب تمام صحابہ موجودین وقت نزول آیت کو عام ہے پس اگر یہ امور ناشائستہ ان سے فرضاً صادر ہوں جن کے صدور کا حضرات شیعہ دعوے فرماتے ہیں تو صحابہ خیر امت نہ ہوں بلکہ شر امت ہوں کہ باوجود صدہا معجزے دیکھنے کے اور سالہا سال فیض صحبت نبوی اٹھانے کے وہ مرتکب ایسے اعمال شنیعہ کے ہوئے۔ ثانیاً موقع مدح وامتنان میں ارشاد فرمایا ہے۔

ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین	اسی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مومنوں کا اور
والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض	ان کے دلوں میں الفت ڈال دی اگر تو خرچ کرتا جو کچھ ساری
جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ	دنیا میں ہے سب کا سب نہ الفت دے سکتا ان کے دلوں
الف بینھم۔	میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں۔

اگرچہ بحیثیت نزول یہ آیت مخصوص بانصار ہو لیکن حسب قاعدہ۔

العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔	لفظ کے عموم کا ہی اعتبار ہے نہ سبب کے خاص ہونے کا۔

تمام صحابہ کو عام ہے اور کمال مدح وامتنان کو بھی زیادہ مناسب اور چسپاں یہ ہی ہے علاوہ ازیں عقل سلیم کب تسلیم کرتی ہے کہ خداوند تعالیٰ انصار کے تو کینہ دیرینہ کو رسول کی اعانت کے واسطے نکال دے اور قریش میں جو باہم اس قدر محارب نہ تھے وصی کے مخذول کرنے کے واسطے بغض وعداوت کی آگ بھڑکا دے سبحانک ہذا بہتان عظیم تو جب خدا تعالیٰ نے باہم ان کے دلوں میں الفت ڈال دی تو اب یہ کہنا کہ امارات اور ضغائن جاہلیہ کے ان کے دلوں میں کامن تھے جو وقت غصب خلافت بر روئے کار آئی سراسر خداوند تعالیٰ کو جھٹلانا ہے اور اس پر علامہ کمال الدین ابن میثم بحرانی نے شرح نہج البلاغۃ میں بیعت سقیفہ کے بارہ میں جو یہ لکھا ہے،

فقام لبشر بن سعد الخزرجی وکان یحسد	بشر بن سعد اٹھا اور وہ سعد بن عبادہ کا حسد کیا کرتا تھا کہ
سعد بن عبادۃ ان یصل الیہ ھذا الامر	مبادا کہیں اس کی طرف امارت پہنچ جائے۔

البتہ قابل ملاحظہ اہل دین ودیانت ہے ثانیاً حق تعالیٰ شانہ سورۃ حجرات میں فرماتا ہے۔

اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم	جب رکھی منکروں نے اپنے دل میں پچ نادانی کی ضد پھر
الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ فانزل اللہ سکینتہ	اتارا اللہ نے اپنی طرف چین اپنے رسول پر اور
علی رسولہ وعلی المومنین والزمھم کلمۃ	مسلمانوں پر اور نگاہ رکھا ادب کی بات پر اور وہی
التقوی وکانوا احق بھا واھلھا وکان	تھے اس کے لائق اور وہ ہے اللہ ہر چیز
اللہ بکل شیئ علیما۔	سے خبردار۔

اس آیت شریفہ میں خداوند تعالیٰ نے مدح صحابہ اس طرح فرمائی کہ جب کفار نے حمیت جاہلیۃ اختیار کی تو اللہ نے رسول پر اور مومنین پر تسلی نازل فرمائی اور کلمہ تقویٰ ان کو لازم کر دیا اور وہ اس کے ساتھ احق اور اس کے اہل تھے اور خدا ہر چیز کو جانتا ہے پس غیر ممکن ہے کہ جب وہ ایسے اوصاف کے ساتھ ممدوح تھے تو ان میں حمیۃ جاہلیۃ موجود ہو، غایۃ کوشش حضرات شیعہ کی ان نصوص میں یہ ہے کہ یہ کہیں کہ عمومات ان نصوص کے مخصوص باہم ہیں یا اور بعض مقبولین صحابہ لیکن چونکہ ایسے احتمالات جو ناشی عن غیر دلیل ہر ایک نص میں پیدا ہو سکتی ہیں اور خوارج بھی بالمقابلہ یہ ہی احتمال پیدا کر سکتے ہیں اور خود نصوص کے عمومات ان کو رد کرتے ہیں لہذا ہم کو ان کے ابطال کی طرف توجہ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں اما روایات پس اولاً شیخ ابن بابویہ قمی ملقب بصدوق خصال میں روایت کرتے ہیں

حضرات شیخین اور حضرت علی کی باہمی محبت کا منہ بولتا ثبوت

حدثنا ابی و محمد بن الحسن بن احمد بن الولید بن محمد بن یحیٰے العطار رضی اللہ عنہم قالوا حدثنا سعد بن عبد اللہ عن محمد بن الحسن بن الخطاب عن الحسن بن علی بن فضال عن علی بن عقبۃ عن الحرب بن المغیرۃ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال جاء ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم الی امیر المومنین علیہ السلام حین دفن فاطمۃ علیہا السلام فی حدیث طویل قال لہما فیہ اما ما ذکرتما انی لم اشہد کما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فانہ قال لا یری عورتی غیرک الا ذہب بصرہ فلم اکن لاوذی کما بہ انتہی بقدر الحاجۃ۔

ابن بابویہ نے بسند خود امام ابوعبداللہ سے روایت کی ہے فرمایا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم امیر المومنین کے پاس آئے جب کہ فاطمہ کو دفن کیا۔ طویل حدیث میں اس میں جناب نے ان دونوں سے فرمایا۔ تم نے جو یہ ذکر کیا کہ میں نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین میں نہ بلایا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میرے بدن پنہانی کو بجز تیرے کوئی نہ دیکھے گا مگر یہ کہ اس کی بینائی جاتی رہے گی تو میں نہیں چاہتا تھا کہ تم کو اس کی ایذا پہنچاؤں۔

اس حدیث کو دیکھئے اور آخر جملہ کو ملاحظہ فرمایئے اس سے کس قدر محبت شیخین کے ساتھ مترشح ہوتی ہے اور کیسی الفت ٹپکتی ہے جناب امیر کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کی بینائی جاتی رہے اگر باہم عداوت ہوتی اور شیخین نے حق خلافت غصب کیا ہوتا تو اس سے بہتر کوئی موقع عداوت نکالنے کا اور اپنے حق کے لینے کا نہیں تھا شیخین کو حضرت کی تجہیز وغسل میں ان کی خواہش کے موافق شریک کر لیتے اور جب وہ نابینا ہو جاتے تو اس وقت اپنا حق بسہولت حاصل کر لیتے نہ لشکر کشی کی نوبت آتی نہ جدال و قتال کا ہنگامہ ہوتا بلکہ کسی حیلہ و تدبیر کی بھی ضرورت نہ پڑتی وہی حضرت عباس جو اول بیعت کے لئے آمادہ ہوئے تھے اب بھی وہی بیعت کر لیتے اور وہ بارہ آدمی جنھوں نے فرمایا تھا کہ ابوبکر کو منبر سے اتار دینا چاہیئے اور خلافت سوائے جناب امیر کے اور کسی کا حق نہیں چنانچہ مطابق روایت صدوق کے سب بڑھا چڑھا کر امر خلافت میں ابوبکر سے جھگڑے اور بڑا بھلا کہا اس وقت سب موجود تھے جب مزاحمت میدان صاف دیکھتے پھر کسی کو سوائے جناب امیر کے کیوں مقدم

ہونے دیتے اگرچہ روایت طویل ہے تاہم اس کی نقل خالی از فائدہ نہیں ہے اس لئے ہم اصل روایت خصال سے نقل کرتے ہیں۔

الذین انکروا علی ابی بکر جلوسہ فی الخلافۃ اثنا عشر عن زید بن وہب قال کان انکروا علی ابی بکر جلوسہ فی الخلافۃ وتقدمہ علی علی بن ابی طالب علیہ السلام اثنا عشر رجلاً من المہاجرین والانصار کان من المہاجرین خالد بن سعید بن العاص والمقداد بن الاسود و ابی بن کعب و عمار بن یاسر و ابو ذر الغفاری و سلمان الفارسی و عبد اللہ بن مسعود و بریدۃ الاسلمی وکان من الانصار خزیمۃ بن ثابت ذو الشہادتین و سہل بن حنیف و ابو ایوب الانصاری و ابو الہیثم ابن التیہان وغیرہم فلما صعد المنبر تشاوروا بینہم فی امرہ فقال ہولائیہ فننزلہ عن منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وقال اخرون ان فعلتم ذلک اعنتم علی انفسکم فقال اللہ عزوجل ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ ولکن امضوا الی علی بن ابی طالب علیہ السلام نستشیرہ و نستطلع امرہ فاتوا علیاً علیہ السلام فقالوا یا امیر المومنین ضیعت نفسک وترکت حقاً انت اولیٰ بہ وقد اردنا ان نأتی الرجل فننزلہ عن منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فان الحق

زید بن وہب سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ابوبکر پر مسند خلافت پر بیٹھنے اور علی بن ابی طالب پر سبقت کرنے کے باب میں انکار کیا تھا بارہ آدمی مہاجرین و انصار سے تھے مہاجرین میں سے خالد بن سعید بن العاص، مقداد بن اسود، ابی بن کعب، عمار بن یاسر، ابوذر غفاری سلمان فارسی، عبد اللہ بن مسعود بریدہ اسلمی تھے اور انصار میں سے خزیمۃ بن ثابت ذو الشہادتین، سہل بن حنیف ابو ایوب انصاری، ابو الہیثم بن تیہان وغیرہ تھے جب ابوبکر منبر پر چڑھے انھوں نے باہم اس کے معاملہ میں مشورہ کیا بعضوں نے کہا کہ ہم کیوں نہ آکر اس کو حضرت کے منبر سے اتار دیں۔ دوسروں نے کہا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم ان کی اپنی جانوں پر اعانت کرو گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اپنے ہاتھوں کو ہلاکی میں نہ ڈالو لیکن چلو علی بن ابی طالب سے مشورہ کریں اور اس کا امر دریافت کریں علی کے پاس آئے اور کہنے لگے اے امیر المومنین تو نے اپنے نفس کو ضائع کر دیا اور تو نے اپنے اس حق کو جس کا تو زیادہ مستحق تھا چھوڑ دیا اور ہم چاہتے ہیں کہ اس شخص کے پاس جا کر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر سے اتار دیں کیونکہ حق

حقك وانت اولى بالامر منه فكرهنا ان
نبزله دون مشاورتك فقال لهم علی
علیه السلام لو فعلتم ذلك ما كنتم الا
حربا لهم ولا كنتم كالكحل في العين
وكالملح في العين وكالملح في الزاد وقد
اتفقت عليه الامة التاركة لقول نبيها
والكاذبة على ربها عزوجل ولقد
شاورت في ذلك اهل بيتي فابوا الا
السكوت لما يعلمون من وغر صدور
القوم وبغضهم لله عزوجل ولاهل بيت
نبيه عليهم السلام يطلبون بثارات
الجاهلية والله لو فعلتم ذلك لشهروا
سيوفهم مستعدين للحرب والقتال كما
فعلوا ذلك حتى قهروني وغلبوني على
نفسي ولببوني وقالوا لي بايع والا قتلناك فلم
اجد حيلة الا ان ادفع القوم عن نفسي
وذلك اني ذكرت قول رسول الله صلى الله
عليه وآله يا علي ان القوم نقضوا امرك
واستبدوا بها دونك وعصوني فيك
فعليك بالصبر حتى ينزل الله الامر الا و
انهم سيغدرون بك لا محالة فلا تجعل
لهم سبيلا الى اذلالك وسفك دمك فان
الامة ستغدر بك بعدي كذلك اخبرني
جبرئيل عليه السلام عن ربي تبارك وتعالى ولكن
[illegible] منهم من نبيكم

تیرا حق ہے اور تو اس کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اس
کے اور ہم نے ناپسند سمجھا کہ اس کو بدون تیرے مشورے کے
اتاریں علی علیہ السلام نے فرمایا اگر تم ایسا کرو گے تو تم ان کے
لیے بجز لڑائی کے اور کچھ نہ ہو گے اور تم ایسے بھی نہ ہو گے
جیسا آنکھ میں سرمہ اور کھانے میں نمک اور تحقیق امت
اپنے نبی کے قول کو چھوڑنے والی اور اپنے پروردگار پر جھوٹ
بولنے والی اس پر متفق ہو گئی اور اس باب میں میں نے
اپنی اہل بیت سے مشورہ کیا تو بجز سکوت کے کچھ نہ پایا
کیونکہ قوم کے دلوں کے کینوں اور اللہ تعالے اور
اہل بیت نبی کے ساتھ دشمنی کو جانتے تھے کہ جاہلیت
کی عداوتیں نکالیں گے خدا کی قسم اگر تم ایسا کرو گے
تو وہ لڑائی کے واسطے مستعد ہو کر تلواریں کھینچ لیں
گے چنانچہ انھوں نے ایسا کیا یہاں تک
کہ مجھ کو مقہور و مغلوب کیا میرے نفس پر اور مجھ
کو زخم کیا اور کہا کہ بیعت کرے ورنہ تجھ کو مار ڈالیں گے
پس میں نے بجز اس کے کوئی حیلہ نہ پایا کہ قوم کو اپنے نفس
سے دفع کروں اور یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اس قول کو یاد کیا اے علی قوم نے تیرا امر توڑ دیا اور
بدون تیرے اس پر مستقل ہو گئی اور تیرے باب میں میری
نافرمانی کی تو تجھ کو صبر کرنا ہے یہاں تک کہ اللہ اپنا
امر نازل کرے خبردار یہ لوگ میرے بعد ضرور تیرے ساتھ
غدر کریں گے تو ان کے لیے کوئی راہ اپنے ذلیل کرنے اور
خون بہانے کی طرف نہ کھینچو کیونکہ امت میرے بعد غدر کرے
گی مجھ کو جبرئیل نے پروردگار کی طرف سے اسی طرح
خبر دی ہے لیکن [illegible] شخص کے پاس جاؤ اور جو کچھ

عليه السلام لا في الشبهة في امره ليكون
ذلك اعظم الحجة عليه وابلغ في عقوبته
اذا اتى ربه وقد عصى نبيه وخالف امره قال
فانطلقوا حتى حفوا بمنزل رسول الله صلى
الله عليه وآله يوم الجمعة فقال المهاجرون
والانصار ان الله عزوجل بدأكم في القرآن
فقال لقد تاب الله على النبي والمهاجرين
والانصار فبكم بدأ فكان اول من بدأ
وقام خالد بن سعيد بن العاص بادلاله ببني
امية فقال يا ابابكر اتق الله فقد علمت ما
تقدم لعلي بن ابي طالب من رسول الله صلى الله
عليه وآله الم تعلم ان رسول الله صلى الله عليه
وآله قال لنا ونحن محتوشون في يوم
بني قريظة وقد اقبل على رجال منا ذوي قدر
فقال يا معشر المهاجرين والانصار اوصيكم
بوصية فاحفظوها واني مؤد اليكم امرا فاقبلوه
الا ان عليا اميركم من بعدي وخليفتي فيكم
اوصاني بذلك ربي وانكم ان لم تحفظوا وصيتي
فيه وتوازروه وتنصروه اختلفتم في احكامكم
واضطرب عليكم امر دينكم وولي عليكم الامر
شراركم الا وان اهل بيتي هم الوارثون من
بعدي والقائمون بامر امتي اللهم من
حفظ منهم وصيتي فاحشرهم في زمرتي
واجعل لهم من مرافقتي نصيبا يدركون به
نور الآخرة اللهم ومن اساء خلافتي في اهل

اپنے نبی علیہ السلام سے سنا ہے اس کو جتا دیں یقینی طور پر
اس کے امر میں تاکہ یہ اس پر حجت کہ وہ اپنے رب کی نافرمانی
اور اس کی مخالفت کر کے اس کے پاس آئے گا بڑی حجت
اور ابلغ فی العقوبت ہو گا پس وہ چلے یہاں تک کہ حضرت
کے گھر کو جمعہ کے دن گھیر لیا انصار نے کہا کہ اللہ تعالے
نے قرآن میں پہلے تم کو ذکر کیا ہے اور فرمایا لقد تاب
اللہ علی النبی والمہاجرین والانصار تو تمہارا
ہی پہلے ذکر کیا ہے پس جس نے اول ابتداء کی اور بنی
امیہ پر ناز کر کے اٹھا خالد بن سعید بن العاص تھا کہا اے
ابوبکر خدا سے ڈر تو جانتا ہے جو کچھ علی بن ابی طالب
کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گذر چکا
ہے کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
جب کہ ہم بنی قریظہ کے دن مجتمع تھے ہمارے بڑے مرتبہ والے
لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے مہاجرین و انصار کی
جماعت میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں اس کو
یاد رکھو اور میں تم کو ایک امر پہنچاتا ہوں اس کو قبول
کرو دیکھو علی بن ابی طالب میرے بعد تمہارا امیر اور میرا
جانشین تم میں ہے مجھ کو میرے پروردگار نے یہ وصیت فرمائی
ہے اور تم اگر میری وصیت کو یاد نہ رکھو گے اور اس کی مدد
نہ کرو گے تو اپنے احکام میں مختلف ہو گے اور تمہارے دین
کا امر مضطرب ہو گا اور تمہارے شریر لوگ تم پر حاکم ہوں
گے دیکھو میرے اہل بیت ہی میرے پیچھے وارث ہیں
اور میری امت کے امر کے برپا رکھنے والے ہیں جو
لوگ میری وصیت یاد رکھیں ان کو میرے گروہ میں حشر دے
اور ان کو میری رفاقت کا حصہ عطا فرما جس سے آخرت کا نور

بعنی فاحرمه الجنة التی عرضها السمٰوٰت والارض فقال عمر بن الخطاب اسکت یا خالد فلست من اهل الشوریٰ ولا ممن یرضی بقوله فقال خالد بل انت اسکت یا ابن الخطاب فواللہ انک لتعلم انک تنطق بغیر لسانک وتعتصم بغیر ارکانک وان قریشا لتعلم انک الامها حسبا واقلها ادبا واخملها ذکرا واقلها من اللہ عزوجل ومن رسولہ وانک لجبان عند الحرب بخیل فی الجدب لئیم العنصر مالک فی قریش مفخر وامسکہ خالہ فجلس ثم قام ابو ذر رحمۃ اللہ علیہ الخ الحدیث الطویل

حاصل ہو اور جو اہل بیت میں میری جانشینی کرے اس کو جنت سے محروم فرما جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہیں عمر بن خطاب بولا اے خالد چپ رہ تو نہ اہل شوریٰ میں سے ہے اور نہ ان میں سے جن کا قول پسندیدہ ہوا ہے خالد نے جواب دیا بلکہ تو ہی چپ رہ اے ابن خطاب خدا کی قسم تو جانتا ہے کہ تو بغیر اپنی زبان کے بولتا ہے اور بغیر اپنے ارکان کے پناہ پکڑتا ہے خدا کی قسم قریش جانتے ہیں کہ تو زیادہ ملامت کے قابل ہے حسب میں اور کم ہے ادب میں اور گمنام ذکر میں خدا تعالیٰ و رسول سے اور تو لڑنے کے وقت نامرد اور قحط میں بخیل ہے قریش میں تیرے لئے کوئی فخر نہیں اور اس کو اس کے ماموں نے روک لیا اور بیٹھ گیا پھر ابوذر اٹھا الخ

اسی طرح زبانی حضرت صدوق شیعہ کے ہر ایک نے اپنی اپنی بولیاں بولیں۔ اس حدیث میں جو کچھ خبایا اس کے زوایا میں ہیں ان کے استخراج کو حوالہ اذہان صافیہ اذکیا کر کے جس کے ہم درپے ہیں اس کو لکھتے ہیں روایت سابقہ میں صدوق سے بدلالت واضحہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیر کو شیخین کے ساتھ کمال محبت و الفت تھی اور کسی قسم کی عداوت و دشمنی نہیں تھی خلافت کو اپنا ہی خاص حق سمجھتے تھے اور نہ شیخین کو غاصب خلافت سمجھتے تھے ورنہ اس سے بہتر خلافت لینے کا کوئی موقع نہ تھا کہ بدون شہر سیوف و تورانِ فتن بسہولت ہاتھ آتی تھی۔ ثانیاً حضرات شیعہ کے صدوق نے خصال میں روایت فرمائی ہے،

شیعہ کی روایت کی روشنی میں ان سے ایک سوال

حدثنا احمد بن جعفر الهمدانی رضی اللہ عنہ قال حدثنا ابراہیم بن هاشم عن ابیه عن ابن ابی عمیر عن هشام بن سالم عن ابی عبد اللہ قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اثنا عشر الف ثمانیة الاف من المدینة والفان من مکة والفان من الطلقاء لم یر فیهم قدری ولا مرجی ولا حروری ولا معتزلی ولا صاحب رای

کانوا یبکون اللیل والنهار ویقولون اقبض ارواحنا قبل ان ناکل الخبز الخمیر۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام جن کی مدائح و محامد بیان کئے گئے ہیں بارہ ہزار تھے اب ہم پوچھتے ہیں کہ جس وقت بیعت سقیفہ واقع ہوئی اور خلافت غصب ہوئی اس وقت یہ حضرات کہاں تشریف رکھتے تھے کیا معاذاللہ یہ حضرات بھی ان ہی میں سے ہیں جو بعد وفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتد ہو گئے تھے اور سوائے ابوذر اور سلمان اور عمار اور مقداد کے ردت سے کوئی نہیں بچا تھا بلکہ سوائے مقداد کے کوئی بھی ایسا نہیں رہا کہ جس کو شک نہ ہوا ہو اور اس کے دل میں کچھ شبہ نہ پڑا ہو پس اگر یہ مرتدین میں سے ہیں تو یہ طویل و عریض مناقب و محامد بالکل لغو و بے جا ہوں گے جب انہوں نے امام حق سے انحراف کیا اور امام باطل کی اعانت و تائید کی تو ان کے تمام اعمال صالحہ حبط و باطل ہو گئے اور غصب خلافت کی اوزار ان کی ظہور و رقاب پر رہی اگر یہ لوگ امام برحق کو مخذول نہ کرتے اور اس کی اعانت و تائید کرتے تو حق اپنے مرکز سے کیوں متجاوز ہوتا تو جب امام معصوم کی زبانی جو مامور باظہار حق تھے ان کی اس قدر مدح و ثنا ہوئی تو قطعاً معلوم ہوا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو کمل صحابہ میں سے ہیں اور جو کاملین فی الایمان ہیں تو ایسے حضرات موصوفین و ممدوحین کی نسبت محال ہے کہ وہ اہل بیت نبوت کے دشمن ہوں اور امام حق کو مخذول کریں یا خلافت غصب ہونے دیں یا خود غصب کریں پھر بعد اس کے اگر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما ان میں داخل ہیں جیسا کہ تعریف و توصیف ائمہ سے جو معصومیت کے ساتھ فرمائی واضح ہوتا ہے کہ کہیں ان کو امامان عادلان فرمایا اور کسی جگہ ان کی عظمت اسلام میں بیان فرمائی اور کبھی صدیق کے لقب سے مخالفین کی تکذیب فرمائی اگر وہ ان میں داخل ہیں تو ہمارا مدعا حاصل ہے اور اگر بفرض محال شیخین ان بارہ ہزار میں داخل نہیں ہیں تاہم ہمارا مطلب حاصل ہے کیونکہ بے شبہ یہ جماعت بھی ان کے معاونین میں سے ہے اور جن کی اعانت یہ جماعت ممدوحہ کرے وہ بھی لامحالہ ممدوح ہوں گے تو جو ایسے محامد کے ساتھ موصوف ہوں ان کی نسبت بروئے عقل سلیم خیال کر لینا چاہیئے کہ ان کو اہل بیت نبوت کے ساتھ ولاء و تمسک کس قدر ہوگا اور اہل بیت کو ان کے ساتھ نظر عنایت و محبت کس درجہ ہو گی ثالثاً جب کہ حضرت فاروقؓ نے غزوہ روم میں خود بنفس نفیس جانے کا قصد کیا اور آپ سے مشورہ کیا تو آپ نے یہ مشورہ دیا جو نہج البلاغۃ میں موجود ہے، ومن کلام له وقد شاور عمر بن الخطاب فی الخروج الی غزو الروم وقد توکل اللہ لاهل هذا الدین باعزاز الحوزة وستر العورة والذی نصرهم وهم قلیل لا ینتصرون ومنعهم وهم قلیل لا یمتنعون حی لا یموت انک متی تسر الی هذا العدو بنفسک فتلقهم

فتنکب لم یکن للمسلمین کانفۃ دون اقصی بلادھم ولیس بعدك مرجع یرجعون الیہ فابعث الیھم رجلا مجربا واحضر معہ اھل البلاء والنصیحۃ فان اظھر اللہ فذاك ما تحب وان تکن الاخری کنت ردءا للناس ومثابۃ للمسلمین۔ انتھی

اب اس شوریٰ کے الفاظ سے غور کرنا چاہیئے اور اس سے اندازہ کر لینا چاہیئے کہ باہم کس درجہ اتحاد و نصح تھا اور جناب امیر جناب فاروق کو کانفۃ المسلمین اور ردء للناس اور مثابۃ للمسلمین سمجھتے تھے اور آپ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ اگر حضرت فاروق شہید ہوگئے تو بعد آپ کے فوج اسلام کا کوئی مرجع و ملجا نہ ہوگا اسی طرح جب حضرت فاروق رض نے خود بنفس نفیس فارس پر فوج کشی کا قصد کیا اور جناب امیر سے مشورہ فرمایا تو جناب امیر نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا نہج البلاغۃ سے نقل کرتا ہوں،

ومن کلام لہ وقد استشارہ عمر بن الخطاب فی الشخوص لقتال الفرس بنفسہ ان ھذا الامر لم یکن نصرہ ولا خذلانہ بکثرۃ ولا بقلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی بلغ ما بلغ وطلع حیثما طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ ومکان القیم بالامر مکان النظام من الخرز یجمعہ ویضمہ فاذا انقطع النظام تفرق وذھب ثم لم یجتمع بحذافیرہ ابدا والعرب الیوم وان کانوا قلیلا فھم کثیرون بالاسلام وعزیزون بالاجتماع فکن قطبا واستدر الرحی بالعرب واصلھم دونك نار الحرب فانك ان شخصت من ھذہ الارض انتقضت علیك العرب من اطرافھا واقطارھا حتی یکون ما تدع وراءك من العورات اھم الیك مما بین یدیك

اور منجملہ آپ کی کلام کے جب کہ عمر بن خطاب نے اہل فارس کی لڑائی کے واسطے خود جانے کا مشورہ کیا اس دین کی فتح و شکست کچھ کثرت و قلت پر نہیں ہے اور یہ اللہ کا دین ہے جس کو غالب کیا اور اس کا لشکر ہے جس کو بڑھایا یہاں تک کہ جہاں پہنچنا تھا پہنچا اور جس جگہ سے ظاہر ہونا تھا ظاہر ہوا اور ہم اللہ کے وعدہ پر ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا پورا کرنے والا اور اپنے لشکر کا مددگار ہے اور امام بمنزلہ دھاگہ کے ہوتا ہے لڑی میں کہ اس کو اکٹھا کرتا ہے اور ملاتا ہے اور اگر لڑی ٹوٹ جاتی ہے تو پوتھیں پراگندہ ہو جاتی ہیں اور جاتی رہتی ہیں پھر سب کے سب کبھی فراہم نہیں ہوتے اور عرب اگرچہ اس وقت تعداد میں قلیل ہیں لیکن اسلام کی وجہ سے کثیر ہیں اور اپنے اتفاق کے سبب سے عزت و شوکت والے ہیں تو تو کیلی بنکر عرب کی چکی چلا اور انہیں کے ذریعہ لڑائی کی آگ بھڑکا کیونکہ اگر تو خود اس زمین سے اٹھے گا تو تجھ پر عرب اس کے کناروں سے ٹوٹ پڑیں گے یہاں تک کہ تو جو کچھ پیٹھ پیچھے حفاظت کے قابل

ان الاعاجم ان ینظروا الیك غدا یقولوا ھذا اصل العرب فاذا اقتطعتموہ استرحتم فیکون ذلك اشد لکلبھم علیك وطمعھم فیك فاما ما ذکرت من مسیر القوم الی قتال المسلمین فان اللہ سبحانہ ھو اکرہ لمسیرھم منك وھو اقدر علی تغییر ما یکرہ واما ما ذکرت من عددھم فانا لم نکن نقاتل فیما مضی بالکثرۃ وانما کنا نقاتل بالنصر والمعونۃ

چیزیں چھوڑے گا وہ زیادہ مہتم بالشان ہو جائیں گی اس سے کہ جو مہم تیرے سامنے ہے اور عجمی اگر کل کو تجھ کو دیکھیں گے تو کہیں گے یہ اصل عرب کی ہے جب اس کو اس کی جماعت سے قطع کر لوگے تو راحت پاؤگے تو ان سے تجھ پر ان کا شر اور ان کی طمع تجھ میں زیادہ ہوگی اور تونے جو ان کا مسلمان کی لڑائی کے لئے چلنا بیان کیا تو اللہ تعالیٰ ان کے چلنے کو تجھ سے زیادہ مکروہ سمجھتا ہے اور جس کو وہ مکروہ سمجھتا ہے اس کے بدلنے پر زیادہ قادر ہے اور جو ان کی کثرت تعداد ذکر کی تو ہم پہلے زمانہ میں کچھ کثرت تعداد پر نہیں لڑتے تھے بلکہ صرف خدا تعالیٰ کی مدد اور اعانت پر لڑتے تھے،

جناب امیر کے اس کلام سے جس قدر خوبیاں اہل سنت کے لئے حاصل ہوئیں اور جس قدر دلائل ثبوت حقیت خلافت خلفاء رضی اللہ عنہ کے لئے پیدا ہوئے ان کے بیان تفصیل کے لئے تو ایک دفتر چاہیئے یہ رسالہ اس کی گنجائش نہیں رکھتا یہاں اس قدر گذارش کرنا ہے کہ اس کلام سے اندازہ کر لینا چاہیئے کہ فیما بین جناب امیر و جناب فاروق کس درجہ اتحاد و ربط و ضبط تھا اور یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ جناب امیرؓ اس وقت کے اسلام کو بزعم شیعہ خواہ وہ ارتداد تھا یا طغیان اور خواہ فسوق تھا یا عصیان وہ دین فرماتے تھے کہ جس کے غلبہ کا تمام ادیان پر خداوند کریم نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا تھا اور غایت ارسال تھی۔

آیت غلبہ دین

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ ارشاد ہوا تھا اور اس دین کو اس دین سے تعبیر فرماتے تھے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا اور اس دین کو جس پر خلفاء تھے اور جس کی تائید و تقویت کرتے تھے جناب امیر نے خدا کا دین قرار دیا اور جناب امیر نے اس وقت کے اہل اسلام کو خواہ معاذ اللہ مرتدین تھے یا کافر اور خواہ ناکثین و مارقین اور غاصبین و ناصبین عداوت اہل بیت تھے یا فاجر جند اللہ اور خدا کا لشکر فرمایا اور فرمایا کہ ہم خداوند تعالیٰ کے وعدہ کے منتظر ہیں یعنی اس کا وقت یہی ہے جو خداوند تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا اور وہ وعدہ تمامہ یہ ہے جس کی شراح نے چند جگہ تشریح کی ہے۔

آیت تمکین فی الارض

وعد الله الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون۔

وعدہ کیا اللہ نے جو لوگ تم میں سے ایمان لاتے اور کئے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کرے گا ان کو زمین میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لئے ان کا دین جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کے ڈر کے بدلے میں امن میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو ناشکری کرے اس سے پیچھے سو وہ لوگ ہیں نافرمان۔

اور جناب امیر نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اپنے وعدہ کو جو ہم سے کیا ہے ضرور پورا فرمائے گا اور اپنے لشکر کو جو یہ موجود ہے بے شک مظفر و منصور کرے گا چنانچہ جس طرح جناب امیر نے فرمایا تھا اس کے مطابق واقع ہوا خداوند تعالیٰ نے دین اسلام کو اپنے خلفاء کے ہاتھوں تمام ادیان پر غالب کیا اور تمام ادیان مغلوب ہوئے اور اپنا وعدہ پورا فرمایا اور بواسطہ خلفاء کے دین مرضی کو تمکین دی اور اہل اسلام کی خوفناک حالت کو امن سے بدل دیا دو سلطنتیں عظیم الشان کسریٰ و قیصر کے جو پہلو میں تھی جن کا سخت خوف تھا اور ہر وقت کھٹکا رہتا تھا پامال ہو گئی اور اہل اسلام کے قبض و تصرف میں آئی اسلام کے نور نے شرق و غرب میں اطراف و اکناف عالم کو منور کر دیا اور ظلمت کفر دور ہو گئی پس یہ سب کچھ اگر خلفائے راشدہ کا ثمرہ نہیں ہے تو کیا ہے اس کے بعد جناب امیر نے خلیفہ فاروق کو قیم بالامر فرمایا اور فرمایا کہ اگر تم شہید ہو گئے تو یہ اجتماع ہرگز نہ ہو سکے گا اس کے بعد فرمایا کہ ہم زمانہ گذشتہ یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کثرت فوج و سپاہ پر نہیں لڑتے تھے بلکہ خداوند تعالیٰ کی امداد و اعانت پر کفار سے لڑتے تھے اور اب بھی چونکہ وہی حالت ہے وہی اسلام کے سپاہ ہے جن کی خداوند تعالیٰ نے ملائکہ سے امداد فرمائی ہے اور وہی کفر و اسلام کا مقابلہ ہے۔ وہی اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد مقصود ہے۔ تو پھر اب کیوں خدا تعالیٰ کی نصرت کے بھروسہ پر قتال نہ کیا جاوے پس جو کچھ حضرت امیر نے اس جگہ فرمایا عاقل منصف اس میں غور فرمائے کہ حضرت نے خلفاء کی اور ان کی خلافت کی کس قدر تعریف و توصیف بیان فرمائی اور کس قدر ان کی حقانیت کو بدلائل ثابت فرمایا اور طرفہ یہ ہے کہ اس کے ناقل بھی حضرت شریف رضی جیسے غالی شیعی ہیں۔ ہم کو اس جگہ خوف اطناب و تطویل

ہے ورنہ ہم اپنی تصدیق کے لئے تمام و کمال عبارت کمال الدین بحرانی کی شرح سے جو اس کے متعلق ہے نقل کرتے اب بھی جن کو تفصیل کا شوق ہو وہ علامہ بحرانی کی شرح کبیر کو مطالعہ فرماویں۔ رالغا نہج البلاغۃ کے اس خط کی شرح میں جس کا عنوان یہ ہے ومن کتاب لہ الی معٰویۃ فاراد قومنا قتل نبینا الخ علامہ ابن میثم بحرانی خط کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو آپ کے شریف صاحب نے نہج البلاغۃ میں حذف فرمائی۔ وہی ہذہ و ذکرت ان اجتبی لہ من المسلمین اعوانا ایدھم بہ فکانوا فی منازلھم عندہ علی قدر فضائلھم فی الاسلام وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت و انصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصائب بھما لجرح فی الاسلام شدید یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا۔ انتہیٰ۔ مصنف لبیب جناب امیر کے اس کلام کو بتامل دیکھے اور سوچے کہ جناب نے شیخین کے فضائل و مناقب کس درجہ تاکید شدید کے ساتھ قسم کھا کر بیان فرمائے اور فرمایا کہ مجھ کو اپنی عمر و زندگانی کی قسم تحقیق شیخین کا مرتبہ اسلام میں البتہ عظمت والا ہے اب اس جملہ کو دیکھنا چاہیئے کہ حضرت رضی اللہ عنہ نے مزید تاکید کی غرض سے تمام اقسام تاکید کی اس جملہ میں ختم فرما دی اور اس جملہ کو قسم کے ساتھ اور جملہ اسمیہ کے ساتھ اور ان کے ساتھ اور لام کے ساتھ مؤکد کیا تاکہ منکرین کو گنجائش انکار کی کسی راہ سے باقی نہ رہے جمیع جہات سے انکار کا راستہ مسدود ہو جائے اور فرمایا کہ ان کا انتقال اسلام میں سخت زخم ہے خدا ان دونوں پر رحم فرما دے اور ان کے نیک کاموں کی ان کو جزا عطا فرما دے خیال کرنا چاہیئے کہ جناب امیر شیخین کے انتقال کو اسلام میں سخت زخم فرماتے تھے پس اگر معاذ اللہ شیخین موصوف ان اوصاف کے ساتھ ہوں جو حضرات شیعہ فرماتے ہیں اور مصدر ان اعمال کے ہوں جن کے حضرات شیعہ مدعی ہیں تو جناب امیر کا یہ ارشاد سراسر کذب ہوگا اور ان کا انتقال ہرگز اسلام میں زخم نہ سمجھا جائے گا بلکہ ان کا وجود اسلام میں زخم ٹھہرے گا۔ لیکن جناب امیر کے ارشاد کا کذب ہونا تو محال ہے تو ثابت ہوا کہ جو کچھ حضرات شیعہ فرماتے ہیں وہ ثقلین کے مخالف ہے اور ضلالت اور جو کچھ اہل سنت کہتے ہیں وہی حق اور موافق ثقلین کے ہے۔ خاصا جناب امیر نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا جو حضرت فاطمہؓ کے بطن مبارک سے تھیں کا نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ کر دیا جو کمال اتحاد و محبت کی واضح دلیل ہے اگر حضرت فاروق میں بحیثیت دین ذرا بھی کوتاہی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ جناب امیر سے جبراً و ظلماً جیسا کہ شیعہ کا زعم ہے اس کار کو کر سکتے اس عقد نکاح کی نسبت جو کچھ ہم سے مجیب نے تحریر فرمایا ہے اس کا جواب مفصل

ہم آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی موقع پر عرض کریں گے۔ سادساً حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخین کو بمنزلہ سمع وبصر کے فرمایا صاحب آیات بینات سلمہ فرماتے ہیں شیخ ابن بابویہ قمی نے کتاب معانی الاخبار میں امام موسیٰ رضا سے روایت کی ہے عن الحسن بن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان ابا بکر منی بمنزلۃ السمع وان عمر منی بمنزلۃ البصر وان عثمان منی بمنزلۃ الفؤاد۔ اور تفسیر امام حسن عسکری سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے ہجرت کی شب میں ابوبکر صدیق سے کہا کہ جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر والراس من الجسد وبمنزلۃ الروح من البدن۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات ہدایت آیات سے صاف واضح ہے کہ شیخین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا مرتبہ تھا اور اسی سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی جناب میں ان کی کیسی قدر ومنزلت ہو گی تو جب ان کا یہ مرتبہ ہے تو اہل بیت کو ان کے ساتھ کس قدر محبت ہوگی اور ان کو اہل بیت کے ساتھ کیسی الفت ہوگی اور اس سے ثابت ہوا کہ جو کچھ فضائل ومناقب ایک دوسرے کی نسبت فرمائیں گے وہ حق اور واقعی اور نفس الامری ہوں گے نہ از راہ تقیہ کذب اور زور۔ سابعاً خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے عوالی اللالی ابن جمہور وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

حضرات شیخین کی فضیلت

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذ سبعین اسیرا یوم بدر وفیہم العباس وعقیل ابن عمہ فاستشار ابا بکر فیہم فقال قومک واہلک استبقہم لعل اللہ یتوب علیہم وخذ الفدیۃ یقوی بہا اصحابک فقال عمر کذبوک واخرجوک فقدمہم واضرب اعناقہم فانہم ائمۃ الکفر ولا تاخذ منہم فداء ومکن علیا من عقیل وحمزۃ من العباس ومکنی من فلان فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یلین قلوب رجال حتی یکون الین من اللبن ویقسی قلوب رجال حتی یکون اشد من الحجارۃ مثلک یا ابا بکر مثل ابراہیم اذ قال فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم ومثلک یا عمر مثل نوح اذ قال رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا انک ان تذرہم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا۔ ثم قال ان شئتم قتلتم وان شئتم فادیتم ویستشہد منکم بعدتہم قالوا

بل ناخذ الفداء فاستشہد بعدتہم باحد کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے دیکھنا چاہیئے کہ شیخین کا مرتبہ کس قدر عظیم وجلیل ثابت ہوتا ہے جب بشہادت سید الانبیاء والرسل علو مرتبہ شیخین کا یہاں تک پہنچا کہ اپنے ذاتی اوصاف میں اولوالعزم رسل کے ساتھ تشبہ حاصل ہوا تو پھر اس کے بعد کون سی فضیلت باقی رہ گئی۔ اور جب شیخین کے اوصاف وکمالات وملکات نفسانی اس قدر رفیع المنزلت ہوتے اور ان کا اسلام میں یہ رتبہ ہوا تو اس سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ ان کو اہل بیت نبوت کے ساتھ کیا تعلق ہوگا اور اہل بیت کو ان کے ساتھ کیسا ارتباط ہوگا اور کوئی عاقل باور کر سکتا ہے کہ جن کے کمالات کمالات نبوت کے ساتھ مشابہ ہوں وہ منافق وفاجر ہوں یا وہ غاصب خلافت ہوں یا وہ اہل بیت کی توہین وتذلیل کریں اگر وہ فی الواقع ایسے ہوں تو معاذ اللہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد خلاف واقع ہوگا اور آپ کے ارشاد کا خلاف واقع ہونا محال ہے تو ان حضرات کا بھی منافق وغاصب ہونا محال ہوا قطع نظر اس ارشاد سے کہ جس میں شیخین کو تشبہ انبیاء کا تمغہ عطا فرمایا مطلق مشورہ فرمانا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شیخین سے اساری بدر کے باب میں اس امر پر واضح دلیل ہے کہ حضرات خلفاء کو جناب رسالت میں کمال قرب حاصل تھا اور بمنزلہ وزیرین کے تھے کہ آپ حسب ارشاد۔

وشاورہم فی الامر۔ اور ان سے مشورہ لے کام میں۔

مہمات امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے پس جن حضرات کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قربت ومنزلت حاصل ہو ان کو بدی کے ساتھ یاد کرنا اور دشمن اہل بیت نبوت اعتقاد کرنا کس قدر اسلامی طریقہ سے بعید ہے نعوذ باللہ من ذلک۔ ثامناً تفسیر مجمع البیان میں سورہ واللیل کی تفسیر میں تحت قولہ تعالیٰ۔ وسیجنبہا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی لکھا ہے وعن ابن الزبیر ان الآیۃ نزلت فی ابی بکر لانہ اشتری المالیک الذین اسلموا مثل بلال وعامر بن فہیرہ وغیرہما فاعتقہم والاولی ان یکون الآیات محمولۃ علی عمومہا فی کل من یعطی حق اللہ من مالہ وکل من یمنعہ حقہ سبحانہ۔ تاسعاً آیات بینات میں مجمع البیان سے نقل کیا ہے قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون قیل الذی جاء بالصدق رسول اللہ وصدق بہ ابوبکر عن ابی العالیہ والکلبی عاشراً جب حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل ہوئی اور منجملہ ان لوگوں کے جنھوں

نے افک کے باب میں کلام کی تھی مسطح بن اثاثہ تھے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسکی پاداش
میں اس نفقہ کو جو مسطح پر کیا کرتے تھے بند کر دیا تو اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ولا یاتل
اولوالفضل منکم والسعتہ ان یوتو اولی القربیٰ والمساکین والمہاجرین
فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم۔ اس
آیت شریفہ میں حق تعالیٰ شانہ نے ابوبکر صدیق کو اولوالفضل ہونے سے تشریف بخشی اور خلعت
فضیلت عطا فرمایا منتہائے جدوجہد حضرت صدوق کا جو ان ہر سہ آیات کے جواب میں ہے قابل
مطالعہ اہل فہم و دانش ہے ہم کو تطویل مانع ہے ورنہ ان کے رسالہ امامت سے وہ جواب نقل کرتے
اور اہل فہم وانصاف کے روبرو پیش کرتے اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا۔ تو انشاءاللہ تعالیٰ عرض کریں گے
غرض بحول اللہ وقوتہ شہادات کتاب اللہ سے اور ارشادات رسول اللہ سے اور افادات ائمہ
سے مثل روز روشن واضح ہوا کہ جناب شیخین رضی اللہ عنہما خدا اور رسول خدا کے نزدیک مقرب
اور صاحب مراتب رفیعہ اور مدارج عالیہ تھے اور اہل بیت کے ساتھ باہم محبت و نفع رکھتے تھے۔
چنانچہ حسب نقل مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مولانا باقر مجلسی بحار میں فرماتے ہیں کہ جناب
امیر نے بارہا قسم شرعی کھا کر فرمایا کہ میرے دل میں کوئی عداوت یا غبار و ملال شیخین کی نسبت نہیں ہے
تو جس قدر ان کے مناقب و فضائل زبانی ائمہ کے بیان ہوتے وہ نفس الامری اور مطابق واقع کے ہیں
تقیہ پر ہرگز محمول نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو کچھ قبائح و ذمائم سے حضرات شیعہ ان کے دامنہائے
پاک کو ملوث کرتے ہیں وہ سراسر خدا اور رسول و ائمہ کی تکذیب ہے اور دین و اسلام سے خروج ہے
پس جب خلفاء رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب و علو مرتبہ عند اللہ والرسول اور محبت و الفت باہم
اہلبیت کے ساتھ ثابت ہو چکی جو بنا ہر اثبات خلافت کے لئے تمہید اور فی الحقیقت ثبوت خلافت
کے لئے برہان موثق اور مزید تقویت و تائید بھی تو اب ہم ثبوت حقیت خلافت خلفاء کے دلائل عقلیہ
ونقلیہ کتاب و سنت واقوال ائمہ سے مختصراً بیان کرتے ہیں،

دلیل اول اثبات خلافت خلفاء ثلاثہ کی عقلی

لیکن چونکہ ہمارے فاضل مجیب کے نزدیک ان کی عقل سب پر قاضی و حاکم ہے اس لئے
ہم اول دلیل عقلی ہی ذکر کرتے ہیں جس سے مثل بدیہی اولی کے ثبوت حقیت خلافت ہو جاوے پس
واضح ہو کہ امامت مثل نبوت کے اصول دین میں سے ہے اور تمام نبوت سے جن اوصاف خاصہ

اور خواص مہمہ کے ساتھ نبوت مخصوص و متصف ہے انھیں اوصاف و خواص کے ساتھ امامت بھی
متصف ہے یہ ہی وجہ ہے کہ عصمت و افضلیت و نص شرط نبوت ہے تو شرط امامت بھی ہے
چنانچہ عموماً تمام امامیہ کو اس پر اتفاق ہے اور خصوصاً ہمارے فاضل مجیب نے شروع جواب میں
اس کا اعتراف فرمایا ہے اور فرمایا ہے (اور ان ہر سہ شرائط کے دلائل کی نسبت اگرچہ اس قدر ہی
گذارش کافی تھی کہ جب امامت تالی مرتبہ نبوت ہے اور نیابت نبی سے مراد ہے پس جو دلائل عصمت
انبیاء پر دال ہیں وہی بعینہ یا کچھ تغیر سے عصمت ائمہ پر دال ہوں گے) اور نیز اسی واسطے امام اور نبی
میں کچھ فرق نہیں تمام احکام میں متحد ہیں اگر فرق ہے تو صرف اسم نبوت اور نزول وحی میں فرق ہے
چنانچہ آپ کے شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستری مجالس المومنین میں بتقریب ذکر محمد بن علی بن
الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی ورق ۱۶۱ پر فرماتے ہیں زیرا کہ امام قائم مقام نبی است در جمیع امور
مگر در اسم نبوت و نزول وحی۔ اس سے بدلالت مطابقی ثابت ہے کہ امام نبی کے تمام اوصاف میں
شریک ہے سوائے اسم نبوت اور نزول وحی یعنی منصب ہدایت امت جیسا نبی کے ساتھ منوط ہے
ویسا ہی امام کے ساتھ مربوط ہے اور حفظ شریعت جس طرح نبی پر موقوف ہے اسی طرح بعد نبی کے
امام پر بھی منحصر ہے اور جس طرح نبوت لطف خداوندی اور خدا تعالیٰ پر واجب ہے اسی طرح
امامت بھی لطف خدا تعالیٰ ہے اور اس پر واجب ہے اور جیسے نبوت کسی شخص کے واسطے
بدون نص خداوند تعالیٰ کسی کے بنانے سے نہیں ہوتی اسی طرح امامت بھی بدون نص خداوند تعالیٰ
لوگوں کے اجتماع سے نہیں ہو سکتی اور جس طرح نبی کے ساتھ معارضہ اور تحدی میں کوئی شخص اس
پر غالب نہیں ہو سکتا اسی طرح امام کے ساتھ معارضہ و تحدی کر کے کوئی اس پر چیرہ دست نہیں ہو
سکتا بلکہ قطع نظر ان اوصاف کے جن کا بہت بڑا تعلق نبوت اور امامت کے ساتھ ہے بعض
چھوٹے چھوٹے اور جبلی اوصاف میں بھی تشارک و اتحاد ہے چنانچہ جیسا نبی کا دل بیدار اور آنکھ
خفتہ ہوتی ہے اسی طرح امام بھی بیدار دل اور چشم در خواب ہوتا ہے جیسا نبی کے سایہ نہیں ہوتا
امام کے بھی سایہ نہیں ہوتا جیسا نبی آگے پیچھے سے یکساں دیکھتا ہے اسی طرح امام بھی آگے پیچھے
سے برابر دیکھتا ہے جیسا معجزہ اور رجعت استجاب الدعا نبی کو حاصل ہوتی ہے امام کو بھی حاصل ہوتی
ہے جیسا نبی محتلم نہیں ہوتا امام بھی محتلم نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذالقیاس بہت سے ایسے اوصاف و خواص
ہیں کہ جن میں نبی و امام باہم متشارک ہیں اور وہ اوصاف کہ جن کا تعلق بحسب ریاست عامہ دینی و دنیاوی
کے خلق کے ساتھ یا خالق کے ساتھ ہے ان میں کوئی وصف ایسا نہیں کہ جن میں باہم اتحاد و اشتراک

نہ ہوا الا اطلاق اسم نبوت سو یہ ایک لفظی امر ہے کہ جو راجع الی الاصطلاح ہے ورنہ لغتہً یہ اطلاق بھی صحیح ہے اور لفظ امام تو قطعاً عام ہے جس کا اطلاق لسان شرع میں انبیاء پر بھی کیا گیا ہے اور دوسری نزول وحی کا جو حسب ادعا حضرت شہید ثالث انبیاء کے ساتھ مختص ہے ائمہ میں نہیں پایا جاتا ہے ہے لیکن حضرت شہید ثالث کا یہ زعم باطل ہے کیونکہ ائمہ کو خصوصاً جناب امیر کو آخر محدث تو فرماتے ہی ہیں اور محدثیت حسب تصریح محمد بن یعقوب الکلینی اسی کا نام ہے کہ نزول فرشتہ کا ہو اور اس کی آواز سنے لیکن اس کے جثہ کو نہ دیکھے پس اگر اس کا نام وحی نہیں ہے تو یہ امر بھی راجع الی الاصطلاح ہے اور نزاع لفظی، غرض بہرکیف یہ دو وصف ایسے ہیں کہ جن میں انبیاء سوائے ائمہ کے متفرد ہیں،

اور جب اتحاد و اشتراک فی الاوصاف ثابت ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ منجملہ اوصاف نبی کے ایک یہ بھی وصف ہے کہ انبیاء کے ساتھ عادت اللہ جاری ہے کہ نبی کے مقابلہ میں متنبی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا ہرگز اپنے دعویٰ میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے بمقابلہ معجزات نبوی کے اس کے سب استدراجات منقلب اور منعکس ہو جاتے ہیں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا ہمیشہ انجام کار مخذول اور مقہور ہوتا ہے اور ہرگز فروغ نہیں پا سکتا حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک کوئی نظیر ایسی نہیں ملے گی کہ کسی شخص نے بمقابلہ کسی نبی کے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو اور وہ اپنے دعویٰ میں کامیاب ہوا ہو مسیلمہ کذاب اور اسود علنسی اور سجاح وغیرہ کے قصص و حکایات تاریخ کے واقفوں پر مخفی نہیں اور کیونکر ممکن ہے کہ خداوند تعالیٰ بمقابلہ اپنے نبی مرسل کے جھوٹے مدعی کو غالب اور کامیاب کرے اگر ایسا ہو تو محض تلبیس ہے خداوند تعالیٰ شانہ سورہ مومن میں ارشاد فرماتا ہے،

وان یك کاذبا فعلیه کذبه و ان یك صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان الله لا یهدی من هو مسرف کذاب.

اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو پڑے گا اس پر اس کا جھوٹ اور اگر وہ سچا ہوگا تو تم پر پڑے گا کوئی وعدہ جو وہ کرتا ہے بے شک اللہ نہیں راہ دکھاتا اس کو جو ہو حد سے گذرنے والا جھوٹا

جس کا حاصل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ جھوٹے مسرف کی رہنمائی بینات اور معجزات کی طرف نہیں کرتا کہ نبوت کا جھوٹا دعوے کر کے کامیاب ہو جاوے تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کا دعویٰ کذب نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ دعوے کذب ہوتا تو یہ معجزات اس کے لیے اور بینات نہ ہوتے اور خدا تعالیٰ ان پر قدرت نہ دیتا، صاحب تفسیر صافی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

قیل احتجاج ثالث ذو وجهین احدهما انه لو کان مسرفا کذابا لما هداه الله

کہتے ہیں کہ یہ تیسرا استدلال ذو وجہین ہے ایک تو یہ کہ اگر موسیٰ مسرف کذاب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو

الی البینات ولما عضده بتلك المعجزات،

بینات کیطرف ہدایت نہ کرتا اور ان معجزات سے اسکو تقویت نہ دیتا

اور جب نبوت اس وصف کے ساتھ متصف ہے اور نبی کے ساتھ عادت اللہ جاری ہے کہ متنبی ہمیشہ مخذول ہوتا ہے تو چونکہ امامت بھی جمیع اوصاف مہمہ میں نبوت کے ساتھ متحد ہے اور مقاصد میں اس کی مشارک ہے تو امامت بھی لامحالہ اس صفت کے ساتھ متصف ہوگی اور امام کے ساتھ بھی یہ ہی عادت اللہ جاری ہوگی کہ اگر کوئی شخص نیابت رسول اور امامت کا جھوٹا دعویٰ کرے وہ ہرگز اپنے دعویٰ میں کامیاب نہ ہوگا اور مخذول و مقہور ہوگا اگر ایسا نہ ہو تو قطع نظر ان مفاسد بے شمار اور قبائح غیر متناہی کے جو اس تلبیس سے لازم آتی ہیں اشتراک فی الاوصاف اور اتحاد فی الخواص جو نبوت کے ساتھ ہے وہ فوت ہو جاوے گا تو ضرور ہوا کہ امامت کے لئے بھی یہ وصف لازم ہو اور امام میں بھی یہ خاصہ پایا جاوے بعد اس کے ہم جناب رسالت مآب صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے خلفاء میں بموجب اس قاعدہ کے تامل کی نظر سے دیکھتے ہیں بعد اس امر کے کہ ہم فرضاً حسب مزعوم شیعہ تسلیم کرتے ہیں کہ بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلافصل امام برحق اور خلیفہ راشد جناب امیر تھے تو بداہۃً یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ حسب قاعدہ اگر جناب امیر بلافصل نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امام برحق اور خلیفہ راشد ہوں تو جو لوگ بالمقابل کذباً وعدواناً مدعی خلافت ہوئے وہ مخذول و مطرود ہوں اور ان کی خلافت ہرگز مسلم نہ رہی بلکہ ان کا انجام خواری و خرابی و تباہی و بربادی ہو لیکن جب ہم واقعات میں نظر کرتے ہیں تو معاملہ بالعکس پاتے ہیں اور قضیہ منقلب دیکھتے ہیں اور وہ یہ کہ بعد وفات جناب سرور کائنات علیہ وعلی آلہ افضل التحیات والتسلیمات جناب امیر کے سامنے اور آپ کی موجودگی میں تین شخص یکے بعد دیگرے مدعی خلافت ہوتے اور امامت کا دعوے کیا، اول ان میں سے ابوبکر صدیق ہیں، دوسرے عمر بن الخطاب، تیسرے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم پس دو حال سے خالی نہیں کہ یا یہ تینوں حضرات اپنے دعوے میں کاذب تھے یا صادق، اگر کاذب تھے تو واجب تھا کہ وہ اپنے دعویٰ میں کامیاب نہ ہوتے بلکہ مخذول ہوتے، لیکن ہم مثل روز روشن دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے دعویٰ امامت میں ایسے کامیاب ہوئے کہ امام برحق سے بھی فی الجملہ بڑھ گئے اور انھوں نے اپنے اس دعویٰ کی تصدیق اسلام کی نمایاں ترقی کر کے ایسی طرح دکھلائی کہ اپنے دعوے کو بیّنہ و برہان کر دیا اور خدا تعالیٰ نے ان کو وہ قدرت دی کہ دینی اور دنیاوی ترقیات اسلامیہ میں اپنے رسول ہی کا جارحہ ہوئے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اسلام کی دو شقیں اور دو جہتیں ہیں ایک جہت دین کی ترقیات اور دوسری جہت دنیاویہ ترقیات، ترقیات جہت دین تو اس صورت سے ہے کہ

مثلاً شریعت کا شیوع و رواج ہو، حدود و قصاص جاری ہوں، عالم میں کتاب الجہاد کا درس ہو کفر و کفار نگونسار ہوں اور کلمۃ اللہ ہی العلیا صادق آوے شعائر اسلام کا زور و شور ہو اور علی ہذا القیاس اور ترقیات جہت دنیاویہ کی یہ صورت ہے کہ مثلاً مال و دولت کی اہل اسلام میں کثرت ہو اور بنات ملوک حرائش اوانی اہل اسلام ہوں سلاطین باجگذار اسلام ہوں قری و امصار و ولایات اور قطائع و جاگیرات اہل اسلام کے بکثرت قبض و تصرف میں ہوں وغیر ذلک اب ہم دونوں اسلامی حالتوں کی ترقی کو جو زمانہ خلفاء ثلثہ میں ہوئی نظر عمیق سے دیکھتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کی دونوں حالتوں کی ترقی زمانہ خلفاء ثلثہ میں اوج کمال پر پہنچ گئی تھی پھر جب ہم دعویٰ خلافت کے ساتھ وجود خلافت میں غور کرتے ہیں تو تین طرح سے پاتے ہیں اول تو یہ کہ خداوند تعالیٰ نے ان خلفاء کے واسطے سے گویا تمام عالم میں شعائر اسلام کو پھیلایا اور دین اسلام کو ان کے ذریعہ سے تمام ادیان پر غالب کیا کثرت جہاد سے کفر و کفار نگونسار ہو کر کلمۃ اللہ ہی العلیا کا صدق ان ہی خلافتوں کا ثمرہ اور ان ہی کی سعی کا نتیجہ ہے غرض جو اصلی غرض ارسال رسل اور نصب خلفاء سے تھی کہ دین اسلام کو شیوع و رواج ہو وہ بخوبی خلفاء ثلثہ کی خلافتوں سے حاصل ہوا، اور خداوند تعالیٰ نے ان کو ان مہمات کی تمکین عطا فرمائی اگرچہ یہ حضرات اپنے دعوئے خلافت میں کاذب ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ وہ بمقابلہ خلیفہ و امام برحق کے اپنے دعوے میں کامیاب ہوتے اور حق تعالیٰ ان کو مقاصد خلافت کے حصول پر تمکین دیتا، دوسرے یہ کہ اسلام کی شق دنیاوی کی ترقی بھی خلفاء کے ذریعہ کمال کو پہنچ گئی اور خزائن کسریٰ و قیصر جن کا وعدہ حصول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے کھودنے کے وقت فرحت و انبساط کے ساتھ فرمایا تھا ان ہی خلافتوں کی بدولت اہل اسلام کے ہاتھ آئے بلکہ ہر چہار طرف سے اموال ٹوٹ پڑے اور خزائن کے منہ کھولے گئے اگرچہ صرف دنیاوی ترقی حقیت کی عموماً دلیل نہیں ہوسکتی، لیکن چونکہ حصول وعدہ خداوندی کو متضمن ہے جو رسول کی زبانی ہوا اور نیز بانضمام ترقی دینوی البتہ قطعاً ثبوت حقیت خلافت کی دلیل ہوسکتی ہے، تیسرے یہ کہ ان کے زمانہ خلافت میں ان کی خلافتوں کو تمام اقاصی و ادانی نے اما بعز عزیز او ذل ذلیل سب نے حق تسلیم کرلیا جس سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو وہ قدرت و تمکین دی کہ تمام حوزہ اسلام ان کے مطیع و مسخر و منقاد ہوگیا اور یہ تسخیر و انقیاد اور یہ بجا آوری اور حصول مہمات خلافت آخر تک یکساں بہ تمکین اللہ تعالیٰ رہی بلکہ الی یوم القیمہ جماعت عامہ اسلام کی جن کی شان میں نہج البلاغۃ میں ہے۔

وان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ — بے شک اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور بچنے اپنے آپکو تفریق

سے بچاؤ کیونکہ جدا ہونے والا ان میں سے شیطان کیواسطے ہے — فان الشاذ من الناس للشیطان۔

اور سواد اعظم امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کی شان میں ہے فالزموا بالسواد الاعظم سوائے چند ہی متشیعین کے حقیت خلافت خلفاء ثلثہ کے معتقد اور قائل رہیں گے پس اس سے زیادہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے اور کیا تمکین و عطائے قدرت ہوسکتی ہے تو اس سے مثل آفتاب کے ظاہر و باہر ہوا کہ یہ حضرات خلفاء۔ اپنے دعویٰ خلافت میں ایسے صادق تھے کہ اس سے زیادہ کسی کو حاصل نہیں ہوا ہاں امام غائب کے لئے دعویٰ کیا جاتا ہے اور مثل بدیہیات اولیہ کے ثابت ہوا کہ یہ دعوے جو حضرات شیعہ فرماتے ہیں کہ بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امام بلافصل جناب امیر تھے اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم ظالم اور غاصب خلافت تھے کہ حق جناب امیر کا بزور غصب کرکے متقمص خلافت ہوگئے کذب اور باطل اور لغو اور لاطائل ہے کیونکہ اگر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امام بلافصل جناب امیر ہوتے اور خلفاء محض جائر و غاصب اور جھوٹے مدعی خلافت بمقابلہ خلیفہ برحق ہوتے تو ہرگز اپنے دعوے میں کامیاب نہ ہوتے اور وہی سنت اللہ جو مدعیان نبوت میں جاری ہوتی ہے ان مدعیان خلافت میں بھی جاری ہوتی تو اس سے مثل آفتاب نیمروز ثابت ہوا کہ حضرات خلفاء رضی اللہ عنہم امام برحق اور خلیفہ راشد تھے، اب مجھ کو یہ خیال ہوتا ہے کہ بعض کم فہم اس وجہ سے کہ ان کو مقدمات دلیل کی پورے طور پر ذہن نشین نہ ہوتی شاید یہ اعتراض کریں کہ بہت سے ملوک اسلام مثل امیر معویہؓ کے ایسے ہیں کہ جن کو خداوند تعالیٰ نے بمقابلہ ائمہ کے کامیاب فرمایا اور ان کو تمکین دی اور بسا قری و امصار ان کی سعی و کوشش سے مفتوح ہوئے تو اس دلیل کے اعتبار سے ان کو بھی امام برحق اور خلیفہ راشد کہنا چاہیے حالانکہ وہ سلاطین باتفاق فریقین خلفاء راشدین میں سے نہیں ہیں، تو اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ اس دلیل کے مقدمات کا مبنی صرف مذہب خصم پر ہے اگر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے تو اصول شیعہ پر ہی وارد ہوتا ہے اس کا جواب بھی وہی دیویں ہم کب کہتے ہیں کہ نبوت و امامت متشارک فی الاوصاف والخواص ہیں، ہم کب قائل ہیں کہ امام قائم مقام نبی است الخ اور جب یہ مقدمات مسلم خصم ہیں تو جو ان پر ایراد ہو اس کا جواب وہ خصم سے نہ ہم، ثانیاً سلمنا لیکن ہم کہتے ہیں کہ بعد خلفاء کے ترقیات اسلامی ہر دو جہت دینی اور دنیاوی میں کامل طور پر کسی کو تمکین نہیں ہوئی اور اگر قدرت و تمکین ہوئی ہے تو صرف دنیاوی ترقی میں جو مقاصد سلطنت سے ہی ہوئی ہے اور دینی ترقی جو اہم مقاصد خلافت سے ہے ہرگز حاصل نہیں ہوئی اس کو بھی ہم بحول اللہ تعالیٰ و قوتہ آپ کی کتب معتبرہ سے ثابت کرسکیں۔

ہیں علامہ کمال الدین ابن میثم بحرانی نہج البلاغۃ کی اپنی شرح کبیر مسمیٰ بمصباح السالکین میں اس خطبہ کی شرح میں جس کا عنوان یہ ہے ومن کلام له فی بیعة عثمان لقد علمتم انی احق بها من غیری. والله لاسلمن ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیها جور الا علی خاصة الخ فرماتے ہیں،

فان قلت السوال من وجهین الاول ماوجه منافسته فی هذا الامر الخ الثانی کیف سلوهما عند خوف الفتنة ولم یسلو لمعویة ولطلحة والزبیر مع قیام الفتنة فی حربهم قلت الجواب عن الاول ان الخ وعن الثانی ان الفرق بین الخلفاء الثلثة و بین معویة فی اقامة حدود الله والعمل بمقتضی اوامره ونواهیه ظاهر انتهی ملخصا۔

اگر تو اعتراض کرے سوال دو وجہ سے ہے اول تو یہ کہ امامت میں آپ کی رغبت کی کیا وجہ ہے الخ دوسری یہ کہ یہاں تو وقت خوف فتنہ کے تسلیم کر لیا اور معویہ اور طلحہ و زبیر کے لئے باوجود قیام فتنہ کے تسلیم نہ کیا میں کہتا ہوں پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے الخ اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ خلفاً ثلثہ میں اور معویہ میں اللہ کے حدود کے قائم کرنے میں اور اس کے امر و نہی کے مقتضا کے موافق عمل کرنے میں فرق ظاہر ہے۔

مضمون سابقہ ایک نئے انداز سے

ثالثاً ہم گذارش کر آئے ہیں کہ مدعی امامت کی کامیابی کے لئے اپنے دعویٰ امامت میں جیسی ترقیات اسلامیہ کی ہر دو شق کی ضرورت ہے اسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ جماعت عامہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خلیفہ راشد اعتقاد کرتے ہیں اور سواد اعظم امت محمدی نے ان کو حق تسلیم کر لیا ہو تاکہ اس جماعت کا اتفاق جس پر ید اللہ ہے اور جن کی شان میں وما کان الله لیجمعهم علی ضلالة ویضربهم بعمی فرماتے ہیں اس خلافت کی حقیت کی دلیل ہو جاوے پس جس قدر سلاطین اسلام گذرے ہیں ان کو کسی نے خلیفہ راشد نہیں تسلیم کیا نہ ان کو سواد اعظم امام برحق اعتقاد کرتا ہے بلکہ وہ خود بھی مدعی خلافت نہیں ہوئے اور اگر ہوتے تو اوائل امارت میں غلطی سے ہوئے بعد میں کے آخر اپنے ملوک اسلامی میں ہونے کا اعتراف کیا ہے تو ان سے یہ دلیل منقوض نہیں ہو سکتی۔ اب دلائل نقلیہ سن لیجئے۔ دلیل ثانی حق سبحانہ وتعالیٰ سورہ نور میں اس وقت کے مومنین کو

خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے۔

خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم کے اثبات کی دوسری دلیل آیت سورہ نور سے

وعد الله الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک هم الفاسقون. حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ تم میں سے جو ایمان لائے ہیں اور عمل صالحہ کئے ہیں وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو بے شک زمین میں خلیفہ بناوے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور البتہ ٹھہرا دے گا ان کے لئے اس دین کو جو پسند کیا ہے ان کے واسطے اور بے شبہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا میری پرستش کریں گے اور کسی کو میرے ساتھ شریک نہ کریں گے اور اس کے بعد جنھوں نے اس نعمت کی ناشکری کی پس وہی فاسق ہیں۔ آیت شریفہ سے چند فوائد حاصل ہوئے اول تو یہ کہ حق تعالیٰ نے بعض مومنین حاضرین عند نزول آیت کے ساتھ یہ وعدہ فرمایا من اگر تبعیضیہ ہے تو ظاہر ہے اور اگر بیانیہ ہے تو اولاً من بیانیہ ضمیر مخاطب مجرور پر داخل نہیں ہوتا آپ نے رسائل نحو میں دیکھا ہوگا کہ من تبیینیہ کی علامت صحت وضع لفظ الذی کی اس کی جگہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس جگہ لفظ الذی نہیں داخل ہو سکتا اور اگر بمشکل بتاویل بعید اس کو بیانیہ کہا جاوے تاہم مخاطبین کے استخلاف سے بعض کا استخلاف مراد ہے اور چونکہ اس کا نفع تمام کو شامل ہوتا ہے اس لئے سب پر اطلاق کیا گیا عرف میں شائع ہے جب کسی قوم میں سلطنت ہوتی ہے تو باوجودیکہ ایک ہی بادشاہ ہوتا ہے لیکن تمام قوم کی سلطنت کہلاتی ہے کیونکہ اس کا نفع ان سب کی طرف عائد و راجع ہوتا ہے اور فی الجملہ وہ بھی حاکم ہوتے اب آپ کیا دیکھتے نہیں ادنیٰ ادنیٰ گورے کیسی حکومت کرتے ہیں اور اپنی حکومت و سلطنت سمجھتے ہیں، علاوہ ازیں اگر من تبعیضیہ کے آپ ابطال کے درپے ہوں اور تبیین ثابت کریں تو حضرات شیعہ اس آیت سے امام مہدی کا استخلاف مراد لیتے ہیں وہ باطل ہوگا جو جواب اس کا دیویں وہی ہماری طرف سے بھی قبول فرمائیں اور حاضرین عند نزول الآیت اس سے خاطب

کہ اصولیین شیعہ نے تصریح فرمائی ہے کہ جو کلام کہ خطاب مشافہہ کے لئے موضوع ہے وہ حاضرین کے ساتھ ہی مختص ہوتی ہے۔

شیعہ کے شہید ثانی کیا کہتے ہیں؟

آپ کے علامہ شہید ثانی معالم الاصول میں صفحہ ۱۰۶ پر فرماتے ہیں۔

وما وضع لخطاب المشافهة نحو يا ايها الناس ويا ايها الذين امنوا لا يعم بصيغة من تاخر عن زمن الخطاب وانما يثبت حكمه لهم بدليل اخر وهو قول اصحابنا واكثر اهل الخلاف۔	اور جو الفاظ خطاب مشافہہ کے لئے موضوع ہیں مثل یا ایہا الناس اور یا ایہا الذین امنوا کے اپنے صیغہ کے ساتھ ان کو شامل نہیں ہوتے جو زمانہ خطاب سے پیچھے ہیں اور اس کا حکم ان کے لئے صرف دوسری دلیل سے ثابت ہوتا ہے اور ہمارے اصحاب کا اور اکثر اہل خلاف کا یہ ہی قول ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ عبارت موضوع للمشافہ ہے تو حاضرین کے ساتھ مخصوص ہوگی دوسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ تم میں سے بعض کو خلیفہ بنادیں گے اور اس وجہ سے کہ خداوند تعالیٰ کے وعدہ میں بداء اور خلف محال ہے لامحالہ یہ وعدہ واقع ہوگا ورنہ خلف وعدہ لازم آئے گا جو محال ہے اور جو امر مستلزم محال کو ہے خود محال ہے اب وقوع استخلاف موعود کے دو احتمال ہیں اول یہ کہ وعدہ استخلاف سے یہ مراد ہو کہ ہم نص بالاستخلاف کریں گے اور جب نص بالاستخلاف فرمادے تو وعدہ پورا ہوگیا دوسری یہ کہ موعود یہ ہے کہ ہم خلیفہ بنادیں گے اور نفس استخلاف واقع کریں گے لیکن احتمال اول بوجوہ باطل ہے اولاً معنی استخلاف ایقاع فعل خلافت ہے اور بدیہی ہے کہ امر بالشئی عین شئی نہیں اور نص بالاستخلاف عین استخلاف نہیں تو اس صورت میں لازم آتا ہے کہ وعدہ تو کچھ فرمادے اور کرے کچھ اور یہ بھی خلف وعدہ ہے۔ ہاں بعض جگہ مجازاً بالقرائن خارجیہ استخلاف سے نص بالاستخلاف بھی مراد ہوتا ہے اور یہ اصل کو کچھ معارض نہیں ثانیاً بعد استخلاف کے جو امور کہ حق تعالیٰ شانہ نے بمنزلہ نتائج و ثمرات استخلاف کی بیان فرمائی ہیں مثل تمکین دین مرضی کے اور تبدیل خوف کے امن سے وہ بداہۃً مستلزم ہیں کہ وعدہ استخلاف سے مراد نفس استخلاف ہے نہ نص بالاستخلاف کیونکہ وقوع ان امور کا متفرع علی الاستخلاف اسی وقت ضروری ہے جب کہ وعدہ نفس استخلاف ہو اور اگر نص بالاستخلاف ہو تو وقوع ان امور کا ضروری نہیں کیونکہ جب نص نفس بالاستخلاف وقوع نفس استخلاف کو ہی مستلزم نہیں تو ان امور کو جو نفس استخلاف پر مرتب ہیں

کیونکر مستلزم ہوگی کیونکہ اگر حق تعالیٰ استخلاف پر نص فرمادے تو یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ واقع ہی ہو بلکہ جائز ہے کہ عباد اس کو نہ مانیں اور اس پر عمل نہ کریں چنانچہ حسب مزعوم شیعہ ایسا واقع ہوا تو پھر ترتب ان ثمرات و نتائج کا کیونکر ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ثمرات و نتائج بھی داخل وعدہ ہیں تو خلف وعدہ ان میں لازم آیا اور یہ محال ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ احتمال ثانی متعین ہے۔

آیت تمکین سے بقول شیعہ مہدی مراد ہیں؟ اس کے جوابات

ثالثاً حق تعالیٰ شانہ نے اس موعود کو اس فعل کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو گذشتہ لوگوں میں پہلے ہو چکا اور ظاہر ہے کہ پہلے لوگوں میں صرف نص بالاستخلاف نہیں تھا بلکہ نفس استخلاف تھا تفسیر صافی میں ہے۔

وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم في الارض ليجعلنهم خلفاء بعد نبيكم كما استخلف الذين من قبلهم يعني وصاة الانبياء بعدهم۔	وعدہ دیا اللہ نے تم میں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے البتہ خلیفہ بنائے گا ان کو ملک میں البتہ بنائے گا ان کو خلیفہ تمہارے نبی کے پیچھے جیسا تم سے اگلے لوگوں کو خلیفہ بنایا، یعنی انبیاء کے اوصیاء کو ان کا جانشین کیا۔

تو اس تشبیہ سے صاف ثابت ہوا کہ وقوع نفس استخلاف مراد ہے۔ رابعاً حضرات شیعہ اسی آیت کو امام مہدی کے استخلاف پر محمول فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر احتمال اول مراد ہو تو وہ مستلزم نفس استخلاف اور اس کے نتائج کو نہیں تو یہ دلیل خود جناب امام مہدی کی امامت و غلبہ و شوکت کے ثبوت میں ناقص و ناتمام ہوگی۔ خامساً سلمنا نص بالاستخلاف ہی مراد ہے لیکن لانسلم کہ نص سے وہی نص مراد ہو کہ جس خصوصیت کے ساتھ اور ہیئۃ کذائیہ سے حضرات شیعہ فرماتے ہیں بلکہ نص سے مراد نص جلی ہو یا خفی کسی ہیئۃ کے ساتھ اور کسی طریقہ کے ساتھ ہو چنانچہ اہلسنت خلفاء ثلثہ کی خلافت کے لئے نص کے قائل ہیں آپ نے ازالۃ الخفاء کا مطالعہ فرمایا ہے اس سے بخوبی یہ امر ثابت ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی وعدہ تمکین دین مرضی اور تبدیل امن بعد الخوف میں کوئی احتمال نہیں اور اس کے وقوع میں موعود لہم کے لئے کچھ شک و تردد نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ اگر وعدہ نص ہے تاہم متضمن وعدہ استخلاف کو ہے اور اس کا وقوع لازم و منحتم ہے۔ تیسرے یہ کہ اس استخلاف سے مراد وقوع سلطنت جائزہ جیسے فساق و فجار یا اشرار و کفار کرتے ہیں مراد نہیں ہے

بلکہ مراد وہ خلافت وریاست راشدہ و امامت وسلطنت حقہ ہے جو اجراء شرائع دین و احیاء شعائر اسلام کے لئے ہو اور جس سے عالم میں احیاء مراسم اسلام پایا جاوے اور اس پر وجوہ چند دلالت کرتی ہیں اول یہ کہ جب حضرات شیعہ کے مفسرین نے اس آیت شریفہ کو حسب روایات خود حضرت امام مہدی کے استخلاف پر محمول فرمایا ہے چنانچہ محمد بن مرتضی صاحب تفسیر صافی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں،

والقمی نزلت فی القائم من آل محمد والمجمع المروی من اهل البیت انها فی المهدی من آل محمد قال وروی العیاشی باسناده عن علی بن الحسین انه قرأ الآیة وقال هم والله شیعتنا اهل البیت یفعل ذلک علی یدی رجل منا وهو مهدی هذه الامة وهو الذی قال رسول الله لو لم یبق من الدنیا الا یوم یطول الله ذلک الیوم حتی یلی رجل من عترتی اسمه اسمی یملا الارض عدلا وقسطا کما ملئت ظلما وجورا قال روی مثل ذلک عن ابی جعفر وابی عبد الله وفی الاکمال عن الصادق فی قصة نوح وذکر انتظار المومنین من قومه الفرج حتی اراهم الاستخلاف والتمکین قال وکذلک القائم فانه تمتد ایام غیبته لیصرح الحق عن محضه ویصفو الایمان من الکدر بارتداد کل من کانت طینته خبیثة من الشیعة الذین یخشی علیهم النفاق اذا احسوا بالاستخلاف والتمکین لیلعم

تفسیر قمی میں ہے کہ یہ آیت قائم آل محمد (امام مہدی) کے بارہ میں نازل ہوئی اور تفسیر مجمع میں ہے کہ اہلبیت سے مروی ہے کہ یہ آیت آل محمد کے مہدی کے باب میں ہے کہا اور عیاشی نے اپنی اسناد کے ساتھ امام زین العابدین سے روایت کی ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ خدا کی قسم یہ ہم اہلبیت کے شیعہ ہیں، یہ وعدہ ہم میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر پورا ہوگا اور وہ اس امت کا مہدی ہو گا اور وہ وہ ہے جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دنیا سے بجز ایک دن کے باقی رہے گا تو خدا تعالیٰ اسی کو طویل کرے گا یہاں تک کہ ایک شخص میری عترت سے حاکم ہوگا میرہم نام ہوگا جیسا زمین ظلم وجور سے پر ہوگی اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا کہا اور ایسی ہی روایت امام ابوجعفر اور ابوعبداللہ سے ہے اور اکمال میں امام صادق سے نوح کے قصہ میں ہے مومنین کا اس کی قوم میں سے کشائش کے انتظار کا ذکر کیا یہاں تک کہ ان کو استخلاف وتمکین دکھلایا فرمایا اور اسی طرح قائم ہے کہ اس کی غیبت کا زمانہ دراز ہوگا تاکہ خالص حق ظاہر ہو جاوے اور ایمان کدورت سے صاف ہو جاوے ان شیعہ میں سے جن پر نفاق کا خوف ہے ہر ایک کے ارتداد کے ساتھ جس کی خبیث مٹی ہے جب استخلاف

والامر المنتشر فی عهد القائم الی غیر ذلک من الروایات.

اور تمکین ان کے لئے دیکھیں گے اور امر پھیلا ہوا قائم کے زمانہ میں ہوگا۔

تو ظاہر ہے کہ ان کی خلافت تو حضرات شیعہ کے نزدیک منصوصہ راشدہ ہے تو اگر اس آیت سے استخلاف حق مراد ہی نہیں اور خلافت راشدہ پر یہ آیت دال ہی نہیں تو اس کا نزول امام مہدی کے لئے جن کی خلافت راشدہ ہے کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ سب روایات جن میں نزول آیت کا امام غائب عن الابصار الحاضر فی الامصار کے لئے بیان کیا گیا ہے اور دعوی کیا گیا ہے کہ اس استخلاف موعود سے مراد استخلاف امام مہدی ہے سب لغو ولاطائل ہو جائیں گے تو ثابت ہوا کہ مراد استخلاف سے استخلاف حق اور خلافت وامامت حقہ ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بعض روایات میں جو حضرات شیعہ ائمہ سے نقل کرتے ہیں کہ مراد استخلاف سے استخلاف وتمکین فی العلم ہے سراسر کذب وافترا ہے تفسیر صافی میں نقل کیا ہے۔

وفی الکافی عن الصادق انه سئل عن هذه الآیة فقال هم الائمة وعن الباقر ولقد قال الله فی کتابه لولاة الامر من بعد محمد خاصة وعد الله الذین آمنوا منکم الی قوله فاولئک هم الفسقون یقول استخلفکم لعلمی ودینی وعبادتی بعد نبیکم کما استخلف وصاة آدم من بعده حتی یبعث النبی الذی یلیه یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا یقول یعبدوننی بالایمان لا نبی بعد محمد فمن قال غیر ذلک فاولئک هم الفاسقون فقد مکن ولاة الامر بعد محمد العلم ونحن فاسئلونا فان صدقناکم فاقروا وما انتم بفاعلین

کافی میں امام صادق سے مروی ہے ان سے کسی نے اس آیت سے پوچھا فرمایا وہ ائمہ ہیں اور امام باقر سے مروی ہے البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے خاص اماموں کے لئے فرمایا، وعد اللہ الذین آمنوا منکم الخ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ خلیفہ بناؤں گا میں تم کو اپنے علم اور دین اور عبادت کے واسطے تمہارے نبی کے بعد جیسا خلیفہ بنایا آدم کے اوصیا کو اس کے پیچھے یہاں تک کہ اس سے پچھلا نبی مبعوث ہو۔ میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ کریں گے فرمایا میری ایمان کے ساتھ پرستش کریں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کوئی نبی نہیں ہے جو اس کے سوا کہے وہ فاسق ہیں تحقیق تمکین دی ولاۃ امر کو بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں اور وہ ہم ہیں پس ہم سے پوچھو اگر ہم تم سے سچ کہیں تو تصدیق کرو اور تم ایسا کرنے والے نہیں۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اول تو استخلاف جو مقید بقید فی الارض ہو اس کا اطلاق جب تک سلطنت اور تسلط ظاہری فی الارض حاصل نہ ہو نہیں ہو سکتا۔ دوسری یہ کہ کلمات آیۃ خود حکومت ظاہری کو مستلزم

ہورہی ہیں کہ ان کا حصول بدون سلطنت ظاہری کے صرف استخلاف فی العلم سے ممکن نہیں ہے علاوہ ازیں مخالف ان روایات کے ہے جو سابقاً گذارش ہو چکی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت کا نزول امام مہدی کے حق میں ہے اور اس استخلاف سے استخلاف امام مہدی مراد ہے افسوس کہ یہ حضرات نہ خدا اور رسول سے ڈرتے ہیں نہ ائمہ سے حیا و شرم فرماتے ہیں اور جو دل چاہتا ہے جس میں اپنی مخلصی و نجات کی ابحاث علماء سی صورت دیکھتے ہیں خدا اور رسول و ائمہ پر افتراء باندھتے ہیں دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس وعدہ کو مومنین عاملین صالحات کے ساتھ فرمایا ہے اور قاعدہ ہے کہ حکم علی المشتق علیہ ماخذ پر دلیل ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ کمال ایمان اور غایۃ صلاح فی العمل اس استخلاف موعود کی علت واقع ہے اور نہایت بدیہی ہے کہ جس موعود خداوندی کا موقوف علیہ اور جس کی علت ایمان اور اعمال صالحہ ہوں گے وہ امر خیر اور حق اور راشد محض ہوگا اور خداوند تعالیٰ کے نزدیک مرضی اور پسندیدہ ہوگا تو جب استخلاف کو بھی حق تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ منوط و مربوط فرمایا ہے تو یہ استخلاف۔ استخلاف حق اور پسندیدہ جناب باری جل وعلا شانہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت شریفہ میں صرف استخلاف ہی کا تو وعدہ نہیں فرمایا کہ اس کو سلطنت کے اوپر بھی محمول کرنے کی گنجائش ہو بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی وعدہ فرمایا کہ اس کے ساتھ میں ہم اس دین کی بھی تمکین ان کے لئے کریں گے جو دین کہ ہمارے نزدیک مرضی اور پسندیدہ ہے اور یہ وعدہ فرمایا کہ ہم ان کے خوف کو جو کفار و منافقین سے لاحق حال ہے امن کے ساتھ بدل دیں گے۔ اب ان وعدوں سے صاف ظاہر ہے کہ جو استخلاف کہ ان فوائد کو مثمر و منتج ہوگا وہ قطعاً خلافت جائزہ نہ ہوگی اس کے بعد بطور اخبار کے فرمایا کہ جب استخلاف پر وہ غیب سے منصہ ظہور پر جلوہ گر ہوگا اور اس کے ثمرات و نتائج کمال تمکین دین اور زوال خوف اور حصول امن تمام عالم میں شیوع پذیر ہوں گے تو لوگ میری عبادت میں مشغول ہوں گے اور کسی کو میرے شریک نہیں کریں گے تو معلوم ہوا کہ وہ وقت ایسا وقت ہوگا جس میں شریعت کامل طور پر مروج اور شائع ہوگی اور بدیہی ہے کہ جو خلافت اس کو متضمن و مشتمل ہوگی وہ راشدہ اور حقہ ہوگی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون یعنی بعد اس نعمت عظمیٰ کے جو شخص اس کا کفران کریں پس وہ ہی فاسق ہیں ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ شانہ نے اس سے انکار و کفران اور اس پر یورش و طغیان کو کمال فسق سے تعبیر فرمایا جس سے اس کا بڑی نعمت اور کمال احسان خداوندی ہونا مفہوم ہوتا ہے اسی لئے موقع امتنان میں اسی کو بیان فرمایا پس اگر یہ خلافت محض سلطنت اور خلافت جائزہ ہو تو اس کا انکار تو بجائے خود عند الشیعہ واجب

ہے اور اس کے نقض کی تدابیر لازم و متحتم ہیں چہ جائیکہ خداوند تعالیٰ اس کو موقع امتنان میں بیان فرماوے اور اس کے انکار کو فسق سے تعبیر فرماوے تو اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جب یہ استخلاف اس قدر پسندیدہ جناب باری ہے کہ اس کو موقع احسان و امتنان میں بیان فرمایا اور اس کے انکار کو فسق کے ساتھ تعبیر فرمایا تو وہ استخلاف کمال حقیت و رشد کے ساتھ متصف ہوگا۔ چوتھی یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس استخلاف کو اپنی ذات پاک کی طرف منسوب فرمایا ہے کہ ہم خلیفہ بنا دیں گے اور ہم تمکین دیں گے اور ہم تبدیل خوف کی امن کے ساتھ کریں گے اور جب اس کا متکفل خود خداوند کریم ہوا اور اس کا ذمہ دار ہوا پھر اس نے جب وعدہ پورا کیا اور خلیفہ بنایا اگر وہ خلافت جائزہ تھی تو یہ فعل خداوند تعالیٰ کا قبیح ہوا تعالیٰ عن ذلک علوا کبیرا۔ پس علی مذہب الشیعہ صدور قبیح نسبت جناب باری لازم آیا وھو محال تو معلوم ہوا کہ یہ استخلاف سلطنت و خلافت جائزہ نہ ہوگی بلکہ امامت حقہ و خلافت راشدہ ہوگی۔ علامہ طوسی تجرید میں لکھتے ہیں۔

واستغنائہ وعلمہ یدلان علی انتفاء القبح عن افعالہ۔	اور اس کی بے پروائی اور اس کا علم اس کے افعال سے برائی کے دور ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ تمکین کس زمانہ میں پورا ہوا

اس کے بعد گذارش ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا تو لا محالہ یہ وعدہ واقع ہونے والا ہے اب باقی رہا یہ امر کہ یہ وعدہ کس زمانہ میں واقع ہوا اور موعود لہم اس وعدہ کے کون ہیں اور یہ خطاب کس کو ہے سو اس میں تین احتمال ہیں ولا رابع لہا باتفاق الفریقین۔ احتمال اول یہ ہے کہ اس وعدہ کا وقوع زمانہ حیات جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایام فتح مکہ میں ہوا اور استخلاف سے مراد استخلاف مومنین کا ہے بجائے کفار کے اور موعود لہم اس کے مومنین ہیں جو اس وقت موجود تھے اور ان ہی کو خطاب ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کے موعود لہم حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ اور ان کی اتباع ہیں اور یہ وعدہ ان ہی کے زمانہ خلافت میں پورا ہوگا۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ خطاب صحابہ حاضرین عند نزول الآیۃ کو ہے اور اس کے موعود لہم خلفاء اربعہ ہیں رضی اللہ عنہم اور یہ وعدہ جناب خلفاء اربعہ کے زمانہ خلافت میں پورا ہو چکا ہے اور خداوند تعالےٰ نے بعد وفات جناب رسالت مآب صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے آپ کی جگہ خلفاء اربعہ کو خلیفہ بنایا لیکن ان ہر سہ احتمالوں میں جہاں تک ہم غور کرتے ہیں اور اپنے ایمان و انصاف سے تامل کرتے ہیں تو پہلے

دونوں احتمالوں کو غلط پاتے ہیں اور تیسرے احتمال کو متعین دیکھتے ہیں اگرچہ ابطال احتمال اول پر کسی کو کچھ چنداں تجشم استدلال کی ضرورت نہ تھی کیونکہ مفسرین و محدثین شیعہ نے اس کو امام مہدی پر محمول کرکے اور اس کے نزول کا مورد متعین کرکے خود اس احتمال کو باطل کر دیا لیکن چونکہ بعض شیعہ جب شکنجہ انظار علماء اہلسنت میں گرفتار ہوکر میدان فرار تنگ دیکھتے ہیں تو ایسی پوچ احتمال اور واہی توجیہیں پیش کرنے لگتے ہیں اس لئے مناسب ہے کہ مختصراً اس احتمال کے ابطال کی طرف بھی اشارہ کیا جائے اور ضمناً و تبعاً اس کا ابطال بھی معرض اثبات میں لایا جاوے پس واضح ہو کہ ہر دو احتمالات کا بطلان ایسا واضح اور بدیہی ہے کہ اگر ذرا آیت میں تامل کیا جاوے تو ان کا بطلان بے تکلف فہم میں آسکتا ہے احتمال اول کے ابطال کے لئے پس یہ ہی وجوہ کافی ہیں کہ اولاً حق تعالیٰ شانہ نے یہ وعدہ مومنین کے ساتھ فرمایا ہے۔ اگر مراد اس سے فتح مکہ ہوتا تو یہ وعدہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا اور تبعاً مومنین بھی اس میں داخل ہوتے۔

انبیاء کے خواب کی حقیقت

ثانیاً یہ کہ خداوند تعالیٰ نے فتح مکہ کو بصورت رویا کے دکھلایا تھا اور چونکہ انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتی ہے تو اس لئے اس کا وقوع قطعی ہوتا ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ امنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون۔ اور نیز اس کو فتح کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے وجعل من دون ذلک فتحا قریبا۔ اور اذا جاء نصر اللہ والفتح۔ تو اس سے بشرط ذوق سلیم صاف سمجھ میں آتا ہے کہ یہ واقعہ دوسرا ہے۔ ثالثاً ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول بعد فتح مکہ کے ہو۔ رابعاً سلمنا کہ نزول اس آیت کا قبل فتح مکہ کے ہے تاہم عند الشیعہ فتح مکہ پر حمل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وعدہ استخلاف کو الذین امنوا وعملوا الصلحت کے ساتھ مقید کرنا اور تخصیص موعود لہم کی اہل ایمان و صلاح کے ساتھ کرنا بالکل لغو ہوگا۔ اور قید الذین امنوا وعملوا الصلحت کی سراسر فضول ہوگی کیونکہ حسب تصریحات قوم یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ بعد کفار مکہ کے استخلاف جیسا کاملین فی الایمان اور عاملین صالحات کو نصیب ہوا اس سے زیادہ ان صحابہ کو نصیب ہوا کہ بزعم خود بدتر از کفار تھے نعوذ باللہ من ذلک اور اگر سب مومنین اور عاملین صالحات تھے تو ہم حبا بالوفاق ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں۔ خامساً ممکن نہیں کہ اس آیت کا مورد فتح مکہ ہو سکے کیونکہ اس آیت میں بعد استخلاف

کی جو دو صفتیں ذکر فرمائی ہیں ان کا مصداق ہرگز فتح مکہ کا زمانہ نہیں ہوسکتا۔ اول ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ ان کے لئے دین پسندیدہ کو متمکن اور راسخ کرے گا اور دوسرے فرمایا کہ ان کے مطلق خوف کو امن سے بدل دے گا اور امن تام حاصل ہو جائے گا اور یہ دونوں امر فتح مکہ کے زمانہ میں حاصل نہیں ہوئے کیونکہ جب دو سلطنتیں عظیمہ کسریٰ و قیصر کی جو بالکل مخالف اسلام کے تھی پہلو بہ پہلو لگی ہوئی تھیں جن کی ظاہری قوت و شوکت اور عدد و عدد کے مقابلہ میں اہل اسلام کو کچھ نسبت نہ تھی تو ایسے دشمنوں کے محاصرہ میں جب تک وہ مغلوب نہ ہوں اور ان کی شوکت و عظمت نہ ٹوٹی کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ دین کو تمکین و استقرار حاصل ہوگیا اور خوف امن سے بدل کر امن تام حاصل ہوگیا بلکہ تمام عرب میں بھی اسلام شائع نہیں ہوا تھا بلکہ علی زعمہم حضرت کے اصحاب اکثر منافقین و کفار و فساق تھے تو ایسی حالت میں کیونکر تمکین دین اور امن تام حاصل ہوسکتا ہے تو اس سے بداہۃً معلوم ہوا کہ اس آیت کا مورد فتح مکہ نہیں ہوسکتا۔ شاید اس جگہ ہمارے فاضل مخاطب کو یہ شبہ واقع ہو کہ حق تعالیٰ شانہ فتح مکہ کے بیان میں بھی فرماتا ہے امنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایام فتح مکہ میں امن حاصل ہوگیا اور خوف زائل ہوگیا تو اس صورت میں مصداق ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا کا بھی واقعہ فتح مکہ ہوگا جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ یہ شبہ عدم تدبر اطراف و جوانب کلام اور نظم کے ماقبل و مابعد میں غور نہ کرنے سے ناشی ہوا ہے ورنہ فی الحقیقت اس میں اور اس میں فرق زمین و آسمان کا ہے کیونکہ آیت سورہ فتح میں اس طرح واقع ہے۔ لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ امنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون جس سے صاف واضح ہے کہ اس جگہ امن و عدم خوف دخول مسجد کی قید واقع ہو رہی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جو خوف تم کو دخول مسجد کے وقت کفار مکہ سے بسبب اپنے ضعف و قلت اور کفار کے شوکت و کثرت کے ہوتا وہ خوف تم کو دخول مسجد حرام کے وقت نہ ہوگا اور اس خوف سے تم آمن ہو گے نہ یہ مراد ہے کہ تم کو اس وقت امن تام اور عدم خوف کامل حاصل ہو جائے گا یہ تو سراسر واقع کے اور عقل کے خلاف ہے جب تک دو سلطنتیں مخالف ذات قوت و شوکت برابر موجود ہیں ہرگز خوف زائل نہیں ہوسکتا اور امن تام حاصل نہیں ہوسکتا تو بقرینہ سیاق نظم ماقبل میں ادنیٰ تامل سے مفہوم ہوسکتا ہے کہ اس جگہ امن و عدم خوف سے وہی مراد ہے جو کفار مکہ سے حاصل ہوا اور آیت سورہ نور میں ارشاد فرمایا ہے۔

لیستخلفنہم فی الارض ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم

ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا۔ اس نظم کے سیاق سے بداہۃً واضح ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو جانشین فرمائے گا جس کے سبب سے تمہارا دین تمام ادیان پر غالب ہوگا اور تمہارے دین کو مستقر و متمکن فرمائے گا اور جس قدر کفر و کفار کی شوکت ہے سب ٹوٹ جائے گی اور تم کو خوف کے بدلے امن مطلق ارزانی فرمائے گا جس کو تھوڑی سی بھی فہم ہو وہ اس نظم کے سیاق سے اور اطراف و جوانب میں تدبر کرنے سے سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ شانہ نے حصول امن اور زوال خوف کی نسبت ارشاد فرمایا ہے وہ امن تمام اور خوف کامل ہے جو بعد زوال سلطنت کسریٰ و قیصر کے ہوگا چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا و سیبلغ ملك امتی ما زوی لی منہا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حصول امن اور زوال خوف دوسرا ہے اور وہ امن اور عدم خوف دوسرا اس کو اس پر محمول نہیں کر سکتے تو اس موعود کا فتح مکہ پر حمل کرنا باطل ہوا اور احتمال ثانی کا بطلان بھی نظم کلام سے صاف واضح ہے کیونکہ اولاً حق تعالیٰ شانہ نے یہ وعدہ الذین امنوا کے ساتھ فرمایا ہے جو حقیقۃً جمع ہے اور باعتبار معنی حقیقی جمع کے کم سے کم اس کے صدق کے لئے تین فرد کا ہونا لابد ہے تاکہ معنی حقیقی جمع کے صادق آویں صاحب معالم الاصول نے لکھا ہے۔

فائدہ اقل مراتب صیغۃ الجمع الثلثۃ علی الاصح وقیل اقلہا اثنان۔ فائدہ صیغہ جمع کے مراتب کا کم درجہ تین ہیں اور بعض کہتے ہیں دو ہیں۔

بہرکیف اقل مراتب صیغہ جمع کے لئے ایک فرد ہونے کا کوئی قائل نہیں پس اگر ایک فرد پر محمول کیا جاوے گا تو معنی مجازی پر محمول ہوگا اور حمل علی المجاز جب تک حمل علی الحقیقۃ متعذر نہ ہو جائز نہیں ہے اور یہاں کوئی قرینہ قائم نہیں ہے کہ جو معنی حقیقی سے صارف ہو صیرورت الی المجاز کو مقتضی ہو تو اس کا حمل کرنا امام مہدی رضی اللہ عنہ پر جو ایک فرد ہیں جائز نہ ہوا ثانیاً یہ وعدہ حق تعالیٰ شانہ نے حاضرین عند نزول الآیۃ کے ساتھ فرمایا چنانچہ ارشاد۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنہم یعنی خدا نے وعدہ فرمایا ہے تم میں بعض ان لوگوں کے لئے جو مومنین اور عاملین صالحات ہیں کہ ان کو اپنے رسول کا جانشین و خلیفہ بناوے گا تو یہ خطاب حاضرین کو ہے اور سابق میں معالم سے گزارش ہو چکا ہے و ما وضع لخطاب المشافہۃ لا یعم بصیغۃ من تاخر عن زمن الخطاب اور بدیہی ہے کہ امام مہدی حاضرین عند نزول السورۃ سے نہیں ہیں اور ان کی خلافت کے حمل کرنے پر نہ کوئی دلیل دلالت کرتی ہے تو یہ آیت ان کی خلافت پر حسب قاعدہ محمول نہیں ہو سکتی۔ ثالثاً خداوند کریم جل و علا شانہ نے اس استخلاف کو اس استخلاف کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو انبیاء سابقین کے زمانہ میں سنت اللہ جاری تھی کہ بعد انبیاء کے ان کے خلفاء ان کے جانشین ہوتے تھے اور ان کی شریعت کی ترویج کرتے تھے اور امور باقی ماندہ نبوت حق تعالیٰ ان کے ہاتھوں پر پوری فرماتا تھا اور ظاہر ہے کہ جب انبیاء سابقین کے جانشین ان کے بعد خلیفہ ہوتے تھے اور مہمات خلافت کو سر انجام فرماتے تھے چنانچہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع ان کے خلیفہ اور جانشین ہوئے پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت آپ کے بعد گذرنے دو ہزار سال کے ہو تو قطع نظر اس سے کہ مستلزم نقصان مرتبہ رسالت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت انبیاء سابقین ہے تشبیہ ناقص و ناتمام ہوگی کیونکہ بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جب خلافت راشدہ متمکن نہ ہوئی اور آخر تک فساق و فجار کا غلبہ رہا حالانکہ انبیاء سابقین کے خلفاء ان کے بعد ہی متمکن کیے گئے تو اس سے بداہۃً مفہوم ہوتا ہے کہ آپ کی نبوت اور مرتبہ رسالت بہ نسبت انبیاء گذشتہ کے کم ہے اگر دس پانچ سال امام مہدی نے خلافت فرمائی اور ایسے رسول کا جو افضل الرسل ہے تمام زمانہ امتداد نبوت میں معدودے چند سال کے واسطے ایک خلیفہ کو تمکین عطا ہوئی اور باقی تمام زمانہ نفاق و شقاق و کفر و فسق سے مملو رہا تو وہ استخلاف کیا وقعت رکھ سکتا ہے اور ان انبیاء کے کیونکر ہم پلہ ہو سکتا ہے کہ جن کے خلفاء و اوصیا ان کے متتابع پیدا ہوئے اور وقتاً فوقتاً تجدید دین اور احیائے شریعت کرتے رہے اور یہ تشبیہ کیونکر تشبیہ تام ہو سکتی ہے اور باقی ائمہ جب ان کو تمکین ہی عطا نہیں ہوئی اور ہمیشہ خائف و مختفی رہی وہ خود بین سے ساقط ہو گئی کیونکہ ان کا وجود و عدم برابر ہو گیا تو اس تشبیہ سے صاف بداہۃً ثابت ہوا کہ اس استخلاف سے استخلاف مہدوی مراد نہیں ہے بلکہ وہ استخلاف مراد ہے جو بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متصلاً متتابعاً ہوا اور خدا تعالیٰ نے اس کو تسلط اور تمکن عطا فرمایا اور اس سے عالم میں دین شیوع پذیر ہوا اور وہ استخلاف بجز استخلاف خلفاء اربعہ کے اور کوئی نہیں اور اس کے اتصال و قرب پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو صافی میں اسی آیت کی تفسیر میں مذکور ہے۔

آیت تمکین پر مزید بحث اور اس کے ثبوت میں شیعی کتب میں مندرج اقوال

وفی الجوامع عن النبی علیہ السلام تفسیر جوامع میں نبی علیہ السلام سے مروی ہے

قال زویت لی الارض فاریت مشارقها ومغاربها وسیبلغ ملك امتی ما زوی لی منها۔

فرمایا سمیٹی گئی میرے لئے زمین اور اس کے مشرقی و مغربی کنارہ دکھلایا گیا اور عنقریب میری امت کا ملک وہاں تک پہنچے گا جہاں تک میرے لئے سمیٹا گیا۔

آپ نے نحو کے چھوٹے چھوٹے رسائل میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ سین استقبال قریب کا فائدہ دیتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب اسلام شائع ہونے والا ہے اور یہ تمام مشارق و مغارب زمین کے جو حضرت کو دکھلائے گئے ہیں وہ عنقریب مملکت اسلام میں داخل ہوں گے اور دوسری روایت جو صافی میں مروی ہے وہ بھی اسی کا گویا مصداق ہے۔

قال وروی المقداد عنه انه قال لا یبقی علی الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخله الله الاسلام بعز عزیز او ذل ذلیل اما ان یعزهم الله فیجعلهم من اهلها و اما ان یذلهم فیدینون لها۔

مقداد نے روایت کی ہے کہ فرمایا زمین پر کوئی گھر مٹی اور نہ اُنکا باقی رہے گا مگر اس میں خدا تعالیٰ اسلام کو داخل کرے گا کسی عزیز کی عزت کے ساتھ یا کسی ذلیل کی خواری کے ساتھ یا ان کو خدا عزت دے گا کہ ان کو اس کے اہل میں سے کرے گا اور یا ان کو ذلیل کرے گا کہ وہ اس کے مطیع ہو جائیں گے۔

غرض کہ اس تشبیہ سے اس آیت کا امام مہدی کی خلافت پر حمل کرنا صحیح نہ ہوا۔ رالغاحق تعالےٰ شانہ اس آیت کے خاتمہ پر بعد بیان اس نعمت کے ارشاد فرماتا ہے ومن کفر بعد ذلك فاولٰئك هم الفاسقون۔ یعنی بعد تمام اس نعمت کے جو لوگ اس کی ناشکری کریں گے وہ فاسق ہیں اور اس سے اشارہ اس طرف ہے کہ بعد حصول استخلاف بعض اہل ایمان و صلاح من الصحابۃ الحاضرین عند نزول الآیۃ جن کی تعداد حد جمع تک پہنچے گی اور تمکین و استقرار دین اور بعد تبدیل خوف بامن اس نعمت کا کفران واقع ہوگا تو خداوند تعالیٰ شانہ نے بطور تخویف اور بصورت تحذیر ہے کے ان لوگوں کے وصف کی خبر دی کہ جو مصدر اس کفران نعمت کے ہوں گے اور چونکہ خلافت امام مہدی میں اس طرح نہیں پایا جائے گا، تو اس واسطے اس آیت کو خلافت مہدوی پر محمول نہیں کر سکتے اور ظاہر ہے کہ یہ کفران مخبر یہ زمانہ خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جس طرح جناب رب العزت عز اسمہ نے خبر دی تھی کہ اول استخلاف ہوگا، پھر تمکین دین اور تبدیل خوف ہوگا پھر کفران کے وقوع کی طرف ایما فرمایا تھا اسی طرح واقع ہوا اول استخلاف ہو کر تمکین دین اور تبدیل خوف واقع ہوئی بعد اس کے کفران نعمت کا قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے واقع ہوا تو اس سے بداہتہً ثابت ہوا کہ مصداق اس آیت کا خلافت مہدویہ نہیں ہو سکتی بلکہ خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم ہے۔

حسب ارشاد جناب امیر وعدہ استخلاف کے پورا ہونے کا وقت خلفاء کا زمانہ خلافت ہے

خامساً ہم کو اس پر ان دلائل کے بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ یہ آیت سوائے خلافت خلفاءٔ اربعہ کے کسی دوسری خلافت پر محمول نہیں کیونکہ جناب امیر نے خود اس کا فیصلہ فرما دیا اور اس کا قضیہ چکا دیا آپ نے فرما دیا کہ اس وعدہ کا زمانہ وہی ہے جو خلافت خلفاء کا زمانہ ہے اور اس کے موعود لہم وہی حضرات خلفاء رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ وہ مصداق تمام اوصاف مذکورہ فی الآیت کے ہیں اور طرفہ یہ کہ اس کو شریف رضی نے نہج البلاغۃ میں نقل فرمایا ہے چنانچہ بعینہ ہم وہ خطبہ شرح نہج البلاغۃ سے نقل کرتے ہیں اور جو چند جگہ شارح ابن میثم نے اپنی شرح میں اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کو نقل کریں گے خطبہ یہ ہے۔ ومن کلام له وقد استشاره عمر بن الخطاب فی الشخوص لقتال الفرس بنفسه ان هذا الامر لم یکن نصره ولا خذلانه بکثرة ولا بقلة وهو دین الله الذی اظهره وجنده الذی اعده وامده حتی بلغ ما بلغ وطلع حیث طلع ونحن علی موعود من الله والله منجز وعده وناصر جنده ومکان القیم بالامر مکان النظام من الخرز یجمعه ویضمه فان انقطع النظام تفرق وذهب ثم لم یجتمع بحذافیره ابدا والعرب الیوم وان کانوا قلیلا فهم کثیرون بالاسلام عزیزون بالاجتماع فکن قطبا واستدر الرحی بالعرب واصلهم دونك نار الحرب فانك ان شخصت من هذه الارض انتقضت علیك العرب من اطرافها واقطارها حتی یکون ما تدع وراءك من العورات اهم الیك مما بین یدیك ان الاعاجم ان ینظروا الیك غدا یقولوا هذا اصل العرب فاذا اقتطعتموه استرحتم فیکون ذلك اشد لکلبهم علیك وطمعهم فیك فاما ما ذکرت من مسیر القوم الی قتال المسلمین فان الله سبحانه هو اکره لمسیرهم منك وهو اقدر علی تغییر ما یکره واما ما ذکرت من عددهم فانا لم نکن نقاتل فیما مضی بالکثرة وانما کنا نقاتل بالنصر والمعونة انتهی

اگرچہ اس ارشاد سے ہم کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں لیکن بسبب خوف تطویل ان سے اعراض و اغماض کر کے اپنے مدعا کی طرف جس کے ہم درپے ہیں رجوع کرتے ہیں وہ یہ کہ جناب امیر نے اس خطبہ

میں زمانہ حصول موعود آیت سراپا ہدایت کو زمانہ خلفاء کا قرار دیا۔ اور اس دین کو وہ دین فرمایا جس کا غلبہ موعود ہے اور اس لشکر کو وہ لشکر فرمایا جو اللہ کا لشکر ہے اگرچہ اس خطبہ سے بھی یہ مضمون واضح ہے لیکن علامہ ابن میثم کی شرح کبیر سے یہ مدعا آشکارا طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے ہم جو کچھ شارح ابن میثم اس خطبہ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں لکھتے ہیں۔

وقوله ان هذا الامر الى قوله للاجتماع صدر الكلام ليبنى عليه الراى فقرر فيه اولا ان هذا الامر اى امر الاسلام ليس نصره بكثرة ولا خذلانه بقلة ونبه على صدق هذا الدعوى بانه دين الله الذى اظهره وجنوده هى جنده الذى اعده وامده من الملائكة والناس حتى بلغ هذا المبلغ وطلع فى آفاق البلاد حيث طلع ثم وعدنا بموعود هو النصر والغلبة والاستخلاف فى الارض كما قال وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين من قبلهم الآيه وكل وعد من الله فهو منجز لعدم الخلف فى خبره وقوله ناصر جنده يجرى مجرى النتيجة اذ من جملة وعده نصره جنده وجنده هم المؤمنون فالمؤمنون منصورون على كل حال سواء كانوا قليلين او كثيرين ثم شبه مكان القيم بمكان الخيط من العقد ووجه التشبيه هو قوله يجمعه ويضمه الى قوله ابدا۔

قولہ ان ہذا الامر سے قولہ للاجتماع تک کلام کا صدر ہے تاکہ اس پر رائے قائم کرے۔ تو پہلے یہ ثابت کیا کہ اس امر یعنی امر اسلام کی فتح نہ کچھ کثرت پر ہے اور نہ اس کی شکست کچھ قلت پر ہے اور اس دعویٰ کے صدق پر اس طرح متنبہ کیا کہ وہ اللہ کا دین ہے جس کو غالب کیا اور اس کے لشکر اللہ کا لشکر ہے جس کو تیار کیا اور جس کی فرشتوں اور آدمیوں سے مدد کی یہاں تک کہ اس مرتبہ میں پہنچا اور شہروں کے کناروں میں نکلا۔ پھر ہم سے وعدہ فرمایا اور فتح اور غلبہ اور ملک میں جانشین کرنا ہے چنانچہ فرمایا وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم الآیہ اور اللہ کا جو وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہوگا کیونکہ اس کی خبر میں خلاف نہیں ہو سکتا اور قولہ ناصر جندہ کے قائم مقام ہے کیونکہ منجملہ اس کے وعدہ کے اپنے لشکر کی مدد کی ہے اور اس کا لشکر مومن ہیں تو مومن ہر حال منصور ہیں خواہ تھوڑے ہوں یا بہت پھر امام کے مرتبہ کو لڑی کے دھاگے سے تشبیہ دی اور وجہ تشبیہ کی قولہ یجمعہ ویضمہ سے قولہ ابدا تک۔

آخر شرح تک جو نہایت طویل وعریض ہے اور اس خطبہ کی شرح کے آخر میں پھر تحریر فرمایا

واما ما ذكرت من عددهم الخ فهو ان عمر ذكر كثرة القوم وعددهم فاجابه بتذكير قتال المسلمين فى صدر الاسلام فانه كان من غير كثرة وانما كان بنصر الله ومعونته فينبغى ان يكون الحال الآن كذلك فهو يجرى مجرى التمثيل كما اشرنا اليه فى المشورة الاولى ووعد الله تعالى المسلمين بالاستخلاف فى الارض وتمكين دينهم الذى ارتضى لهم وتبديلهم بخوفهم امنا كما هو مقتضى الآية لقدر الحاجة۔

قولہ واما ما ذکرت من عددہم الخ وہ یہ ہے کہ عمر نے قوم کی کثرت تعداد و سامان ذکر کیا تھا تو آپ نے صدر اسلام میں مسلمانوں کا قتال یاد دلا کر جواب دیا کہ وہ کثرت پر نہیں تھا بلکہ صرف اللہ کی مدد اور اعانت پر تھا تو اب بھی اسی حال پر ہونا لائق ہے تو یہ قائم مقام تمثیل کی ہے چنانچہ ہم نے پہلے مشورہ میں اشارہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ نے ملکوں میں خلیفہ بنانے اور ان کے دین کو جو ان کے لئے پسندیدہ ہے جمانے اور ان کے خوف کے بدلے میں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے جیسا آیت کا مقتضی ہے

اس خطبہ کے الفاظ سے اور شہادت وبیان شارح سے ثبوت حقیت خلافت الیاعیان ہے کہ جس کے بیان کی حاجت نہیں علاوہ ازیں دوسرا خطبہ جو نہج البلاغۃ میں منقول ہے۔ ومن کلام له وقد شاوره عمر فى الخروج الى غزو الروم بنفسه وقد توكل الله لاهل هذا الدين باعزاز الحوزة وستر العورة والذى نصرهم وهم قليل لا ينتصرون ومنعهم وهم قليل لا يمتنعون حى لا يموت انك متى تسر الى هذا العدو بنفسك فتلقهم فتنكب لا يكن للمسلمين كانفة دون اقصى بلادهم وليس بعدك مرجع يرجعون اليه فابعث اليهم رجلا مجربا واحفز معه اهل البلاء والنصيحة فان اظهر الله فذلك ما تحب وان يكن الاخرى كنت ردءا للناس ومثابة للمسلمين۔ اس کی شرح میں شارح ابن میثم فرماتے ہیں۔

قوله وقد توكل الله الى قوله لا يموت صدر لهذه النصيحة والراى نبه على وجوه التوكل على الله والاستناد اليه فى هذا الراى وخلاصتها انه ضمن اقامة دينه واعزاز حوزة اهله وكنى بالعورة عن هتك الستر فى النساء ويحتمل ان يكون استعارة لما يلحق عليهم

قولہ وقد توکل اللہ سے قولہ لا یموت تک اس رائے اور نصیحت کا صدر ہے جس میں اللہ پر توکل کرنے اور اس کی طرف سہارا لگانے کے پر متنبہ فرمایا ہے اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کے قائم رکھنے اور دین والوں کی عزت دینے کا ضامن ہوا ہے اور لفظ عورت کے ساتھ عورتوں کی بے پردگی سے کنایہ

من الذل والقهر لو اصيبوا فضمن ذلك سبحانه
ستر ذلك بافاضة النصر عليهم وهذا الحكم
من قوله تعالیٰ وعد الله الذين امنوا
منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فی
الارض كما استخلف الذين من
قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذی ارتضی
لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا
انتهی بقدر الحاجة.

کیا اور احتمال ہے کہ یہ اس کے لئے استعارہ ہو جو ذلت
وسختی ان کو پہنچے گی اگر مغلوب ہوں تو خدا تعالیٰ اسکی
پردہ پوشی کا ضامن ہوا اپنی مدد کے بھیجنے کے
ساتھ اور یہ حکم قولہ تعالیٰ وعد اللہ الذین
امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض
کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذین
ارتضیٰ لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا سے ماخوذ ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مصداق اس آیت کا زمانہ خلفاء رضی اللہ عنہم ہے اور اس وعدہ کے موعود لہم خلفاء ہیں اور انجاز اس وعدہ کا زمانہ خلفاء اربعہ میں ہوا اور مثل آفتاب نیم روز روشن ہے کہ جناب امیر خلافت خلفاء کو حق اعتقاد فرماتے تھے اور آپ کو یقین تھا کہ جو کچھ وعدہ خداوند تعالیٰ نے مومنین کے ساتھ تمکین دین اور تبدیل خوف اور حفظ وحمایت اور غلبہ وصیانت کی فرمائی ہیں ان سب کے انجاز کا وقت یہی زمانہ خلفاء کا ہے اور جو کچھ مفسرین ومحدثین شیعہ نے اس کے خلاف مہدویہ پر حمل کرنے کی کوشش کی ہے وہ بالکل اس کے مخالف ہے اور جس قدر توجیہات لاطائل اس آیت کے خلافت مہدویہ پر کرنے میں کی ہیں وہ سب کہباء منثور ہو گئیں بلکہ یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ سب تودہ تودہ روایات جو جناب امیر سے درباب شکایت غصب خلافت خلفاء کے نسبت کی گئی ہیں وہ سب محض افتراء واختلاق ہیں۔ اور خلافت خلفاء امامت حقہ اور خلافت راشدہ ہے اور حضرات خلفاء امام برحق اور خلیفہ راشد ہیں جناب امیرؓ کے اس ارشاد سے تمام شکوک وشبہات وخلجان واحتمالات رفع ہو گئے۔ الحمد للہ علی ذلک دلیل ثالث ثبوت حقیت خلافت خلفاء رضی اللہ

خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم کے ثبوت حقیت کی تیسری دلیل نہج البلاغت سے

دلیل ثالث ثبوت حقیت خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم پر وہ خط ہے جو سابق میں بھی نہج البلاغۃ اور اس کی شرح سے بتغییر یسیر نقل کیا گیا ہے۔ اما بعد فان بیعتی بالمدینة

لزمتك وانت بالشام لانه بايعنی القوم الذين بايعوا ابابكر وعمر وعثمان علی ما بايعوهم عليه فلم يكن للشاهد ان يختار ولا للغائب ان يرد وانما الشوری للمهاجرين والانصار فاذا اجتمعوا علی رجل وسموه اماما كان ذلك لله رضی فان خرج من امرهم خارج بطعن او بدعة ردوه الی ما خرج منه فان ابی قاتلوه علی اتباعه غير سبيل المؤمنين وولاه الله ما تولی ويصله جهنم وساءت مصيرا وان طلحة والزبير بايعانی ثم نقضا بيعتی فكان نقضهما كردتهما فجاهدتهما علی ذلك حتی جاء الحق وظهر امر الله وهم كارهون فادخل فيما دخل فيه المسلمون فان احب الامور الی فيك العافية الا ان تتعرض للبلاء فان تعرضت له قاتلتك واستعنت بالله عليك وقد اكثرت فی قتلة عثمان فادخل فيما دخل فيه الناس ثم حاكم القوم الی احملك واياهم علی كتاب الله فاما تلك التی تريدها خدعة الصبی عن اللبن ولعمری وان نظرت بعقلك دون هواك لتجدنی ابرء قريش من دم عثمان واعلم انك من الطلقاء الذين لا تحل لهم الخلافة ولا يتعرض فيهم الشوری وقد ارسلت اليك جرير بن عبد الله وهو من اهل الايمان والهجرة فبايع ولا قوة الا بالله۔ اس خط سے ثبوت حقیت خلافت خلفاء ثلثہ مثل آفتاب کے روشن ہے۔ اور غایۃ کوشش علماء شیعہ کے اس کی تاویل میں یہ ہے کہ اس کو دلیل الزامی کہہ کر اپنے مذہب کی جان بچاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی ایسی واہی اور پوچ تاویلات بلکہ تحریفات سے ناموس مذہب گیر ودار علماء سے مصئون ومامون نہیں رہ سکتا۔ ع کف محال است کہ مہر لب دریا گردد۔ چونکہ ہم بحول اللہ وقوتہ اس دلیل کے تحقیقی ہونے کا اثبات اور الزامی ہونے کا ابطال ماسبق میں عنقریب کر آئے ہیں۔ اس لئے حاجت اعادہ وضرورت تطویل بحث نہیں دیکھتے۔

اثبات حقیت خلافت خلفاء کی چوتھی دلیل نہج البلاغت سے

دلیل رابع نہج البلاغت میں ایک خطبہ آپ کے شریف رضی نے اپنی عادت شریفہ کے موافق کلام طویل سے ملتقط نقل کیا ہے جس کا عنوان یہ ہے ومن کلام له يجری مجری الخطبة نقمت بالامس حين فشلوا الخ۔ اس خطبہ کے خاتمہ کی عبارت یہ ہے۔

فنظرت فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی واذا المیثاق فی عنقی لغیری ۔

میں نے اپنے امر میں سوچا ناگاہ میری طاعت میری بیعت سے سابق ہو چکی تھی اور غیر کا میثاق میری گردن میں تھا۔

عاقل ان جملوں کو نظر غور سے دیکھے اور عجیب قدرت خداوندی کا تماشا مشاہدہ کرے اب سنیئے کہ شارح ابن میثم اس سے واضح تر اور صاف فرما رہے ہیں ان کی عبارت نقل کرتا ہوں۔

قوله فنظرت فی امری الخ فیه احتمالات احدهما قال بعض الشارحین انه مقطوع من کلام یذکر فیه حاله بعد وفات الرسول صلی الله علیه وسلم وانه کان معهودا الیه ان لا ینازع فی امر الخلافة بل ان حصل له بالرفق والا فلیمسك فقوله فنظرت فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی ای طاعتی لرسول الله صلی الله علیه وسلم فیما امرنی به من ترك القتال قد سبقت بیعتی للقوم فلا سبیل الی الامتناع منها وقوله واذا المیثاق فی عنقی لغیری ای میثاق رسول الله صلی الله علیه وسلم وعهده الی بعدم المشاقة وقیل المیثاق ما لزمه من بیعة ابی بکر بعد ایقاعها ای فاذا میثاق القوم قد لزمنی فلم تمکنی المخالفة بعده والاحتمال الثانی ان یکون ذلك فی تضجره وتبرمه من ثقل اعباء الخلافة وتکلف مدارات الناس علی اختلاف اهوائهم ویکون المعنی انی نظرت فاذا طاعة الخلق لی واذا فهم قد سبقته بیعتهم واذا میثاقهم قد جری فی عنقی

قولہ فنظرت فی امری الخ اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ ہے کہ بعض شارحین نے کہا کہ یہ اس کلام میں سے مقطوع ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پیچھے کا حال اور یہ کہ آپ سے عہد لیا گیا تھا کہ امر خلافت میں جھگڑا نہ کریں بلکہ اگر نرمی سے حاصل ہو جاتے فبہا ورنہ باز رہیں بیان فرما رہے ہیں پس آپ کا ارشاد کہ میں نے اپنے امر میں سوچا ناگاہ میری طاعت میری بیعت سے سبقت کر چکی تھی یعنی میری طاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ترک قتال کے باب میں میری بیعت سے قوم کے لئے سابق ہو چکی تو اب اس سے باز رہنے کی طرف رستہ نہیں ہے اور آپکا ارشاد اور ناگاہ غیر کا میثاق میری گردن میں تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میثاق اور عہد عدم منازعت میں اور بعض کہتے ہیں کہ میثاق وہ ابو بکر کی بیعت تھی جو بعد واقع کرنے کے لازم ہو گئی تھی یعنی قوم کا میثاق مجھ کو لازم ہو گیا تو بعد اس کے مجھ سے مخالفت نہ ہو سکی دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ آپ کا رنج دلہات خلافت کے بار سے دل تنگ اور بیزاری ہیں اور لوگوں کی مدارت کے تکلف میں بوجود اختلاف خواہشوں کے سا در ہو اور معنی یہ ہوتے ہیں میں نے دیکھا لوگوں کا میری طاعت کرنا اور مجھ پر اتفاق کرنا ان کی میرے ساتھ

فلم اجد بدا من القیام بامرهم ولم یسعنی عند الله الا النهوض بامرهم ۔

بیعت سے سبقت کر چکا تھا اور ان کا میثاق میری گردن میں آچکا تھا پس مجھ کو ان کے امر کے قیام سے کچھ چارہ نہ ہوا اور بجز ان کے امر کے اٹھانے مجھ کو اللہ کے نزدیک گنجائش نہ ہوئی۔

اور اس کے آخر میں لکھا۔

والاول اشهر بین الشارحین ۔

اور پہلا احتمال شارحین میں زیادہ مشہور ہے۔

عاقل جناب امیر کے کلام میں تامل کرے اور شارح کی تصریح کو ملاحظہ کرے اور دیکھے کہ خلافت صدیقیہ کا ثبوت حقیت اس کلام سے کس وضوح وصراحت وظہور وبداہت کے ساتھ ہو رہا ہے بندہ اس کو مختصراً عرض کرتا ہے کہ شارح کے بیان سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ کلام اس کلام سے مقطوع ہے جس میں اپنا وہ حال جو بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا بیان فرمایا ہے پہلی عبارت جو شارح نے بڑھائی ہے وانه کان معهودا الیه ان لا ینازع فی امر الخلافة بل ان حصل له بالرفق والا فلیمسك ۔ دلالت کرتی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طمانیت تھی اور معلوم تھا کہ بعد وفات شریف کے خلافت اہل کو حاصل ہو گی اور چونکہ اس وقت اہلیت وصلاحیت خلافت چند اشخاص میں دائر تھی جن میں جناب امیر بھی اس وصف اہلیۃ للخلافت میں شریک تھے اور حسب تصریح علامہ ابن میثم کی شرح خطبہ شقشقیہ میں ثابت ہے کہ حضرت امیر کو استشراف الی الخلافت تھا اور دوسری بہت جگہ سے بھی شرح نہج البلاغۃ میں یہ امر ثابت ہے چنانچہ وقت بیعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرمایا لقد علمتم انی احق بها من غیری اور شارح اس کی شرح میں بطور اعتراض وجواب کے لکھتا ہے۔

فان قلت السؤال من وجهین الاول ما وجه منافسته فی هذا الامر مع انه منصب یتعلق بامور الدنیا وصلاحها مع ما اشتهر منه من الزهد فیها والاعراض عنها ودفعها ورفضها قلت الجواب عن الاول ان منصب رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس منصبا دنیاویا وان کان متعلقا بصلاح احوال الدنیا لکن من حیث هی دنیا بل من حیث هی مضمار

اس جگہ اعتراض دو وجہ سے ہے پہلے یہ کہ منصب خلافت باوجودیکہ متعلق اصلاح امور دنیا ہے اور آپ کا اس سے زہد اور اعراض اور ترک مشہور ہے پھر اس میں آپ کی رغبت کی کیا وجہ ہے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ کا منصب اگرچہ حال دنیا کی صلاح کے متعلق ہے تاہم منصب دنیاوی نہیں ہے لیکن اس کا تعلق دنیا کے ساتھ بحیثیت دنیوی ہونے کے نہیں ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ آخرت کی کھیتی

الاٰخرۃ ومزرعھا الخ۔	کی جگہ ہے۔

تو اس سے صاف ثابت ہے کہ آپ کو رغبت واستشراف الی الامارت تھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے عہد لیا تھا کہ اگر خلافت کسی دوسرے کو حاصل ہو تو منازعۃ نہ کرنا کیونکہ جس کو حاصل ہوگی وہ اہل للخلافت ہوگا اور صحابہ غیر اہل کو خلافت کے لئے ہرگز تسلیم نہ کریں گے پس جب وہ خلافت حقہ اور امامت راشدہ ہوئی تو اس کے ساتھ منازعت ممنوع ہوئی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا لقد علمتم انی احق بہا من غیری واللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین۔ شارح اس کی شرح میں لکھتا ہے۔

وفیہ اشارۃ الی ان غرضہ من المنافسۃ	اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی غرض خلافت
فی ھذا الامر ھو صلاح حال المسلمین	میں رغبت سے مسلمانوں کے حال کی درستی اور
واستقامۃ امورھم وسلامتھم عن الفتن	ان کے کاموں کی استقامت اور ان کے فتنوں سے
وقد کان لھو من سلف من الخلفاء	سلامتی تھی اور گذشتہ خلفاء کے لئے بھی استقامت اور
استقامۃ امر الخ ما قال۔	درستی امر کی حاصل تھی۔

تو آپ نے خلافت کو اسی شرط کے ساتھ تسلیم کیا کہ جو شرط خلافت راشدہ کی ہے گویا یہ فرمایا کہ اگر یہ خلافت راشدہ ہوگی تو تسلیم کروں گا ورنہ نہیں اور اگر مطلقاً عدم منازعت کا عہد لیا گیا تھا تو یہ آپ کا ارشاد معاذ اللہ سراسر لغو ہوگا اور خلاف وصیت رسول کے ہوگا اور یہ ہی وجہ ہے کہ آپ نے زمانہ خلفاء میں منازعہ ومناقشہ نہیں فرمایا اور امیر معویہ کے ساتھ منازعۃ فرمائی اور فتنہ کا کچھ خوف نہ فرمایا اگر مطلقاً عدم منازعۃ معہود تھی تو آپ کا یہ مناقشہ امیر معویہ کے ساتھ سراسر خلاف معہود ہے اور باعث ثوران فتن تو اگر خوف فتن کی وجہ سے خلفاء کے ساتھ ترک منازعۃ کی تو یہاں ظاہر وقوع فتن تھا تو معلوم ہوا کہ آپ نے عدم منازعت اسی وجہ سے نہیں فرمائی کہ وہ خلافتیں راشدہ نہیں اور حضرت کا ارشاد بھی عدم منازعۃ کی بابت گویا مشروط اسی شرط کے ساتھ تھا کہ اگر امور مسلمین سلامت رہیں تو عدم منازعت معہود ہے یعنی اگر خلافت راشدہ ہو تو عدم منازعت معہود ہے حاصل یہ کہ آپ کے استشراف کی وجہ سے عہد عدم منازعۃ لیا گیا تھا اور اس لئے کہ جو خلافت واقع ہوگی وہ راشدہ ہوگی اس کے ساتھ منازعۃ نہ کرنا اور اس کے نقض کی تدبیر نہ کرنا بلکہ تمہارے لئے اگر اس کا حصول بالرفق ہوسکے تو فبہا کیونکہ منجملہ صالحین للخلافت کے ایک آپ بھی ہیں اور اگر حصول اس کا بارفق نہ ہو اور اہل حل وعقد آپ سے بیعت نہ کریں بلکہ کسی دوسرے سے بیعت کرلیں تو اس

پر منازعت سے باز رہنا چاہیئے اور اس عبارت سے یہ بھی صریح مستفاد ہے کہ اس وقت تک خلافت کا حصول جناب امیر کو نہیں ہوا تھا ظاہر ہے کہ ضمیر حصل کے امر خلافت کی طرف راجع ہے اور یہ جملہ مدخول ان شرطیہ کا ہے جو باعتبار اپنی اصل وضع کے مشکوک پر داخل ہوتا ہے معنی یہ ہوئے کہ اگر تمہارے لئے حصول امر خلافت بسہولت ہوسکے تو فبہا اور اگر حصول نہ ہو، تو منازعت سے باز رہنا چاہیئے، غرض حصول امر خلافت حضرت کے لئے مشکوک ہے اور موقوف اس پر ہے کہ اگر بیعت اہل حل وعقد کی آپ کے ساتھ واقع ہوگی تو حصول خلافت ہوگا ورنہ نہیں تو اس سے صاف منصوصیت خلافت جناب باطل ہوگی اور حصول امر خلافت کا دارومدار بیعت اہل حل وعقد پر ہوا خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو درمیان میں مذکور ہوا اصل مقصود یہ ہے کہ اس عبارت سے بانضمام عبارت خطبہ ثانیہ واللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین۔ مثل آفتاب روشن ہے کہ عہد عدم منازعۃ صرف اس وجہ سے تھا کہ جو خلافت واقع ہوگی وہ خلافت راشدہ اور امامت حقہ ہوگی اور اس کے ثبوت سے جو آفت کہ مذہب تشیع پر واقع ہوئی بے پایاں اور اس کا بیان خارج از حد امکان ہے اس کے بعد دوسرا جملہ جو جناب امیر کے کلام میں سے نہج البلاغت میں مذکور ہے یہ ہے فنظرت فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی۔ یعنی بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میں نے اپنے امر میں تامل کیا اور سوچا تو ناگاہ میری طاعت میری بیعت سے سبقت کر چکی تھی، اس جملہ کی ترکیب کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ لفظ طاعتی اور بیعتی میں مصدر مضاف طرف یاء متکلم ہو رہا ہے اور اس میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ مصدر مضاف الی المفعول ہو اور اس کا فاعل محذوف ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مصدر مضاف الی الفاعل ہو اور مفعول محذوف ہو احتمال اول چند وجوہ سے باطل ہے اولاً یہ کہ اضافت الی المفعول خود قلیل ہے چنانچہ رسائل نحو میں مذکور ہے شرح جامی میں ہے۔

وقد یضاف الی المصدر الی المفعول	کبھی مصدر مفعول کی طرف مضاف ہوتا ہے
سواء کان مفعولا بہ او ظرفا او مفعولا لہ علی	خواہ مفعول بہ یا ظرف یا مفعول لہ ہو فاعل کی بہ نسبت
قلۃ بالنسبۃ الی الفاعل۔	قلیل طور پر۔

اور رضی شرح کافیہ صفحہ ۱۵۹ میں لکھا ہے۔

وانما یضاف الی المفعول اذا قامت القرینۃ	جب کہ اس کے مفعول ہونے پر قرینہ قائم ہو
علی کونہ مفعولا اما بمجی تابع لہ منصوب	یا کوئی اس کا تابع منصوب حمد علی المحل نہ آجائے

حملاً علی المحل نحو اعجبنی ضرب زید الکریم او بمجی الفاعل بعدہ صریحاً کقولہٖ امن رسوم دار مربع و مصیف۔ لعینیک من الشؤن وکیف۔ او لقرینۃ معنویۃ نحو اعجبنی اکل الخبز۔

جیسا اعجبنی ضرب زید الکریم یا فاعل اس کے بعد صریح واقع ہو جاتے جیسا قول شاعر میں یا کوئی قرینہ معنویہ ہو جیسا اعجبنی اکل الخبز۔

توجب یہ قلیل ہے تو اس کو کثیر الاستعمال پر بھی ضرورت داعیہ بلا قرینہ ترجیح دینا باطل ہے ثانیاً یہ کہ حسب تصریح شارح جب اس کلام کو اس حال کے بیان پر محمول کیا جاوے جو بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقع ہوا تو بالکل واقع کے اور سیاق کلام کے مخالف ہوگا کیونکہ بعد وفات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سبقت طاعۃ الناس لہ علی البیعت واقع ہوئی ہی نہیں اور حذف مثل عند اللہ وغیرہ تسلیم کرنا خود خلاف ظاہر و خلاف اصل ہے۔ ثالثاً ظاہر ہے کہ یہ کلام بطور تحسر کے صادر ہوئی اور بدیہی ہے کہ اضافۃ الی المفعول کی صورت میں تحسر و تحزن کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ جناب کو مطاع ہونے میں جس کی طرف خواہش و استشراف تھا کیا تحسر لاحق ہو سکتا ہے ہاں جب کہ اضافت الی الفاعل ہو اور آپ مطیع ہوں تو اس وقت تحسر کا اظہار زیبا اور شایان ہے۔ رابعاً اگر اس عبارت کو جناب امیر کے اس تحسر پر محمول کیا جاوے جو مدلول احتمال ثانی کا ہے کہ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں اعباء خلافت کے ثقل سے دل تنگ ہو کر یہ فرمایا تو یہ باوجودیکہ اس سے بھی زیادہ واہی ہے بین الشارحین اشہر نہیں پس بوجوہ مذکورہ ثابت ہوا کہ لفظ طاعتی اور بیعتی میں اضافت مصدر کے الی الفاعل ہے اور اضافت الی المفعول نہیں ہے چنانچہ شارح ابن میثم بھی اسی کا قائل ہوا ہے کہ مصدر مضاف الی الفاعل ہے اور مفعول محذوف ہے لیکن اب گفتگو اس میں ہے کہ دونوں مصدروں کے لئے مفعول کیا محذوف ہے سو اس میں تو ہمارا اور شارح ابن میثم کا اتفاق ہے جو لفظ بیعتی کا مفعول محذوف کیا ہے شارح فرماتا ہے فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی للقوم فلا سبیل الی الامتناع منہا اور ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ جب بیعت اہل حل و عقد سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد اور امام برحق ہو گئے تو عموماً حاضر و غائب کو اور اس کو کہ جس نے بیعت کی تھی اور جس نے نہیں کی تھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت واجب و لازم ہو گئی تو اس کو آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے امر میں فکر کیا تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلے کہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کروں میرا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرنا سابق ہو چکا تھا صرف ہمارے اور شارح ابن میثم کے درمیان میں در باب اظہار تقدیر

قول لفظ بیعتی اس قدر فرق ہے کہ شارح صاحب گول مول لفظ قوم کا فرماتے ہیں اور صاف لفظ ابوبکر نہیں کہتے اور ظاہر ہے کہ مراد شارح کی لفظ قوم سے ابوبکر ہی ہے چنانچہ جملہ آئندہ کی شرح میں بھی اگرچہ لفظ قوم کا فرمایا لیکن ابوبکرؓ کا نام نامی بھی لیا جس سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ قوم سے مراد ابوبکر ہیں کیونکہ مطلق قوم کے بیعت کی کچھ معنی نہیں اگر تھی تو بیعت ابوبکر کی تھی اور شارح بیچارہ معذور ہے ابوبکر کا نام کیونکر لے جاتا ہے کہ تمام مذہب کا استیصال ہوا جاتا ہے لیکن تاہم مجبور ہو کر ایسا لفظ لکھا جو بمنزلہ نام کہنے کے ہے لیکن لفظ طاعتی کے مفعول میں ہمارا اور شارح صاحب کا باہم فی الجملہ اختلاف ہے شارح صاحب لفظ طاعتی کے مفعول کی تقدیر یہ نکالتے ہیں

فاذا طاعتی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما امرنی بہ من ترک القتال۔

ناگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اس میں جس کا مجھ کو حکم فرمایا تھا قتال کے ترک سے۔

اور ہم یہ کہتے ہیں

فاذا طاعتی لابی بکر لاجل انعقاد خلافتہ ولکونہ اماماً حقاً۔

ناگاہ ابوبکر کی فرمانبرداری اس کی انعقاد خلافت اور اس کے امام برحق ہونے کی وجہ سے۔

اس کی تقدیر ہے لیکن ہماری تقدیر صحیح ہے اور تقدیر شارح کی خلاف صواب ہے کیونکہ اولاً اس تقدیر سے جو شارح نے پیدا کی ہے اذا مفاجاتیہ انکار کرتا ہے اس لئے کہ اذا مفاجاتیہ کا مدلول تو یہ ہے کہ وہ جملہ جو مدخول اذا کا ہے اس کے مضمون کا حصول بعد حصول مضمون جملہ سابقہ کے بغتۃً اور فجاءۃً ہوا کرتا ہے اسی واسطے اس کو مفاجاتیہ کہتے ہیں شرح جامی میں ہے۔

یقال فاجاہ الامر مفاجاۃ من قولہم فجئتہ فجاءہ بالضم والمد اذا لقیتہ وانت لا تشعر بہ خرجت فاذا السبع واقف۔

بولتے ہیں فاجاہ الامر مفاجاۃ ماخوذ قول عرب سے فجئتہ فجاءۃ بالضم والمد جب تو اس سے ملے اور اس کو خبر نہ ہو۔

اس کی مثال رسائل نحو میں مذکور ہے اس سے بخوبی یہ مدعا فہم میں آسکتا ہے اب ہم ما نحن فیہ میں اس کو دیکھتے ہیں تو بموجب تقدیر شارح کے حصول مضمون جملہ کا جو مدخول اذا کا ہے فجاءۃً صادق نہیں آتا کیونکہ نہایت بدیہی ہے کہ جس امر کی نسبت خداوند تعالیٰ کی طرف سے احکام بتاکید نازل ہوئے ہوں اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی بابت عہود موثقہ اور مواثیق مؤکدہ لئے ہوں وصیت نامہ باایمان و شہادات لکھا گیا ہو کتاب مختوم بخواتیم خاص اسی مطلب کے لئے نازل ہوئی ہو اور وہ پاس بطور حرز جان موجود ہو تو ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ کوئی عاقل اس امر کا قائل ہو کر حصول

مضمون ایسے جملہ کا جس کا مدلول ایسا موثق ومؤکد ہے بغتۃً اور فجاءۃً ہو فہل ھذا الا کذب صراح ومین بواح۔ ہاں بموجب ہماری تقدیر کلام کے البتہ حصول مضمون جملہ پر فجاءۃ اور بغتۃً ہونا صحیح اور درست صادق آتا ہے کیونکہ دفعۃً بیعت اہل حل وعقد سے خلافت صدیقیہ منعقد ہوگئی اور ہر ایک عام وخاص پر اس کی اطاعت لازم ہوگئی تو جناب امیر نے اس کی نسبت فرمایا کہ میں نے اپنے امر میں سوچا تو اچانک اطاعت ابوبکرؓ کو جو ذرا پیشتر لازم نہیں تھی اپنی بیعت کرنے سے بھی پہلے اپنے اوپر لازم پایا پس اس صورت میں یہ تقدیر اذا مفاجاتیہ کو نہایت چسپاں اور اس کے ساتھ نہایت مربوط ہے اور بخوبی حصول مضمون جملہ بطور مفاجات کے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں جس کو فہم کلام کا ذوق صحیح ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس جگہ دو مصدر مضاف فاعل کی طرف جو بینہما متحد ہے اور وہ ضمیر متکلم کی ہی واقع ہیں اور جب وہ متحد فی الحکم ہیں کہ دونوں وجوب اطاعت کو مقتضی ہیں اور متحد فی الفاعل ہیں کہ دونوں کا فاعل متکلم ہے تو اس کو مناسب اور چسپاں یہ ہی ہے کہ مفعول بھی دونوں کا متحد ہو اور یہ امر ہماری تقدیر کی صورت میں ہے نہ شارح صاحب کی تقدیر کی تو اس سے ثابت ہوا کہ تقدیر کلام یہ ہے فاذا طاعتی لابی بکر قد سبقت بیعتی لہ اور ظاہر ہے کہ لزوم ووجوب اطاعت بدون صحت وحقیت خلافت متصور نہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ جناب امیر کے نزدیک خلافت صدیقیہ حقہ اور خلافت راشدہ واجب الاطاعت ہے وھو المطلوب قطع نظر اس سے اگر ہم صحت تقدیر شارح کو تسلیم بھی کرلیں تاہم اس کا مآل بھی وجوب اور لزوم اطاعت ابی بکر ہے کیونکہ شارح کی تقدیر یہ ہے فاذا طاعتی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ترک المنازعۃ والقتال اور ظاہر ہے کہ اس کے معنی یہ ہی ہیں،

فاذا طاعتی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی طاعۃ ابی بکر۔

اچانک میری فرماں برداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابوبکر کی فرمانبرداری میں۔

اور نہایت بدیہی ہے کہ فاذا طاعتی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی طاعۃ ابی بکر اور

فاذا طاعتی لابی بکر۔

اچانک میری فرمانبرداری ابوبکر کے لئے۔

کا مدعا اور مآل ایک ہے پس اس تقدیر پر بھی ہماری اور شارح کی تقدیر میں صرف لفظی فرق ہوا اور باعتبار معنی کے اتحاد ہی باقی رہا اس امر کا ثبوت کہ اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوبکرؓ کی اطاعت کے بارہ میں محض بوجہ مصلحت عدم ثوران فتن تھی یا یہ کہ یہ اطاعت بوجہ حقیت خلافت ابی بکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی تھی سو اس کو ہم بعون اللہ تعالیٰ ابھی جملہ سابقہ کی شرح میں بیان کر چکے ہیں کہ جناب امیر کا خلافت کو تسلیم کرنا اور منازعۃ نہ کرنا صرف اسی وجہ سے تھا کہ خلافت کو حقہ اور راشدہ سمجھتے تھے بعد اس کے تیسرا جملہ جو آخر میں مذکور ہے یہ ہے واذا المیثاق فی عنقی لغیری یہ جملہ ثبوت حقیت خلافت میں گویا نص صریح ہے اور شارح نے بھی اس جملہ کی شرح میں اس کو مثبت خلافت تسلیم فرمالیا ہے شارح ابن میثم اس کی شرح میں فرماتے ہیں،

قولہ۔ واذا المیثاق فی عنقی لغیری ای میثاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعھدہ الی بعدم المشاقۃ وقیل المیثاق ما لزمہ من بیعۃ ابی بکر بعد ایقاعھا ای فاذا میثاق القوم قد لزمنی فلو یمکننی المخالفۃ بعدہ۔

اور ناگاہ غیر کا میثاق میری گردن میں تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد و میثاق عدم منازعت میں اور بعض کہتے ہیں میثاق وہ ہے جو ابوبکر کی بیعت کا میثاق اس کے واقع کرنے کے بعد آپ کو لازم ہوگیا یعنی قوم کا میثاق مجھ پر لازم ہوگیا اور بعد اس کے مجھ سے مخالفت نہ ہوسکی،

شارح نے اس جملہ کی دو تقدیریں لکھیں اور دو معنی بیان کئے ہیں، ظاہر وبدیہی ہے کہ اس عبارت کے معنی ثانی جو شارح نے بیان کئے وہ سراسر ہمارے مدعا کی مثبت ہیں اور قالع اساس تشیع کیونکہ لزوم بیعت ابی بکر رضی اللہ عنہ بجز اس کے ممکن نہیں کہ ان کی خلافت حقہ راشدہ ہو کیونکہ بحسب اصول تشیع کے کوئی شخص بجز امام برحق کے واجب الاطاعت نہیں اور جو شخص غصباً وعدواناً متقمص خلافت ہو اس کی اطاعت اس کی اعانت اس کی حمایت حرام ہے اور اس کی اطاعت واعانت کرنے والے آثم اور مرتکب حرام کے اور اس کا خذلان واجب ہے۔ پس جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت جناب امیر پر لازم ہوگئی اور یہ لزوم بنص رسول تھا۔ اور بدون خلافت راشدہ ہونے کی لزوم ہو نہیں سکتا تھا تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت، خلافت حقہ اور امامت راشدہ تھی اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جناب امیر اس وقت نہ خلیفہ تھے اور نہ امام تھے اور اس سے شرائط ثلثہ عصمت ونص و افضلیت بھی بالکل باطل ہوگئی اور خود آپ کے علامہ ابن میثم بلکہ شریف رضی بلکہ خود جناب امیرؓ نے ان دو جملوں میں مذہب تشیع کا استیصال کردیا علی الخصوص لفظ بعد ایقاعھا جو شارح نے بڑھایا ہے عجب قدرت الٰہی کا تماشا دکھلاتا ہے شارح نے تو یہ قید جس غرض سے لگائی ہے وہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن وہ بالکل لغو اور باطل ہے اگر ہمارے مجیب لبیب اس کے درپے ہوئے تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ بدلائل اس کے بطلان کو ثابت کر دکھائیں گے حق یہ ہے کہ یہ جملہ ہمارے نہایت مفید مدعا ہے اور

ہمارے نہایت کارآمد ہے اور تقدیر اس جملہ کی یہ ہے و اذا میثاق بیعۃ ابی بکر بعد
القاع القوم ایاھا فی عنقی اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بیعت کے انعقاد کا دارمدار بیعت
اہل حل وعقد پر ہے اور شارح نے باعتبار تقدیر اول کے جو اول معنی بیان فرماتے ہیں وہ غلط ہیں چنانچہ
اس سے پہلے جملہ کی بحث سے ان کا بطلان بخوبی ثابت ہوتا ہے علاوہ اس کے جو پہلے گذارش ہوا
کہ لفظ اذا مفاجاتیہ اس تقدیر سے ابا کرتا ہے یہ التماس ہے کہ اس جملہ کے لئے مقدر و محذوف کی کچھ
ضرورت نہیں اور ظاہر ہے کہ حذف و تقدیر کا ارتکاب اسی جگہ کیا جاتا ہے جس جگہ بدون حذف و تقدیر
کے تصحیح عبارت ممکن نہ ہو اسی واسطے حذف خلاف اصل ہے اور یہ جملہ بجمیع اجزائہ المذکورۃ تام ہے
محتاج کسی خبر کی حذف یا تقدیر کا نہیں ہے کیونکہ اس جملہ کی اصل عبارت اس طرح ہے فاذا میثاق
الغیر فی عنقی اور یہ خود جملہ تام ہے جو اپنی تمامی میں محتاج کسی جزء کا نہیں بجز اس کے کہ خبر ظرف
مستقر ہے جو محتاج متعلق کا ہے سو اس کی تقدیر خارج از بحث ہے پس اس عبارت میں بجز
تقدیم و تاخیر کے حذف کا قائل ہونا بالکل بے ضرورت و خلاف اصل و ناجائز ہے تو اس صورت میں
معنی صاف واضح ہیں کہ میں نے اپنے امر میں فکر کیا ناگاہ میثاق غیر کا میری گردن میں تھا اور پہلے شارح
کی تصریح سے معلوم ہو چکا ہے کہ لفظ غیر سے مراد قوم ہے جس سے مراد ابوبکرؓ ہیں اور یہاں حذف
مضاف الیہ یعنی لفظ رسول کا بطلان ثابت کیا گیا تو اس کے معنی یہ ہوتے،

فاذا میثاق ابی بکر من لزوم بیعتہ
بعد القاع القوم ایاھا فی عنقی فلو
یمکننی المخالفۃ بعدہ،

ناگاہ ابوبکر کا میثاق اس کی بیعت کے لزوم
میں بعد واقع کرنے قوم کے اس کو میری گردن میں
تو بعد اس کے مجھ سے مخالفت نہ ہو سکی۔

اور وہ تقدیر جو شارح نے بیان کی ہے غلط ہو گئی اور دونوں جملے باہم خوب مرتبط ہو گئے اور
اذا مفاجاتیہ کے بھی مناسب ہو گیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وفات کے بیان حال کے ساتھ بھی
نہایت چسپاں ہو گیا اور حاصل عبارت یہ ہوا۔ فنظرت فی امری فاذا طاعتی لابی بکر
قد سبقت بیعتی لہ و اذا میثاق الغیر وھو ابوبکر من لزوم بیعتہ ووجوب طاعتہ
علینا بعد القاع القوم ایاھا فی عنقی فلا سبیل الی الامتناع منہا و یمکننی مخالفتہا۔
علاوہ ازیں اگر شارح کی اس تقدیر کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو بھی ہمارے مدعا کی مناقض نہیں چنانچہ
پہلے جملہ کی تقدیر میں گذارش ہو چکا ہے بلکہ ہمارے مدعا کے موید ہے کیونکہ میثاق رسول اللہ وعہدہ
الی بعدم المشاقۃ کا حاصل اور میثاق رسول اللہ فی لزوم بیعۃ ابی بکر و اطاعتہ

...ل ایک ہے اور یہ ہم معنی۔ میثاق ابی بکر فی لزوم بیعتہ والطاعتہ کا ہے بلکہ ذکر حضرت صلی اللہ علیہ
...کے عہد و میثاق کا اور زیادہ مؤکد ہو گیا اور بمنزلہ دعوی الشئ ببینہ و برہان ہوا الحمد للہ کہ خود جناب
...کے اعتراف اور آپ کے جناب رضی کے نقل اور جناب شارح ابن میثم کی شرح سے صحت و
...ت خلافت خلفاء ثابت ہوئی اور جھگڑا چکا۔ بیت،

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

ثبوت حقیت خلافت خلفاء ثلاثہ کی پانچویں دلیل

دلیل خامس، شریف رضی نے منہج البلاغۃ میں ایک خطبہ نقل کیا ہے جس میں تمام وہ مناقب
و اوصاف بیان فرماتے ہیں جن کا مصداق شیخین کے سوا ممکن نہیں کہ کوئی دوسرا شخص ہو خطبہ
یہ ہے،

ومن کلام لہ للہ بلاد فلان فلقد قوم الاود و
داوی العمد اقام السنۃ وخلف الفتنۃ و
ذھب نقی الثوب قلیل العیب اصاب
خیرھا وسبق شرھا ادی الی اللہ طاعتہ
واتقاہ بحقہ رحل وترکھم فی طرق
متشعبۃ لا یھتدی فیھا الضال ولا
یستیقن المھتدی۔

فلاں شخص کی آزمائش خدا کی بھی ہے خدا کی قسم اس
نے کجی کو سیدھا کیا اور بیماری کا علاج کیا اور سنت
کو برپا کیا اور فتنہ پیچھے چھوڑا اور پاکدامن بے عیب
گیا خلافت کی بھلائی کو پہنچا اور برائی سے گذر گیا
خدا کی طاعت ادا کی اور حق تقویٰ ادا کیا لوگوں کو

بندہ کمترین عرض کرتا ہے کہ ممدوح ان اوصاف و مدائح کے یا ابوبکرؓ یا عمرؓ یا رجل ثالث لیکن
جائز نہیں کہ مراد رجل ثالث ہو کیونکہ جو رجل ثالث کہ مراد ہے وہ یا ابوبکر و عمر سے پہلے ہے یا پیچھے
ظاہر ہے کہ پیچھے بجز عثمان رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت عثمان مراد نہیں اور
نہ کوئی اس کا قائل ہوا تو لامحالہ یہ ممدوح وہ رجل ہو گا جو ابوبکر و عمر سے پہلے زمانہ حیات رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا اور اسی زمانہ میں وفات پا گیا لیکن چند وجوہ سے ممکن نہیں کہ یہ توصیف ایسے
شخص کی ہو جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہے وفات کر گیا ہو کیونکہ اولاً جب وجود باوجود جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موجود ہے وحی نازل ہوتی ہے اور تمام امور وحی خداوندی سے سرانجام
پاتے ہیں اور خود جناب امیر بھی موجود ہیں اور بفضلہ تعالیٰ آپ کو بوجہ قرب و منزلت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہر امر کے رتق و فتق میں دست اندازی ہے اور بفضلہ تعالیٰ اس وقت آپ مخذول و متروک بھی نہیں ہیں تو ایسی حالت میں کسی ایسے شخص کی جو نہ امام ہو اور نہ بالقوہ خلیفہ راشد ہو ایسے اوصاف کے ساتھ موصوف کرنا جو خاص امام کے واسطے ہوں سراسر کذب و خلاف واقع ہے علاوہ ازیں ثانیاً اس خطبہ کے الفاظ خود اس سے اباکرتے ہیں کیونکہ اصاب خیرہا وسبق شرہا کی ضمیریں خلافت کی طرف راجع ہیں شارح ابن میثم فرماتے ہیں والضمیر فی خیرها وشرها للخلافة وان لم یجر ذکرها لکونها معهودة اولتقدم ذکرها انتهی۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص موصوف ان صفات کا ہے اس نے خلافت کو پایا اور بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمات خلافت سرانجام کرکے تمام برائیوں سے بچ کر اور تمام خوبیوں کو سمیٹ کر اپنے ساتھ لے گیا پس ایسا شخص بجز حضرت ابوبکر یا عمر رضی اللہ عنہم کے اور کوئی نہیں ہوا تو اس سے متعین ہوا کہ وہ رجل جو موصوف ان صفات کا ہے یا ابوبکرؓ ہے یا عمرؓ تیسرا شخص کوئی نہیں ہو سکتا ثالثاً اگر سوائے ان دونوں کے کوئی تیسرا ہے تو آپ کے قطب صاحب راوندی اور آپ فرمادیں تو سہی وہ کون ہے اور اس کا نام تو لیں بھلا جو ایسا نمودار شخص ہو اور جس کے ایسے اوصاف ہوں عقل سلیم کب تسلیم کرتی ہے کہ وہ ایسا مجہول الاسم والجسم عنقا صفت ہو کہ جس کو کوئی بھی نہ پہچانے اور ظاہر ہے کہ حضرت امیرؓ نے جو اس کا نام نہیں ذکر فرمایا تو اس کی وجہ یہی ہوگی کہ بوجہ اس کی شہرت کے اوصاف کے ذکر کو نام کے ذکر سے مغنی سمجھا اور صرف اوصاف کے ذکر پر اکتفا کیا اور جب کوئی آپ کو اور آپ کے راوندی صاحب کو ایسا شخص جو موصوف ان اوصاف کا ہو نہیں معلوم ہوتا تو محض یہ تخیل و دسوسہ ہے کہ آپ کے قطب صاحب کے مکاشفہ کی غلطی ہے اگر مصداق ان اوصاف کا حضرات کو دستیاب ہو جاتا تو زمین و آسمان کو باہم ملا دیتے اور کیسا کچھ غل شور نہ مچاتے تو معلوم ہوا کہ بجز ابوبکرؓ و عمرؓ کے تیسرا شخص موصوف ان اوصاف کا نہیں ہو سکتا ہے۔ رابعاً معہذا کچھ اسی موقع پر منحصر نہیں ہے بلکہ جناب امیرؓ نے بعض اور مواقع میں بھی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کی قریب قریب اس کی تعریف و توصیف فرمائی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بھی جناب امیرؓ تعریف و توصیف انھیں کی فرمارہے ہیں نہ شخص ثالث کی جیسا کہ آپ کے قطب صاحب نے توہم فرمایا چنانچہ جواب خط امیر معویہ رضی اللہ عنہ کے تحریر فرماتے ہیں جس کو علامہ ابن میثم نے اپنی شرح کبیر میں نقل کیا ہے۔ وذکرت ان الله اجتبى له من المسلمين اعوانا ايدهم به فكانوا في منازلهم عنده على قدر فضائلهم في الاسلام وكان افضلهم في الاسلام كما زعمت وانصحهم لله ولرسوله الخليفة الصديق وخليفة الخليفة

الفاروق ولعمری ان مكانهما فی الاسلام لعظيم وان المصاب بهما فی الاسلام لجرح شدید یرحمهما الله وجزاهما باحسن ما عملا۔ انتہی بقدر الحاجۃ۔ اور یہ عبارت اس خطبہ کی شرح میں مذکور ہے جس کا عنوان یہ ہے ومن کتاب له الی معویة فاراد قومنا قتل نبینا الخ اس تعریف میں جو حضرت نے قسم کھا کر شیخین کی فرمائی جس کو حضرت رضی نے خطبہ میں سے نکال ڈالا ہے۔ دو جملہ ایسے جامع ذکر فرماتے ہیں جو اوصاف عشرہ مذکورہ سابقہ کو مع شئی زائد جامع ہیں پس اس لئے ہم ان دونوں جملوں کے مضمون کو اس خطبہ کے مضمون سے اور اس مدح و توصیف کو اس مدح و توصیف سے مقابلہ کرکے دیکھتے ہیں اور موازنہ کرتے ہیں پس اس خط میں پہلا جملہ اس خط کا ان مكانهما فی الاسلام لعظيم ہے اور دوسرا جملہ وان المصائب بهما فی الاسلام لجرح شدید ہے ظاہر ہے کہ ہر شخص کی علی الخصوص خلیفہ کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ اس کا معاملہ خدا کے ساتھ جو اپنے ذاتی امور میں ہو مثل تقویٰ و صلاح اعمال و ادائے طاعات و عبادات بجاآوری حقوق اللہ میں ہوگا دوسرا یہ کہ اس کا معاملہ عباد کے ساتھ ان کے حقوق کی بجاآوری کے متعلق ہوگا جناب امیرؓ نے اپنے دونوں جملوں میں دونوں امروں کو جمع فرمایا اور دونوں حقوق کے ادا کرنے کی نسبت ایسی مدح و توصیف فرمائی جو اعلیٰ درجہ کی ہے اور جو حق تعریف کا ہے پہلا جملہ ان مکانهما فی الاسلام لعظیم اگرچہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجاآوری کو شامل ہے لیکن ہم علی سبیل التنزل کہتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی عظمت مکانی فی الاسلام صرف باعتبار بجاآوری حقوق اللہ اور کمال تقویٰ ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم اور دوسرا جملہ ان المصائب بهما فی الاسلام لجرح شدید بصراحت ان کی مدح باعتبار کمال بجاآوری حقوق العباد کے بیان کررہا ہے یہاں تک کہ ان پر مصائب موت کا واقع ہونا یعنی ان کا وفات پانا اسلام میں سخت زخم ہے یا یوں کہئے کہ ہر خلیفہ کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک زمانہ حیات کی کہ جو اپنے زمانہ حیات میں خیرات و حسنات کا حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بجا لاکر ذخیرہ جمع کرے دوسری یہ کہ بعد اس کی وفات کے امت میں اس کی وفات کا کیا اثر پیدا ہوا اور اس کے فقدان سے امت کو کیسا صدمہ پہنچے پس ظاہر ہے کہ پہلا جملہ زمانہ حیات کے حسنات کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے واشگاف بیان کررہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان سے ایسے اعمال حسنہ ظہور پذیر ہوتے جو ان کے باعث عظمت مرتبہ کے عند اللہ تعالیٰ ہوگئے اور دوسرا جملہ واقعات بعد وفات کو پکار پکار کہہ رہا ہے کہ ان کے انتقال کے سبب سے اسلام کو سخت زخم پہنچ گیا ہے چنانچہ مشاہد و محسوس ہے عیاں را چہ بیان کہ شیخین کے انتقال سے اسلام کو ایسا سخت زخم پہنچا جو پھر مندمل نہ ہوا۔ اب ہم ان دو جملوں سے

مضمون کو باعتبار پہلی دو حالتوں کے اوصاف عشرہ سابقہ سے مقابلہ و موازنہ کر کے دیکھتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اوصاف عشرہ میں سے پہلا وصف خلق اللہ کی اعوجاج اور کجی کو سیدھا کرنا اور دوسرا وصف اپنے مواعظ بالغہ کے ساتھ امراض نفسانیہ عباد کا معالجہ اور مداوا کرنا۔ تیسرا وصف سنت نبوی کا قائم کرنا جب کہ اس سے مراد ہو کہ خود موافق سنت کے عمل کرنا۔ چھٹا وصف دنیا سے قلیل العیب رخصت ہونا یعنی معاصی قلیلہ کے ساتھ جانا قلت کا لفظ اسی واسطے فرمایا ہے کہ معصوم نہ تھے آٹھواں وصف خداوند تعالیٰ کی پورے طور پر بندگی بجالانا نواں وصف اتقا کرنا خدا تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ اور اس کے حقوق کو اس کی عقوبت کے لحاظ سے بجالانا یہ چھ اوصاف گویا اس جملہ کی شرح اور تفصیل ہیں جو اس خطہ میں اول مذکور ہوا یعنی ان مکانہما فی الاسلام لعظیم جو مجملاً ان سب وصفوں کا جامع ہے اور تیسرا وصف اگر اس سے مراد یہ ہے کہ سنت نبوی کا لوگوں میں جاری کرنا اور لوگوں کو اس کا پابند کرنا اور عامل بالسنۃ بنانا اور چوتھا وصف فتنہ کو پیچھے چھوڑنا پانچواں وصف دنیا سے پاک صاف لوگوں کی مذمتوں سے اپنے حقوق کی نسبت جانا ساتواں خلافت کی بھلائی عدل وانصاف واقامت دین حاصل کرنا اس کے شرور یعنی فتن اور خونریزی سے محفوظ رہنا دسواں ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہونا کہ بعد میں لوگ جہالتوں کی پیچیدہ رستوں میں گمراہ ہوگئے ہوں کہ جن میں گمراہ کو راہ یابی دشوار ہو اور راہ یاب کو اپنی راہ یابی پر پورا اعتماد نہ ہو یہ پانچوں وصف متعلق حقوق العباد کے ہیں اور گویا شرح جملہ ان المصائب لہما فی الاسلام لجرح شدید کی ہیں بلکہ چوتھا اور دسواں وصف تو گویا اس جملہ کا ہم معنی اور مرادف ہی ہے چنانچہ ظاہر ہے ہم نے بخوف تطویل اجمالاً ذکر کر دیا ہے اور تفصیلاً ہر ایک وصف کو جداگانہ اس کی شرح کر کے جملہ کے اندر داخل کر کے نہیں بیان کیا اگر ایسا کیا جاتا تو زیادہ طوالت ہوتی اہل فہم خود سمجھ لیں بعد اس کے جب ہم اوصاف عشرہ مذکورہ سابقہ کو دونوں جملوں کے ساتھ باعتبار دوسرے دونوں احتمالوں کے مقابلہ کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ جملہ اولیٰ اس خطہ کا ان مکانہما الخ ممدوح کے ان اعمال حسنہ کی جو اپنے زمانہ حیات میں بجا آوری حقوق اللہ یا حقوق العباد سے کی ہے گویا تصویر کھینچی ہوئی ہے اور جملہ ثانیہ ان المصائب بہما الخ ان حالات اور واقعات کو ظاہر کر رہا ہے جو ممدوح کی وفات کے بعد امت کو پیش آئے اور ان صدموں کی خبر دے رہا ہے جن کے سبب سے ممدوحین کے انتقال کے بعد اسلام زخمی مجروح ہوگیا اور یہ ہی دونوں امر ہیں کہ جن کی شرح اور تفصیل اوصاف عشرہ میں مذکور ہے چنانچہ پہلا وصف اور دوسرا اور تیسرا اور پانچواں اور چھٹا اور ساتواں اور آٹھواں اور نواں جملہ اولیٰ کی

شرح ہے جن میں ان حسنات کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ ممدوح اپنے زمانہ حیات میں بجا آوری حقوق اللہ یا حقوق العباد سے کر کے عظمت مرتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک پیدا کر کے لے گیا اور چوتھا اور دسواں وصف جملہ ثانیہ کی شرح ہے اور ان میں ان مصیبتوں کا بیان ہے کہ جو وفات ممدوح کے سبب سے اسلام اور اہل اسلام کو پہنچی۔ غرض یہ تفصیل اور یہ اجمال باہم پورے طور پر مطابق ہیں تو اس تقریر سے ثابت ہوا کہ مدح وثنا کسی تیسرے شخص کی نہیں بلکہ یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے یا جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی۔

حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا دور خلافت ہر قسم کے فتنوں سے پاک تھا

خامساً علامہ ابن میثم نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے کہ موصوف ان اوصاف کا یا ابوبکرؓ ہے یا عمرؓ بلکہ اپنی رائے میں حضرت ابوبکرؓ کو بہ نسبت جناب عمرؓ کے ترجیح دیتا ہے ہم علامہ کی کلام اس کی شرح کبیر سے نقل کرتے ہیں اہل عقل و انصاف ملاحظہ فرمائیں۔

والمنقول ان المراد بفلان عمر وعن القطب الراوندی انہ انما اراد بعض الصحابۃ فی زمن الرسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ممن مات قبل وقوع الفتن وانتشارھا وقال ابن ابی الحدید ان ظاھر الاوصاف المذکورۃ فی الکلام یدل علی انہ اراد رجلا ولی امر الخلافۃ قبلہ لقولہ قوم الاود وداوی العمد ولم یرد عثمان لوقوعہ فی الفتنۃ وتشعبہا بسببہ وزوا ابابکر لقصر مدۃ خلافتہ وبعد عہدہ عن الفتن وکان الاظھر انہ اراد عمر واقول ان ارادتہ لابی بکر اشبہ من ارادتہ لعمر لما ذکر فی خلافۃ عمر و زمنہ

اور منقول یہ ہے کہ مراد لفظ فلاں سے عمر بن خطاب ہے اور قطب راوندی سے منقول ہے کہ صرف بعض صحابہ زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو فتنوں کے واقع ہونے اور پھیلنے سے پیشتر انتقال کر گیا مراد رکھا ہے اور ابن ابی الحدید نے کہا کہ ظاہر اوصاف اس پر دال ہیں کہ وہ شخص مراد ہے جو آپ سے پہلے امر خلافت کا متولی ہوا بسبب اس قول کے کجی کو سیدھا کیا اور بیماری کا علاج کیا۔ اور عثمان تو مراد نہیں ہے کیونکہ وہ فتنوں میں پڑا اور اس کے سبب سے فتنے پھیلے اور ابوبکر بھی بسبب کمی مدت خلافت اور بسبب دور ہونے زمانہ خلافت کے فتن سے مراد نہیں ہے تو گویا ظاہر یہ ہے کہ عمر بن خطاب کو مراد رکھا اور میں کہتا ہوں ابوبکر کو

به في خطبتها المعروفة بالشقشقية كما سبقت الاشارة اليه انتهى بقدر الحاجة.

آپ کا مراد رکھنا بہ نسبت عمر کے زیادہ مشابہ بحق ہے کیونکہ خطبہ شقشقیہ میں خلافت عمر کی مذمت کی ہے چنانچہ اس کی طرف اشارہ گذر چکا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ شارح کے نزدیک لفظ فلاں سے سوائے ابوبکرؓ و عمرؓ کے شخص ثالث مراد ہونا مرجوح ہے کیونکہ اول بطور نقل کے بیان کیا کہ مراد لفظ فلاں سے عمر ہیں پھر قطب راوندی کا قول نقل کیا ہے اس کے بعد ابن ابی الحدید کے قول سے جس میں عقلی طور پر بطلان قول راوندی کا ثابت کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ قطب راوندی کا قول فحوائے عبارت کے سراسر مخالف ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اظہر یہ ہے کہ مراد حضرت عمر ہیں پھر شارح خود کہتا ہے کہ اشبہ بحق یہ ہے کہ مراد ابوبکر صدیق ہیں پس شارح ابن میثم اور ابن ابی الحدید متفق ہیں کہ شخص ثالث مراد نہیں اور تیسرا شخص مصداق ان اوصاف کا نہیں ہو سکتا ہے یہ محض آپ کے قطب صاحب کی ونڈگا تالی یا تصور مکاشفہ ہی ہے کہ نہ عبارت کو دیکھتے ہیں نہ اس کے مضمون کو سمجھتے ہیں اور اپنی توجیہ کئے چلے جاتے ہیں خواہ الفاظ سے پیدا ہو یا نہ ہو خیر ہم کو اس سے کیا بحث خدا تعالیٰ ان کو اس ایمان داری اور دیانت کی جزا دیوے اور دی ہوگی ع۔ جزاہ ربہ عنی عدی بن حاتم الخ۔ ہماری غرض یہ تھی کہ موصوف ان اوصاف کا یا ابوبکر ہیں یا عمر اور یہ ثابت ہو گیا اور بدیہی ہے کہ جو شخص موصوف ان اوصاف کا ہو گا وہ خلیفہ راشد اور امام برحق ہو گا نہ ظالم و غاصب اور فاسق و فاجر کیونکہ امام یا نبی اور وہ قطعاً بالاتفاق شرح مراد نہیں یا ملوک و سلاطین اور ان میں یہ اوصاف قطعاً مفقود ہوتے ہیں یا خلفاء راشدین ہیں اور وہی محمل ان اوصاف کے ہیں لیکن ائمہ اثنا عشر میں سے کوئی مراد نہیں ہے تو ابوبکر یا عمر مراد ہوتے اور ان کا خلیفہ راشد ہونا ثابت ہوا اب ہم ان اوصاف عالیہ کو بغرض عموم نفع شرح سے لکھتے ہیں۔

وقد وصف باصور احدها تقويمه للاود وهو كناية عن تقويمه لاعوجاج الخلق عن سبيل الله الى الاستقامة فيها الثاني مداواته للعمد واستعار لفظ العمد للامراض النفسانية باعتبار استلزامه للاذى كالعمد ووصف المداواة معالجة

اور تحقیق چند اوصاف کے ساتھ اس کو موصوف کیا اول اس کا کجی کو سیدھا کرنا اور یہ کنایہ ہے اس سے کہ اس نے خلق کی کجی کو اللہ کے رستہ سے استقامت اور ہمواری کی طرف سیدھا کیا، دوسری اس کا بیماری کا علاج کرنا اور لفظ عمد کو امراض نفسانیہ کے لئے چونکہ وہ بھی مثل عمد کے تکلیف کو مستلزم ہے استعارہ کیا اور پوری نصیحتوں اور

تلك الامراض بالمواعظ البالغة والزواجر القارعة القولية والفعلية الثالث اقامة للسنة ولزومها الرابع تخليفه للفتنة اي موته قبلها ووجه كون ذلك مدحا له هو اعتبار عدم وقوعها بسببه وفي زمنه بحسن تدبيره الخامس ذهابه نقي الثوب واستعار لفظ الثوب لعرضه ونقاه بسلامته عن دنس المذام السادس قلة عيوبه السابع اصابته خيرها وسبق شرها والضمير في الموضعين يشبه ان يرجع الى المعهود مما هو فيه من الخلافة اي اصاب ما فيها من الخير المطلوب وهو العدل و اقامة دين الله الذي به يكون الثواب الجزيل في الآخرة والشرف الجليل في الدنيا وسبق شرها اي مات قبل وقوع الفتنة فيها و سفك الدماء لاجلها الثامن اداؤه الى الله طاعته التاسع اتقاؤه بحقه اي ادى حقه خوفا من عقوبته العاشر رحيله الى الآخرة تاركا للناس بعده في طرق متشعبة من الجهالات لا يهتدي فيها من ضل عن سبيل الله ولا يستيقن المهتدي في سبيل الله انه على سبيله لاختلاف طرق الضلال وكثرة المخالف له اليها والواو في قوله وتركهم للحال.

بڑی دھمکیوں قولیہ اور فعلیہ کے ساتھ امراض کے معالجہ کو مداوا کے ساتھ وصف کیا تیسری اس کا سنت کو قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا، چوتھی فتنوں کا پیچھے چھوڑنا یعنی فتنوں سے پہلے مرجانا اور یہ اس وجہ سے اس کی مدح ہے کہ اس کی حسن تدبیر سے امت میں فتنے واقع نہ ہوتے، پانچویں اس کا پاک دامن جانا اور ثوب کو اس کی آبرو کے لئے استعارہ کیا اور ثوب کی پاکیزگی کو اس کے سلامت رہنے مذمت و ملامت کی میل کچیل سے استعارہ کیا چھٹی اس کے عیوب کا کم ہونا، ساتویں خلافت کی بھلائی کا پانا اور اس کی برائی سے محفوظ رہنا اور ضمیر خیرہا و شرہا کی مشابہ بحق یہ ہے خلافت کی طرف راجع ہے جو معہود ہے یعنی خلافت سے جو خیر مطلوب ہے اور وہ عدل کرنا اور اللہ کا دین قائم کرنا جس سے عمدہ بدلا آخرت میں اور بڑی بزرگی دنیا میں حاصل ہوتی ہے وہ اس نے پا لیا اور خلافت کے شر سے بچا یعنی فتنوں کے واقع ہونے سے پہلے اور خلافت پر خونریزی سے پیشتر وفات پا گیا آٹھویں اس کا اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی کو ادا کرنا نویں اس کا تقوی کرنا جو کہ حق تقوی کا ہے یعنی اس کے عذاب کے خوف سے اس کا حق ادا کیا دسویں اس کا لوگوں کو اپنے پیچھے جہالت کے پراگندہ رستوں میں کہ جن میں خدا کی راہ سے گمراہ راہ پا سکے اور نہ راہ یاب اپنی راہ پانے پر کہ وہ اللہ کی راہ پر ہے بسبب گمراہی کے رستوں کے اختلاف اور کثرت مخالف کے آپ کی طرف یقین کر سکے، چھوڑ کر آخرت کی طرف کوچ کر جانا۔

عاقل منصف ان اوصاف عالیہ میں غور کرے اور دیکھے کہ جو کچھ ابن ابی الحدید اور ابن میثم اور ہم کہتے ہیں وہ صحیح ہے یا جو کچھ قطب راوندی فرماتے ہیں اور نیز یہ بھی خیال کرے کہ یہ اوصاف مجموعۃً بجز خلیفہ راشد

کے کسی میں پائی جاسکتی ہیں حاشا وکلا اور خلفاء میں سے جب ایک کی بھی خلافت راشدہ ثابت ہو گئی تو سب کی ثابت ہوگئی تو اس سے ثابت ہوا کہ خلفاء خلیفہ راشد تھے اور یہی مدعا تھا اور یہ تغلیط قول قطب الدین راوندی کے جو کی گئی ہے بشرط تسلیم اس امر کی ہے کہ راوندی کا مدعا یہ ہی ہو کہ مراد رجل سے وہ رجل ہے کہ جو زمانہ حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا اور اسی زمانہ میں قبل از وقوع فتن وفات پا گیا ورنہ علامہ ابن میثم نے جو عبارت متضمن مضمون مذہب راوندی نقل کی ہے اس سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ رجل سے مراد ایک صحابی ہے جو وقوع اور انتشار فتن سے پہلے فوت ہو گیا اور ظاہر ہے کہ یہ عبارت ہرگز اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ مراد رجل سے کوئی شخص ثالث سوائے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ہو بلکہ یہ عبارت صاف دلالت کرتی ہے کہ مراد یا ابوبکرؓ ہے یا عمرؓ کیونکہ اولاً وہ شخص جو موصوف ان صفات کا ہو یہ ممکن نہیں کہ زمانہ حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مصدر ان اوصاف کا ہوسکے، اور ثانیاً من مات قبل وقوع الفتن وانتشارہا ہرگز اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ زمانہ حیات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس نے وفات پائی ہو بلکہ اس سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی زندہ رہا۔ ہاں وقوع اور انتشار فتن سے پہلے رحلت کر گیا اور ایسا شخص بجز ابوبکر یا عمر رضی اللہ عنہما کے اور کوئی دوسرا نہیں۔ ابن ابی الحدید سے علامہ ابن میثم نے صاف طور پر نقل کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خلافت شیخین شوائب فتن سے بالکل پاک اور صاف ہے زمانہ فتن بعد وفات جناب فاروق شروع ہوا ہے پس حضرات شیخین پر مضمون عبارت راوندی انا انما اراد بعض الصحابة فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممن مات قبل وقوع الفتنة وانتشارہا بخوبی صادق آتا ہے اور اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ راوندی کے نزدیک بھی مراد رجل سے یا ابوبکر ہیں یا عمر لیکن صاف نام نہیں لیا اور نام لے تو کیونکر لے اس کو اپنے مذہب کی پچ رخصت نہیں دیتی کہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے مذہب کا استیصال کرے۔ پس بحمد اللہ بقول قطب الاقطاب شیعہ وعلامہ ابن میثم وابن ابی الحدید ثابت ہوا کہ مراد ابوبکرؓ ہیں یا عمرؓ الحمد للہ علی وضوح الحق وتضوح الباطل۔ اب وہ جواب بھی ضرور سننے چاہئیں جو حضرات شیعہ نے اس کلام کے جواب میں فرمائے ہیں۔ جواب اول یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ مدح ان لوگوں کی دلجوئی واصلاح کے لئے فرمائی ہو کہ جو صحت وحقیت خلافت شیخین کے معتقد تھے اور یہی ہے یہ جواب نہایت واہی ہے کیونکہ تم تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے یہ مدح دلجوئی کے طور پر فرمائی تھی لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ یہ مدح مطابق واقع ونفس الامر کے تھی یا نہ تھی اگر مطابق واقع کے نہ تھی تو معاذ اللہ اپنے

لوگوں کی دلجوئی کے واسطے قسم کھا کر دس جھوٹ بولے اور جھوٹ وفریب کے ساتھ لوگوں کا دل [illegible] بنا چاہا اور خدا تعالیٰ کی ناراضی کے ساتھ لوگوں کی رضا چاہی اور اس جھوٹ کا نتیجہ صرف یہ تھا کہ لوگ شیخین کی مدح وثنا حضرت کی زبانی خلافت کے بارہ میں سن کر ان کی حقیت خلافت کے معتقد ہوں اور زیادہ گمراہی میں پڑیں پھر اگر بقول ابن میثم کے اگر آپ کو ایسا ہی جھوٹ بول کر کام نکالنا تھا تو بمقابلہ امیر معویہ کے اسی طرح کیوں جھوٹ بول کر کام نہ نکالا، وہاں تو امیر معویہؓ کی [illegible]مت اور اپنی مدح میں فرماتے ہیں کہ وہ فریب کرتا ہے اور ہم دغا اور فریب نہیں کرتے پس آفرین ہے حضرات شیعہ کے ولا وتمسک پر کہ اس کے پردہ میں کیا کیا خوبیاں حضرات ائمہ کی طرف منسوب فرماتے ہیں اور اگر یہ مدح مطابق واقع کے ہے تو ہمارا مدعا ثابت اور یہ جواب لغو اور باطل ہے۔ دوسرا جواب اس کا یہ فرماتے ہیں کہ یہ مدح بطور طنز وتعریض عثمان اور ان کی توبیخ کے تھی بایں معنی کہ بعد اس شخص کے جو ان صفات کے ساتھ متصف تھا جو شخص خلیفہ ہوا وہ ان صفات کے اضداد کے ساتھ متصف تھا اس لئے کہ خلافت عثمانی میں فتنہ اٹھے اور انھوں نے بیت المال کو بے جا صرف کیا جس کے سبب سے ان پر بلوا ہوا یہ جواب بھی ویسا ہی ضعیف اور واہی ہے جیسا کہ پہلا جواب تھا کیونکہ اس میں بھی وہی کلام ہے کہ جو اس جواب میں کی گئی ہے۔ علاوہ اس کے اہل انصاف نظر انصاف سے دیکھیں کہ اس کلام میں کوئی ایسا لفظ مذکور ہے جو طنز وتعریض یا توبیخ پر دلالت کرتا ہو۔ معہذا یہ سب ڈھکوسلہ گھڑا ہوا ہے کیونکہ جناب امیر نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا تھا کہ واللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیہا جور الا علی خاصة ظاہر ہے کہ آپ نے باوجود اس جور وظلم کے سکوت فرمایا تو بقول شیعہ اپنی یمین میں جو طاعت پر تھی حانث ہوئے اور عاصی، علاوہ ازیں یہ جواب خود ہماری موید ہے اور صاف دلالت کرتا ہے کہ مراد رجل سے قطعاً یا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں یا عمر رضی اللہ عنہ کیونکہ طنز وتعریض جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی گئی تو یہ بہ نسبت کسی خلیفہ سابق کے کی گئی گویا یہ کہا گیا کہ فلاں خلیفہ تو ان محامد واوصاف کے ساتھ متصف تھا اور یہ خلیفہ ان اوصاف سے متصف نہیں اور ظاہر ہے کہ پہلے کوئی خلیفہ بجز ابوبکرؓ وعمرؓ کے نہیں ہوا کہ وہ ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو اور اگر واقع میں وہ خلیفہ جس کی بہ نسبت عثمانؓ کو تعریض کی گئی ہو ایسا نہ ہو تو طنز وتعریض کے غلط ہونے کے علاوہ عثمان اور ان کے اولیاء کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے غلط فرمایا پہلے ایسا کون ہوا ہے جو موصوف بایں صفات ہو آپ خود معتقد نہیں ہیں کہ پہلے ایسا کوئی ہوا ہو تو جھوٹ سے الزام نہیں ہو سکتا، پس ثابت ہوا کہ یہ مدح وصفت وثناء ومنقبت ابوبکرؓ کی ہے یا عمرؓ کی اور واقعی اور نفس الامری ہے اور جب یہ ثابت ہوا تو حقیت خلافت کا ثبوت اس کی گویا

فرع ہے وہ بھی ثابت ہوتی باقی اس کی بحث اس جگہ کی جائے گی جس جگہ ہمارے فاضل مجیب نے بہت کچھ جوش وخروش فرمایا ہے۔

ثبوت حقیت خلافت خلفاء کی چھٹی دلیل

دلیلِ سادس: آپ کے امام الائمہ امام کلینی نے فروع کلینی میں باب من یجب علیہ الجہاد ومن لا یجب میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے، جس کو خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الغین میں نقل کیا ہے چونکہ وہ حدیث مثبت خلافت خلفاء ثلثہ ہے اس لیے ہم بھی اس حدیث کو ازالۃ الغین سے نقل کرتے ہیں۔

علی بن ابراھیم عن ابیہ عن بکر بن صالح عن القاسم بن یزید عن ابی عمیر الزبیری عن ابی عبد اللہ قال قلت اخبرنی عن الدعاء الی اللہ والجہاد فی سبیلہ اھو لقوم لا یحل الا لھم ولا یقوم الا من کان منھم ام ھو مباح لکل من وحد اللہ عز وجل وامن برسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ ومن کان کذا فلہ ان یدعوا الی اللہ عز وجل و الی طاعتہ وان یجاھد فی سبیلہ فقال ذلک لقوم لا یحل الا لھم ولا یقوم ذلک ان من کان منھم قلت من اولئک قال من قام بشرائط اللہ عز وجل فی القتال والجہاد علی المجاھدین فھو المأذون لہ فی الدعاء الی اللہ عز وجل ومن لم یکن قائما بشرائط اللہ عز وجل فی الجہاد علی المجاھدین فلیس بمأذون لہ فی الجہاد ولا الدعاء الی اللہ حتی یحکم اللہ فی نفسہ ما اخذ اللہ علیہ من شرائط الجہاد قلت فبین لی یرحمک اللہ تعالی قال ان اللہ تبارک وتعالی اخبر

ابو عمیر زبیری امام ابو عبد اللہ سے روایت کرتا ہے کہا میں نے عرض کیا یا حضرت مجھ کو اللہ کی طرف بلانے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کی خبر دیجئے کیا وہ کسی قوم کے ساتھ مخصوص ہے کہ بجز ان کے کسی دوسرے کو حلال نہیں ہے اور اس کو بجز ان کے کوئی دوسرا برپا نہیں کر سکتا یا وہ ہر ایک شخص کو جو وحدانیت الٰہی کا قائل اور رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معترف ہو مباح ہے کہ اللہ کی اور اس کی بندگی کی طرف بلائے اور اس کی راہ میں جہاد کرے فرمایا یہ ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے کہ بجز ان کے کسی کو حلال نہیں اور سوائے ان کے اس کو اور کوئی برپا نہیں کر سکتا میں نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں فرمایا جو شخص اللہ کی شرائط کے ساتھ قتال وجہاد میں مجاہدین پر قائم ہو، وہ اللہ عز وجل کی طرف دعوت کا مجاز ہے، اور جو ان شرائط کے ساتھ جو مجاہدین پر جہاد میں ہیں قائم نہ ہو تو وہ جہاد کا اور خدا کی طرف دعوت کا مجاز نہیں ہے تاوقتیکہ اللہ اس کے نفس میں شرائط جہاد کا جو اس پر مقرر کی ہیں حکم کرے میں نے عرض کیا تو بیان فرمائیے خدا آپ پر رحمت کرے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی

فی کتابہ الدعاء الیہ ووصف الدعاۃ الیہ فجعل ذلک لھم درجات یعرف بعضھا بعضا ویستدل ببعضھا علی بعض فاخبر انہ تبارک وتعالی اول من دعا الی نفسہ فدعا الی طاعتہ واتباع امرہ فبدأ بنفسہ فقال واللہ یدعوا الی دار السلام ویھدی من یشاء الی صراط المستقیم ثم ثنی برسولہ فقال ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن یعنی بالقران ولم یکن داعیا الی اللہ عز وجل من خالف امر اللہ ویدعو الیہ بغیر ما امر فی کتابہ والذین امر ان لا تدعی الا بہ وقال فی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وانک لتھدی الی صراط مستقیم یقول تدعو ثم ثلث بالدعاء الیہ بکتابہ ایضا فقال ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم ای یدعو ویبشر المؤمنین ثم ذکر من اذن فی الدعاء الیہ بعدہ وبعد رسولہ فی کتابہ فقال ولتکن منکم طائفۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون ثم اخبر عن ھذہ الامۃ وممن ھی وانھا من ذریۃ ابراھیم و من ذریۃ اسمعیل من سکان الحرم ممن لم یعبدوا غیر اللہ قط الذین وجبت لھم الدعوۃ دعوۃ ابراھیم واسمعیل من اھل المسجد الذین اخبر عنھم فی کتابہ انہ اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا الذین وصفنا ھم قبل ھذا فی صفۃ امۃ ابراھیم الذین عناھم اللہ تبارک وتعالی

کتاب میں اپنی طرف دعوت کی خبر دی اور اس کو بیان کیا اور ان کے لئے اس کے درجے مقرر کئے جن میں بعض کو بعض سے جانیں اور بعض پر بعض سے استدلال کریں پس خبر دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے اپنی دعوت کی اور اپنی بندگی اور فرمانبرداری کی طرف بلایا پہلے اپنے آپ کو رکھا اور فرمایا (اللہ جنت کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے) دوسرے اپنے رسول کو مقرر کیا اور فرمایا (اپنے پروردگار کے رستہ کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے جھگڑ اچھے طریقے سے) یعنی قرآن کے ساتھ اور جو اللہ کے حکم کا مخالف ہوا اور قرآنی حکموں کے سوا اس کی طرف بلائے تو وہ اللہ کی طرف داعی نہ ہوگا اور دین ایسا امر ہے کہ بجز اس کے دعوت نہیں کی جاتی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں فرمایا (اور بیشک سیدھی راہ دکھاتا ہے) یعنی بلاتا ہے، پھر تیسری اپنی کتاب کی دعوت کو بیان کیا اور فرمایا (یہ قرآن محکم طریقے کی طرف راہ دکھاتا ہے) یعنی بلاتا ہے اور مژدہ سناتا ہے پھر ان کا ذکر کیا جن کو اپنی اور اپنے رسول اور اپنی کتاب کے بعد دعوت کی اجازت دی ہے اور فرمایا (تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلائیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں اور یہ لوگ فلاح یاب ہیں) پھر اس امت کی خبر دی کہ یہ کون ہے اور یہ ابراہیم واسمعیل کی اولاد حرم کے رہنے والوں سے ہے جنھوں نے خدا کے سوا کبھی کسی کی عبادت نہیں کی اور جن کے لئے ابراہیم واسمعیل کی دعا واجب ہوئی ان مسجد والوں میں سے جن کی خبر اپنی کتاب میں دی ہے کہ ان سے پلیدی دور کر کے ان کو خوب پاک کر دیا اور جن کا ہم نے اس سے پہلے وصف بیان کیا ابراہیم کی امت کی صفت میں اور جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس قول میں ادعو

في قوله ادعوا الى الله على بصيرة انا
ومن اتبعني يعني اول من اتبعه
على الايمان به والتصديق له وبما جاء به
من عند الله عزوجل من الامة التي
بعث فيها ومنها واليها قبل الحق ممن لم
يشرك بالله قط ولم يلبس ايمانه بظلم وهو
الشرك ثم ذكر اتباع نبيه صلى الله عليه واله
وسلم واتباع هذه الامة التي وصفها في
كتابه بالامر بالمعروف والنهي عن المنكر
وجعلها داعية اليه واذن له في الدعاء
اليه فقال يا ايها النبي حسبك الله ومن
اتبعك من المومنين ثم وصف اتباع
نبيه من المومنين فقال عزوجل محمد
رسول الله والذين معه اشداء على
الكفار رحماء بينهم تريهم ركعا سجدا يبتغون
فضلا من الله ورضوانا سيماهم في
وجوههم من اثر السجود ذلك مثلهم
في التوراة ومثلهم في الانجيل وقال
يوم لا يخزي الله النبي والذين
امنوا معه نورهم يسعى بين ايديهم وبايمانهم
يقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انك على
كل شيء قدير يعني اولئك المومنين
فقال قد افلح المومنون ثم حلاهم ووصفهم
كيلا يطمع في اللحاق بهم الا من كان
منهم فقال فيما حلاهم ووصفهم الذين هم

الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔ مراد رکھا ہے یعنی
سب سے پہلے جنھوں نے حضرت کی پیروی کی آپ
پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے میں اس کی
جو آپ خدا تعالیٰ کے پاس سے لاتے اس امت سے جس
کی طرف مبعوث ہوتے حق کو قبول کیا اور کبھی اللہ کے
ساتھ شرک نہ کیا اور نہ اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو جو شرک ہے
ملایا پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا ذکر کیا اور اس
امت کی اتباع جن کا اپنی کتاب میں امر بالمعروف اور نہی
عن المنکر کے ساتھ وصف فرمایا ان کو اپنی طرف بلانے والا
قرار دیا اور ان کو دعوت کا اذن فرمایا اور کہا اے نبی
تجھ کو اللہ اور تیری پیروی کرنے والے مومنین کافی ہیں)
پھر مومنین اپنی نبی کے پیروی کرنے والوں کا وصف بیان کیا
اور فرمایا محمد اللہ کا رسول ہے جو اس کے مصاحب
ہیں کافروں پر سخت اور آپس میں نرم ہیں تو ان
کو رکوع سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے کہ طلب کرتے
اللہ سے فضل اور رضوان کو ان کی علامتیں ان کے
چہروں پر سجدہ کے نشان ہیں یہ ان کی مثل ہے تورات
میں اور مثل ہے انجیل میں) اور فرمایا (جس دن نہ رسوا
کرے گا اللہ نبی کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لاتے
ان کا نور ان کے دائیں بائیں دوڑتا ہوگا کہیں گے
اے رب ہمارے پورا کر ہمارے لئے ہمارا نور اور بخش
ہم کو تو ہر شے پر قدرت والا ہے) یعنی یہ مومنین اور
فرمایا بے شک کامیاب ہوئے ایمان والے پھر ان کو زینت
بخشی اور ان کا وصف کیا تاکہ بجز اس کے جو ان میں سے ہو
ان میں ملنے کی طمع نہ کرے اور ان کی زینت اور وصف میں

صلوتهم خاشعون. والذين
عن اللغو معرضون. الى قوله تعالى
اولئك هم الوارثون الذين يرثون
الفردوس هم فيها خالدون. ثم حلاهم و
وصفهم كيلا يطمع في اللحاق بهم الا من
كان منهم فقال فيما حلاهم به ووصفهم وقال
في وصفهم وحليهم ايضا الذين لا
يدعون مع الله الها اخر الاية ثم اخبر انه
اشترى من هؤلاء المومنين ومن كان
على مثلهم صفتهم انفسهم واموالهم بان
لهم الجنة يقاتلون في سبيل الله
فيقتلون ويقتلون وعدا عليه حقا في
التوراة والانجيل والقران ثم
ذكر وفاءهم له بعهده ومبايعته فقال
ومن اوفى بعهده من الله فاستبشروا
ببيعكم الذي بايعتم به وذلك هو الفوز
العظيم فلما نزل هذه الاية ان الله
اشترى من المومنين انفسهم واموالهم
بان لهم الجنة قام رجل الى النبي صلى الله
عليه وسلم فقال يا نبي الله ارئيتك الرجل
ياخذ سيفه فيقاتل حتى يقتل الا انه يقترف
من هذه المحارم اشهيد هو فانزل
الله عزوجل التائبون العابدون الحامدون
السائحون الراكعون الساجدون الامرون
بالمعروف والناهون عن المنكر والحافظون

فرمایا جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں
اور جو بیہودگی سے معرض ہیں۔ الی قولہ تعالیٰ
یہی وارث ہیں جو جنت فردوس کے
وارث ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے)
پھر ان کو زینت بخشی اور وصف کیا تاکہ بجز اس
کے جو ان میں سے ہو ان میں ملنے کی طمع نہ کرے تو ان
کے وصف اور حلیہ میں فرمایا (جو نہیں پکارتے ہیں اللہ
کے ساتھ دوسرے معبود کو الآیۃ) پھر خبر دی کہ اس نے
ان مومنوں سے اور جو ان کی صفت پر ہیں خریدلی
ان کی جانوں اور مالوں کو اس کے عوض
ہیں کہ ان کے لئے جنت ہوگی اللہ
کی راہ میں لڑیں پس ماریں اور مریں
اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ تورات اور انجیل اور
قرآن میں پھر ان کے عہد کے پورا کرنے کا
اور بیعت کا ذکر کیا (اور جو پورا کرے اپنے عہد کو
اللہ سے تو مژدہ ہو تمہاری بیعت کا جو تم نے کی ہے اور
یہ بڑی کامیابی ہے) جب یہ آیت ان اللہ اشتری
من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ
نازل ہوئی تو ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھا
اور عرض کیا یا نبی اللہ تبلایئے ایک شخص ہے کہ اپنی
تلوار لے کر لڑتا ہے اور مقتول ہوتا ہے لیکن وہ حرام
کاموں کا مرتکب ہوتا ہے کیا وہ شہید ہے تو اللہ نے
نازل فرمایا (توبہ کرنے والے بندگی کرنے والے شکر کرنے
والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے
والے بھلائی کا حکم کرنے والے برائی سے روکنے والے اللہ کی

لحدود الله وبشر المؤمنين ففسر
النبي صلى الله عليه وسلم المجاهدين
من المؤمنين الذين هذه صفتهم و
حليتهم بالشهادة والجنة وقال التائبون
من الذنوب العابدون الذين لا يعبدون
الا الله ولا يشركون به شيئا الحامدون الذين
يحمدون الله على كل حال في الشدة
والرخاء السائحون وهم الصائمون الراكعون
الساجدون الذين يواظبون على الصلوات
الخمس الحافظون لها والمحافظون عليها بركوعها
وسجودها في الخشوع فيها وفي اوقاتها
الآمرون بالمعروف بعد ذلك والعاملون به
والناهون عن المنكر والمنتهون عنه قال
فبشر من قتل وهو قائم بهذه الشروط بالشهادة
والجنة ثم اخبر تبارك وتعالى انه لم يامر
بالقتال الا اصحاب هذه الشروط فقال عز و
جل اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا و
ان الله على نصرهم لقدير الذين اخرجوا
من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله و
ذلك ان جميع ما بين السماء والارض لله عز و
جل ولرسوله ولاتباعه من المؤمنين من
اهل هذه الصفة فما كان من الدنيا في
ايدي المشركين والكفار والظلمة والفجار
من اهل الخلاف لرسول الله صلى الله عليه وسلم
والمولي عن طاعتهما كان في ايديهم ظلموا

حدود کی نگہبانی کرنے والے اور خوشخبری دی ایمان والوں
کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کی ان ایمان
والوں سے جن کی یہ صفت اور یہ زیور ہے شہادت
اور جنت کے ساتھ تفسیر فرمائی اور فرمایا گناہوں
سے توبہ کرنے والے جو سوائے خدا کے کسی کی عبادت
نہیں کرتے اور کسی کو اس کا شریک نہیں کرتے شکر
کرنے والے جو ہر حال سختی و نرمی میں شکر کرتے
ہیں روزہ رکھنے والے رکوع سجدہ کرنے والے
جو پانچوں نمازوں پر مداومت کرتے ہیں اور
اس کے رکوع سجود کے اور اس کے خشوع اور اوقات
کی نگہداشت کرنے والے ہیں بعد اس کے بھلی باتوں کا حکم
کرنے والے اور خود اس پر عمل کرنے والے اور برائی سے
رد کنے والے اور خود باز رہنے والے فرمایا پس خوشخبری سنا
جو ان شرطوں کے ساتھ قائم ہو کر مقتول ہو شہادت
اور جنت پر خدا تعالی نے خبر دی کہ اس نے بجز ان شرطوں
والوں کے کسی کو قتال کا حکم نہیں فرمایا پھر خدائے عز و
جل نے فرمایا اذن دیا گیا ان کے لئے جن سے لوگ لڑتے
ہیں اس سبب سے کہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کے
اوپر قادر ہے جو لوگ نکالے گئے اپنے گھروں سے ناحق
لیکن یہ کہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے) اور یہ اس لئے
کہ تمام جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ تعالی اور اس
کے رسول اور اس کی پیروی کرنے والے مومنوں کا ہے جن
کی یہ صفت ہے تو جو کچھ دنیا میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کے مخالفوں اور اس کے نافرمانوں مشرکین اور کافروں
اور ظالم اور فاجروں کے قبضہ میں ہے اس میں اس صفت

المؤمنين من اهل هذه الصفات و
هو عليه ما افاء الله على رسوله فهو حقهم
الله عليهم ورده اليهم وانما معنى
كلما صار الى المشركين ثم رجع مما قد كان
عليه او فيه فما رجع الى مكانه من قول
و فعل فقد فاء مثل قول الله عز وجل فان فاءوا
فان الله غفور رحيم اي رجعوا ثم قال و
ان عزموا الطلاق فان الله سميع عليم وقال
ان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا
بينهما فان بغت احداهما على الاخرى
فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى امر الله اي ترجع
فان فاءت اي رجعت فاصلحوا بينهما بالعدل
واقسطوا ان الله يحب المقسطين يعني بقوله
تفيء ترجع فذلك الدليل على ان الفيء كل
راجع الى مكان قد كان عليه او فيه ويقال للشمس
اذا زالت قد فاءت الشمس حين تفيء الفيء
عند رجوع الشمس الى زوالها وكذلك ما افاء
الله على المؤمنين من الكفار فانما هي حقوق
المؤمنين رجعت اليهم بعد ظلمهم اياهم
وذلك قوله اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا
ما كان المؤمنين احق به منهم وانما اذن
المؤمنين الذين قاموا بشرائط الايمان
التي وصفناها وذلك انه لا يكون ماذونا له في
القتال حتى يكون مظلوما ولا يكون مظلوما حتى
يكون مؤمنا ولا يكون مؤمنا حتى يكون قائما

کے ایمان والوں پر ظلم کیا ہے اور ان پر غلبہ کر کے لے
لیا جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو بطور فے کے دیا ان کا حق
ہے کہ اللہ نے ان پر لوٹایا اور حرف فے کے معنی ہر وہ
شے جو مشرکوں کی طرف چلی جاتے پھر لوٹ آئی جس حال پر تھی
تو جو چیز اپنے مکان پر لوٹ آئی تو اس کے لئے لفظ
فاء ہے چنانچہ اللہ عز و جل کا قول فان فاؤا فان اللہ
غفور رحیم یعنی اگر لوٹیں پھر فرمایا۔ فان عزموا الطلاق
فان اللہ سمیع علیم۔ وان طائفتان من المومنین
اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احدٰہما علی الاخریٰ
فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ یعنی
لوٹ فان فاءت۔ یعنی لوٹے فاصلحوا بینہما بالعدل
واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین۔ تو مراد تفی
سے یہ ہے کہ لوٹے تو یہ دلیل ہے کہ فی ہر
وہ شی ہے جو اپنے پہلے حال میں لوٹ آوے
دھوپ کو کہتے ہیں جب ڈھل جائے قد فاءت
الشمس جب کہ آفتاب کے زوال کی طرف لوٹنے کے
وقت سایہ پھر آئے اور اسی لئے جو کچھ مومنوں کو
اللہ نے کفار سے بطور فی کے دلوایا ہے وہ صرف
مومنوں کا حق ہے جو ان کی طرف بعد کفار کے ظلم کے
ان پر واپس آگیا۔ اور یہ اللہ کا قول ہے (اذن
دیا گیا ان کو جن سے کفار لڑتے ہیں بسبب اس کے
ان پر ظلم ہوا ہے) مومن بہ نسبت ان کے زیادہ حق دار
نہیں تھے اور صرف ان مومنوں کو اذن دیا گیا ہے جو ایمان
کی شرائط کے ساتھ متصف جن کا ہم بیان کر چکے اور یہ اس لئے کہ
ماذون نہ فی القتال نہیں تھے یہاں تک کہ مظلوم ہوا اور مظلوم نہیں تھے

بشرائط الایمان التی شرط الله عز وجل
علی المؤمنین وللمجاهدین فاذا کاملت
فیه شرائط الله عز وجل کان مؤمنا واذا کان
مومنا کان مظلوما واذا کان مظلوما کان
ماذونا فی الجهاد بقوله عز وجل اذن
للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله
علی نصرهم لقدیر الآیة وان لم یکن مستکملا
بشرائط الایمان فهو ظالم ممن ینبغی و
یجب جهاده حتی یتوب ولیس مثله ما
ذونا فی الجهاد والدعاء الی الله عز وجل
لانه لیس من المومنین المظلومین الذین
اذن لهم فی القتال فلما نزلت هذه الآیة اذن
للذین یقاتلون بانهم ظلموا فی المهاجرین
الذین اخرجهم اهل مکة من دیارهم
واموالهم احل لهم جهادهم بظلمهم ایاهم
واذن لهم فی القتال فقلت فهذه الآیة
نزلت فی المهاجرین بظلم مشرکی
اهل مکة لهم فما بالهم فی قتال کسری و
قیصر ومن دونهم من مشرکی قبائل
العرب فقال لو کان انما اذن لهم فی قتال
من ظلمهم من اهل مکة لم یکن لهم الی قتال
جموع کسری وقیصر وغیر اهل مکة من
قبائل العرب سبیل لان الذین ظلموهم
غیرهم وانما اذن لهم فی قتال من
ظلمهم من اهل مکة لاخراجهم ایاهم من

یہاں تک کہ مومن نہ ہو اور مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ [illegible]
کی ان شرائط کے ساتھ قائم ہو جو اللہ نے مومنوں اور مجاہدوں
کے ساتھ شرط کی ہے پس جب اس میں اللہ تعالیٰ کی شرطیں
پوری ہوں گی تو مومن ہوگا اور جب مومن ہوگا مظلوم ہوگا
اور جب مظلوم ہوگا ماذون فی الجہاد ہوگا بسبب قول عز وجل کے
اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی
نصرہم لقدیر الآیۃ۔ اور اگر مستکمل ایمان کی
شرائط کو [illegible] نہ ہو تو وہ ظالم ہے اس پر
جہاد کرنا واجب ہے یہاں تک کہ توبہ کرے اور ایسا
شخص جہاد کرنے اور اللہ کی طرف بلانے میں ماذون
نہیں کیونکہ وہ ان مومن مظلوموں میں سے نہیں
ہے جن کو جہاد کا اذن ہوا ہے جب آیت اذن
للذین یقاتلون بانہم ظلموا ان مہاجرین کے باب
میں جن کو اہل مکہ نے ان کے شہروں اور مالوں
سے نکال دیا تھا اُتری تو بسبب ظلم کفار کے ان کو
جہاد حلال ہوا اور قتال کی اجازت ہوئی میں نے عرض کیا
یہ تو مہاجرین میں بسبب ظلم مشرکین مکہ کے نازل ہوئی
پھر کسریٰ و قیصر وغیرہ مشرکین قبائل
عرب سے لڑائی کا کیا حال ہے فرمایا اگر
اہل مکہ کی لڑائی کا اذن ہوتا تو پھر کسریٰ
و قیصر کے لشکر اور قبائل عرب غیر
اہل مکہ سے لڑائی کی کوئی راہ نہیں کیونکہ ظلم
کرنے والے ان کے غیر ہیں اور ان کو صرف
اہل مکہ کے قتال کا اذن تھا جنھوں نے
ان پر ناحق ان کے گھروں سے اور مالوں سے

دیارهم و اموالهم بغیر حق ولو کانت الآیة انما
عنت المهاجرین الذین ظلمهم اهل مکة
کانت الآیة مرتفعة الفرض عمن بعدهم اذا
لم یبق من الظالمین والمظلومین احد و کان
فرضها مرفوعا عن الناس بعدهم اذا لم یبق
من الظالمین والمظلومین احد ولیس کما
ظننت ولا کما ذکرت ولکن المهاجرین ظلموا
من جهتین ظلمهم اهل مکة باخراجهم
من دیارهم واموالهم فقاتلوهم باذن الله
تعالی لهم فی ذلک وظلمهم کسری وقیصر
ومن کان دونهم من قبائل العرب والعجم بما
کان فی ایدیهم مما کان المؤمنون احق به
منهم فقد قاتلوهم باذن الله عز وجل لهم
فی ذلک وبحجة هذه الآیة تقاتل
مؤمنو کل زمان وانما اذن الله عز وجل
للمؤمنین الذین قاموا بما وصف الله
عز وجل من الشرائط التی شرطها
الله علی المؤمنین فی الایمان والجهاد
ومن کان قائما بتلک الشرائط فهو مؤمن
وهو مظلوم وماذون له فی الجهاد بذلک
المعنی ومن کان علی خلاف ذلک فهو ظالم
ولیس من المظلومین ولیس بماذون له
فی القتال ولا بالنهی عن المنکر والامر بالمعروف
لانه لیس من اهل ذلک ولا ماذون له فی
الدعاء الی الله عز وجل لانه لیس مجاهد امثله

نکالنے کا حکم کیا تھا اور اگر اس آیت سے
صرف مہاجرین ہی مراد ہوں جن پر اہل مکہ
نے ظلم کیا تو پچھلوں سے اس آیت کا
مدعا ہی مرتفع ہو جائے جب کہ ان
ظالموں اور مظلوموں میں سے کوئی باقی نہ
رہے اور ان کے بعد یہ فرض ہی اٹھ جائے
جب کہ ظالم اور مظلوم کوئی باقی نہ رہے اور ایسا
نہیں ہے جو تو نے گمان کیا اور بیان کیا لیکن
مہاجرین دو طرح سے مظلوم ہیں اہل مکہ نے تو ان
کو گھروں اور مالوں سے نکالنے میں ظلم کیا تو ان سے
خدا کے اذن کے ساتھ لڑے اور کسریٰ و قیصر
وغیرہ قبائل عرب نے اس پر قبضہ کرنے میں
ظلم کیا جو مومنوں کا حق تھا ان سے بھی
خدائے عز وجل کی اجازت سے
لڑے اور اس آیت کی حجت کے ساتھ ہر
زمانہ کے مومن لڑیں گے اور اللہ نے
صرف ان مومنوں کو اجازت
دی ہے جو اللہ کی ان شرائط کے ساتھ قائم ہوں
جو اللہ نے مومنوں سے ایمان اور جہاد میں کی ہیں اور جو
ان شرائط کے ساتھ قائم ہو وہ مومن اور مظلوم اور
ماذون فی الجہاد ہے اسی سبب سے اور جو اس کے خلاف
ہو وہ مظلوم نہیں ظالم ہے اور نہ اس کو قتال کا اذن
ہے اور نہ بھلائی کے حکم اور برائی سے روکنے کی اس کو
اجازت ہے کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے اور نہ خدائے
عز وجل کی طرف بلانے کا مجاز ہے کیونکہ وہ ان جیسے

وامر بدعائه ولا يكون مجاهدا من قد
امر المؤمنون بجهاده او حظر الجهاد عليه و
منعه منه ولا يكون داعيا الى الله عزوجل من
امر بدعاء مثله الى التوبة والحق والامر
بالمعروف والنهي عن المنكر ولا يأمر بالمعروف
من قد امر ان يؤمر به ولا ينهى عن
المنكر من قد امر ان ينهى عنه فمن
كانت قد تمت فيه شرائط الله عزوجل
التي وصف بها اهلها من اصحاب النبي
صلى الله عليه وسلم وهو مظلوم فهو ماذون
في الجهاد كما اذن لهم لان حكم الله عزو
جل في الاولين والآخرين وفرائضه
عليهم سواء الا من علة او حادث يكون
والاولون والآخرون ايضا في منع الحوادث
شركاء والفرائض عليهم واحدة يسأل
الآخرون من اداء الفرائض عما يسأل
عنه الاولون ويحاسبون عما يحاسبون
ومن لم يكن على صفة من اذن له في الجهاد
من المومنين وليس من اهل الجهاد وليس بما
ذون له فيه حتى يفي بما شرط الله عزوجل
عليه فاذا تكاملت فيه شرائط الله عزوجل
على المومنين والمجاهدين فهو من الماذونين
لهم في الجهاد فليتق الله عزوجل عبد
ولا يغتر بالاماني التي نهى الله عزوجل
عنها من هذه الاحاديث الكاذبة على الله

لوگوں میں سے جن سے جہاد کرنے اور جس کے
خدا کی طرف بلانے کا حکم ہے اور وہ شخص مجاہد
نہیں ہو سکتا جس کے جہاد کا مومنوں کو حکم ہو
یا اس کو جہاد ممنوع ہو اور وہ شخص خدا کی
طرف داعی نہیں ہو سکتا جس کو توبہ اور حق اور امر
بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلانے کا حکم
ہو اور وہ شخص بھلائی کا حکم نہیں کر سکتا جس کی
بھلائی کے حکم کے جانے کا حکم ہو اور نہی عن المنکر
نہیں کر سکتا جس کے خود باز رہنے کا حکم ہو اور جس
شخص میں اللہ کی شرائط پوری ہوں جن کے اہل کا
اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وصف فرمایا اور وہ
مظلوم ہو تو وہ ماذون فی الجہاد ہے جیسے ان کو
اذن تھا کیونکہ اللہ کا حکم اور اس کے فرائض
میں پہلے اور پچھلے برابر ہیں مگر یہ کہ کوئی علت یا حادثہ پیش
آدے اور پہلے اور پچھلے ہی حوادث کے منع میں شریک
ہیں اور فرائض میں متحد ہیں جن فرائض سے پہلے پوچھے
جاتے ہیں پچھلے بھی سوال کئے جائیں گے اور جس کا
پہلوں سے حساب ہوگا پچھلوں سے بھی ہوگا اور جو شخص
ان کی صفت پر نہ ہو مومنوں سے جن کو جہاد کی اجازت ہے
تو وہ اہل جہاد سے ہے نہ ماذون ہے یہاں تک کہ اللہ کی
شرط کو پورا کرے پس جب اس میں اللہ کی شرائط
جو مومنوں اور مجاہدوں پر ہیں پوری ہوں تو وہ
ان میں سے ہے جن کو جہاد کا اذن ہے تو بندہ خدا
سے ڈرے اور ان جھوٹی باتوں کی امیدوں سے دھوکہ
نہ ہو جن سے اللہ عزوجل نے منع کیا ہے
جن کو قرآن جھٹلاتا ہے اور جس سے اور جس کے

التي يكذبها القرآن ويتبرأ منها ومن
حملتها وروايتها ولا يقدم على الله عزوجل
بشبهة لا يعذر بها فانه ليس وراء
المتعرض للقتل في سبيل الله منزلة يؤتى
الله من قبلها وهي غاية الامال في عظم
قدرها فليحكم المرء لنفسه وليرها
كتاب الله عزوجل ويعرضها عليه فانه لا
احد اعرف بالمرء من نفسه فان وجدها
قائمة بما شرط الله عليه في الجهاد
فليقدم على الجهاد وان علم تقصيرا فليصلحها
وليقمها على ما فرض الله عليها من الجهاد
ثم ليقدم بها وهي طاهرة مطهرة من
كل دنس يحول بينها وبين جهادها ولا نقول
لمن اراد الجهاد وهو على خلاف ما وصفنا
من شرائط الله عزوجل على المؤمنين
والمجاهدين لا يجاهدوا ولكن نقول
قد علمناكم ما شرط الله عزوجل على اهل
الجهاد الذين بايعهم واشترى منهم
انفسهم واموالهم بالجنان فيصلح المرء ما
علم من نفسه من تقصير عن ذلك وليعرضها
على شرائط الله فان رأى انه وفى بها و
تكاملت فيه فانه ممن اذن الله عزوجل
في الجهاد وان ابى ان لا يكون مجاهدا على
ما فيه من الاصرار على المعاصي والمحارم
بالاقدام على الجهاد بالتخبط والعمى

اٹھانے والوں سے اور جن کی روایت سے بیزار ہوتا
ہے فریب نہ کھاوے اور اللہ عزوجل پر شبہ کے ساتھ
پیش قدمی نہ کرے کیونکہ اللہ کی راہ میں تعرض کرنے
کے سوائے کوئی مرتبہ نہیں ہے کہ اس سے پہلے
اللہ دیوے اور وہ امیدوں کی منتہا ہے اپنی قدر کی
عظمت میں۔ پس چاہیئے کہ کتاب اللہ کو آدمی اپنے نفس
کے لئے حکم بنا دے اور اس کو خوش کرے کیونکہ اپنے
آپ کو اپنے نفس سے زیادہ کوئی پہچاننے والا نہیں اگر
اپنے نفس کو اللہ کی شرطوں پر قائم پا دے تو جہاد پر
پیش قدمی کرے اور اگر کوتاہی سمجھے تو اس کی اصلاح کرے
اور ان شرطوں پر قائم کرے جو اللہ نے جہاد میں مقرر
کی ہیں پھر میل کچیل سے جو اس میں اور جہاد میں
حائل تھا پاک صاف ہو کر پیش قدمی کرے۔ جو لوگ کہ
جہاد کا ارادہ کرنے والے ان اوصاف پر نہیں
ہیں جو مومنین مجاہدین کے ہیں ہم ان کو یہ نہیں کہتے
کہ وہ جہاد نہ کریں لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہم نے تم کو
سکھلا دیا ہے جو اللہ نے ان اہل جہاد سے شرط کی
ہے جن کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خریدا
پس آدمی اپنے نفس میں اس سے جو کوتاہی دیکھے
اس کی اصلاح کرے اور اس کو اللہ کی شرائط پر پیش
کرے پھر اگر دیکھے کہ وہ اس میں پوری ہو گئی ہیں تو وہ
ان میں ہے جن کو جہاد کا اذن ہے اور اگر باوجود معاصی
اور حراموں پر اصرار کے اور خبط اور اندھے پن کے
ساتھ جہاد پر اقدام کے اور نادانی اور جھوٹی روایتوں کے
ساتھ اللہ عزوجل پر پیش قدمی کی اس کو نہ مانے کہ مجاہد

والقدوم علی اللہ عزوجل بالجھل والروایات الکاذبة فلقد عمی بی جاء الوثر فیمن فعل ھذا الفعل ان اللہ عزوجل ینصر ھذا الدین باقوام لا خلاق لھم فلیتق اللہ عزوجل امرء ولیحذر ان یکون منھم فقد بین لکم ولا عذر لکم بعد البیان فی الجھل ولا قوة الا باللہ حسبنا اللہ علیہ توکلنا والیہ المصیر انتی علیہ توکلنا والیہ المصیر

نہ ہو پس مجھ کو اپنی زندگانی کی قسم جو یہ کام کرے اس کے باب میں حدیث وارد ہوئی ہے نہ تحقیق اللہ عزوجل اس دین کی ایسی اقوام کے ساتھ مدد کرتا ہے جن کو آخرت میں حصہ نہیں ہے پس آدمی کو چاہیئے کہ خدا سے ڈرے اور خوف کرے کہ ان میں سے ہو تمہارے واسطے بیان کردیا ہے اور بعد بیان کے جہل میں تمہارے لئے کچھ عذر نہیں ولا قوة الا باللہ حسبنا اللہ

اس طویل حدیث کا مدعا و مفہوم، ماذون فی الجہاد کون لوگ ہیں؟

چونکہ اس حدیث کی عبارت سہل ہے محتاج ترجمہ و بیان حاصل مطلب نہیں اور نیز ہم نے بخوف طوالت ترجمہ اور حاصل مطلب بیان کرنا ترک کردیا ہے اس لئے ہم ترجمہ اور حاصل مطلب نہیں لکھتے لیکن چند فوائد جو بداہتہً اس حدیث سے واضح ہیں بیان کرکے اپنے مدعا کے ثبوت جو اثبات خلافت ہے استدلال کرتے ہیں پس واضح ہو کہ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جہاد اور دعوت الی اللہ کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص ہے یا ہر مومن موحد کرسکتا ہے فرمایا کہ ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے کہ بجز ان کے کسی کو حلال نہیں میں نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں فرمایا کہ اس کے لئے شرائط ہیں جو لوگ مستجمع شرائط ہوں وہی ماذون فی الجہاد ہوں گے میں نے عرض کیا بیان کیجئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اس کے درجات مقرر فرمائے ہیں اور درجہ بدرجہ بیان فرما کر آخر میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو مومنین بیان فرمایا اور فرمایا کہ یہ لوگ مصداق آیت محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم الآیة کے ہیں پھر ان کو اوصاف مندرجہ آیت قد افلح المؤمنین الذین ھم فی صلوتھم خاشعون الآیة کے ساتھ متصف فرمایا کہ ان میں لحوق کی طمع نہ کرے مگر جو ان میں سے ہو پھر ان کا وصف آیت والذین لا یدعون مع اللہ الھا آخر

کے ساتھ بیان کیا پھر خبر دی کہ خدا تعالیٰ نے ان کے مالوں اور جانوں کو جنت کے بدلے خرید لیا راہ خدا میں ماریں اور مریں جب یہ آیت نازل ہوئی ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم الآیة تو ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہؐ ایک شخص اپنی تلوار لے کر مقابلہ کرتا ہے یہاں تک کہ مقتول ہوتا ہے کیا وہ شہید ہے تو یہ آیت نازل ہوئی التائبون العابدون الحامدون الآیة حضرت نے اس آیت کی تفسیر فرمائی اور فرمایا مژدہ شہادت اور جنت کا اس کو ہے جو ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو کر مقتول ہو پھر خدا تعالیٰ نے خبر دی کہ خدا تعالیٰ نے کسی کو قتال کا امر نہیں کیا مگر جو لوگ کہ ان شرائط کے ساتھ متصف ہوں چنانچہ ارشاد ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا الآیة اور یہ اس لئے کہ تمام اشیاء مابین السماء والارض خدا و رسول کی اور ان مومنین کے ہیں جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں پس جو کچھ کفار کے قبضہ میں ہے وہ سب مومنین موصوفین بالصفات کا ہے لیکن کفار نے مومنین پر ظلم کیا اور ان پر غالب ہوگئے اور جب مظلوم ہوتے تو ماذون فی الجہاد ہوتے اور مظلوم نہیں ہوتا جب تک کہ مومن نہ ہو اور مومن اس وقت ہوگا جب شرائط مذکورہ کے ساتھ متصف ہو پس جو شخص شرائط مذکورہ کے ساتھ متصف ہوگا مومن ہوگا اور جو مومن ہوگا مظلوم ہوگا اور جو مظلوم ہوگا ماذون فی الجہاد ہوگا بدلیل قولہ تعالیٰ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا الآیة جب یہ آیت مہاجرین کے لئے نازل ہوئی جن کو کفار مکہ نے ان کے گھروں سے نکال دیا تھا تو ان کے لئے بسبب ان کی مظلومی کے جہاد حلال ہوا، میں نے عرض کیا کہ یہ آیت مہاجرین کے لئے تو اس وجہ سے نازل ہوئی کہ ان پر اہل مکہ نے ظلم کیا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ کسرےٰ و قیصر اور سوا ان کے مشرکین عرب سے کیوں لڑے نہ انھوں نے ظلم کیا نہ گھروں سے نکالا، فرمایا کہ اگر اذن بالقتال خاص بسبب ظلم اہل مکہ کے ہو تو پھر واقعی کسریٰ وغیرہ کی جواز قتال کی کوئی سبیل نہیں اور یہ فرض قتال ہی لوگوں سے اٹھ جاتے لیکن اس طرح نہیں جیسا تو نے گمان کیا بلکہ کفار کا ظلم دو طرح ہے اہل مکہ کا ظلم تو یہ ہے کہ مومنین کو ان کے گھروں سے نکالا اور کسریٰ وغیرہ کا ظلم اس طور ہے کہ جو کچھ ان کے قبض و تصرف میں ہے وہ مومنین کا حق ہے جس پر کفار ظلماً غالب ہوگئے تو خدا کے حکم اور اجازت کے موافق مومنین نے کسریٰ و قیصر وغیرہ سے مقابلہ کیا اور اسی طرح ہر زمانہ کے مومن اس آیت کی دلیل سے کفار کے ساتھ مقاتلہ کریں گے، پس اس حدیث سے بدلالت واضح ثابت و متحقق ہے کہ جن لوگوں نے کسریٰ و قیصر سے جہاد کیا وہ ماذون فی الجہاد تھے تو معلوم ہوا کہ مظلوم تھے۔ اور مظلوم نہیں ہوسکتا جب تک مومن کامل نہ ہو تو ثابت ہوا کہ وہ مومن

کامل تھے اور جب مومن تھے تو ثابت ہوا کہ متصف بشرائط و اوصاف مذکورہ تھے کہ رسول م کے رفقاء و مصاحبین کفار پر سخت مومنین کے ساتھ نرم عبادت میں سرگرم بارگاہ خداوندی میں اس کے فضل و رضوان کے طالب ان کے خلوص ارادت و حسن عبادت کی وجہ خداوند تعالیٰ نے کتب مقدسہ توراۃ و انجیل میں ان کی مدح و توصیف کو بطور مثل کے بیان فرمایا اور ان سے وعدہ مغفرت اور اجر عظیم کا دار آخرت میں فرمایا اور جیسے دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار اور رفیق غمگسار رہے آخرت میں بھی اس کا نتیجہ ان کو یہ ملے گا کہ نور ان کے آگے آگے جلو میں ہوگا اور انبیاء کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور نیز فلاح یاب کامل الایمان خاشعون فی الصلوٰۃ بیہودگی سے مجتنب اور معرض زکوٰۃ دینے والے عفیف امانات کے ادا کرنے والے عہد کے پورا کرنے والے اپنی سچی شہادتوں پر قائم اور ان حضرات نے بسبب ان اوصاف کے جنت الفردوس کو میراث میں پایا ہے گناہوں سے توبہ کرنے والے خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کرنے والے ہر ایک حال میں خدا تعالیٰ کی حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے، نمازوں کو ان کے اوقات پر پورے طور پر ادا کرنے والے لوگوں کو معروف کا حکم کرنے والے اور آپ بجا لانے والے، منکر سے روکنے والے اور خود باز رہنے والے، اور خدا کی حدود کی محافظت کرنے والے، پس یہ صفات ہیں جن کی وجہ سے حق تعالیٰ نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا خدا کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں خدا کا سچا وعدہ ہے توراۃ اور انجیل و قرآن میں جس نے خدا کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا خوش ہوا اپنی بیع کے ساتھ اور یہ بڑی کامیابی ہے پس یہ اوصاف ہیں جن کے ساتھ وہ مہاجرین متصف ہیں جن کو کفار نے مکہ سے نکال دیا اور ان اوصاف کے ساتھ وہ مہاجرین موصوف ہیں جنہوں نے باجازت تامہ خداوندی، اذن للذین یقاتلون الآیۃ کسریٰ و قیصر کے ساتھ جہاد کیا اور ان سے اپنا حق واپس لیا پس اگر معاذ اللہ یہ حضرات جن کی بشہادت امام جعفر صادق جو مامور باظہار ما ہو الحق تھے یہ اوصاف ہیں کافر و منافق ہوں اور غاصب خلافت مرتضوی اور فدک فاطمی ہوں یا محرف قرآن اور محرق بیت اہل بیت ہوں یا اہل بیت کی تذلیل کریں یا معاذ اللہ بنات کو غصب کریں یا جناب فاطمی کو صدمہ ضرب پہنچا دیں جس سے اسقاط محسن ہو کر سر دو وفات پا دیں یا صحابہ مقبول کو زود کوب اور تذلیل و توہین کریں الی غیر ذلک من الافتراءات تو لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ امام جعفر صادق نے جو کچھ فرمایا وہ جھوٹ ہے اور اس باب میں آپ جھوٹے ہوں اور یہ محال ہے تو ثابت ہوا کہ شیخین مجاہد قیصر و کسریٰ اوصاف مذکورہ کے ساتھ قطعاً و یقیناً متصف تھے اور ثابت ہوا کہ خدا اور رسول کے نزدیک صاحب مراتب رفیعہ اور مدارج عالیہ تھے اور ان کی امامت حقہ اور خلافت راشدہ تھی والحمد للہ علی ذلک اور نیز اس سے بالبداہۃ اس کا بھی بطلان واضح ہو گیا جو آپ کے علامہ رضی نے نہج البلاغۃ میں مہاجر ہونے کے لئے معرفت حجت یعنی امام کی شرط کی ہے۔

ثبوت حقیت خلافت خلفاء کی ساتویں دلیل

دلیل سابع، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام مرض الموت میں باوجودیکہ تمام اصحاب کبار مہاجرین و انصار اس وقت حاضر و موجود تھے مسجد نبوی میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی جا بجا پیشوائے نماز مقرر فرمایا اور تمام حاضرین پر امامت نماز میں مقدم کیا اور سب کا امام بنایا تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمام حاضرین پر اوصاف استحقاق امامت میں فضیلت اور تقدم رکھتے تھے چنانچہ حسب تصریح خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی رفع اللہ درجتہ فی العلیین آپ کے مولانا مجلسی وغیرہ نے بحار وغیرہ میں اس کی روایات نقل فرما کر جواب دیئے ہیں قطع نظر اس سے اگر مجیب لبیب کو اس کا انکار ہے تو فرماویں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اشتداد مرض میں جو شب جمعہ سے لے کر فجر دوشنبہ تک ممتد رہا جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجز ایک دو بار کے مسجد میں نہیں تشریف لے جا سکے کون امام ہوا اور کس نے نماز پڑھائی ظاہر ہے کہ بلا اجازت تو نماز نہیں پڑھائی ہو گی اور ضرور آپ نے کسی کو امام مقرر فرمایا ہو گا اور امر صلوٰۃ کو مہمل نہیں چھوڑا ہو گا تو آپ نے کس کو نماز کے لئے امام مقرر فرمایا اور یہ واقعہ ایسا نہیں ہے کہ یاد نہ رہا ہو قرب وفات کا واقعہ ہے ہاں اگر بعض رواۃ شیعہ نے بنظر حفظ مذہب اس سے نسیان یا تناسی فرمائی ہو تو کچھ تعجب نہیں لیکن اہل تاریخ کو دیکھنا چاہیئے وہ اس قصہ کو کیونکر بیان کرتے ہیں غیاث الدین بن ہمام الدین الحسینی صاحب حبیب السیر اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ نقل ست کہ در ایام بیماری آن مقتدائے انبیاء و مرسلین در وقت آدائے صلوٰۃ یک نوبت مسجد تشریف بردہ شرائط امامت بجا آوردی اما در آخر اوقات مرض سہ روز بیرون نتوانست آمد در ان ایام بموجب اشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امیر المومنین ابو بکر رضی اللہ عنہ پیش نماز خلائق بود، اسی طرح اور مورخین نے بھی تصریح کی ہے پس اس سے انکار گویا آفتاب کو مشت خاک سے پوشیدہ کرنا ہے اور محض عناد و مکابرت ہے پس باوجود اس کے کہ آپ پر واقعہ غصب خلافت منکشف تھا اور جانتے تھے کہ بعد آپ کے یہ لوگ خلافت مرتضوی غصب کریں گے تو ایسی حالت میں کہ سب اکابر مہاجرین و اعیان انصار موجود ہوں اور

آپ کا بھی وقت رحلت قریب ہوا ایسا فعل کرنا جو موید ان کے ثبوت حقیت خلافت کو ہو بلکہ ناسخ نصوص خلافت مرتضوی ہو البتہ حسب روایات شیعہ موجب کمال استعجاب اولوا الالباب ہے اول تو خود ایسے شخص کو اکابر مہاجرین و انصار پر امام مقرر فرمانا جو محض عشق و عاشقی کی وجہ سے مکہ چھوڑ کر نکلا ہو اور صرف ظاہر میں ہی کلمہ گو ہو حالانکہ سورہ برأت وغیرہ نازل ہو چکی تھی دین کی تکمیل ہو چکی تھی مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ کا وعدہ پورا ہو چکا تھا اور حضرت کو ہر ایک کا حال معلوم ہو چکا تھا البتہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افضل الانبیا والرسل ہیں حیرت خیز اور تعجب انگیز ہے پھر غصب خلافت کے کھٹکے نے اور زیادہ قابل حیرانی و تعجب کر دیا تو اس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ جن اصول پر یہ لزوم ہے فی الحقیقت وہ اصول ہی موضوع و مفتری اور مخالف دین اسلام ہیں اور فی الواقع حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر وقت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے امام مقرر فرمانے سے یہ ہی غرض تھی کہ ان کی خلافت کی طرف ایما ہو جو قریب تنصیص کے ہی ہو جاوے چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ میں منجملہ دلائل کے ایک دلیل یہ بھی پیش کی گئی تھی جس کو انصار نے بر سر و چشم قبول کر لیا چنانچہ کتب اہل سنت میں مذکور ہے اور جب انصار نے اس کو قبول کر لیا اور کچھ رد و قدح و چون و چرا نہیں کی تو اور اس کو تائید و تقویت حاصل ہو گئی اور معلوم ہوا کہ یہ ریاست امامت کبریٰ کے لئے توطیہ و تمہید تھی ہم اس وقت اسی قدر دلیل پر اکتفا کرتے ہیں بعد اس کے اگر ہمارے فاضل مجیب نے کچھ اس میں لم و لا نسلم فرمائی تو ان شاء اللہ تعالیٰ مفصل گذارش کریں گے۔

ثبوت حقیت خلافت خلفاء ثلثہ کی آٹھویں دلیل

دلیل ثامن حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ جو مامور باظہار حق تھے اور تقیہ ان کو جائز نہ تھا بلکہ حسب وصیت نامہ ان کو یہ حکم تھا

حدث الناس و افتهم و لا تخافن الا الله وانشر علوم اهل بيتك وصدق اباءك الصالحين فانك في حرز و امان	لوگوں سے حدیث بیان کر اور ان کو فتویٰ دے اور بجز خدا کے کسی سے نہ ڈر اور اپنے اہل بیت کے علوم کو پھیلا اور اپنے باپ دادا صالحین کی تصدیق کر تو حفاظت و امان میں ہے

اور ہرگز خلفاء کی پاسداری نہ فرماتے تھے شیخین رضی اللہ عنہ کے حق میں فرماتے ہیں هما امامان عادلان قاسطان كانا على الحق وماتا عليه فعليهما رحمة الله يوم القيمة نقل عن کشف ارباب عقول اس عبارت کو ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ یہ کلام ثبوت حقیت

[حقی]ت شیخین کے لئے نص صریح ہے چونکہ امام جعفر صادق کو حکم تھا، وصدق اباءك الصالحين، پس جب اس حکم کے آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے جو مصدق کلام جناب امیر جناب امام حسن رضی اللہ عنہما ہیں چنانچہ ہم سابق میں کسی قدر گذارش کر چکے ہیں یہاں بطور تذکرہ کے اس قدر گذارش ہے کہ پہلے معروض ہو چکا ہے کہ جناب امیر نے شیخین کی نسبت ارشاد فرمایا۔ ولعمری ان مكانهما في الاسلام لعظيم وان المصاب بهما لجرح في الاسلام شديد يرحمهما الله وجزاهما باحسن ما عملا۔ اب ہم نص جعفری کو اس کلام سے مطابق کرتے ہیں اور اس کی تصدیق اس سے کراتے ہیں ظاہر ہے کہ شیخین کے لئے امامت حقہ کا ثابت ہونا متضمن ثبوت عدل اور قسط کو ہے اور نیز مستلزم اس کو ہے کہ حق پر تھے اور یہ گویا شرح ان مكانهما في الاسلام لعظيم وان المصائب لهما في الاسلام لجرح شديد کی ہے اور اس سے پوری تصدیق ان دونوں جملوں کی ہوتی ہے۔ بعد اس کے فعليهما رحمة الله يوم القيمة اور جملہ يرحمهما وجزاهما باحسن ما عملا۔ ظاہر ہے کہ بالکل ہم معنی ہیں اس میں کچھ حاجت بیان ہی نہیں ہے علاوہ ازیں خطبہ لله بلاء فلان کو بھی مصدق ہے على الخصوص فلقد قوم الاود وداوى العمد، اصاب خيرها و سبق شرها۔ کے هما امامان عادلان قاسطان كانا على الحق گویا ہم معنی اور مرادف ہیں اور گویا جناب امام صادق نے جناب امیر کے کلام کی شرح فرما دی اور جناب امیر کے اس کلام میں گو جملہ دعائیہ نہیں لیکن اوصاف مذکورہ قطعاً مستلزم فعليهما رحمة الله يوم القيمة کو ہیں، اسی طرح جناب امام صادق نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے کلام کی بھی تصدیق فرمائی۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے خلفاء راشدین کی عظمت نیز خلافت معٰویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ثبوت

کیونکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب خلافت امیر معٰویہ رضی اللہ عنہ کو تسلیم فرمائی تھی اور باہم صلح نامہ تحریر ہوا تھا تو اول شرط یہ تحریر ہوئی تھی يسلم اليه ولاية المسلمين على ان يعمل فيهم بكتاب الله وسنة رسوله وسيرة الخلفاء الراشدين اور ظاہر ہے کہ حضرت امام حسنؓ سے پہلے خلفاء راشدین بجز خلفاء اربعہ کے اور کوئی نہیں جب ان کو راشد فرمایا اور ان کی پیروی کا حکم فرمایا تو وہ اگر فی الواقع امام برحق اور خلیفہ راشد نہ ہوں تو امام معصوم کے

کلام میں کذب لازم آوے تو معلوم ہوا کہ وہ فی الواقع خلفاء راشدین اور ائمہ برحق تھے اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ عدل و قسط تھا چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق فرمائی اور اپنے اس کلام میں حضرت امام حسنؓ کے ارشاد کی گویا شرح کر دی تو اب مطابق وصیت نامہ کے حضرت امام جعفر پر پورے طور سے صادق آیا۔ وصدق اباءک الصالحین۔ اور واقعی آپ نے مطابق حکم وصیت نامہ کے اپنے اباء صالحین کی پوری تصدیق فرمائی۔ اور علاوہ ازیں چونکہ حضرت امام جعفر مامور باظہار ما ہو الحق تھے اور تقیہ جائز نہ تھا اس لئے جو کچھ ظاہری طور پر آپ نے ارشاد فرمایا وہ قابل قبول ہوگا اور جو کچھ تخلیہ میں خفیہ طور پر اس کے خلاف بیان کرنا جو باعتبار لفظ و معنی کے نہایت لغو اور پوچ ہے اس کے ساتھ منضم کیا جاتا ہے وہ حضرات کا ایجاد و اختراع بحت ہوگا چنانچہ بتصریح بعض علماء شیعہ کے بعض کی نسبت یہ امر ثابت ہے۔ باقر مجلسی نے صدوق کی نسبت ایک حدیث میں یہ امر فرمایا ہے وانما فعل ذلك ليوافق اهل العدل۔ خود شریف رضی نے جناب امیر کے کلام میں کیا کیا کچھ ابتری کی ہے کہ وہ تحریفات یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ گئی پس ایسی حالت میں ایسی زیادتیوں کو کیونکر غلط یقین نہ کیا جاوے جو باعتبار لفظ و معنی کے غلط ہوں باعتبار حالت قائل کے غلط ہوں باعتبار ناقل کے غلط اور کذب ہوں کوئی قرینہ ان کے صدق پر شاہد نہ ہو۔ ایسی زیادتیوں کو صحیح تسلیم کرنا حضرات شیعہ کا ہی کام ہے اور وہ زیادتی اختراعی یہ ہے راوی اس حدیث کا کہتا ہے۔

فلما انصرف الناس قال له رجل من خاصة يا ابن رسول الله لقد تعجبت مما قلت في ابي بكر و عمر فقال نعم هما اماما اهل النار كما قال الله تعالى وجعلناهم ائمة يدعون الى النار واما العادلان فلعدولهم عن الحق كقوله تعالى والذين كفروا بربهم يعدلون واما القاسطان فقد قال الله تعالى واما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا والمراد من الحق الذي كانا مستولين عليه هو امير المومنين حيث اذيا و غصبا حقه والمراد من موتهما عليه انهما ماتا على عداوته من غير ندامة عن ذلك والمراد من رحمة الله رسول الله فانه كان رحمة العالمين وسيكون خصما لهما ساخطا عليهما منتقما عنهما يوم الدين۔ انتهى۔

جب لوگ چلے گئے تو ایک شخص نے آپ کے خواص میں سے پوچھا کہ اے رسول اللہ کے فرزند مجھے اس سے تعجب ہے جو آپ نے ابوبکر و عمر کے حق میں فرمایا۔ فرمایا ہاں، وہ دونوں دوزخیوں کے امام ہیں۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور ہم نے ان کو امام بنایا کہ آگ کی طرف بلاتے ہیں) اور یہ کہ وہ عادل ہیں تو یہ حق سے عدول کرنے اور پھرنے کے سبب سے مثل قول تعالیٰ (جنھوں نے کفر کیا اپنے پروردگار کے ساتھ برابر کرتے) اور یہ کہ قاسط ہیں پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قاسد ظالم دوزخ کا ایندھن ہیں اور حق سے مراد جس پر وہ غالب تھے امیر المومنین ہے کہ اسکو ایذا دی اور اس کا حق غضب کیا اور اس پر مرنے کے یہ مراد ہے کہ بدون اس ندامت کے اس کی عداوت پر مرے اور رحمۃ اللہ سے مراد رسول اللہ ہیں کہ وہ رحمت العالمین ہیں اور قیامت کے دن ان سے جھگڑنے والے ان پر غصہ ہوں گے اور ان سے بدلہ لیں گے۔

اہل دانش و انصاف اس زیادتی کو جو رواۃ شیعہ نے فرمائی ہے ملاحظہ فرماویں اور حضرات شیعہ کے علم و فضل و عقل و انصاف و دین و ایمان کی داد دیں، اس بحث میں ہم یہ تو بیان کر چکے ہیں کہ اس نص جعفری میں اگر اس کو ظاہر پر محمول کیا جاوے پورے طور پر تصدیق ان کے اباء صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہوتی ہے لیکن اگر اس زیادتی رواۃ کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو اس صورت میں اباء صالحین کی تصدیق نہ ہوگی بلکہ تکذیب ہوگی۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی صحیح حقیقت اور شیعہ راویوں کی زیادتی کی تکذیب

اب ہم اس زیادتی کی تکذیب پر دلائل قائم کرتے ہیں گو ہماری گذارش سابقہ سے اس کی تکذیب بخوبی ہو چکی ہے اور علماء کی نصوص اس زیادتی کی روایت کو جھوٹا کرتی ہیں واضح ہو کہ اولاً جملہ ولعمري ان مكانهما في الاسلام لعظيم الخ اور کلام لله بلاد فلان، صریح اس کی اور اس کی رواۃ کی تکذیب کرتے ہیں۔ ثانیاً علامہ بحرانی نے جو جواب اس اعتراض کا دیا ہے كيف سلم ههنا ولم يسلم لمعوية وطلحة والزبير مع قيام الفتنة في حربهم، اور وہ یہ ہے۔ الثاني ان الفرق بين الخلفاء الثلثة وبين معوية في اقامة حدود الله والعمل بمقتضى اوامره ونواهيه ظاهر۔ اس سے صریح ثابت ہوتا ہے کہ راوی نے جو عادلان قاسطان کے معنی جائران ظالمان کے گھڑے ہیں محض دروغ ہے کیونکہ خلفاء ثلثہ کا حدود اللہ کو قائم کرنا اور بموجب اوامر و نواہی خداوندی کے عمل کرنا یہ ایسا ظاہر ہے کہ جس کا شیعہ کو بھی اعتراف ہے اور ظاہر ہے کہ عدل و انصاف اسی کا نام ہے کہ حدود اللہ کو قائم کیا جاوے اور بموجب اوامر و نواہی خداوندی کے عمل کیا جاوے اور حق پر ہونا بھی اسی پر منحصر ہے اور استحقاق دعا۔ فعليهما رحمة الله يوم القيمة کا بھی اسی پر گویا موقوف ہے اور جب یہ وصف شیخین میں حسب اعتراف

علامہ بحرانی پائے جاتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ شیعہ میں سے کسی کو بجز خاص وقت کے اس کا انکار نہیں اور بحرانی کو جھوٹا نہیں سمجھتے تو معلوم ہوا کہ حضرت امام نے جو کچھ فرمایا وہ اپنے ظاہر پر محمول ہے اور راوی نے جو اس کے بعد میں تحریف فرمائی وہ کذب و دروغ ہے۔ تاہم ہم اس سے زیادہ صریح دلیل اور واضح تر عرض کرتے ہیں جس سے پوری تکذیب اس زیادت اور اس کے رُوات کی ہو جاوے۔ نہج البلاغت میں ایک خطبہ مذکور ہے جس کا عنوان یہ ہے واللہ لا سلمن ماسلمت امور المسلمین ولم یکن فیھا جور الا علی خاصۃ الخ یہ خطبہ صریح دلالت کرتا ہے کہ جناب امیر نے تسلیم خلافت اس شرط پر فرمائی تھی کہ امور مسلمین میں فتور نہ پڑے اور سلامت رہیں کسی پر جور و جفا ظلم و زیادتی نہ ہو چنانچہ آخر خلافت خلفاء تک جناب نے اس تسلیم کو قائم رکھا اور کوئی امر ایسا واقع نہیں ہوا جس سے جناب امیر کو گنجائش مناقشہ و معارضہ کی ملی چنانچہ شارح ابن میثم اس کی تصدیق فرماتے ہیں اور اس کی تائید میں لکھتے ہیں قولہ: وانہ لا سلمن ماسلمت امور المسلمین ای لاترکن المنافستہ فی ھذا الامر ماسلمت امور المسلمین من الفتن وفیہ اشارۃ الی ان غرضہ من المنافستہ فی ھذا الامر ھو صلاح حال المسلمین واستقامۃ امورھم وسلامتھم عن الفتن وقد کان لھم من سلف من الخلفاء قبلہ۔ اس سے بدلالت مطابقی ثابت ہے کہ خلافت خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم ظلم و جور کی لوث سے بالکل پاک و صاف رہے اور شیخین رضی اللہ عنہما مصداق ھما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق وماتا علیہ فعلیھما رحمۃ اللہ یوم القیمۃ کے ہیں اور راوی حدیث نے بعد اس کے جو کچھ من تلقاء النفس اضافہ کیا وہ سراسر کذب اور دروغ ہے اور جناب امیر علیہ السلام کے کلام اور بحرانی کی تصریح سراسر اس کی مکذب ہے۔ راقم خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ فاضل اخباری کے جواب الصارخ سے یہ عبارت نقل فرماتے ہیں وا گر بانصاف تامل فرمانید واضح است کہ بناءً علی مزعوم الامامیہ از خلفاء ثلثہ گو نسبت بہ امیر المومنین علیہ السلام و فاطمہ سلام اللہ علیہا نقض عہد و نکث بیعت غدیر و غصب فدک و دیگر چند اعمال دال بر عناد سر زدہ اما با این ہمہ باز در ظاہر طریقہ معاشرت این ہا با اہل بیت عین اعزاز و اکرام باتفاق فریقین بود و اجرائے شعائر اسلام را بجز افعال معدود کہ در کتب کلامیہ و سیر موجود و منشاء طعن و قدح در شان شان است بالمرہ نزد امامیہ نیز از میان برنداشتہ بودند و پاس شرع متین را نصب العین خاطر خود ہا میداشتند، دیکھئے فاضل اخباری کس تصریح کے ساتھ فرماتے ہیں کہ خلفائے ثلثہ کا طریقہ معاشرت

اہل بیت کے ساتھ عین اعزاز و اکرام باتفاق فریقین شیعہ
اسلام کو امامیہ کے نزدیک بھی اٹھا نہیں دیا تھا اور پاس شر
سامنے رکھتے تھے پس جن کے باعتراف فاضل اخباری یہ
ہوتا ہے کہ یہ زیادتی کذب و دروغ ہے اور یہ جو فاضل ا
ذکر کیا یہ بھی جناب امیر کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے
بارہا گذارش کر چکے اور ابھی گذارش کیا ہے کہ جناب امی
اہل اسلام کے ساتھ پھر اس تسلیم پر آخر تک قائم رہنا او
اور سیر میں موجود ہیں مثل نکث بیعت و نقض عہد و غص
موضوعہ و مفترہ ہیں کیونکہ اصول شیعہ پر کوئی فعل ایسا
کی ذات بابرکات تک محدود ہو بلکہ جو فعل صادر ہوا جس
کرتے ہیں وہ علاوہ جناب امیر کے دوسروں کے حقوق پر
ہے کہ اس سے زیادہ دینی اور دنیاوی حقوق اہل اسلا
ظاہر و بدیہی ہے غصب فدک خاص حق جناب سید
تلف ہوا اور اس سے آئندہ ایک حصہ کا نقصان چند رو
اگر ان کا وقوع صحیح ہو تو معاذ اللہ جناب امیر نے جو کچھ وا
وہ جھوٹ تھا اور اگر وہ سچ تھا تو ان امور کا وقوع کذب
بجا تھا وہ ہرگز کذب نہیں لیکن یہ امور محض اُن جیسے
ائمہ تھے جن کے منہ پر کتے پیشاب کرتے تھے جن کی ص
افتراء و بہتان باندھتے تھے پس ان کی تکذیب کر دینا
زیادتی مخترعہ کی بخوبی تکذیب کرتے ہیں اور علاوہ ان کے
کی رُوات کی تکذیب کرتے ہیں مگر ہم نے بخیال تطویل ا
عقل و فہم سے اور علم و انصاف سے حصہ ملا ہو گا وہ سمج
کہ یہ محض بناوٹ اور جھوٹ ہے ان کے استیعاب کو ت

ثبوت حقیت خلافت خلفاء ثلثہ کی نویں دلیل

دلیل تاسع: جناب امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب خلع خلافت فرمایا اور امیر معویہ سے مصالحت کر کے ان کو تسلیم فرمایا اور صلح نامہ لکھا گیا جو علماء تاریخ نے نقل کیا ہے اور ہم سابق میں اس کی نقل کر چکے ہیں کہ اس میں چند شرائط قرار پائی تھیں چنانچہ اول شرط یہ تھی کہ کتاب و سنت و سیرت خلفاء راشدین پر عمل کرے دوسری شرط یہ تھی کہ معویہ کو یہ استحقاق نہیں ہے کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کرے بلکہ بعد اس کے خلافت شوریٰ کے طور پر بین المسلمین ہوگی چنانچہ عبارت صلح نامہ کی یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما صالح علیہ الحسن بن علی بن ابی طالب و معویۃ بن ابی سفیان صالحہ علی ان یسلم الیہ ولایۃ امر المسلمین علی ان یعمل فیھم بکتاب اللہ تعالیٰ و سنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم و سیرۃ الخلفاء الصالحین ولیس لمعویۃ بن ابی سفیان ان یعھد الی احد من بعدہ بل یکون الامر من بعدہ شوریٰ بین المسلمین۔ انتہی بقدر الحاجۃ یہ دونوں شرطیں بداہۃً ایسی ہیں جو ہمارے مدعا کی مثبت ہیں اور اصول شیعہ کے مبطل کیونکہ ظاہر ہے پہلی شرط میں بدلالت مطابقی ہمارے دعوے کا ثبوت موجود ہے امیر معویہ سے معاہدہ فرمایا کہ سیرت خلفاء صالحین پر عمل کرے اب فرمایئے کہ خلفاء صالحین کون ہیں جن کو جناب امام صالحین یا راشدین سے تعبیر فرماتے ہیں اس سے پہلے بجز خلفاء اربعہ کے اور کوئی خلیفہ نہیں تھا تو بجز اس کے کہ خلفاء صالحین سے خلفاء اربعہ مراد ہو اور کوئی صورت نہیں اور خلفاء صالحین اسی وقت ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی امامت حقہ اور خلافت راشدہ ہو نہ امارت فاجرہ تو یہ شرط چند وجوہ سے مثبت مدعا ہے اول یہ کہ جناب امام علیہ السلام نے ان کو خلفاء صالحین فرمایا اگر فی الواقع وہ خلفاء صالحین ہیں تو ہمارا مدعا ثابت ہے اور اگر باعتبار فرض وہ خلفا صالحین نہیں ہیں تو معاذ اللہ امام معصوم نے جھوٹ بولا دوسری یہ کہ کتاب و سنت کے ساتھ ان کی سیرت کو بھی معمول بہا مشروط قرار دیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سیرت اتباع شریعت میں یہاں تک راسخ ہے کہ جو اس کا اتباع کرے گا فی الحقیقت شریعت کا ہی اتباع ہوگا اور انھوں نے یہاں تک اجرائے شعائر شرع کیا اور پاس شرع کو اپنے افعال و اقوال میں یہاں تک ملحوظ خاطر رکھا کہ جو شخص ان کا اتباع کرے گا وہ اتباع کتاب و سنت و سبیل شریعت سے جدا نہ ہوگا اور یہ مستلزم اس کو ہے کہ وہ خلفاء راشدین

تھے اور ان کی خلافت خلافت راشدہ تھی۔ تیسری یہ کہ جناب امام حسنؓ نے وسیرت الخلفاء الصالحین ایسا لفظ فرمایا جو خلفاء اربعہ کو شامل ہے جس میں جناب امیر اور جناب خلفاء ثلثہ برابر شریک ہیں اور ہرگز خصوصیت کے ساتھ اس کا اطلاق جناب امیر پر نہیں ہو سکتا اور بدون امتیاز و فرق کے سب کی سیرت کی اتباع کو شرط گردانا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رشد و صلاح میں جیسے ان کے نزدیک جناب امیر تھے ویسے ہی خلفاء ثلثہ تھے اور جیسی اتباع سیرت جناب امیر کا پسندیدہ تھا ویسی ہی اتباع سیرت خلفاء ثلثہ محمود و پسندیدہ تھا اور یہ عین مدعا اہل سنت کا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وقت تقیہ کا نہیں اور نہ تقیہ کی یہاں گنجائش ہے اور کتاب و سنت کا ہی ذکر فرمانا کافی تھا یہ جو آپ نے بڑھایا اس سے صراحۃً معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ آپ کا عقیدہ قلبی تھا اور دوسری شرط بھی ہمارے مدعا کو ثابت کرتی ہے دوسری آپ نے یہ شرط کی کہ معویہ ابن ابی سفیان کو اختیار نہیں ہے کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنا دے بلکہ امر خلافت کا بین المسلمین بطور مشورہ کے ہوگا اس شرط میں غور کرنا چاہیئے کہ واضح طور پر یہ شرط شوریٰ مسلمین کی تصویب اور تصحیح کرتی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو خلافت بطور شوریٰ کے واقع ہو وہ صحیح ہو اور جس پر اہل حل و عقد متفق ہو جاویں وہ امام حق ہے پس اس سے صریح حقیت خلافت خلفاء ثلثہ ثابت ہوئی اور ثابت ہوا کہ جو حضرات شیعہ نے نص کو شرط امامت قرار دے رکھا ہے یہ باطل ہے۔

نہج البلاغۃ سے مذہب اہل سنت کے حق ہونے اور شیعہ کے باطل ہونے کا بیان

دلیل عاشر: شریف رضی نے نہج البلاغت میں ایک خطبہ نقل کیا ہے جو صراحۃً مثبت مذہب اہل حق و مبطل مدعائے شیعہ ہے ہم اس کو شرح نہج البلاغت سے نقل کرتے ہیں اور جو کچھ شارح نے اس کی شرح میں تحریر فرمایا ہے اپنے مدعا کے ثبوت میں اس کو بھی نقل کرتے ہیں

ومن کلام لہ لما ارادہ الناس علی البیعۃ بعد قتل عثمان دعونی والتمسوا غیری فانا مستقبلون امرا لہ وجوہ والوان لا تقوم لہ القلوب ولا تثبت علیہ العقول وان الآفاق قد اغامت والمحجۃ قد تنکرت واعلموا انی ان اجبتکم رکبت بکم ما اعلم ولم اصغ الی قول القائل وعتب العاتب وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی

اسمعکم و اطوعکم لمن ولیتموہ امرکم وانا لکم وزیرا خیر لکم منی امیرا۔ انتہی۔ عاقل منصف اس کلام کو ملاحظہ کرے اور اس کا مطلب سمجھے خصوصًا جو کچھ جناب امیر نے آخر میں قولہ ان ترکتمونی سے ارشاد فرمایا ہے یہ تین جملے ہیں اور ہر ایک جملہ ان میں کا گویا گنج شائگان ہے۔ پہلا جملہ جو جناب امیر نے ارشاد فرمایا ہے یہ ہے۔ فان ترکتمونی فانا کاحدکم۔ یعنی اگر تم مجھ کو چھوڑ دو اور مجھ سے بیعت نہ کرو تو میں تم میں کا ایک جیسا ہوں جیسی تم پر اطاعت امام واجب ہے اسی طرح مجھ پر بھی واجب ہے یعنی اگر تم مجھ سے بیعت کرو تو میں امام واجب الاطاعت ہوں اور اگر تم بیعت نہ کرو تو پھر میں تم جیسا مطیع ہوں گا یہ معنی اس کے ایسے صاف و صریح ہیں جو خود الفاظ و سیاق سے مستنبط ہوتے ہیں اور شارح ابن میثم اس معنی کی شہادت دیتا ہے اور غالبًا حضرت فاضل مجیب اس کی تحریف فرمائیں گے اور فرمائیں گے کہ حضرت امیر نے اس کلام سے کوئی حکم شرعی نہیں بیان فرمایا بلکہ ظاہری حالت جو واقع ہونے والی تھی بیان فرمائی پس اس کے جواب میں قبل اس کے کہ ہم اس کی تکذیب ابن میثم کے قول سے کریں یہ گذارش کرتے ہیں کہ یہ تو حضرات کو بھی مسلم ہے کہ ترک کی حالت میں حضرت کا مثل عوام کے ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ امت میں فتنہ نہ کھڑے ہوں۔ علت اس سکوت کی محض خوف ثوران فتن سے ہے یہ ہی وجہ ہے کہ جب ابوسفیان نے اور حضرت عباس نے درخواست بیعت کی تو آپ نے نامنظور فرمائی اور باوجود اس قوت و شجاعت مفرطہ کے اسی واسطے مطیع و منقاد خلفاء بنے حالانکہ خلفاء نے جو کچھ جائز و ناجائز چاہا کیا۔ پس جب آپ کا سکوت و عدم مناقشہ بوجہ خوف فتنہ ہمیشہ رہا ہے اور یہاں بھی فتنہ کے خوف سے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم مجھ کو ترک کر دو تو میں تمہارے میں سے مثل ایک کے ہوں گا اور ظاہرًا تمہارے شریک حال ہوں گا پھر کیا وجہ ہے کہ امیر معویہ سے مناقشہ کیا اور جھگڑا کیا باوجودیکہ فتنہ یقینی تھا جناب امام ثانی کی طرح مصالحت کر لیتے اور خلافت تسلیم کر کے مطیع بن جاتے نہ تو کوئی جھگڑا ہوتا اور نہ کوئی فتنہ اٹھتا اس پر اگر آپ مثل ابن ہشام سیرت کا جھگڑا چھیڑیں گے تو پہلے یہ خیال فرمائیں کہ افسوس جناب امام ثانی کو یہ نہ سوجھی جو لاکھوں مسلمانوں کے دین و دنیا کی بربادی اپنے ہاتھ سے فرمائی اور اگر یہ فرمائیں کہ بمقابلہ خوف فتنہ کے سیرت کا لحاظ ضروری نہ تھا تو ہم گذارش کریں گے کہ نہایت افسوس ہے کہ جناب امیر نے ایک غیر ضروری امر کے لئے ہزارہا مسلمانوں کی جانیں ضائع کرائیں تو معلوم ہوا کہ محض ظاہری حالت ہی کو نہیں بیان کیا بلکہ حکم شرعی بھی بیان فرمایا۔ علاوہ ازیں اس صورت میں جملہ لاحقہ اور اس کی ترقی صحیح نہ ہوگی پھر ابن میثم کی شرح جس کو ہم جملہ آئندہ کی شرح میں نقل کریں گے۔ بالتصریح اس کی مکذب ہے اور نیز ترک

بیعت اور عدم ترک کی حالت کا امتیاز سب سے زیادہ اصول شیعہ پر لغو اور باطل ہے۔ پس ہمارے فاضل مجیب کا یہ زعم اس جملہ کی تاویل میں محض لغو اور لاطائل ہوگا۔ دوسرا جملہ جناب امیر نے یہ فرمایا۔ ولعلی اسمعکم و اطوعکم لمن ولیتموہ امرکم۔ گویا جملہ سابقہ سے بطور ترقی فرماتے ہیں اور شاید میں تم سے زیادہ اس کے حکم کا سننے والا اور اس کے حکم کا مطیع ہوں جس کو تم اپنے امر کا والی بناؤ اور اپنا امام قرار دو۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ جناب امیر کی زیادتی سمع اور زیادتی اطاعت کی وجہ کیا ہے۔ جو لوگ ایسے ہیں کہ جنھوں نے ان خلفاء کو کہ جن کو اہل حل و عقد نے خلفاء بنایا ہے امام برحق سمجھ رکھا ہے، تو وہ تو اپنی غلطی کی وجہ سے کسی قدر معذور رہوں گے لیکن جناب امیر نے بھی اگر ان کو امام برحق اور خلیفہ راشد اعتقاد کر رکھا ہے تو فہو المراد اور اگر آپ نے ظالم و غاصب اور خائن و ناکث سمجھ رکھا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اپنی سمع و اطاعت کو بہ نسبت عوام کے زیادہ فرماتے ہیں حالانکہ یہ آپ کی سمع اور اطاعت محض ضروری ہیں جو بنظر مصلحت وقت ہیجان فتن کے خوف سے اختیار کی گئی والضروریات تتقدر بقدرہا اور قدر ضرورت سے متجاوز نہیں ہوتے پس اگر ضرورۃً اختیار کی گئی تھی تو وہ اسی قدر ہوتی جس سے ضرورت وقت رفع ہو جاتی یہ فرمانا آپ کا کہ جس کو تم اپنا والی امر بناؤ گے میں اس کا تمہاری بہ نسبت زیادہ مطیع ہوں گا تو یہ زیادتی سمع و اطاعت کی بجز اس کے ممکن نہیں کہ آپ نے اس شخص کو جس کو اہل حل و عقد نے امام بنایا ہے شرعًا واجب الاطاعت سمجھ رکھا ہو اور جب آپ بروئے حکم شرع واجب الاطاعت اعتقاد کریں گے تو بیشک بہ نسبت دوسروں کے آپ زیادہ اتیان مامور بہ میں سرگرم ہوں گے اور بدیہی ہے کہ کسی شخص کا شرعًا واجب الاطاعت ہونا اور جناب امیر کا اس کے مطیع ہونا بدون اس کے ممکن نہیں ہے کہ بروئے شرع اس کی امامت و خلافت صحیح و منعقد ہو۔ چنانچہ ہم اس مدعا کے ثبوت میں علامہ بحرانی کی عبارت کو اس کی شرح سے نقل کرتے ہیں اہل فہم و انصاف ملاحظہ فرمائیں۔ قولہ و ان ترکتمونی الخ ای کنت کاحدکم فی الطاعۃ لامیرکم بل لعلی اکون اسمعکم و اطوعکم لہ ای لقوۃ علمہ بوجوب طاعۃ الامام و انما قال لعلی لانہ علی تقدیر ان یولوا احدا یخالف امر اللہ لا یکون اطوعہم لہ بل اعصاہم و احتمال تولیتہم لمن کذلک قائم فاحتمال طاعتہ قائم فحسن ایراد لعل انتہی۔ بقدر الحاجۃ بحرانی صاحب کی عبارت اور ان کی تصریح قابل ملاحظہ اولو الابصار ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب امیر کا اسمع و اطوع ہونا اس وجہ سے ہے کہ آپ حکم شرعی وجوب طاعت امام کے اعلم ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ امام کی طاعت بروئے حکم شرع واجب ہے اور ظاہر ہے کہ امامت تاوقتیکہ شرعًا منعقد نہ ہو اور امام بروئے

شریعت امام صحیح نہ ہو واجب الاطاعت نہیں ہوسکتا تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ اہل حل وعقد جس کو امام بنادیں وہ شخص عند اللہ امام اور واجب الاطاعت ہے اور جناب امیر بھی اس کو واجب الاطاعت اعتقاد فرماتے ہیں اور جب شرعاً امام اور واجب الاطاعت ہو تو آپ کیوں نہیں اس کو امام سمجھیں گے لیکن شارح بحرانی نے اس قدر قید اور لگائی کہ یہ حکم عام نہیں بلکہ لفظ لعل سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ احتمال ہے اہل حل وعقد ایسے شخص کو امام بنادیں کہ جو مخالف امر اللہ کے ہو تو اس وقت آپ اطوع نہ ہوں گے بلکہ زیادہ مخالف اور نافرمان ہوں گے اگرچہ بحرانی کا یہ فرمانا غلط ہے۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خط وکتابت

کیونکہ اس احتمال کے وقوع کی تکذیب وتغلیط خود جناب امیر بجواب امیر معویہ کے فرما چکے امیر معویہ نے آپ کو آپ کے اس خط کے جواب میں جس میں آپ نے امیر معویہ سے بیعت طلب کی تھی اور یہ تحریر فرمایا تھا کہ میرے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنھوں نے ابوبکر وعمر وعثمان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو تم بھی اس کو قبول کرو۔ لکھا تھا۔ کہ اگر آپ بھی مثل ابوبکر وعمر کے ہوتے تو آپ کی خلافت بیعت اہل حل وعقد سے صحیح ہوتی اور ہیں آپ سے ہرگز نہ لڑتا لیکن جب آپ مثل ابوبکر وعمر کے نہیں بلکہ حدود وقصاص جاری نہیں کرسکتے یا قاتلین عثمان کے حامی ہیں تو اس حالت میں بیعت اہل حل وعقد سے آپ کی خلافت منعقد نہیں ہوسکتی اور اہل حل وعقد نے خطا کی جو آپ ایسے شخص سے بیعت خلافت کی جو مہمات خلافت کو سرانجام نہیں دے سکتا اس کے جواب میں جناب امیر نے تحریر فرمایا کہ وزعمت انما افسد علی بیعتک خطیئتی فی عثمان وکنت امرا من المھاجرین اوردت کما اوردوا واصدرت کما اصدروا وما کان اللہ لیجمعھم علی ضلال ولیضربھم بعمی حاصل جواب یہ ہے کہ تو جو مجھ پر الزام خذلان وقتل عثمان کا لگاتا ہے اور اس وجہ سے مجھ کو صالح اور اہل للخلافت نہیں سمجھتا اور گمان کرتا ہے کہ اہل حل وعقد نے خطا کی جو غیر اہل کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی گویا بالکل غلط اور لغو ہے کیونکہ میں بھی ایک رجل مہاجرین میں سے ہوں جو اس کا حال تھا وہی میرا حال تھا اگر میرے ذمہ الزام ہے تو سب کے ذمہ الزام ہے اس معاملہ میں میں نے کوئی خاص کام کہ جو سب مہاجرین سے علیحدہ ہو نہیں کیا پس اگر اہل حل وعقد نے مجھ سے بیعت کی اور میں نہ صالح للخلافت تھا تو لازم آتا ہے کہ وہ سب گمراہی پر مجتمع ہوں اور سب کے سب حق سے اندھے ہوں اور یہ محال ہے تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ بیعت اہل حل وعقد کی صالح للخلافت کے ساتھ

نہیں ہوسکتی ہے اور علامہ بحرانی نے جو یہ احتمال قائم کیا کہ اہل حل وعقد ا
مخالف امر اللہ کے ہو یہ غلط ہے اور جناب امیر کا جواب سراسر اس کو مکذ
کو علی سبیل التنزل تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا اسی امام کو واجب الاطا
حل وعقد امام بنادیں اور وہ اجرائے شعائر اور ترویج شرائع میں مخالف امر الل
نوع میں جناب امیر کے ارشاد کو مانو اور اپنے علامہ بحرانی کو سچا سمجھو اور ظاہر
خلافت خلفاء ثلثہ میں سمع واطوع رہے کبھی کسی قسم کی چون وچرا نہیں ک
رضی اللہ عنہا جن کی شان میں من اغضبہا ہے بہت کچھ ناخوش وناراض
مثل جنین پردہ نشین شدہ وخائنین درخانہ گریختہ الخ الی آخر الکفریات
والنصارین میں جاکر واویلا اور فریاد وفغاں کی مگر آپ کو جوش نہ آیا

حضرت علی نے خلفاء ثلثہ کے دور میں سمع و
وطیرہ اختیار فرمایا

بروایت صدوق مشیعین چالیس آدمیوں نے کبار مہاجرین وا
خلافت صدیقی میں درخواست کی کہ ہم ابوبکر کو مسند خلافت سے اتار د
حضرت عباس اور ابوسفیان کی درخواست بیعت کو قبول نہ فرمایا قسم ق
جھیلیں اور طرح طرح کی تذلیل وتوہین سہی لیکن سمع وطاعت کی عروۃ الوثـ
جب باوجود ان باتوں کے بھی آپ نے کبھی چون وچرا نہ فرمائی تو آپ ـ
سکتا ہے کیونکہ امام کے واجب الاطاعت ہونے کا آپ کو بشہادت بحرا
بھی خدا تعالیٰ کے حکم ہی سے واجب الاطاعت ہے تو اس کی اطاعت ـ
سے انحراف ہے جو معصیت ہے قطع نظر اس سے ہم پہلے بروایات شیع
خلفاء ثلثہ کی مثل سیرۃ ملوک وسلاطین جائرہ کی نہیں ہے بلکہ ترویج معالم د
میں سرگرم تھے اور ہمیشہ پاس شرع شریف نصب العین اور مدنظر خاطر رکھ
کے واسطے اسمع واطوع نہ ہوں تو پھر کس کے ہوں گے۔ بہرکیف خلفاء ثلثہ
مطیع ومنقاد رہے اور شہادت کے بعد بھی بعد شہادت حضرت عثمان رض

کو امام بنالو میں اس کا مطیع و منقاد ہوں گا اور یہ ثابت ہو چکا کہ آپ کی زیادتی اطاعت و انقیاد اسی وجہ سے ہے کہ آپ کو وجوب اطاعت امام کا حکم زیادہ معلوم و متیقن تھا پس جب کوئی دوسرا شخص امام حق اور واجب الاطاعت ہوا اور آپ اس کے بروئے حکم شرع مطیع ہوئے، تو آپ کی امامت منصوصہ باطل ہوئی اور اس شخص کی امامت ثابت ہوئی اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام برحق وہی ہے جس کی امامت کو اہل حل وعقد تسلیم کر لیں اور متفق ہو کر اہل حل وعقد جس کو امام بنالیں اور خلفاء ثلثہ کو اہل حل وعقد نے امام برحق تسلیم کر لیا تھا اور ان کو امام بنا لیا تھا تو وہ واجب الاطاعت اور امام برحق اور خلیفہ راشد ہوئے،

حضرت علی نے خلفاء ثلاثہ کے وزیر کے طور پر کام کیا

تیسرا جملہ جناب امیر نے ارشاد فرمایا۔ وانا لکم وزیرا خیر لکم منی امیرا۔ یعنی تمہارے لئے میں وزیر ہوں یہ بہتر ہے اس سے کہ میں تمہارا امیر ہوں حاصل یہ ہے کہ میری امارت سے تمہارے لئے میری وزارت بہتر اور خیر ہے اور ظاہر ہے کہ جس امارت کے آپ وزیر و مشیر اور جن امراء کے آپ معین و ظہیر ہوں گے وہ امارت بھی خیر ہوگی اور بدیہی ہے کہ خلافت ہائے سابقہ میں جناب امیر وزیر و مشیر رہے ہمیشہ مہمات میں آپ سے مشورہ لیا جاتا تھا اور آپ کے مشورہ پر عمل کیا جاتا تھا تو وہ خلافتیں جن کے آپ وزیر تھے وہ حق اور خیر ہوئی باقی رہا یہ امر کہ یہ خیریت کس امر کی طرف راجع ہے آیا صرف ظاہری دنیاوی سہولت حال کی طرف راجع ہے یا مطلق باعتبار دینی دنیاوی امور کے سب کی طرف عائد ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ احتمال اول بعید ہے اور قابل اعتبار نہیں اور احتمال ثانی بروئے دلائل صحیح اور متعین ہے کیونکہ ظاہر ہے وہ ظاہری سہولت حال کہ جس میں دین دنیا کا نقصان ہو اس پر خیریت کا اطلاق کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا امامت دین و دنیا کی امامت عامہ ہے جس کے ساتھ دین اور دنیا کی صلاح حال منوط و مربوط ہے اور امام بمنزلہ نبی کے ہے کہ امت کے احوال دینی اور دنیاوی کی صلاح کرتا ہے لیکن تیسیر و سہولت خود شارع علیہ الصلوۃ والسلام کو مد نظر ہے اسی واسطے اس کی شان میں عزیز علیہ ما عنتم ارشاد ہے خود خداوند تعالی ارشاد فرماتا ہے۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اور فرماتا ہے وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ پس جب شارع کو یسر و سہولت مد نظر ہے تو اس کو کون انکار کر سکتا ہے کہ امام امت کا مطیع ہو جاوے کہ جو کچھ ان کی مرضی ہو وہ کرے یہ البتہ اگر پہلے کسی امام نے کیا ہوتا تو اس وقت جناب

...ین کا فرمانا شایان تھا اور جب کسی امام نے ایسا نہیں کیا اور نہ لوگ اس کے عادی تھے ہمیشہ امام اپنی رائے و مشورہ سے سرانجام مہمات کرتے رہے تو ایسی حالت میں آپ کا یہ ارشاد صرف سہولت حال کی طرف راجع نہیں ہو سکتا، علاوہ ازیں مطلق خیر سے بلا قرینہ فرد ناقص بلکہ انقص مراد لینا یہ خود خلاف قاعدہ عرف اور غلط ہے تعجب ہے کہ امام منصوص من اللہ و منصوب من الرسول بالفعل ہو اور وہ کبھی اپنے حق کا نام نہ لے اور اگر لوگ اس کو چاہیں تو مدافعت اور تعلل فرما دے اور فرما دے کہ میری وزارت تمہارے لئے بہتر ہے امارت اس قدر بہتر نہیں۔ خبر۔ دعونی والتمسوا غیری یک مضائقہ نہ تھا لیکن یہ سراسر منصوصیت خلافت کو باطل کر رہا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ انعقاد خلافت بیعت اہل حل وعقد پر موقوف ہے چنانچہ ان جملوں سے پہلا جملہ صریح دلیل ہے واعلموا انی ان اجبتکم رکبت بکم ما اعلم ولم اصغ الی قول القائل وعتب العاتب اس میں آپ نے اجابت کو ضمیر متکلم کی طرف منسوب فرمایا ہے یعنی اگر تمہاری ملتمس کی اجابت کر لوں گا تو پھر تم کو اپنی رائے پر چلاؤں گا اور تم سے اپنے علم کے موافق کام لوں گا تو آپ نے اپنے عمل و تصرف کو اپنی اجابت پر منحصر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ جب آپ اہل حل وعقد کے التماس کو قبول فرما دیں گے خلیفہ بالفعل اسی وقت ہوں گے کیونکہ انعقاد طرفین کے ایجاب و قبول و رضا و تسلیم سے ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ آپ بالفعل امام و خلیفہ نہ تھے ورنہ خلیفہ کو جو خدا تعالی کی طرف سے مقرر ہوا اجابت کے سوا چارہ نہیں ہے۔ ان اجبتکم کچھ معنی نہیں رکھتا اگر اجابت امر خلافت اس وجہ سے تھا کہ امت کی طرف سے اجابت و تسلیم میں کوتاہی ہے تو پھر ان اجبتمونی فرمانا مناسب تھا یعنی تمہاری طرف سے تقصیر ہے اگر تم اجابت و تسلیم کرو گے الخ۔ پس اس سے صراحۃً یہ ثابت کر دیا کہ دار مدار انعقاد خلافت کا بیعت اہل حل وعقد پر ہے اور جناب امیر ہرگز خلیفہ منصوص نہ تھے جیسا کہ حضرات شیعہ کا ادعا ہے پس حاصل مطلب تحقیقی طور پر اس عبارت کا یہ ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ ابتداء زمانہ خلافت نبوت میں کارہائے نمایاں اور اسلامی ترقیات بے پایاں ہونے والی ہیں تو عجب نہیں کہ کبھی آپ کی خواہش ہوئی ہو کہ یہ کام میرے ہاتھ سے سرانجام ہوں اور یہ حسنات میرے نامہ اعمال میں درج ہوں لیکن چونکہ یہ امر مقدر نہ تھا اور اس کام کے لئے کارپردازان قضا و قدر نے اور لوگ مقرر کر رکھے تھے تو آپ کا دست خواہش اس کے وصول سے کوتاہ رہا بعد شہادت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کو معلوم ہوا کہ زمانہ خلافت نبوت قریب الاختتام پہنچا اور ترقیات اسلام کا شباب بڑھاپے کے ساتھ مبدل ہو گیا اب باہم خانہ جنگیوں کی گرم بازاری ہوگی تو اس لئے آپ نے بیعت کے قبول کرنے میں تعلل و تسویف فرمائی اور یہ الفاظ صاف

صریح طور پر اس مدعا کو ثابت کرتے ہیں فانا مستقبلون امرا له وجوه والوان لا یقوم له القلوب ولا تثبت له العقول وان الآفاق قد اغامت والمحجة قد تنکرت چنانچہ آپ کے زمانہ خلافت میں ایسا ہی واقع ہوا اور شوائب فتن سے پاک نہ ہوا یہاں تک کہ زمانہ خلافت نبوت منقرض ہوگیا اور ملک عضوض کی نوبت آئی اسی واسطے حسرت کے ساتھ جناب امیر نے فرمایا ابتلیت بقتال اھل القبلة. غرض ہم کو اس کے مطلب سے کیا غرض اور اس کی غرض سے کیا مطلب ہمارا مدعا جس کے ہم اثبات کے درپے ہیں یعنی ثبوت حقیت خلافت خلفاء ثلثہ وہ بحول اللہ وقوتہ اس کلام سے بخوبی ثابت ہے۔

ثبوت حقیت خلافت خلفاء ثلاثہ کی گیارہویں دلیل

دلیل حادی عشر، امام ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب اغانی میں روایت درج کی ہے،

عن ابی الابجر الاکبر قال جاء ابوسفیان	ابوالابجر اکبر سے مروی ہے کہ ابوسفیان علی بن ابی طالب
الی علی بن ابی طالب فقال یا ابا الحسن	کے پاس آیا اور کہا اے ابوالحسن امر خلافت کا کیا حال ہے
ما بال ھذا الامر فی اضعف قریش و	کہ قریش میں سے ضعیف اور قلیل ترین میں ہے خدا کی قسم
اقلھا واللہ ان شئت لاملانھا علیھم خیلا	اگر تو چاہے تو میں میدان کو سوار پیدلوں سے بھر دوں
ورجلا فقال علی بن ابی طالب طال ما عادیت	علی بن ابی طالب نے، فرمایا تو ہمیشہ اللہ کا اور رسول کا اور
اللہ ورسولہ والمسلمین فما ضرھم ذلک	مومنوں کا دشمن رہا اور اس نے ان کو کچھ نقصان نہ پہنچایا
شیئا انا وجدنا ابابکر لھا اھلا۔	ہم نے ابوبکر کو خلافت کے لئے لائق پایا۔

اس روایت سے ثبوت حقیت خلافت صدیقی بدلالت مطابقی ثابت ہوتا ہے اور دوسری خلافتیں بھی جو کہ اس پر متفرع ہیں تو جب اس کی حقیت ثابت ہوئی تو اوروں کی بھی صحت و حقیت ثابت ہوگئی اور کچھ شک و شبہ نہ رہا مگر ہاں اس قدر گذارش ہے کہ جناب اگر صاحب اغانی ابوالفرج علی بن حسین اصفہانی کے عدم اعتبار کا قضیہ پیش کریں گے تو ہم آپ کو آپ کی روایات و روات کے حالات اور آپ کے علماء کی تحقیقات عرض کر کے متنبہ کریں گے کہ اس صورت میں آپ کے صحاح کی خیر نہیں اور غالب روایات قابل اخراج ہوں گی جن کو معمول بہا اور معتمد علیہا اعتبار فرما رکھا ہے چونکہ اس بحث میں کسی قدر اطناب ہوگیا ہے اس لئے اس کو اس جگہ ختم کرتے ہیں اور اقوال آتیہ کا جواب

قولہ: جب کہ ہم نے اپنی شرائط ثلثہ کو آپ کی کتب معتبرہ سے مدلل ثابت کر دیا اور ضمناً اس امر کا الہامی ہونا بھی ثابت ہوگیا اور کچھ آپ کے قول آتیہ میں ثابت کیا جائے گا تو آپ فرمائیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو خلیفہ مقرر فرمایا یا اس باب میں کیا ارشاد فرمایا۔

اقول: دعویٰ اثبات شرائط ثلثہ بدلائل محض استیلاء تخیل سے ناشی ہے بزعم خود تخیل کر بیٹھے کہ ہم شرائط ثلثہ دلائل سے ثابت کر چکے ورنہ فی الحقیقت ان کا ثبوت محال ہے کیونکہ جو امور کتاب اللہ وسنت کے خلاف ہوں ان کا ثبوت کتاب وسنت سے کیونکر ممکن ہے چنانچہ آپ کے دلائل کے جواب میں گذارش ہو چکا اور امر الہامات ہونا جو بار بار آپ کی زبان پر ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی عادت قدیمہ کے موافق یہ ہی یاد نہیں کہ اس مسئلہ میں امر متنازع فیہ کیا ہے چنانچہ ہم آئندہ قول میں جس میں آپ نے اس کی بحث کی ہے گذارش خدمت کریں گے اور جب شرائط ثلثہ کا آپ سے اثبات نہیں ہو سکا تو یہ سوال آپ کا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو خلیفہ مقرر فرمایا یا اس باب میں کیا ارشاد فرمایا بے موقع ہے ہاں یہ موقع ہمارے سوال کا ہے کہ جب شرائط ثلثہ باطل ہیں تو فرمائیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو خلیفہ مقرر فرمایا یا اس باب میں کیا ارشاد فرمایا۔

قولہ: رہا آپ کا یہ قول کہ اگر اس کلام کے موافق ہے تو مرحبا بالوفاق الخ جب اس کلام کے اصلی معنی بیان کئے گئے اور ثابت کیا گیا کہ جو آپ سمجھے تھے وہ ہرگز اس کا مطلب نہیں ہے تو آپ کا شبہ رفع ہوگیا ہوگا جو کچھ جناب آپ نے اس باب میں فرمایا ہوگا ظاہر ہے کہ اس میں اور اس کلام میں کچھ فرق نہ ہوگا اور ہرگز مخالفت نہ ہوگی اور ہر دو ارشاد بجائے خود حق و درست ہوں گے۔

اقول: بحول اللہ وقوتہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ جو معنی آپ نے اس کلام کے اصلی سمجھے تھے وہ محض غلط تھے اور ناتمام بلکہ وہی معنی دوسرے کلام میں کسی قدر ہمارے مؤید تھے پس اس تحقیق سے محقق ہو چکا ہے کہ اس کے اصلی معنی اور واقعی مطلب وہی تھا کہ جو ہم سمجھے تھے پس ہمارا اعتراض کسی طرح آپ کے اصول سے رفع شدنی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باب میں جو کچھ فرمایا وہ اس کے ہرگز موافق نہیں ہوگا۔

قولہ: تعجب ہے کہ باب تاویل آپ نے کس دلیل سے مسدود کر دیا ہے حالانکہ یہ معنی وہ عرض ہوئے ہیں جو اصلی و واقعی ہیں ورنہ اگر تاویل کی جاتی تو تاویل کی بہت گنجائش تھی کیونکہ باب تاویل نہایت وسیع ہے۔

اقول: جن دلائل سے ہم نے باب تاویل کو اس جگہ بند کیا ہے وہ دلائل وہ ہیں کہ جن سے ہم

نے آپ کے معانی کو باطل کیا ہے اور ما سبق میں مذکور ہو چکے ہیں اور وہیں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ یہ معنی جو آپ نے بیان فرمائے ہیں محض خیالی ہیں اور واقعی ایسے معانی کو تاویل نہیں کہا جاتا بلکہ یہ تحریف معنوی ہے پس جس جگہ عبارت بجز ایک معنی کے کسی دوسرے معنی کو محتمل ہی نہ ہو اور نہ بجز ایک معنی موضوع لہ کے کسی دوسرے معنی کے ثبوت پر کوئی قرینہ قائم ہو بلکہ نفی احتمالات پر قرائن دلالت کرتی ہوں تو ایسی حالت میں باب تاویل مسدود ہوا کرتا ہے پس اس قاعدہ سے کہ باب تاویل واسع ہے یہ استخراج کرنا کہ ہر جگہ جاری ہو سکتا ہے یہ حضرت کے ہی علم و فضل پر زیبا ہے بھلا اگر ایسا ہی باب تاویل واسع ہے تو نصوص صریحہ میں مثل اللہ الہنا و محمد نبینا وغیرہ میں تو تاویل کیجئے تعجب ہے کہ باوجود اس کے خطبہ غدیر من کنت مولاہ کو نص صریح استخلاف میں سمجھتے ہیں اور قابل تاویل نہیں سمجھتے، معلوم نہیں وہاں کس دلیل سے باب تاویل مسدود فرمایا پس باب تاویل کی وسعت اس کو مقتضی نہیں کہ ہر جگہ جاری ہو سکے۔

قال الفاضل المجیب. قولہ. باقی رہا اہلسنت سے یہ سوال کہ خلافت ان کے نزدیک امر دین میں ہے سو اولاً اس کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ جب آپ امر امامت کو معہ اس کی شرائط کے بدلائل ثابت فرمادیں گے تو اس کا اہم المہمات ہونا بھی ثابت ہو جائے گا اہلسنت کچھ ہی کہا کریں مقابلہ دلائل معتبرہ کے ان کا قول کیوں کر معتبر ہو گا۔ اقول. جب کہ بہت بڑا اختلاف اور ما بہ النزاع اہلسنت و شیعہ میں امر خلافت ہی ٹھہرا جیسا کہ ثابت کیا گیا اور آپ کے نزدیک بھی جو امر مبنی معظم اختلاف کا ہے وہ بھی بالآخر منجر بہ بحث امامت ہی ہوتا ہے تو اس سوال کی اشد ضرورت تھی کیونکہ جب تک وہ امر اہم المہمات اور مسائل شرعیہ میں سے عمدہ مسئلہ ثابت نہ ہو گا تب تک یہ اختلاف موجب بدعت و ضلالت و گمراہی وغیرہ نہ ہو گا جو طرفین ایک دوسرے کو کہتے ہیں۔

خلافت کے بارے میں شیعہ حضرات کی کج فہمی

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: اہل انصاف دیکھیں کہ ہم نے کیا عرض کیا تھا اور ہمارے مجیب لبیب اس کے جواب میں کیا فرما رہے ہیں پھر جو کچھ فرمایا ہے اس کی دلیل مدعا سے کچھ مساس رکھتی ہے یا نہیں یہ محض حضرت کی خوش فہمی ہے آپ نے سوال کیا تھا کہ امامت امر دین سے ہے یا نہیں اگر ہے تو اصول سے ہے یا فروع سے اس پر ہم نے عرض کیا تھا کہ اس سوال کی کچھ ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب مسئلہ امامت مع اس کی شرائط کے بدلائل آپ ثابت فرمائیں گے تو اس مسئلہ کا امر دین

میں سے ہونا بھی ثابت ہو جائے گا اور اصول سے ہونا بھی ثابت ہو جائے گا اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب فیما بین اہلسنت و شیعہ بہت بڑا اختلاف امر امامت میں ہے اور آپ کے نزدیک بھی معظم خلافیات راجع بہ بحث امامت ہے تو اس سوال کی اشد ضرورت تھی اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہوتی ہے کیونکہ جب تک وہ امر اہم المہمات اور مسائل شرعیہ سے عمدہ مسئلہ ثابت نہ ہو گا تب تک یہ اختلاف موجب بدعت و ضلالت نہ ہو گا پس اس تقریر سے ہمارے اعتراض کا کیا جواب ہوا اور اس دلیل کو اپنے مدعا سے کیونکر ربط ہوا ظاہر ہے کہ جب یہ مسئلہ بہت بڑا ما بہ النزاع ہے اور جب تک اس کا اہم المہمات ہونا ثابت نہ ہو گا تب تک یہ اختلاف موجب ضلالت نہ ہو گا تو اس سے صرف یہ بات ثابت ہوئی کہ اس کی اور اس کی شرائط کی اثبات کی ضرورت ہے جب وہ مع اپنی شرائط کے دلائل سے ثابت ہو گا تو اس وقت یہ اختلاف موجب ضلالت بھی ثابت ہو جائے گا پس اس کے مع اس کی شرائط کے اثبات کی ضرورت ہے نہ سوال کی اور بندہ نے بھی یہی عرض کیا تھا کہ اس سوال کی کچھ ضرورت نہیں آپ نے اس جگہ محض دعوے بلا دلیل فرمایا ہے دلائل سے ان کو ثابت فرما دیجئے دین میں اور اصول میں سے ہونا خود ثابت ہو جائے گا تو اس عبارت سے ہمارے اعتراض کی تقویت ہوئی نہ ہمارے اعتراض کا جواب اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مدعا تو اشد ضروری ہونا سوال کا تھا اور دلیل سے اشد ضروری ہونا اثبات امر خلافت کا مع اس کی شرائط کے ثابت ہوا، رہا اثبات امر خلافت مع اس کی شرائط کے سو اس کی بحث گذر چکی، اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں، اور انصاف سے بول اٹھیں اور بحث اہم المہمات ہونے کی عنقریب آتی ہے اس کے منتظر رہیں،

قولہ: الحمد للہ کہ ہم نے امر امامت کو مع اس کی شرائط کے مدلل ثابت کر دیا،

اقول: جن دلائل سے آپ نے امر امامت کو مع اس کی شرائط بزعم خود مدلل ثابت فرمایا ہے ان دلائل کی کیفیت و حالت بندہ بخوبی واضح کر چکا ہے اور بحول اللہ ثابت کر چکا ہے کہ یہ دلائل ایسے واہی اور ضعیف ہیں کہ ان سے ہرگز ممکن نہیں کہ قیامت تک بھی ثبوت مدعا ہو سکے۔

قولہ: جو عبائر ازالۃ الخفاء سے نقل ہوئی ہیں ان میں یہی نقط یعنی اہم المہمات بلکہ اس سے بڑھ کر مثل اس کی کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریب عباد تا ان فریضہ مختومہ نکند ادائے ما وجب نکردہ باشد حاشا من ذلک، جو تقریباً اس آیت وافی ہدایت کا ترجمہ ہے کہ و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ موجود ہے آپ ان عبائر کو نظر غور سے انصاف سے مطالعہ فرمادیں،

اہلسنت اور شیعہ میں خلافت کے اہم المہمات ہونے کی نسبت مابہ النزاع کی تحقیق

اقول: آپ کی اس تقریر سے اور نیز تقریرات سابقہ ولاحقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو فیمابین اہلسنت وشیعہ مسئلہ امامت کے اہم المہمات ہونے کے بارہ میں تنازع ہے اور نیز ہمارے اور آپ کے اس مسئلہ میں اختلاف ظاہر ہو چکا ہے اس میں آپ ہی نہیں سمجھے کہ اصل مابہ النزاع کیا ہے اور کس چیز میں نزاع وخلاف ہے۔ آپ کے فحوائے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ خلافت کے اہم المہمات ہونے اور نہ ہونے کو مابہ النزاع سمجھے ہوئے ہیں اور یہ سمجھ رکھا ہے کہ نزاع اس کی ضرورت اور اہمیت میں ہے اس لئے اہل سنت کی کتابوں میں جس جگہ لفظ اہمیت یا اس کے ہم معنی مل گیا وہی ثبوت مدعا کے لئے بزعم خود نص ہے حالانکہ یہ خیال بالکل غلط اور سراسر لغو ہے کیونکہ جس شخص نے احکام ونصوص شرعیہ کا تتبع کیا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ اہم اور ضروری ہونا کسی حکم کا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ اصول میں سے ہو۔ ممکن بلکہ بہت احکام ایسے ہیں جو فرعی عملی ہیں اور نہایت اہم اور ضروری ہیں کیا آپ کے نزدیک صوم وصلوٰۃ اہم اور ضروری نہیں، کیا آپ ان کو اور نیز باقی ارکان اسلام کو اہم اور ضروری نہیں سمجھتے، پس اہمیت شئی کی کچھ اسی پر منحصر نہیں ہے کہ وہ اصول ہی میں سے ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی اہمیت بوجہ وجوب اور قطعی الثبوت ہونے کے ہو چنانچہ ایتان بالفرائض اور اجتناب عن المحرمات اس کے لئے شاہد عدل کافی ہیں اور نیز ممکن ہے کہ اہمیت حکم کے بالواسطہ اور بالتبع کسی دوسرے ضروری امر کی ہو اسی واسطے وسائل کو حکم مقاصد کا دیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مقدمۃ الواجب واجب قاعدہ قرار پایا چنانچہ ہم نے جو لفظ اہم المہمات کا لکھا ہے وہ اسی اعتبار سے لکھا ہے اور یہ امر سیاق عبارت سے بخوبی ظاہر ہے اور ہر شخص اس کو سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ فہم سے عاری نہ ہو، پس یہ ضرور نہیں کہ جو بروئے شرع اہم ہو وہ اصول میں بھی داخل ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ جو امر اصول دین میں سے ہوگا وہ ضرور اہم اور ضروری ہوگا پس ہم مسئلہ امامت کو اہم اور ضروری سمجھتے ہیں لیکن اصول میں سے نہیں سمجھتے اور حضرت شیعہ اس کو اصول دین میں داخل کرتے ہیں تو منشا نزاع فیمابین اہل سنت وشیعہ امر خلافت کا اہم اور ضروری ہونا نہیں ہے بلکہ اصول میں ہونا ہے اس لئے ہمارے مقابلہ میں وہ دلائل پیش کرنا جن کا مدلول صرف اہمیۃ خلافت ہو بالکل واہیات

اور پوچ ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ مستدل مابہ النزاع کو ہی نہیں سمجھا اور نہ تعین محل نزاع کا اس کو معلوم ہوا، نہ وہ دلائل اس قابل ہیں کہ ہم ان کو نظر التفات سے دیکھیں اور اصل وجہ اس نزاع وخلاف کی فیمابین اہلسنت وشیعہ مسئلہ خلافت میں یہ ہے کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ عباد پر واجب ہے کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنا دیں اور امام مقرر کریں اور شیعہ کے نزدیک اس میں عباد کو کچھ دخل نہیں ہے بلکہ کہتے ہیں کہ خدا پر واجب ہے کہ وہ خلیفہ وامام کو مقرر فرما دے اہل سنت کے نزدیک جب استخلاف عباد پر واجب ہے تو اس کا وجوب متعلق ان کے عمل کے ہوا اس لئے فرعی عملی ہوا، پس بمقابلہ اہلسنت کے اس کے ابطال کے لئے وہ دلیل قابل جواب ہوگی جو اس مسئلہ کے فروعی ہونے کو باطل کرے اور اصولی ہونا ثابت کرے اور ظاہر ہے کہ جو دلیل ازالۃ الخفاء سے نقل کی ہے وہ ہرگز مفید مدعا مجیب نہیں ہے کیونکہ اس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافت فریضہ محتومہ ہے ولیس اور یہ مستلزم اس کے اصولی ہونے کو ہرگز نہیں بلکہ کلام سے ثابت ہے کہ فریضہ محتومہ بھی عباد پر ہے اور ان کے عمل کے متعلق ہے تو اس سے بھی اس کا فرعی عملی ہونا ثابت ہوا نہ اصول میں سے ہونا۔ رہا آیت وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ سے استدلال اس مدعا پر اس سے بھی زیادہ لغو ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو احکام وجوب وحرمت وندب واباحت وکراہت اور علی ہذا القیاس قصص وامثال ومتشابہات وغیرہ سے نازل ہوئے اور جن کی نسبت حکم ہے کہ عباد کو پہنچا دو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہے کہ ان سب کی تبلیغ فرما دیں اور کسی میں اخلال وکوتاہی نہ فرما دیں خواہ وہ اہم اور ضروری مثل فرائض کے ہوں یا نہ ہوں پھر اگر بفرض محال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی امر کی تبلیغ میں اخلال فرما دیں خواہ وہ امر ضروریات دین سے ہو یا نہ ہو تو بھی تبلیغ رسالت میں کوتاہی ہوگی اور مضمون آیت وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ صادق آوے گا، پس اس آیت شریفہ سے اثبات اہمیۃ پر استشہاد لانا سراسر لاطائل ہے پس ان عبارات کو ہمارے فاضل مجیب بغور ملاحظہ فرمائیں اور عقل وانصاف سے کام لیں۔

قولہ: معہذا مزید احتیاط اور بھی ثبوت لیجئے۔ جن صحابہ کرام کی آپ افضلیت کے معتقد ہیں اور مبنی معظم اختلاف کا ان کے فضائل کو ہی اعتقاد کرتے ہیں وہ بھی اس کو ایسا اہم المہمات سمجھتے تھے کہ سید کائنات وفخر موجودات کی نعش اطہر بدون تجہیز وتکفین کے ہی رہی اور اس کی طرف آپ کے صحابہ کرام متوجہ بھی نہ ہوئے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں ثانی نے اول کو خلیفہ بنا ہی دیا۔ اب فرمائیے کہ اس میں یہ جلدی وعجلت کہ سرا سر محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور اہل بیت اطہار کی

ہمدردی و مروت پر دال ہے امر خلافت کے اہم المہمات ہونے کی غرض سے تھی یا کسی اور غرض سے مفصل ارشاد ہو اور یہ حال کل کتب احادیث وتاریخ و سیر میں درج ہے اور نہیں تو مدارج النبوۃ کو ہی ملاحظہ فرماویں اس میں بعینہ یہ ہی لفظ یعنی اہم المہمات تحریر ہے۔

شیعہ مصنف کا مقصد سے فرار اور محض لفظی کج بحثی

اقول: اس استدلال میں بھی وہی خرابی موجود ہے کہ ہمارے فاضل مجیب نے امر متنازع فیہ کو جس کا اثبات مطلوب ہے اپنی عادت قدیمہ کے موافق پس پشت ڈال دیا اور اس کو بھول گئے اور صرف لفظ اہم المہمات کے پیچھے ہو لئے اور یہ نہ سمجھا کہ ما بہ النزاع کیا ہے اور اگر یہ ثابت ہو گیا تو اس سے خصم کا کیا نقصان ہوگا آفرین ہے اس علم و فہم پر اور شاباش اس حیا و شرم کو سقیفہ بنی ساعدہ کے قصہ سے جو آپ نے استدلال فرمایا ہے بالکل لاطائل و پوچ ہے کیونکہ غایۃ ما فی الباب اگر اس سے لازم آتا ہے تو یہ لازم آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امرین ضروریین میں سے جو باہم متعارض پیش آئے ایک امر کو جو زیادہ اہم تھا دوسرے پر مقدم فرمایا پس اس سے بجز اس کے کہ یہ ثابت ہوا کہ امر خلافت اہم اور ضروری اور واجب ہے اور کیا ثابت ہوتا ہے سو اس کا کوئی منکر نہیں ہے جس قدر فرائض و واجبات عملی ہیں وہ سب اپنے اپنے مرتبہ میں اہم اور ضروری ہیں البتہ نزاع اس میں ہے کہ امر خلافت اصول میں سے ہے یا فروع میں سے پس اس دلیل سے صاف ثابت ہے کہ امر خلافت اصول میں سے نہیں ہے بلکہ فروع میں سے ہے کیونکہ جو لوگ شریک بیعت سقیفہ بنی ساعدہ تھے وہ سب علی الخصوص خلیفہ اول و خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہما وجوب امر خلافت کو منوط بعمل امت اعتقاد کرتے تھے تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ یہ واجب ان کے نزدیک داخل فروعات تھا رہا یہ امر کہ امر خلافت کا سرانجام تجہیز و تکفین نعش اطہر و اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اہم اور اقدم تھا یہ خود ظاہر ہے کہ امر خلافت ایسا مقدمہ ہے کہ اس پر استحکام بنا دین و اسلام اور انتظام امر دین موقوف تھا اگر اس میں تزلزل آتا تو خدا نخواستہ تمام دین ہی درہم برہم ہو جاتا اور تجہیز و تکفین کی تاخیر سے کوئی خرابی لازم نہ آتی تھی اور ہمیشہ قاعدہ ہے کہ اہم الامرین کو دوسری پر مقدم کیا جاتا ہے مگر تعجب تو یہ ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے زمانہ خلافت خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم میں اس خوف سے کہ اگر میں امر خلافت کا مطالبہ کروں اور اس میں مناقشہ کروں تو یہ تمام لوگ جو بظاہر کلمہ گو اور بباطن کافر ہیں ظاہری اسلام سے بھی پھر جائیں گے اور فتنے اٹھ کھڑے ہوں گے امر خلافت کا مطالبہ نہ فرمایا اور اس کو ترک کیا اور

جو امر کہ مثل توحید و نبوت کے اصول دین میں سے تھا اس کو پیچھے ڈال دیا تو گویا جناب امیر رضی اللہ عنہ نے موافق اصول شیعہ کے کفر و نفاق کو اصل اصول ایمان سے مقدم فرمایا اور کفر و نفاق کو بہ نسبت اصول دین کے اہم المہمات سمجھا تو اس سے معلوم ہوا کہ معاذ اللہ آپ کے نزدیک کفر و نفاق اصل اصول دین سے اہم اور ضروری تھا نعوذ باللہ من ذلک۔ اور یہ طعن کہ صحابہؓ نعش اطہر کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ نہ ہوتے اس کا جواب ہم ابحاث سابقہ میں مفصل گذارش کر چکے ہیں حاجت اعادہ نہیں۔ پس اگر مدارج النبوۃ وغیرہ میں خلافت کی نسبت لفظ اہم المہمات درج ہو تو وہ ہمارے ہرگز مخالف نہیں ہے اور نہ ہمارے مجیب کے مفید مدعا بلکہ وہ اسی معنی کے اعتبار سے ہے کہ جو ہم گذارش کر چکے ہیں۔

قولہ: شرح عقائد نسفی میں یہ عبارت موجود ہے۔ ولان الامۃ قد جعلوا اہم المہمات بعد وفات النبی عم نصب الامام حتی قدموہ علی الدفن وکذا بعد موت کل امام ولان کثیرا من الواجبات الشرعیۃ یتوقف علیہ الخ شرح عقائد نسفی تو شاید اہل سنت میں کتب درسیہ میں سے ہے اور حضرت مجیب عالم فاضل ہیں ظن غالب ہے کہ یہ کتاب تو سبقاً پڑھی ہوگی پھر تعجب ہے کہ حضرت امامت کو اہم مہمات نہیں سمجھتے۔

شرح عقائد کی ایک عبارت سے شیعہ مصنف کیا سمجھے اور حقیقت کیا ہے؟

اقول: عبارت منقولہ شرح عقائد نسفی سے استدلال کا منشا بھی وہی خطا ہے جو ہمارے فاضل مجیب کو واقع ہوگئی ہے کہ ما بہ النزاع کو فراموش فرما دیا ہے اور لفظ اہم المہمات کے پیچھے ہوئے ہیں جس جگہ یہ لفظ مل گیا فرط خوشی سے جامہ سے باہر ہو گئے اور آنکھیں بند کر کے بے سمجھے بوجھے نقل کر دیا اور سمجھے کہ میدان مار لیا پھر اس فہم پر کس قدر دعویٰ اور کیا کچھ ناز و افتخار اس عبارت میں بجز اس کے کہ لفظ اہم المہمات مذکور ہے جو مفید مدعا نہیں اور کون سا لفظ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت اصول دین میں سے ہے۔ اور پہلے گذارش ہو چکا ہے کہ لفظ اہم المہمات سے ثبوت اس امر کا ممتنع ہے کہ یہ حکم اصول میں سے ہے اور فروع میں سے نہیں شرح عقائد بے شک درسی کتاب ہے لیکن آپ کو کچھ مفید نہیں بلکہ اس ناشائستہ استدلال کے واسطے تو اگر آیت قرآنی بھی ہو تو بھی ثبوت مدعا محال ہے۔ پس اگر آپ ہمارے امر امامت کو اہم مہمات نہ سمجھنے

سے تعجب فرماویں توکچھ تعجب نہیں لیکن تعجب یہ ہے کہ خود ہی سوال فرماویں (آپ کے نزدیک خلافت امور دین میں سے ہے یا نہیں شق اول میں اصول میں سے ہے یا فروع سے) اور خود ہی بھول جاویں یا بھولا دیویں۔

قولہ: جو امر واقعہ میں اہم ہے وہ کسی کے ماننے نہ ماننے پر منحصر نہیں اہم اہم ہی ہے مگر حضرات اہل سنت کا عجیب حال ہے کہ خود ہی ایک امر کو اہم المہمات کہتے ہیں بلکہ اس کا ایسا ہونا بدلائل ثابت کرتے ہیں اور باایں ہمہ خصم کے مقابلہ میں اس کو نہایت ہی اخف سمجھتے ہیں۔

اقول: بے شبہ جو امر واقع میں اہم ہے اس کو کوئی مانے یا نہ مانے وہ ہر طرح اہم ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد ہے کہ امر خلافت باعتبار داخل اصول ہونے کے اہم ہے تو یہ سراسر غلط ہے اس وقت تک آپ نے اس کے ثبوت کے لئے نہ کوئی دلیل پیش کی نہ کوئی حجت بیان فرمائی تو اس کی واقعیۃ بلا دلیل کیونکر تسلیم کی جاوے اور اگر اہمیۃ خلافت اسی طرح ملحوظ ہے جس طرح فرعیات بالواسطہ اہم ہوتی ہیں تو اس کا کوئی منکر نہیں، پس یہ اہل سنت کا حال ہی نہیں ہے جس پر آپ کو تعجب ہے یہ صرف حضرت کے علم و فہم و فضل و کمال کی خوبی ہے کہ اہم ہونے اور اصول میں ہونے میں امتیاز نہیں فرماتے اور باہم تفرقہ نہیں سمجھتے اہل سنت کے نزدیک اہمیۃ و غیر اہمیۃ باعتبارات مختلفہ ہے بیکوں۔ البتہ حضرات شیعہ کی حالت عجیبہ قابل دیکھنے کے ہے کہ خود ہی اس کو اہم المہمات اور اصول دین میں سے گنتے ہیں اور خود ہی فرماتے ہیں کہ ائمہ نے کبھی خلافت کا نام بھی نہیں لیا بلکہ بعض نے تو خلعت خلافت جو تالی نبوت ہے ایک کافر و منافق کو علی زعمہم بخش دیا ان ہذا الشئی عجاب۔

قولہ: جب ہم نے اس کو اہم المہمات مدلل ثابت کر دیا تو اب آپ کے ہی قول کے موافق اہل سنت کچھ ہی کہا کریں یہ امر اہم المہمات ہی ہے بمقابلہ دلائل معتبرہ مذکورہ بالا ان کا قول معتبر نہیں۔

اقول: بے شک اگر آپ، دلائل معتبرہ شرعیہ سے امر خلافت کا اصول میں ہونا ثابت کر دیتے تو اہل سنت کا قول بمقابلہ دلائل شرعیہ کے کیونکر معتبر ہوتا لیکن دلائل شرعیہ سے اس کا ثبوت کہ امر خلافت اصول دین میں سے ہے محال ہے آج تک آپ کے اسلاف بزرگواروں سے تو یہ ثابت ہو ہی نہیں سکا تو آپ کیا ثابت کریں گے اور جس کو آپ نے اپنے زعم میں اثبات سمجھا تھا اس کو ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہ آپ کی خوش فہمی کا ثمرہ تھا و بس۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ معہذا خلافت اہل سنت کے نزدیک فروع دین سے ہے چنانچہ

خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الغین میں تصریح کی ہے۔ اقول۔ اگر واقعی امر خلافت فروع دین سے ہے تو منکر ترتیب خلافت ضال و گمراہ کیوں ہے حالانکہ مسائل فروعیہ میں ائمہ اربعہ اہل سنت میں اختلاف کثیر ہے اور باایں ہمہ چاروں برحق ہیں کوئی ایک دوسرے کو مبتدع و ضال نہیں کہتا۔

خلافت کے اصلی اعتقادی ہونے کی دلیل کا ابطال

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: ہم کو اپنے مجیب لبیب کی خوش فہمی پر کمال افسوس ہے کہ حضرت کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کون سے مسائل و احکام ہیں جن کے انکار سے مستحق تکفیر و تضلیل ہوتا ہے اور یہ سمجھے ہوتے ہیں کہ منکر فروع کو مطلقاً ضال نہیں کہا جا سکتا بلکہ صرف اسی وقت تکفیر و تضلیل کی جاوے گی جب انکار اصول دین کا ہوگا۔ حالانکہ یہ انحصار بالکل غلط اور باطل ہے کیا یہ بات آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ فروعات کے انکار سے مثل وضو و تیمم کے مستحق تکفیر و تضلیل کا ہو سکتا ہے حاصل یہ ہے کہ ضروریات دین کا انکار خواہ فروع ہی کیوں نہ ہوں مستوجب تکفیر منکر ہوگا چنانچہ خود بدیہی ہے اور مسئلہ ترتیب خلافت باوجودیکہ فروع میں سے ہے لیکن چونکہ ضروریات دین سے ہے اور قطعی الثبوت ہے اس لئے اس کا منکر بھی مستوجب تضلیل ہے پس استحقاق تضلیل منکر مسئلہ کے اصول دین میں سے ہونے پر دلالت نہیں کرتا علاوہ ان کے وہ مسائل جن میں اجتہاد کو مساغ ہے اور ایک نوع کا خفا یا اشکال یا اجمال ان کی نصوص و دلائل میں پایا جاتا ہے اور محتملات ناشیہ عن دلیل کی ان میں گنجائش ہے تو ایسے اختلافات موجب رحمت ہیں اور یہ اختلافات مستوجب تکفیر یا تضلیل کے نہیں ہیں چنانچہ ائمہ اربعہ اہل سنت میں جس قدر اختلافات ہیں وہ اسی قسم کے ہیں اور جب یہ اختلافات موجب توسع و رحمت ہیں چنانچہ ارشاد ہے اختلاف امتی رحمۃ تو یہ اختلافات مستحق تضلیل کے نہیں ہو سکتے اب ہم اپنے اس مدعا کے ثبوت پر آپ کی معتبر کتاب معالم الاصول شہید ثانی سے دلیل لاتے ہیں وہ بحث اجتہاد میں ص ۲۳۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

اتفق الجمہور من المسلمین علی
ان المصیب من المجتہدین مختلفین
فی الظنیات امتی دفع التکلیف بلا وجہ

جمہور اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ مجتہدین میں سے
جو مجتہد ظنیات میں مختلف ہیں جن پر تکلیف واقع
ہوتی ہے ایک مصیب ہے جو صواب ہے اور دوسرا

وان الاخر مخطی آثم لان اللہ تعالیٰ
کلف فیہا بالعلم ونصب علیہ ولیلا فالمخطی
لہ مقصر فیبقی فی العہدۃ وخالف فی
ذلک مشذ وذمن اھل الخلاف وھو بمکان
من الضعف واما الاحکام الشرعیۃ
فان کان علیہا دلیل قاطع فالمصیب فیہا ایضا
واحد والمخطی غیر معذور وان کانت مما
یفتقر الی النظر والاجتہاد فالواجب علی
المجتہد استفراغ الوسع فیہا ولا اثم علیہ
حیئذ قطعا بغیر خلاف یعبا بہ ۔

خطا پر ہے اور گنہگار کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس
میں علم کی تکلیف دی ہے اور دلیل قائم کی ہے
پس مخطی اس کے لئے کوتاہی کرنے والا ہے تو اس
کے ذمہ پر باقی رہے گا اور اس میں اہل خلاف
میں کے چند لوگوں نے خلاف کیا ہے اور وہ ضعف
کے نہایت مرتبہ میں ہے اور لیکن احکام شرعیہ اگر ان
پر کوئی قطعی دلیل ہو تو اس میں بھی ایک ہی مصیب ہے
اور مخطی معذور نہیں اور اگر وہ ان احکام میں سے ہو جو نظر و
اجتہاد کی طرف محتاج ہیں تو مجتہد پر ان میں کوشش کا خرچ کرنا
ہے اور بدون خلاف کے جو قابل اعتبار ہو اس وقت اس پر یقیناً گناہ نہیں ہے

پس اپنے شہید ثانی کی شہادت کو ملاحظ فرمایئے اور اپنے استدلال کو دیکھ کر کچھ تو شرمایئے لیکن اس قدر گذارش کرنا باقی رہ گیا کہ تمام فرق شیعہ کے فیما بین جو کچھ اصول دین میں تکاذب و تجاحد ہے خصوصاً فرق شیعہ امامیہ میں جو کچھ در باب امامت اختلاف ہے اس کی نسبت ہم پوچھتے ہیں ہمارے فاضل مجیب فرمائیں تو سہی، قطع نظر اس سے آپ کے اکابر و اسلاف مثل ہشام الجوالیقی اور مومن الطاق جن پر ہشام الحکم نے ان کے رد و ابطال میں کتابیں لکھیں اور جو صریح ضروریات دین کے منکر تھے اور اصول دین میں جمہور فرق اسلامیہ کے مخالف تھے اور خداوند تعالیٰ شانہ عما یقولون علواً کبیرا کے جسم کے قائل تھے ان کی نسبت مفصل ارشاد فرمائیں، اچھا فرق شیعہ اور فرق امامیہ کو اور ان کے اختلافات کو رہنے دو جناب امامین ہمامین ثانی و ثالث در باب تسلیم خلافت امیر معویہ جو اختلاف ہوا اگر یہ مسئلہ اصول دین میں سے ہے اور اصولی اختلاف مستوجب تضلیل ہے تو معاذ اللہ اپنے اصول پر کس کی تکفیر و تضلیل کیجئے گا اور نیز امام رابع شیعہ اور محمد بن حنفیہ میں باہم امامت میں اختلاف ہوا کہ ہر ایک شخص ان میں سے اپنی امامت کا مدعی اور دوسرے کی امامت کا منکر ہوا تو فرمایئے کہ اپنے قاعدہ کے موجب کس کی تکفیر و تضلیل کیجئے گا اور کس کو مبتدع اور ضال کہئے گا اور جو کچھ اختلاف کہ فروعات میں ہے اس کا تو کیا ذکر کروں ۔

قولہ : اس فروعی مسئلہ کے لئے آپ کے خلیفہ ثانی نے خلیفہ اول کی بیعت سے تخلف کرنے والوں کو کہ ان میں جناب امیر علیہ السلام و بنی ہاشم اور آپ کے عشرہ مبشرہ میں سے زبیر بھی تھے گھر جلانے

کی دھمکی کیوں دی اور ان حضرات کا کچھ پاس لحاظ کیوں نہ کیا فروعی اختلاف میں اس تشدد کے کیا معنی ؟

فروعی اختلافات میں بھی تشدد ہو سکتا ہے

اقول : اگر فروعی اختلافات آپ کے نزدیک مستوجب تشدد نہیں ہے تو جناب امیر نے جناب امام حسین پر ان کے عسل بیت المال سے بقدر ایک رطل کے لے لینے پر کیوں اس قدر تشدد اور غضب فرمایا اور کیوں ان کے مارنے کا قصد کیا اور ان کا پاس و لحاظ کیوں نہ کیا آپ ہی فرمایئے کہ فروعی اختلاف میں اس قدر تشدد کے کیا معنی ؟ اور نیز جب کہ شیر خدا بزعم شیعہ مخالفین کے ڈر سے گھر میں دبک کر بیٹھ گئے اور اپنے حقوق و فدک وغیرہ کا نام تک نہ لیا اور جناب معصومہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت کی (بروایات قوم والعہدۃ علیہم فیہا) کیا کچھ تذلیل و توہین کی اور کیسے کیسے کلمات ناملائم و مستنکر فرمائے پس اگر فروعات مستوجب تشدد نہیں ہوتی تو آپ نے جناب امیر کی ایسی کیوں تذلیل و توہین صرف فروعات کے لئے فرمائی اور کیوں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اور حضرتؑ کی زوجیت اور ان کی امامت و عصمت اور افضل الناس ہونے کا کچھ لحاظ و پاس نہ فرمایا فروعات میں اس قدر تشدد کے کیا معنی، اسے بھی ایک طرف رکھو جناب ابن عم النبیؐ وافقہ الناس ابن عباس جب کہ بشہادت روایات قوم بیت المال بصرہ سے کچھ مال لے کر مکہ آ بیٹھے اور جناب امیر کو اس امر کی اطلاع ہوئی اور آپ نے ایک سخت تشدد کا خط لکھا جو نہج البلاغۃ میں درج ہے اور ہم ابحاث سابقہ میں اس کی نقل کر آئے ہیں اس میں یہاں تک لکھا فان لم تفعل ثم امکننی اللہ لاعذرن اللہ فیک والاضربنک بسیفی ۔ پس اگر فروعی اختلاف مستوجب تشدد نہیں تو جناب امیر نے فروعات میں کیوں اس قدر تشدد کیا اور کیوں پاس و لحاظ کچھ نہ کیا اور یہاں تک فرمایا کہ اگر حسن و حسین ایسا کام کرتے تو میں ان سے بھی مصالحت نہ کرتا اور باطل کو ان کے مظلمہ سے دور کرتا پس اگر فروعی اختلافات مستوجب تشدد نہیں ہوتا تو آپ کے اس تشدد کے کیا معنی اور اس کے علاوہ جناب امیر نے اپنے عمال پر فروعات میں تشددات فرمانے وہ بھی آپ کے نزدیک ظلم اور ناحق ہوں گے، قطع نظر اس تقریر سے یہ بھی آپ کے نزدیک پایا گیا کہ حدود و قصاص کا اجراء اور سیاست و تعزیر کا عمل سب ظلم ہے اور ناجائز کیونکہ یہ امور بالاتفاق فرعیات ہیں اور فرعیات میں ایسا تشدد جائز نہیں ہے تو یہ بھی جائز نہ ہوں گے پس آپ کے اس قاعدہ نے شریعت کا ایک

سنت بڑا حصہ ہی منہدم کر دیا اور بنیاد اسلام کو ہی گرا دیا۔ آپ کے اس علم و فہم پر نہایت افسوس ہے اور بڑا افسوس اس وجہ سے ہے کہ آپ نے تمام عمر مناظرہ دانی اور موافق و مخالف کی کتابوں کی اوراق گردانی میں گذاری ہے علی الخصوص تحفہ اثنا عشریہ تو از بر ہو گا پھر اس پر یہ حال ہے۔ اب مختصراً گزارش ہے کہ تحفہ میں جواب قصد احراق بیت سیدہ فاطمہؓ کے ضمن میں لکھا ہے کہ جناب فاروق کا یہ قصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مستنبط ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متخلفین عن الجماعۃ کے حق میں وعید تحریق فرمایا تھا حالانکہ جماعت فروعات میں سے یا واجب ہے یا سنت مؤکدہ پس اس کے ترک کی وجہ سے جب آپ نے وعید احراق صادر فرمایا تو معلوم ہوا کہ فروعات میں بھی تاکید و تشدید جاری ہوتی ہے اگر آپ کو فن حدیث سے کچھ بھی مس ہوتا تو صدہا احکام اس قسم کے بہم پہنچتے مثلاً چند ہی عرض کرتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک صلوٰۃ کو کفر سے تعبیر فرمایا بلا حج کے مرنے کو یہودیت و نصرانیت سے تعبیر فرمایا جس قبطی کی نسبت اتہام تھا کہ اس نے آپ کی لونڈی کے ساتھ زنا کیا ہے حضرت علی کو اس کے قتل کا حکم فرمایا۔ آپ نے فرمایا لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت (اعاذھا اللہ من ذلک) لقطعت یدھا علی ھذا القیاس بلا مبالغہ صدہا ایسے واقعات فریقین کی کتابوں میں نکلیں گے جو اس امر پر واضح دلیل ہوں گے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جناب امیر نے فروعات میں تہدیدات و تشدیدات فرمائے ہیں۔ پس ان کو یا اصول دین میں سے سمجھئے یا اپنے قول سے رجوع کیجئے اور قائل ہو جیئے کہ یہ الزام غلط تھا اور واقعی فروعات میں تشدیدات شرعاً وارد ہیں ہم نے اس وقت بخوف تطویل چند امثلہ پر ہی اکتفا کیا ورنہ اگر پھر بھی ہمارے جناب مخاطب کو شک رہے گا تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کی بہت جزئیات فریقین کی کتابوں سے نکال کر دکھلا دیں گے۔

قولہ: فروعی مسائل سے جاہل موت جاہلیہ سے نہیں مرتا ہے حالانکہ یہ حدیث ومن لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ متفق علیہ ہے جاہل امام زمانہ موت جاہلیہ سے مرتا ہے اگر یہ بات ہو کہ جاہل مسائل فرعیہ کا یہ حال ہو تو آپ کے خلفائے ثلاثہ بعض مسائل نہیں جانتے تھے حتیٰ کہ بعض الفاظ قرآن کے معنے سے آگاہ نہ تھے ان کا کیا حال ہو گا۔

حدیث ومن لم یعرف امام زمانہ سے خلافت کے اعتقادی ہونے پر استدلال کا ابطال

اقول: اس استدلال میں بوجوہ چند بحث ہے۔ اول تو اس روایت کی اہل سنت کے مذہب پر صحت ثابت کرنا چاہیئے۔ دوسری یہ کہ یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ اس جگہ لفظ امام سے مراد خلیفہ ہی ہے ہم کہتے ہیں ممکن ہے کہ امام سے مراد نبی یا کتاب اللہ ہو چنانچہ اطلاق لفظ امام کا کتاب اور نبی پر کتاب اللہ میں وارد ہے۔ تیسری یہ کہ جب امامت آپ کے نزدیک اصول دین میں سے ہے اور اصول دین کے اثبات کے لئے دلائل قطعیہ کا ہونا ضروریات سے ہے اور یہ خبر بعد تسلیم صحت خبر واحد ہے اور ظنی تو اس سے اصول دین کا اثبات ممنوع ہے چوتھی یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے معرفت نبی کو کافی نہیں سمجھا اور اس امر کی خبر دی کہ کفار کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال معرفت حاصل تھی اور ارشاد فرمایا یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم اور باوجود اس کمال معرفت کے ان کے حق میں تحقق ایمان کے لئے کافی اور معتبر نہیں سمجھے گئے تو امام کے حق میں یہ معرفت کیونکر معتبر ہو سکتی ہے پس اس معرفت سے یا وجوب ایمان مراد ہے یا وجوب طاعت اول باطل ہے کیونکہ خداوند کریم نے اپنی کتاب قرآن مجید میں جس جگہ ایمان مذکور فرمایا ہے یا ایمان باللہ ہے یا ایمان بالرسل یا ایمان بالکتب ہے یا ایمان بالمعاد کسی جگہ ایمان بالائمہ نہیں فرمایا اگر امامت بھی داخل اعتقادیات ہوتی تو کہیں تو خداوند کریم تعالیٰ شانہ اپنی کتاب میں مذکور فرماتا اور جب کسی جگہ اس کی نسبت ایمان کا ذکر نہیں کیا تو معلوم ہو کہ یہ مسئلہ اصلی و اعتقادی نہیں ہے تو فرعی عملی ہوا چنانچہ کتاب اللہ میں دوسری شق یعنی اطاعت کا ذکر فرمایا اور وہ بھی اس طرح پر کہ عمال و قضات و نواب و علما کو شامل ہے اور ظاہر ہے کہ حکم وجوب اطاعت امیر کہ خود فرعیات سے ہے اور متعلق بافعال عباد ہے تو معلوم ہوا کہ معرفت سے مراد ایمان تو نہیں ہے اگر ہے تو اطاعت ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے ایمان بالائمہ کی تکلیف نہیں دی بلکہ ان کی اطاعت کو مامور بہ فرمایا تو اس حدیث کے اس صورت میں یہ معنی ہوں گے من لم یطع امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ اور یہ معلوم ہی ہو چکا ہے کہ حکم وجوب اطاعت فروع میں سے ہے پس یہ بھی ان فروعات سے ہو گا جن کی نسبت تاکیدات فریقین کی روایات میں ہیں مثلاً ترک صلوٰۃ ہے کہ کفر کے ساتھ تعبیر مذکور ہے ترک حج سے موت یہودیت و نصرانیت سے

ڈرایا گیا ہے ترک تقیہ کو خروج دین سے تعبیر کیا گیا ترک متعہ کو خروج اپنی جماعت سے بیان کیا گیا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی مسئلہ اصلی اعتقادی نہیں سب فرعیات ہیں تو اسی طرح اس مسئلہ فرعی میں بھی تغلیظ و تشدید کے طور پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اس وجہ سے کہ بہت سے فرائض و واجبات کا موقوف علیہ ہے بلکہ اجرائے شرائع اسلام و شعائر دین اس پر منحصر ہیں اگر اس میں اخلال ہو تو تمام دین میں برہمی پیدا ہو گی اسی واسطے بزعم شیعہ جناب امیر نے بھی سکوت فرمایا تھا تو ایسا مسئلہ فرعی جو موقوف علیہ تمام دین کا ہو بہت زیادہ مستحق ہے کہ اس کے ترک و اخلال سے مواعید شدیدہ اور زواجر غلیظہ کے ساتھ عباد کو ڈرایا جاوے۔ پس اس سے ہمارے مجیب کا خلافت کے اصلی اعتقادی ہونے پر دلیل لانا ان کی خوش فہمی کا بدیہی ثبوت ہے۔ پانچویں محل طعن و استدلال میں موت جاہلیۃ سے کیا مراد ہے اگر موت علی الکفر مراد ہے تو غلط ہے اس کا ثبوت دیجئے اور اگر موت جاہلیۃ کے ساتھ تشبیہ مراد ہے کہ جیسے زمانہ جاہلیۃ میں لوگ خودسر مرتے تھے اور ان کا کوئی امام عام نہیں ہوتا تھا ایسے ہی یہ شخص بھی جو امام زمانہ کو نہ جانے اور اس کا منقاد نہ ہو خودسر مثل موت زمانہ جاہلیۃ کے مریگا تو کوئی وجہ صحت طعن و استدلال کی نہیں ہے۔

جناب امیر بھی بعض مسائل نہ جانتے تھے

باقی رہا خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت یہ طعن کہ بعض مسائل نہ جانتے تھے ان کا کیا حال ہو گا سو اول تو اس طعن کی بناء ہی فاسد ہے کیونکہ اول یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ ہمارے نزدیک جمیع مسائل جزئیہ کا علم شرط ہے ورنہ خرط القتاد اور جب یہ ثابت نہیں تو پھر یہ طعن محض بناء فاسد علی الفاسد ہے دوسرے یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ بعض مسائل جناب امیر بھی نہ جانتے تھے چنانچہ جناب امیر نے قوم مرتدین کو جلوایا حالانکہ شریعت میں سزائے احراق نہیں رہی اور نیز جناب امیر نے مغلم کو بھی جلوایا اور جناب امیر نے غلمان و جواری پر حد جاری فرمائی من لا یحضرہ میں ہے۔

ورو ی ابن ایوب عن الحلبی عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان کان فی کتاب علی انہ کان یضرب بالسوط وبنصف السوط وببعضہ [illegible] فی الحدود [illegible] [illegible]

امام ابوعبداللہ سے مروی ہے فرمایا حضرت علی کی کتاب میں تھا کہ آپ پورے کوڑے سے اور آدھے کوڑے [illegible] اور بعض [illegible] حدود میں مارتے تھے جب [illegible] [illegible] اللہ کی حدود کو معطل [illegible]

حالانکہ رفع القلم عن ثلثۃ صریح حدیث متفق علیہ ہے اور نیز جناب امیر نے حد سرقہ معاف کردی، من لا یحضر میں ہے۔

وجاء رجل الی امیر المومنین علیہ السلام فاقر بالسرقۃ فقال لہ امیر المومنین اتقرأ شیئا من کتاب اللہ عزوجل قال نعم سورۃ البقرۃ فقال قد وہبت یدک لسورۃ البقرۃ الخ

ایک شخص امیر المومنین کے پاس آیا اور چوری کا اقرار کیا تو اس سے جناب امیر نے فرمایا کیا تو کچھ قرآن بھی پڑھا ہوا ہے کہا ہاں سورہ بقر فرمایا تو تجھ کو تیرا ہاتھ سورۃ بقر کی بدولت بخش دیا۔

حالانکہ یا استیفاء حدود میں یہ تشدد تھا کہ صبیان پر جاری کی جاتی تھی اور معطل نہیں کی جاتی تھی یا یہ کہ عاقل بالغ پر جاری نہ فرماتے اور معطل فرمائی اور خلاف شرع ایک قاعدہ گھڑ دیا کہ جب مرتکب جنایۃ اقرار کرے تو امام کو اخذ و عفو کا اختیار ہے لیکن جب بینہ قائم ہو تو امام کو عفو کا اختیار نہیں علاوہ ازیں آپ کے امام ابوجعفر سے من لا یحضر میں اسی قسم کی روایت ہے۔

وروی المعلی عن محمد بن مسلم عن ابی جعفر علیہ السلام قال سألتہ عن الصبی یسرق قال ان کان لہ سبع سنین او اقل رفع عنہ فان عاد بعد السبع قطعت بنانہ او حکت حتی تدمی فان عاد قطع منہ اسفل من بنانہ فان عاد بعد ذلک وقد بلغ تسع سنین قطعت یدہ ولا یضیع حد من حدود اللہ۔

محمد بن مسلم امام ابوجعفر سے روایت کرتا ہے کہا میں نے ان سے لڑکے کے متعلق پوچھا جو چوری کرے فرمایا اگر سات برس یا کم کا ہو اس سے حد دفع کی جاوے پھر اگر بعد سات برس کے پھر کرے تو پھر اس کی پوریاں کاٹی یا چھیلی جائیں یہاں تک کہ خون آلودہ ہو جائیں اگر پھر بھی کرے تو پوریوں سے نیچے سے کاٹا جائے پھر اگر نو برس کا ہو کر پھر بھی کرے تو اسکا ہاتھ کاٹا جاوے اور اللہ کی حدود میں سے کسی کو ضائع نہ کیا جاوے۔

اور پہلی شرع سے معلوم ہو چکا کہ اجراء حدود کا صبیان مرفوعین عنہم القلم پر خلاف شرع ہے اور جملہ ولا یضیع حد من حدود اللہ وغیرہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ محض سیاست اور تعزیر نہیں تھی علی ہذا القیاس اور بہت مسائل ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو ان کا علم نہ تھا پس جو حال جناب امیر اور دوسرے ائمہ کا ہو گا وہی خلفائے ثلثہ کا ہو گا۔

قولہ: آپ کے زعم میں جناب سیدہ علیہا السلام عدم ارث انبیاء سے واقف نہ تھیں ان کی کیا کیفیت ہو گی

اقول: ان کی بھی ہمارے نزدیک وہی کیفیت ہو گی جو کہ جناب امیر و دیگر ائمہ کی ہو گی اور جو خلفائے ثلثہ کی ہوگی۔

قولہ: اس کا اہم المہمات ہونا ثابت کیا گیا ہے اگر یہ فروعی مسئلہ ہوتا تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس کی نسبت ایسے الفاظ تحریر نہ فرماتے جو عبارتیں موجود ہیں۔

اقول: یہ تکرار بے فائدہ ہے عنقریب یہ استدلال ابھی گذر چکا ہے اور اس کا جواب بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ عبارت ہرگز اس مسئلہ کے اصلی ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی یہ محض حضرت کی خوش فہمی ہے وبس۔

قولہ: آپ کے ابن عمر جیسے جلیل القدر صحابی اس کو ایسا اہم اور ضروری سمجھتے تھے کہ یزید تک کی بیعت کر لے اور خلع بیعت سے سخت مانع ہوئی۔ آپ صحیح بخاری کی کتاب فتن باب اذا قال عند قوم شیئا۔ و صحیح مسلم کی کتاب الامارۃ باب من فرق امر المسلمین وہو مجتمع کو ملاحظہ فرمایئے۔

ہر ضرورت اعتقادی نہیں ہوتی بلکہ بہت سے فروعات بھی ایسے ہی ہیں

اقول: یہاں بھی آپ کی وہی قدیمی خوش فہمی موجود ہے کہ ضرورت مطلقہ سے آپ اصلی اعتقادی ہونا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بداہتہً غلط ہے چنانچہ چند بار عرض ہو چکا ہے ضرورت ہرگز مستلزم اصلی ہونے کو نہیں ہے بلکہ صدہا فروعات بھی ضروری اور لابدی ہیں اور یہ حجب ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ ابن عمرؓ نے یزید سے بیعت برضا ضروری سمجھ کر کی تھی ورنہ ہم کہتے ہیں کہ اول یہ الفاظ مستلزم وقوع بیعت ابن عمر کو نہیں ہیں پھر اگر کی بھی تو ممکن ہے کہ بکراہت بخوف سلب نفوس و نہب اموال وغیرہ مفاسد کی ہو اور خلع بیعت سے بھی اسی واسطے مانع آئی ہوں پس آپ کا استدلال اس سے باطل ہے آخر جناب امیر و دیگر صحابہ مقبولین نے بھی تو خلفاء ثلثہ کے ساتھ بیعت کی تھی جناب عقیل حضرت امیر کو چھوڑ کر امیر معویہ کی خدمت میں جا پہنچے۔ جناب امام حسنؓ نے امیر معویہ سے بیعت فرمائی محمد بن الحنفیہ یزید کے متبع ہو گئے اور بیعت کر لی۔ غرض بہرکیف ابن عمر یا کسی کے ضروری سمجھنے سے اس مسئلہ کو اصلی اعتقادی اعتقاد کرنا سراسر خطا ہے اور سوء فہم سے ناشی ہے۔

قولہ: ابن عمر تو اس کو ایسا ضروری سمجھتے تھے کہ ایک رات بدون امام رہنا جائز نہ جانتے تھے حتی کہ وقت شب حجاج کے گھر پر تشریف لائے تاکہ بیعت عبد الملک بن مروان فرماویں۔ چنانچہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ و صاحب حیوۃ الحیوان وغیرہ یہ لکھتے ہیں ان عبد اللہ بن عمر

طرق علی الحجاج بابہ لیلا لیبایع لعبد الملک کیلا یبیت تلک اللیلۃ بلا امام لانہ روی عن النبی انہ قال من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاہلیۃ۔ خلاصہ مطلب اس کا پہلے لکھا گیا اور بعض کتب میں یہ بھی ہے کہ حجاج نے بیعت کے لئے اپنا پیر بڑھا دیا کہ ہاتھ خالی نہیں ہے۔

اقول: بعد تسلیم صحت روایت مقتضا اس روایت کا یہ ہوگا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بدون امام کے ایک رات بھی گذارنا جائز نہ جانتے تھے جیسا کہ ہمارے فاضل مجیب نے سمجھا ہے اور بہت ضروری سمجھتے تھے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ابن عمرؓ کے ضروری سمجھنے سے امامت اصول دین میں سے ہو جاتے یہ محض غلط ہے کیونکہ ضروری طور پر کسی کام کرنے سے اس کا ضروری ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس کا اصول میں سے ہونا ثابت ہو محتاط اور متورعین کا قاعدہ ہے کہ آداب اور سنن کو بھی التزام کے ساتھ ضروری طور پر مثل واجبات کے ادا کیا کرتے ہیں حالانکہ وہ فی الواقع ضروری نہیں ہوتے پس ابن عمر کے اس فعل سے جو بظاہر ضرورت کو موہم ہے خلافت کا ضروری ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا اور غایۃ ما فی الباب بعد رد و قدح اگر بطور تنزل تسلیم کر لیں تو اچھا اس سے یہ ثابت ہوا کہ بیعت امام ابن عمر کے نزدیک ضروری اور اہم الواجبات سے تھی لیکن اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ خلافت مسائل اصلیہ اعتقادیہ میں سے ہو یہ تو اس وقت ثابت ہوگا جب ضروری ہونا مسائل اصلیہ اعتقادیہ میں منحصر ثابت ہو جاتے گا اور مسائل فرعیہ عملیہ سے ضرورت مرتفع ہو جاتے گی اور یہ محال ہے قطع نظر اس سے اس روایت کے الفاظ خود اس قصہ کو مؤید نہیں ہوتے کیونکہ حدیث کے الفاظ سے تو صراحتہً ترتب موت جاہلیۃ کا عدم معرفت امام پر ہے تو اس حدیث کے الفاظ سے معرفت کی ضرورت ثابت ہوتی ہے پس معرفت سے یا مراد معرفت ہی ہے یا ایمان ہے اور یہ دونوں صحیح نہیں پھر یا وجوب بیعت و اطاعت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ وجوب اطاعت نصاً ثابت ہے اور وجوب عقد بیعت بشرط تسلیم فوری نہیں ہے کہ بدون اس کے ایک رات بھی نہ گذرے چنانچہ خود ظاہر ہے پس اس سے واضح ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل اس حدیث سے مستنبط نہیں ہو سکتا تو نفس اس روایت میں ایک علت قادحہ موجود ہے۔ علاوہ ازیں بخاری کی حدیث صحیح اس قصہ کی مکذب ہے

حدثنا مسدد حدثنا یحیی عن سفیان حدثنی عبد اللہ ابن دینار قال مشہدت	عبد اللہ ابن دینار نے کہا کہ جب لوگ عبد الملک کی

ابن عمر حيث اجتمع الناس على عبد الملك كتب انى اقر بالسمع والطاعة لعبد الله عبد الملك امير المومنين على سنة الله وسنة رسول الله ما استطعت وان بنى قد اقروا بمثل ذلك ۔

خلافت پر مجتمع ہوتے میں ابن عمر کے پاس حاضر ہوا اس نے لکھا کہ میں بقدر اپنی استطاعت کے اللہ اور رسول کے طریقہ پر امیر المومنین عبد الملک کے حکم سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں اور میرے بیٹوں نے بھی یہی اقرار کیا ہے ۔

اس روایت سے واضح ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے عبد الملک کی بیعت بذریعہ خط کی تھی نہ کہ مثل روایت مجیب لبیب کے جو ابن ابی الحدید معتزلی شیعی وغیرہ سے نقل کی ہے ابن عمرؓ حجاج کے گھر پر رات کے وقت بیعت کے واسطے گئے ہوں اور اس نے پاؤں پھیلایا ہو اور اس روایت بخاری سے یہ بھی واضح ہے کہ ابن عمر کی خطی بیعت بھی عبد الملک کے ساتھ انعقاد خلافت میں نہیں ہوئی بلکہ بعد اجتماع و رفع اختلاف ناس واقع ہوئی اور جب تک اختلاف رفع نہ ہو لیا کسی سے بیعت نہیں کی اور بلا بیعت رہے چنانچہ حضرت علی و امیر معویہ کے عہد میں بھی ان کا یہی طریقہ رہا ہے ۔ رہا یہ طعن کہ حجاج نے بیعت کے لئے پاؤں پھیلا دیا اگر حجاج پر طعن ہے تو اس نے صدہا مسلمانوں کو بے گناہ قتل کیا وہ کیا کچھ کم ہے اور اگر مقصود طعن ابن عمر ہے تو یہ بھی بے جا ہے کیونکہ اس میں ابن عمر کا کیا قصور ہے جناب امیر کو ابن ملجم نے شہید کیا جناب امام حسینؓ کو یزید پلید نے شربت شہادت چکھایا تو کیا اس سے ان کی شان میں خلل آگیا اس لئے اگر حجاج نے بیعت کے واسطے پاؤں بڑھایا ہو تو اس سے ابن عمر کا نقصان نہیں ہوتا ہاں حجاج کے خبث پر دلالت واضح ہوتی ہے نہ بس ۔

قولہ : اور نیز اگرچہ اس مسئلہ کو اہلسنت فروعی کہتے ہیں مگر سب کتب اعتقادیہ کلامیہ میں بھی ذکر کرتے ہیں چنانچہ شارح مواقف اس پر متنبہ ہو کر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ انما ذکرناها فی علم الکلام تاسیا بمن قبلنا اذ قد جرت عادة المتکلمین بذکرها فی اواخر کتبهم للفائدة المذکورة فی صدر الکتاب ۔ اس عذر کا ضعف ظاہر ہے کیونکہ مآل اس کا یہ ہے کہ اعتراض کو اپنے سے دور کر کے علماء سابقین کے ذمہ لگاتا ہے وہ فائدہ جس کا حوالہ صدر کتاب پر دیا ہے یہ ہے ۔ فانها وان کانت من فروع الدین الا انها الحقت باصوله دفعا لخرافات اهل البدع وصونا للائمة المجتهدین عن مطاعنهم کیلا یفضی بالقاصرین الی سوء اعتقاد فیهم ۔ یہ کلام بھی کچھ مفید نہیں کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو مسئلہ امامت معرفت و اعتقاد قلبی سے تعلق رکھتا ہے یا نہیں اگر تعلق نہیں رکھتا تو اس کا الحاق علم کلام سے

کو مراد ایسے ملکہ سے ہے کہ اس سے عقائد دینیہ ثابت کریں کیوں ہے، اور اگر متعلق ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ معرفت حدود و شرائط و فضیلت امام و نیز تصدیق و حسن اعتقاد یا طعن و سوء اعتقاد ائمہ میں علوم کی قسم سے ہے نہ اعمال و افعال جوارح کی قسم سے پھر اس مسئلہ کو فروعی کہنا کس لئے ہے شاید یہی وجہ ہے کہ شارح نے اس توجیہ و تاویل پر اعتماد نہ کر کے تقلید اسلاف کا عذر کیا ہے اور اس کا ضعف ظاہر ہے۔

ثبوت اس کا کہ مسئلہ امامت کتب کلامیہ میں ذکر کرنے سے اعتقادی نہیں ہوتا اور بیان فرق مسائل فرعیہ و اعتقادیہ

اقول : یہ استدلال بھی مثل اور استدلالات کے ہمارے مجیب لبیب کی خوش فہمی سے ناشی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اب تک آپ کے فہم میں یہ بھی نہیں آیا کہ فیما بین اہل سنت و شیعہ کی وجہ اس نزاع و اختلاف کی کہ اہل سنت امامت کو فروع میں سے کہتے ہیں اور شیعہ اصول میں قرار دیتے ہیں کیا ہے اگر یہ بات آپ کو معلوم ہوتی تو ہر گز یہ استدلالات ہمارے مقابلہ میں تحریر نہ فرماتے اگرچہ کسی قدر ہم نے پہلے بھی عرض کر دیا ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ظاہر کریں تاکہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کے آپ کے استدلالات بے اصل و بے بنیاد ہیں پس واضح ہو کہ مسائل فرعیہ وہ مسائل عملیہ ہیں جن کا ایتان متعلق اعمال عباد کے ہو اور مسائل اصلیہ وہ مسائل اعتقادیہ ہیں جن کا ایتان متعلق اعتقاد عباد کے ہو اب ہم مسئلہ امامت کو دیکھتے ہیں اور فریقین کے مذاہب کو اس میں خیال کرتے ہیں تو علماء شیعہ نے اس کو اعتقادات میں دخل کیا ہے اور عمل عباد کو اس میں کچھ دخل نہیں دیا۔ اہلسنت کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ فروع میں سے ہے کیونکہ اس کا ایتان متعلق اعمال عباد کے ہے و بس اور یہ بھی جاننا ضرور ہے کہ فرعیات اگرچہ فی حد ذاتہ عملیات ہوتے ہیں لیکن بحسب قوت و ضعف ثبوت کے ان کا اعتقاد وجوب و ندب و اباحت و حرمت و کراہت علی قدر مراتب لہا لازم ہوتا ہے مگر چونکہ وہ مسائل فی حد ذاتہ متعلق اعمال عباد کے ہیں۔ در اعتقادی ہونا ان کا بالتبع اور بالواسطہ ہوتا ہے اس لئے وہ مسائل فروع سے خارج نہیں ہوتے اور اصول اعتقادیات میں داخل نہیں کئے جاتے ظاہر ہے کہ صوم صلوٰة وغیرہ تمام عبادات و معاملات فقہیات باتفاق فریقین عملیات ہیں اور کوئی ان کو علم کلام میں داخل نہیں کرتا مگر باوجود اس کے پھر

ایک حکم کا اپنے اپنے مرتبہ کے موافق اعتقاد ضرور ہے اور ترک اس مرتبہ میں اور اعتقاد خلاف میں اسی قدر خرابی و برائی ہے مثلاً اعتقاد عدم فرضیت صلوٰۃ و صوم میں لزوم کفر ہے وعلیٰ ہذا القیاس پس ہمارے مقابلہ میں کوئی دلیل جب تک کہ وہ اس امر کو ثابت نہ کرے کہ خلافت کو فعل عباد سے کچھ تعلق نہیں اور اس کے اثبات میں عمل عباد کو کچھ دخل نہیں اور وہ محض اعتقادی ہے مفید نہ ہوگی اب بعد اس تقریر کے ملاحظہ فرماویں کہ ہمارے فاضل مجیب کا یہ استدلال کس قدر واہی اور ضعیف بلکہ باطل ہو گیا اس استدلال کا مدار اس امر پر ہے کہ چونکہ متکلمین اہل سنت نے مسئلہ امامت کو علم کلام میں جو عبارت مسائل اعتقادیہ سے ہے ذکر کیا ہے تو یہ مستلزم اس امر کو ہے کہ یہ مسئلہ بھی اعتقادی ہو اور یہ نہیں سمجھتے کہ منشاء اختلاف بین الفریقین کیا ہے وہ یہاں صادق آتا ہے یا نہیں آتا اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ ذکر کرنا مستلزم اس امر کو نہیں کیونکہ جائز ہے کہ اس ذکر کی کوئی علت خاص جداگانہ ہو چنانچہ خود شارح مواقف نے اس علت کو ظاہر کر دیا اور بالفرض اگر کوئی بھی علت نہ ہوتی تاہم جب منشاء اختلاف قائم تھا اور صراحۃً اہلسنت نے امامت کے اثبات کو متعلق بافعال عباد قرار دیا ہے اور بالتصریح اس مسئلہ کو فروعی کہا ہے تاہم اس ذکر کی تاویل و توجیہ ضروری تھی کیونکہ جب تک بناء اختلاف قائم ہے اس وقت تک اس مسئلہ کو صرف اس وجہ سے کہ علم کلام میں ذکر کیا گیا ہے اعتقادی قرار دینا سراسر غلط تھا اور منشاء اختلاف سراسر اس کو مکذب ہے۔

مسئلہ امامت کے فرعی ہونے کی دلیل

رہا دلیل اس امر کی کہ یہ مسئلہ فرعی عملی ہے اصلی اعتقادی نہیں ہے یہ ہے کہ خداوندکریم تعالیٰ شانہ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں احکام اصلیہ اعتقادیہ کو جو متفق علیہا بین الفریقین اصلیہ اعتقادیہ ہیں مثل توحید و نبوت و معاد کے جابجا بعبارات مختلفہ و عنوانات شتیٰ بیان فرمایا کہ جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے اور تمام احتمالات کے عرق کو مستاصل کر دیا اور مسئلہ امامت کو کسی جگہ بھی واضح اور صاف طور پر بیان نہ فرمایا صرف ایک جگہ اولوالامر کی اطاعت کا ارشاد فرمایا جو محتمل بہت سے معانی کو ہے چنانچہ فریقین کے مفسرین نے تفسیر فرمائی ہے علاوہ ازیں اطاعت خود متعلق باعمال عباد ہے اگر یہ مسئلہ اصلی متعلق باعتقاد عباد ہوتا تو خداوند کریم تعالیٰ شانہ اپنی کتاب میں مثل اور اعتقادیات کے اس کو بھی کیوں ذکر نہ فرماتا اور بزعم شیعہ اپنے اس فرض سے کیوں سبکدوش نہ ہوتا اور نیز معاذ اللہ خداوند تعالیٰ شانہ عجز سے تو منزہ ہے پس جب اس نے اس کا ذکر کہیں نہیں

فرمایا اور یہ مسئلہ اس قبیل سے نہیں کہ عقل اس کے ادراک میں مستقل ہو اور ہمارے نزدیک حسن و قبح شرعی ہے تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ خداوندکریم کا اس کو ذکر نہ فرمانا اصول فریقین پر صریح دلیل ہے کہ یہ مسئلہ اصلی اعتقادی نہیں ہے اور اگر یہ نہیں تو اصول شیعہ پر لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند تعالیٰ شانہ عاجز ہے یا تکمیل دین کی جو خبر دی ہے وہ کذب ہے اور فی الحقیقت اب تک تکمیل نہیں ہوئی سبحانہ و تعالیٰ علواً کبیرا۔ مگر یہ کہ بروئے عقول حاکمہ خداوند تعالیٰ شانہ کو بھی مامور بالتقیہ کریں تو البتہ اس اشکال عضال سے شاید کچھ مخلصی ممکن ہو علاوہ اس کے اس کے اثبات کے لئے اور بھی دلائل ہیں لیکن خوف تطویل اور عجلت وقت ہم کو ان کے بیان کی اجازت نہیں دیتی۔ اب ہم اصل بحث کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ باعتبار اپنی ذات کے مسئلہ امامت فروع دین میں سے ہے اور متعلق باعمال عباد ہے تو متکلمین نے اگر اس کو کتب کلامیہ میں ذکر کیا ہے اور ملحق بالاعتقادیات کیا ہے تو لا محالہ اس کے لئے کوئی علت اور وجہ خاص ہوگی شارح مواقف نے اس کو بیان کیا کہ ہم نے اپنے اسلاف کی پیروی کر کے امامت کو علم کلام میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے اس وجہ سے علم کلام میں اس کو ذکر کیا ہے تاکہ اہل بدع و اہواء کی خرافات ائمہ دین اور خلفاء راشدین مہدیین سے دفع کریں پس اس پر ہمارے فاضل مجیب جو یہ فرماتے ہیں کہ اس کا ضعف ظاہر ہے کیونکہ مآل اس کا یہ ہے کہ اعتراض کو اپنے سے دور کر کے علما سابقین کے ذمہ لگایا ہے یہ سراسر ضعیف ہے کیونکہ یہ عذر اس وقت ضعیف سمجھا جاتا جب کہ عذر میں صرف تقلید سلف ہی کی بیان کی جاتی اور جب علاوہ اس کے اس کی علت بھی بیان کی اور کہا کہ سلف نے دفع خرافات اہل بدع کی غرض سے اس کو ملحق بالاعتقادیات کر کے علم کلام میں ذکر کیا ہے تو اب اس عذر میں کوئی ضعف باقی نہیں رہا اس کے بعد ہمارے فاضل مجیب جو اس علت کی نسبت اعتراض فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ کلام بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اگر امامت کا تعلق اعتقاد قلبی سے نہیں ہے تو الحاق بالاعتقادیات کیوں ہے اور اگر تعلق ہے چنانچہ اس کی حدود و شرائط و حسن اعتقاد و سوء اعتقاد کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ از جنس علوم ہیں نہ اعمال تو فرعی کہنا کس لئے سراسر پوچ و لغو ہے اور بوجوہ چند باطل ہے (۱) اجمالاً خود یہ جو دو شق قرار دیئے ہیں کہ مسئلہ امامت یا تو معرفت اور اعتقاد قلبی سے تعلق رکھتا ہے یا نہیں یہ بالکل غلط ہے کیونکہ کوئی دینی مسئلہ خواہ وہ اصلی اعتقادی ہو خواہ فرعی عملی ایسا نہیں ہے جس کا تعلق اعتقاد قلبی سے نہ ہو جس قدر مسائل دینیہ ہیں ان سب کا تعلق اعتقاد قلبی کے ساتھ ہے رہا شق اول جس میں یہ دعوے ہے کہ اگر اس کا تعلق اعتقاد قلبی کے ساتھ نہیں ہے تو الحاق کیوں ہے

بدیہی البطلان ہے کیونکہ الحاق غالبًا ایسی ہی جگہ مستعمل ہوتا ہے جب کہ غیر جنس کو کسی کے ساتھ شامل کیا جاوے شاید آپ کو ملحق بر باعی اور ملحق بخماسی کتب صرفیہ سے یاد ہوں گے اور علاوہ اس کے اس معنی میں کثیر الاستعمال ہے تو مسئلہ امامت فی حد ذاتہ فروعی ہے اور ایک وجہ خاص سے ملحق بالاصول کیا گیا ہے اور وجہ اس کی کہ کیوں ملحق کیا گیا وہ خود شارح مواقف نے ذکر کی ہے اگر یہ مسئلہ اصلی اعتقادی ہوتا تو پھر الحاق کے کچھ معنی نہ تھے (۳) ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں اور الحاق کی وہی علت بیان کرتے ہیں جو شارح مواقف نے بیان کی ہے آپ اس پر اعتراض فرماتے بعد اس کے فرماتے کہ یہ کلام مفید نہیں جب تک آپ اس کو باطل نہ کریں آپ کا یہ فرمانا کہ یہ کلام مفید نہیں آپ کو کچھ مفید نہیں ہے (۴) شق ثانی کا بطلان مثل روز روشن واضح ہے کیوں کہ جس قدر مسائل دینیہ فرعیہ عملیہ ہیں ان کی معرفت حدود و شرائط واعتقاد فرضیۃ و وجوب وغیرہ علوم کی قسم سے ہے نہ اعمال و افعال جوارح کی قسم سے پھر ان مسائل کو بھی فروعی کہنا کس لئے ان کو بھی اعتقادیات میں داخل کیجئے سبحان اللہ ہمارے فاضل مجیب کے علم و فضل کا یہ حال ہے کہ جو شے فی الجملہ از قسم علوم ہو اس کو بھی فروعی ہونے سے خارج فرماتے ہیں اور اعتقادیات میں داخل کرتے ہیں حالانکہ تمام مسائل فقہیہ معرفت اور علم میں داخل ہیں اگر زیادہ نہیں تو کیا آپ نے علم الفقہ بھی کبھی نہیں سنا ہوگا اور یہ بھی نہ جانتے ہوں گے کہ فقہ علم ہے پھر معلوم نہیں اس کو اعتقادیات میں کیوں نہیں داخل کرتے (۵) کسی مسئلہ دینیہ کا اعتقاد قلبیہ سے فی الجملہ تعلق ہونا ہرگز اس کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ مسئلہ اعتقادیات سے ہی ہو بلکہ مسائل اعتقادیہ وہی ہوں گے جن کا تعلق محض اعتقاد عباد کے ساتھ ہو ورنہ عملیہ ہوں گے تو ان کا تعلق فی الجملہ اعتقاد قلبیہ کے ساتھ بھی ہوگا بشرطیکہ وجدانیات نہ ہوں پس شق ثانی سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جن مسائل کا تعلق اعتقاد قلبیہ سے ہوگا وہ اصلیہ اعتقادیہ ہوں گے محض غلط ہے پس اس توجیہ میں جو متکلمین اہل سنت نے مسئلہ امامت کی نسبت کتب کلامیہ میں ذکر کرنے کے بارہ میں فرمائی ہے کسی قسم کا وہن و ضعف نہیں اور یہ اعتراضات و تضعیف ہمارے فاضل مجیب کی خود ضعیف ہیں۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ یہ توجیہ قابل شرح طلب ہے جس کی وجہ سے شاید آپ کو شبہ واقع ہوا ہو پس شرح اس کی یہ ہے کہ متکلمین کا منصبی کام یہ ہے کہ وہ اپنی اعتقادیات کو دلائل سے ثابت کریں اور مخالفین کے اعتقادیات اور ان کے دلائل کو بدلائل باطل کریں اور ان کا جواب دیویں اور ظاہر ہے کہ مسئلہ امامت ایسا مسئلہ ہے جو شیعہ کے نزدیک داخل اعتقادیات ہے اور اہل سنت اس کو داخل فروع اعتقاد کرتے ہیں اور جب شیعہ کے نزدیک اعتقادیات میں سے ہے تو لامحالہ متکلمین شیعہ اس کو اس کے دلائل کو اپنی کتب کلامیہ میں ذکر کریں گے، اہل سنت اگر اس کو اپنے اصول کے موافق اپنی کتب کلامیہ میں ذکر نہ کریں تو اس مسئلہ کا اصول مخالفین پر ابطال اور اس کے دلائل کا جواب کیونکر دلویں اور ائمہ مہتدین کے مطاعن مخالفین سے کیونکر صیانت و حمایت کریں اور اس اپنے منصبی کام سے کیونکر سبکدوش ہوں اور اگر ذکر کریں تو لازم آتا ہے کہ علم کلام میں جو عبارت مسائل اصلیہ اعتقادیہ سے ہے فروع میں بحث ہو اور یہ بھی بظاہر فی الجملہ خلاف قاعدہ ہے۔ لیکن یہ نہایت بدیہی ہے کہ علوم میں تبعًا اور استطرادًا ان اشیاء کو ذکر کر دیتے ہیں جو ان علوم اور ان کی اغراض سے بالکل بیگانہ اور اجنبی ہوتے ہیں اگر آپ تامل کریں گے تو علوم میں ایسے بہت مسائل معلوم ہوں گے دور نہ جائیے چھوٹے چھوٹے رسائل منطق میں ابتداء بحث الفاظ لکھتے ہیں اور پھر عذر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گو اس علم سے بحث الفاظ کو تعلق نہیں ہے لیکن ایک ضرورت خاص کی وجہ سے ہم نے ذکر کیا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بحث الفاظ داخل اصول مقاصد منطق ہو جائے اور کوئی شخص بے وقوف سے بے وقوف بھی یہ اعتراض نہیں کرتا کہ تمہارے اس ذکر کرنے سے بحث الفاظ داخل اصول منطق ہو گئی تو پس مسئلہ امامت کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بھی ملحق بالکلام ہے جو ایک وجہ خاص سے کلام میں ذکر کیا گیا ہے اور اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جاتا کہ وہ داخل اصول ہو اور متکلمین کا عذر ضعیف ہو یہ صرف ہمارے فاضل مجیب کی خوش فہمی کا ثمرہ اور علوم کی واقفیت کا نتیجہ ہے۔

قولہ: اگرچہ اسباب میں اور بھی گفتگو ہو سکتی تھی مگر بنظر اختصار بس کیا جاتا ہے۔

اقول: جس قدر گفتگو فرمائی وہ بھی غلط تھی اور اس قابل نہ تھی کہ کسی کے سامنے پیش کی جاتی اور جس قدر اور گفتگو فرماتے وہ بھی ایسی ہی یا اس سے کم درجہ ہوتی پھر معلوم نہیں کہ آپ نے ایسی گفتگو میں کیا فائدہ سمجھ رکھا ہے بجز اس کے کہ چند نادانوں کے نزدیک وقعت ہو اور یہ سمجھیں کہ ہمارے مولانا و سیدنا نے کس قدر طول طویل جواب لکھ دیا اور کس قدر مضامین کا جوش ہے لیکن علماء کے نزدیک تو ایسی لغو باتیں آپ کی تحقیر کا باعث ہیں آئندہ جناب کو اختیار ہے۔

قولہ: صرف اس قدر گذارش ہے گستاخی معاف ادعائے علم یہ کہ امتحان دینے کو موجود اور اب تک یہ معلوم نہیں کہ مسئلہ امامت فروعی ہے یا اصولی یہ مسئلہ کتب متداولہ عقائد میں مشرح موجود ہے خاص خاص متکلمین کی تنقید کی یہ ضرورت تھی اور ان کے جواب کی کوئی حاجت۔

امتحان سے کیا مقصد ہوتا ہے؟

اقول: امتحان لینے کی درخواست سے ہرگز ادعائے کمال علم نہیں سمجھا جاتا اور نہ امتحان لینے کے لئے بہت علم کی ضرورت ہے، یہ حضرت کے کمال علم کی خوبی ہے غایۃ سے غایۃ یہ ہے کہ بقدر امتحان کے علم کا ہونا کافی ہے، یہ دعوے کہ اب تک یہ معلوم نہیں کہ مسئلہ امامت فروعی ہے یا اصولی صریح کذب و دروغ ہے ظاہر ہے کہ ہم نے لکھا تھا کہ مسئلہ امامت فروعی مسائل سے ہے جس کا خود آپ کو اعتراف ہے لیکن اس میں جو حوالہ خاتم المتکلمین کا دیا گیا تھا اس کی نسبت یہ طعن ہے، پھر یہ کہنا اب تک یہ معلوم نہیں کہ مسئلہ امامت فروعی ہے یا اصولی جھوٹ ہوا یا نہیں کیا مسئلہ کا علم اسی پر منحصر ہے کہ کتب متداولہ عقائد کا حوالہ دیا جائے تو جب علم ہو ورنہ نہ ہو اگر اس کا ثبوت آپ کسی دلیل سے کر سکتے ہیں تو بسم اللہ لیجئے، حضرت مسئلہ کے لئے ہم کو لامحالہ تقلید کی ضرورت نہ تھی کہ متکلمین ہی سے کسی کی تقلید کرتے پس جس کو ہم اس مبحث کا خاتم المتکلمین سمجھتے ہیں اگر کوئی مسئلہ ہم نے اس سے نقل کر دیا تو کیا خلاف قاعدہ کیا اور اس سے کیوں کر لازم آیا کہ ہم کو اس مسئلہ کا علم نہیں، پس منجملہ حضرت کی خوش فہمیوں کے ایک اور یہ بھی سہی ع این ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ اور کتاب اللہ میں اس کی نسبت وعدہ خیریت ہو چکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مدت بیان فرمائی اور روایات سے جن کی قدر مشترک تصریح تک پہنچی ہے اس کی ترتیب وقوع تک بیان کی گئی۔ اقول۔ لفظ وعدہ کے آگے جو لفظ لکھا ہے بخوبی پڑھا نہیں گیا معلوم نہیں کہ حضرت نے خیریت جو بمقابلہ شریت ہے تحریر فرمایا ہے یا جزئیت جو بمقابلہ کلیت ہے لکھا ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: ہم نے یہ لفظ خیریت بخائے معجمۃ منقوطۃ بنقطۃ من فوق وبعدہ بای منقوطۃ بنقطتین من تحت وبعدہا راء مہملۃ بمقابلہ شریت لکھا ہے۔

قولہ: بہرحال ہر دو احتمال کا جواب گذارش ہے اگر خیریت بمعنی نیکی ہے تو حضرت مجیب سے نہایت تعجب ہے کہ اس لفظ کا یہ کون موقع تھا کیونکہ غرض اس خلافت سے اصطلاحی ہے جو نیابت رسول سے مراد ہے اس کی نسبت لفظ خیریت لکھنے کے کیا معنے نیابت رسول تو خیر ہی ہوگی۔

قولہ: یہ اعتراض سراسر خلاف عقل ونقل ہے کیونکہ بقاعدہ معقولیین اگر یہ موقع لفظ خیریت

کا نہیں ہے اور یہاں خیریت صادق نہیں آتی تو لامحالہ عدم خیریت جو اس کی نقیض ہے اس کا موقع ہوگا اور وہ صادق آئے گی لاستحالۃ ارتفاع النقیضین تو لازم آئے گا کہ خلافت راشدہ عدم خیریت کے ساتھ مجامع ہو اور یہ خلاف ہے کیونکہ یہ مسلم فریقین ہے کہ خلافت راشدہ مجامع خیریت اور مباین شریت ہے تو ثابت ہوا کہ اس لفظ کا یہ ہی موقع ہے اور یہاں خیریت صادق آتی ہے اور اس لفظ کا اطلاق اس جگہ غلط نہیں بلکہ صحیح ہے قطع نظر اس سے ہم کو اپنے فاضل مجیب کے ادعاء کمال علم سے نہایت تعجب ہے کہ وہ ہم پر ایسا اعتراض فرماتے ہیں باوجودیکہ اس قسم کے الفاظ جن پر ایسے مہمل اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں کتاب اللہ اور اقوال ائمہ میں بھی بہت موجود ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ۔	اور نہیں کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرند جو اڑتا ہے اپنے دونوں بازوؤں سے مگر گروہ ہیں تم جیسے۔

ظاہر ہے کہ دابہ اسی کو کہتے ہیں جو مایدب علی الارض ہو چنانچہ ابتدائی چھوٹے چھوٹے رسائل میں اس کو منقول عرفی کی مثل میں لکھا ہے پھر علی الارض کی قید کا آپ کے نزدیک کون موقع تھا اور طائر وہی ہے جو جناحین سے پرواز کرے پھر یطیر بجناحیہ کا لفظ آپ کے قاعدہ کے موافق بالکل لغو اور فضول، پھر معاذ اللہ خدا کی جناب میں عرض کیجئے کہ حضرت آپ سے نہایت تعجب ہے کہ ان الفاظ کا یہ کون موقع تھا، دابہ تو زمین پر چلا ہی کرتا ہے اور طائر دونوں بازوؤں سے اڑا ہی کرتا ہے پھر ان الفاظ کے فرمانے کے کیا معنی پھر جو کچھ اس کا جواب ملے اسی قسم کا جواب ہماری طرف سے بھی قبول ہو، علاوہ ازیں وہ خلافت جو ما نحن فیہ سے متعلق ہے جس کو ہم راشدہ اور ہمارے فاضل مخاطب جائرہ سمجھتے ہیں یعنی خلافت خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم ہم کو اس کی رشد وخیریت کی طرف اور اس کی دلیل کی طرف اشارہ کرنا مدنظر تھا کہ جناب کو متنبہ کر دیں کہ جس خلافت کی ہم رشد وخیریت کے معتقد ہیں وہ خلافت وہ ہے جس کی خیریت کا وعدہ کتاب اللہ میں ہو چکا آپ کا اس کو جائرہ سمجھنا مخالف کتاب اللہ کے ہے، پس آپ انصاف سے ملاحظہ فرمائیے کہ اس لفظ کا اس جگہ اطلاق کس قدر موزوں اور بجائے خود ہے۔

قولہ۔ اور چونکہ اس کی تعیین بالتنصیص ربانی ووحی یزدانی بذریعہ رسول علیہ السلام کے ہوگی جیسا کہ ازالۃ الخفاء کی عبارت منقولہ سے ظاہر ہے پھر اس کی نسبت کتاب اللہ میں وعدہ خیریت کے کیا معنے۔

اقول: چونکہ اس کی تعیین بالقاء ربانی ووحی یزدانی بذریعہ رسول علیہ السلام کے ہوگی جیسا کہ عبارات ازالۃ الخفاء سے واضح ہے۔ اور وہ خیر محض ہوگی اسی واسطے کتاب اللہ میں اس کی خیریت کا وعدہ ہوا اور صلاح وفلاح کی خبر دی اگر وہ غصب وعدوان وظلم وعغیان ہوتی تو اس وقت اس کی خیریت کی اخبار کے کچھ معنی نہ تھے اور جب وہ خیر محض ہے تو ظاہر ہے کہ اس وقت اس کی خیریت کا اخبار واقعی اور نفس الامری کا اخبار ہے اور صحیح و بجا پھر یہ فرمانا کہ پھر اس کی نسبت کتاب اللہ میں وعدہ خیریت کے کیا معنی) گنجائش نہیں رکھتا اور اس کے کچھ معنی نہیں آپ اس کو سوچیے بہت موٹی بات ہے۔

قولہ: اور اگر جزئیت بمقابلہ کلیت مراد ہے تب بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ او سبحانہ تعالے ایسی اہم المہمات کی جزئیت کا وعدہ فرمائے اور کلیت سے اعراض کرے جس سے تمام مصالح امور دینی و دنیوی امت مرحومہ کے وابستہ ہیں حالانکہ اور احکام مفصل ومشرح ارشاد ہوں۔

اقول: یہ شق محض ہمارے فاضل مجیب کی جودت ذہن وتیزی ذکا سے ناشی ہوئی ہے ورنہ اول تو یہ ہی خیال کرنا چاہیئے کہ اس لفظ کا اس جگہ اطلاق کیوں کر اور کس معنی کے اعتبار سے صحیح ہے اور اگر بتکلفات وتاویلات اس لفظ کے اطلاق کو اس جگہ بنایا بھی گیا تو پھر کتاب اللہ میں اس کی جزئیت کا وعدہ کہاں مذکور ہے اور کلیت سے کیوں کر اعراض ہے۔ خلافت کی جزئیت کے وعدہ کا قرآن شریف میں وجود تو اس وقت صادق آئے کہ خلافت مطلقہ کلیہ میں سے ایک فرد خاص کا وعدہ مذکور ہو اور ظاہر ہے کہ اس کا فرد خاص جزئی نہیں پایا جائے گا مگر جب تک کہ اس کا موصوف مذکور نہ ہو اور اس کی طرف اضافہ کرکے بیان نہ کی جاوے لیکن تمام قرآن شریف میں ایسی خلافت کسی جگہ مذکور نہیں اور نہ کہیں ایسی خلافت کا وعدہ ذکر فرمایا تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ کتاب اللہ میں خلافت کی نسبت وعدہ جزئیت ہونے کے کچھ معنی نہیں۔ رہا یہ کہ او سبحانہ وتعالیٰ نے ایسی اہم المہمات کی کلیت سے اعراض فرمایا جس کے ساتھ تمام مصالح امت وابستہ ہیں پر وہ اعتراض ہے کہ اگر آپ تامل فرمائیں گے تو معلوم کریں گے کہ اصول اہل تشیع پر ہی وارد ہوتا ہے کیونکہ اگر خداوند کریم نے اپنی کتاب میں مسئلہ خلافت کو کلیۃً یا جزئیۃً اور اس کی شرائط کو بیان فرمایا ہے تو فرمائیے کس جگہ اور کس سورت میں بیان فرمایا ہے اور اگر نہیں فرمایا تو ترک واجب کیا کیونکہ اس کا بیان کرنا مثل [illegible] رسول کے نصب تھا جو بزعم آپ کے خداوند تعالیٰ شانہ عن ذلک پر واجب تھا تو ترک [illegible] اور [illegible] تکمیل دین اور اتمام نعمت آپ کے اصول پر کذب ہوا اور ہمارے نزدیک

جب اس کا خود خداوند تعالیٰ متکفل ہوگیا اور اس کے ایقاع کا وعدہ فرمایا تو بعد اس کے پھر کسی بیان کی حاجت نہ رہی، معہذا ہمارے نزدیک اور ہمارے اعتقاد میں حق تعالیٰ شانہ پر کوئی چیز واجب نہیں اس کی ذات پاک اس سے کہ کوئی چیز اس پر واجب ہو منزہ ومبرا ہے اور اس کی شان يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ہے اور نیز مسئلہ خلافت اصول میں سے بھی نہیں ہے جس کا ثبوت کتاب اللہ ہی پر موقوف ومنحصر ہو تو ہم پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا۔

قولہ: حضرت مجیب نے جس وعدہ کا ذکر کیا ہے اس میں غور وتامل سے کام نہیں لیا اور اصطلاحی ولغوی معنی میں تمیز نہیں فرمائی اگر اس وعدہ کو ذکر فرمائیں گے تو اس کا جواب بھی تفصیل سے گذارش کیا جاوے گا اجمالاً اسی قدر کافی ہے۔

اقول: ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ خداوند کریم کے دو وعدہ ہیں اصطلاحی ولغوی وعدہ اصطلاحی ولغوی کیسا مفصل ارشاد فرمائیں ہم اس کا ذکر مختصراً دلائل اثبات خلافت میں کرچکے ہیں اور تفصیلی جواب کے منتظر ہیں۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مدت بیان فرمائی الخ

اقول: شاید اس مدت سے خلافت سی ۳۰ سالہ حضرت مجیب کی مراد ہوگی اگرچہ عقلاً کسی طرح اس حدیث کا رسول مقبول سے جو عقل کل تھے صادر ہونا سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ سی سالہ قید کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تیس سال میں ختم نہیں ہوگئی کہ بعد میں خلافت کی ضرورت نہ رہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین ناقص نہیں چھوڑا کہ اس مدت میں کامل ہوگیا۔

حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ کی تحقیق اسپر اعتراض کا جواب

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: ہمارے فاضل مجیب نے اس حدیث کے مندرج اور غیر معتبر ہونے کی جو علت بیان فرمائی ہے عجیب وغریب ہے فرماتے ہیں کہ قید سی سالہ کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی، کیوں حضرت بیان واقع اور اخبار نفس الامر میں ضرورت اور عدم ضرورت کو کیا دخل جس طرح واقع ہونے والا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالقاء ربانی ووحی یزدانی اس کی خبر دے دی کہ خلافت علی منہاج النبوۃ اس زمانہ تک ممتد ومتصل رہے گی اور بعد اس کے منقطع ہوجائے گی پھر یہ فرمانا کہ مدت کی قید بے ضرورت ہے عدم فہم مراد سے ناشی ہے

اس کے بعد یہ اعتراض کہ اس مدت میں امت ختم نہیں ہو گئی جو بعد میں خلافت کی ضرورت نہ رہی
اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے ہم کب کہتے ہیں کہ اس مدت میں امت ختم ہو گئی اور ہم نے کب
کہا ہے کہ خلافت نبوت کی ضرورت نہیں رہی لیکن ہاں یہ ضرور کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ پر کوئی چیز
واجب نہیں اور اس کو اختیار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جب اس سبحانہ تعالیٰ نے چاہا خلافت
علی منہاج النبوۃ رہی اور جب اس نے چاہا منقطع ہو گئی اور عجب نہیں کہ یہ قتل خلیفہ ثالث کی پاداش
اور اس کا وبال ہو پھر یہ کہنا کہ امت ختم نہیں ہوئی یا ضرورت باقی نہیں رہی سراسر لاطائل ہے،
علاوہ ازیں اگر ہم اپنے فاضل مخاطب کے اصول کے لحاظ سے ضرورت کو دیکھتے ہیں تو دوازدہ کی
قید کی بھی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اولاً جب ان کو تمکین نہ دی تو ان کا وجود عدم برابر ہو گیا
اور تمکین دینا بھی ایک قسم کا لطف تھا جو واجب تھا اس کو بھی ترک فرمایا اور نیز اکثر زمانہ وجود امام
سے بسبب غیبت کے خالی رہا تو ایسے امام کے جو محض عنقا صفت ہو جن تک کوئی نہ پہنچ سکے نہ اس کو
کوئی دریافت کر سکے نہ وہ کسی کے ہاتھ آ سکے کیا ضرورت پس ایسے شخص کو امام بنانا کیا اس وجہ سے ہے
کہ امت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ختم ہو گئی یا اس وجہ سے ہے کہ امامت کی ضرورت نہیں رہی یا
کسی اور وجہ سے ہے جس کا ادراک خارج از عقول ہے پھر اگر واقعی وہ ایسی ہی ہے کہ اس کا
درک عقل سے محال ہے تو بقول سامی عقلا کے نزدیک ایسی امامت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے صادر ہونا جو عقل کل تھے محال معلوم ہوتا ہے پھر اس کے بعد جو یہ ارشاد ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے دین ناقص نہیں چھوڑا جو اس مدت میں کامل ہو گیا یہ ان دونوں سے طرفہ
تماشا ہے ہم کب کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت نے دین ناقص چھوڑا جس کی اس مدت میں تکمیل
ہوئی ہم تو خود خلافت علی منہاج النبوۃ کہتے ہیں جس کے صاف یہ معنے ہیں کہ خلفا قدم بقدم حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے اور ان قوانین کو جو حضرت نے بوحی ربانی ممہد فرمائے تھے اور ان
طرق کو جن پر حضرت اُمہ شرائع الٰہیہ کی بجا آوری میں چلتے تھے اپنا امام سمجھتے رہے معہذا باوجود اس کے
کہ دین میں کوئی کمی و کوتاہی باقی نہیں رہی تھی اور بہمہ جہات تمام و کمال اس کا ہو چکا تھا پھر وعدہ ہائے
حقہ خداوندیہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درباب غلبہ دین اسلام و شیوع شعائر ایمان اور فتح
بلدان اور زوال خوف بالکلیہ اور حصول امن تام وغیرہ ہوئے تھے اور ابھی تک حیز عدم میں تھے وہ
سب خلفاء حقہ راشدہ کی سعی و کوشش سے بر روئے کار آئے اور ان وعدوں کے حصول میں خلفاء
راشدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جارحہ ہونے اور وہ ان کی خدمات نمایاں اور فتوحات بے پایاں

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب ہوئیں اور گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں
سے ظاہر ہوئیں پھر بعد اس کے جب لوگوں نے اس نعمت عظمیٰ اور عنایت کبریٰ کی ناشکری کی
اور دو خلفا ظلماً شہید کئے گئے اور ان پر خروج و بغاوت ہوئی تو خداوند تعالیٰ نے بحکم ذٰلِكَ بِمَا كَسَبَتْ
اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ وبمقتضاء ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا
نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اپنی اس نعمت کو اٹھا لیا چنانچہ اس
مضمون کو بھی اشارۃً حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہے
پس اس سے ظاہر ہوا کہ جب مہمات خلافت علی وجہ الکمال اس خلافت کے زمانہ میں حاصل ہوئی تو یہی
خلافت حقہ راشدہ تھی اور اس خلافت سے مقصود سرانجام ان مہمات موعود کا تھا لیکن حضرات
شیعہ کے اصول پر البتہ یہ لازم آتا ہے کہ دین ناقص تھا جس کی تکمیل کے واسطے امامت راشدہ
مقرر ہوئی اور مکمل دین نہ ہوا تھا جس کے واسطے ائمہ مبعوث ہوئے اور اس سے بصراحۃً و بداہۃً لازم
آتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہیں ہیں اور آپ کا وصف ختم رسالت باطل ہے
کیونکہ جو اوصاف خاصہ کہ نبی کے ہوتے ہیں مثل عصمت و نص و افضلیت وغیرہ کے جب ائمہ کے لئے
ثابت کئے تو گویا ائمہ کی نبوت کے معنی مدعی ہوئے اگرچہ اطلاق اسم نبوت اور نزول وحی سے تحاشی
کرتے ہیں لیکن یہ ایک محض لغویات ہے کیونکہ اصطلاحاً لفظ نبی کا جس پر چاہا اطلاق کیا اور جس پر چاہا نہ
اطلاق کیا اس اصطلاحی اطلاق سے نزاع نہیں رفع ہو سکتا، اور نزول وحی کا انکار صراحۃً غلط ہے جب
محدثیت کے قائل ہیں تو لامحالہ وہ مشتمل نزول وحی کے ثبوت کو ہے پھر اعتقاد افضلیت ائمہ کا تمام انبیا
و رسل اولوالعزم و غیر اولوالعزم پر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باوجود اشتراک فی الاوصاف
کے بداہۃً ثبوت نبوت ائمہ کو مستلزم ہے، اور نیز انبیاء علیہم السلام کا ائمہ کے مراتب پر حسد کرنا اور
ان کی امامت کے انکار سے مصیبتوں میں مبتلا ہونا اور ائمہ کے واسطے سے جناب باری میں دعا
کر کے مصائب سے رہائی پانا غایت تقرب جناب الٰہی کی دلیل ہے جو درجہ نبوت سے کم نہیں بلکہ کہیں
بڑھ کر ہے، علاوہ ان سب باتوں کے بڑی دلیل یہ ہے کہ ائمہ کا قول کتاب و سنت کا ناسخ اعتقاد
کرتے ہیں جو بداہۃً ائمہ کے ثبوت نبوت اور حضرت کی ختم رسالت کے بطلان کو مقتضی ہے اور اس سے
یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین ناقص تھا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی
جو اس میں نسخ و تبدیل کی ضرورت ہوئی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو ناقص چھوڑا تھا جس کی زمانہ
[illegible] میں تکمیل ہوئی پس معلوم ہوتا ہے کہ آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ تکمیل دین کا حضرت کے زمانہ

میں ہونا حضرات شیعہ نے اعتقاد کر رکھا ہے وہ اپنے اصول کی ناواقفی کی وجہ سے ہے وبس۔

قولہ: معہذا خود حضرات اہلسنت یہ حدیث بیان کر کے مشکل میں پڑ گئے اور اس مدت کی بعد کی خلافت کی بشارت کے بھی قائل ہیں چنانچہ شرح عقائد نسفی میں بعد ذکر اس حدیث کے شارح لکھتا ہے

وھذا مشکل لان اھل الحل والعقد من الامۃ قد کانوا متفقین علی خلافۃ الخلفاء العباسیۃ وبعض المروانیۃ کعمر بن عبد العزیز مثلاً ولعل المراد ان الخلافۃ الکاملۃ التی لا یشوبھا شیٔ من المخالفۃ ومیل عن المتابعۃ یکون ثلاثین سنۃ وبعدھا قد یکون وقد لا یکون انتہٰی

شیعہ مجیب کی کم علمی

اقول: یہ ہمارے فاضل مجیب کی مناظرہ دانی ہے کہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو بیان کر کے اہل سنت مشکل میں پڑ گئے حضرت کو یہ بھی معلوم نہیں کہ علماء اعتراض کو اشکال اور یشکل اور مشکل سے تعبیر کیا ہی کرتے ہیں، آپ کی احادیث پر صدہا اعتراضات وارد ہوتے ہیں اور محدثین اور شراح بیان کرتے ہیں شرح نہج البلاغت میں جناب امیر کے اقوال سے مذہب پر کتنے اعتراضات شارح لکھتا ہے اور باوجود اس کے پھر کوئی نہیں سمجھتا کہ ہم مشکل میں پڑ گئے اور نہیں تو جلد اول بحار الانوار باقر مجلسی کو ہی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ ص۱۱۶ پر ایک روایت طویلہ امالی صدوق سے نقل کرتے ہیں جس کے بعض جملے یہ ہیں،

فلما اصبح قال لہ الملك ان مکانك لنزھۃ قال لیت لربنا بھیمۃ فلو کان لربنا حمار لرعیناہ فی ھذا الموضع فان ھذا الحشیش یضیع۔

جب صبح ہوئی تو اس کو ملک نے کہا کہ تیری جگہ تو نہایت ستھری ہے کہنے لگا کاش ہمارے رب کا چوپایا ہوتا اگر ہمارے رب کا گدھا ہوتا تو ہم کو اس جگہ چراتے کیونکہ یہ گھاس ضائع ہوتی ہے

علامہ مجلسی اس کی شرح لغات کے بعد لکھتے ہیں،

وفی الخبر اشکال من ان ظاھرہ کون العابد قائلا بالجسم وھو ینافی استحقاقہ للثواب مطلقاً وظاھر الخبر کونہ معہ ھذہ العقیدۃ الفاسدۃ مستحقا للثواب لقلۃ عقلہ وبلاھتہ۔

اس خبر میں اشکال ہے اس سبب سے کہ اس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ عابد جسم کا قائل تھا اور یہ مطلق استحقاق ثواب کے منافی ہے اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص بسبب کمی عقل اور بے وقوفی کے باوجود اس عقیدہ فاسدہ کے ثواب کا مستحق ہے

بعد اس کے علامہ مجلسی تاویل کر کے فرماتے ہیں وعلی التقادیر لا یدل امامن ... یکن

تام فی الکلام او التزام فساد بعض الاصول المقررۃ فی الکلام۔ اب اس کو غور و انصاف سے ملاحظہ فرمائیں اور جو شق دل چاہے اختیار کر لیں ہمارا اس میں مدعا حاصل ہے۔ علاوہ ازیں شارح نے وہیں اس کا جواب بھی جو شارح کی رائے میں معتمد تھا لکھ دیا اور اشکال مرتفع ہو گیا۔

قولہ: آپ کے پیر دستگیر صاحب غنیۃ الطالبین میں صرف تیس پر ہی اکتفا نہیں فرماتے اس حدیث کی مدت مختلف بیان کر کے حضرت معاویہ کو بھی خلیفہ راشد فرماتے ہیں،

تکذیب اس کی کہ غنیۃ الطالبین میں امیر معاویہؓ کو خلیفہ راشد لکھا ہے

اقول: آپ عبارت غنیۃ الطالبین کا مطلب یا غلط سمجھے یا مقصود دھوکہ دہی ہے۔ اب ہم اصل عبارت نقل کر کے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ شروع فصل میں تحریر فرماتے ہیں،

ویعتقد اھل السنۃ ان امۃ محمد خیر الامم اجمعین وافضلھم اھل القرن الذین شاھدوہ وآمنوا بہ وصدقوہ وبایعوہ وتابعوہ وقاتلوا بین یدیہ وفدوہ بانفسھم واموالھم وعزروہ ونصروہ وافضل اھل القرن اھل الحدیبیۃ الذین بایعوہ بیعۃ الرضوان فھم الف واربع مائۃ رجل وافضلھم اھل بدر وھم ثلث مائۃ وثلاث عشر رجلا عدد اصحاب طالوت وافضلھم الاربعون اھل دار الخیزران الذین کملوا بعمر بن الخطاب وافضلھم العشرۃ الذین شھد لھم النبی بالجنۃ وھم ابو بکر وعمر وعثمان وعلی وطلحۃ والزبیر وعبد الرحمن بن عوف وسعد وسعید وابو عبیدہ بن الجراح وافضل ھؤلاء العشرۃ الابرار

اہل سنت اعتقاد کرتے ہیں کہ امت محمدؐ کی تمام امتوں سے بہتر ہے اور ان میں افضل اس قرن والے ہیں جنھوں نے حضرت کو دیکھا اور آپ پر ایمان لاتے اور تصدیق کی اور بیعت کی اور متابعت کی اور آپ کے سامنے لڑے اور اپنی جانوں اور مالوں کو آپ پر قربان کیا اور ان کی امداد و اعانت کی اور اس قرن والوں میں افضل حدیبیہ والے ہیں جنھوں نے بیعت رضوان کی اور وہ چودہ سو مرد ہیں اور ان میں افضل بدر والے ہیں اور وہ تین سو تیرہ مرد ہیں اصحاب طالوت کی گنتی کے برابر اور ان میں افضل چالیس آدمی ہیں دار خیزران والے جو عمر بن خطاب کے ساتھ پورے ہو گئے اور ان میں افضل وہ دس ہیں جن کے لئے نبیؐ نے جنت کی شہادت دی اور وہ یہ ہیں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبد الرحمن بن عوف، سعد، سعید، ابوعبیدہ بن جراح اور ان عشرہ ابرار میں سے افضل ...

الخلفاء الراشدون الاربعة الاخيار وافضل الاربعة ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالیٰ عنهم وهؤلاء الاربعة الخلافة بعد النبی صلی اللہ علیه وسلم ثلثون سنة ولی منها ابوبكر سنتين وشيئا وعمر عشرا و عثمان اثنا عشر وعلی ستا ثم وليها معوية تسع عشر سنة وكان قبل ذلك ولاه عمر الامارة علی اهل الشام عشرين سنة.

خلفاء راشدین ہیں اور ان چاروں میں افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی ہیں اور ان چاروں کی خلافت بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس برس ہیں جس میں سے ابوبکر دو برس اور کچھ زیادہ متولی خلافت ہوتے اور عمر دس برس اور عثمان بارہ برس اور علی چھ برس پھر بعد اس کے معویہ انیس برس اس کے متولی ہوتے اور اس سے پہلے اس کو عمر نے امارت شام پر متولی کیا تھا بیس برس،

پھر اس کے بعد دو ورق آگے بڑھ کر تحریر فرماتے ہیں،

ثم خلافة معوية بن ابی سفيان فثابتة صحيحة بعد موت علی وبعد خلع الحسن نفسه عن الخلافة وتسليمها الی معوية لرای راه الحسن ومصلحة عامة تحققت له وهی حقن دماء المسلمين وتحقيق قول النبی فی الحسن ابنی هذا سيد يصلح الله تعالی به بين فئتين عظيمتين فوجبت امامته بعقد الحسن له فسمی عامه عام الجماعة لارتفاع الخلاف بين الجميع واتباع الكل لمعوية لانه لم يكن هناك منازع ثالث فی الخلافة وخلافته مذكورة فی قول النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال تدور رحی الاسلام بخمس وثلثين سنة او ست وثلثين سنة او سبع وثلثين والمراد بالرحی فی هذا الحديث القوة فی الدين والمراد بالخمس السنين الخمسة عن ثلثين فهی من جملة خلافة

پھر معویہ بن ابی سفیان کی خلافت بعد وفات علی اور بعد جدا کرنے امام حسن کے اپنے نفس کو خلافت سے اور سپرد کرنے خلافت کے امیر معویہ کو بسبب رائے کے جو حضرت حسن نے سوچی اور بسبب تحقیق ارشاد نبی کے حسن کے بارہ میں کہ یہ میرا فرزند سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے دو بڑی جماعتوں میں اصلاح کرے گا ثابت اور صحیح ہے پس اس کی امامت امام حسن کو عقد کرنے سے اس کے لئے لازم ہو گئی پس اس کے برس کا نام عام الجماعۃ رکھا گیا اس لئے کہ سب سے خلاف اٹھ گیا اور سب معاویہ کے تابع ہو گئے کیونکہ اس وقت کوئی تیسرا شخص خلافت میں جھگڑا کرنے والا باقی نہ رہا اور اس کی خلافت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے مذکور ہے اور وہ حدیث ہے جو حضرت سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا پینتیس یا چھتیس یا سینتیس برس اسلام کی چکی چلے گی اور اس حدیث میں چکی سے مراد دین کی قوت ہے اور پانچ سال جو تیس سال سے زائد ہیں وہ منجملہ خلافت معاویہ کے ہیں تیس برس اور کچھ مہینے پورے ہونے

معوية الی تمام تسعة عشر سنة وشهور لان الثلثين كملت بعلی كما بينا،

تک کیونکہ تیس برس حضرت علی کے ساتھ پورے ہو گئے چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اب اہل انصاف اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ ہمارے فاضل مجیب کا دعوے کہ حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے امیر معویہؓ کو خلیفہ راشد فرمایا ہے غلط ہے یا صحیح۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے فاضل مجیب کا دعوے بالکل غلط ہے حضرت پیر دستگیر نے اس جگہ حضرت امیر معویہ کو خلفاء راشدین میں نہیں شمار کیا اور کسی جگہ خلیفہ راشد نہیں لکھا ہمارے فاضل مجیب کو لفظ خلافت سے اشتباہ پڑ گیا اور وجہ اس کی اول یہ ہے کہ پہلی عبارت میں صرف خلفاء اربعہ ہی کو خلفاء راشدین لکھا ہے حضرت امیر معویہ کی خلافت کا بھی اگرچہ ذکر کیا ہے لیکن نہ اس خلافت کو خلافت راشدہ لکھا اور نہ امیر معویہ کو خلیفہ راشد فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معویہ کو خلیفہ راشد نہیں لکھا دوسری یہ کہ حدیث الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم يكون ملكا کے موافق اس کا مصداق خلافت خلفاء اربعہ کو ہے قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں لفظ خلافت سے مراد خلافت نبوت ہے پھر اس کے بعد جو خلافت امیر معویہ کو ذکر فرمایا اور اس سے اس کو خارج کیا تو معلوم ہوا کہ وہ داخل خلافت راشدہ نہیں بلکہ خلافت بمعنی ملک و سلطنت ہے۔ تیسری یہ کہ امیر معویہ کی خلافت کی نسبت لکھا کہ اس کا ثبوت و صحت اس وقت سے ہے جب سے امام حسنؓ نے خلافت تفویض فرمائی تھی اور ظاہر ہے کہ پہلے اس سے اپنی اجتہادی خطا کی وجہ سے جو بسبب طلب قصاص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقع ہوئی تھی بغاۃ میں سے تھے جناب امام حسنؓ نے خلافت تفویض فرما دی خلیفہ ہو گئے ایسی حالت میں اس کو خلافت راشدہ نہیں کہہ سکتے چوتھی یہ کہ خلافت حضرت معاویہ کو مصداق حدیث تدور رحی الاسلام کا قرار دیا اور اس کی تفسیر میں لکھا کہ مراد رحی سے قوت اسلامی ہے اور ظاہر ہے کہ قوت و شوکت اسلامی بمقابلہ کفار کے غایت درجہ کو تھی کیونکہ امر امامت کا ایک شخص پر مجتمع تھا لیکن یہ مستلزم اس امر کو نہیں ہے کہ وہ خلافت علی منہاج النبوت بھی ہو غایت سے غایت یہ ہے کہ سلطنتوں میں عمدہ سلطنت ہو پس اس سے ثابت ہوا کہ خلافت امیر معویہ سے مراد خلافت راشدہ نہیں چنانچہ محشی نے بھی اس کی تصریح کی ہے قولہ رضی اللہ عنہ،

اما خلافة معوية رضی اللہ عنه الخ المراد منه الامامة لا الخلافة التی كانت للخلفاء الراشدين الاربعة لانها خلافة

اما خلافت معویہ الخ خلافت سے مراد امامت ہے نہ وہ خلافت جو چاروں خلفاء راشدین کو حاصل تھی کیونکہ وہ خلافت نبوت تھی جیسا محدثین میں سے

النبوۃ کما قالہ قاضی وغیرہ من المحدثین کما نقلہ الامام النووی مفصلاً فی شرح صحیح مسلم۔

قاضی وغیرہ نے کہا ہے چنانچہ امام نووی نے مفصل شرح مسلم میں نقل کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں خلافت کا اطلاق اور خلافت کی قسمیں

رہا یہ کہ اطلاق لفظ خلافت یا خلیفہ کا امیر معویہؓ کے حق میں سواول تو سلطنت بھی بسبب واجب الاطاعت ہونے کے اہل سنت کے نزدیک خلافت میں داخل ہے چنانچہ خلافت مطلقہ کے نیچے دو نوعیں ہیں ایک خلافت خاصہ دوسری خلافت عامہ اور ظاہر ہے کہ خلافت عامہ ملک وسلطنت ہے تو اطلاق خلافت کا اس پر صحیح ہوا علاوہ ازیں خلافت مطلقہ کے جو دو نوعیں ایک خلافت نبوت اور دوسری امارت وسلطنت ہیں ان دونوں نوعوں میں تشکیک ہے اور ہر دو کلی مشکک ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ باعتبار حصول قوت وشوکت وحصول مہمات خلافت واتباع سیر نبویہ علی وجہ الاکملیہ اور باعتبار ثوران وعدم ثوران فتن کے بعض افراد خلافت خاصہ کے بہ نسبت بعض کے کمی وکامل وضعیف وقوی کا تفاوت رکھتے ہیں خود خلفاء میں افضلیت علی ترتیب الخلافت واقع ہونا ثبوت مرتبہ تشکیک کی ایک بدیہی دلیل ہے امارت اور سلطنت کے صدق میں اپنے افراد پر جس قدر تشکیک ہے وہ محتاج بیان نہیں جو ایسی واضح اور ظاہر ہے کہ اس کے اثبات کی دلیل سے کچھ ضرورت نہیں اور ظاہر ہے کہ نوع ثانی کا فرد عالی نوع اول فرد سافل کے ساتھ بادی النظر میں ملحق ومشتبہ ہوگا کیونکہ درمیان دونوں فردوں کے بجز ایک باریک حد فاصل کے کوئی واسطہ نہیں ہے اس لئے کہ خلافت کی بنیاد دو اصلوں پر ہے اول اتباع سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری انتظام دافع اور سرانجام مہمات لیکن محض خلافت کے لئے اصل اول کو بہ نسبت اصل ثانی کے مزیت ہے کہ اول بمنزلہ موقوف علیہ کے ہے اور ثانی کو بھی فی الجملہ دخل ہے کیونکہ جو ایک مرتبہ حصول اجر وثواب کا ہونا وہ فوت ہوا اور رسول کے نائب ہی ہو کر رہا نہ خداوندی میں تاجدار بنی افراد عالیہ خلافت میں دونوں اصلوں کا تحقق کامل وجود سے ہوگا اور افراد سافلہ میں اصل اول علی وجہ الکمال ہوگی اور اصل ثانی میں فی الجملہ نقصان ہوگا سلطنت کو خلافت نبوت سے گرتیا ہے تو اصل اول کی وجہ سے ہے کہ اس میں مرتبہ کمال سے علی حسب المراتب تخلف ہوگا اگرچہ اصل ثانی علی وجہ کمال پائی جاوے پس جو افراد عالیہ سلطنت کے ہوں گے عجب نہیں کہ فرد سافلہ خلافت

نبوت سے اصل ثانی سے بڑھ کر ہوں لیکن اصل اول میں البتہ کمی ہوگی، تو جب باعتبار احد الاصلین کے مرتبہ ہوئی اگرچہ باعتبار اصل آخر کے کمی ہو اور وہ کمی بھی ایسی بدیہی اور بین کمی نہ ہو جس کا امتیاز ہر شخص کر سکے تو لامحالہ بادی النظر میں ہر دو نوعین کے افراد سافلہ وعالیہ میں ایک لحوق پایا گیا تو اگر باعتبار اس کے کسی نے قرب مجاورۃ کی وجہ سے مجازاً افراد اعلیٰ سلطنت پر ایسا لفظ اطلاق کر دیا جو موہم خلافت نبوت کو ہو تو کیا بے جا کیا اور اس پر کیا طعن ہے۔ رہا یہ کہ اگر آپ حضرت پیر دستگیرؒ کے اس قول سے استدلال فرماتے ہیں وخلافۃ مذکورۃ فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ اس میں بلکہ کسی روایت سے اس خلافت کا خلافت نبوت ہونا متحقق نہیں ہوا پس آپ کا یہ فرمانا کہ حضرت پیر دستگیر نے امیر معویہؓ کو خلیفہ راشد فرمایا ہے سراسر غلط اور کذب ہے۔ علاوہ اس کے دوسرا کذب اور دھوکہ دہی یہ ہے کہ تحریر فرماتے ہیں "اس حدیث کی مدت مختلف بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں" حالانکہ یہ محض غلط ہے کیونکہ لفظ اس کا مرجع یہ ہے حدیث ثلثون سنۃ ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں خلاف حضرت پیر دستگیرؒ نے کہیں ذکر نہیں فرمایا یہ حدیث ہرگز اپنی مدت سے متجاوز نہیں اور وہ حدیث جس میں زیادتی مذکور ہے اس سے جداگانہ اور وہ بالکل دوسری حدیث ہے اس کا مدلول وما صدق علیہ کچھ اور ہی چیز ہے۔

قولہ: اور نیز اگر یہ حدیث صحیح ہو تو وہ دوازدہ خلیفے جن کی بشارت اکثر احادیث میں ہے کیسے ہوں گے۔

بحث روایات بشارت دوازدہ امام

اقول: پہلے ہم اس حدیث کے الفاظ کو جو بشارت دوازدہ امام میں بطرق شتے وارد ہوئی ہے خصال ابن بابویہ قمی سے نقل کرتے ہیں بعد اس کے اپنے فاضل مخاطب کو تبلائیں گے کہ وہ دوازدہ امام کیسے تھے اول حدیث ابن مسعودؓ کی ہے جو بواسطہ شعبی اور قیس ابن عبداللہ اور جریر ابن اشعث اور مسروق کی روایت کی گئی ہے وہ یہ کہ عبداللہ بن مسعود نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا۔

نعم عہد الینا نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ ان یکون بعدہ اثنا عشر خلیفۃ بعدد نقباء بنی اسرائیل۔

ہاں ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کیا ہے کہ بعد ان کے بارہ خلیفہ ہوں گے بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے موافق۔

دوسری روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بواسطہ شعبی اور سماک بن حرب اور [illegible]

سعد وغیرہ کے بالفاظ مختلفہ وارد ہوئی ہے۔

عن جابر بن سمرة قال كنت مع ابى عند النبى صلى الله عليه وسلم قال فسمعته يقول يكون بعدى اثنا عشر اميرا ثم اخفى صوته فقلت لابى ما الذى قال رسول الله صلى الله عليه وآله قال كلهم من قريش وعن الشعبى عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله لا يزال هذا الدين عزيزا منيعا ينصرون على من ناواهم الى اثنى عشر قال ثم قال كلمة اصمتنيها الناس قال فقلت لابى اواخى ما كلمة اصمتنيها الناس قال كلهم من قريش وعن جابر بن سمرة قال قال النبى صلى الله عليه وآله لا يزال هذه الامة مستقيما امرها ظاهرة على عدوها حتى يمضى اثنا عشر خليفة كلهم من قريش فاتيته فى منزله قلت ثم يكون ماذا قال الهرج۔ وفى رواية عن جابر لا يزال هذه الامة صالحا امرها ظاهرة على عدوها وفى رواية عن عامر بن سعد قال كتبت الى جابر بن سمرة مع غلامى رافع اخبرنى بشىء سمعته من رسول الله صلى الله عليه وآله فكتب سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله يوم جمعة عشية رجم الاسلمى لا يزال الدين قائما حتى تقوم الساعة ويكون عليكم اثنى عشر خليفة كلهم من قريش

جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہا میں اپنے باپ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا میں نے حضرت سے سنا فرماتے تھے میرے بعد بارہ امیر ہوں گے پھر کچھ آہستہ فرمایا میں نے اپنے باپ سے پوچھا حضرتؐ نے کیا فرمایا کہا سب قریش سے ہوں گے جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دین ہمیشہ غالب مضبوط اپنے مخالفوں پر فتح مند رہے گا بارہ خلیفوں تک پھر آپ نے ایک کلمہ فرمایا جو لوگوں کے ہجوم نے مجھ کو سننے نہ دیا تو میں نے اپنے باپ یا بیٹے سے پوچھا کون سا کلمہ ہے جو لوگوں نے مجھ کو سننے نہ دیا کہا سب قریش سے ہوں گے اور جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امت ہمیشہ اپنے امر میں مستقیم اپنے دشمن پر غالب رہے گی یہاں تک کہ بارہ خلیفہ گذریں جو سب قریش سے ہوں گے پھر میں نے اپنے گھر پر حاضر ہو کر عرض کیا پھر کیا ہوگا فرمایا قتل۔ اور ایک روایت میں جابر سے ہے ہمیشہ اس امت کا امر درست رہے گا اور اپنے دشمن پر غالب رہے گی اور ایک روایت میں عامر بن سعد سے ہے کہا میں نے جابر بن سمرہ کے پاس اپنے غلام رافع کے ہاتھ لکھ کر بھیجا کہ مجھ کو کچھ بتلا جو تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو پس اس کے جواب میں لکھا کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ کے روز سنا جس روز شام کو اسلمی سنگسار ہوا فرماتے تھے ہمیشہ یہ دین برپا رہے گا قیامت تک اور تم پر بارہ خلیفہ ہوں گے سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

تیسری روایت شرح برکی سے ہے۔

عن شرح البركى قال فى الكتاب ان هذه الامة فيهم اثنا عشر فاذا وقت العدة طغوا وبغوا وكان بأسهم بينهم۔

شرح برکی سے ہے کتاب میں کہا ہے کہ اس امت میں بارہ خلیفہ ہیں جب ان کی تعداد پوری ہو جائے گی تو سرکشی اور بغاوت کریں گے اور ان کی لڑائی آپس میں ہوگی۔

چوتھی روایت۔

عن ابى نجر قال كان ابو الخالد جارى فسمعته يقول ويحلف عليه ان هذه الامة لا تهلك حتى يكون فيها اثنا عشر خليفة كلهم يعمل بالهدى ودين الحق۔

ابی بجر سے مروی ہے کہا ابو خالد میرا ہمسایہ تھا میں نے اس سے سنا قسم کھا کر کہتا تھا کہ یہ امت ہلاک نہ ہوگی یہاں تک کہ اس میں بارہ خلیفہ ہوں گے سب کے سب ہدایت اور دین حق پر عمل کریں گے۔

پانچویں روایت۔

عن سفيان بن برد بن مكحول انه قيل له ان النبى صلى الله عليه وسلم قال يكون بعدى اثنا عشر خليفة قال نعم وذكر لفظة اخرى عن معمر عمن سمع وهب بن منبه يقول يكون اثنا عشر خليفة ثم يكون الهرج ثم يكون كذا۔

سفیان بن برد بن مکحول سے روایت ہے کہ اس سے کسی نے کہا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے کہا ہاں، اور دوسرا لفظ ذکر کیا، معمر سے معمر نے اس سے جس نے وہب بن منبہ سے سنا کہتا تھا کہ وہ بارہ خلیفہ ہوں گے پھر قتل ہوگا پھر یہ ہوگا۔

چھٹی روایت۔

عن عمرو البكائى عن كعب الاحبار قال لى الخلفاء هم اثنى عشر اذا كان عند انقضائهم واتى طبقة صالحة عند الله لهم فى العمر كذلك وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين من قبلهم وكذلك فعل الله ببنى اسرائيل وليس بعزيز ان يجتمع هذه الامة يوما ونصف يوم وان يوما عند ربك كالف سنة مما تعدون۔

عمرو بکائی کعب احبار سے روایت کرتا ہے اس نے اسے کہا کہ وہ بارہ ہیں اور جب ان کے گذرنے کا وقت قریب ہوگا اور طبقہ صالحہ عند اللہ آئے گا تو ان کی عمر میں زیادتی ہوگی اسی طرح وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کہ ان کو ملک میں جانشین کریگا جس طرح جانشین کیا تم سے پہلوں کو اور اسی طرح اللہ نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا اور اللہ پر کچھ دشوار نہیں کہ اس امت کو ایک دن یا آدھے دن جمع کر دے اور ایک دن تیرے رب کے نزدیک مثل ہزار برس کے ہے تمہاری گنتی سے۔

اور صحیح مسلم میں جس قدر روایتیں درباب ائمہ اثنا عشر وارد ہوتی ہیں وہ تقریباً ان روایات میں سے بعض کے مطابق ہیں لیکن غالباً ابو داؤد کی روایت میں لفظ کلہم تجتمع علیہ الامۃ زیادہ وارد ہوا ہے۔ اب گذارش یہ ہے کہ جس روایت میں تقیید خلافت کی ثلثون سنۃ کے ساتھ وارد ہوئی ہے وہ خلافت خلافت نبوت ہے جو علی الاتصال اس قدر زمانہ تک ممتد رہے گی چنانچہ بعض روایات میں صریح خلافت نبوت وارد ہوا ہے اور نیز اس قسم کے الفاظ سے بھی ارشاد ہوا ہے۔

ان ھذا الامر بدأ نبوۃ ورحمۃ ثم خلافۃ ورحمۃ۔ — یہ امر شروع ہوا ہے نبوت اور رحمت پھر خلافت اور رحمت۔

غرض اس قسم کی روایات سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ یہ خلافت جس کی مدت تیس سال ارشاد ہوئی ہے خلافت نبوت و رحمت ہے اور وہ روایت جو بشارت دوازدہ امام میں وارد ہوئی ہے وہ عام ہے اس سے کہ خلافت نبوت ہو یا ملک و سلطنت ہو علی الاتصال ہو یا بانقطاع کیونکہ جس قدر اوصاف دوازدہ ائمہ کی نسبت بیان ہوتے ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اس خلافت کو قوت و شوکت ہوگی اور اس میں اضطراب و تزلزل و وقوع فتن نہ ہوگا وہ اپنے اعدا پر غالب رہے گی اور بمقابلہ اس کے کفار مغلوب و منکوس ہوں گے اور امت ان پر مجتمع ہوگی اور یہ اوصاف کچھ خلافت خاصہ پر ہی منحصر نہیں ہیں بلکہ یہ عوارض عامہ ہیں جو خلافت کے دونوں نوعوں میں پائے جا سکتے ہیں خلافت خاصہ بھی ان کے ساتھ متصف ہو سکتی ہے اور امارت و سلطنت کو بھی ان صفات سے حظ و نصیب ہے پس ان دونوں روایتوں میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے ہاں یہ بات باقی رہ گئی کہ قمی کی بعض روایات میں جو یہ الفاظ وارد ہوتے ہیں کلہم یعمل بالھدیٰ و دین الحق شاید ہمارے فاضل مجیب کو خلجان میں ڈالیں اور یہ خیال فرمائیں کہ یہ وصف مستلزم خلافت خاصہ کو ہے لیکن یہ زعم اگر ہو تو بالکل باطل ہے کیونکہ اس وصف میں بھی صریح مرتبہ تشکیک ہے اور اس کے صدق میں اپنے افراد پر اولویت اور اشدیت کا فرق بدیہی ہے خلفاء راشدین بھی عاملین بالھدیٰ و دین الحق ہیں اور سلاطین میں سے ان کے افراد عالیہ اور افراد متوسط بھی عاملین بالھدیٰ و دین الحق ہیں لیکن ان میں اور ان میں باعتبار اس وصف کے امتیاز اور فرق ہے خلفاء راشدین میں اس وصف کا صدق اولیٰ اور اشد ہے اور سلاطین کے افراد عالیہ و متوسط میں اس سے بعید اور ضعیف ہے لیکن صدق اس وصف کا کوئی الجملہ کم سے کم پایا جاتا ہے بلکہ سلاطین جائرہ جو سلاطین کے افراد سافلہ ہیں ان میں بھی فی الجملہ پایا جاوے گا اگر وہ کفار کے ساتھ جہاد کریں گے جو باعث تقویت دین ہے لیکن ان افراد کا اس وصف کے ساتھ

اتصاف ایسا قلیل ہوگا کہ اگر اس کو کان لم یکن اعتبار کریں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے غرض یہ وصف بھی مثل دوسرے اوصاف کے عوارض عامہ میں سے ہے جو خلافت نبوت اور امارت کو عام ہے اور ہرگز مستلزم خلافت خاصہ کو نہیں پس جب یہ امر ثابت ہوگیا کہ وہ تعیین و تحدید خلافت خاصہ کے لئے ہی تھی اور یہ بشارت عام ہے تو دونوں حدیثوں میں باہم کچھ تعارض و تناقض نہیں رہا اس کی توجیہات اور بھی ہو سکتی ہیں لیکن ہم بخوف تطویل ان کو ترک کرتے ہیں۔

روایات متضمن بشارت دوازدہ امام مذہب تشیع کو صدمہ رساں ہیں

اب مجھ کو یہ خیال ہے کہ حضرت ابن بابویہ قمی صاحب نے ان روایتوں کو جو بشارت دوازدہ امام میں وارد ہوئی ہیں اپنے مذہب کی تائید اور تقویت میں نقل کیا ہے اور اپنی روایات مذہب کے موافق سمجھا ہے چنانچہ اس کے بعد وہ روایتیں نقل کی ہیں جو اپنی رواۃ سے بشارت دوازدہ امام میں منقول ہوئی ہیں اس لئے ان روایات کو بلا رد و انکار قبول کر لیا ہے ورنہ شیخ نے جس جگہ مخالفین کے روایات خصال میں نقل کی ہیں وجہ نقل کی بیان کر دی ہے، چنانچہ روایت رکعتین بعد صلوۃ العصر عن عبداللہ ابن الاسود عن ابیہ عن عائشہ بیان کر کے آخر میں لکھتے ہیں،

قال مصنف ھذا الکتاب مرادی بایراد ھذہ الاخبار الرد علی المخالفین لانھم لا یرون بعد الغداۃ و بعد العصر صلوۃ فاحببت ان ابین انھم خالفوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ فی قولہ و فعلہ۔

اس کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ ان حدیثوں کے ذکر کرنے سے میری غرض مخالفین پر رد کرنا ہے کیونکہ وہ بعد فجر اور بعد عصر کے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تو میں نے چاہا کہ اس امر کو بیان کر دوں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں خلاف کیا۔

پس جب اس جگہ بعد نقل روایات سکوت کیا بلکہ سکوت نہیں اپنی روایات جو بشارت دوازدہ امام میں تھیں وارد کیں تو معلوم ہوا کہ یہ روایات شیخ کے نزدیک مقبول و معتمد ہیں قطع نظر اس سے اگر بالفرض شیخ قمی کے نزدیک یہ روایات معتبر نہ ہوں تاہم حسب شہادت امام صادق و امام کاظم معتبر و قابل قبول ہیں کیونکہ ہم معنی اور مشابہ روایات اہل بیت کی ہیں تفسیر صافی میں منقول ہے۔

قال الصادق فما جاءک فی روایۃ من راو فاجر توافق القرآن فخذ بہ و ما جاءک فی روایۃ من راو فاجر یخالف القرآن فلا

امام صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو کچھ تیرے پاس کسی روایت میں کسی فاجر راوی سے آوے جو قرآن کے موافق ہو تو اس کو لے اور جو کچھ تیرے پاس کسی روایت میں [illegible]

تاخذ وقال الكاظم اذا جاءك الحديثان المختلفان فقسهما على كتاب الله وعلى احاديثنا فان اشبههما فهو حق وان لم يشبههما فهو باطل۔

فاجر سے آوے جو قرآن کے مخالف ہو تو اس کو نہ لے، امام کاظم نے فرمایا جب تیرے پاس دو متخالف حدیثیں آئیں تو اس کو کتاب اللہ اور ہماری حدیثوں سے مقابلہ کر اگر وہ ان کے مشابہ ہوں تو وہ حق ہے اور اگر ان کے مشابہ نہ ہو وہ باطل ہے۔

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہے کہ جو روایت موافق کتاب اللہ اور مشابہ احادیث ائمہ ہو وہ حق اور واجب القبول ہے اور یہ روایات منقولہ صدوق بھی مشابہ ان روایات کے ہیں جو ائمہ سے وارد ہوئی تو یہ بھی واجب القبول ہوں گی اور بعض روایات میں اگرچہ رواۃ اہل سنت ہیں اور بواسطہ رواۃ اہلسنت کے منقول ہوئی ہیں لیکن یہ امر قادح فی الروایۃ نہ ہوگا تو اب معلوم نہیں کہ ان روایات کے موافق دوازدہ امام کو ہمارے فاضل مخاطب کیا سمجھیں گے اور ان روایات کے صدمہ سے مذہب کی بناء کی انہدام سے صیانت کیوں کر کریں گے۔ اور ان روایات سے مذہب تشیع کو چند وجوہ سے صدمہ پہنچتا ہے۔ اول یہ کہ ان روایات سے صریح ثابت ہوتا ہے کہ امت کو زمانہ ائمہ اثنا عشر میں استقامۃ امر اور غلبہ علی الاعداء اور ظہور دین اور اصلاح امر میسر ہوگا پس اگر ان کو ائمہ اثنا عشر حضرات شیعہ پر محمول کیا جاوے تو یہ وعدہ اور اخبار جھوٹ اور کذب ہوگا کیونکہ ائمہ کے زمانہ میں برعکس اس کے اضطراب امر اور غلبہ اعداء اور اختفاء دین اور فساد امر حاصل ہوا ثقل اعظم کا نام و نشان تک صفحہ گیتی سے گویا محو ہوگیا ائمہ کی خود جیسی حالت رہی وہ محتاج بیان نہیں دوسری یہ کہ یہ غلبہ واستیلاء جو زمانہ ائمہ اثنا عشر میں موعود ہے یہ منحصر اسی زمانہ تک ہے اس کے بعد ہرج ومرج وفساد وہلاکت ہے اگر بعد ائمہ کے ہیں تو حضرت عیسیٰ ہیں اور وہ خود ائمہ سے کم درجہ ہیں تو معلوم نہیں کہ یہ امامت جو ائمہ اثنا عشر میں ہے منحصر اور ختم ہوچکی تھی کیا بعد اس کے حسب ارشاد فاضل مجیب امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ختم ہوچکی کہ بعد ائمہ اثنا عشر کے پھر امامت کی ضرورت نہیں رہی یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ دین ناقص چھوڑا تھا جو زمانہ ائمہ اثنا عشر میں مکمل ہوگیا۔ تیسری یہ کہ یہ زمانہ مصداق آیت شریفہ وعد اللہ الذین امنوا منکم کا ہے کہ خداوند تعالیٰ زمانہ بعض ائمہ میں انجاز وعدہ استخلاف وتمکین دین وازالہ خوف وحصول امن فرمائے گا اور یہ بھی جس قدر گلوگیر مذہب تشیع ہے کسی دانش مند پر پوشیدہ نہیں ہے۔

قولہ: ایسی حدیث مختلف اور مضطرب ومسلمہ خود کو ہمارے سامنے پیش کرنا مجیب کی مناظرہ دانی کے کمال پر دال ہے۔

جو روایت موافق قرآن ہو وہ قابل قبول ہوگی

اقول: ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ بشہادت امام صادق جو روایت کہ موافق قرآن کے ہو گو کیسے ہی راوی سے ہو واجب القبول ہوگی پس جب ہم اس سے پہلے اشارہ کر چکے تھے کہ یہ خلافت کتاب اللہ سے ثابت ہے تو یہ روایت جو موافق کتاب اللہ کی ہوئی قابل قبول ہوگی رہا اختلاف واضطراب جو اس روایت کی صحت کو مانع ہو اگر آپ ثابت فرماتے تو جواب بھی گذارش ہوتا البتہ یونہیں بے دلیل دعوے کرنا ہمارے فاضل مجیب کی کمال مناظرہ دانی پر دلیل ہے۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ، اور ایمات سے الخ آپ کے علماء کے کلام اور صحابہ کے اقوال و افعال سے اس کا اہم المہمات دینی ہونا ثابت ہے پھر تعجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصریح کیوں نہ فرمائی مسائل روزہ و نماز وغسل و وضو و تیمم حتی کہ آداب بیت الخلاء وغیرہ وغیرہ تک توصاف مشرح ومفصل بیان فرمائے اس اہم مہمات کو ہی کیوں چیستان و پہیلی کر دیا کہ اشارہ وکنایہ میں ادا فرمایا۔ کچھ غور کیجئے اور انصاف فرمائیے ایسا کیوں کیا۔

اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں اور رسول اکرم علیہ السلام اللہ تعالےٰ کی وحی کے مبلغ ہیں

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: جب اہل سنت کا اصل مذہب آپ کو معلوم ہو چکا کہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی تبلیغ فرماتے ہیں جو ان پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تو پھر یہ اعتراض بالکل بعید از عقل ہے علاوہ ازیں جب خداوند کریم خود اس کے ایقاع کا متکفل ہو چکا تھا تو پھر کچھ ضرورت باقی نہیں رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس ہیئت کذائی کے ساتھ بیان فرماتے جس کو حضرات شیعہ پسند فرماتے ہیں اور ممکن ہے کہ اگر تصریح کے ساتھ استخلاف افراد معینہ کا کیا جاتا اور اس وقت بغاوت اور بلوہ اور قتل خلیفہ پیش آتا عجب نہیں کہ باعث نزول عذاب کا ہوتا تو اس لئے امت کے سپرد کیا گیا اور اوصاف وعوارض بتا کر بمنزلہ تصریح کے کر دیا گیا اور یہ بھی ایک نوع کی تشریح وتفصیل ہے لیکن ہمارے مجیب فرمائیں کہ جب یہ مسئلہ اہم المہمات اور اصول ومقاصد دین میں سے تھا اور خداوند تعالیٰ پر واجب تھا کہ اس کو

بیان فرماوے باوجودیکہ ادنے ادنے فروع کو بیان فرمایا اس اہم المہمات کو ہی کیوں چھپاتان و پہیلی کر دیا کہ جو کتاب اللہ میں سے کہیں بوجھی ہی نہیں جاتی ہم کو تو غور و انصاف کا حکم ہوتا ہے جو لبسر و چشم ہے لیکن کچھ آپ بھی غور و انصاف سے حصہ لیویں،

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ یہ ہی امر باعث ہوا کہ اہل سنت ہیں درباب نص و عدم نص اختلاف واقع ہوا پس یہ دعوے کہ اہل سنت اس باب میں نص کے قائل نہیں علی الاطلاق صحیح نہیں چنانچہ ملاحظہ صواعق سے یہ امر معلوم ہو سکتا ہے، اقول۔ اگرچہ اس قول کے جواب میں گفتگو ہو سکتی تھی مگر چونکہ چنداں مفید نہیں بنظر اختصار کچھ عرض نہیں کرتے مگر اس قدر ضرور گذارش ہے کہ آپ کے خاتم المحدثین تحفہ کے باب ہفتم عقیدہ پنجم میں فرماتے ہیں۔ زیرا کہ خلفاء ثلثہ نزد اہل سنت نہ معصوم اند نہ منصوص علیہ ودر افضلیت ہم بحث بسیار است الخ پس اگر آپ کا یہ قول صحیح ہے تو آپ کے خاتم المحدثین کا یہ دعوٰی علی الاطلاق صحیح نہ ہوگا اور بظاہر الفاظ میں کوئی قید معلوم نہیں ہوتی افسوس کہ آپ کے خاتم المحدثین نے صواعق کا ملاحظہ نہیں فرمایا ورنہ ایسا دعوے جس کی آپ بھی تکذیب فرماتے ہیں نہ فرماتے۔

تحفہ اثنا عشریہ کی عبارت سے شیعہ مجیب کی جہالت اور مسئلہ خلافت پر گفتگو

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: جناب میر صاحب گستاخی معاف تحفہ کی عبارت کے مطلب کو تو آپ نے سمجھا ہی نہیں تھا بندہ کی گذارش کو بھی قبول نہ فرمایا اور نہ سمجھا لیجئے اب پھر گذارش کی جاتی ہے مکرر تحفہ کا ملاحظہ فرمائیں اور سمجھیں مسئلہ منصوصیۃ امام جو فیما بین اہلسنت و شیعہ مختلف ہے اس میں دیکھنا چاہیئے کہ محل نزاع کون سا امر ہے کہ جس کو اہل سنت منع کرتے ہیں اور شیعہ اس کو تسلیم کرتے ہیں چونکہ تحقق نزاع کے لئے ضرور ہے کہ وہ مسئلہ جس میں نزاع واقع ہو رہی ہے باتحاد الاعتبارات فریقین کے نزدیک ماخوذ ہو تو اس لئے وہ نص کہ جس کا اشتراط حضرات شیعہ تسلیم فرماتے ہیں اسی کو حضرات اہل سنت منع کرتے ہیں اور اگر وہ نہ ہو بلکہ وہ نص جس کو شیعہ تسلیم کرتے ہیں جدا ہو اور جس کو اہلسنت تسلیم نہیں کرتے ہیں دوسری تو نزاع ہی متحقق نہ ہوگی پس وہ نص جس کو حضرات شیعہ امامت کے لئے شرط قرار دیتے ہیں یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتصریح اس

طرح استخلاف فرمایا کہ عام طور پر سب کو جمع کر کے آپ نے ارشاد فرمایا ہو کہ اے لوگو فلاں شخص کو تمہارے اوپر میں اپنا خلیفہ اور امام مقرر کرتا ہوں میرے بعد وہ میرا خلیفہ اور تمہارا امام ہے اس کی اطاعت کیجئو اور اس پر ایمان لائیو اور اس کا اہلسنت انکار کرتے ہیں اسی کی نسبت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا زیرا کہ خلفاء ثلثہ نزد اہل سنت نہ معصوم اند نہ منصوص علیہ یعنی منصوص علیہ بنص متنازعہ فیہ نہیں ہیں چنانچہ سیاق عبارت سے متبادر الی الفہم ہے اور یہ مطلق انتفاء نص کو مستلزم نہیں بلکہ جائز ہے دوسری قسم کے نص جو مثل روز روشن واضح کر دی کہ استخلاف کس طرح واقع ہونے والا ہے بطور اخبار کے جو حال واقع پر دلالت کرے واقع ہو جن حضرات نے نص کو خاص پہلی صورت کے ساتھ مختص سمجھا خلفاء کو غیر منصوصہ فرمایا اور یہ باعتبار عرف اقرب الی الفہم ہے اور جن حضرات نے اخبارات اور بیانات واقعہ کے قدر مشترک کو ملحوظ فرمایا اور اس کو بمنزلہ تنصیص کے سمجھا انھوں نے منصوص کہا اور یہ بھی باعتبار دلالت عقل صحیح اور قرین قیاس ہے اور فی الحقیقت یہ نزاع نہیں ہے کیونکہ مرجع نفی و اثبات کا امرین متغایرین ہیں۔ فریق اول جس کی نفی کرتا ہے وہ جدا ہے اور فریق ثانی جس کو ثابت کرتا ہے وہ امر آخر ہے۔ بہرکیف اہل سنت میں سے کوئی شخص اس امر کا معترف نہیں ہے کہ خلفاء منصوص اس نص کے ساتھ ہیں جو متنازعہ فیہ درمیان اہلسنت و شیعہ ہے بلکہ بالاتفاق اس اعتبار سے تمام اہلسنت خلفاء کو غیر منصوص اعتقاد کرتے ہیں پس تحفہ میں جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نفی منصوص علیہ ہونے کی کی ہے وہ باعتبار اس نص کے ہے جو اہل سنت و شیعہ میں متنازعہ فیہ ہے اور بندہ نے جو اثبات نص کا صواعق کے حوالہ سے کیا وہ راجع اس نص کی طرف ہے جو متنازعہ فیہ نہیں لیکن چونکہ ہمارے فاضل مجیب اپنی خوش فہمی سے یہ سمجھ گئے کہ تحفہ میں منصوصیت سے بالکل انکار ہے اس لئے یہ اعتراض فرمایا حالانکہ ہم نے علی الاطلاق کی قید لگا کر متنبہ بھی کر دیا تھا لیکن تنبہ نہ ہوا اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ سوال میں بھی جو منصوصیت سے انکار تھا وہ علی الاطلاق تھا کیونکہ نص آپ کے نزدیک منحصر فی فرد واحد ہے اور جب اس کی نفی کر دی تو کل منتفی ہو گئی۔ پس صاحب تحفہ کا دعوے صحیح ہے اور ہم نے اس کی تکذیب ہرگز نہیں کی افسوس کہ آپ نے نہ تحفہ کا مطلب سمجھا اور نہ ہماری معروض میں تامل فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک جب تک بظاہر الفاظ میں کوئی قید نہ ہو اس وقت تک معتبر نہیں تعجب ہے کہ آپ اتنے بڑے مناظرہ دان و متبحر ہو کر ایسی بات فرمائیں جس کی صد ہا جگہ سے قرآن و حدیث میں تکذیب ہوتی ہے فانہ بالیعنی الست م الذین بالیعو الا ابابکر الخ میں کسی جگہ بظاہر الفاظ میں قید ہے جو اس کو لازمی قرار دیا اور لفظ عندک مثلاً مقدر تجویز فرمایا قل کرلنا حجارۃ

اوحدیدا میں بظاہر الفاظ میں کہاں قید ہے علی ہذا القیاس بہت جگہ اس کی نظیریں موجود ہیں لیکن کچھ تو فہم وانصاف سے کام لیں۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ اور حدیث تمسک بالثقلین اور قصد احراق کا ذکر عجب ہے سبحان اللہ اپنے گھر کی تو خبر لیجئے۔ اقول۔ امور دینی میں حدیث تمسک کا ذکر آپ کو کیوں عجب معلوم ہوتا ہے اگر آپ اس قول کو ہی کہ اہل سنت کے نزدیک خلافت فروع دین سے ہے تسلیم کرلیں اور اس کو فروعی مسئلہ اور نہایت خفیف سمجھیں تب بھی حدیث تمسک کا ذکر ضروری ہے تعجب ہے کہ آپ کو کیوں تعجب آتا ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: حدیث تمسک کا ذکر اس واسطے عجب معلوم ہوتا ہے اور اس لئے تعجب آتا ہے کہ اس حدیث کا ذکر بطور طعن وتشنیع کے کیا گیا ہے اور طعن وہ کرسکتا ہے جو پہلے خود عامل بالحدیث ہو اور حدیث پر جب تک عمل ہی نہیں اور خود بھی اس سے بمراحل بعید ہیں تو اس صورت میں بمقتضاء أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ کے ہر ذی عقل وشعور کو اس کا ذکر عجب معلوم ہوگا اور ایسے شخص کے ذکر سے تعجب کرے گا زبانی دعووں سے تمسک نہیں ثابت ہوسکتا حضرات شیعہ نے تو مشائین اور زرارہ اور ابوبصیر وغیرہ کے ساتھ تمسک کیا ہے جن کے نامہ اعمال ما سبق میں مذکور ہوچکے ہیں اگر اسی کا نام تمسک بالثقلین ہے تو ایسے تمسک کو سلام ہے۔ ہمارے فاضل مجیب کی اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک جو فروعی مسئلہ ہوتا ہے وہ نہایت خفیف ہوتا ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے فروعیات کے خفیف ہونے کے کیا معنے۔

قولہ: آخر آپ کے خلفاء مامور بہ تمسک تھے یا نہ تھے۔

اقول: خلفاء رضی اللہ عنہم بحکم حدیث بخوم مقتدا اور بموجب آیت اطاعت اولو الامر تھے اور مطاع اور اولو الامر کو جس طرح تمسک کرنا چاہیئے کیا۔

قولہ: اگر میں نے یہ سوال کیا کہ بعد وفات آنحضرتؐ جو مقدمہ خلافت کا پیش آیا آپ کے خلفاء نے اس باب میں اہل بیت سے کیا تمسک کیا تو کون سے تعجب کا محل ہے تعجب اور حیرت تو یہ ہے کہ باوجود ادعائے کمال دینداری اس باب میں تمسک نہ ہوا اور قصد احراق کیا۔

قصد احراق بیت کا جواب

اقول: مقدمہ خلافت میں جب کہ ثقل اعظم ان کا متمسک ہے تو لامحالہ ثقل اصغر بھی اسی کا متبع ہے تو یہ سوال کہ خلفاء نے اس باب میں اہل بیت سے کیا تمسک کیا البتہ محل تعجب ہے پھر اگر ہم نے اس پر حضرات شیعہ کے متمسکات اہل بیت کے ساتھ جتلائے تو ناخوش ہونے کی کون سی بات ہے لیکن ہم اسی مقدمہ میں جو بعد وفات سرور کائناتؐ پیا مقدمہ پیش آیا سوال کرتے ہیں کہ جب یہ حادثہ پیش آیا اور آپ اس دار فانی سے رخصت ہوئے تو اس وقت تک حضرات شیعہ کا وجود ہوا تھا یا نہیں ہوا تھا، اگر اس وقت تک ان کو خلعت وجود عطا ہوچکا تھا تو فرمایئے کہ اس وقت ان حضرات نے کیا تمسک بالثقلین فرمایا کیا اس وقت تک آیت

يا ايها النبي جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم — اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر

نازل نہیں ہوچکی تھی یا یہ کہ نازل ہوکر پھر منسوخ ہوچکی تھی اور

يا ايها الذين امنوا لا تتولوا قوما غضب الله عليهم — اے ایمان والو دوستی نہ کرو ان سے جن پر خدا نے غصہ کیا ہے۔

کا حکم اس وقت باقی نہیں رہا تھا اور اگر ان کا وجود ہی نہیں ہوا تھا تو پھر فرمایئے کہ ان کا وجود کس وقت حادث ہوا ہے۔ رہا قصد احراق بس اس کی بابت ہم پہلے بھی گذارش کرچکے ہیں اور اب بھی مختصر گذارش کرتے ہیں کہ اولاً حضرات شیعہ نے نفس احراق کا دعوے فرمایا، چنانچہ آپ کے شیخ محقق طوسی تجرید کے مطاعن صدیق میں تحریر فرماتے ہیں۔

وانه بعث الى بيت امير المومنين عليه السلام لما امتنع من البيعة فاضرم فيه النار وفيه فاطمة وجماعة من بني هاشم — اور اس نے امیر المومنین علیہ السلام کے گھر کی طرف جب اس نے بیعت سے انکار کیا بھیجا تو اس میں آگ لگادی حالانکہ اس میں فاطمہ اور بنی ہاشم کی جماعت تھی۔

اور علاوہ حضرت طوسی کے دوسرے حضرات نے بھی یہ دعویٰ فرمایا پھر جب دیکھا کہ یہ کاغذ کی ناؤ نہیں بہتی اور متقدمین کی غلطی پر متنبہ ہوئے تو پچھلوں نے اس دعویٰ کو چھوڑ کر قصد احراق کا دعوے کیا اور ان میں سے ہمارے فاضل مجیب ہیں اور متمسک اپنا اس روایت کو قرار دیا جو ازالۃ الخفاء میں منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

وایم اللہ ماذاک بمانعی ان اجتمع هؤلاء النفر عندک ان آمرهم ان یحرق علیهم البیت۔

اور خدا کی قسم یہ مجھ کو کچھ مانع نہیں ہے اگر یہ جماعت تیرے پاس اکھٹی ہو گی اس سے کہ میں گھر جلانے کا ان پر حکم کردوں۔

اب عاقل ان الفاظ میں غور کرے اور حضرات شیعہ کے دعوے کو دیکھے کہ ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں ظاہر ہے کہ ان الفاظ سے ہرگز قصد احراق جس کے ہمارے فاضل مجیب مدعی ہیں ثابت نہیں ہوتا کیونکہ قصد احراق ایک ایسی پختگی عزیمۃ کو مقتضی ہے جس میں کچھ شک و تردد نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اس روایت میں لفظ ماذاک بمانعی مذکور ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مجھ کو رد کرنے والا نہیں ہے جو صریح عدم قصد پر دال ہے اور محض تخویف کو مثبت ہے اور نیز اس جگہ لفظ ان شرطیہ مستعمل ہے جو باعتبار اپنے اصل وضع کے امور مشکوکہ محتملہ کے واسطے مستعمل ہوتا ہے اور یہ بداہتہً قصد و عزیمہ کے منافی ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کی عبارات عرف عام میں محض تہدید کے واسطے بولے جاتے ہیں اور اس سے مقصود محض تنبیہ و تہدید ہوتی ہے اور ہرگز قصد ایقاع فعل نہیں ہوتا، چنانچہ جناب امیر نے حضرت ابن عباس کی نسبت جب کہ وہ بصرہ کا بیت المال لوٹ کر بزعم حضرات شیعہ مکہ آ بیٹھے تھے اور جناب امیر نے ان کو ایک عتاب آمیز خط تحریر فرمایا جس کی نقل ہم نہج البلاغت سے اوپر کر چکے ہیں اس میں تحریر فرمایا ہے، فاتق اللہ واردد الی هؤلاء القوم اموالهم فانک ان لم تفعل ثم امکننی اللہ منک لاعذرن الی اللہ فیک ولاضربنک بسیفی الذی ماضربت به احدا الا دخل النار۔ اب ان الفاظ کو ملاحظہ فرمائیے کہ یہ الفاظ آپ کے زعم کے موافق ابن عباس کے قتل کے قصد پر دلالت کرتے ہیں پھر ہم پوچھتے ہیں اگر یہ قصد قتل ہے تو قتل کسی نفس مسلمہ کا۔

الا باحدی ثلث النفس بالنفس والثیب الزانی والتارک لدینه۔

مگر بسبب ایک امر کے تین میں سے جان بدلے جان کے اور ثیب زانی اور مرتد۔

جائز ہے یا نہیں، علاوہ اس کے ابن عباس نے وہ اموال واپس کئے یا نہیں اگر واپس کر دیتے تو خود ابن عباس نے جو اس کے جواب میں تحریر کیا اور لکھا کہ بیت المال میں میرا حق اس سے زیادہ اس کے مخالف ہے اور نیز کہیں واپس کرنا اموال کا ثابت بھی نہیں ہوا اور اگر واپس نہیں کیا تو پھر حضرتؓ کو کبھی ان پر قدرت ہوئی یا نہیں اگر نہیں ہوئی اور پھر ان کے ساتھ کبھی نہیں ملے تو شیعیان پاک میں کیونکر داخل ہوئے اس صورت میں تو مثل اور صحابہ کے ان کو بھی کافر و مرتد فرمایئے ورنہ کہ سے کہ حسب

محقق طوسی تجرید میں۔

مخالفوه فسقة ومحاربوه کفرة۔

اس کے مخالف فاسق ہیں اور اس کے محارب کافر۔

فاسق تو ضرور ہے کبھی ورنہ اور صحابہ نے ہی ایسا کیا قصور کیا ہے اور یہ ترجیح بلا مرجح کیوں ہے اور اگر قدرت ہوئی تو پھر جناب نے ان کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا اپنا قصد پورا کیا یا نہیں اور اپنی قسم میں بار ہوئے یا حانث مفصل ارشاد ہو۔

قولہ: عجب نہیں کہ آپ کو یہی اس کا تعجب ہو ورنہ ضرور ہے کہ کچھ جواب دیتے اور یہ ہی وجہ ہے کہ جب آپ سے باایں ہمہ جودت طبع کچھ جواب نہ بن سکا تو ناخوش ہو کر جھلا کر سیٹنے دینے لگے۔

قصد امر قلبی ہے

اقول: افسوس کہ آپ نے ہماری گذارش کو نہ سمجھا ہم نے اجمالاً و مختصراً وہاں بھی جواب دیا تھا اور لکھا تھا کہ قصد امور قلبیہ میں سے ہے جس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ادراک دشوار ہے اور جو الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے وہ ہرگز ایقاع پر دلالت نہیں کرتا، پس یہ حضرت کی خوش فہمی ہے کہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ کچھ جواب نہ دیا اور کچھ جواب نہ بن سکا، چنانچہ اس جواب میں ہم نے اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ عرض کیا ہے۔ پس اگر آپ اب بھی نہ سمجھیں تو اس میں فرمایئے کہ ہمارا کیا قصور ہے۔ باقی الفاظ ناملائم کا ہم جواب نہیں دیتے۔

قولہ: ہم نے بے شک اپنے گھر کی خبر لی ہوئی ہے آپ کو اس سے کیا، بالفرض ہم اپنے گھر کی خبر لیں یا نہ لیں مگر آپ کے گھر کی خبر نہیں کیونکہ اگر آپ کا گھر سلامت ہوتا تو اس کی سلامتی ثابت کرکے اور اس سوال کا جواب دے کر ایسا تحریر فرماتے تو مضائقہ نہ تھا۔

اقول: چونکہ یہ عبارت محض خوش فہمی سے ناشی ہے کہ آپ نے میری تحریر کو سمجھا ہی نہیں اور اس کا جواب خالی از ہزل و ظرافت نہ ہوگا اس لئے ہم اس عبارت کے جواب میں سکوت کرتے ہیں۔

قولہ: بفرض محال اگر آپ کا یہ وہم صحیح بھی ہو تب بھی آپ ہم جیسے ہو گئے پھر طعن کے کیا معنی۔

اقول: یہ حضرت کی مناظرہ دانی ہے جو آپ فرماتے ہیں کہ آپ ہم جیسے ہو گئے پھر طعن کے کیا معنے ورنہ فی الحقیقت جب ہماری گذارش کو صحیح تسلیم کر لیا تو گویا اپنے آپ کو غیر متمسک بالثقلین تسلیم کر لیا اور نیز بزعم حضرت کو دو ہمارے اکابر و اعاظم کو بھی غیر متمسک سمجھ رکھا تھا تو ہمارا آپ جیسا ہونا یہ محض بزعم سامی ہے اور طعن کا مدار زعم سامی پر نہیں ہے تو یہ فرمانا کہ پھر طعن کے کیا معنی بالکل لغو ہوا اور

یہ کہنا کہ آپ ہم جیسے ہوگئے سراسر غیر مفید ہوا۔ علاوہ ازیں یہ طعن محض آپ کے طعن کی تردید کے واسطے تھا، جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ جو ہم کو قصد احراق کے ساتھ مطعون فرماتے ہیں اور ہماری طرف عدم تمسک بالثقلین کا الزام لگاتے ہیں آپ خود اس قسم کے مطاعن کے ساتھ مطعون ہیں اور ایسے الزامات کے ساتھ ملزم ہیں تو آپ کا طعن بے جا اور الزام نازیبا ہے کیونکہ جو شخص کسی طعن کے ساتھ مطعون ہو وہ کسی کو بروئے عقل اس طعن کا کیونکر الزام دے سکتا ہے۔ مثلاً شراب خوار، شراب خوار کو اور زانی، زانی کو اور سارق، سارق کو شراب خواری اور زنا اور چوری کے ساتھ مطعون نہیں کر سکتا ہے اور ایسا کرے گا وہ عموماً یہ ہی جواب پاوے گا کہ میاں تو خود مرتکب اس فعل کا ہے پھر تو کس منہ سے ہم کو طعن کر سکتا ہے پھر اگر وہ طاعن اس کے جواب میں کہے کہ آپ ہم جیسے ہوگئے پھر طعن کے کیا معنی تو عقلا اس کو بالکل خارج از عقل سمجھیں گے۔ نہایت تعجب ہے کہ آپ ایسے بڑے مناظرہ دان و عاقل و فہیم ہو کر ایسی بدیہی اور صریح غلطی کریں جس سے عوام کو بھی احتراز ہو

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ بے شک حضرات شیعہ نے جیسا کتاب اللہ و عترت سے تمسک فرمایا ہے اہل سنت کو وہ تمسک کہاں نصیب ہے۔ اقول۔ واقعی یہ آپ کا فرمانا بہت درست ہے الحمد اللہ کہ حق بر زبان جاری ہوگیا بیت۔

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: کلمۃ حق ارید بہا باطل۔ غالباً حضرات شیعہ کی سخن فہمی ایسی ہی ہے اور اکثر استدلالات کا مدار اسی قسم کی فہم عبارات پر ہے چنانچہ ناظرین کتب قوم پر واضح ہے پھر اس پر ناز و افتخار مزید برآں۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ بلکہ اہل سنت ایسے تمسک سے بہزار جان تبری و تحاشی کرتے ہیں۔ اقول۔ اگر ایسا نہ کریں تو خلفاء ثلثہ کی خلافت اور ائمہ اربعہ کی تقلید اور بہت لوگوں سے جن کو اپنے زعم میں مقتدا و پیشوا مان رکھا ہے تبری و تحاشی کرنی پڑے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: بلکہ اگر ایسا نہ کریں تو خدا تعالیٰ سے اور اس کے تمام انبیاء و رسل سے اور دین و ایمان سے تبری و تحاشی کرنی پڑے اور حضرات ہشامین اور زرارہ اور ابوبصیر وغیرہ کا قلادۂ تقلید گردن میں ہو اور حضرت مومن الطاق جن کو آپ کے علماء شیطان الطاق فرماتے ہیں امام و پیشوا ہوں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ اللھم انا نعوذ بک من الحور بعد الکور۔

قولہ: اور حضرات اہل سنت جو محض لکیر کے فقیر ہیں اور بدون دلیل اپنے اسلاف کے مقلد ہیں

یہ بات کب گوارا کر سکتے ہیں۔

اقول: بے شک اہل سنت محض احکام خداوندی تعالیٰ شانہ و سنن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و سیرت صحابہ جن میں اہل بیت بھی شامل ہیں و تابعین لہم باحسان کی لکیر کے فقیر ہیں۔ نہ بجز کتاب اللہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ سوائے سنت رسول اللہ ان کے پاس کوئی حجت اپنے عقول کو تابع اور محکوم ان دونوں کا کر رکھا ہے نہ حاکم پھر وہ کتاب و سنت کے خلاف یہ بات کیونکر گوارا کر سکتے ہیں۔

قولہ: اس لئے مجبور تمسک کتاب اللہ و عترت رسول اللہ سے تبری و تحاشی کرتے ہیں۔

اقول: یہ ہمارے حضرت مجیب کا فرمانا سراسر خلاف واقع اور بداہۃً غلط ہے کتاب اللہ کے ساتھ تمسک حقیقۃً و مجازاً و لفظاً و معنیً بفضل اللہ تعالیٰ اہل سنت کا ہی حصہ ہے شہر شہر گاؤں گاؤں میں خدا تعالیٰ کے فضل سے علماء و حفاظ کلام مجید موجود ہیں حضرات شیعہ چونکہ قرآن سے اور اس کے جامعین سے جن کو عند اللہ کمال قرب و منزلت ہے تبری و تحاشی کرتے ہیں اسی کی پاداش میں خداوند کریم نے ان کو اس نعمت سے محروم فرمایا اور باوجود مرور دہور کے ان کو کلام مجید یاد نہ ہوا اور اپنا قرآن جو ائمہ کے پاس یکے بعد دیگرے چلا آیا وہ خود غار سر من رائے میں شیعیان پاک سے مخفی و مستتر ہے اور اسی پر معانی کو بھی قیاس کر لیجئے۔ چنانچہ مفسرین شیعہ ہمیشہ خوشہ چین مفسرین و قراء اہل سنت رہے ذرا تفسیر مجمع البیان طبرسی کو ہی ملاحظہ فرمالیجئے آری، وللارض من کاس الکرام نصیب عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسک اگرچہ حضرات شیعہ اس کے مدعی ہیں مگر فی الحقیقت یہ بھی اہل سنت کو ہی نصیب ہے ظاہر ہے کہ اہل سنت نے تمام عترت کو اعمام و عمات اور ان کی اولاد کو اور تمام بنات و زوجات و احفاد کو اپنا مقتدا و پیشوا اعتقاد کر رکھا ہے بخلاف حضرات شیعہ کے کہ انھوں نے سوائے معدودے چند عترت کے سب کو خلعت کفر و فسوق کے ساتھ تشریف بخش رکھی ہے پس فی الحقیقۃ قضیہ منعکس اور معاملہ منقلب ہے کہ حضرات شیعہ مجبور ہو کر کتاب اللہ اور عترت رسول سے تبری اور تحاشی کرتے ہیں نہ اہل سنت حاشاہم عن ذٰلک

قال الفاضل المجیب؛ قولہ۔ کیا تمسک کے یہ ہی معنی ہیں کہ کتاب اللہ کو جس کا حافظ خود خداوند حقیقی تعالیٰ شانہ ہے محرف اور بیاض عثمانی قرآنی قرار دیں چنانچہ مسلمات شیعہ سے ہے

اقول: حضرت مجیب کے اس قول سے نہایت ہی تعجب ہے باوجود ادعائے علم و فضل بدون دلیل ایسا لکھنا علما کی شان کے خلاف ہے آپ نے محض صاحب منتہی الکلام وغیرہ کی تقلید فرمائی اور یہی تحقیق سے کام نہ لیا کاش۔ ان کے ہی کلام کو بغور دیکھا ہوتا مسلمات شیعہ سے تو شاید انھوں نے بھی نہیں لکھا۔

شیعوں کی کتابیں تو آپ کو نہیں ملتی کاش منتہی الکلام و تحفہ وغیرہ کو جن کے اعتماد و بھروسہ پر آپ جواب لکھنے بیٹھے ہیں بامعان نظر ملاحظہ فرماتے۔ کتاب اللہ کی تعظیم و تکریم و تقدیم اجماعی اہل ایمان ہے حاشا کہ اس میں کچھ بھی اختلاف ہو حضرات اہل سنت کا عجب حال ہے کہ کبھی تو صاحب منتہی الکلام فرماتے ہیں کہ شیعوں کے نزدیک بیاض عثمانی یعنی معاذ اللہ قرآن شریف سے کافی کلینی صحیح تر ہے اور دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ زبان ثقات تشیعین سے سنا گیا تھا اور کبھی صاحب تحفہ ادعا کرتے ہیں کہ تاریخ ابن قتیبہ نزد شیعہ معتمد تر از قرآن ست۔ اور کوئی دلیل تحریر نہیں فرماتے۔ یہ علماء حضرات اہلسنت کا حال ہے کہ خود شیعوں کی نسبت ایسے افتراء واتہام اپنی طرف سے منسوب کرتے ہیں اور کوئی دلیل و سند بیان نہیں کرتے یا کرتے ہیں تو محض سُنی ہوئی بتلاتے ہیں اور کچھ نہیں شرماتے۔ حیف صد حیف ہمارے حضرت مجیب نے بھی ان کی تقلید سے یہ لکھا ہے۔ اگر وہ ہماری کسی کتب مناظرہ کو ملاحظہ فرماتے تو ایسا ہرگز نہ لکھتے۔

بحث تحریف قرآن

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: اس تمہید میں بوجوہ چند کلام ہے۔ اول یہ کہ یہ مسئلہ بدیہیات اولیہ سے ہے چنانچہ ابھی واضح ہو جائے گا اور بدیہیات محتاج دلیل نہیں ہوتی جس کو مذہب شیعہ کی کچھ بھی واقفیت ہوگی وہ اس مسئلہ سے ضرور واقف ہوگا۔ دوسری یہ کہ ہم نے اس مسئلہ میں صاحب منتہی الکلامؒ کی تقلید نہیں کی بلکہ اپنی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔ چنانچہ عنقریب گذارش ہوگا ہاں اگر تبعاً واستطراداً کوئی روایت صاحب منتہی الکلام وغیرہ سے نقل کریں تو مضائقہ نہیں ہے لیکن یہ مقتضی تقلید کو نہیں ہے پس یہ محض ہمارے مجیب کا وہم وگمان ہے و بس۔ تیسری یہ کہ صاحب منتہی الکلام اور صاحب تحفہ رحمۃ اللہ علیہما کے اعتماد پر جواب لکھنا اگرچہ ہمارا فخر ہے۔ لیکن یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے فاضل مجیب پر واضح ہو جائے گا کہ ہم نے محض تقلیدی جواب لکھا ہے یا اپنی تحقیق سے بھی کام لیا ہے۔ معہذا یہ طعن تو اس وقت زیبا تھا جب کہ آپ کے مضامین وجوابات آپ کے خانہ زاد ونتیجہ طبیعت ہوتے اور جب آپ بھی محض ناقل اپنے بزرگوں کے ہیں اگر میں نے اپنے بزرگوں سے نقل کیا ہو تو کیا محل طعن ہے۔ چوتھی یہ کہ یہ بحث قرآن کی تحریف وعدم تحریف میں ہے پھر ہماری فہم میں نہیں آتا کہ ہمارے فاضل مخاطب نے یہ پیچ دار الفاظ کیوں تحریر فرمائے "کتاب اللہ کی تعظیم و تکریم و تقدیم اجماعی اہل ایمان ہے۔ حاشا کہ اس میں کچھ بھی اختلاف ہو" بھلا تعظیم و تکریم و تقدیم کا کیا ذکر

تھا اور اس کے لکھنے سے کیا فائدہ صاف لکھنا چاہیئے تھا اگر آپ کے یہاں تحریف معتبر نہیں اور باجماع باطل ہے تو لکھنا چاہیئے تھا کہ کتاب اللہ کی عدم تحریف اجماعی اہل ایمان ہے حاشا کہ اس میں کچھ بھی اختلاف ہو۔ سوال از آسمان وجواب از ریسمان۔ کی مثل یہاں صادق ہے کہ گفتگو تحریف وعدم تحریف میں ہو اور ثبوت تعظیم و تکریم و تقدیم کا دیویں سبحان اللہ ہمارے حضرت فاضل مجیب پر خوش فہمی ختم ہے حالانکہ یہ مستلزم عدم تحریف کو نہیں کیونکہ جائز ہے کہ یہ تعظیم و تکریم علی وجہہ التقیہ واجب ہو یا اس وجہ سے ہو کہ اس باقیماندہ میں آخر اکثر اصلی ہے الحاق تو کم ہے کیا کتب سماویہ محرفہ کی تعظیم و تکریم اجماعی اہل ایمان نہیں ہے کیا ان کی تحقیر واہانت اجماعی اہل ایمان ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ یہ تعظیم و تکریم خلاف امام معصوم کے اہل ایمان کی کیوں کر اجماعی ہے امام معصوم تو آیت امۃ ھی اربی من امۃ سن کر تذلیل واہانت کے طور پر قرآن پھینک دیویں اور لائق اہانت سمجھیں اور ہمارے فاضل مجیب اس کی تکریم و تعظیم کو اہل ایمان کے اجماعی فرماویں معلوم نہیں امام معصوم کو اہل ایمان میں سے سمجھتے ہیں یا نہیں اور ان کی مخالفت خارق اجماع ہے یا نہیں۔ مگر ہاں آپ یہ فرما سکتے ہیں کہ میری مراد کتاب اللہ سے وہ کتاب اللہ ہے جو سرداب سر من رائے میں امام معصوم کے پاس صندوق تقیہ میں محفوظ ہے۔ معہذا سلمنا کہ تعظیم و تکریم اجماعی ہونے سے مراد یہ ہے کہ عدم تحریف اجماعی اہل ایمان ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قائل تحریف کے ہوئے ہیں وہ اجماع اہل ایمان سے خارج ہیں اور ان پر ویتبع غیر سبیل المومنین صادق آتا ہے ذرا اس کو یاد رکھیئے گا۔ اس صورت میں آپ نے صدہا علماء شیعہ متقدمین ومتاخرین کو بے ایمان بنا دیا شاباش آفرین باد۔ پانچویں صاحب منتہی الکلام اور صاحب تحفہ نے بھی اس بارہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے بے دلیل نہیں چنانچہ بندہ کی گذارش سے کسی قدر واضح ہو جائے گا۔ چھٹی یہ کہ بندہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ اگر وہ ہماری کسی کتب مناظرہ کو ملاحظہ فرماتے تو ایسا ہرگز نہ لکھتے۔ معلوم نہیں یہاں کتب معتبرہ حدیث وتفسیر کے ذکر سے کیوں اغماض واعراض فرمایا حالانکہ اس کا موقع ومحل کتب حدیث وتفسیر ہیں اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کتب حدیث وتفسیر کا ذکر اسی واسطے نہیں کیا کہ ان میں تحریف قرآن کا ذکر ہے اور روایات اس کے ثبوت کی موجود ہیں لیکن متکلمین نے جب دیکھا کہ خصم بے ڈھب گلوگیر ہوا ہے جس سے بدون انکار رہائی مشکل ہے۔ اس لئے انھوں نے کہیں انکار تحریف کر دیا اور روایات کو توجیہات لاطائلہ سے مسخ وتحریف فرمایا ورنہ بعض جگہ متکلمین نے خود تحریف کو تسلیم کیا بلکہ دعوے کیا چنانچہ ہم نقل کریں گے

قولہ: بہرحال جواب گذارش ہے یہ جو کچھ آپ نے اس قول میں لکھا ہے محض دروغ بے فروغ

ہے اگر آپ کو دعوے ہے تو بسم اللہ کوئی دلیل لائیے یہ آپ نے کہاں سے لکھا کہ یہ امر مسلمات شیعہ سے ہے. آپ اپنے اس دعوے میں اگر سچے ہیں تو کوئی چھوٹی موٹی ہی دلیل بیان کیجیے اور جواب سنیئے۔

تحریف قرآن کے دلائل شیعہ کی کتابوں سے

اقول: اے حضرت میر صاحب جو کچھ بندہ نے عرض کیا ہے وہ حق اور مطابق نفس الامر اور واقع کے ہے اس میں کذب کو دخل نہیں ہے افسوس یہ ہے کہ آپ کو اپنی کتب حدیث و تفسیر کی خبر نہیں ہے اگر آپ ان کتابوں میں سے دیکھتے تو ممکن نہ تھا کہ آپ اس دعویٰ کا انکار فرماتے لیجیے چھوٹی موٹی نہیں بلکہ ہم موٹے موٹے دلائل واضحہ پیش کش کرتے ہیں براہ عنایت ذرا متوجہ ہو کر سنیں، احادیث متعددہ جو مختلف ائمہ سے مروی ہیں اور اپنی کثرت کی وجہ سے گویا متواتر المعنی ہیں اور درجہ قطعیہ کو پہنچ چکی ہیں وہ بعبارت النص وقوع تحریف کو ثبت ہیں، اس وقت میرے سامنے صرف تفسیر صافی کھلی رکھی ہوئی ہے اس سے بطور مشتے از خروارے و قطرہ از بحار نقل کرتا ہوں. محمد بن مرتضیٰ المدعو محسن اپنی تفسیر کے مقدمات میں لکھتے ہیں،

المقدمة السادسة فی نبذ مما جاء فی جمع القران وتحریفه وزیادته ونقصه و تاویل ذلك روی علی بن ابراهیم القمی فی تفسیره باسناده عن ابی عبد الله علیه السلام قال ان رسول الله صلی الله علیه واله قال لعلی علیه السلام یا علی ان القران خلف فراشی فی الصحف والحریر والقراطیس فخذوه واجمعوه ولا تضیعوه کما ضیعت الیهود التوراة فانطلق علی علیه السلام فجمعه فی ثوب اصفر ثم ختم علیه فی بیته وقال لا ارتدی حتی اجمعه ان کان الرجل لیاتیه فیخرج الیه بغیر رداء

چھٹا مقدمہ اس کے تھوڑے سے بیان میں کہ جو قرآن کے جمع اور تحریف اور زیادتی اور نقصان کے باب میں آیا ہے اور اس کی تاویل میں. علی بن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں اپنی اسناد کے ساتھ ابی عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی علیہ السلام کو فرمایا اے علی قرآن میرے بچھونے کے پیچھے صحیفوں اور ریشم اور کاغذوں میں ہے اس کو تو ضائع نہ کیجیو جس طرح یہودیوں نے توریت کو ضائع کر دیا پس جمع کرنے لگے اس کو علی علیہ السلام زرد کپڑے میں یہاں تک کہ اس پر مہر لگائی اپنے گھر میں اور کہا اس کی فراہمی تک چادر نہیں پہنوں گا کہا آپ کے پاس کوئی شخص آتا تھا تو آپ اس کی طرف بدون چادر کے نکلتے تھے. یہاں تک کہ آپ

حتی جمعه وفی روایة ابی ذر الغفاری رضی الله عنه انه لما توفی رسول الله صلی الله علیه واله جمع علی علیه السلام القران وجاء به الی المهاجرین والانصار وعرضه علیهم لما قد اوصاه بذلك رسول الله صلی الله علیه واله فلما فتحه ابو بکر خرج فی اول صفحة فتحها فضائح القوم فوثب عمر وقال یا علی اردده فلا حاجة لنا فیه فاخذه علی علیه السلام وانصرف ثم احضر زید بن ثابت وکان قاریا للقران فقال له عمر ان علیا جاءنا بالقران وفیه فضائح المهاجرین والانصار وقد اردنا ان تؤلف لنا القران وتسقط منه ما کان فیه فضیحة و هتك للمهاجرین والانصار فاجابه زید الی ذلك ثم قال فان انا فرغت من القران علی ما سألتم واظهر علی القران الذی الفه الیس قد بطل کل ما عملتم ثم قال عمر فما الحیلة قال زید انتم اعلم بالحیلة فقال عمر ما الحیلة دون ان نقتله ونستریح منه فدبر فی قتله علی ید خالد بن الولید فلم یقدر علی ذلك وقد مضی شرح ذلك فلما استخلف عمر سأل علیا علیه السلام ان یدفع الیهم القران فیحرفوه فیما بینهم فقال یا ابا الحسن ان کنت جئت به الی ابی بکر فات به الینا حتی نجتمع علیه فقال علی

اس کو جمع کر چکے، اور ابوذر غفاریؓ کی روایت میں ہے جب رسول اللہ نے وفات پائی علی نے قرآن جمع کیا اور مہاجرین و انصار کے پاس لائے اور ان پر پیش کیا کیونکہ حضرت نے ان کو اس کی وصیت کی تھی جب ابوبکر نے اس کو کھولا تو پہلے ہی صفحہ میں قوم کی فضائح ظاہر ہوئی تو عمر اچھل پڑا اور کہا اے علی اس کو واپس لے جا ہم کو اس کی کچھ حاجت نہیں ہے پھر علی نے اس کو لے لیا اور چلے آئے پھر زید بن ثابت کو بلایا اور وہ قاری قرآن تھا اس کو عمر نے کہا کہ علی ہمارے پاس قرآن لایا تھا اور اس میں مہاجرین و انصار کے فضائح تھے اور ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمارے لیے قرآن جمع کرے اور جس میں مہاجرین و انصار کی فضیحت اور ہتک ہو اس میں سے ساقط کر دے زید نے اس کو قبول کیا پھر کہا کہ جب میں قرآن سے تمہارے سوال کے موافق فارغ ہوا اور علی نے جو قرآن جمع کیا ہے ظاہر کیا تو کیا تمہاری سب کارروائی باطل نہ ہو جائے گی عمر نے کہا پھر اس کی تدبیر اور حیلہ کیا ہے زید نے کہا حیلہ کو تم زیادہ جانتے ہو عمر نے کہا بجز اس کے حیلہ کیا ہے کہ ہم اس کو قتل کریں اور راحت پائیں تو خالد کے ہاتھ سے علی کے قتل کی تدبیر کی لیکن اس پر قدرت نہ ہوئی اور اس کی شرح گزر چکی پس جب عمر خلیفہ ہوئے تو علی سے مانگا کہ قرآن ان کو دے دے تاکہ وہ اس کی بھی باہم تحریف کریں پس کہا اے ابا الحسن اگر تو اس کو ابوبکر کے پاس لایا تھا تو ہمارے پاس بھی لا تاکہ ہم اس پر مجتمع ہوں. علی نے فرمایا

عليه السلام هيهات لبس الى ذلك سبيل انما جئت به الى ابوبكر لتقوم الحجة عليكم و لا تقولوا يوم القيمة انا كنا عن هذا غافلين او تقولوا ما جئتنا به ان القران الذى عندى لا يمسه الا المطهرون و الاوصياء من ولدى فقال عمر فهل وقت لا ظهاره معلوم قال على عليه السلام نعم اذا قام القائم من ولدى يظهره و يحمل الناس عليه فتجرى السنة به - ملتقطا

وہ بات دور گئی اس کی طرف رستہ نہیں ہے ابوبکر کے پاس صرف اس لئے لایا تھا کہ تم پر حجت قائم ہو جائے اور قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے یا کہو کہ تو اس کو ہمارے پاس نہیں لایا تھا جو قرآن میرے پاس ہے اس کو بجز مطہروں کے اور میری اولاد میں سے اوصیاء کے اور کوئی نہیں چھو سکتا عمر نے کہا تو کیا اس کے اظہار کا وقت معلوم ہے علی نے کہا ہاں جب میری اولاد میں سے قائم (مہدی) اٹھے گا تو اس کو ظاہر کرے گا اور اس پر لوگوں کو برانگیختہ کرے گا تو اس کے ساتھ سنت جاری ہوگی

عاقل منصف ان دونوں روایتوں میں تامل فرمائے کہ اگر حسب ارشاد مجیب لبیب قرآن موجود میں تحریف نہیں ہوئی تھی تو جناب امیر کو اس قدر سعی و کوشش و محنت و مشقت تنہا بلا شرکت امامین ہمامین اٹھانے کی کیا ضرورت تھی اور حضرت صدیقؓ کے پاس بغرض اتمام حجت لانے کے کیا معنی اور اس میں فضائح مہاجرین و انصار نکلنا اس سے بھی زیادہ لغو اور کذب در کذب اور حضرت فاروقؓ کا رد کرنا اور زید بن ثابت کو بلا کر تحریف کا مشورہ کرنا اور آپ کے قتل کی خالد کے ہاتھ سے تدبیر کرنا اور پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں مکرر اس قصہ کا از سر نو چھیڑنا بالکل واہیات اور خرافات ہوا پس جنھوں نے یہ روایت کی اور جو اس کے قائل ہوئے سب ہمارے فاضل مجیب کے نزدیک دائرہ ایمان سے شاید خارج ہوں گے اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ بعبارت النص مثبت وقوع تحریف ہے اور بالبداہۃ ہمارے مجیب کے دعوے کے مکذب ہے اور سنیئے۔

شیعہ کی معتبر کتاب کافی سے تحریف قرآن کا ثبوت

و فى الكافى عن محمد بن سليمان عن بعض اصحابه عن ابى الحسن عليه السلام قال قلت له جعلت فداك انا نسمع الايات فى القران ليس هى عندنا كما نسمعها و لا نحسن ان نقرأها كما بلغنا عنكم فهل نأثم فقال لا اقرؤا كما تعلمتم

کافی میں بواسطہ محمد بن سلیمان اور اس کے بعض اصحاب کے ابوالحسن سے روایت ہے کہا میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا میں آپ پر قربان ہوں ہم آیات قرآنی سنتے ہیں ہمارے نزدیک اس طرح نہیں ہے جس طرح ہم سنتے ہیں اور ہم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے جس طرح ہم کو تم سے پہنچا تو ہم کیا گنہگار

سيجيئكم من يعلمكم اقول يعنى به صاحب الامر عليه السلام و باسناده عن سالم بن سلمة قال قرأ رجل على ابى عبد الله و انا اسمع حروفا من القران ليس على ما يقرؤها الناس فقال ابو عبد الله كف عن هذه القراءة اقرأ كما يقرأ الناس حتى يقوم القائم فاذا قام قرأ كتاب الله تع على حده و اخرج المصحف الذى كتبه على عليه السلام و قال اخرجه على عليه السلام الى الناس حين فرغ منه و كتبه فقال لهم هذا كتاب الله كما انزله الله على محمد و قد جمعته بين اللوحين فقالوا هو ذا عندنا مصحف جامع فيه القران لا حاجة لنا فيه فقال اما و الله ما ترونه بعد يومكم هذا ابدا انما كان على ان اخبركم حين جمعته لتقرؤه و باسناده عن البزنطى قال دفع الى ابو الحسن مصحفا و قال لا تنظر فيه ففتحته و قرأت فيه لم يكن الذين كفروا فوجدت فيها اسم سبعين رجلا من قريش باسمائهم و اسماء آبائهم قال فبعث الى ابعث الى بالمصحف و فى تفسير العياشى عن ابى جعفر قال لولا انه زيد فى كتاب الله و نقص ما خفى حقنا على ذى حجى و لو قد قام قائمنا فنطق صدقه القرآن و فيه عن ابى عبد الله عليه السلام قال لو قرئ القرآن كما انزل لالفينا فيه مسمين و فيه عنه ان فى القرآن ما مضى و ما يحدث و ما هو كائن كانت

ہوتے ہیں فرمایا نہیں تم پڑھو جس طرح تم نے سیکھا ہے پس عنقریب آئے گا جو تم کو سکھلائے گا، اور اپنی سند کے ساتھ سالم بن سلمہ سے روایت کی ہے کہا ایک شخص نے ابوعبداللہ پر چند حروف قرآنی پڑھے جو لوگوں کی قرأت کے موافق نہیں تھے اور میں سن رہا تھا ابوعبداللہ نے فرمایا تو اس قرأت سے باز رہ اور پڑھ جس طرح لوگ پڑھتے ہیں مہدیؑ کے قائم ہونے تک پس جب وہ قائم ہوگا کتاب اللہ کو اس کی حد پر پڑھے گا اور وہ مصحف جو علی نے لکھا تھا نکالا اور کہا علی نے اس کو جب اس کے لکھنے سے فارغ ہوتے تھے لوگوں کی طرف نکالا تھا اور کہا تھا یہ اللہ کی کتاب ہے جس طرح اللہ نے محمد پر نازل کی اور میں نے اس کو دو تختیوں میں جمع کیا انھوں نے کہا یہ ہمارے پاس مصحف جامع ہے اس میں قرآن ہے ہم کو اس کی کچھ حاجت نہیں ہے فرمایا اللہ کی قسم اس دن سے پیچھے تم اس کو کبھی نہ دیکھو گے مجھ پر صرف یہ تھا کہ جب میں نے جمع کیا تھا تم کو خبر کر دوں تاکہ تم اس کو پڑھو اور اپنی اسناد کے ساتھ بزنطی سے روایت کی ہے کہا مجھ کو ابوالحسن نے مصحف دیا اور کہا کہ اس میں نہ دیکھیو میں نے اس کو کھولا اور سورہ لم یکن الذین کفروا پڑھی تو میں نے اس میں ستر آدمیوں کے نام اور ان کے باپوں کے نام پائے کہا پس میرے پاس بھیج کہ مصحف میرے پاس بھیج دے۔ تفسیر عیاشی ابوجعفر سے مروی ہے فرمایا اگر کتاب اللہ میں زیادتی اور نقصان نہ کیا جاتا تو ہمارا حق کسی عقل والے پر پوشیدہ نہ رہتا اور اگر ہمارا قائم اٹھ کر کلام کرے گا، تو اس کی قرآن تصدیق کرے گا۔ اور اس میں ابوعبداللہ سے مروی ہے فرمایا اگر قرآن پڑھا جاتا جس طرح نازل ہوا تو اس میں ہم نام بنام ملتے اور اس میں اسی سے مروی ہے کہ قرآن

فیہ اسماء الرجال فالقیت وانما اسم الواحد
منہ فی وجوہ لا یحصی لیعرف ذلک الوصاۃ و
فیہ عنہ علیہ السلام ان القران قد طرح منہ
آی کثیرۃ ولم یزد فیہ الا حروف وقد
اخطات بہ الکتبۃ وتوھمتھا الرجال وروی
الشیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی طاب ثراہ
فی کتاب الاحتجاج فی جملۃ احتجاج امیر
المومنین علی جماعۃ من المہاجرین
والانصار ان طلحۃ قال لہ علیہ السلام فی
جملۃ مسائلہ عنہ یا ابا الحسن شئ ارید
ان اسئلک عنہ رأیتک خرجت بثوب مختوم
فقلت یا ایھا الناس انی لم ازل مشتغلا برسول اللہ
صلی اللہ علیہ والہ بغسلہ وکفنہ ودفنہ
ثم اشتغلت بکتاب اللہ حتی جمعتہ فھذا
کتاب اللہ عندی مجموعا لم یسقط عنی
حرف واحد ولم ار ذلک الذی کتبت
والفت وقد رأیت عمر بعث الیک ان ابعث
بہ الی فابیت ان تفعل فدعا عمر الناس فاذا
شہد رجلان علی آیۃ کتبہا وان لم یشہد
علیہا غیر رجل واحد ارجاھا فلم یکتب
فقال عمر وانا اسمع انہ قد قتل یوم الیمامۃ
قوم کانوا یقرؤن قرانا لا یقرأہ غیرھم فقد
ذھب وقد جائت شاۃ الی صحیفۃ وکتاب
یکتبون فاکلتہا وذھب ما فیہا والکاتب
یومئذ عثمان وسمعت عمر

میں جو کچھ گزشتہ آئندہ ہے موجود ہے اس میں لوگوں
کے نام تھے پس گرا دیئے گئے اور اس میں ہر ایک کا نام بلا انتہا
طرح پر ہے جس کو وصاۃ پہچانتے ہیں اور اسی میں اسی سے
مروی ہے کہ قرآن میں سے بہت آیتیں کم کی گئی ہیں اور زیادتی
صرف چند حروف کی ہوئی ہے اور لکھنے والوں نے خطا کی ہے
اور لوگوں نے وہم کیا شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی نے اپنی
کتاب احتجاج میں منجملہ احتجاج امیر المومنین کے مہاجرین و
انصار کی جماعت پر روایت کیا ہے کہ طلحہ نے منجملہ اپنے سوالات
کے جناب امیر سے کہا اے ابو الحسن میں تجھ سے کچھ پوچھنا
چاہتا ہوں میں نے تجھ کو دیکھا تھا کہ تو مہر لگا ہوا کپڑا
لے کر نکلا اور کہا اے لوگو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول رہا پھر کتاب اللہ میں
یہاں تک کہ میں نے اس کو جمع کیا پس یہ کتاب اللہ میرے
پاس فراہم کی ہوئی ہے جس میں مجھ سے ایک حرف بھی
کم نہیں ہوا اور میں نے نہیں دیکھا تھا جو تو نے لکھا
تھا اور جمع کیا تھا اور میں نے عمر کو دیکھا کہ تیرے پاس پیام
بھیجا تھا کہ میرے پاس اس کو بھیج تو تو نے بھیجنے سے
انکار کیا پھر عمر نے لوگوں کو بلایا پس جب دو آدمیوں نے
ایک آیت پر گواہی دی اس کو لکھ لیا اور جس آیت پر بجز
ایک کے کسی نے گواہی نہ دی اس کو چھوڑ دیا اور نہ لکھا
پھر عمر نے کہا میں سنتا ہوں کہ یمامہ کے دن قاریوں کا
ایک گروہ جن کے سوا کوئی نہ پڑھتا تھا مقتول ہو چکے
ہیں تو قرآن جاتا رہا اور تحقیق صحیفہ کی طرف بکری آئی
جس کو لکھتے تھے اور اس کو کھا گئی اور جو کچھ اس میں
تھا جاتا رہا اور عثمان اس وقت کاتب تھا اور میں نے

واصحابہ الذین الفوا ما کتبوا علی عہد
عمر وعلی عہد عثمان یقولون ان الاحزاب
کانت تعدل سورۃ البقرۃ وان النور نیف
ومائۃ آیۃ والحجر تسعون ومائۃ آیۃ فما
ھذا وما یمنعک یرحمک اللہ ان تخرج کتاب
اللہ الی الناس وقد عہد عثمان حین
اخذ ما الف عمر فجمع لہ الکتاب وحمل
الناس علی قراءۃ واحدۃ فمزق مصحف
ابی ابن کعب وابن مسعود واحرقہما بالنار
فقال لہ علی وطلحۃ ان کل آیۃ انزلہا اللہ عزو
جل علی محمد صلی اللہ علیہ والہ عندی باملاء
رسول اللہ وخط یدی وتاویل کل آیۃ انزلہا
اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ والہ وکل حلال
وحرام او حد او حکم او شئ یحتاج الیہ
الامۃ الی یوم القیامۃ مکتوب باملاء رسول اللہ
وخط یدی حتی ارش الخدش قال طلحۃ
کل شئ من صغیر او کبیر او خاص او عام
کان او یکون الی یوم القیامۃ فھو عندک مکتوب
قال نعم وسوی ذلک ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ والہ اسر الی فی مرضہ مفتاح الف باب
من العلم یفتح کل باب الف باب ولو ان
الامۃ منذ قبض رسول اللہ اتبعونی
واطاعونی لاکلوا من فوقہم ومن
تحت ارجلہم وساق الحدیث الی ان قال فی
احتجاجہ علی الزندیق ... حتی

عمر سے اور اس کے اصحاب سے جنھوں نے جمع کیا تھا جو
کچھ لکھا تھا عمر کے زمانہ میں اور عثمان کے زمانہ میں سنا تھا
کہ احزاب سورہ بقر کے برابر تھی اور نور ایک سو اور چند
آیتیں تھی اور حجر ایک سو نوے آیتیں تھی تو یہ کیا ہے
اور خدا تجھ پر رحمت کرے تجھ کو کون مانع ہے اس سے کہ
تو کتاب اللہ کو لوگوں کی طرف نکالے اور تحقیق عثمان نے قصد
کیا ہے جب کہ لیا جو کچھ عمر نے جمع کیا تھا پس اس کے لئے
منشیوں کو اکٹھا کیا اور لوگوں کو ایک قرات پر برانگیختہ کیا ابی
بن کعب اور ابن مسعود کا مصحف پھاڑ ڈالا اور آگ میں
جلا دیا اس کو علی نے جواب دیا اے طلحہ تحقیق ہر آیت جو
اللہ عز وجل نے محمد پر نازل کی ہے میرے پاس ہے رسول
اللہ کی لکھوائی ہوئی اور میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی اور ہر آیت
کی تاویل جس کو اللہ تعالیٰ نے محمد پر نازل کی اور ہر ایک
حلال یا حرام یا حد یا حکم یا کوئی جس کی قیامت تک امت
محتاج ہو رسول اللہ کی لکھوائی ہوئی اور میرے ہاتھ کی
لکھی ہوئی ہے خراش کی دیت تک طلحہ نے کہا ہر شے
چھوٹی بڑی خاص یا عام گزشتہ یا آئندہ قیامت تک
وہ تیرے پاس لکھی ہوئی ہے کہا ہاں اور اس
کے سوا یہ کہ رسول اللہ نے اپنی مرض میں ہزار
باب کے علم سے کنجیاں پوشیدہ عنایت فرمائی
ہیں جس میں سے ہر باب ہزار باب کھولتا ہے
اور اگر امت جب سے رسول اللہ نے وفات پائی
ہے میری اتباع اور میری پیروی کرتی تو اپنی اوپر سے اور
پاؤں کے نیچے سے کھاتی اور حدیث کو آخر تک بیان کیا
اور اپنے احتجاج میں ایک زندیق پر

اليه مستدلا باى من القرآن متشابه يحتاج الى التاويل وكان من سؤاله انى اجد الله قد شهر هفوات انبيائه بقوله و عصى آدم ربه فغوى وتكذيبه نوحا لما قال ان ابنى من اهلى بقوله انه ليس من اهلك وبوصفه ابراهيم بانه عبد كوكبا مرة ومرة قمرا ومرة شمسا وبقوله فى يوسف ولقد همت به وهم بها لولا ان رأى برهان ربه وبتهجينه موسى حيث قال رب ارنى انظر اليك قال لن ترانى الآية وببعثه الى داؤد جبرئيل وميكائيل حيث تسوروا المحراب الى آخر القصة وبحبسه يونس فى بطن الحوت حيث ذهب مغاضبا مذنبا واظهر خطاء الانبياء وذللهم ثم ورى اسماء من اغتر وافتن خلقه فضل واضل وكنى عن اسمائهم فى قوله ويوم يعض الظالم على يديه يقول يا ليتنى اتخذت مع الرسول سبيلا يا ويلتى ليتنى لم اتخذ فلانا خليلا لقد اضلنى عن الذكر بعد اذ جاءنى فمن هذا الظالم الذى لم يذكر من اسمه ما ذكر من اسماء الانبياء

جو چند آیات متشابہات قرآن کے ساتھ جو تاویل کے محتاج تھے مستدل ہو کر آیا تھا فرمایا اور اس کے سوال سے یہ تھا کہ میں پاتا ہوں اللہ نے انبیاء کے ہفوات مشہور کئے اپنے قول کے ساتھ اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی پس گمراہ ہوا اور نوح کے تکذیب کے ساتھ جب اس نے کہا اے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اپنے قول سے وہ تیرے اہل سے نہیں ہے اور ابراہیم کے اس امر کے وصف کے ساتھ کہ اس نے کبھی ستاروں کی پرستش کی اور کبھی چاند کی اور کبھی سورج کی اور اپنے قول کے ساتھ یوسف کے معاملہ میں تحقیق قصد کیا زلیخا نے یوسف کا اور یوسف نے زلیخا کا اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے اور موسیٰ کی برائی کے ساتھ جب کہا اے رب دکھلا مجھ کو دیکھوں میں تیری طرف فرمایا ہرگز نہیں دیکھ سکے گا مجھ کو اور جبرئیل و میکائیل کو داؤد کی طرف بھیجنے کے ساتھ جب وہ محراب پر چڑھ آئے آخر قصہ تک اور یونس کو مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کے ساتھ جب کہ غصہ ناک گنہگار ہو کر چلا گیا اور انبیاء کی خطائیں اور لغزشیں ظاہر کیں پھر توریہ کیا ان کے ناموں میں جنھوں نے فریب کھایا اور فتنہ میں ڈالا اس کی خلقت کو پس گمراہ ہوا اور گمراہ کیا اور کنایہ اس کے اسماء کو ذکر کیا اپنے قول میں (جس دن کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش بناتا میں رسول کے ساتھ رستہ اے افسوس کاش نہ بناتا میں فلاں شخص کو دوست تحقیق غافل کر دیا مجھ کو یاد سے بعد اس کے کہ آئی میرے پاس) پس یہ ظالم کون ہے جس کا نام نہیں ذکر کیا جیسے کہ انبیاء کا نام ذکر کیا ہے۔

آخر سوال تک اس کا جواب نقل ہوتا ہے لیکن چونکہ سوال و جواب کی عبارتوں میں قدر حاجت سے زیادہ طول تھا اس لئے مختصر نقل کئے گئے جواب کی عبارت جو مثبت مدعا ہے یہ ہے

قال امير المؤمنين واما هفوات الانبياء وما بينه الله فى كتابه ووقوع الكناية عن اسماء من اجترم اعظم مما اجترمته الانبياء ممن شهد الكتاب بظلمهم فان ذلك من ادل الدلائل على حكمة الله الباهرة وقدرته القاهرة وعزته الظاهرة لانه علم ان براهين انبيائه تكبر فى صدور اممهم وان منهم من يتخذ بعضهم الها كالذى كان من النصارى فى ابن مريم فذكرها دلالة على تخلفهم من الكمال الذى تفرد به عزوجل الم تسمع الى قوله فى صفة عيسى حيث قال فيه وفى امه كانا ياكلان الطعام يعنى ان من اكل الطعام كان له ثفل فهو بعيد مما ادعته النصارى لابن مريم ولم يكن عن اسماء الانبياء تجبرا وتعززا بل تعريفا لاهل الاستبصار وان الكناية عن اسماء ذوى الجرائر العظيمة من المنافقين فى القرآن التى ليست من فعله تعالى وانها من فعل المغيرين والمبدلين الذين جعلوا القرآن عضين واعتاضوا الدنيا من الدين وقد بين الله قصص المغيرين بقوله الذين يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عند الله ليشتروا به ثمنا قليلا وبقوله وان منهم لفريقا يلوون السنتهم بالكتاب وبقوله اذ يبيتون ما لا يرضى من

پس فرمایا امیر المومنین نے لیکن انبیاء کے ہفوات اور جو کچھ اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا اور واقع ہونا کنایہ کا گنہگاروں کے ناموں سے زیادہ بڑا ہے بہ نسبت اس کے کہ انبیاء نے جرم کیا جن کے ظلم کی کتاب اللہ شاہد ہے تحقیق یہ پختہ دلائل سے ہے اللہ کی روشن حکمت اور غالب قدرت پر کیونکہ اللہ جانتا تھا کہ اس کے انبیا کے دلائل ان کی امتوں کے دلوں میں بڑے ہوں گے اور ان میں سے بعض کو معبود بنائیں گے جیسا نصاری سے ابن مریم کے باب میں ہوا پس ان کو اس لئے ذکر کیا تاکہ ان کے تخلف پر اس کمال سے جس کے ساتھ اللہ عزوجل منفرد ہے دلالت ہو کیا تو نے نہیں سنا اس کا قول عیسیٰ کے وصف میں اس کی ماں کے بارہ میں فرمایا (دونوں کھانا کھاتے تھے) یعنی جو کھائے گا اس کا ثفل ہوگا اور جس کے ثفل ہوگا وہ بعید ہے اس سے جو نصاری نے ابن مریم میں دعوے کیا ہے اور انبیاء کے اسماء سے براہ تکبر اور بڑائی کنایہ نہیں کیا بلکہ اہل استبصار کے جتلانے کے واسطے۔ بڑے گنہگار منافقین کے ناموں سے کنایۃ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے قول سے نہیں بلکہ یہ تحریف و تبدیل کرنے والوں کے فعل سے ہے جنھوں نے قرآن کو پارہ پارہ کیا اور بعوض دین کے دنیا کو لیا اور اللہ تعالیٰ نے محرفین کے قصے بیان کر دیئے اپنے قول کے ساتھ۔ الذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ الخ اور اپنے قول کے ساتھ وان منھم لفریقا یلوون السنتھم بالکتاب اور اپنے قول کے ساتھ اذ یبیتون ما لا یرضی من

القول بعد فقد الرسول ما يقيمون به اود
باطلهم حسب ما فعلته اليهود والنصارى
بعد فقد موسى وعيسى من تغيير
التوراة والانجيل وتحريف الكلم عن
مواضعه ولبقوله يريدون ان يطفئوا نور
الله بافواههم ويابى الله الا ان يتم نوره يعنى
انهم اثبتوا فى الكتاب ما لم يقله الله ليلبسوا
على الخليفة فاعمى الله على قلوبهم حتى
تركوا فيه ما دل على ما احدثوه فيه وحرفوه
منه وبين عن افكهم وتلبيسهم وكتمان ما
علموه منه ولذلك قال لهم لم تلبسون
الحق بالباطل وتكتمون الحق وضرب مثلهم
بقوله فاما الزبد فيذهب جفاء واما ما ينفع
الناس فيمكث فى الارض فالزبد فى هذا
الموضع كلام الملحدين الذين اثبتوه
فى القرآن فهو يضمحل ويبطل ويتلاشى
عند التحصيل والذى ينفع الناس منه
فالتنزيل الحقيقى الذى لا يأتيه الباطل
من بين يديه ولا من خلفه والقلوب
تقبله والارض فى هذا الموضع هى
محل العلم وقراره وليس يسوغ مع عموم
التقية التصريح باسماء المبدلين ولا الزيادة
فى آياته على ما اثبتوه من تلقائهم فى
الكتاب لما فى ذلك من تقوية حجج اهل التعطيل
والكفر والملل المنحرفة عن قبلتنا وابطال هذا

رسول کی وفات کے پیچھے جس سے اپنے
باطل کی کجی کو سیدھا کریں جیسا کہ یہود ونصاریٰ
نے بعد وفات موسےٰ اور عیسےٰ کے توراۃ
اور انجیل کے تغیر اور کلمات کی تحریف ان کے مواضع سے
کی اور اپنے قول کے ساتھ۔ یریدون ان لیطفئوا نور اللہ
بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ
نے نہیں فرمایا انھوں نے کتاب میں جما دیا تاکہ مخلوق پر
ملتبس کریں پس اللہ نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا یہاں
تک کہ اس میں چھوڑ دیا جو دلالت کرے اس پر جو انھوں نے
احداث کیا ہے اس میں اور تحریف کیا ہے اور بیان کیا ان کے
بہتان اور تلبیس کو اور ان کے چھپانے کو جو قرآن سے جانتے
تھے اور اسی واسطے ان کو فرمایا کیوں حق کو باطل کے ساتھ
رلاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو اور ان کی مثل بیان کی اپنے
قول کے ساتھ۔ فاما الزبد فیذہب جفاء واما ما ینفع الناس
فیمکث فی الارض تو اس جگہ جھاگ ملحدین کے کلام ہے جس
کو قرآن میں بڑھایا پس وہ مضمحل اور باطل اور زائل ہو جائے
گی تحصیل کے وقت اور اس میں سے جو لوگوں کو نافع
ہے وہ تنزیل حقیقی ہے جس کے نہ سامنے سے باطل آ
سکتا ہے نہ پیچھے سے اور دل اس کو قبول کرتے ہیں اور
اس اس جگہ محل علم اور قرار علم ہے اور باوجود عموم
تقیہ کے تحریف کرنے والوں کے نام کی تصریح اور
آیتوں میں زیادتی جو کچھ انھوں نے اپنی طرف سے زیادہ
کیا ہے بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں اہل تعطیل
اور کفر اور ان مذہبوں کی دلیلوں کی جو ہمارے قبلہ سے
پھرے ہوئے ہیں تقویت ہے اور اس ظاہری علم کا

العلم الظاهر الذى قد استكان له الموافق
والمخالف بوقوع الاصطلاح على الايتمار لهم
والرضا بهم ولان اهل الباطل فى القديم
والحديث اكثر عددا من اهل الحق ولان
الصبر على ولاة الامر مفروض لقول الله
عز وجل لنبيه فاصبر كما صبر اولو العزم من
الرسل وايجابه مثل ذلك على اوليائه واهل
طاعته بقوله لقد كان لكم فى رسول الله
اسوة حسنة فحسبك من هذا الجواب
عن هذا الموضع ما سمعت فان شريعة التقية
تحظر التصريح باكثر منه ثم قال عليه السلام
واما ما ذكرته من الخطاب الدال على
تهجين النبى والازراء به والتانيب له مع
ما اظهره الله تبارك وتعالى فى كتابه من
تفضيله اياه على ساير انبيائه فان الله عز و
جل جعل لكل نبى عدوا من المشركين كما قال
فى كتابه وبحسب جلالة منزلة نبينا صلى الله
عليه واله عند ربه كذا عظم محنته بعدوه
الذى عاد منه اليه فى حال شقاقه و
نفاقه كل اذى ومشقة لدفع نبوته وتكذيبه
اياه وسعيه فى مكارهه ونقض كل
ما ابرمه واجتهاده ومن مالاه على كفره وعناده
ونفاقه والحاده فى ابطال دعواه وتغيير
ملته ومخالفة سنته ولم ير شيئا ابلغ فى
تمام كيده من تنفيرهم عن موالاة وصيه

ابطال ہے جس کو موافق ومخالف نے تسلیم کر لیا ہے
ان کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ رضامندی پر
اصطلاح واقع ہونے کے ساتھ۔ اور اس لئے کہ اہل باطل
ہمیشہ تعداد میں اہل حق سے زیادہ ہیں اور اس لئے
کہ صبر ائمہ پر فرض چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فرمایا
پس صبر کر جس طرح صبر کیا الوالعزم نے رسولوں سے اور
اسی طرح اس کا وجوب اس کے اولیا اور اہل طاعت پر ہے
بسبب قول اللہ تعالیٰ البتہ تحقیق تمہارے لئے رسول میں
اچھی پیروی تھی پس اس جواب سے اس موضع میں جو کچھ
تو نے سنا کافی ہے کیونکہ تقیہ کا شروع ہونا اس سے زیادہ
تصریح سے روکتا ہے پھر علیہ السلام نے فرمایا اور جو کچھ تو نے اس
خطاب کا ذکر کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت اور منقصت
اور سرزنش پر دلالت کرتا ہے باوجود اس کے جو ظاہر کیا اللہ
تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی فضیلت سے تمام انبیا پر
تحقیق اللہ عزوجل نے ہر نبی کے لئے مشرکین میں سے
دشمن کئے ہیں جیسا اپنی کتاب میں فرمایا ہے اور ہمارے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی بزرگی کے موافق اللہ کے
نزدیک اسی طرح اس کی محنت کی بڑائی اس کے دشمن کے
ساتھ جو اس سے اس کی طرف لوٹی ہے اس کے نفاق اور
خلاف کے حال میں ہر تکلیف اور مشقت اس کی نبوت کے
دفع کرنے اور اس کے جھٹلانے اور اس کی برائیوں میں کوشش
کرنے اور اس کے مضبوط کئے ہوئے کے توڑنے کے لئے
اور جس نے اپنے کفر اور عناد اور نفاق اور بے دینی پر اس کے
دعوے کے ابطال اور اس کی ملت کی تغییر اور اس کی سنت
کی مخالفت پر اس کو متوجہ کر دیا اور کوئی شئی اس کے مکر

وابحاشهم منه وصدهم عنه واغرائهم
ببداوته والقصد لتغير الكتابة الذى جآء
به واسقاط مافيه من فضل ذوى الفضل
وكفر ذوى الكفر منه وممن وافقه على
ظلمه وبغيه وشركه ولقد علم الله ذلك
منهم فقال ان الذين يلحدون فى
آياتنا لا يخفون علينا وقال يريدون ان
يبدلوا كلام الله ولقد احضروا الكتاب
كملا مشتملا على التاويل والتنزيل والمحكم
والمتشابه والناسخ والمنسوخ لم يسقط منه
حرف الف ولا لام فلما وقفوا على ما بينه الله
من اسماء اهل الحق والباطل وان ذلك
ان اظهر نقض ما عقدوه قالوا لا حاجة لنا
فيه نحن مستغنون عنه بما عندنا ولذلك
قال فنبذوه وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا
قليلا فبئس ما يشترون ثم دفعهم الاضطرار
بورود المسائل عليهم مما لا يعلمون تاويله
الى جمعه وتاليفه وتضمينه من تلقائهم ما
يقيمون به دعائم كفرهم فصرخ مناديهم من
كان عنده شئ من القرآن فليأتنا به و
وكلوا تاليفه ونظمه الى بعض من وافقهم
على معاداة اولياء الله عليهم السلام فالفه على
اختيارهم وما يدل المتامل على اختلاف تميزهم
من فترائهم وترك منه ما قدروا انه لهم
[illegible] عليهم وزادوا فيه ما ظهر تناكره وتنافره

پورا ہونے میں اس سے اور جو اس کے ظلم اور بغاوت اور
شرک میں اس سے موافق ہوئی وحی کے دوستی سے لوگوں کو
نفرت دلانے اور اس سے متوحش کرنے اور دور کئے اور اس کی
عداوت پر ان کو بھڑکانے اور اس کے قرآن کے جس کو وہ لے کر
آیا تھا بدل کے قصد کرنے اور اس میں سے بزرگی والوں
کی بزرگی اور کفار کے کفر کو ساقط کرنے سے زیادہ نہیں دیکھے
اور یہ اللہ نے بھی ان سے معلوم کر لیا تھا پس فرمایا جو لوگ الحاد کرتے
ہیں ہماری نشانیوں میں ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں اور فرمایا اللہ کے
کلام کے بدلنے کا ارادہ کرتے ہیں اور تحقیق پورا قرآن تاویل اور
تنزیل اور محکم اور متشابہ اور ناسخ اور منسوخ پر مشتمل جس میں
سے ایک حرف الف اور لام بھی ساقط نہیں ہوا تھا ان کے پاس
حاضر کیا گیا پس جب ان پر جو اللہ نے اہل حق اور باطل کو نام
بنام بیان فرمایا واقف ہوئے اور سمجھے کہ اگر یہ ظاہر ہوا تو جو
کچھ ہم نے باندھا ہے ٹوٹ جائے گا تو کہنے لگے کہ ہم کو اس کی
کچھ حاجت نہیں ہے اور بسبب اس کے جو ہمارے پاس ہے ہم
اس سے بے پرواہیں اور اس لئے فرمایا پس پھینک دیا اس کو
اپنی پیٹھوں کے پیچھے اور لی اس کے بدلے قیمت تھوڑی پس
برا ہے جو کچھ وہ خریدتے ہیں پھر ان کو ایسے مسائل کے وارد ہونے
سے جن کی تاویل نہیں جانتے تھے قرآن کے جمع کرنے اور اکٹھا
کرنے کی طرف اور اس میں بڑھانے کی طرف جس سے اپنے کفر کے ستون
قائم کریں مضطر کیا پس ان کا منادی چلایا کہ جس کے پاس قرآن
میں کا کچھ ہو وہ ہمارے پاس لے کر آوے اور اس کی نظم و تالیف
کو ایسے شخص کے سپرد کیا جو اولیا اللہ کی دشمنی پر ان کے موافق
تھا پس اس نے قرآن کو جمع کیا ان کے اختیار کے موافق جو
دلالت کرتا ہے اس میں تامل کرنے والے کے [illegible]

وعلم الله ان ذلك يظهر ويبين فقال ذلك
مبلغهم من العلم وانكشف لاهل الاستبصار
عوارهم وافترائهم والذى بدا فى
الكتاب من الازراء على النبى صلى الله عليه
وسلم من فرية الملحدين ولذلك
قال ليقولون منكرا من القول وزورا و
يذكر جل ذكره لنبيه صلى الله عليه واله
ما يحدثه عدوه فى كتابه من بعده
بقوله فما ارسلنا من قبلك من
رسول ولا نبى الا اذا تمنى القى الشيطان
فى امنيته فينسخ الله ما يلقى الشيطان
ثم يحكم الله اياته يعنى انه ما من نبى
تمنى مفارقة ما يعانيه من نفاق قومه و
عقوقهم والانتقال عنهم الى دار الاقامة
الا القى الشيطان المعرض بعداوته عند
فقده فى الكتاب الذى انزل عليه ذمه
والقدح فيه والطعن عليه فينسخ الله ذلك فى
قلوب المؤمنين فلا يقبله ولا يصغى اليه
غير قلوب المنافقين والجاهلين ويحكم الله
اياته ان يحمى اولياءه من الضلال
والعدوان ومشايعة اهل الكفر والطغيان
الذين لم يرض الله ان يجعلهم كالانعام
حتى قال بل هم اضل سبيلا فافهم هذا و
اعمل به وقال فى [illegible]
[illegible]

اور چھوڑ دیا اس میں سے جس کو نافع جانتا تھا حالانکہ وہ ان
کے لئے مضر تھا اور زیادہ کیا اس میں جس کا ادبرا پن اور تنافر
ظاہر ہے اور اللہ نے جان لیا کہ یہ ظاہر ہو جائے گا پس فرمایا یہ
ان کے پہنچنے کی جگہ ہے علم سے اور کھل گیا اہل استبصار کیلئے ان کا
عیب اور افترا اور جو کچھ کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منقصت
کو ظاہر کیا وہ ملحدین کا افترا ہے اور اس لئے فرمایا کہتے ہیں
بری بات اور جھوٹ اور اللہ تعالی اپنے نبی سے اس کی بات
جو اس کا دشمن اس کی کتاب میں اس کے پیچھے پیدا کرے گا
اپنے اس قول کے ساتھ ذکر فرماتا ہے اور نہیں بھیجا ہم نے
تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جب تمنا کرتا ہے
ڈال دیتا ہے شیطان اس کی آرزو میں پس منسوخ کرتا ہے اللہ
اس کو جو ڈالتا ہے شیطان پھر محکم کرتا ہے اللہ اپنی آیات کو
یعنی کوئی نبی نہیں ہے جو تمنا کرتا ہو مفارقت اس کی جو
رنج اٹھاتا ہے نبی قوم کے نفاق اور ان کی نافرمانی سے اور
چاہتا ہو آخرت کی طرف ان سے انتقال کرنا مگر ڈال دیتا ہے
شیطان جو اس کی دشمنی کی تعریض کرنے والا ہے اس کی وفات
کے وقت اس کتاب میں جو اس پر اتری ہے اس کی مذمت
اور قدح اور اس پر طعن کو پس اللہ تعالی اس کو مومنین کے
دلوں میں منسوخ کرتا ہے وہ اس کو قبول نہیں کرتے اور
منافقوں اور جاہلوں کے ان کے سوائے اس طرف متوجہ
نہیں ہوتے اور مضبوط فرماتا ہے اپنی آیات کو اس طرح کہ
بچاتا ہے اپنے دوستوں کو گمراہی اور زیادتی سے اور اہل کفر و
سرکشی کی موافقت سے جن کے لئے اللہ تعالی نے یہ بھی پسند
نہ کیا کہ ان کو مثل چوپایوں کے کرے بلکہ فرمایا وہ ان سے
بھی زیادہ گمراہ ہیں پس اس کو خوب سمجھ لے اور اس پر عمل کر

ان اللہ جل ذکرہ بسعة رحمتہ ورأفتہ
بخلقہ وعلمہ بما یحدثہ المبدلون
من تغییر کتابہ قسم کلامہ ثلثة اقسام
فجعل قسما منہ یعرفہ العالم والجاہل و
قسما لا یعرفہ الا من صفا ذہنہ ولطف حسہ
وصح تمیزہ ممن شرح اللہ صدرہ للاسلام
وقسما لا یعرفہ الا اللہ وامناؤہ الراسخون
فی العلم وانما فعل ذلک لئلا یدعی
اہل الباطل من المستولین علی میراث
رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ من علم
الکتاب ما لم یجعلہ اللہ لہم ولیقودہم
الاضطرار الی الائتمار لمن ولاہ امرہم فاستکبروا
عن طاعتہ تعززا وافتراء علی اللہ عزوجل و
اغترارا بکثرة من ظاہرہم وعاونہم و
عاند اللہ جل اسمہ ورسولہ فاما ما علمہ
الجاہل والعالم من فضل رسول اللہ
من کتاب اللہ فہو قول اللہ سبحانہ
من یطع الرسول فقد اطاع اللہ وقولہ
ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی
یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا
تسلیما ولہذہ الآیة ظاہر وباطن فالظاہر
قولہ صلوا علیہ والباطن قولہ وسلموا
تسلیما ای سلموا لمن وصاہ واستخلفہ
علیکم فضلہ وما عہد بہ الیہ تسلیما و
ہذا مما اخبرتک انہ لا یعلم تاویلہ الا من

ہوتے ہیں اور جس کے لئے خدا نے نور نہیں کیا پس اس کے
لئے کچھ نور نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بسبب وسعت رحمت
اور اپنی مخلوق کے ساتھ مہربانی کی اور بسبب جاننے کے اس
کو جو تحریف کرنے والے احداث کریں گے اس کی کتاب کے
تغیر سے اپنے کلام کو تین قسم پر منقسم کیا ایک قسم اس میں سے وہ
کی جس کو عالم اور جاہل سمجھیں اور ایک قسم وہ کہ جس کو بجز اس کے
جس کا ذہن صاف اور حس لطیف اور تمیز صحیح ہو ان میں سے
جن کا اللہ نے اسلام کے لئے سینہ کھول دیا ہے نہیں سمجھ سکتا اور
ایک قسم وہ ہے جسکو بجز اللہ تعالیٰ اور اسکے امانت دار راسخین
فی العلم کے دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور یہ اس لئے کیا کہ اہل
باطل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث علم پر مستولی ہو گئے
ہیں اس کا دعویٰ نہ کریں جس کو اللہ نے ان کیلئے نہیں کیا ہے
اور تاکہ ان کو اپنے دلی امر کی فرمانبرداری کی طرف جس کی اطاعت
سے بسبب بڑائی کے اور اللہ تعالیٰ پر افترا کے اور اپنے
مددگاروں اور معاونوں اور خدا اور رسول کے دشمنوں کی کثرت
پر دھوکہ کھا کے تکبر کیا ہے اضطرار کھینچے لیکن وہ جس کو عالم
اور جاہل رسول اللہ کی فضیلت کتاب اللہ سے سمجھ سکے وہ قول
اللہ سبحانہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ اور قول ان اللہ
وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا
علیہ وسلموا تسلیما ہے اور اس آیت
کا ظاہر و باطن ہے پس ظاہر تو قول صلوا علیہ ہے
اور باطن قول وسلموا تسلیما ہے یعنی تسلیم کرو اس
کے لئے جس کو تم پر وصی اور خلیفہ بنایا ہے اس کی بزرگی
کو اور جو کچھ اس کی طرف معہود کیا ہے تسلیم کرنا اور یہ اس
قسم سے ہے جس کی میں نے تجھ کو خبر دی کہ اس کی تاویل

لطف حسہ وصفا ذہنہ وصح تمیزہ وکل
قولہ سلام علی آل یٰسین لان اللہ سمی
النبی صلی اللہ علیہ والہ بہذا الاسم
حیث قال یٰس والقران الحکیم
انک لمن المرسلین لعلمہ بانہم یسقطون
قول سلام علی محمد کما اسقطوا غیرہ و
ما زال رسول اللہ یتالفہم ویقربہم ویجلسہم
عن یمینہ وشمالہ حتی اذن اللہ عزو
جل لہ فی ابعادہم بقولہ واہجرہم ہجرا
جمیلا وبقولہ فما للذین کفروا قبلک
مہطعین عن الیمین وعن الشمال
عزین ایطمع کل امرئ منہم ان یدخل
جنة نعیم کلا انا خلقناہم مما یعلمون وقال
واما ظہورک علی تناکر قولہ فان خفتم الا
تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم
من النساء ولیس یشبہ القسط فی الیتمی
نکاح النساء ولا کل النساء ایتاما فہو مما قدمت
ذکرہ من اسقاط المنافقین من القران
وبین القول فی الیتمی وبین نکاح النساء
من الخطاب والقصص اکثر من ثلث
القران وہذا وما اشبہہ مما ظہرت حوادث
المنافقین فیہ لاہل النظر والتامل ووجد
المعطلون واہل الملل المخالفة للاسلام مساغا
الی القدح فی القران ولو شرحت لک کل
ما اسقط وحرف وبدل مما یجری ہذا المجری

بجز اس کے جس کا ذہن صاف اور حس لطیف اور تمیز
صحیح ہو نہیں جان سکتا۔ اور اسی طرح قول سلام علی آل
یاسین کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نام
کے ساتھ موسوم کیا ہے چنانچہ فرمایا یٰسین والقرآن
الحکیم انک لمن المرسلین اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ وہ
سلام علی محمد کو نکال دیں گے جس طرح دوسرے
اسموں کو نکال ڈالا اور ہمیشہ رسول اللہ ان کی تالیف
کرتے رہے اور مقرب بناتے رہے اور اپنے
داہنے بائیں بٹھلاتے رہے یہاں تک کہ اپنے قول
کے ساتھ واہجرہم ہجرا جمیلا اور اپنے اس قول سے
فما للذین کفروا قبلک مہطعین عن الیمین وعن الشمال
عزین ایطمع کل امرئ منہم ان یدخل جنة نعیم کلا انا خلقناہم
مما یعلمون۔ ان کے دور کرنے کا اذن فرمایا اور اس
قول کے بے ربط ہونے پر تیری اطلاع فان خفتم
الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النساء
اور قسط فی الیتامی عورتوں کے نکاح سے مشابہت
نہیں رکھتا اور نہ سب عورتیں یتیم ہیں پس وہ اس
قسم سے ہے جس کو قرآن میں سے منافقین کے
نکال دینے کا پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ اور درمیان
یتامی کے باب میں قول کے اور درمیان نکاح
عورتوں کے خطاب اور قصوں سے ثلث قرآن سے زیادہ ہے
اور یہ اور جو اس کے مشابہ ہے اس قسم سے ہے جس
میں منافقین کے احداث اہل نظر اور تامل کے لئے ظاہر ہوگئے
اور اہل بطل اور ملل کے مخالف دین اسلام نے قرآن میں قدح
کی راہ پایا اور اگر میں تجھ سے وہ بیان کروں جو نکالا گیا ہے

اللّٰہ تبارك وتعالیٰ فی کتابه هذه الرموز التی لایعلمها غیره وانبیائه وحججه فی ارضه لعلمه مایحدثه فی کتابه المبدلون من اسقاط اسماء حججه منه وتلبیسهم ذلك علی الامة لیعینوهم علی باطلهم فاثبت فیه الرموز واعمی قلوبهم وابصارهم لما علیهم فی ترکها وترك غیرها من الخطاب الدال علی ما احدثوه فیه وجعل اهل الکتاب المقیمین به والعاملین بظاهره وباطنه من شجرة اصلها ثابت وفرعها فی السماء تؤتی اکلها کل حین باذن ربها ای یظهر مثل هذا العلم المحتملیة فی الوقت بعد الوقت وجعل اعدائها اهل الشجرة الملعونة الذین حاولوا اطفاء نور اللّٰہ بافواههم فابی اللّٰہ الا ان یتم نوره ولو علم المنافقون لعنهم اللّٰہ ما علیهم من ترك هذه الآیات التی بینت لك تاویلها لاسقطوها مع ما اسقطوا منه ولکن اللّٰہ تبارك اسمه ماض حکمه بایجاب الحجة علی خلقه کما قال فللّٰہ الحجة البالغة اغشی ابصارهم وجعل علی قلوبهم اکنة عن تامل ذلك فترکوه بحاله وحجبوا عن تاکید الملتبس بابطاله فالسعداء یتنبهون علیه والاشقیاء یعمون عنه ومن لم یجعل اللّٰہ له نورا فما له من نور ثم

اور فرمایا علیہ السلام نے اس حدیث میں بعد اس کے بیان کیا بعض متشابہات کی تاویل کو اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ رموز جن کو اس کے اور اس کے انبیاء اور اس کی حجتوں کے سوا جو اس کی زمین میں ہیں کوئی نہیں جانتا صرف اس لئے کیں کہ وہ اس کا واقف تھا جو تحریف کرنے والے اس کی حجتوں کے نام ساقط کر کے اور امت پر اس کو غلط کر کے بدعت کریں گے تاکہ انکی باطل پر اعانت کرے پس اس لئے اس میں رموز رکھ دیئے اور ان کے دلوں اور آنکھوں کو اندھا کر دیا اس لئے کہ ان پر اس کے اور اسکے غیر کے چھوڑنے میں خطاب سے ہے جو ان کے قرآن میں احداث کرنے پر دال ہے اور کئے کتاب والے اس کو قائم کرنے والے اس کے ظاہر و باطن پر عمل کرنے والے اس درخت سے جسکی جڑ ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان میں ہے ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اپنے پروردگار کے حکم سے یعنی ظاہر ہوتا ہے یہ علم محتمل وقتاً فوقتاً اور اس کے دشمن شجرہ ملعونہ والوں کو ٹھہرایا جنھوں نے اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھانے کا قصد کیا پس اللہ نے نہ مانا بجز اس کے کہ اپنے نور کو پورا کرے اور اگر منافقین لعین اس نقصان کو جو ان پر ان آیات کے چھوڑنے سے جن کے تیرے لئے میں نے تاویل بیان کی ہے لازم آتا ہے جانتے تو ان کے ساتھ جن کو قرآن میں سے نکال دیا ہے ان کو بھی نکال ڈالتے لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم اپنی مخلوق پر حجت لازم کرنے کا جاری ہے جیسا فرمایا اللہ کے لئے پوری حجت ہے ان کی آنکھوں کو ڈھک دیا اور ان کے دلوں پر پردہ ڈالدیا اس میں تامل کرنے سے پس اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور اپنے ابطال کے ساتھ ملتبس کے تاکید کرنے سے روکے گئے پس نیک بخت اس پر متنبہ ہوتے ہیں اور بدبخت بے خبر ہے

لطال وظهر ما تحظره التقیة اظهار من مناقب الاولیاء ومثالب الاعداء . انتهی

اور تحریف وتبدیل کیا گیا ہے جو اس کے قائم مقام ہے تو طول ہوا اور جس کے اظہار کو دوستوں کے مناقب اور دشمنوں کے معائب سے تقیہ باز رکھتا ہے وہ ظاہر ہو جائے۔

تفصیلی طور پر آیتوں میں تحریف کا واقع ہونا اور دو مستقل سورت کا ذکر

یہاں تک جس قدر روایات نقل کی گئیں ان سے اجمالاً بدلالت مطابقی قرآن مجید میں بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریف کا واقع ہونا مختلف ائمہ کی شہادت سے ثابت ہوا اب اس کے بعد کچھ روایات وہ بھی نقل کروں جن سے تفصیلی طور پر خاص خاص سورتوں اور آیتوں میں تحریف کا واقع ہونا ثابت ہوتا ہو اگرچہ بندہ کے پاس بحول اللہ وہ رسالہ بھی موجود ہے جس میں مفصل ہر ایک سورۃ کی تحریفات من اولہ الی آخرہ درج ہیں بلکہ علاوہ معمول سورتوں کے دو سورتیں ایک سورۃ النورین اور دوسری الولایہ جو تمامہ قرآن میں سے نکال ڈالی گئی اور ابن شہر آشوب نے بھی کتاب المثالب میں لکھی ہیں اس میں تمامہا مذکور ہیں اور ہم مفصل عرض کر سکتے ہیں۔

سورۃ النورین (؟)

چنانچہ سورۃ النورین کا شروع اس طرح ہے۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم یا ایها الذین امنوا بالنورین الذین انزلنا هما یتلوان علیکم ایاتی ویحذرانکم عذاب یوم عظیم نوران بعضهما من بعض وانا السمیع العلیم ان الذین یوفون بعهد اللّٰہ ورسوله فی آیات لهم جنات نعیم والذین یکفرون من بعد ما امنوا بنقضهم میثاقهم وما عاهدهم الرسول علیه یقذفون فی الجحیم ظلموا انفسهم وعصوا الوصی اولئك یسقون من حمیم الی آخر الخرافات۔ اور سورۃ الولایہ کے ابتدائی فقرات یہ ہیں بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم یا ایها الذین امنوا امنوا بالنبی والولی الذین بعثناهما یهدیانکم الی صراط مستقیم نبی وولی بعضهما من بعض وانا العلیم الخبیر الذین یوفون بعهد اللّٰہ لهم جنات النعیم الی آخر الهذیانات

لیکن چونکہ اندیشہ تطویل دامن قلم میں الجھ رہا ہے اس لئے صرف اسی قدر قلیل پر اکتفا کرتا ہوں جو صاحب صافی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور جو روایات کہ تفسیر صافی سے نقل ہو چکی ہیں مفسر

ساحب بعد نقل روایات لکھتے ہیں۔
اقول المستفاد من مجموع هذه الاخبار
وغيرها من الروايات من طريق
اهل البيت عليهم السلام ان القرآن
الذي بين اظهرنا ليس بتمامه كما انزل
على محمد بل منه ما هو خلاف ما انزل الله ومنه
ما هو مغير محرف وانه قد حذف عنه اشياء
كثيرة منها اسم علي عليه السلام في كثير
من المواضع ومنها لفظة آل محمد غير مرة و
منها اسماء المنافقين في مواضعها ومنها غير
ذلك وانه ليس ايضا على الترتيب المرضي
عند الله وعند رسوله وبه قال علي ابن
ابراهيم قال في تفسيره واما ما كان خلاف
ما انزل الله فهو قوله تع كنتم خير امة اخرجت
للناس تأمرون بالمعروف وتنهون
عن المنكر وتؤمنون بالله فقال ابو عبد الله
عليه السلام لقارئ هذه الآية خير امة
تقتلون امير المؤمنين والحسين بن علي
فقيل له فكيف نزلت يا ابن رسول الله
فقال انما نزلت خير ائمة اخرجت للناس
الا ترى مدح الله لهم في آخر الآية تأمرون
بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله
ومثله انه قرئ على ابي عبد الله الذين
يقولون ربنا هب لنا من ازواجنا وذرياتنا
قرة اعين واجعلنا للمتقين اماما فقال

میں کہتا ہوں کہ ان احادیث سے اور سوائے
ان کی ان روایات سے جو بطریق اہل بیت
مروی ہیں۔ یہ حاصل ہوتا ہے کہ جو قرآن ہمارے
درمیان موجود ہے یہ پورا نہیں جس طرح
کہ محمد پر نازل ہوا تھا بلکہ اس میں۔ سے وہ ہے
جو مخالف ہے اس کے جو اللہ نے نازل کیا اور
اس میں تحریف تغییر کیا ہوا ہے اور اس میں سے
بہت سی اشیاء نکالی گئی ہیں۔ علی کا نام بہت
جگہ سے نکالا گیا۔ لفظ آل محمد چند جگہ سے اور
منافقین کے نام اپنی جگہ سے نکالے گئے وغیرہ وغیرہ اور
یہ خدا اور رسول کی پسندیدہ ترتیب پر نہیں۔ علی بن ابراہیم نے
اپنی تفسیر میں کہا ہے اور لیکن جو خلاف نزول کے ہے
پس وہ قولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس
تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون
باللہ۔ ابوعبداللہ نے اس آیت کے پڑھنے والے کو
فرمایا کہ امیر المومنین کو اور حسین بن علی کو قتل کرو اور
بہتر امت ہو کسی نے عرض کیا تو پھر یہ آیت کیوں کر
نازل ہوئی اے رسول اللہ کے فرزند فرمایا صرف
اس طرح نازل ہوئی خیر ائمۃ اخرجت للناس کیا تو نہیں
دیکھتا اللہ تعالیٰ نے آخر آیت میں ان کی مدح کی
ہے کہ بھلائی کا حکم کرتے ہو برائی سے روکتے ہو اور
اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اسی کی مثل یہ ہے کہ کسی نے امام
ابوعبداللہ کے روبرو پڑھا الذین یقولون ربنا ہب لنا من
ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما

ابو عبد الله عليه السلام لقد سألوا الله
عظيما ان يجعلهم للمتقين اماما فقيل له
يا ابن رسول الله كيف نزلت فقال انما نزلت
واجعل لنا من المتقين اماما وقوله له
معقبات من بين يديه ومن خلفه يحفظونه
من امر الله فقال ابو عبد الله عليه السلام
كيف يحفظ الشيء من امر الله وكيف يكون
المعقب من بين يديه فقيل له وكيف
ذلك يا ابن رسول الله فقال انما نزلت
له معقبات من خلفه ورقيب من بين يديه
يحفظونه بامر الله ومثله كثير قال واما ما هو
محذوف عنه فهو قوله لكن الله يشهد بما
انزل اليك في علي كذا انزلت انزله بعلمه
والملائكة يشهدون وقوله يا ايها الرسول
بلغ ما انزل اليك من ربك في علي فان
لم تفعل فما بلغت رسالته وقوله ان الذين
كفروا وظلموا آل محمد حقهم لم يكن الله
ليغفر لهم وقوله وسيعلم الذين ظلموا
آل محمد حقهم اي منقلب ينقلبون و
قوله ترى الذين ظلموا آل محمد
حقهم في غمرات الموت ومثله كثير
نذكره في مواضعه قال واما التقديم
والتاخير فان آية عدة النساء الناسخة
التي اربعة اشهر وعشر قدمت على
المنسوخة التي هي سنة وكان يجب ان

امام ابوعبداللہ نے فرمایا تحقیق بڑے
امر کا سوال کیا یہ کہ ان کو متقیوں کا امام بناوے
عرض کیا گیا اے رسول اللہ کے فرزند تو یہ آیت
کیونکر نازل ہوئی فرمایا یہ اس طرح نازل ہوئی ہے
واجعل لنا من المتقین اماما۔ اور قول اللہ تعالیٰ لہ معقبات
من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ ابوعبداللہ
نے فرمایا اللہ کے امر سے شئی کی کیوں کر حفاظت ہوتی
ہے اور معقب سامنے کیوں کر ہوتا ہے عرض
کیا گیا اے رسول اللہ کے فرزند یہ کیونکر ہے
فرمایا یہ اس طرح نازل ہوئی ہے لہ معقبات
من خلفہ ورقیب من بین یدیہ یحفظونہ بامر اللہ
اور مثل اس کی بہت ہے اور اس میں جو محذوف
ہے وہ قولہ تعالیٰ لکن اللہ یشہد بما انزل علیک فی
علی اس طرح نازل ہوئی ہے اور قولہ تعالیٰ یا ایہا
الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فی علی فان لم
تفعل فما بلغت رسالتہ اور قولہ تعالیٰ
ان الذین کفروا وظلموا آل محمد حقہم سے
منقلب ینقلبون اور قولہ تعالیٰ تری الذین ظلموا
آل محمد حقہم فی غمرات الموت۔ اور مثل
اس کی بہت ہے اس کو اس کی جگہ
ذکر کریں گے اور لیکن تقدیم اور تاخیر پس تحقیق عورتوں
کی عدت دس دن چار مہینے کی آیت جو ناسخ
ہے آیت منسوخہ پر مقدم کی گئی ہے جس میں
سال بھر عدت ہے اور واجب تھا کہ آیت منسوخہ
جو پیشتر نازل ہوئی ہے پہلے پڑھی جاتی پھر ناسخ

يقرأ المنسوخة التي نزلت قبل ثم الناسخة التي بعد و قوله افمن كان على بينة من ربه ويتلوه شاهد منه ومن قبله كتاب موسى اماما و رحمة وانما هو ويتلوه شاهد ومنه اماما و رحمة ومن قبله كتاب موسى و قوله وما هي الا حيوتنا الدنيا نموت و نحيا وانما هو نحيى ونموت لان الدهرية لو يقرون بالبعث بعد الموت وانما قالوا نحيى ونموت فقدموا حرفا على حرف ومثله كثير قال ومما ربيت التي هي في سورة و تمامها في سورة اخرى قول موسى اتستبدلون الذي هو ادنى بالذي هو خير اهبطوا مصرا فان لكم ما سألتم فقالوا يا موسى ان فيها قوما جبارين وانا لن ندخلها حتى يخرجوا منها فان يخرجوا منها فانا داخلون ونصف الاية في سورة البقرة و نصفها في سورة المائدة و قوله اكتتبها فهي تملى عليه بكرة واصيلا فرد الله عليهم وما كنت تتلوا من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينك اذا لارتاب المبطلون فنصف الاية في سورة الفرقان و نصفها في سورة العنكبوت ومثله كثير انتهى كلامه۔

ہوتی جو پیچھے ہے اور قولہ تعالےٰ افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاہد منہ ومن قبلہ کتاب موسےٰ اماما ورحمۃ اور حقیقت میں اس طرح ہے ویتلوہ شاہد منہ اماما ورحمۃ ومن قبلہ کتاب موسےٰ اور قولہ تعالیٰ وما ہی الا حیوتنا الدنیا نموت و نحیی اور حقیقت میں اس طرح تھا نحیی و نموت۔ کیونکہ دہریوں نے مرنے کے بعد اٹھنے کا اقرار نہیں کیا تھا اور صرف وہ کہتے تھے کہ ہم زندہ رہیں گے اور مر جائیں گے پس ایک حرف کو دوسرے حرف پر مقدم کر دیا اور اس کی مثل بہت ہے فرمایا اور وہ آیتیں جو خود ایک سورۃ میں واقع ہیں اور ان کا تتمہ دوسری سورۃ میں ہے پس حضرت موسیٰ کا قول اتستبدلون الذی ہو ادنیٰ بالذی ہو خیر اہبطوا مصرا فان لکم ما سألتم اس کے جواب میں بنی اسرائیل نے کہا یا موسیٰ ان فیہا قوما جبارین وانا لن ندخلہا حتی یخرجوا منہا فان یخرجوا منہا فانا داخلون آدھی آیت سورہ بقرہ اور آدھی آیت سورہ مائدہ میں ہے اور قولہ تعالیٰ اکتتبہا فہی تملی علیہ بکرۃ واصیلا پس اللہ تعالیٰ نے ان پر رد کر دیا وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون آدھی آیت سورہ فرقان میں ہے اور آدھی سورہ عنکبوت میں ہے اور اس جیسی بہت ہے۔

علاوہ ازیں تفسیر صافی میں اس قسم کی بہت روایتیں ذکر کی ہیں تفسیر سورہ نحل میں ہے

وفی الکافی عنہ عن الصادق انہ قرأ ان تکون ائمۃ ہی ازکی من ائمتکم

اور کافی میں امام صادق سے مروی ہے کہ آپ نے پڑھا ان تکون ائمۃ ہی ازکی من ائمتکم

[illegible] قيل انا نقرأ هى اربى من امة و [illegible] وما يبيده فطرحها۔

کسی نے عرض کیا کہ ہم تو اس طرح پڑھتے ہیں امۃ ہی اربی من امۃ تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اسکو ڈالدیا

سورہ واقعہ میں ہے۔

القمی عن الصادق انه قرأ وطلح منضود قال بعضه الى بعض وفي المجمع روت العامة عن علي انه قرأ رجل عنده وطلح منضود فقال ما شان الطلح انما هو وطلع كقوله ونخل طلعها هضيم فقيل له الا تغيره فقال ان القرآن لا يهاج اليوم ولا يحرك ورواه عنه ابنه الحسن وقيس بن سعد ورواه اصحابنا عن يعقوب قال قلت لابي عبد الله وطلح منضود قال لا وطلع منضود۔

قمی نے صادقؑ سے روایت کیا ہے وطلح منضود ایک دوسرے کی طرف مائل۔ مجمع میں ہے عامہ نے علیؑ سے روایت کی ہے کہ کسی شخص نے آپ کے سامنے پڑھا وطلح منضود آپ نے فرمایا طلح کا کیا حال ہے یہ تو صرف وطلع ہے جیسا قولہ تعالیٰ ونخل طلعہا ہضیم کسی نے عرض کیا پھر آپ اس کو بدل نہیں دیتے فرمایا اب قرآن نہ ہلایا جا سکتا ہے اور نہ جنبش دیا جا سکتا ہے اور اس کو آپ سے روایت کیا ہے آپ کے فرزند حسن نے اور قیس بن سعد نے اور ہمارے اصحاب نے اس کو یعقوب سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ سے کہا وطلح منضود فرمایا نہیں وطلع منضود۔

شیعہ کا آج قرآن کی تعظیم کی بات کہنا محض ڈھکوسلہ اور تقیہ ہے ورنہ فی الحقیقت ان کا ایمان قرآن پر نہیں

علاوہ ان کے صدہا روایات ہیں جو اثبات تحریف و ابطال مدعا مجیب پر اس دلیل ہیں اور جس قدر روایات واحادیث ثبوت تحریف میں صاحب صافی نے بیان کی ہیں اور ہم اوپر نقل کر آئے ہیں اگر ان پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جاوے تو خوف تطویل دامن گیر ہے۔ بلکہ یہ رسالہ شرح مطالب کو بھی متحمل نہیں ہے اس لئے صرف اسی قدر گذارش پر اکتفا کی جاتی ہے کہ روایات مذکورہ سے مثل روز روشن تحریف کا واقع ہونا سوائے شیعہ پر جو اثر قطعاً ثابت ہوا۔ اور فاضل مجیب کا دعوے کہ کتاب اللہ کی تعظیم وتکریم و فقہ اجماعی اہل ایمان ہے جس سے تفسیر سیاق عبارت یہ مراد ہے کہ عدم تحریف قرآن اجماعی اہل تشیع ہے باطل ہوا اور ظاہر ہے کہ اجماع کا ادعا کسی حکم پر جب تک کہ پہلے اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو [illegible] نہیں ہو سکتا اور جب کہ نقیض حکم

پر دلائل قطعیہ قائم ہوں تو اس صورت میں خلاف دلائل قطعیہ کے انعقاد اجماع محال اور غلط ہے اگر اجماع ہوگا تو وہ ایسا ہوگا جیسا نصاریٰ کا اجماع اس پر کہ عیسیٰ بن مریم ابن اللہ ہیں، اور ہرگز یہ اجماع دلائل شرعیہ سے نہ سمجھا جائے گا اور اگر ان روایات کو جو عنوانات مختلفہ کے ساتھ مختلف ائمہ سے مختلف رواۃ نے روایت کیا ہے کذب اور دروغ اور افترا اور بہتان سمجھا جاوے تو یہ کذب و افترا کس کی طرف ہوگا جناب ائمہ باوجود عصمت کے بطور تقیہ جھوٹ فرما سکتے ہیں لیکن ان روایات میں تقیہ کی گنجائش نہیں بلکہ ان کا اظہار خلاف تقیہ کے ہے کیونکہ مخالفین کے مخالف ہے تو ایسی حالت میں یہ کذب ائمہ کی طرف کیونکر نسبت کیا جائے اگر تقیہ کی گنجائش ہوتی تو حضرات شیعہ اس کذب و افترا سے انہیں کے پاک دامنوں کو ملوث فرماتے، اور رواۃ اگر ایک دو ہوتی یا ضعفاء مجاہیل وکذاب وضاع ہوتی تو البتہ مضائقہ نہ تھا کہ یہ کذب انہیں کے نامہ اعمال میں سمجھا جاتا لیکن جب ثقات ومعتبرین کثیر التعداد نے روایت کی ہے علی الخصوص ان میں سے آپ کے ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی اور ان کے استاد علی بن ابراہیم نے اپنے اساتذہ سے جو ثقات ومعتبرین ہیں تخریج کی ہے اور کوئی روایت معارض ان کی پائی نہیں جاتی جس کی وجہ سے ان روایات کو دروغ سمجھا جاوے اور اگر ہے تو محمول تقیہ پر ہوسکتی ہے تو ایسی صورت میں کذب رواۃ ہرگز قرین قیاس نہیں بلکہ بداہۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی رواۃ عدول وثقات نے جیسا ائمہ سے سنا اسی طرح روایت کردیا پس اگر آپ ان رواۃ کو جھوٹا بنائیں یہ بھی بعید از انصاف ہے اور کوئی تیسرا احتمال باقی نہیں رہا جو جھوٹ کا دستہ ہو مگر یہ کہ تمام رواۃ نے عن آخرہم خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کے بغض وعداوت اور صحابہ کی مخالفت پر متفق ہوکر اپنے اسلام میں یہ رخنہ ڈالا اور یہ افترا اور بہتان باندھا جس سے اپنے دین وایمان کو اپنے ہاتھوں آپ برباد کردیا اور آیت شریفہ کا مضمون صادق آیا یخربون بیوتہم بایدیہم وایدی المؤمنین فاعتبروا یا اولی الابصار، اور اس کا قائل ہونا عین تسنن ہے، غرض روایات مذکورہ سے کلام مجید میں تحریف کا خلفاء وصحابہ کی طرف واقع ہونا متواتر المعنیٰ ثابت ہوگیا اب اس کے بعد ہم کو کچھ ضرورت نہیں تھی کہ ہم اپنے فاضل مخاطب کے دعوے کے ابطال کے لئے یہ ثابت کریں کہ اکابر و اعاظم متشیعین کا مذہب ہے کہ قرآن شریف میں تحریف ہوئی اور بعض متاخرین نے بھی تصریح کی ہے اور اسی لئے قرآن مجید کو اپنے مناظرہ میں قابل حجت واستدلال نہیں سمجھا ہے کیونکہ جب ایک امر ائمہ سے متواتر المعنیٰ ثابت ہوگیا اور اس میں کسی قسم سے نہ تقیہ کو راہ ہے نہ تاویل کی گنجائش ہے تو ایسے امر کا انکار فی الحقیقت امامت ائمہ کا انکار ہے جس کو شاید ہمارے فاضل مخاطب کفر والحاد اعتقاد

فرماتے ہوں گے لیکن چونکہ ہمارے حضرت مخاطب کو اس کی طرف تعطش زائد الوصف ہے اور نہایت مبالغہ کے ساتھ اس کا انکار ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نقل مذاہب بیان کرکے قوت و ترجیح اصول وقواعد مسلمہ شیعہ پر تحریر کریں پس اس کے لئے بھی زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔

مشائخ شیعہ کا اعتقاد درباب تحریف قرآن

اسی تفسیر صافی کا مقدمہ سادسہ آخر سے ملاحظہ فرمادیں وہ لکھتے ہیں،

واما اعتقاد مشائخنا رحمہم اللہ فی ذلک فالظاهر من ثقة الاسلام محمد بن يعقوب الكليني طاب ثراه انه كان يعتقد التحريف والنقصان في القرآن لانه روى روايات في هذا المعنى في كتابه الكافي ولم يتعرض لقدح فيها مع انه ذكر في اول الكتاب انه يثق بما رواه فيه وكذلك استاده علي بن ابراهيم القمي رہ فان تفسيره مملو منه وله غلو فيه وكذلك الشيخ احمد بن ابي طالب الطبرسي قدس سره فانه ايضا نسج على منوالهما في كتاب الاحتجاج واما الشيخ ابو علي الطبرسي فانه قال في مجمع البيان اما الزيادة فيه فمجمع على بطلانه واما النقصان فيه فقد روى جماعة من اصحابنا وقوم من حشوية العامة ان في القرآن تغييرا ونقصانا والصحيح من مذهب اصحابنا خلافه وهو الذي نصره المرتضى رہ واستوفى الكلام فيه غاية الاستيفاء في جواب

اور لیکن اس بارہ میں ہمارے مشائخ رحمہم اللہ کا اعتقاد پس ظاہر ا محمد بن یعقوب کلینی طاب ثراہ قرآن میں تحریف اور نقصان کا معتقد تھا کیونکہ اس نے اس باب میں اپنی کتاب کافی میں بہت سی روائتیں روایت کی ہیں اور ان میں قدح سے تعرض نہیں کیا باوجودیکہ اس نے شروع کتاب میں ذکر کیا ہے کہ وہ ان روایتوں پہ جو اس میں روایت کی ہیں اعتماد کرتا ہے اور اسی طرح اس کا استاد علی بن ابراہیم قمی اس کی تفسیر اس سے بھری ہوئی ہے اور اس کو اس میں نہایت غلو ہے اور اسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی قدس سرہ نے اپنی کتاب احتجاج میں انہی دونوں کے منوال پر بنا ہے لیکن شیخ ابو علی طبرسی پس اس نے مجمع البیان میں کہا ہے کہ قرآن میں زیادتی کا باطل ہونا تو متفق علیہ ہے لیکن کمی کا ہونا پس ہمارے اصحاب میں سے ایک جماعت نے اور حشویہ عامہ میں سے ایک قوم نے روایت کیا ہے کہ قرآن میں تغیر اور کمی ہے اور صحیح یہ ہے کہ ہمارے اصحاب کا مذہب اس کے خلاف ہے اور سید مرتضیٰ نے بھی نصرت کی ہے اور جواب مسائل طرابلسیات میں کلام کو غایت

المسائل الطرابلسیات وذکر فی مواضع ان العلم بصحة نقل القرآن کالعلم بالبلدان والحوادث الکبار والوقائع العظام والکتب المشهورة واشعار العرب المسطورة فان العنایة اشتدت والدواعی توفرت علی نقله وحراسته وبلغت حدا لم تبلغه فیما ذکرناه لان القرآن معجزة النبوة وماخذ العلوم الشرعیة والاحکام الدینیة وعلماء المسلمین قد بلغوا فی حفظه وحمایته الغایة حتی عرفوا کل شئ اختلف فیه من اعرابه وقرائته وحروفه وایاته فکیف یجوز ان یکون مغیرا او منقوصا مع العنایة الصادقة والضبط الشدید. وقال ایضا قدس الله روحه ان العلم بتفصیل القرآن وابعاضه فی صحة نقله کالعلم بجملته وجری ذلک مجری ما علم ضرورة من الکتب المصنفة ککتاب سیبویه والمزنی فان اهل العنایة بهذا الشان یعلمون من تفصیلهما ما یعلمونه من جملتهما حتی لو ان مدخلا ادخل فی کتاب سیبویه بابا فی النحو لیس من الکتاب لعرف ومیز وعلم انه ملحق ولیس من اصل الکتاب وکذلک القول فی کتاب المزنی ومعلوم ان العنایة بنقل القرآن وضبطه [illegible] من العنایة بضبط کتاب سیبویه ودواوین الشعراء. وذکر ایضا ان القرآن کان علی عهد

درجہ استیفاء پر پہنچایا ہے اور ذکر کیا ہے کہ قرآن کی نقل کی صحت کا علم مثل علم شہروں اور بڑے بڑے حوادث اور وقائع اور مشہور کتابوں اور عرب کے لکھے ہوئے شعروں کی ہے پس تحقیق اس کی نقل وحفاظت پر توجہ شدید اور دواعی وافر ہیں اور اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ امور مذکورہ اس حد کو نہیں پہنچے کیونکہ قرآن نبوت کا معجزہ اور علوم شرعیہ اور احکام دینیہ کا ماخذ ہے اور علمائے اہل اسلام اس کی حفظ وحمایت میں غایت درجہ کو پہنچ چکے یہاں تک کہ اس کی ہر ایک شی مختلف فیہ کو اعراب اور قرأت اور حروف اور آیات کو پہچان لیا تو باوجود اس سچی توجہ اور نہایت ضبط کے کیونکر ممکن ہے کہ بدلا ہوا یا کم کیا ہوا ہو۔ اور نیز مرتضیٰ قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ قرآن کی تفصیل اور اجزاء کا علم صحت نقل میں اس کے مجموعہ کے برابر ہے اور یہ بمنزلہ اس کے ہے جو کتب مصنفہ سے بداہتہ معلوم ہے مثل سیبویہ اور مزنی کی کتاب کے کیونکہ اس فن کے توجہ والے جس قدر اس کے مجموعہ کو جانتے ہیں اسی قدر اس کی تفصیل سے واقف ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص نحو کا کوئی ایسا باب کتاب میں داخل کرے جو اس میں نہ ہو تو صاف پہچانا جائے گا اور میز ہو گا اور معلوم ہو گا کہ یہ ملحق ہے اور اصل کتاب میں سے نہیں ہے اور اسی طرح مزنی کی کتاب میں بھی کہا جا سکتا ہے اور معلوم ہے کہ قرآن کی نقل کی طرف توجہ اور اس کا ضبط سیبویہ کی کتاب اور شعراء کے دیوانوں کے ضبط سے زیادہ [illegible] ہے اور نیز ذکر کیا ہے کہ

رسول الله مجموعا مؤلفا علی ما هو علیه الان واستدل علی ذلک بان القرآن کان یدرس ویحفظ جمیعه فی ذلک الزمان حتی عین علی جماعة من الصحابة فی حفظهم له وانه کان یعرض علی النبی ویتلی علیه وان جماعة من الصحابة مثل عبد الله بن مسعود وابی بن کعب وغیرهما ختموا القرآن علی النبی عدة ختمات وکل ذلک یدل بادنی تامل علی انه کان مجموعا مرتبا غیر مبتور ولا مبثوث وذکر ان من خالف فی ذلک من الامامیة والحشویة لا یعتد بخلافهم فان الخلاف فی ذلک مضاف الی قوم من اصحاب الحدیث نقلوا اخبارا ضعیفة ظنوا صحتها لا یرجع بمثلها عن المعلوم المقطوع علی صحته.

زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی کی موافق مؤلف مجموع تھا جیسا اب ہے اور اس پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس زمانہ میں تمام قرآن کی حفظ اور تدریس ہوتی تھی یہاں تک کہ صحابہ میں سے ایک جماعت اس کے حفظ کے لئے مقرر ہوئی اور حضرت پر پیش ہوتا تھا اور آپ پر پڑھا جاتا تھا اور صحابہ میں سے ایک جماعت نے مثل عبد اللہ بن مسعود اور ابی بن کعب وغیرہ نے بہت سے ختم آپ کو سنائے اور یہ ادنیٰ تامل کے ساتھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن مجموع مرتب تھا پراگندہ نہ تھا اور بیان کیا ہے کہ اس باب میں جو لوگ امامیہ اور حشویہ مخالف ہوئے ہیں ان کا خلاف معتبر نہیں ہے کیونکہ اس بارہ میں خلاف محدثین میں سے ایک قوم کی طرف منسوب ہے جنھوں نے صحیح سمجھ کر ضعیف حدیثیں نقل کی ہیں ان جیسی روایات کے ساتھ ایسے امر سے نہیں رجوع کیا جاتا جس کی صحت یقینی ہے۔

اس سے پہلے کہ میں خود اس لغو نا دلیل کی جو معاوضہ روایات صحیحہ کے فرمائی ہے تغلیط کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو اس کی تغلیط صاحب صافی نے کی ہے نقل کروں اور بعد اس کے پھر گذارش کروں گا کہ اصول شیعہ کے موافق حق کیا ہے اور راجح کس کا قول ہے اب صرف مفسر صافی کی تحقیق سن لیجیے وہ فرماتے ہیں۔

اقول لقائل ان یقول کما ان الدواعی کانت متوفرة علی نقل القرآن وحراسته من المؤمنین کذلک کانت متوفرة علی تغییره من المنافقین المبدلین للوصیة المغیرین للخلافة لتضمنه ما یضاد رأیهم وهواهم والتغییر فیه ان وقع فانما وقع قبل انتشاره

میں کہتا ہوں کہ معترض کو گنجائش ہے کہ کہے جیسے مومنین کی طرف سے قرآن کی نقل کی حفاظت پر دواعی وافر تھے اسی طرح منافقوں وصیت کے بدلنے والوں خلافت کے الٹنے والوں کی طرف سے قرآن کی تحریف پر دواعی وافر تھے کیونکہ قرآن ان کی رائے اور خواہش کے مخالف کو متضمن تھا اور اگر اس

في البلدان واستقراره على ما هو عليه الآن والضبط الشديد انما كان بعد ذلك فلا تنافي بينهما بل لقائل ان يقول انه ما تغير في نفسه وانما التغير في ما بعد اياه وتلفظهم به فانهم ما حرفوا الا عند نسخهم من الاصل وبقي الاصل على ما هو عليه عند اهله وهم العلماء به فما هو عند العلماء به ليس بمحرف وانما المحرف ما اظهروه لاتباعهم واما كونه مجموعا في عهد النبي على ما هو عليه الآن فلم يثبت وكيف كان مجموعا وانما كان ينزل نجوما وكان لا يتم الا بتمام عمره واما درسه وختمه فانما كانوا يدرسون ويختمون ما كان عندهم منه لا تمامه.

میں تحریف واقع ہوئی ہے تو شہروں میں پھیلنے اور جس ترتیب پر اب ہے۔ اس پر مستقر ہونے سے پیشتر واقع ہوئی ہے اور ضبط شدید بھی صرف اس کے بعد ہی تھا تو اس میں باہم کچھ منافات نہیں ہے بلکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ نفس قرآن میں کچھ تغیر نہیں ہوا تغیر صرف ان کے لکھنے میں اور پڑھنے میں ہوا ہے۔ کیونکہ انھوں نے تحریف اصل سے نقل کرنے کے وقت اس میں کی ہے اور اصل جیسا تھا ویسا ہی اس کی اہل کے پاس موجود ہے اور وہ علماء ہیں تو جو علماء کے پاس ہے وہ محرف نہیں ہے محرف صرف وہ ہے جو انھوں نے اپنی اتباع کے لئے ظاہر کیا۔ اور اس کے موافق جیسا اب ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مجموع ہونا ثابت نہیں ہوا اور اس وقت کیونکر مجموع ہو سکتا ہے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوتا تھا اور حضرت کی عمر شریف کے تمام ہونے پر تمام ہوا۔ اور قرآن کا درس اور ختم صرف اسی قدر کا تھا جس قدر ان کے پاس تھا نہ تمام کا۔

اس کے بعد شیخ صدوق اور شیخ طوسی کا مذہب ذکر کر کے اس کا ابطال و تغلیط کرتا ہے اس لئے اس کو بھی نقل کر دوں تاکہ ہمارے فاضل مجیب کے دل میں حسرت نہ رہ جاوے۔

وقال شيخنا الصدوق رئيس المحدثين محمد بن علي بن بابويه القمي طيب الله ثراه في اعتقاداته اعتقدنا ان القرآن الذي انزل الله على نبيه هو ما بين الدفتين وما في ايدي الناس ليس اكثر من ذلك قال ومن نسب الينا انا نقول انه اكثر من ذلك فهو كاذب وقال شيخ الطائفة محمد بن الحسن الطوسي

اور ہمارے شیخ صدوق رئیس المحدثین طیب اللہ ثراہ نے اپنے اعتقادات میں کہا ہے ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن جو اللہ نے اپنے نبی پر نازل کیا وہی ہے جو دو پٹھوں میں اور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے زیادہ نہیں اور جو ہماری طرف نسبت کرے کہ ہم قائل ہیں کہ قرآن اس سے زیادہ ہے وہ جھوٹا ہے اور شیخ طوسی محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ

رحمة الله عليه في تبيانه واما الكلام في زيادته ونقصانه فمما لا يليق به لان الزيادة فيه مجمع على بطلانه والنقصان منه فالظاهر ايضا من مذهب المسلمين خلافه وهو الاليق بالصحيح من مذهبنا وهو الذي نصره المرتضى ره وهو الظاهر في الروايات غير انه رويت روايات كثيرة من جهة الخاصة والعامة بنقصان كثير من آي القرآن ونقل شيء منه من موضع الى موضع طريقها الآحاد التي لا توجب علما فالاولى الاعراض عنها وترك التشاغل بها لانه يمكن تاويلها ولو صحت لما كان ذلك طعنا على ما هو موجود بين الدفتين فان ذلك معلوم صحته لا يعترضه احد من الامة ولا يدفعه ورواياتنا متناصرة بالحث على قرائته والتمسك بما فيه ورد ما يرد من اختلاف الاخبار في الفروع اليه وعرضها عليه فما وافقه عمل عليه وما خالفه يجتنب ولم يلتفت اليه وقد ورد عن النبي ص رواية لا يدفعها احد انه قال اني مخلف فيكم الثقلين ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا كتاب الله وعترتي اهل بيتي وانهما لن يفترقا حتى يردا على الحوض وهذا يدل على انه موجود في كل عصر لانه لا يجوز ان يامرنا

نے اپنے تبیان میں کہا ہے کہ قرآن کی زیادتی و کمی میں کلام کرنا لائق نہیں کیونکہ زیادتی کا باطل ہونا اتفاقی ہے اور کمی ہونا بھی ظاہراً تمام مسلمانوں کے مذہب کے خلاف ہے اور یہ ہی ہمارے صحیح مذہب کے لائق ہے اور اسی کی مرتضیٰ نے بھی تائید کی ہے اور روایات سے بھی یہی ظاہر ہے مگر یہ کہ قرآن میں سے بہت سی آیتیں کم ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں شیعہ اور غیر شیعہ کے طریقہ سے بہت سی روایات مروی ہوئی ہیں ان کا طریق احاد ہے جو مفید علم یقین کو نہیں ہو سکتا قران سے اعراض کرنا اور ان میں مشغول ن ترک کرنا اولی ہے کیونکہ ان کی تاویل ممکن ہے اور اگر یہ روایات صحیح ہوں تو یہ طعن اس پر نہیں ہے جو ابین الدفتین موجود ہے کیونکہ اس کی صحت یقینی ہے امت میں سے اس پر نہ کوئی اعتراض کرتا ہے نہ کوئی رد کرتا ہے اور ہماری روایتیں اس کی قرأت پر انگیختہ کرنے کے اور اس کے ساتھ تمسک کے اور فروعی اختلاف احادیث کو اس کی طرف لوٹانے کے اور اس پر پیش کرنے کی باہم تائید کرتے ہیں چنانچہ جو حدیث اس کے موافق ہو گی اس پر عمل ہو گا اور جو اس کے مخالف ہو گی اس سے اجتناب ہو گا اور اس کی طرف التفات نہ ہو گا اور تحقیق نبی سے روایت وارد ہوئی ہے جس کو کوئی رد نہیں کرتا (میں تم میں ثقلین کو پیچھے چھوڑتا ہوں اگر تم ان کے ساتھ تمسک کرو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک قرآن دوسری میری عترت میری اہلبیت اور یہ جدا نہ ہوں گی یہانتک کہ میرے پاس حوض پر آئیں گے اور یہ اس پر دال ہے کہ قرآن ہر زمانہ میں موجود ہے کیونکہ ممکن نہیں ہم کو

بالتمسک بما لا نقدر على التمسک به کما ان اهل البیت ومن یجب اتباع قوله حاصل فی کل وقت واذا کان الموجود بیننا مجمعا على صحته فینبغی ان یشتغل بتفسیره وبیان معانیه وترک ماسواه۔

ایسی چیز کے تمسک کا حکم کریں جس کے تمسک پر ہم کو قدرت نہ ہو چنانچہ اہل بیت اور جس کے قول کا اتباع واجب ہے ہر وقت حاصل ہے اور جب موجود قرآن کی صحت متفق علیہ ہے تو اس کی تفسیر اور بیان معانی میں مشغول ہونا اور اس کے ماسوا کو ترک کرنا لائق ہے۔

یہاں تک نقل کر کے علامہ صاحب تفسیر صافی نے اس کی بھی تغلیط و تردید کر دی اور فرمایا،

اقول یکفی فی وجوده فی کل عصر وجوده جمیعا کما انزل الله محفوظا عند اهله ووجود ما احتجنا الیه من عندنا وان لم نقدر على الباقی کما ان الامام کذلک فان الثقلین سیان فی ذلک ولعل هذا هو المراد من کلام الشیخ واما قوله ومن یجب اتباع قوله فالمراد به العبیر بکلامهم فانه فی زمان غیبتهم قائم مقامهم بقولهم علیه السلام انظروا الی من کان منکم قد روى حدیثنا ونظر فی حلالنا وحرامنا وعرف احکامنا فاجعلوه بینکم حاکما فانی قد جعلته علیکم حاکما الحدیث انتهى کلامه۔

میں کہتا ہوں کہ ہر زمانہ میں اس کے وجود کے لیے تمام جیسا خدا نے نازل فرمایا اس کے اہل کے پاس موجود ہونا اور ہماری حاجت کے موافق ہمارے پاس موجود ہونا کافی ہے اگرچہ ہم کو باقی پر قدرت نہ ہو چنانچہ امام بھی اسی طرح ہے کیونکہ ثقلین اس باب میں برابر ہیں اور شاید کلام شیخ سے یہی مراد ہو اور قول اس کا ومن یجب اتباع قولہ۔ مراد اس سے ان کے کلام کا العبیر ہے کیونکہ وہ ان کی غیبت کے زمانہ میں موافق ان کے قول کے ان کے قائم مقام ہے۔ ہم میں سے جس نے ہماری حدیث روایت کی اور ہمارے حلال اور حرام میں نظر کی اور ہمارے احکام کو پہچانا اس کو دیکھو اور اس کو اپنا حاکم بناؤ کیونکہ میں نے اس کو تم پر حاکم بنا دیا۔ آخر حدیث تک۔

صدوق اور مرتضیٰ وغیرہ کا تحریف سے انکار قواعد شیعہ کی رو سے غلط ہے

بندہ گذارش کرتا ہے کہ آپ کے شیخ صدوق اور شیخ مرتضیٰ اور [illegible] نے جو اپنا مذہب عدم تحریف قرآن قرار دیا ہے اور عدم تحریف کو راجح مذہب تشیع سے لکھا ہے باعتبار قواعد شرعیہ [illegible] مذہب کے بالکل غلط ہے قطع نظر ان دلائل سے جو ان کے مذہب کے بطلان میں صاحب [illegible] ہیں اور بھی بہت دلائل اس کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں سنیئے جس قدر روایات [illegible] کرتی ہیں اگرچہ [illegible] سے خبر [illegible] سے لیکن

جب اس کی قدر مشترک کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ مختلف کثیر التعداد رواۃ نے مختلف ائمہ سے روایت کیا ہے تو یہ متواتر المعنی ہو کر درجہ قطعیہ کو پہنچ چکا ہے اور مثل اور روایات کے جن کو علماء طائفہ نے متواتر المعنے تسلیم کر لیا ہے ہو گیا ہے علامہ شہید ثانی معالم الاصول میں فرماتے ہیں،

قد تکثر الاخبار فی الوقائع ویختلف لکن یشتمل کل واحد منها على معنى مشترک بینها بجهة التضمن او الالتزام فیحصل العلم بذلک القدر المشترک ویسمى المتواتر من جهة المعنى وذلک کوقائع امیر المؤمنین فی حروبه من قتله غزاة بدر کذا وفعله فی احد کذا الى غیر ذلک بانه یدل بالالتزام على شجاعته وقد تواتر ذلک منه وان کان لم یبلغ شیٔ من تلک الجزئیات درجة القطع۔

واقعات میں کبھی احادیث کثیرہ ہوتے ہیں اور باہم مختلف ہوتے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک ایسے معنی پر جو باعتبار تضمن اور التزام کے مشترک ہوتا ہے مشتمل ہوتے ہیں تو اس قدر مشترک کا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا نام متواتر من جہۃ المعنی ہے اور یہ جیسے امیر المؤمنین کے حروب کے واقعات کہ جنگ بدر میں فلاں فلاں شخص والوں کو قتل کیا اور جنگ احد میں فلاں کام کیا وغیرہ تک تو یہ التزاماً آپ کی شجاعت پر دلالت کرتا ہے اور یہ متواتر ہے اگرچہ ان جزئیات میں سے کوئی بھی یقین کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔

شہید ثانی کی اس شہادت سے صریح مستفاد ہوتا ہے کہ اخبار کثیرہ میں معنی مشترک اگرچہ وہ بحیثیت التضمن والالتزام مدلول روایات ہو تاہم متواتر المعنی ہو کر مفید قطعیت کا ہوگا پس اگر روایات کثیرہ میں معنی مشترک مدلول روایات باعتبار مطابقت ہوگا تو وہ ادنیٰ یہ ہے کہ متواتر اللفظ ہو ورنہ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ متواتر المعنی ہوگا۔ اب اگر وقوع تحریف کی روایات کثیرہ کو تتبع کیا جاوے تو ہر ایک سلسلہ سند احادیث یعنی مجموعہ مفید تواتر کو ہے اور ثبوت وقائع امیر المؤمنین سے اس کا ثبوت بدرجہا زیادہ ہے تو وقوع تحریف کا تواتر بالاولویت ثابت ہوا کیونکہ وقوع تحریف کے ثبوت پر قطع نظر اس کے تو اتر کے قرآن فاطمہ بھی دلالت کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ بعد انتقال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنا بر اصول مسلمہ تشیع کو لوگ اہل بیت سے منحرف ہو گئے اور ان کے حقوق غصب کر کے خود خلفاء بن بیٹھے تو اس صورت میں [illegible] کے لئے جس قدر ہیں تھوڑے سے پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ [illegible] جمع و تالیف [illegible] ہے اور اہل بیت میں سے کسی کو [illegible] جناب امیر [illegible] نے جو قرآن مجید جمع کیا تو ان قرآن سے صاف پایا جاتا ہے [illegible] وقت ضرور [illegible] ہوئی تو اس سے ثابت ہوا کہ قرآن [illegible] تحریف کا وقوع [illegible] سے

جس کا انکار آپ جانتے ہیں کہ کیا حکم رکھتا ہے، پس آپ کے شیخ صدوق اور مرتضیٰ اور طوسی نے جو اس کا انکار کیا وہ انکار متواتر اور قطعی کا ہے اور ہرگز قابل التفات اہل دین و دیانت من المتشیعین نہیں ہے بلکہ حق وہی ہے جو آپ کے ثقۃ الاسلام کلینی اور ان کے استاد صاحب الامام نے فرمایا ہے۔ بسلمنا کہ یہ روایات احاد ہی سہی لیکن ہم کہتے ہیں کہ جب کہ خبر واحد موئید بالقرائن ہو تو اس وقت علی الاصح مفید علم یقین کو ہوتی ہے، اپنے شہید ثانی کی شہادت سنیئے۔

وخبر الواحد هو مالم تبلغ حد التواتر سواء كثرت رواته او قلت وليس شانه افادة العلم بنفسه نعم قد يفيده بانضمام القرائن اليه ويزعم قوم انه لا يفيد وان انضمت اليه القرائن والاصح الاول.

اور خبر واحد وہ ہے جو حد تواتر تک نہ پہنچے خواہ راوی اس کے بہت ہوں یا تھوڑے اور یقین کا فائدہ دینا بنفسہ اس کا کام نہیں ہاں اس کے ساتھ قرائن کے انضمام سے کبھی یقین کا فائدہ دیتی ہے اور ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ باوجود شمول قرائن کے بھی یقین کا فائدہ نہیں دیتے اور اول صحیح تر ہے۔

پس اگر اس کو متواتر نہ مانیں تو بھی باوجود اخبار احاد ہونے کے بانضمام قرائن مفید قطع کو ہے تو بھی مثل متواتر کے ہوا اور اس کا انکار مثل انکار متواترات کے سمجھا جائے گا۔ اور ہرگز قابل اعتبار نہ ہوگا۔ دوسری یہ کہ مرتضیٰ کا انکار ایک ایسی غلطی سے ناشی ہے اور ایسی خطا پر مبنی ہے جس غلطی کو علمائے طائفہ نے غایۃ تسلیم کر کے تصریح کی ہے وہ یہ کہ سید مرتضیٰ مدعی ہوا ہے کہ خبر واحد پر عمل جائز نہیں ہے اور یہی کمال دانش مندی سے قائل ہوا ہے کہ ہمارے مسائل فقہیہ متواترات سے ثابت ہیں حالانکہ سید کا یہ خیال بالکل غلط اور پوچ تھا شہید ثانی نے معالم الاصول میں لکھا ہے۔

قال العلامة في النهاية اما الامامية فالاخباريون منهم لم يعولوا في اصول الدين وفروعه الا على اخبار الاحاد المروية عن الائمة والاصوليون منهم كابي جعفر الطوسي وغيره وافق على قبول خبر الواحد ولم ينكره سوى المرتضى واتباعه لشبهة قد حصلت لهم وقد حكى المحقق عن الشيخ سلوك هذا الطريق في الاحتجاج للعمل بالاخبار المروية عن الائمة

علامہ نے نہایہ میں کہا ہے کہ امامیہ میں سے اخباریوں نے تو اپنے اصول اور فروع دین میں بجز اخبار احاد کے جو ائمہ سے مروی ہیں اور کسی پر اعتماد نہیں کیا اور ان میں سے اصولی مثل ابو جعفر طوسی کے خبر واحد کے قبول کرنے میں ان کے موافق ہوگئے اور بجز مرتضیٰ اور اس کے اتباع کے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور یہ بسبب ایک شبہ کے تھا جو ان کو پڑ گیا تھا اور محقق نے شیخ سے احتجاج میں اسی راستہ پر چلنا ائمہ کی احادیث مرویہ پر عمل کرنے کے سبب

مفتقرا عليه فادعى الاجماع على ذلك.

اس پر اقتصار کر کے حکایت کیا ہے اور اسپر اجماع کا دعوےٰ کیا ہے

اس سے صاف ثابت ہے کہ سید مرتضیٰ کا روایات احاد کے نسبت انکار صریح اس کی غلطی ہے اور آگے بھی اس کے تغلیط و تردید میں چار صفحے کے قدر صرف کئے ہیں اور ظاہر ہے کہ ما نحن فیہ میں بھی وقوع تحریف سے انکار اسی غلطی سے ناشی ہے کیونکہ جگہ جگہ اپنی دلیل میں اخبار کے ضعف و عدم اعتبار کو اپنا مستدل قرار دیتے ہیں اور یہ نہیں بیان کرتے کہ ان روایات میں کس وجہ سے ضعف ہے کوئی راوی فاسد المذہب یا کذاب وضاع درمیان سلسلہ سند کے واقع ہوا ہے یا کس وجہ سے ضعف ہے، اور عبارات منقولہ سے ظاہر ہے کہ ابو علی طبرسی کا انکار اور محمد بن الحسن طوسی کی تردید اتباع و تقلید آپ کے سید مرتضیٰ کی ہے اور وہ بنا فاسد علی الفاسد کے قبیلہ سے ہے ابو علی طبرسی بھی فرماتے ہیں وهو الذي نصره المرتضى اور طوسی صاحب بھی فرماتے ہیں وهو الذي نصرة المرتضى پھر جو کچھ دلائل ذکر کرتے ہیں وہ قطع نظر اس سے کہ معارض روایات قطعیہ کو ہیں ایسے مہمل اور لا طائل ہیں کہ ادنی تامل بلکہ بدون فکر و تامل کے بداہۃً غلط معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ مفسر صاحب صافی نے ان کو دو جملوں میں باطل کر دیا پھر ان دلائل کو قطعیات و یقینیات سمجھنا آپ کے محققین کی خوش فہمی ہے، رہے آپ کے صدوق صاحب قطع نظر اس سے کہ وہ کلینی اور ان کی اسناد وغیرہ کی تکذیب کر رہے ہیں اور ان کو جھوٹا بنا رہے ہیں دلیل کوئی نہیں بیان فرماتے بدون دلیل دعوے فرما رہے ہیں دعوے بلا دلیل آپ بھی جانتے ہیں مردود ہے پس بمقابلہ قائلین تحریف کے جن کا دعوے مع بینہ و برہان کے ہے بالکل لغو سمجھا جائے گا، اگر صدوق صاحب نے خلاف امر واقعی غلطی سے کوئی خاص عقیدہ اپنا لیا جس کی کوئی اصل نہیں تو وہ کیونکر قابل اعتبار سمجھا جائے گا پھر اس پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہی آپ کے صدوق صاحب فضائل میں جمع کرنا جناب امیر کا کتاب اللہ کو روایت کرتے ہیں ایک بڑی طویل حدیث جو جناب امیر نے اخو الیہود کو خطاب کر کے فرمائی اس میں حضرت کی وفات کے قصہ میں مذکور ہے۔

تملت نفسي من جمعه صلى الله عليه وآله وسلم وفاته بالزوم الصمت والتشاغل بما امرني من تجهيزه وتغسيله وتحنيطه وتكفينه والصلوة عليه ووضعه في حفرته وجمع كتاب الله وعهده ... ختمه لا

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میں نے اپنے نفس کو سکوت کے لازم کرنے اور جس کا مجھ کو حکم فرمایا تھا حضرت کے تیار کرنے اور نہلانے اور خوشبو لگانے اور کفن پہنانے اور آپ پر نماز پڑھنے اور قبر میں رکھنے اور کتاب اللہ کے جمع کرنے اور خلق اللہ کی طرف اس کی بیعت

يشغلني عن ذلك بادره مغه واهاج زفرة۔

کرنے سے) اس میں مشغول ہونے کے ساتھ صبر پر انگیختہ کیا کہ جس سے کوئی عمل نہ نکلے وہ نسو دہ ہیجان والا سانس نہ روک سکا تھا۔

کوئی حضرت کے اولیا سے پوچھے کہ جب کتاب اللہ شائع ذائع تھی اور اس میں اندیشہ تحریف نہ تھا تو آپ نے کیوں اس قدر عجلت کے ساتھ جمع فرمایا اور علاوہ اس کے [illegible] وہ اس کے مطابق ہے تو اس طرح کیوں ائمہ کے پاس صندوق تقیہ میں مخفی طور پر بند چلا آیا اور اگر اس کے [illegible] ہے تو صاف واضح ہے کہ یا اس قرآن میں تحریف ہے جو صحابہ نے جمع کیا اور یا اس میں حضرت امیر نے معاذ اللہ تحریف فرمائی جو خود جمع فرمایا (۳) علاوہ اس کے وہ روایات جو وقوع تحریف پر [illegible] مثبت ہیں اور منکرین تحریف کا دعوے محض نفی اور اول تو کوئی روایت اس مدعا کی مثبت پائی نہیں جاتی اگر پائی جائے گی تو وہ بھی نافی ہوگی اور ظاہر ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہے تو اس لئے دعوے منکرین تحریف کا باطل ہوگا و مثبتین کا ثابت (۴) ظاہر ہے کہ جس قدر روایات مثبت تحریف مروی ہوئی ہیں ان میں احتمال تقیہ بالکل منتفی ہے کیونکہ اس وقت تحریف کسی کا مذہب نہیں تھا جس کی رعایت کی وجہ سے تقیۃً ائمہ نے ایسا ارشاد فرمایا ہو اور وہ روایات کہ جن کا شیخ طوسی اپنے استدلال میں حوالہ دیتے ہیں اور ان روایات پر [illegible] کر کے تحریف کو ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں جو حث علی التلاوۃ پر دلالت کرتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کہ [illegible] موجود کی نسبت ہو بلکہ بشرط دستیابی اس اصلی قرآن کی نسبت ہوگا جو خاص [illegible] سے سنا کر وہ یہی قرآن مجید ہے جو اہل سنت کا قرآن ہے لیکن جائز ہے کہ اس کی نسبت حسب [illegible] حضور [illegible] جواب محض تقیہ کے طور پر ارشاد ہوا ہوگا جب خلفاء کے ساتھ بیعت اور ان کے ساتھ نشست و برخاست اور ان کے موافق خلاف واقع مسائل کا اظہار پایا جاتا ہے جس کے لئے [illegible] کو بجز تقیہ کے اور کوئی مساغ نہیں ہے تو اس کے تقیہ پر محمول ہونے کو کون مانع ہے ہونی [illegible] شیعہ کا عجب حال ہے کہ اصول دین میں کوئی بھی بات کوئی کچھ کہتا ہے [illegible] [illegible] کی وجہ سے پہلے کسی نے بے سوچے سمجھے کچھ فرمایا اور [illegible] دوسرے حضرات نے [illegible] [illegible] اہلسنت میں گرفتار ہو کر بخوف غلطی سے [illegible] [illegible] ہو کر [illegible] [illegible] [illegible] کی تکذیب کرتے گئے اور [illegible] سمجھے کہ اہلسنت کب [illegible] چھوڑنے والے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

فاضل مجیب سے دریافت کرے کہ حضرت جب بعد انتقال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے اور تمام صحابہ کو رہنے دو خلفاء اور ان کے اولیاء و اتباع جن کا معاذ اللہ ایمان سرے ہی سے نفاق آمیز تھا تو وہ کون لوگ تھے جن کی عنایت قرآن مجید کے ضبط کی طرف شدید تھی اور وہ کون سے علماء مسلمین تھے جو اس کی حفظ و حمایت میں غایت قصوے کو پہنچے ہوتے تھے اور وہ کون بزرگوار تھے جنھوں نے یہاں تک کوشش کی کہ قرآن کے اختلاف اعراب و قرآت و حروف و آیات تک کی معرفت حاصل کی، خدا کے لئے بلا رد و رعایت فرما دیں کہ یہ لوگ کامل الایمان اور ارکان دین اسلام تھے یا کافر و منافق اور یہ لوگ اعاظم اہلسنت تھے یا اکابر اہل تشیع اور یہ حضرات وہی صحابہ و تابعین تھے جن کو تم کافر و منافق کہتے یا کوئی دوسرے جنھوں نے ایسے فتنوں میں قرآن کی اس درجہ حفظ و حمایت و ضبط و صیانت فرمائی پس اگر یہ وہی لوگ ہیں جن کو تم برا کہہ کر اپنے نامہ اعمال روشن کرتے ہو تو خدا کے لئے ذرا تو سوچو اور سمجھو اور اپنے صنیع سے باز آؤ اور یہ جو طوسی صاحب روایات مثبت تحریف کی نسبت فرماتے ہیں لانہ یمکن تاویلہا حضرت کے کمال تبحر پر دال ہے نفس دعوے امکان فرما کر چھوڑ گئے اور یہ نصیب نہ ہوا کہ کوئی تاویل ان روایات کی بیان فرماتے جب ان روایات کے مخالف سمجھے تھے تو واجب تھا کہ ان روایات کی معقول تاویل کرتے سو خیر اب ہم اپنے فاضل مخاطب سے جو ان کے اس مسئلہ میں مقلد ہیں دریافت کرتے ہیں کہ آپ ہی ان روایات کی مثل مشہور اگر پدر نتواند پسر تمام کند کچھ فرما دیں اور اس ندامت کا بار طوسی صاحب کی گردن سے اتار دیں۔

طوسی اور طبرسی کا قرآن میں زیادتی کے بطلان کو مجمع علیہ کہنا غلط ہے

اب رہا یہ کہ طبرسی اور طوسی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ زیادتی کا بطلان مجمع علیہ ہے یہ بھی روایات مذکورہ سے صریح غلط معلوم ہوتا ہے اور جب کلینی و رقی نے ان کو تسلیم کر لیا ہے تو زیادتی اور نقصان دونوں ان کے نزدیک تسلیم ہوتے قطع نظر اس سے بالفرض اگر زیادتی کا بطلان مجمع علیہ ہے تو تحریف کچھ زیادتی میں ہی تو منحصر نہیں بلکہ نقصان بھی تحریف ہے تقدیم و تاخیر بھی تحریف ہے اس غلط بات سے کیا فائدہ حاصل ہوا اول خود غلط اور اگر صحیح ہو بھی تاہم مفید نہیں [illegible] سے بے فائدہ ہوا کہ آپ کے نزدیک نقصان ثابت ہے لیکن اس کا [illegible] اور حشویہ کی روایت بڑھا [illegible] ہیں ہم کو بڑا افسوس اور نہایت حیرت ہے کہ علی بن ابراہیم قمی جیسا عالی مرتبہ شخص جو امام زمان کا صحابی اور شاگرد ہو اور اس کی تفسیر ماخوذ امام کی تفسیر سے ہو اس کی روایات کو اپنے واہیات ہوس سے [illegible]

پیج ہے الغریق یتشبث بکل حشیش رجال شیعہ میں سب سے اول حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھا ہے۔

وبعد فهذه رسالة فی معرفة مشائخ الشیعة تغمدهم الله تعالی بالرحمة منهم الشیخ علی بن ابراهیم بن هاشم صاحب الامام الحسن العسکری ذو الفضل والافضال وهو صاحب التفسیر الذی فی فضل اهل البیت المشتمع من تفسیر الامام المذکور۔ انتهی۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ رسالہ مشائخ شیعہ کی معرفت میں ہے خدا ان کو اپنی رحمت کے ساتھ ڈھانکے منجملہ ان کے شیخ علی بن ابراہیم بن ہاشم امام حسن عسکری کا یار بزرگیوں والا ہے اور وہ صاحب تفسیر ہے فضل اہل بیت میں جو امام مذکور کی تفسیر سے اخذ کی گئی ہے۔

پھر محمد بن یعقوب الکلینی بھی کچھ مرتبہ میں کم نہیں بلکہ زیادہ ہے غالباً اس کی کتاب کافی امام زمان پر پڑھی جا چکی ہے اور بشہادت امام اس کی تصویب و تصحیح ہو چکی ہے تو ایسے عدول و ثقات کی روایات کی تغلیط و تضعیف اور تردید و تزئیف کرنا تشیع سے دست بردار ہونا ہے پس جن حضرات شیعہ نے تحریف قرآن کا خلاف اپنے مذہب راجح و منصور کے انکار کیا وہ حضرت تشیع سے خارج ہوتے اور اہل سنت میں شامل ہونا چاہا کیونکہ جن صحابہ ارکان اسلام کو برا کہنا اور بد اعتقاد کرنا جزو مذہب سمجھ رکھا تھا اور جس پر مدار تشیع تھا ان کی خوبی اور عدالت و ثقاہت کے قائل ہوئے اور جن کو ارکان دین سمجھتے تھے اور ان کے حق میں یہ اعتقاد کرتے تھے کہ لولاهم لانقطعت آثار النبوة ان کی برائی کے گویا قائل ہوئے تو اس صورت میں تمام تشیع درہم برہم ہو گیا چونکہ اس کی تفصیل میں طول ہے اس لئے اس کو فی الحال ذکر کیا پر چھوڑتے ہیں غرض اکابر شیعہ منکرین تحریف نے انکار تو کیا مگر یہ نہ سمجھے کہ یہ کلہاڑی اپنی ہی پاؤں پر پڑتی ہے ہماری اس تمام بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کلام مجید میں تحریف کا واقع ہونا بنا بر مذہب تشیع راجح اور منصور ہے اور جو لوگ اس کے قائل ہوتے ہیں انھوں نے راجح اور منصور کو اختیار کیا ہے بلکہ فی حقیقت مذہب تشیع انھوں نے ہی اختیار کیا ہے اور جن لوگوں نے اس سے انکار کیا وہ خود مذہب تشیع کے ہیں اور وہ خود جو اس غلطی میں پڑتے ہیں جب وہ فوراً تنگ ہوئے تو اس کو اختیار کیا چنانچہ ہمارے فاضل مخاطب نے بھی چونکہ مذہب کی کتابیں نہیں دیکھیں صرف مناظرہ کی کتابوں پر مشغوف رہے اس لئے بے سوچے سمجھے ان کی تقلید فرمائی تو اس سے ثابت ہوا کہ جو غرض ہماری تھی قرآن کا محرف ہونا مسلمات شیعہ سے سو وہ بالکل حق اور مطابق واقع کے تھا کیونکہ جب

اکابر شیعہ نے مثل کلینی اور قمی اور طبرسی کے اس کو بنا بر اصول مذہب خود تسلیم کر لیا تو اس پر مسلمات شیعہ سے ہونا صادق آ گیا اگرچہ بعض نے اس کو تسلیم نہ کیا ہو علی الخصوص جب کہ معترفین کا قول مستند دلائل قاطعہ شرعیہ کی طرف ہو اور منکرین کا انکار مخالف دلائل قاطعہ محض توہمات سے ناشی ہو اور لغو اور لاطائل ہو تو اس وقت اس کا مسلمات شیعہ سے ہونا بالبداہت ثابت ہو گا پس ہمارے مخاطب کا انکار صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے مذہب سے بھی بفضلہ تعالیٰ واقفیت نہیں رکھتے غرضکہ تحریف قرآن کا مسلمات شیعہ سے ہونا بخوبی ثابت اور اس کا انکار کرنا سراسر باطل ہے اگر آپ اور آپ کے صدوق و مرتضی یہ چاہیں کہ چند خرافات سے اس رخنہ اور خلل کو بند کریں جو اکابر شیعہ نے اپنے دین میں ڈالا ہے تو واضح رہے کہ یہ محض خیال محال ہے قیامت تک بھی ممکن نہیں بیت

دردست طبیب ست علاج ہمہ دردی ۔۔۔ دردی کہ طبیبت دہد آنرا چہ علاج

متاخرین علما شیعہ کی تحقیقات سے تحریف کا ثبوت

ہاں اس قدر گذارش باقی رہ گئی آپ یہ فرمائیں گے کہ اس بحث میں جہاں تک استدلال کیا گیا ہے وہ متقدمین کی روایات اور ان کے اقوال سے استدلال کیا ہے حالانکہ ان کی روایات و اقوال بمقابلہ تحقیقات متاخرین کے تقویم پارینہ کے حکم میں ہیں اس لئے ہم اس وقت تسلیم کریں جب کہ متاخرین علماء میں سے کسی نے تحریف کو تسلیم کیا ہو تو لیجئے بحول اللہ ہمارے پاس آپ کے بعض متاخرین کی بھی تصریح موجود ہے ملاحظہ فرمائیے اور انصاف کیجئے آپ کے قبلہ و کعبہ رسالہ بارقۂ ضیغمیہ میں فرماتے ہیں چون این نظم قرآنی نظم عثمانیست بر شیعیان احتجاج بان نشاید۔ اب اس جملہ کو ملاحظہ فرمائیے اور جو کچھ میں نے عرض کیا تھا اس سے مطابق کر لیجئے کسی قدر بڑھ کر ہی پائے گا اور لیجئے آپ کے قبلہ و کعبہ مجتہد العصر لکھنوی عماد الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں

بعد اللتيا والتي مقتضى تلك الاخبار ان التحريف فی الجملة فی هذا القرآن الذی بين ايدينا بحسب زيادة بعض الحروف ونقصانه بل بحسب بعض الالفاظ وبحسب الترتيب فی بعض المواضع قد وقع بحيث مما لا يشك فيه مع تسليم تلك الاخبار

چنان و چنین کے بعد مقتضی ان احادیث کا یہ ہے کہ اس قرآن میں جو ہمارے ہاتھوں میں ہے باعتبار زیادتی اور کمی بعض حروف کی بلکہ باعتبار بعض الفاظ کے اور بعض مواقع میں باعتبار ترتیب کے۔ بالتحقیق تحریف اس طرح واقع ہوئی ہے جس میں بعد تسلیم ان روایات کے کچھ شک نہیں کیا جاتا۔ ہاں اس زمانہ میں ان تحریفات

نعم لا مجال لعقولنا في هذا الزمان بحصول
الجزم بأحد الوجوه المحتملة عند العقل لكيفية
وقوع تلك التحريفات بعينه فان الاحتمالات
فيها كثيرة (الى ان قال) ومنها انه معلوم من
حال النبي كما لا يخفى على المتفحص
الزكي ذي الحدث الصائب انه مع كمال
رغبته على تخليفه عليا كان في غاية
التقية عن قومه ولهذا عندي
دليل وامارات لا يسع المقام ذكرها فيحتمل
عند العقل ان النبي حفظا لبيضة الاسلام
الظاهري اودع القرآن النازل المشتمل على
نصوص اسماء الائمة واسماء المنافقين عند
محارم اسراره كعلي بامر الله لئلا يرتد القوم
باسرهم لما عرفوا حالهم وعدم احتمال ذلك
فظهر منهم بعد ما علموا مصلحة في اظهاره
ومما كانوا هموا باعتراض للنبي على
ذلك كان الاسناد اليهم في محله عن زمام وغيره

کے وقوع کی کیفیت کے لئے وجوہ محتملہ عند العقل میں
سے کسی وجہ خاص کے یقین حاصل ہونے کی ہماری عقول
کی مجال نہیں کیونکہ اس میں بہت احتمالات ہیں یہاں تک
کہ کہا منجملہ ان کے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال
معلوم ہے چنانچہ متفحص زکی حدث صائب والے پر مخفی
نہیں ہے کہ آپ باوجود علی کے خلیفہ بنانے کی نسبت
کمال رغبت کے اپنی قوم سے غایت درجہ تقیہ میں تھے
اور میرے پاس اس کے لئے دلائل اور علامات ہیں جن
کے ذکر کی اس جگہ گنجائش نہیں پس عقل کے نزدیک محتمل
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری اسلام کے بیضہ کی
حفاظت کے لئے اترے ہوئے قرآن کو جو شامل ائمہ اور
منافقین کے ناموں کی تصریح پر مشتمل تھا اپنے رازداروں کے پاس
مثل علی کے اللہ کے حکم سے ودیعت رکھا ہو تاکہ تمام قوم مرتد نہ ہو
جائے جب ان کے حال سے اس کا متحمل نہ ہونا معلوم کر لیا تو بعد
اس کے جس کے اظہار میں مصلحت معلوم ہوئی ان پر ظاہر کیا
اور جب کہ اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی باعث ہوئی
تو ان کی طرف اس کی نسبت کرنا بجائے خود ہموار

اپنے قبلہ وکعبہ کی تصریح وشہادت کو ملاحظہ فرماویں کہ آپ کے قبلہ وکعبہ کس وثوق واعتماد اور یقین واذعان کے ساتھ ثبوت اور وقوع تحریف کے باعتماد وتسلیم روایات مثبتہ تحریف معتقد اور قائل ہیں ہاں اگر مجتہد المتشیعین کو شک وتردد ہے تو اس امر میں ہے کہ وقوع تحریف کیونکر ہوا چنانچہ منجملہ محتملات کے آپ کے حضرت مجتہد صاحب کی راستے میں وقوع تحریف کا ایک یہ بھی احتمال ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بامر خداوندی قرآن کو دو طرح مرتب کیا ایک وہ جو تمام وکامل تھا اور اس میں نصوص اسماء ائمہ واسماء منافقین درج تھے اس کو تو اپنے محرم اسرار کے پاس صندوق تقیہ میں ودیعت رکھا اور دوسرا وہ کہ جس میں سے اسماء ائمہ اور اسماء منافقین خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بامر خداوندی نکال کر بقدر مصلحت عام لوگوں میں ظاہر فرمایا اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اپنے ظاہری ایمان

نفاق آمیز سے بھی دست بردار ہو جائیں۔ اور اگرچہ یہ مسخ وتحریف معاذ اللہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمائی اور گو خدا تعالیٰ کے حکم سے ہی کی۔ لیکن چونکہ اس کے سبب خلفاء ہی تھے اس لیے تحریف کو ان کی طرف نسبت کرنا بجائے خود ہے۔ سبحان اللہ واہ واہ۔ حضرت مجتہد العصر الحاضر نائب الامام الغائب نے کیا تحقیق حق کی داد دی اس تنقیح میں کیا جواہر ٹانکے اور کیا موتی پروئے ان کے اولیاء و اتباع اس پر جس قدر ناز کریں بجا ہے اور جتنا فخر فرمائیں زیبا۔ میری زبان وقلم میں طاقت نہیں کہ اس کی تعریف وتوصیف کروں اور نہ اس قدر گنجائش وقت ہے کہ حضرت مجتہد کی خوش فہمی اور کمالات علمی کو ظاہر کروں مگر افسوس اس کا ہے کہ باوجود علو مرتبہ تحقیق پھر صدوق المتشیعین کی شہادت کے موافق کاذب اور جھوٹے اور ہمارے فاضل مخاطب کے مذاق کے موافق دائرہ ایمان سے خارج کیونکہ ہمارے فاضل مجیب کے نزدیک اہل ایمان کا اجماع عدم تحریف پر ہے تو معلوم ہوا کہ جو لوگ تحریف کے قائل ہیں وہ اہل ایمان سے خارج ہیں تو ثابت ہوا کہ مجتہد صاحب اور کلینی اور قمی وغیرہ جو اکابر اہل تشیع ہیں وہ فاضل مجیب کی شہادت کے موافق اہل ایمان میں شمار نہیں کئے جاتے۔ فی الواقع ہمارے فاضل مخاطب نے جو یہ جملہ تحریر فرمایا ہے۔ کتاب اللہ کی تعظیم وتکریم وتقدیم اجماعی اہل ایمان ہے حاشا کہ اس میں کچھ بھی اختلاف ہو صحیح اور مطابق واقع اور نفس الامر کے ہے اور قضیہ جزئیہ حق بر زبان جاری شود کا مصداق ہے بے شک ہم بھی مانتے ہیں کہ کتاب اللہ کی تعظیم وتکریم وتقدیم اجماعی اہل ایمان ہیں جو لوگ اہل ایمان ہیں حاشا کہ ان میں کتاب اللہ کی نسبت کچھ بھی اختلاف ہو اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں بے شک وہ اہل ایمان سے نہیں جو قرآن کہ اب عند الناس موجود ہے جو اہلسنت کے بچہ بچہ کی نوک زبان ہے بلا کم وکاست یہ وہی قرآن ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور بلا تقدیم وتاخیر اسی ترتیب کے ساتھ ہے جو ترتیب کہ لوح محفوظ میں ہے گو نزول میں باعتبار مصالح تقدیم وتاخیر ہوئی۔ پس جو شخص یہ کہے کہ اس میں کسی نوع کی تحریف ہوئی وہ جھوٹا بلکہ دائرہ ایمان سے خارج ہے۔ الحمد للہ کہ یہ مضمون جو ہم کو بجشم استدلال سے ثابت کرنا چاہیے تھا وہ فاضل مخاطب کے اعتراف سے ثابت ہو گیا ہم اس عنایت کے شکرگزار ہیں۔

کلینی اور تاریخ ابن قتیبہ کے شیعہ کے نزدیک قرآن سے زیادہ معتبر ہونے کا ثبوت

رہا یہ کہ ہمارے فاضل مخاطب نے صاحب منتہی الکلام و صاحب تحفہ اکرم اللہ نزلہما کی نسبت یہ اعتراض نہایت طعن و تشنیع کے ساتھ فرمایا تھا کہ وہ بلا دلیل کافی کلینی اور تاریخ ابن قتیبہ کو شیعہ کے نزدیک قرآن سے زیادہ صحیح اور معتبر فرماتے ہیں اور کچھ نہیں شرماتے۔ پس اس کا جواب اگرچہ اہل فہم اس بحث سے سمجھ گئے ہوں گے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر کسی قدر تصریح کی جاوے واضح ہو کہ صحت و اعتماد کا مدار اس پر ہے کہ سلسلہ سند کا اصل ماخذ تک معتمد اور قابل طمانیت ہو جس قدر اس سلسلہ سند میں وثوق زیادہ ہوگا اسی قدر متن میں صحت و اعتماد زیادہ ہوگا یہاں تک کہ اسی کی بدولت درجہ قطعیۃ کا بھی حاصل ہو سکتا ہے اور جس قدر اس میں کمی اور کوتاہی ہوگی اسی قدر متن میں عدم صحت و اعتماد ہوگا۔ پس اب قرآن شریف کے سلسلہ سند کو بنا بر اصول شیعہ ملاحظہ فرمایئے کہ اگرچہ اس کی طرف عنایت و اہتمام شدید ہو اور دواعی وافر ہوں اور عموماً درس تدریس شائع ذائع ہو تاہم قرن اول میں جو لوگ منتہی سلسلہ سند کے تھے اور جو لوگ بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کرنے والے تھے اور جن کو ایسا غلبہ تھا کہ ان کے غلبہ کے مقابلہ میں کسی کو چون کرنے کی گنجائش نہ تھی انھوں ہی نے مجتمع ہو کر قرآن کو تالیف و جمع کیا اور کسی کو اس میں شریک نہ کیا، موافق ان حالات کے کہ جو اہل تشیع ان کی نسبت بیان کرتے ہیں ان کی جمع و تالیف ہر ذی عقل کے نزدیک ہرگز قابل اعتبار و لائق اطمینان کے نہیں سمجھی جاتی یہ ہی وجہ ہے کہ شیعہ ان کی روایات کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں صحیح نہیں سمجھتے۔ اگر ان کی نقل قابل اعتبار کے ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ قرآن میں ان کی نقل و روایت کو صحیح اعتبار کر لیا اور حدیث میں صحیح کیوں نہیں تسلیم کرتے حالانکہ قرآن احق بالاحتیاط تھا، اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ یہ تسلیم کیا جاوے کہ ائمہ نے تقیہ کے لباس میں ہمیشہ اس قرآن کی مدح و ثنا فرمائی ہو اور کبھی اس کی تحریف کی نسبت کچھ نہ فرمایا ہو تب باعتبار فساد سند کے قابل تسلیم صحت نہیں، لیکن علاوہ خرابی سند کے جب یہ بھی اس کے ساتھ منضم کیا جاوے کہ ائمہ ہمیشہ اپنے اپنے زمانہ میں اس کو محرف فرماتے رہے اور اپنے شیعیان خاص کو اس راز مخفی پر متنبہ کرتے رہے تو اس حالت میں یہ قرآن اصول تشیع پر ہرگز قابل اعتماد نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی صحت تسلیم کی جا سکتی ہے یہ قرآن مثل ان احادیث کے ہوگا جو بواسطہ ان صحابہ کے مروی ہوں اور ان کی تکذیب ائمہ نے کی ہو جیسا شیعہ کے نزدیک

اس کا اعتبار نہ ہوگا اسی طرح قرآن کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد کافی وغیرہ کتب معتبرہ قوم کو لیجئے اور ان کے سلسلہ سند کو ماخذ تک ملاحظہ فرمایئے اس میں کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا جو مثل رواۃ کتاب اللہ کے غیر معتمد ہوگا جس قدر رواۃ ہیں وہ سب ثقہ و عدول امامیہ ہیں تو اس اعتبار سے دیکھیئے کہ کلینی کی صحت کس درجہ کو ہوگی ظاہر ہے کہ قرآن کی صحت سے بدرجہا زیادہ ہوگی علاوہ اس کے قرآن کی نسبت جیسا ائمہ کی تکذیب مروی ہے بجائے اس کے کلینی کی نسبت جو اقدم الاصول الاربعہ ہے ائمہ سے اس کی تصویب و تصحیح مروی ہے چنانچہ امام زمان پر غالباً پیش ہو چکے اور ان کے ملاحظہ سے گذر چکے تو اس کا صحت و اعتماد درجہ قصویٰ کو پہنچ گیا تو اس وجہ سے قرآن کی صحت و اعتبار میں اور کلینی اور تاریخ ابن قتیبہ کے اعتبار میں زمین و آسمان کا فرق ہوا۔ حضرات شیعہ قرآن کی نسبت بے باکانہ کہہ دیتے ہیں، این قرآن نظم عثمانیست احتجاج بآن بر شیعیان نشاید، آج تک کسی نے کلینی کی نسبت بھی ایسا کلمہ فرمایا ہے بحسب تحریر مفسر صافی ابو علی طبرسی کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب سیبویہ اور کتاب مزنی اور دواوین شعراء سب کی سب قطعی ہیں ان میں کسی قسم کی تحریف و الحاق نہیں ہوا تو مثل ان کی کتاب کافی کلینی وغیرہ کتب مشہورہ کی صحت نقل بھی مثل علم بالبلدان اور وقائع عظام کے متواتر اور قطعی ہوئی اور قطعاً و یقیناً کسی قسم کی تحریف و الحاق کا اشتباہ ان میں ہرگز نہیں، چنانچہ صاحب فوائد مدنیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور بالغرض اگر قرآن میں تحریف یقینی نہیں تو ظنی اور احتمالی تو ہے تو اس صورت میں آپ ہی انصاف سے فرمایئے کہ قرآن کی صحت اور اس پر اعتماد زیادہ ہونا چاہیئے یا کتاب کافی کلینی وغیرہ پر۔ افسوس کہ آپ کو اپنی کتابوں کی نصوص اور اپنے علماء کی تصریحات کی بھی واقفیت نہیں پھر اس پر جوش و خروش یہ کچھ کہ علماء اہلسنت پر طعن کرنے کو آمادہ ہوتے ہیں پس اس ہماری گذارش سے سمجھ لیا ہوگا کہ صاحب منتہی الکلام اور تحفہ رحمۃ اللہ علیہما نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے کہ کتاب کافی کلینی یا تاریخ ابن قتیبہ یا نہج البلاغت وغیرہ شیعہ کے نزدیک کتاب اللہ سے زیادہ صحیح اور معتمد ہیں وہ مطابق واقع کے ہے اور بلا دلیل نہیں ہے لیکن صرف اس کو بدیہی سمجھ کر دلیل سے تعرض نہیں کیا پس اس پر ہمارے فاضل مخاطب کا اعتراض آپ کی خوش فہمی اور حیا و شرم و ایمان سے ناشی ہے۔ والحمد للہ کہ ہم اپنے دعوے میں سچے ہوئے اور تحریف کا مسلمات شیعہ سے ہونا بدلائل واضح ثابت ہوا اب جواب سننے کے منتظر ہیں۔

قولہ : اور اگر آپ کے علماء نے کتاب اللہ کا محرف ہونا اس لئے ہماری طرف منسوب کیا ہے کہ ہماری بعض روایتوں میں وقوع تحریف تغییر قرآن وارد ہے تو سنیئے روایات مذہبی پر کسی امر کا لازم ہونا اور شی ہے اور تصریح اس مذہب والوں کی اس کا لزام پر اور چیز ہے۔ ان روایات تحریف سے ہے

غایۃ الامر اس کا لزوم ثابت ہوگیا نہ تصریح اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب والد ماجد صاحب تحفہ نے کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تصریح کی ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں اور لازم کی نسبت ملزوم کے قائل کو جب کہ اس نے لازم کے برخلاف تصریح کی ہو جائز نہیں ہے۔ اس کتاب کی یہ عبارت ہے۔ فان قیل یلزم من الاختلاف فی کونہ سبحانہ فی جہۃ ان یکون حادثا قلنا لازم المذہب لیس بمذہب لان المجسمۃ جازمون بانہ تعالیٰ فی جہتہ وجازمون بانہ قدیم ازلی لیس بحادث فلا یجوز ان ینسب الی مذہب من یصرح بخلافہ وان کان لازما لقولہ۔ اور ائمہ اہلسنت نے بھی یہ ہی لکھا ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہے۔ پس جب آپ کے علماء کے قول سے یہ ثابت ہوگیا کہ لازم مذہب مذہب نہیں تو آپ کا یہ کہنا کہ مسلمات شیعہ سے ہے غلط محض ہوا۔

عین مذہب اور لازم مذہب کی تحقیق

اقول: سبحان اللہ ہمارے فاضل مخاطب نے کیا روشن اور واضح اور کس قدر مضبوط اور قوی دلیل بیان فرمائی ہے۔ کہاں ہیں اہل انصاف اور کدھر ہیں اہل عدل وداد کہ ذرا اس دلیل پر ہمارے فاضل مجیب کو داد دیویں اور شاباش کہیں اگرچہ بفضلہ آپ کی تمام اس تحریر کی تقریباً یہ ہی کیفیت ہے مگر یہ ایسی دلیل ہے کہ شاید ایسی دوسری کوئی نہ ہو گی جس نے بالکل آپ کے علم وفضل کی قلعی کھول دی اور آپ کے علمی اور انصافی دعووں کا بخیہ ادھیڑ دیا۔ افسوس کہ یہ دلیل صدوق المتشیعین اور مرتضیٰ وطوسی وطوسی وغیرہ صاحبان کو نہ سوجھی ورنہ شدت فرح سے عجب نہیں کہ شادی مرگ کا قصہ پیش آتا۔ اس ایک نکتہ میں ہزارہا اشکالات حل ہوگئے صدہا اعتراضات دفع ہو گئے جب کسی خصم نے کوئی آیت یا روایت پیش کی جھٹ کہہ دیا کہ یہ قابل احتجاج نہیں کیونکہ لازم مذہب ہے اور لازم مذہب اور مذہب میں بڑا فرق ہے۔ یہ تو سب کچھ مگر اب تک ہماری نظر میں نہیں آیا کہ مذہب کس کا نام ہے اور کس جانور کو کہتے ہیں کیا مذہب وہ نہیں ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا کیا مذہب اس کو نہیں کہتے جس کی رسول نے تصریح کی کیا مذہب اس کا نام نہیں جو ائمہ سے یکے بعد دیگرے بتواتر غیر محتمل التاویل ثابت ہوا اگر یہ عین مذہب نہیں ہے اور لازم مذہب ہے تو کیا عین مذہب وہ ہے جو خاص ابوالحسن اور ابوجعفر کی زبان وقلم سے نکلا ہو کیا عین مذہب وہ ہے جو خاص صدوق اور طوسی وغیرہ نے ایجاد فرمایا ہو۔ پھر اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ روایات کے مدلول مطابقی کو روایات کا لازم

سمجھتے ہیں اور روایات کو مذہبی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ امر اطفال مدرسہ پر بھی مخفی نہ ہوگا کہ مدلول مطابقی بلکہ تضمنی تک لازم نہیں ہوا کرتا پس کل روایات کو مذہبی کہنا اور ان کی مدلول مطابقی کو لازم تصور کرنا ایک ایسی بدیہی غلطی ہے جس سے شاید فارسی خوانوں کو بھی شرم آئے اور ادنیٰ طلباء کو بھی عار وننگ ہو اور افسوس کہ ہمارے فاضل مخاطب کا مایہ افتخار وناز ہے۔ مصرع: بہ بین تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا۔ پس یہ تقریر سراسر مہمل اور پوچ ہے اور یہ استدلال بالکل لغو اور لچر ہے اگرچہ اس کے ابطال کے واسطے کسی دلیل کی حاجت نہ تھی کیونکہ بداہتہ باطل ہے لیکن تاہم مزید اطمینان کے لئے ہم اس کا بطلان دلائل واضح سے بھی ثابت کرتے ہیں۔ اولاً یہ کہ عین مذہب عموماً اہل اسلام کا وہی ہے جو حکم کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ سے قطعاً یا ظناً بروایت صحیحہ ثابت ہوا اور خصوصاً شیعہ کے نزدیک جو حکم اس طریق کے ساتھ ائمہ سے بھی ثابت ہو وہ بھی عین مذہب ہے پس جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ائمہ سے بسند معتبرہ یا کتاب اللہ سے ثابت ہوگا وہ عین مذہب ہوگا۔ علماء واکابر مذہب کو اگر اس میں دخل ہے تو اسی قدر ہے کہ یہ سلسلہ سند جس کے واسطہ سے یہ حکم ہم تک پہنچا ہے قابل اعتماد ہے یا نہیں یا یہ کہ کسی دوسرے حکم کے سبب سے جو بہ نسبت اس کے قوی ہے یہ حکم ماؤل اور مصروف عن الظاہر یا منسوخ ہے کہ نہیں یا یہ کہ باشتراک علت اس سے اور جزئیات کیا کیا پیدا ہوتے ہیں بجز ان چند باتوں کے علمائے مذہب کو نصوص روایات مذہب کے تغیر وتبدل اور مذہب اور غیر مذہب ہونے میں کچھ دخل نہیں ہے پس یہ کہنا کہ روایات کا مدلول لازم مذہب ہوتا ہے سراسر غلط اور لغو ہے جب کوئی روایت باعتبار اپنے سلسلہ سند کے صحیح ہے اور کسی دوسری قوی وجہ سے مصروف عن الظاہر نہیں ہے تو وہ عین مذہب ہے خواہ اس کی نسبت کوئی تصریح کرے یا نہ کرے بلکہ اگر اس کے خلاف کوئی تصریح کرے وہ باطل اور غیر مسموع ہے بلکہ اگر اس کا ثبوت بالقطع ہے تو اس کا خلاف بلا دلیل الحاد وزندقہ ہوگا اور جب کوئی روایت کسی وجہ سے مصروف عن الظاہر ہوگئی تو اس کا ظاہری مدلول نہ مذہب ہے نہ لازم مذہب بلکہ اس کا محمل بعید مذہب ہوگا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ تحریف قرآن ائمہ سے بروایات صحیحہ متصلہ متواتر المعنی ثابت ہوا ہے اور علماء واکابر اہل تشیع نے ان روایات کو معتمد اور صحیح تسلیم کر کے وقوع تحریف کو تسلیم کر لیا ہے اور جن بعض علماء نے وقوع تحریف کا انکار کیا ہے ان کے پاس کوئی دلیل شرعی نہیں ہے جس کو اپنے دعوے کے اثبات کے لئے اپنا مستدل قرار دیں ان کے انکار کی بنا شکنجہ انتظار اہل حق میں مبتلا وگرفتار ہو کر محض توہمات وتخیلات پر ہے ان کے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں کہ جس کی وجہ سے ان روایات کو مصروف عن الظاہر [illegible] کہا جائے [illegible] نہیں ہے کہ [illegible] روایات کا خلاف ظاہر کوئی محمل بیان کر سکیں

پس جب ان روایات کی نہ تغلیط و تضعیف کر سکتے ہیں اور نہ کسی دوسرے محمل خلاف ظاہر پر محمول کر سکتے ہیں نہ کوئی حجت شرعیہ ان کے پاس موجود ہے تو ایسی حالت میں ان روایات سے کسی طرح عدول ممکن نہیں ہے اور یہ روایات عین مذہب ہوں گی نہ لازم مذہب۔

شیعہ کے اصولی عقائد کی رو سے قرآن میں تحریف کی عقلی دلیل

ثانیاً یہ کہ اہل اسلام کو عموماً جو کچھ کتاب اللہ میں یا احادیث رسول اللہ میں وارد ہوا اور شیعہ کو خصوصاً علاوہ اس کے جو کچھ کہ اقوال ائمہ سے ثابت ہو اس کی حقیت و صحت کا اعتقاد و اعتراف واجب و متحتم ہے اور جو کچھ خدا تعالیٰ اور رسولؐ اور ائمہ نے خبر دی اس کی تصدیق واجب ہے اور انکار ہرگز جائز نہیں کیونکہ اس میں کذب کو دخل نہیں جب ائمہ نے بتواتر وقوع تحریف کی خبر دی پس وہ خبر یا مطابق واقع کے ہے یا نہیں اگر مطابق واقع کے نہیں ہے تو امام معصوم کے کلام میں کذب لازم آیا اور یہ محال ہے تو ثابت ہوا کہ مطابق واقع کے ہوگی تو اس کا اعتراف حقیت اور اعتقاد وقوع واجب ہوا خواہ وہ مذہب ہے یا لازم مذہب ہے۔ ثالثاً یہ کہ اگر آپ کا فرمانا صحیح ہے اور مدلول روایات لازم مذہب ہے مذہب نہیں اور لازم مذہب موجب طعن و مواخذہ نہیں ہوتا تو آپ کے قبلہ و کعبہ مولوی دلدار علی نے عماد الاسلام میں بڑی سخت غلطی کھائی کہ وقوع تحریف کو بنا بر اقتضاء روایات کے یقینی بیان فرما کر اس کے محتملات کے بیان کی طرف متوجہ ہوئے جب وقوع تحریف لازم مذہب ہو کر قابل اعتبار ہی نہیں تھا تو اس کے یقینی ہونے کے کیا معنے اور اس کے محتملات بیان کرنے کی کیا ضرورت، غالباً مجتہد صاحب کو یہ خبر نہ ہوگی کہ مدلول روایات لازم مذہب ہوتا ہے یا یہ نہ جانتے ہوں گے کہ لازم مذہب قابل التفات و بیان تا دلالت نہیں ہوتا۔ بہرکیف یہ برہان خاص ہمارے فاضل مجیب ہی کا حصہ ہوگا جو اہلسنت کے دلائل کے مسخ و تحریف کرنے سے حاصل کیا پہلے اس کے شیعہ میں سے کسی کو غالباً یہ دلیل جو اولیات میں سے ہے حاصل نہ ہوئی ہوگی۔ رابعاً اگر اس قاعدہ کو عموماً جاری کیا جاوے تو صدہا اعتراضات اہل تشیع کے اس قاعدہ کے موافق بھی باعتراف سامی لغو اور مہمل ہو جائیں گے۔ بلکہ ہر ملحد و زندیق مدعی اسلام ہو کر تمام عملیات و اعتقادیات کا انکار کر سکتا ہے اور جب کوئی حکم شرعی عملی یا اعتقادی آپ اس پر لازم کریں یا کسی شارع کی خبر کی تصدیق کرادیں وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لازم مذہب ہے مذہب نہیں پس اس کا جواب آپ اس کو کچھ نہ دے سکیں گے اور بجز اس کے کہ اپنا سا منہ لے کر چپ ہو جاویں اور کچھ جواب نہ آئے گا۔ خامساً ہمارے فاضل مجیب نے جو یہ جملہ تحریر فرمایا ہے (ان روایات تحریف سے

غایۃ الامر اس کا لزوم ثابت ہوگا نہ تصریح) اگرچہ یہ تمام دلیل ہی عجب العجائب ہے۔ لیکن خاص کر یہ جملہ تو عجب اضحوکہ روزگار ہے کیونکہ جو امر روایات کا مدلول مطابقی بعبارت النص ہو اس کی نسبت یہ کہنا کہ یہ ان روایات سے بصراحۃ مستفاد نہیں عجب طرفہ تماشا ہے یہ کلمہ سوائے ہمارے فاضل مجیب یا ان کے اولیاء کے اور کس کے شایان شان ہو سکتا ہے، اگرچہ اس جگہ بہت کچھ لکھنے کی گنجائش تھی اور دل چاہتا تھا لیکن چونکہ ایسی فاحش غلطی ہے جس پر حاجت استدلال کی بھی نہیں اور خوف تطویل بھی مانع ہے اس لئے صرف اسی قدر قلیل پر اکتفا کرتا ہوں اور اپنے فاضل مخاطب کو متنبہ کرتا ہوں کہ حضرت بے شک یہ قاعدہ صحیح ہے کہ لازم مذہب عین مذہب نہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو مثال تحریر فرمائی وہ اپنے ممثل لہ کے مطابق ہے کہ مجسمہ کا عین مذہب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جہت میں ہے اور یہ اگرچہ مستلزم حدوث کو ہے اور اس کو لازم یہ امر ہے کہ خدا تعالیٰ شانہ حادث ہو لیکن اس حدوث کو محض اس استلزام کی وجہ سے ان کا عین مذہب نہیں کہہ سکتے۔ ہاں اگر مجسمہ مثلاً قرآن شریف کے قائل ہوں اور بالفرض محال اس میں کوئی آیت ایسی ہو جس کا مدلول مطابقی حدوث باری ہو اور کسی دلیل سے مصروف عن الظاہر بھی نہ ہو تو یہ ان کا عین مذہب کہہ کر ان پر لازم کیا جا سکتا ہے اور پھر اس کے جواب میں یہ عذر کریں کہ یہ عین مذہب نہیں بلکہ لازم مذہب ہے تو یہ عذر ہرگز مسموع نہ ہوگا، بخلاف ما نحن فیہ کے کہ تحریف قرآن لازم مذہب نہیں بلکہ عین مذہب ہے کیونکہ اگر یہ لازم مذہب ہو تو اس کے لئے ملزوم بھی ہونا چاہیے جو عین مذہب ہو اور وہ بجز روایات کے جن کا مدلول مطابقی تحریف قرآن ہے اور کوئی ملزومیت کو صالح نہیں اور ظاہر ہے کہ نہ مدلول مطابقی لازم ہو سکتا ہے اور نہ دال ملزوم ہو سکتا ہے پس اس جگہ نہ لازم متحقق ہے نہ ملزوم ہے نہ لزوم ہاں اگر ہمارے فاضل مخاطب اپنی خوش فہمی سے یہ فرمائیں کہ روایات عبارت نفس الفاظ سے ہے اور معانی نہ الفاظ کے لئے عین ہے نہ جز بلکہ مباین ہے تو بواسطہ وضع کے لازم ہوئی تو حضرت کی ہمہ دانی سے کچھ عجب نہیں اور جب لزوم اور لازم و ملزوم منتفی ہوئے تو ہمارے فاضل مخاطب کا دعوے بالکل لغو ہو گیا اور ثابت ہوا کہ تحریف قرآن اصول تشیع پر عین مذہب ہے پس جو بندہ نے دعوے کیا تھا کہ تحریف قرآن مسلمات شیعہ سے ہے وہ بخوبی ثابت ہوا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

قولہ: زرنیز اگرچہ یہی بات ہے کہ ایسی روایات کا وارد ہونا اس امر کا مستلزم ہے تو آپ کے نزدیک بھی کتاب اللہ کا محرف ہونا مسلم ہے کیونکہ ان روایات میں اہل حق ہی متفرد نہیں ایسی روایتیں تحریف و تغییر و حذف و ستاعد و تبدیل ... بحرف بحرف اہلسنت کی کتابوں میں بھی مروی ہیں ... اس ...

تفصیل آپ چاہیں تو استقصاء الافحام رد منتہی الکلام میں ملاحظہ فرمائیں۔

پوری شیعہ برادری شرم سے عاری

اقول: یہاں تو ہمارے فاضل مخاطب نے انصاف کا خون ہی کر ڈالا اور ذرا شرم و حیا کو کار نہ فرمایا اور یہ بھی کیا کریں جب ان کے اسلاف ہی اسی راہ سے گئے ہیں تو انھوں نے جیسا ان کو پایا انھیں کے قدم بقدم یہ بھی چلتے ہیں۔ پس سنیئے کہ یہ محض آپ کی اور آپ کے ان اسلاف کی خوش فہمی ہے جنھوں نے اہل سنت کی طرف اس کذب و افترا کو نسبت کیا ہے حالانکہ یہ بداہۃً باطل ہے کیونکہ قاطبۃً جمیع اہلسنت متفق ہیں کہ اصل ماخذ دین کتاب اللہ و احادیث رسول اللہ ہے اور عین مذہب وہ ہے جو ان سے ثابت ہو اور رہا اجماع و قیاس سو اس کی حجیت بھی اسی وجہ سے ہے کہ ان کی استناد بھی کتاب و سنت کی طرف ہے۔ اکابر دین میں سے کسی کا قول اگر معتبر ہے تو اسی وقت معتبر ہے جب کہ اس کا استناد کتاب و سنت کی طرف ہو اور اگر معلوم ہو کہ یہ مستند نہیں ہے تو وہ نہ عین مذہب ہے نہ از مذہب سب پہ ظاہر ہے کہ تحریف قرآن اگر واقع ہوئی تو بعد وفات جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے واقع ہوئی ہوگی سو اس کی خبر خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نہیں دی بلکہ یہ ارشاد فرمایا۔

وانا له لحافظون۔

اور بالتحقیق ہم اس کے لئے البتہ نگہبان ہیں۔

اور فرمایا۔ وانه لكتاب عزيز لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں کہیں اس کی اطلاع نہیں فرمائی کہ اس کی تصدیق کی جاوے تو کیونکر کی جاوے اگر آپ یہ اعتراض فرماویں کہ صحابہ کے اقوال سے ثابت ہو سکتا ہے تو ہم عرض کرتے ہیں کہ اول ہم صحت روایت کو تسلیم نہیں کرتے سلمنا لیکن یہ معارض ہے آیتیں وانا له لحافظون اور لا یاتیه الباطل سے اور شیعہ اپنی روایات کو معارضہ آیتین کے باطل نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا جواب خود مفسر صافی نے دے دیا ہے اور یہ جھگڑا چکا دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اصل قرآن جو تمام جناب امیر نے جمع کیا تھا اور ائمہ کے پاس یکے بعد دیگرے چلا آیا مکمل ہے اس میں کسی قسم کی تحریف ہوئی [illegible] لیکن یہ قرآن جو مشہور ہے اس میں تحریف ہوئی تو گویا صحابہ نے [illegible] ثابت ہیں تحریف کی [illegible] قطع نظر اس سے قرآن مجید کا ثبوت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر قرن میں منقول عدول و ثقات سے کثرت سے [illegible] [illegible] [illegible] متفق ہے

غرض اس کے حروف و حرکات و سکنات تک وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہوتے۔ پس اس کے مخالف کسی صحابی سے کوئی قول منقول ہو بھی تو وہ بفرض تسلیم صحت اس کا معارضہ نہیں کر سکتا۔ اور نیز اگر بالفرض کسی صحابی سے مروی ہو تو ممکن ہے کہ غلطی ہوئی ہو ہم کب کہتے ہیں کہ صحابہ معصوم ہیں چنانچہ قرأت شاذہ مشہورہ اس کے شاہد ہیں۔ پس اہلسنت کے نزدیک تحریف کا مسلم ہونا تو ایک طرف اہلسنت کے اصول و قواعد کے موافق تحریف کا شائبہ اور واہمہ بھی خارج از امکان ہے حضرات شیعہ کو جب کچھ چارہ نہیں ملتا تو اسی طرح دل کی حسرت نکالتے ہیں کہ کذباً و افتراءً تحریف کو اہلسنت کے ذمہ لگاتے ہیں کبرت کلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا۔ یہ تو جواب اجمالاً تھا اور تفصیلاً اپنی تفصیل احادیث و روایات کے ساتھ ملاحظہ فرمایئے گا۔

قولہ: گزشتنی نمونہ خروارے دو تین یہاں بھی لکھے جاتے ہیں منہا ما فی الدر المنثور للسیوطی اخرج ابو عبید وابن الضریس وابن الانباری فی المصاحف عن ابن عمر قال لا يقولن احدكم قد اخذت القرآن كله ما يدريه ما كله قد ذهب منه قرآن كثير ولكن ليقل قد اخذت ما ظهر منه انتهی۔ دیکھئے آپ کے جناب ابن عمر صاحب قرآن میں نقصان کثیر کے وقوع کے قائل ہیں اور غایت شفقت اور نصیحت سے اور آدمیوں کو دعوے اخذ تمام قرآن سے منع فرماتے ہیں ان کی شان میں بھی فرمایئے کہ کتاب اللہ کو جس کا حافظ خود خداوند حقیقی تعالیٰ شانہ ہے محرف کہتے ہیں

روایات اہل سنت پر ثبوت تحریف کے اعتراض کا جواب

اقول: جناب میر صاحب گستاخی معاف آپ پر اور آپ کے ان بزرگوں پر جنھوں نے یہ روایت اور اس قسم کی دوسری روایتیں ثبوت تحریف میں پیش کی ہیں علم و فہم کا ماتم ہو چکا ہے افسوس کہ آپ یہ بھی خیال نہیں فرماتے کہ جس مطلب کے ثبوت میں ہم روایت پیش کرتے ہیں قطع نظر اس کی صحت نقل و عدم صحت کے اس کی کچھ بھی دلالت مدعا پر ہے یا نہیں یہ روایت جو جناب سامی نے نقل فرمائی ہے اس میں وقوع تحریف پر دلالت مطابقی ہے نہ تضمنی نہ التزامی نہ اشارۃ نہ دلالۃ نہ اقتضاء کسی طرح بھی اس سے وقوع تحریف مفہوم نہیں ہوتا حضرت کی کمال ہی خوش فہمی ہے کہ اس سے وقوع تحریف سمجھتے ہیں [illegible] [illegible] تحریف پر اس سے سمجھتے ہیں حالانکہ یہ تحریف پر ہرگز درست نہیں [illegible] [illegible] صحابہ نے ناقص کر دیا سبحان اللہ اس قدر

پرآفرین ہے پھر اس پر دعوے کیا کیا کچھ۔ اب سنیئے کہ تمام اہلسنت کافۃً اس پر متفق ہیں اور اجماع رکھتے ہیں کہ یہ قرآن جو اہلسنت کے پاس موجود ہے اور جس کو حفظ کرتے ہیں حرف بحرف وہی قرآن ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہوا اور اسی ترتیب کے ساتھ ہے جس ترتیب کے ساتھ لوح محفوظ میں ہے۔ اس میں جس قدر آیات کی کمی و بیشی ہوئی وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہے جس قدر نازل ہوتی گئی بیشی ہوتی گئی اور جس قدر منسوخ ہوئی یا بھلائی گئی وہ کمی ہو گئی یہانتک کہ آخر میں یہ ہی قرآن جو اہلسنت کے پاس بقراءۃ سبعہ مروی ہے مکمل باقی رہ گیا۔ بعد اس کے نہ اس میں کچھ تغیر و تبدل ہوا نہ کمی و بیشی ہوئی اور نہ یہ ممکن کہ اس میں کوئی شخص کسی قسم کا تغیر و تبدل و مسخ تحریف کر سکے۔ اہلسنت کے نزدیک یہ امر منجملہ محالات و ممتنعات کے ہے۔ اور اہلسنت کے نزدیک نسخ تین طرح پر کتاب اللہ میں واقع ہوا ہے، ایک تو یہ کہ حکم منسوخ ہو گیا ہے اور تلاوت باقی رہ گئی، دوسری یہ کہ تلاوت الفاظ منسوخ ہو گئی اور حکم باقی ہے، جیسی آیت الرجم، تیسری یہ کہ لفظ اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے، پس ہمارے فاضل مخاطب نے جو روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی اس کے ظاہر معنے یہ ہیں، کہ بہت سا قرآن جو نازل ہوا تھا وہ منسوخ ہو گیا اور جاتا رہا تو کوئی یوں نہ کہے کہ میں سب قرآن منزل پر حاوی ہو گیا کیونکہ منسوخ شدہ اس سے خارج رہے گا، اور اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے یا کسی نے اس میں سے کم کر دیا یہ حضرت مجیب اور ان کے علماء متکلمین کی خوش فہمی ہے۔

امام سیوطی کی روایت سے شیعہ کا اعتراض اور اس کا جواب

قولہ: اور سنیئے آپ کے علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں۔ قال ای ابو عبید حدثنا اسمعیل بن جعفر عن المبارک بن فضالۃ عن عاصم بن ابی النجود عن زر بن حبیش قال قال ابی بن کعب کاین تعد سورۃ الاحزاب قلت اثنین و سبعین ایۃ قال ان کانت لتعدل سورۃ البقرۃ و ان کنا لنقرأ فیہا ایۃ الرجم قال اذا زنیا الشیخ والشیخۃ فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ و اللہ عزیز حکیم۔ دیکھئے اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ کے برابر تھی اور اب بہتر تہتر آیتوں سے زیادہ نہیں ہے۔

قول: اس روایت کا حال بھی مثل سابقہ روایت کے ہے اس میں کہیں تحریف کے ثبوت کا

نام و نشان بھی نہیں ہے یہ ثابت کیجئے کہ یہ کمی بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے یا کسی شخص نے کی سوا اس قسم کی روایات سے یہ مدعا کسی طرح مفہوم نہیں ہوتا بلکہ اس روایت میں جو کم ہونا وارد ہوا ہے اس کا محمل وہ ہی نسخ ہے جو عرض کیا گیا اس سے تحریف سمجھنا حضرت کی اور حضرت کے اسلاف کی خوش فہمی کی دلیل ہے۔

امام راغبؒ کا حوالہ اور اس کا جواب

قولہ: اور راغب اصفہانی محاضرات میں لکھتے ہیں، وقالت عائشۃ کانت الاحزاب تقرأ فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مائتی ایۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم یقدر الا علی ما ثبت وکان فیہا ایۃ الرجم۔

اقول: یہ روایت صریح آپ کے مدعا کے مخالف ہے مگر افسوس آپ کو اتنی بھی فہم نہیں کہ یہ سمجھ سکیں کہ یہ ہمارے مدعا کے موافق ہے یا مخالف یہ عبارت فلما کتب عثمان المصاحف لم یقدر الا علی ما ثبت صریح دال ہے کہ جب باوجود تلاش و تتبع کے اس سے زیادہ پر قدرت نہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو منسوخ فرما دیا اور بھلا دیا اور دلوں سے محو کر دیا پھر تعجب ہے کہ ہمارے فاضل مجیب با این ہمہ ادعائے انصاف و علم تحریف صحابہ کی سمجھتے ہیں۔

قولہ: آپ کے علامہ سیوطی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ اخرج ابن مردویہ عن ابن مسعود قال کنا نقرأ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المؤمنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ اور مرزا محمد بن معتمد خان بدخشانی جن کو فاضل رشید اپنے ایضاح لطافۃ المقال میں عظماء اہلسنت سے فرماتے ہیں کتاب مفتاح النجاء میں کہ آپ کے خاتم المتکلمین زبدۃ العین ہیں اس سے احتجاج کرتے ہیں یہ لکھتے ہیں، واخرج ای ابن مردویہ عن زر عن عبد اللہ قال کنا نقرأ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المؤمنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ اور بہت ایسی روایتیں آپ کی کتب معتبرہ میں منقول ہیں، بخوف طوالت نہیں لکھتے۔

قول: اس روایت کا حال بھی مثل روایات سابقہ کے ہے۔ اس میں بھی کہیں وقوع تحریف پر

کسی طرح دلالت نہیں بلکہ اس میں یہ بھی نہیں پایا جاتا کہ یہ الفاظ ان علیا مولی المؤمنین قرآن ہی کے الفاظ ہیں اور خدا کی طرف سے نازل ہوتے۔ پس سنیئے کہ اولاً اس روایت کی صحت مسلم نہیں سلمنا لیکن اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ ہم اس طرح پڑھا کرتے تھے اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہوں وہ قرآن میں داخل ہو بلکہ ممکن ہے کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تفسیر کے فرمائے ہوں اور ابن مسعود یہ سمجھ کر کہ یہ قرآن میں داخل ہیں تلاوت کرتے رہے ہوں، سلمنا کہ اصل قرآن میں سے لیکن منسوخ ہو گئے معہذا ان روایات سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک داخل قرآن تھے اور بعد وفات آپ کے جامعین قرآن نے نکال ڈالے اور جب تک یہ نہ ثابت ہو تحریف کا ثبوت خیال محال ہے۔

قولہ: اگر ان ہی دو تین روایتوں کے نتائج پر بحث کریں تو طول ہو جائے گا اور پہلے بھی کسی قدر طول ہو گیا ہے لہذا اور وقت پر منحصر رکھتے ہیں

اقول: اگر دوسرا وقت جس پر نتائج روایات پر بحث کو منحصر رکھا ہے یہی وقت ہے تو ہم منتظر ہیں۔

قولہ: اے حضرت شیعہ کی روایتوں میں تو صرف کمی ہی وارد ہوئی آپ کے یہاں علاوہ ایسی روایتوں کے جو متضمن کمی و نقصان کثیر کے ہیں، قرآن مجید و فرقان حمید جو فصاحت و بلاغت میں معجزہ ہے اس کی اغلاط پر بھی مشتمل ہے چنانچہ معالم التنزیل میں تحت آیت کریمہ لکن الراسخون فی العلم منہم والمؤمنون یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک والمقیمین الصلوۃ لکھا ہے واختلفوا فی وجہ انتصابہ نحکی عن عائشۃ ابان بن عثمان انہ غلط من الکاتب ینبغی ان یصلح ویکتب والمقیمون الصلوۃ وکذلک قولہ تعالی فی سورۃ المائدۃ ان الذین امنوا والذین هادوا والصابئون وقولہ تعالی ان هذان لساحران قالوا ذلک خطاء من الکاتب وقال عثمان فی المصحف لحنا وستقیمہ العرب بالسنتہا فقیل لہ الا تغیرہ فقال دعوہ فانہ لا یحل حراما ولا یحرم حلالا انتہی ما فی معالم التنزیل اب غور فرمایئے کہ وہ قرآن جو فصاحت میں بلاغت میں معجزہ ہے اور جس کی شان میں فاتوا بسورۃ من مثلہ حق تعالیٰ فرماتا ہے آپ کے یہ حضرات خصوصاً حضرت خلیفہ ثالث اس میں لحن و ستقیمہ العرب فرماتے ہیں انتہیٰ ملخصاً کے یہی معنی ہیں۔

اقول: اے حضرت آپ اپنی روایات سے صرف کمی کو ہی کیوں تسلیم کرتے ہیں زیادتی کو نہیں

نہیں قبول کرتے۔ آپ کے طوسی اور طبرسی صاحب نے جو زیادتی کو مجمع علیہ باطل فرمایا ہے غلط ہے روایات سے کمی ہی ثابت نہیں بلکہ زیادتی اور تغیر تبدل اور تقدیم و تاخیر گویا ہر قسم کی تحریف ثابت ہے پھر تعجب ہے کہ آپ صرف کمی کو ہی تسلیم فرماتے ہیں کیا آپ نے روایت میں لولا زید فی القرآن ونقص۔ نہیں ملاحظہ فرمایا اور علاوہ اس کے بہت سی روایات ہیں پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اپنی کمی کو جو کمی تحریفی ہے اہل سنت کی کمی کے ساتھ جو نسخی ہیں خلط ملط فرماتے ہیں تاکہ اس حیلہ سے اور اس پیرایہ سے اپنا عیب پوشیدہ رہے پس واضح رہے کہ جو کمی اہلسنت کی روایات سے ثابت ہوتی ہے اس کے ساتھ اس کمی کو کچھ ربط نہیں کہ جو آپ کی روایات کا مدلول ہے کیونکہ اہلسنت کی روایات کا مدلول وہ کمی ہے جو خدا تعالیٰ نے کی اور آپ کی روایات کا مدلول وہ کمی ہے جو صحابہ نے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن میں دیدہ و دانستہ کی ہے فاین ہذا من ذاک۔ علاوہ ازیں باوجود اس فرق و مباینت کے پھر جس قدر کمی روایات سامی سے مفہوم ہوتی ہے بہ نسبت اس کے وہ کمی بہت کم ہے جو روایات اہلسنت سے ثابت ہوتی ہے اگر آپ کو تردد ہو کلینی میں ملاحظہ فرما لیویں ہم بسبب اختصار کے نقل روایات سے متعرض نہیں ہوتے۔ رہا یہ اعتراض کہ ہماری روایات کے بموجب باوجود معجز ہونے کے قرآن شریف اغلاط پر بھی مشتمل ہے چنانچہ لفظ المقیمین اور والصابئون اور ان ہذان غلط تسلیم کر لئے گئے سو جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو یہ روایت ہی معتبر نہیں چنانچہ لفظ حکی عن عائشۃ ابان بن عثمان بصیغہ مرض خود اس کے ضعف پر دلالت کرتا ہے، دوسرے یہ کہ سلمنا یہ روایت صحیح ہے لیکن قرآن کے نقل اور اس کی صحت بتواتر قطعی ثابت ہے تو بمقابلہ اس کی صحت و قوت کی اگر یہ روایت صحیح ہو بھی تاہم معتبر نہیں ہو سکتی، تیسری یہ کہ یہ تغلیط اگر ہے تو صرف باعتبار قواعد لسان کے ہے اور جب جمہور صحابہ اور تمام ائمہ عربیہ نے اس کو صحیح تسلیم کر لیا اور اس کی صحت کی توجیہات بیان کر دی تو یہ قول خود ضعیف اور شاذ ہو گیا چنانچہ وہ عبارت جو معالم میں اس کے بعد میں مذکور ہے اور ہمارے فاضل مخاطب نے ترک فرمائی ہے وہ اس پر صریح دلیل ہے اور وہ عبارت یہ ہے وعامۃ الصحابۃ واہل العلم علی انہ صحیح، چوتھی یہ کہ اگر حضرت عائشہ وغیرہ کو یہ روایت نہ پہنچی ہو اور انھوں نے اس اعراب کو خلاف ظاہر دیکھ کر اپنی رائے اور اجتہاد سے بلا تدبر یہ فرما دیا ہو کہ یہ کاتب کی خطا ہے اور اس تخطیہ میں ان کی رائے نے خطا کی ہو تو ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد میں خطا سے معصوم ہیں، پانچویں یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو اس پر کاتبوں کی خطا کی نسبت ارشاد فرمایا اس خطا اور غلطی سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ لفظ غلط ہے بلکہ مراد اس تخطیہ سے یہ ہے کہ قرأت مختارہ میں سے

صرف اولیٰ اختیار کر کے اس پر تمام امت کو جمع کرتے اور باقی الفاظ کو جن کی اجازت اور جن کا نزول بطور تیسیر تھا ان کو ترک کر دیتے۔ حاصل یہ کہ ترک اقتصار علی الاولیٰ میں کاتبوں نے خطا کی بعضی یہ کہ ظاہر ہے کہ باعتبار قواعد عربیہ کے اگرچہ والمقیمین والصابئون اوران ہذان صحیح ہے اور اس کی صحت میں کچھ کلام نہیں لیکن ان کی صحت بتوجیہہ و تاویل ہے اور المقیمون اور الصابئین اوران ہذین بدون تاویل کے صحیح ہے اور باعتبار قواعد عربیہ کے اولیٰ ہے تو ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطریق مجاز اور اتساع فی الاخبار کے خلاف اولیٰ اور خلاف ظاہر پر خطا کا اطلاق کر دیا ہو۔ اب اس کا جواب سنیئے جو روایت آپ نے حضرت عثمان سے نقل فرمائی ہے جس کا مدلول یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں لحن ہے اول تو ہم اس روایت کی صحت کو نہیں تسلیم کرتے نہ عقلاً و نقلاً۔ اما نقلاً پس اس وجہ سے کہ یحییٰ بن یعمر اور عکرمہ نے اس روایت کو حضرت عثمان سے روایت کیا ہے اور دونوں نے نہ حضرت عثمان کو دیکھا اور نہ ان سے کچھ سنا ہے تو یہ روایت قابل اعتبار و اعتماد کے نہ رہی۔ و اما عقلاً پس اس لئے کہ صریح عقل دلالت کرتی ہے کہ جب حضرت عثمان قرآن کی جمع و تالیف کے متکفل ہوئے اور انھوں نے صحابہ کو جمع کر کے اس مہم کا سرانجام کیا تو اس میں انھوں نے کوئی لفظ ایسا جو لحن و خطا ہو اور موجب قدح اور اعتراض کا ہو ہرگز باقی نہ چھوڑا ہوگا۔ اور کیونکر عقل سلیم تسلیم اور باور کر سکتی ہے کہ ایسے غلط الفاظ کہ جن میں کسی قسم کا مفاد حاصل نہ ہو دیدہ دانستہ قرآن میں باقی رکھیں بروئے عقل ہرگز ممکن نہیں پس معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ دوسری جب قرآن کے تمام حروف و حرکات کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہے تو اگر یہ روایت صحیح ہو بھی تاہم متواتر کا معارضہ نہیں کر سکتے اور ساقط الاعتبار ہے تیسری اس روایت کا محل بالکل واضح اور صاف ہے کہ جس میں نہ کچھ شک و شبہ رہتا ہے نہ کوئی اعتراض و قدح وہ یہ کہ اگر یہ روایت صحیح ہو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہو تو اس کے معنے یہ ہیں کہ فی المصحف لحنا فی تلاوتہا یعنی بعض جگہ رسم الخط اس طرح پر ہے کہ اگر اس کو پڑھنے والا اسی طرح پڑھے جس طرح کہ باعتبار رسم الخط کے لکھا ہوا ہے تو وہ غلط ہوگا اور تلاوت میں لحن واقع ہوگا تو حاصل یہ ہوا کہ مصحف میں باعتبار رسم الخط کے ایسے الفاظ واقع ہیں جن کی تلاوت میں اگر اسی طرح پڑھا جاوے جس طرح لکھے ہیں تو لحن واقع ہوتا ہے چنانچہ لااذ بحنہ اور لا اوضعوا اور من نبائی المرسلین وغیر ذلک اور ظاہر ہے کہ اگر یہ الفاظ بدون معرفۃ رسم الخط اسی طرح تلاوت کئے جاویں جس طرح کہ لکھے ہوئے ہیں تو معنے بالکل متغیر ہو جاویں گے۔ اور ایجاب نفی ہو جائے گا اور کلمات میں ایسے حروف کی زیادتی ہوگی جو اس میں کسی طرح داخل نہیں ہے اور تلاوت غلط ہوگی پس اس کے معنی یہ نہیں کہ نفس

قرآنی یا اس کے رسم الخط میں بھی غلطی اور لحن ہو۔

نقل روایت میں مجیب لبیب اور انکے بزرگوں کی دیانت کا ثبوت

پس یہ حضرات شیعہ کی خوش فہمی ہے کہ ایسی روایات کو بے سوچے سمجھے نقل کر دیتے ہیں پھر علاوہ اس کے دین و دیانت کی یہ کیفیت ہے کہ روایات کی نقل میں حضرت کشمیری صاحب صاحب نزہہ وغیرہ نے اس روایت کے الفاظ کو مسخ و تحریف کر کے اپنے اعتراض کی تقویت اور تائید کی غرض سے کچھ سے کچھ بنا دیا ہے اور ہمارے فاضل مجیب نے بھی انھیں کی تقلید فرمائی اور خوشی سے انھیں الفاظ کو جو کشمیری صاحب نے تحریف کئے تھے بڑے ناز و افتخار کے ساتھ نقل کر دیا۔ حالانکہ وہ سراسر غلط ہیں اب میں عرض کرتا ہوں کہ اصل کیونکر تھی اور پھر حضرات نے ان میں مسخ و تحریف فرما کر اپنے مدعا کے موافق کیونکر بنایا۔ اصل الفاظ یہ تھے۔ وقال عثمان ان فی المصحف لحنا وستقیمہ العرب بالسنتہا اس میں لفظ ستقیمہ صیغہ مضارع کا ہے باب افعال اقام یقیم سے اور اس پر حرف سین استقبال قریب کے لئے داخل ہے اور ہائے ضمیر آخر میں لاحق ہے جو راجع الی اللحن ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ عرب اس کو اپنی زبانوں کے ساتھ تلاوت میں سیدھا اور ٹھیک کر لیں گے چنانچہ بعض روایات میں ان العرب ستعربہا بالسنتہا مروی ہے اور بعض روایات میں تقیمہا وارد ہے چنانچہ شیخ ابوعمر عثمان بن سعید بن عثمان المقری نے اپنی کتاب رسم الخط میں یہ روایات نقل کی ہیں پھر اس کو حضرت مرزا کشمیری صاحب وغیرہ اور ہمارے فاضل مخاطب نے مسخ و تحریف فرما کر اس طرح بنایا کہ حرف سین اصلی جزو مادہ کیا اور حرف تا علامت مضارع کو حذف فرمایا اور ہائے ضمیر کو تائے تانیث سے بدل کر لفظ سقیمۃ مادہ سقم باب سقم یسقم سے صیغہ اسم فاعل یا صفت مشبہ کا بنایا جس کے معنے یہ ہو گئے کہ قرآن میں عرب کے الفاظ سقیمہ یعنی ضعیفہ اور مرجوحہ اور غلط داخل ہیں پھر اب دیکھئے کہ اعتراض کو کس قدر تقویت اور تائید ہو گئی۔ پس آپ کے اس دین و دیانت پر صد آفرین ہے ہم کچھ نہیں کہتے۔ خدا تعالے آپ صاحبوں کو اس کی جزاء موفور عطا فرمادے ویرحم اللہ عبدا قال آمینا۔ پس ہم نے خوب غور کیا اور تیرہ سو برس سے غور کرتے چلے آتے ہیں نہ کہیں لحن قرآن میں ہے اور نہ سقیمۃ العرب ہے۔ یہ حضرات کی فہم کی خوبی ہے یا حضرات کی عنایات کا ثمرہ ہے کہ روایت میں جس کی وجہ سے ایجاد و اختراع کیا گیا۔ لیکن حضرات شیعہ کے نزدیک بروئے ان کی روایات کے جو ائمہ سے مروی ہوئی اور جو مفید قطع و یقین کو ہیں جن کا ہر شیعہ نے تسلیم کر کے وقوع تحریف کا اعتقاد کر لیا ہے۔ قرآن میں کمی و بیشی اور تغیر و تبدل اور

مسخ و تحریف بہت کچھ ہوئی ہے پس تمسک بالقرآن فی الحقیقت یہ ہے وہ نہیں اور تمسک کے یہ معنے ہیں وہ نہیں،

شیعہ کی بڑ اور اس کا جواب

قولہ: غرض کہ اور اسی قسم کی روایتیں درمنثور و اتقان وغیرہ میں موجود ہیں ارادہ تھا کہ جو کچھ ان کے جواب آپ کے علماء نے دیئے ہیں وہ نقل کر کے ان کی کیفیت بھی لکھی جائے مگر بخوف اطناب نہیں لکھتے پھر دیکھا جائے گا۔

اقول: پھر جب کبھی آپ کا دل چاہے دیکھ لیجئے ہم ہر طرح حاضر ہیں نہ تحریر سے انکار ہے نہ تقریر سے دریغ، مصرع: ہمیں میدان ہمیں چوگان ہمیں گو۔

قولہ: آپ کے خلیفہ ثالث نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ غلط ہی ٹھہرایا ہو بلکہ کتاب اللہ کو جس کی تعظیم و احترام ضروری ہے جلوایا پھڑوایا علی اختلاف الروایتین،

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق شیعہ کے طعن کا جواب

اقول: پہلے کسی دلیل شرعی سے یہ تو ثابت کیجئے کہ مطلق جلوانا یا پھڑوانا اہانت اور خلاف تعظیم و احترام ہے، جب تک آپ یہ ثابت نہ فرماویں گے اس وقت تک آپ کا اعتراض ہی لغو ہے اور لائق التفات نہیں، لیجئے ہم آپ سے ہی بلکہ علماء اثنا عشریہ سے استفتا کرتے ہیں جواب تحریر فرماویں، کیا فرماتے ہیں علماء امامیہ اثنا عشریہ اس صورت میں کہ ایک شخص نے ایسی حالت میں کہ اس کے نزدیک قرآن شریف میں کلمات تفسیر بھی لکھے ہوئے تھے اصل قرآن کو ان سے جدا کر کے جمع و تالیف کیا اور بعد جمع و تالیف کے اس کی نسخ کو اطراف و اکناف عالم میں شائع کیا اور اس کو موافقین و مخالفین نے بلا اعتراض صحیح قرآن تسلیم کر لیا پھر اس شخص نے اس خوف سے کہ وہ قرآن جو بمنزلہ مسودہ کے تھا اور جس میں کلمات تفسیر درج تھے مبادا ظاہر ہو کر باعث اختلاف امت و نزاع کا ہو اس کو جلوا دیا یا پارہ پارہ کروا دیا تو یہ شخص ماجور ہے یا آثم اگر آثم ہے تو کس گناہ کا مرتکب ہوا، بینوا بالدلائل الشرعیہ توجروا، اور نہیں تو اسی مختصر سوال کا جواب دے دیجئے اگر کوئی شخص بلا قصد اہانت قرآن شریف کو بوسیدہ پاتے ہیں کوئی مصلحت شرعی سمجھ کر جلوا دے یا پھڑوا دے تو جائز ہے یا حرام حضرت میر صاحب حسب شہادت آپ کے امام کلینی کے امام صادق نے تو یہاں تک اہانت کی کہ ہاتھ سے پھینک دیا تفسیر

سورۂ نحل میں مفسر صافی نے روایت نقل کی ہے،

وفی الکافی عن القمی عنہ (عن الصادق) انہ قرأ ان تکون ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم فقیل انا نقرأھا امۃ ھی اربی من امۃ فقال وما اربی من امۃ واومأ بیدہ فطرحہا۔

کافی میں قمی سے روایت ہے کہ امام صادق نے ان الفاظ ان تکون ائمۃ ہی ازکی من ائمتکم پڑھا کسی نے عرض کیا کہ ہم تو اس کو امۃ ہی اربی من امۃ پڑھتے ہیں فرمایا اور اربی من امۃ کیا اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کو ڈال دیا۔

ہم اس کو بھی علماء امامیہ سے ہی استفسار کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس طرح قرآن کی اہانت کرے تو جائز ہے یا حرام،

قولہ: یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ بیاض عثمانی قرار دیں آپ کے خاتم المتکلمین کی عادت میں چونکہ تمسخر ہے بطور تمسخر یہ انھوں نے ایسا فرمایا ہے، افسوس کہ آپ نے ان کی عبارت میں تامل نہیں فرمایا معاذ اللہ کہ کسی اہل حق نے قرآن شریف کو اس لقب نا ملائم سے ملقب کیا ہو، یہ محض کذب و افترا ہے اور اگر آپ اسباب میں کوئی سند لا سکتے ہیں تو لائیے،

اقول: جب وقوع تحریف بروایات صحیحہ و باعتراف اکابر شیعہ ہم ثابت کر چکے تو ظاہر ہے کہ یہ وقوع تحریف جمع و تالیف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں ہی واقع ہوا ہو گا کیونکہ وہ جمع و تالیف جو اول شیخین کے زمانہ میں ہوئی تھی اس کا خلاصہ بھی ابھی کیا گیا چنانچہ جامع القرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ہو گیا تو اس کو اگر شیعہ محرف عثمانی اور بیاض عثمانی کہیں تو کیا بعید ہے یہ لفظ نہ سہی اس کا مدلول تو صریح روایات سے ثابت ہوتا ہے اور اگر تتبع کیا جاوے تو انشاء اللہ شیعہ کی تصریحات میں یہ لقب بھی نکلے گا، علاوہ ازیں ہم نے ماسبق میں ارغام سے عبارت کتاب بارقہ ضیغمیہ کی نقل کی ہے اس سے صریح یہ لقب نا ملائم نہیں ثابت ہوتا تو کیا ثابت ہوتا ہے، چون نظم این قرآن نظم عثمانیست الخ، نظم عثمانی اور بیاض عثمانی میں کیا فرق ہے، افسوس کہ آپ اپنے علما کی کتابوں کو دیکھتے نہیں جو آپ کو اپنے مذہب کا حال معلوم ہو، پس ہم نے دلائل سے ثابت کر دیا اور آپ کا کذب و افترا کہنا محض کذب ہوا،

قولہ: اب آپ انصاف فرماویں کہ کیا کتاب اللہ سے تمسک کے یہ ہی معنی ہیں کہ جس کا حافظ خود خداوند حقیقی تعالیٰ شانہ ہو اس کو محرف و غلط و سقیمۃ العرب فرمائیں اور اس کو جلائیں یا جو کتاب اللہ کی نسبت ایسا کہیں اور بجائے تعظیم و احترام جلائیں ان کو دین میں پیشوا و مقتدا سمجھیں،

اقول: حسب ارشاد ہم نے تو انصاف سے عرض کر دیا کہ غلط ہونے کا الزام خوش فہمی ہے اور محرف ہونے کا الزام کذب و افترا، اور سقیمۃ العرب ہونے کا الزام حضرات کی خیانت نہیں بلکہ دین و دیانت ہے، لیکن تمسک کے یہ معنی کہ کتاب اللہ کو محرف فرما دیں اور اس میں تحریف اعتقاد کریں اور موافق اصول کے قرآن میں تحریف کا واقع ہونا یقینی ہو اور تمسک کے یہ معنی ہیں کہ کتاب اللہ کو ناخوش ہو کر بطریق اہانت کے پھینک دیویں، اور تمسک کے یہ معنی ہیں کہ ایسے لوگوں کو جو قرآن کی غلطیوں کا اور تحریفات کا اعتقاد کریں یا تحریف کی شہادت دیویں یا قرآن کو اہانت کے ساتھ پھینکیں اور خلاف تعظیم و احترام اس کی اہانت کریں ان کو مقتدا اور پیشوا و واجب الاطاعت بمنزلہ انبیاء بلکہ انبیاء سے افضل سمجھیں ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

قال الفاضل المجیب، قولہ: کیا تمسک کے یہ ہی معنی ہیں کہ (نعوذ باللہ توبہ توبہ) آل رسول کی بنات طیبات کو بلکہ ان کی شرمگاہوں کو مغصوب اعداء ٹھہرا دیں، چنانچہ کافی کلینی سے صاحب تحفہ و منتہی الکلام و آیات بینات نے روایت نقل کی ہے، اقول: صاحب تحفہ وغیرہ نے اول فرج غصبت منا نقل کی ہے مگر ہمارے حضرت مجیب نے اپنی طرف سے بلکہ ان کی شرمگاہوں کو اور زیادہ کر دیا کمال ہی تدین فرمایا شرم و حیا سے خوب کام لیا حضرت وہ عبارت بعینہ نقل فرما دیں جس کا ترجمہ خود بدولت نے بلکہ ان کی شرمگاہوں کو فرمایا ہے، معاملہ دینی میں ایسے تصرف کرنے سے آنحضرات کو خوف خدا نہیں، اہل علم وغیرہ سے شرم و حیا نہیں۔

نہلے کو دہلا بایسے کو تیسا

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: جب آپ کے امام کلینی نے اول فرج غصبت منا بنات طیبات کی بابت روایت کیا ہے تو اگر نقلاً ہم نے بلکہ ان کی شرمگاہوں کو الخ لکھ دیا تو کیا غضب ہوا اول فرج غصبت منا کا اگر یہ ہی بعینہ مطلب نہیں تو آپ ہی فرما دیں کہ اس کے سوا اس کا کیا مطلب ہے کیا لفظ فرج سے مراد شرمگاہ نہیں ہے یا غصبت سے مغصوب ہونا سمجھ میں نہیں آتا ہاں ہماری یہ تو خطا ضرور ہے کہ ہم نے لفظ فرج کا ترجمہ شرمگاہ کیا ہے اور لفظ فرج عضو مخصوص کیلئے صریح ہے اور شرمگاہ کنایہ لطیف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس وقت پسند آتا اور صحیح معلوم ہوتا جب کوئی شخص آپ کے امام کلینی کے اس فحش کا ترجمہ ویسے ہی صریح اور مقبحہ الفاظ میں معاذ اللہ کرتا، ہم کو نہایت افسوس ہے کہ خطا تو آپ کے امام کی اور جھلا ئیں ہم پر، خوف خدا اور اہل علم سے شرم و حیا تو آپ

کے امام کلینی نہ فرماتیں اور عتاب ہو ہم پر اگر یہ الفاظ بمقتضاء آپ کے دین و ایمان و حیا و شرم کی بےحیائی سے ناشئی اور مستقبح ہیں تو اپنے حضرت کلینی کی روح پر فتوح کو صلواتیں سنا دیجئے یا جو ان کے اساتذہ بزرگوار ہیں جن سے انھوں نے یہ فحش اور بےحیائی کی بات اخذ کی ہے ان کو کچھ کہیئے ہم تو محض ناقل مضمون ہیں کہ الزاماً خدمت میں پیش کیا تو ہم پر یہ ناواجب غصہ کیوں نکالا جاتا ہے، ہاں اگر ہم نے نقل میں خطا کی ہو اور اپنی طرف سے تراش کر لکھ دیا ہو تو اس وقت البتہ ہم قصوروار تھے، پس معلوم نہیں کہ آپ ہم پر کیوں جھلا اٹھے، ہم نے کیا بیجا تصرف کیا تھا جو آپ کو یوں بے طرح جوش آگیا اگر ہم نے اپنی طرف سے کوئی تصرف کیا تھا تو پہلے ثابت کرنا چاہیئے تھا اصل روایت کلینی سے نقل فرماتے اور لکھتے کہ اس روایت کی نسبت یہ زیادتی ہے اور نقل مضمون میں یہ ناجائز تصرف ہے اور بدون اس کے یونہیں بے دلیل شور غل مچانا اہل عقل و خرد کا تو کام نہیں ہے، اس پر طرفہ ماجرا یہ ہے لکھتے ہیں کہ صاحب تحفہ وغیرہ نے اول فرج غصبت منا نقل کی ہے جس سے بظاہر الزام صاحب تحفہ کی طرف عائد کیا ہے اور یہ نہیں فرماتے کہ صاحب تحفہ وغیرہ نے کہاں سے نقل کی ہے اصل موجد اس فحش و بےحیائی کا کون ہے یہ آپ کی دیانت کا مقتضا ہے، معہذا یہ جو سوال فرمایا کہ (حضرت وہ عبارت بعینہ نقل فرما دیں جس کا ترجمہ خود بدولت نے بلکہ ان کی شرمگاہوں کو فرمایا ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ کی عبارت کو بغور ملاحظہ فرما دیں، اس میں کہاں لکھا ہے کہ یہ ترجمہ ہے جس کے واسطے تطابق لفظی شرط ہے جس کو آپ تلاش فرماتے ہیں، حیف ہے کہ آپ کو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ یہ ترجمہ نہیں ہے بلکہ نقل مضمون اور حکایت بالمعنی ہے جس کے لئے صرف اتحاد مطلب شرط ہے و بس، معلوم نہیں جناب نے اس کا ترجمہ ہونا کس قرینے سے سمجھا، باقی رہا خدا کا خوف اور اہل علم سے شرم و حیا تو البتہ حضرات شیعہ کو حاصل ہے کہ تنقیمہ العرب کو مسخ کر کے اپنے مطلب کے لئے سقیمۃ العرب بنا لیا اور اپنے مدعا کے موافق روایت میں تصرف کر لیا البتہ معاملات دینی میں خدا کا خوف اور اہل علم سے شرم و حیا تو یہ ہوتی ہے، اسی طرح آپ کے شریف رضی نے نہج البلاغت میں جابجا جناب امیرؓ کے کلام کا ستیاناس کیا اور اس کو مسخ تحریف کر ڈالا جس سے شراح کا بھی ناک میں دم آگیا اور بے اظہار کئے ان کو بھی کچھ بن نہ پڑا، چنانچہ ہم ابحاث سابقہ میں بطور مشتی نمونہ خروار عرض کر آئے ہیں البتہ خدا کا خوف اور اہل علم سے شرم و حیا تو اس کا نام ہے اور اس کی بہت نظیریں ہیں جو کسی قدر حافظہ میں ہیں مگر خوف تطویل رخصت نہیں دیتا۔

قولہ: بہر حال حضرت مجیب کی غرض اس سے نکاح حضرت ام کلثوم ہے اگر اس امر کی تحقیق۔

نکاح خلیفۂ ثانی حضرت ام کلثوم سے ہوا یا نہیں۔ اور اگر ہوا تو ام کلثوم بنت حضرت زہرا علیہا السلام سے ہوا یا کس ام کلثوم سے کی جاوے تو بہت ہی طول ہو اور بباعث بیماری اور عدیم الفرصتی اسقدر طویل بحث چھیڑ نہیں سکتے اور نیز پہلے ہی اس تحریر میں طول ہوگیا، اگر حضرت مجیب کو شوق ہو تو جواب آیات بینات ولب المیزان وتحفۃ الاثنا عشریہ وغیرہ میں ملاحظہ فرمالیں،

حضرت ام کلثوم بنت حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عنہن کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا

اقول: جناب میر صاحب گستاخی معاف جب آپ کو ضروری دینی مسائل کی تحقیقات کی نسبت اس قدر گریز و اغماض ہے تو پہلے ہی اس بحث کو کیوں چھیڑا تھا اور یہ جو شروع جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ (اگر غور فرماتے تو یہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے) یہ صرف زبانی ہمارے ہی واسطہ تھا اور اتامرون الناس بالبر کے حکم میں تھا، اگر آپ ایسے مریض و عدیم الفرصت تھے تو آپ نے سوال ہی کیوں لکھا، شاید آپ کو یہ خیال ہوگا کہ خصم کب دست بگریبان ہوتا ہے اور کب یہ روز سیاہ نظر آئے گا، اب جب موقع آیا تو یوں عذر وحیل وگریز و اغماض ہونے لگا، آپ کا خصم آپ کی ایسی ایک نہ سنے گا جب تک آپ جواب صاف نہ دیں گے وہ آپ کا گلوگیر ہی رہے گا، سبحان اللہ جواب آیات بینات پر آپ تملتے ہیں، شعر

سوالِ بوسہ کو ٹالا جواب چین ابرو سے
برات عاشقاں بر شاخ آہو اس کو کہتے ہیں

حضرت سوال تو آپ سے ہے آپ جواب دیجئے اگر جواب آیات بینات میں یہ بحث ہے تو آپ وہیں سے دیکھ بھال کر جواب دیجئے آپ کے خصم کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ یہ کتابیں دیکھتا پھرے حیلہ خوف تطویل بالکل لغو ہے، جہاں آپ نے چار ورق کے جواب میں چھ جز تحریر فرمائے اور اس کے لئے آپ کو بیماری اور عدیم الفرصتی مانع نہ ہوئی تو اس مسئلہ کے لئے بھی ایک دو جز کا کچھ مضائقہ نہ تھا مگر شاید عجب نہیں کہ اس مسئلہ کے ہی خوف سے بیماری لاحق حال ہوئی ہو اور چار جز آیا ہو کیونکہ یہ مسئلہ ایسی ہی کھٹکی ہے، گر یہ سب تو بھی [illegible] معافی لکھ دیں گے اور معذور سمجھیں گے گر بشری،

اقول: مگر یہاں صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے کہ جس طرح اہلسنت ثابت کرتے ہیں کہ یہ نکاح

ہوا اسی طرح شیعہ ان کی کتب سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت زہرا سے نہیں ہوا، البتہ یہ نکاح بھی باکراہ ہوا جو غصب سے مراد ہے صرف فرق الفاظ ہے، چنانچہ دو تین روایتیں اسی قسم کی لکھی جاتی ہیں صواعق محرقہ ابن حجر میں ہے۔ صح عن عمر انہ خطب ام کلثوم من علی فاعتل بصغرها وبانہ اعدها لابن اخیہ جعفر فقال لہ عمر ما اردت الباءۃ ولکن سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل سبب ونسب منقطع یوم القیمۃ ما خلا سببی ونسبی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے ان علیا لما ابی عن نکاح ابنتہ بعمر واستعذر بصغرها لم یکن یقبل منہ ذلک العذر حتی الجاءہ الخ غور فرماتے کہ لفظ الجاءہ آپ کی کتاب میں ہی موجود ہے، غصب اور اس لفظ میں صرف تنازع لفظی ہی رہا کتاب ہمت السعداء میں ہے ام کلثوم دختر ابوبکر بود مادرش اسماء بنت عمیس کہ اول زن جعفر طیار بود باز بنکاح ابوبکر در آمده از ابوبکر پسری عبد الرحمن نام ویک دختر ام کلثوم زائید بعد ازاں بنکاح علی بن ابی طالب در آمد ام کلثوم ہمراہ مادر در آمده عمر بن خطاب با ام کلثوم دختر ابوبکر نکاح کرد۔ انتہی، غرض کہ جس طرح اہلسنت یہ نکاح ثابت کرتے ہیں، شیعہ اسی طرح ان کی کتابوں سے اس ام کلثوم کا وہ نکاح ثابت کرتے ہیں کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت ابوبکر سے ہوا اور چونکہ وہ دامن عاطفت جناب امیر علیہ السلام میں پلی تھی فرط ربط واتحاد سے وہ جناب امیر کی ہی بیٹی مشہور تھی اور اس کا نکاح بھی جناب امیر کو منظور نہ تھا، چنانچہ روایت مذکورہ سے ثابت ہے۔

اقول: دانشمندان روزگار ناظرین رسالہ ہمارے فاضل مجیب کے اس جواب کی تقریر سے ان کی حواس باختگی اور حیرانی وپریشانی سمجھ گئے ہوں گے کہ کیسی گرداب اعتراض میں ڈبکیاں کھاتے ہیں اور ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے مار رہے ہیں لیکن ولات حین مناص۔

بحث نکاح ام کلثوم رض تفصیلی بحث،

اب پہلے ہم اس بحث کو بعینہ تے ہیں اور تمام پہلوؤں پر جو ہمارے فاضل مخاطب نے اس جگہ ذکر کئے ہیں بحث کرتے ہیں اول ہمارے فاضل مجیب نے یہ دعوےٰ کیا کہ یہ نکاح حضرت ام کلثوم بنت زہرا رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوا، دوسرا دعوےٰ یہ کیا کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوا، تیسرا یہ دعوےٰ کیا کہ یہ نکاح بھی باکراہ ہوا، پھر ان تینوں دعووں کے ثبوت کے لئے تین روایتیں ذکر فرمائیں، ہم پہلی ان میں سے وہی روایت جو ہمارے فاضل مخاطب نے ذکر فرمائی وہ یوں ذکر فرمائی ہے

سے کس دعوے کا اثبات منظنون سامی ہے نہ پہلے دعوے کے ثبوت سے اس کو تعلق نہ دوسرے دعوے سے کچھ ربط نہ تیسرے دعوے سے مس بلکہ صریح نقیض دعوے اول پر دال ہے کیونکہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جو خواست گاری کی علت بیان فرمائی وہ یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیوند ہونا جو قابل انقطاع نہیں ہے مد نظر تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ام کلثوم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دختر تھیں کیونکہ اگر یہ ام کلثوم دختر حضرت صدیقؓ ہوتی تو پھر اس علت کے ساتھ خواستگاری کے کچھ معنی نہیں یہ پیوند اور خویشگی اسی لیے تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ نسبت منعقد ہو جاوے۔ جو بنت صدیقؓ میں بلکہ بنت علیؓ میں بھی جو بطن زہراؓ سے نہ ہو مفقود تھا تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ روایت مثبت نقیض دعوے اول ہے اور مبطل عین دعوی ثانی و ثالث۔ پس ہمارے فاضل مجیب کی خوش فہمی قابل داد ہے۔ کہ وہ اس روایت کو اپنے مفید مطلب اور مثبت مدعا سمجھ کر سب سے پہلے خصم کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ یہ روایت ہمارے مدعا کو مفید ہے یا مضر لیکن ہم کو کچھ شکایت نہیں واقعی یہ اعتراض ایسا داء عضال اور عقیدہ غیر قابل انحلال ہے کہ اس کو سن کر جس قدر ادسان حضرات کے خطا ہوں بجا ہے اور جس قدر حواس پریشان ہوں زیبا۔

اگر اہلسنت کی کتابوں سے فاروقؓ کا نکاح بنت زہرا رضی اللہ عنہا سے ثابت نہ ہو تو ان کے دعویٰ کو کچھ مضر نہیں

پھر ایک اور طرفہ تماشا یہ کہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس طرح اہلسنت اس نکاح کو ثابت کرتے ہیں اسی طرح شیعہ ان کی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں کہ بنت زہراؓ سے نہیں ہوا۔ جو حضرت کی کمال مناظرہ دانی اور فہم پر دال ہے کوئی حضرت مخاطب سے پوچھے کہ حضرت ان کی کتابوں کی قید کیوں لگائی گئی ہے اپنی کتابوں کے ذکر سے اور ان میں ثابت ہونے نہ ہونے سے کیوں پہلو تہی فرمایا یہ امر تو ظاہر ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل و محامد اہلسنت کے نزدیک کچھ اس نکاح ہی پر منحصر نہیں حضرت کو جو علو مرتبہ اسلام میں ہے اگر یہ نکاح نہ ہوتا تو بھی وہ مرتبہ حاصل تھا لیکن چونکہ حضرات اہل تشیع کو ان کے فضائل سے انکار ہے اور بلکہ دائرہ ایمان سے بھی خارج سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جناب امیر کی اور ان کی ہمیشہ عداوت تھی تو اس امر کے اثبات کے لئے اہلسنت الزاماً شیعہ کی کتابوں سے یہ روایت نقل کرتے

ان کو جھوٹا کرتے ہیں تو اگر بفرض محال اہلسنت کی کتابوں میں یہ نکاح ام کلثوم بنت زہراؓ سے ثابت نہ ہو بلکہ ام کلثوم بنت صدیقؓ سے ہو تو حضرات شیعہ کے اوپر سے یہ الزام جو بموجب ان کی روایات کے ان پر چسپاں ہو رہا ہے صرف اتنا کہنے سے کہ یہ نکاح اہل سنت کی کتابوں میں ثابت نہیں ہے کیونکر اٹھ سکتا ہے۔

اہلسنت کی کتابوں سے فاروقؓ کے ساتھ ام کلثوم بنت زہراؓ کے نکاح کا ثبوت

حالانکہ یہ بھی غلط ہے کہ اہل سنت کی کتابوں سے یہ ثابت نہیں چنانچہ ہم عرض کریں گے پس اس الزام کے ہمارے فاضل مجیب نے جس قدر جوابات تحریر فرمائے اور روایات لکھیں وہ سب لغو اور بے سود ہیں اور حضرت کی کمال مناظرہ دانی اور خوش فہمی پر دال ہیں اگر بالکل سکوت کرتے اور کچھ بھی نہ لکھتے تو یہ بہ نسبت اس کے آپ کے لئے بہت بہتر تھا کیونکہ کچھ پردہ پوشی رہتی اب لیجیے ہم اس کا ثبوت اہل سنت و اہل تشیع کی کتابوں سے کرتے ہیں۔ اول اہل سنت کی کتب معتبرہ سے مختصر ثبوت سنیے۔ صحیح بخاری صفحہ ۴۰۳ میں مذکور ہے۔

حدثنا عبدان انا عبد الله انا یونس عن ابن شهاب قال ثعلبة بن ابی مالك ان عمر بن الخطاب قسم مروطا بین نساء من نساء المدینة فبقی مرط جید فقال له بعض من عنده یا امیر المؤمنین اعط هذا ابنة رسول الله التی عندك یریدون ام كلثوم بنت علی فقال عمر ام سلیط احق وام سلیط من نساء الانصار ممن بایع رسول الله صلی الله علیه وسلم قال عمر فانها كانت تزفر لنا القرب یوم احد۔

ثعلبہ بن ابی مالک نے کہا کہ عمر بن خطاب نے مدینہ کی عورتوں کو چادریں تقسیم کی تھیں ایک عمدہ چادر بچ گئی تو پاس والوں میں سے اس کو کسی نے کہا کہ یہ چادر رسول اللہ کی دختر کو جو تیرے پاس ہے دے دے ارادہ ام کلثوم بنت علی کے تھا۔ عمر نے کہا ام سلیط زیادہ مستحق ہے ام سلیط انصار کی ان عورتوں میں سے ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی عمر نے کہا کیونکہ وہ جنگ احد کے دن ہمارے مشکیں بھر کر لاتی تھی۔

اور سنیئے اسی کے حاشیہ پر مذکور ہے۔

قال الکرمانی ام کلثوم بنت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولدت فی حیوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہا عمر الی علی فقال انا ابعثہا الیک فان رضیت فقد زوجتکہا فبعثہا الیہ ببرد وقال لہا قولی ہذا البرد الذی قلت لک فقالت ذلک لعمر فقال لہا قولی قد رضیت رضی اللہ عنک ووضع یدہ علی ساقہا فکشفہا فقالت اتفعل ہذا لولا انک امیر المؤمنین لکسرت انفک ثم جاءت اباہا فقالت بعثتنی الی شیخ سوء واخبرتہ فقال لہا یا بنیۃ انہ زوجک۔

کرمانی نے کہا کہ ام کلثوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر فاطمہ کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئی عمر نے اس کی منگنی کا علی کے پاس پیام بھیجا تو علی نے فرمایا میں اس کو تیرے پاس بھیجوں گا اگر تیری رضا ہوئی تو میں نے تیرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا، پھر ام کلثوم کو ایک چادر دے کر عمر کے پاس بھیجا اور اس کو کہا کہ تو کہیو کہ یہ وہ چادر ہے جس کا میں نے تجھ سے ذکر کیا تھا ام کلثوم نے وہی عمر سے کہا عمر نے اس کو کہا کہ کہنا میں راضی ہوا خدا تجھ سے راضی ہو اور اپنا ہاتھ ام کلثوم کی ساق پر رکھا اور اس کو کھولا ام کلثوم نے کہا تو یہ کیا کرتا ہے اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو میں تیری ناک توڑ دیتی۔ پھر اپنے باپ کے پاس آئی اور کہا مجھ کو آپ نے برے بڈھے کے پاس بھیجا تھا اور حقیقت حال کی خبر دی علی نے کہا بیٹی وہ تیرا شوہر ہے۔

سنن نسائی میں صفحہ ۳۲۱ پر ہے۔

ووضعت جنازۃ ام کلثوم بنت علی امراۃ عمر بن الخطاب وابن لہا یقال لہ زید وضعا جمیعا والامام یومئذ سعید ابن العاص وفی الناس ابن عمر وابو ہریرۃ وابو سعید وابو قتادۃ فوضع الغلام مما [illegible] الامام [illegible]

ام کلثوم بنت علی زوجہ عمر کا اور اس کے فرزند جس کو زید کہتے تھے جنازہ یک جا رکھا گیا اور امام اس روز سعید بن العاص تھا اور لوگوں میں ابن عمر اور ابو ہریرہ اور ابو سعید اور ابو قتادہ بھی تھے پس لڑکے [illegible] امام کے متصل رکھا

[illegible] مولانا مولوی حیدر علی [illegible] پندرہ [illegible] نقل کی ہے [illegible]

[illegible] عمر رضی اللہ عنہ [illegible] فاطمۃ

[illegible] روایت ہے [illegible] منگنی کا پیام دیا

واکثر تردّدہ الیہ فقال علی یا امیر المؤمنین ما عندی الا صغیرۃ فقال عمر ما یحملنی علی کثرۃ تردّدی الیک الا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل حسب ونسب وسبب وصہر منقطع یوم القیمۃ الا حسبی ونسبی وسببی وصہری فقام علی رضی اللہ عنہ فامر بابنتہ من فاطمۃ فزینت و بعث بہا الی عمر رضی اللہ عنہ فلما راٰہا قام الیہا فاجلسہا فی حجرہ وقبلہا ودعا لہا فلما قامت اخذ بساقہا وقال لہا قولی لابیک قد رضیت فلما جاءت الجاریۃ الی ابیہا قال لہا ما قال لک امیر المومنین قالت لما راٰنی قام الیّ فاجلسنی فی حجرہ وقبلنی ودعا لی فلما قمت اخذ بساقی وقال لی قولی لابیک قد رضیت فانکحہا ایاہ فولدت زید بن عمر فعاش حتی کان رجلا ثم مات۔

اور بکثرت آمد و رفت رکھی علی نے کہا اے امیر المومنین بجز ایک صغیرہ کے میرے پاس اور کوئی نہیں عمر نے کہا آپ کے پاس (اس معاملہ میں) بکثرت آمد و رفت کا اور کوئی باعث نہیں ہے مگر صرف یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے تمام رشتے اور ناتے اور دامادی تعلق منقطع ہو جائیں گے مگر میرا رشتہ اور ناتا اور دامادی تعلق، پس علی اٹھے اور اپنی دختر کی نسبت جو فاطمہ سے تھیں حکم فرمایا ان کو آراستہ کیا گیا اور عمر کے پاس بھیجا جب عمر نے اس کو دیکھا اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو اپنی گود میں بٹھلایا اور دعا دی جب وہ اٹھی تو اس کی پنڈلی پکڑی اور اس کو کہا کہ اپنے باپ سے کہیو میں راضی ہو گئی جب چھوکری اپنے باپ کے پاس آئی، پوچھا کہ امیر المومنین نے تجھ سے کیا کہا۔ کہا جب مجھ کو دیکھا اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی گود میں بٹھلایا اور پیار کیا اور دعا دی اور جب میں اٹھی تو میری پنڈلی پکڑی اور کہا اپنے باپ سے کہنا میں راضی ہو گئی پس علی نے اسکا نکاح عمر کے ساتھ کر دیا (اس سے) زید بن عمر پیدا ہوا اور زندہ رہا یہاں تک کہ جوان ہو گیا پھر مر گیا۔

دوسری روایت۔

خطب عمر الی علی رضی اللہ عنہما ابنتہ ام کلثوم وامہا فاطمۃ ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ علی ان علیّ فیہ ای فی ہذا الشان [illegible] حتی استاذنہم [illegible] ولد فاطمۃ فذکر ذلک لہم فقالوا زوجہ فدعا ام کلثوم وہی یومئذ صبیۃ فقال

عمر نے علی رضی اللہ عنہ کو ان کی بیٹی کی جن کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں منگنی کا پیام دیا علی نے کہا کہ اس امر میں میرے ساتھ اور بھی امیر ہیں جب تک ان سے اذن نہ لوں کچھ نہیں کر سکتا، حضرت فاطمہ کے بیٹوں کے پاس آئے اور ان سے یہ ذکر کیا انھوں نے کہا نکاح کر دیجیے ام کلثوم کو جو اس وقت

انطلقی الی امیر المومنین فقولی له ان ابی یقرئك السلام ویقول لك انا قد قضینا حاجتك التی طلبت فاخذها وضمها الیه وقال انی خطبتها الی ابیها فزوجنیها فقیل یا امیر المومنین تریدالیها صبیة صغیرة فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وذکر الحدیث بمثل ما تقدم.

لڑکی کو بھی بلایا اور کہا کہ امیر المومنین کے پاس جا اور اس کو کہہ کہ میرا باپ تجھ کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے تیری حاجت جو تو نے چاہی تھی پوری کر دی۔ پس اس کو لیا اور اپنے گلے لگایا اور کہا کہ میں نے اس کے والد کو اس کی منگنی کا پیام دیا تھا اس نے اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیا کسی نے کہا اے امیر المومنین تم کو اس کی طرف رغبت ہے حالانکہ یہ چھوٹی لڑکی ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور مثل گزشتہ حدیث کے آخر حدیث تک ذکر کیا۔

ابن سمان کی روایت۔

ان عمر قال لعلی انی احب ان یکون عندی عضو من اعضاء رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال له علی ماعندی الا ام کلثوم وهی صغیرة فقال ان تعش تکبر فقال ان لها میدین معی قال نعم فرجع الی اهله وقعد عمر ینتظر ما یرد علیه فقال علی ادعوا الحسن والحسین فجاء افدخلا وقعدا بین یدیه فحمد اللہ واثنی علیه ثم قال لهما ان عمر خطب الی اختکما فقلت له ان لها معی امیرین وانی کرهت ان ازوجها ا ناحتی اوامرکما فسکت الحسین وتکلم الحسن فحمد اللہ واثنی علیه ثم قال یا ابتاه من بعد عمر صحب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وتوفی عنه وهو راض ثم ولی الخلافة فعدل قال صدقت ولکن کرهت ان اقطع امرا دونکما بلفظه۔

عمر نے علی سے کہا کہ میں چاہتا ہوں میرے پاس کوئی لخت جگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو علی نے کہا کہ میرے پاس تو بجز ام کلثوم کے دوسری نہیں اور وہ چھوٹی ہے کہا کہ اگر جیتی رہی تو بڑی بھی ہو جائے گی حضرت علی نے کہا کہ اس کے معاملہ میں میرے ساتھ دو اور بھی امیر ہیں حضرت عمر نے کہا اچھا علی اپنے گھر لوٹ آئے اور عمر منتظر بیٹھے رہے کہ کیا جواب ملتا ہے کہا حسن اور حسین کو بلاؤ وہ اندر آئے اور سامنے بیٹھ گئے آپ نے خدا کی حمد و ثنا کہی پھر ان سے کہا کہ عمر نے مجھ کو تمہاری بہن کی منگنی کا پیام دیا تھا میں نے اس کو کہا کہ اس کے معاملہ میں میرے ساتھ دو اور بھی امیر ہیں اور یہ میں نے پسند نہ کیا کہ تا وقتیکہ تم سے مشورہ نہ کر لوں اس کا نکاح کر دوں حسین چپکے رہے اور حسن بولے اور خدا کی حمد و ثنا کہہ کر کہا اے باپ عمر کے بعد کون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحبت پایا اور آپ ان سے راضی وفات پا گئے پھر متولی خلافت ہوا اور انصاف کیا کہا تو نے ٹھیک کہا لیکن میں نے بدون تمہارے اس امر میں قطعی فیصلہ کو پسند نہ کیا۔

علاوہ اس کے وہ روایت ہے جو فاضل مخاطب نے بھی صواعق ابن حجر سے نقل کی علاوہ اس کے ابن عبد البر نے استیعاب میں اثنار ترجمہ ام کلثوم میں روایت کی ہے،

ان عمر بن خطاب خطب الی علی بنته ام کلثوم فذکر صغرها فقیل له ردك فعاوده فقال له علی ابعث بها الیك فان رضیت فهی امرأتك فارسل بها الیه فکشف عن ساقها فقالت مه واللہ لولا انك امیر المومنین للطمت عینك.

تحقیق عمر بن خطاب نے علی کو آپ کی دختر ام کلثوم کی منگنی کا پیام دیا آپ نے اس کی صغر سنی کا ذکر کیا کسی نے کہا کہ آپ کی درخواست کو لوٹا دیا انہوں نے پھر مکرر درخواست کی علی نے کہا کہ اس کو میں آپ کے پاس بھیجوں گا اگر آپ کی رضا ہوئی تو وہ آپ کی زوجہ ہے پھر اس کو آپ کے پاس بھیجا عمر نے اس کی پنڈلی کھولی ام کلثوم نے کہا ہوں خدا کی قسم اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو میں تیری آنکھ پر طمانچہ مارتی۔

علاوہ اس کے شیخ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں بیان کیا ہے،

ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب الهاشمیة امها فاطمة بنت النبی صلی اللہ علیه واله وسلم وقال ابن ابی عمر المقدسی حدثنی سفیان عن عمر عن محمد بن علی ان عمر خطب الی علی ابنته ام کلثوم فذکر له صغرها فقیل له انه ردك فعاوده فقال له علی ابعث بها الیك فان رضیت فهی امرأتك فارسل الیه فکشف عن ساقها فقالت مه لولا انك امیر المومنین للطمت عینك وقال ابن وهب عن عبد الرحمن بن زید بن اسلم عن ابیه عن جده تزوج عمر ام کلثوم علی مهر اربعین الفا وقال الزبیر ولدت لعمر ابنیه زید و

ام کلثوم ہاشمیہ علی بن ابی طالب کی بیٹی اس کی والدہ فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہیں۔ ابن ابی عمر مقدسی نے کہا کہ سفیان نے بروایت عمر کے محمد بن علی سے مجھ سے بیان کیا کہ عمر نے علی کو ان کی بیٹی ام کلثوم کی منگنی کا پیام دیا آپ نے اس کی کم عمری بیان کی کسی نے کہا آپ کی درخواست کو پھیر دیا انھوں نے پھر درخواست کی علی نے ان کو کہا کہ میں اس کو آپ کے پاس بھیجوں گا اگر آپ کی مرضی ہوئی تو وہ آپ کی زوجہ ہے پھر اس کو بھیجا آپ نے اس کی پنڈلی کھولی اس نے کہا ہوں اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو تیری آنکھ پر طمانچہ مارتی۔ ابن وہب نے روایۃً عن زید بن اسلم عن ابیہ عن جدہ کہا کہ عمر نے ام کلثوم کے ساتھ چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا۔ زبیر نے کہا کہ وہ عمر کے دو بچے زید اور

رقية وماتت ام كلثوم وولدها في يوم واحد اصيب زيد في حرب كانت بين بني عدي فخرج ليصلح بينهم فشج رجل ولا يعرفه في الظلمة فعاش اياما وكانت امه مريضة فماتا في يوم واحد وذكر ابو بشر الدولابي في الذرية الطاهرة من طريق ابن اسحاق عن الحسن بن علي قال لما تايمت ام كلثوم بنت علي من عمر دخل عليها حسن وحسين فقالا لها امكنت عليها لينكحنك بعض ابنائه ولئن اردت ان تصيبن مالا عظيما لتصيبنه فدخل علي كرم الله وجهه فحمد الله واثنى عليه وقال اي بنية ان الله قد جعل امرك بيدك فانا احب ان تجعليه بيدي فقالت يا ابت اني امرأة ارغب فيما يرغب فيه النساء واحب ان اصيب من الدنيا فقال هذا من عمل هذين ثم قام يقول والله لا اكلم واحدا منهما او تفعلين فاخذ ايتابها وسالاها ففعلته فقال اني قد زوجتك من عون بن جعفر فما لبث عون ان هلك فرجع اليها علي رضي الله عنه فقال يا بنية اجعلي امرك بيدي ففعلت فزوجها اخوه محمد ثم مات عنها فزوجها اخوه عبد الله بن جعفر فماتت عنده وذكر ابن سعد نحوه وقال في اخره وكانت تقول

رقیہ جنی اور ام کلثوم اور زید اس کا بیٹا ایک دن مرے زید کو بنی عدی کی ایک خانہ جنگی میں جس کی مصالحت کے واسطے باہر آیا تھا ایک صدمہ پہنچ گیا کسی نے نادانستہ اندھیرے میں سر پھوڑ دیا چند روز زندہ رہا اس کی والدہ بھی بیمار تھی دونوں ایک روز فوت ہوتے۔ ابو بشر دولابی نے ذریت طاہرہ میں ابن اسحاق کے طریق سے حسن بن علی سے ذکر کیا۔ جب کہ ام کلثوم بنت علی عمر سے بیوہ ہو گئی تو حسن اور حسین اس کے پاس آئے اور کہا کہ (اگر) علی کو اختیار دے گی تو وہ اپنے فرزندوں (بھتیجے) میں سے کسی کے ساتھ تیرا نکاح کر دیں گے۔ اور اگر تو بڑا مال دولت حاصل کرنا چاہتی ہے تو حاصل کر سکتی ہے پھر علی کرم اللہ وجہہ اندر آئے اور خدا کی حمد وثنا کہی اور کہا بیٹی خدا نے تیرے کام کا تجھ کو اختیار دیا ہے اور میں چاہتا ہوں تو مجھ کو دے دے اس نے کہا اے باپ میں ایک عورت ہوں اس میں رغبت کرتی ہوں جس میں عورتیں رغبت کیا کرتی ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ کچھ (دولت) دنیا حاصل کروں۔ فرمایا یہ ان دونوں کا کام ہے خدا کی قسم میں ان میں ایک سے بھی نہ بولوں گا جب تک تو یہ کرے گی پھر تو دونوں نے اس کے کپڑے پکڑ لیے اور اس سے سوال کیا تو اس نے قبول کیا علی نے کہا کہ میں نے تیرا نکاح عون بن جعفر کے ساتھ کر دیا عون چند روز بعد مر گیا پھر علی اس کے پاس آئے اور کہا بیٹی اپنا اختیار مجھ کو دے اس نے دے دیا پھر اس کا نکاح عون کے بھائی محمد سے کر دیا وہ بھی مر گیا پھر اس کا نکاح محمد کے بھائی عبد اللہ بن جعفر سے کر دیا اور اس کے پاس مر گئی اور ابن سعد نے اس کے قریب قریب

اني لاستحي من اسماء بنت عميس مات ولداها عندنا فانا نخوف على الثالث قال فهلكت عنده ولم تلد لاحد منهم وذكر ابن سعد عن انس بن عياض عن جعفر عن محمد عن ابيه ان عمر خطب ام كلثوم الى علي فقال انما حبست بناتي على بني جعفر فقال زوجنيها فو الله ما على ظهر الارض رجل يرصد من كرامتها ما ارصد قال قد فعلت فجاء عمر الى المهاجرين فقال رفئوني فرفئوه فقالوا بمن تزوجت قال بنت علي سمعت عن النبي صلى الله عليه وسلم يقول كل سبب ونسب منقطع يوم القيامة الا صهري ونسبي وسببي وكان لي به عليه السلام النسب والسبب فاحببت هذا ايضا ومن طريق عطاء الخراساني ان عمر امهرها اربعين الفا واخرج بسند صحيح ان ابن عمر صلى على ام كلثوم وابنها زيد فجعله مما يليه وكبر اربعا وساق بسند آخر ان سعيد بن العاص هو الذي صلى عليها انتهى بلفظه۔

ذکر کیا اور اس کے آخر میں کہا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھ کو اسما بنت عمیس سے شرم آتی ہے کہ اس کے دو فرزند ہمارے پاس فوت ہو گئے اور تیسرے پر ہم کو خوف ہے کہا پس اس کے پاس آپ مر گئی اور ان میں سے کسی کے پاس نہ جنی اور ابن سعد نے بروایت انس بن عیاض عن جعفر عن محمد عن ابیہ ذکر کیا کہ عمر نے ام کلثوم کی منگنی کی علی سے درخواست کی انھوں نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو جعفر کے بیٹوں کے واسطے روک رکھا ہے عمر نے کہا مجھ سے بیاہ دے واللہ جس قدر میں اس کی بزرگی کا منتظر ہوں کوئی شخص نہیں کہ پہنچ پر امیدوار ہو گا علی نے کہا میں نے بیاہ دیا عمر مہاجرین کے پاس آئے اور کہا کہ مجھ کو نکاح کی مبارکباد دو پوچھا کس کے ساتھ نکاح کیا کہا علی کی بیٹی کے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا فرماتے تھے کہ ہر علاقہ دامادی اور ناتا رشتہ قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر میرا علاقہ دامادی اور رشتہ ناتا اور مجھ کو حضرت علیہ السلام سے رشتہ اور واسطہ تو تھا میں نے چاہا کہ یہ بھی ہو۔ عطا خراسانی کے طریق سے ہے کہ عمر نے اس کا چالیس ہزار مہر باندھا تھا اور سند صحیح کے ساتھ تخریج کی ہے کہ ابن عمر نے ام کلثوم اور اس کے فرزند زید پر نماز پڑھی اور اس کو اپنے متصل رکھا اور چار تکبیریں پڑھیں اور دوسری سند سے بیان کیا کہ سعید بن العاص امام ہوا تھا۔

علاوہ ازیں اسد الغابہ میں ترجمہ ام کلثوم میں ہے۔

ام كلثوم بنت علي بن ابي طالب امها فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ولدت قبل وفاة رسول الله صلى الله عليه وآله خطبها عمر بن الخطاب الى ابيها علي

ام کلثوم علی بن ابی طالب کی بیٹی اس کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پیشتر پیدا ہوئی عمر بن خطاب نے اس کی منگنی کا اس کے باپ کو پیغام

رضی اللہ عنہم فقال انہا صغیرۃ فقال عمر زوجنیہا یا ابا الحسن فانی ارصد من کرامتہا ما لا یرصد بہ احد فقال لہ علی انا ابعثہا الیک فان رضیتہا فقد زوجتکہا فبعثہا الیہ ببرد فقال لہا قولی ہذا البرد الذی قلت لک فقالت ذلک لعمر فقال قولی لہ قد رضیت رضی اللہ عنک و وضع یدہ علیہا فقالت اتفعل ہذا لو لا انک امیر المومنین لکسرت انفک ثم جاءت اباہا فاخبرتہ الخبر وقالت لہ بعثتنی الی شیخ سوء قال یا بنیۃ فانہ زوجک فجاء عمر فجلس الی المہاجرین فی الروضۃ وکان یجلس فیہا المہاجرون الاولون فقال رفئونی قالوا بماذا یا امیر المومنین قال تزوجت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول کل سبب ونسب وصہر ینقطع یوم القیمۃ الا سببی ونسبی وصہری فکان لی بہ علیہ الصلوٰۃ والسلام النسب والسبب فاردت ان یجمع الیہ الصہر فرفؤہ وتزوجہا علی اربعین الفا فولدت لہ زید بن عمر الاکبر ورقیۃ وتوفیت ام کلثوم وابنہا زید فی وقت واحد وکان زید قد اصیب فی حرب کان بین بنی عدی خرج لیصلح بینہم فضربہ رجل منہم فی الظلمۃ

اس نے کہا وہ صغیر سن ہے عمر نے کہا اے ابا الحسن میرے ساتھ اس کی شادی کر دے کیونکہ جس قدر میں اس کی بزرگی کا امیدوار ہوں کوئی شخص امیدوار نہ ہوگا علی نے کہا میں اس کو تیرے پاس بھیجوں گا اگر تیری رضا ہوئی تو میں نے تیرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا پھر اس کو ایک چادر دے کر بھیجا اور اس کو کہا کہ کہنا یہ چادر ہے جو میں نے تجھ سے کہی تھی اس نے عمر سے یہی کہا عمر نے کہا اس سے کہنا میں راضی ہوا خدا تعالیٰ تجھ سے راضی ہوا اور اپنا ہاتھ اس پر رکھا اس نے کہا تو ایسا کام کرتا ہے اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو میں تیری ناک توڑ ڈالتی پھر اپنے باپ کے پاس آکر ساری خبر بیان کی اور کہا کہ تو نے مجھ کو برے بڈھے کے پاس بھیجا تھا کہا بیٹیا وہ تیرا شوہر ہے پھر عمر مہاجرین کے پاس آکر روضہ میں بیٹھ گئے اور اس میں مہاجرین اولین بیٹھا کرتے تھے ان سے کہا مجھ کو نکاح کی مبارکباد دو کہا اے امیر المومنین کس کے ساتھ کہا میں نے ام کلثوم بنت علی کے ساتھ نکاح کیا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا فرماتے تھے ہر واسطہ اور قرابت اور دامادی تعلق قیامت کے روز منقطع ہوگا بجز میرے واسطہ اور قرابت اور دامادی کے اور مجھ کو علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ واسطہ اور قرابت تو تھی میں نے چاہا کہ دامادی کا تعلق بھی جمع ہو جاوے پھر مہاجرین نے اس کو مبارکباد دی اور چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا تھا زید بن عمر کلاں اور رقیہ پیدا ہوئی اور ام کلثوم اور اس کے فرزند زید نے ایک وقت میں وفات پائی اور زید کو بنی عدی کی خانہ جنگی میں زخم پہنچ گیا تھا باہم صلح کرنے کے واسطے نکلا تھا ان میں سے کسی شخص

فشجہ وصدعہ فعاش ایاما ثم مات ہو وامہ وصلی علیہما عبد اللہ بن عمر وحسین بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین ولما قتل عنہا عمر تزوجہا عون بن جعفر انتہی بلفظہ نقلا عن ازالۃ الغین۔

نے اندھیرے میں مارا جس سے سر پھٹ گیا پھر چند روز جیا پھر مر گیا وہ اور اس کی والدہ اور اس پر عبد اللہ بن عمر اور حسین بن علی نے نماز پڑھی اور جب عمر مقتول ہوئے تو پھر عون بن جعفر کے نکاح میں آئی۔

بعد نقل ان روایات اور نصوص و تصریحات کے اس نکاح کے ثبوت میں اہل سنت کے نزدیک کچھ خفا باقی نہ رہا لیکن چونکہ مکابرۃً وعناداً انتقالیہ حضرت کشمیری صاحب نزہہ آپ اس سے منکر ہیں اس لئے اجمالاً اس قدر اور معلوم کئے دیتے ہیں کہ علاوہ ان کے اور محدثین اہل سنت نے بطرق شتی اس روایت کے نقل و تخریج کی ہے اگر مفصلاً اس کو لکھا جاوے تو اندیشہ تطویل ہے اتنا اور معلوم رہے کہ محدث ابو صالح نے اور حافظ محمد عبد العزیز بن اخضر اور ابو نعیم نے کتاب معرفۃ الصحابہ میں اور طبرانی نے کبیر میں اور دارقطنی و طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی اور دارقطنی نے بطور سلسلۃ الذہب کے امام صادق سے امام حسین تک اور دارقطنی نے اور طرق مختلفہ سے اس روایت کی تخریجات کی ہیں ترجمہ روایات خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام روایات کا ازالۃ الغین میں نقل فرمایا ہے جس شخص کو دیکھنے کا شوق ہو ازالۃ الغین جلد اول کے آخر کو مطالعہ کرے اگرچہ اس کے اثبات کے لئے اور بھی نقول ہمارے پاس موجود ہیں لیکن چونکہ جس قدر نقل کر دیا ہے اہل انصاف کے لئے کافی و وافی ہے اور زیادہ کی حاجت نہیں اس لئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں،

اہل تشیع کی کتابوں سے فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ام کلثوم بنت زہرا رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ثبوت

اب اس کا ثبوت اہل تشیع کی کتابوں سے سنیئے اول تو یہ ہے جو کلینی نے روایت کی ہے بشرطیکہ عصمت سے مراد نکاح بغیر رضا پر تسلیم کریں اور اس میں بپاس خاطر مجیب نسیب کچھ چون و چرا نہ کریں ورنہ حقیقۃً غصب فرج سے نکاح مراد رکھنا صحیح نہیں ہے بلکہ روایات کے بھی خلاف ہے چنانچہ ہم آئندہ عرض کریں گے اور سنیئے اب حضرت شہید ثالث مجالس المومنین اثناء ذکر عباس رضی اللہ عنہ میں تحریر فرماتے ہیں در کتاب استیعاب و غیرہ آن مسطور است کہ چون عمر بن الخطاب

جہت ترویج خلافت فاسدۂ خود تزویج ام کلثوم دختر مطہر حضرت امیر امر نمود آنحضرت جہت اقامت
حجت مکر راظہار اباء و امتناع نمود عمر عباس را نزد خود طلبید و سوگند خورد. گفت اگر تو علی را راضی نسازی
آنچہ در دفع او ممکن باشد خواہم کرد و منصب سقایہ حج و زمزم از تو خواہم گرفت عباس ملاحظہ نمود اگر این نسبت
واقع نشود آن فظ غلیظ مرتکب چنان امور نا صواب خواہد شد از حضرت امیر التماس والحاح نمود کہ ولایت
نکاح آن مطہرہ مظلومہ باو تفویض فرماید چون مبالغہ عباس در آن باب از حد گذشت آنحضرت از روئے
اکراہ ساکت شد تا آنکہ عباس از تکاب تزویج از جنس خود نمود و جہت اطفاء نائرہ فتنہ او را بآن
منافق ظاہر الاسلام عقد فرمود و ظاہر او اسطہ این وکالت فضول و امثال آن حضرت امیر عباس را
مانند دیگر یاران فدائی خود راسخ در محبت و اخلاص نمیدانست و ہذا حینا کہ مبالغا در احوال سید الشہداء
مذکور شد آنحضرت از عباس و عقیل بحلیفین جاہلین تعبیر فرمود. اور یہی بات آپ کے شہید ثالث
قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں ترجمہ محمد بن جعفر طیار میں تحریر فرماتے ہیں۔ و محمد بن
جعفر بعد از فوت عمر بن الخطاب بشرف مصاہرت امیر المومنین مشرف گشتہ ام کلثوم را کہ باعدم
کفاءت از روئے اکراہ در حبالہ عمر بود تزویج نمود. اور سنیئے صاحب تاریخ حبیب السیر نے خاتمہ
ذکر فاروق پر جس جگہ ان کی ازواج و اولاد کا ذکر کیا ہے لکھا ہے. ہجم ام کلثوم بنت امیر المومنین علی
بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ و ازوی پسری و دختری تولد نمود و پسر زید نام داشت و دختر رقیہ و از ایشان
عقب نماند چنانچہ در مقصد اقصیٰ مذکور است زید را عبد الملک بن مروان زہر داد. اور سنیئے آیات بینات
سے نقل لکھتے ہیں (۱) قاضی شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ ختن دختر عثمان داد و ولی دختر
بعمر فرستاد (۲) ابو القاسم قمی شارح شرایع اس قول کی تصریح میں

یجوز نکاح العربیۃ بالعجمی والہاشمیۃ بغیر الہاشمی	نکاح عربی عورت کا عجمی مرد کے ساتھ اور ہاشمی عورت کا غیر ہاشمی مرد کے ساتھ جائز ہے۔

لکھتا ہے۔

زوج علی بنتہ ام کلثوم من عمر	حضرت علی نے اپنی دختر ام کلثوم کو عمر کے ساتھ بیاہ دیا۔

(۳) مجالس المومنین میں ابو الحسن علی بن اسمٰعیل سے نقل کیا ہے۔ او را از چند امر پرسیدند
کہ از ان جملہ متقدمہ نکاح خلیفہ ثانی است جواب داد کہ دادن دختر بعمر کہ جناب امیر المومنین را اتفاق افتاد
باین جہت بود کہ اظہار شہادتین مے نمود و زبان اقرار بفضیلت رسول می گشود و در ان باب غفلات
و فتنا ثنت او نیز مسطور بود.

(۵) تہذیب میں ہے۔

عن محمد بن احمد بن یحییٰ عن جعفر بن محمد القمی عن القداح جعفر عن ابیہ علیہم السلام قال ماتت ام کلثوم بنت علی علیہ السلام وابنہا زید بن عمر بن الخطاب فی ساعۃ واحدۃ ولا یدری ایہما ہلک قبل فلم یورث احدہما من الآخر وصلی علیہما جمیعا۔	امام محمد باقر سے روایت ہے کہا ام کلثوم بنت علی علیہ السلام اور اس کا فرزند زید بن عمر ایک وقت میں فوت ہوئے اور یہ نہ معلوم ہوا کہ کون ان میں سے پہلے فوت ہوا اس لئے ایک دوسرے کا وارث نہ ہوا اور دونوں پر اکٹھی نماز پڑھی گئی۔

(۶) قول مرتضیٰ کا شافی اور تنزیہ الانبیاء میں۔

فاما انکاحہ بنتہ فقد ذکرنا فی کتاب الشافی الجواب عن ہذا الباب مشروحا و بینا انہ علیہ السلام ما اجاب عمر الی نکاح ابنتہ الا بعد توعد وتہدد و مراجعۃ ومنازعۃ وکلام طویل ماثور اشفق معہ من سوء الحال وظہور ما لم یزل یخفیہ۔	لیکن حضرت کا نکاح کر دینا پس اس بات کی طرف سے مشرح جواب ہم نے کتاب شافی میں ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ علی علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے نکاح کو عمر کے ساتھ قبول نہیں کیا مگر ڈرانے اور دھمکانے اور جھگڑے اور بہی گفتگو کے بعد جس میں برے انجام کا اور اس کے ظاہر ہو جانے کا جس کو ہمیشہ چھپاتے تھے خوف ہوا۔

(۸) مصائب نواصب میں قاضی شوستری نے لکھا ہے کہ محدثین کا اقرار ہے کہ یہ نکاح جبر و
اکراہ سے ہوا. انتہی چونکہ ہم جو تھا ثبوت اصل کتاب سے اور ساتوں اوپر نقل کر چکے تھے اس لئے
یہاں ترک کر دیا. غرض کہ اگر تتبع کیا جاوے تو اور بھی بہت طرق سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہے
لیکن صاحب عقل و دین کے واسطے یہ بھی کافی ہے. اب بعد ان نصوص و تصریحات کے جو فریقین
کی کتب معتبرہ اور علماء معتمدین کے اقوال سے نقل ہوئے کوئی شخص جس کو ذرا سی عقل اور تھوڑا سا دین
واہب العطیات کی طرف سے ملا ہو اس امر کا انکار نہیں کر سکتا کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ
عنہا سے ہوا اور یہ دعوے نہیں کر سکتا ہے کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت صدیق سے منعقد ہوا کیونکہ روایات
مذکورہ صریح دلالت کرتی ہیں کہ علماء فریقین کے نزدیک مسلم ہے کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت علی جو حضرت
زہرا کے بطن مبارک سے تولد ہوئیں منعقد ہوا روایات اہلسنت میں تو صریح مذکور ہے حاجت بیان
نہیں اور روایات شیعہ میں بھی گویا تصریح ہے قاضی صاحب شوستری نے بعد عمر کے محمد بن جعفر کے

مصاہرات بیان کی اور ظاہر ہے کہ یہ مصاہرت بسبب تزویج ام کلثوم بنت فاطمہ تھی نہ بسبب تزوج ام کلثوم بنت صدیق کے ابوالقاسم قمی نے ام کلثوم کے ہاشمیہ ہونے کی شہادت دی اور تسلیم کر لیا اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ام کلثوم بنت فاطمہ ہوں اگر یہ ام کلثوم بنت صدیق ہو تو ہر ایک احمق بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہ ہاشمیہ نہ ہوں گی اور اسی طرح باقی نصوص بھی اسی طرف راجع ہیں غرض کہ ان نصوص و تصریحات سے بخوبی ثابت ہے کہ یہ نکاح حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ سے ہوا، اگرچہ اس کے بعد کچھ ضرورت نہ تھی کہ ہم اس کے ابطال کی طرف اور بھی متوجہ ہوں، لیکن اس لئے کہ ناظرین رسالہ حضرات شیعہ کے دین و دیانت فہم و فراست اور عقل و کیاست علم و فضیلت کا بخوبی اندازہ فرمالیں اور معلوم کریں کہ یہ حضرات ہمیشہ نئی نئی تراش و خراش مذہبی فرماتے رہتے ہیں اور آئے دن ایک نئی گھڑت ہوتی رہتی ہے تھوڑی سی اور بھی اس مسئلہ کی توضیح کرتے ہیں پس واضح ہو کہ تتبع قاصر احقر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب اور یہ توجیہ جو ہمارے فاضل مجیب نے فرمائی ہے، قاضی شوستری کے زمانہ تک بلکہ اسکے بعد کشمیری صاحب نزہہ تک بھی ایجاد نہ ہوئی تھی، کہ انھوں نے اس لاجواب توجیہ کو اختیار بلکہ ذکر بھی نہ فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایجاد و اختراع حال کا ہے، اول متقدمین میں بعض علمار اعلام نے مثل شیخ مفید کی اس نکاح کے وجود سے ہی انکار کیا اور فرمایا کہ جس روایت میں یہ مروی ہے وہ روایت زبیر بن بکار کی طریق سے ہے اور وہ مبغض امیر المومنین ہے اور قابل اعتبار کے نہیں، پھر جب دیکھا کہ انکار ایسی خبر کا جو بمنزلہ متواتر کے ہے پیش نہیں جاتا اور ماہتاب مشت خاک سے نہیں چھپ سکتا تو دوسرے راہ چلے بعضوں نے جناب امیر کے معجزہ اور کرامت پر ٹالا، کہ آپ نے وفد نجران سے ایک جنیہ بلا کر اور متشکل بشکل ام کلثوم کر کے بھیج دی تھی اور وہ جنیہ حضرت عمر کے پاس رہی کسی نے تقیہ کی پناہ پکڑی کسی نے حضرت کے صبر و سکوت کا نتیجہ کہا، کسی نے بنات لوط کو مشبہ بہ قرار دیا کسی نے بنات طیبات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مماثل بتلایا، کوئی سبب ظاہری کلمہ گوئی عمر کے اس کو جائز اور مباح کہتا ہے اور کوئی بوجہ نفاق و کفر باطنی کے اس کو مثل اکل میتہ ولحم الخنزیر کے اضطرار بحق جناب امیر ثابت کرتا ہے، غرض کوئی مستانہ وار کچھ نغمہ سرائی کر رہا ہے کسی کا کچھ ترانہ ہے لیکن کوئی اس لجۂ مصیبت سے ساحل خلاص پر نہ پہنچا اور کسی کو اس ورطۂ ہلاکت سے راہ نجات نہ سوجھی، تمام تاویلات مہمل اور ساری تسویلات لغو و لاطائل جب کوئی توجیہ گرہ کشا نہ ہوئی اور دیکھا کہ خصم کو گبرِ رہائی محال ہے تو اس لئے مجیبوں نے ایک نیا جامہ بدلا اور نئی توجیہ نکالی اور اس کو مایہ دلتنگی سمجھا حالانکہ وہ بہ نسبت توجیہات سالقہ کے بھی زیادہ لغو و بیہودہ ہے اور بیہودہ اس کا ثابت ہے

شیعہ کے اس دعوٰی کا ابطال کہ فاروقؓ کا نکاح ام کلثوم بنت صدیقؓ سے ہوا

اول صریح روایات فریقین کے اس کے مکذب ہیں روایات سے صاف ثابت ہے کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت فاطمہؓ سے ہوا، اگر یہ نکاح فی الواقع ام کلثوم بنت صدیق سے ہوا تھا تو آپ کے علماء نے کیوں زبان سے نکالا اور آج تک یہ لغو توجیہات کیوں کرتے رہے، اجی حضرت اگر واقعی یہ نکاح بنت صدیقؓ سے ہوا ہوتا تو آپ کے اکابر تو ایک عالم کو سر پر اٹھا لیتے اور برخلاف اس کے اپنے عجز کے معترف ہیں، دوسری یہ کہ عمر بن خطاب بزعم شیعہ دشمن اہلبیت اور ان کی تذلیل و توہین کے درپے تھے چنانچہ اہلبیت کے گھر کو جلا دیا اور طرح طرح کی اہانت کی جس کا بیان خارج از حد امکان ہے پس مقصود اس نکاح سے یا اہل بیت کو ایذا رسانی تھی چنانچہ تعلقات باہمی سے حسب روایات شیعہ ظاہر و باہر ہے، یا مقصود ترویج خلافت تھی کہ اس بضعۃ الرسول جگر گوشہ بتول کو عقد ازدواج سے وجاہت خواص و عوام میں ہو جاتے گی چنانچہ قاضی صاحب شوستری نے اس امر کی تصریح فرمائی اور نہایت بدیہی ہے کہ یہ دونوں امر جب تک ام کلثوم بنت فاطمہؓ تسلیم نہ کی جاویں حاصل شدنی نہیں تیسرے یہ کہ یہ محض جھوٹ اور افترا ہے کہ ام کلثوم بنت صدیق حضرت امیر المومنین کی بیٹی بسبب ربیبہ ہونے کے مشہور تھی جب تک اس کی شہرت کو دلائل معتبرہ سے ثابت نہ فرما دیں لائق التفات نہیں بلکہ یہ ممکن نہیں کیونکہ بعد نزول آیت ادعوھم لابائھم ھو اقسط عند اللہ۔ غیر باپ کی طرف نسبت کرنا ممنوع ہو چکا تھا، اور نیز ام کلثوم بنت علی کے ساتھ التباس و اشتباہ کو یہ اطلاق مستلزم تھا اس لئے ہرگز یہ اطلاق صحیح نہیں ہو سکتا ورنہ تو لازم آتا ہے کہ محمد بن ابی بکر پر بھی محمد بن علی ابن ابی طالب کا اطلاق کیا جاوے کیونکہ جیسی ام کلثوم حضرت کے ربیبہ تھی ایسے ہی محمد بن ابی بکر بھی آپ کے ربیب تھے بلکہ محمد بن ابی بکر کو بہ نسبت ام کلثوم کے بہت زیادہ خصوصیت تھی، حسب روایات شیعہ اپنے حقیقی باپ سے زیادہ حضرت کو سمجھتے تھے ہمیشہ حضرت کے رفیق و غمگسار رہے حضرت بھی بکمال شفقت محمد بن ابی بکر کو ولد ناصح سے یاد فرماتے ہیں، چنانچہ نہج البلاغت میں یاد آتا ہے کہ مروی ہے، چوتھی یہ کہ اگر بفرض محال روایات میں ام کلثوم بنت علی سے ام کلثوم بنت صدیق ہی مراد ہوں تاہم صحیح نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ اطلاق مجازا ہے اور متفق علیہ مسلم ہے کہ

عدول —— عن الحقیقة جب تک حقیقت متعذرہ نہ ہو اور قرینہ صارف عن الحقیقة قائم نہ ہو اس وقت تک
معنی —— مجازی صحیح نہیں ہو سکتے۔ ما نحن فیہ میں ہرگز معنی حقیقی متعذر نہیں بلکہ معنی مجازی متعذر ہیں۔
چنانچہ —— ہم عنقریب بیان کریں گے اور قرینہ صارف عن الحقیقة بھی مفقود ہے کوئی قرینہ لفظی یا عقلی ایسا
نہیں —— ہے جو حمل علی الحقیقة سے مانع ہو بلکہ صریح قرائن حمل علی الحقیقت کو مستلزم ہو رہی ہیں چنانچہ
علت —— تزویج خلافت بیان کرنا اور بعد انتقال فاروق کے محمد بن جعفر کے ساتھ عقد واقع ہونا، عدم کنایت
کا ہونا —— حضرت کے فعل کے ساتھ کہ آپ نے اپنی دختر مطہرہ ذی النورین کو دی مخفی مماثلت بیان
کرنا تا —— تمیمہ ہونا، یہ سب قرائن مستلزم اس کو ہیں کہ یہ ام کلثوم جناب امیر کی صلبی دختر تھیں اور
بنت صدیق —— جو آپ کی ربیبہ تھیں نہیں تھی، پا بجوئی اس تاویل وتسویل کے گھڑنے اور تراشنے والے
کو یہ بھی —— نہ سوجھا کہ اتنا سمجھیں کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت صدیق سے ممکن ہے یا نہیں اور تاریخ ولادت
دونوں —— ام کلثوم بنت علی مرتضیٰ اور ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق کو دیکھیں کہ سچ ہے دروغ گو را حافظہ
نباشد —— بھئے اب اس عقدہ کو ہم کھولتے ہیں اور حضرات کی اس توجیہ کو ہباءً منثورًا کرتے ہیں اور دل
میں ملا —— تے ہیں اب چاہیے کہ کسی اور تاویل تراشنے کی فکر فرمائیں پس واضح ہو کہ یہ نکاح متنازع فیہ
ام کلثوم —— بنت صدیق سے ممکن نہیں کیونکہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی اس
وقت تک —— ام کلثوم پیدا نہیں ہوئی تھی [illegible] تو [illegible] خلافت فاروق میں پیدا ہوئی چنانچہ
ابن حجر عسقلانی —— [illegible] تقریب التہذیب میں تحریر فرماتے ہیں

ام کلثوم —— بنت ابی بکر الصدیق توفی ابوھا [illegible]
[illegible] —— من الثانیة [illegible]
[illegible] سے

[illegible]
[illegible] —— [illegible]
[illegible] —— [illegible]
[illegible] —— [illegible]
[illegible] —— [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ——

کے ساتھ جیسا شیعیان وقت کا زعم ہے اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا ہے نہ کسی دوسرے عمر یا عمرو کے ساتھ جیسا شاید مجبور ہو کر شیعیان آئندہ دعویٰ کرنے لگیں کیونکہ اول تو متقدمین اور متاخرین علماء شیعہ نے اس کو قبول اور تسلیم فرما لیا ہے چنانچہ روایات سابقہ سے واضح ہو چکا نہیں صرف تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ فقہاء شیعہ نے اس سے استنباط مسائل بھی فرمایا ہے چنانچہ ابوالقاسم قمی شارح شرائع کی تصریح سے واضح ہے۔ پھر یہ ام کلثوم بنت فاطمہؓ حضرت امام حسن حسین زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہم سے حسب تصریح صاحب الہامیہ چھوٹی ہیں اور ۸ یا ۹ ہجری میں تقریباً پیدا ہوئیں تو ابتدا خلافت فاروقی میں ان کی عمر تقریباً پانچ سال کی ہوگی کیونکہ دو برس اور پانچ چھ ماہ خلافت صدیقی کے بھی گذرے اور صاحب الہامیہ نے جو بعض روایات سے ثابت کیا کہ نکاح کے وقت حضرت عمرؓ کا سن ساٹھ برس کا تھا کچھ قابل اعتبار نہیں کیونکہ اسی روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ ام کلثوم کی عمر چار سالہ تھی اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر کی عمر تریسٹھ سال سے متجاوز نہیں تو وفات حضرت عمرؓ کے وقت ام کلثوم سات سالہ ہوئیں اور ان کے بطن مبارک سے دو بچے بھی تولد ہوئے ایک زید دوسری رقیہ تو کیا کوئی عاقل تجویز کر سکتا ہے کہ سات سال عمر تک دو بچے کسی لڑکی کے پیدا ہو جائیں اصل یہ ہے کہ واقفان سیر جانتے ہیں کہ بزرگوں کی تولد اور وفات اور سن عمر وغیرہ میں اختلاف کثیر ہے کوئی امر ایسا نہیں الا ماشاء اللہ جس میں اختلاف نہ ہو۔ خود حضرت عمرؓ کی عمر کو ۵۹ سال ہی لکھا ہے۔ تو کوئی شخص قطعی طور پر کسی امر کے سن کو معتبر نہیں سمجھ سکتا علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ بداہت عقل صراحۃً اس کی تکذیب کرتی ہو اور قرینۂ قاطعہ اس کے کذب ہونے پر قائم ہو۔ قطع نظر اس سے ہم تسلیماً کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور اس کی وجہ صحت یہ ہے کہ عموماً عرب میں شائع ہے کہ آحاد کی کسرات میں شہور کو ساقط کر دیتے ہیں اور عشرات کی کسرات میں آحاد کو گرا دیتے ہیں۔ خاص کر جب کہ تعین کسر معلوم نہ ہو تو اس روایت میں بھی چونکہ سال نکاح علی التعیین معلوم نہیں لیکن پچاس اور ساٹھ کے تقریباً مابین واقع ہوا ہے اس لئے کسرات کو حذف کر دیا اور عشرہ و اطلاق کر دیا۔ نقل روایت میں رسالہ الہامیہ کے یہ الفاظ ہیں چھٹی روایت اسی کتاب المودۃ مذکور میں یوں ہے۔

ان عمر بن الخطاب لما خطب ام کلثوم و اعتذر علی بصغرها فقال عمر ما حاجتی الی النساء ولکن ابتغی الوسیلة الی محمد علیه السلام ورحم لیقول کل سبب ونسب

عمر بن خطاب نے جب ام کلثوم کی خواستگاری کی اور علی نے اس کی صغر کا عذر کیا تو عمر نے کہا کہ مجھ کو عورتوں کی طرف رغبت نہیں میں محمد علیہ السلام کی طرف وسیلہ چاہتا ہوں اور وہ فرماتے ہیں ہر واسطہ اور

ینقطع بالموت الا سببی ونسبی فزوجها علی ایاه بمهر اربعین الف درهم فساق ذلک کله عمر وهی ابنة اربع سنین او ما بین الاربع والخمس وعمر ستین سنین فاجلسها عمر الی جنبه فرفع میزرها ومسح یده علی راسها فجرد ساقها فرفعت یدها وکادت ان تلطمه وقالت لولا انک امیر المومنین للطمت علی خدک فقال عمر دعوها فانها هاشمیة قرشیة۔

رشتہ موت سے منقطع ہو جائے گا مگر میرا واسطہ اور رشتہ تو علی نے چالیس ہزار درہم مہر پر اس کا نکاح عمر کے ساتھ کر دیا، عمر نے یہ سب بھیج دیا اور ام کلثوم چار سالہ تھی اور عمر کی عمر ساٹھ برس تھی تو عمر نے اس کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور اس کے آزار کو اٹھایا اور اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا اور اس کی پنڈلی کھولی اس نے ہاتھ اٹھایا اور قریب تھی کہ عمر کے طمانچہ مارے اور کہا کہ اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو تیرے رخسار پر طمانچہ مارتی عمر نے کہا اس کو جانے دو یہ ہاشمیہ قرشیہ ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت کے صریح الفاظ کا مدلول یعنی وسیلہ کا طلب گار ہونا روایت کل سبب الخ بیان کرنا حضرت علی سے خواستگار ہونا، ہاشمیہ قرشیہ اس کو کہنا یہ سب اس کی بنت فاطمہؓ ہونے کو مستلزم ہیں اور بنت صدیق ہونے کو نافی، پھر یہ نکاح ام کلثوم بنت صدیق رضی اللہ عنہ سے ہونا ممکن نہیں کیونکہ اول تو یہ ابتدائے خلافت فاروقی میں تولد ہوئی اتنے زمانہ میں اس کا بالغہ ہونا اور دو بچے پیدا ہونا محالات عادی سے ہے پھر عمر کو اس کی خواستگاری کی کچھ حاجت نہ تھی، اہلبیت صدیق سے عداوت نہ تھی کہ اس کی تذلیل و توہین مدنظر ہو۔ بلکہ اگر حضرت عمرؓ موافق ہمارے اعتقاد کے خلیفہ راشد تھے ان کی غرض اس نکاح سے رسولؐ کے ساتھ پیوند کی تھی چنانچہ ہماری روایات سے ثابت ہے اور اگر حسب مزعوم شیعہ دشمن اہل بیت تھے تو بھی ان کی غرض اسی ام کلثوم سے متعلق تھی کیونکہ اسی کے غصب میں تذلیل اہلبیت ہے نہ بنت ابوبکر میں۔ اور اگر لبفرض محال یہ ام کلثوم بنت صدیق ہوتی تو حضرت امیر سے اس کی خواستگاری کے کیا معنی آپ کی ہمت السعداء کی روایت سے جس کو علماء شیعہ نے معتمد سمجھ کر اپنا مستدل قرار دے رکھا ہے ثابت ہے کہ حقیقی بھائی ام کلثوم کا عبدالرحمن بن ابی بکر تھا تو ظاہر ہے کہ وہ ولی ام کلثوم کا ہوا نہ حضرت امیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر لاریب موالین خلفاء میں سے تھا اگر عمر اس کی خواستگاری فرماتے تو حضرت امیر کا اس میں کچھ دخل نہ تھا نکاح بولایت عبدالرحمن بلا دقت اور بدون کشاکش کے ہو جاتا پس اے حضرات ذرا ہوش میں آؤ عقل کے ناخن لو اور جب اہل حق کے مقابلہ میں قدم رکھو اور سمجھ لو کہ اس قسم کے الہامات الہام نہیں بلکہ

محض وسوسہ شیطانی ہیں۔ معہذا یہ کچھ ام کلثوم ہی پر تو منحصر نہیں بلکہ لفظ کافی کلینی صاف دال ہیں کہ یہ غضب معاذ اللہ توبہ توبہ بہت سے فروج دشمنان اہلبیت پر واقع ہوا وہ اس کو اول فروج غصبت منا فرماتے ہیں اور اولیت اسی وقت متحقق ہو گی جب کہ پیچھے بھی یہ سانحہ ہوش ربا واقع ہوا ہو۔ غالباً اس سے آپ کے امام کلینی کی مراد یہ ہو گی جو حضرات ائمہ اپنی بنات اور اخوات کو معاذ اللہ نواصب کو دیتے تھے، چنانچہ حضرت سکینہ مصعب بن زبیر کے نکاح میں تھی یہاں بھی فرمائیے کہ سکینہ کوئی اور سکینہ تھی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مطالبہ تصحیح حوالہ اور مجیب کی دیانت داری

اب تیسری روایت کی کیفیت بھی سن لیجئے کہ جو ہمارے فاضل مخاطب نے فتح الباری شرح بخاری سے نقل کی ہے۔ اصل اس روایت کو قاضی نوراللہ شوستری نے ابن حجر متاخر لعینی مکی سے اپنے مصائب میں نقل کیا ہے جس کا ترجمہ خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الغین میں اس طرح کیا ہے۔ بآنکہ معارض ست باپنجہ ذکر کردہ اند آنرا بسیاری از اہلسنت از جملہ ایشان ابن حجر متاخر ست در کتاب خود گفتہ کہ چون علی علیہ السلام ابا کرد آنرا نکاح ابنۃ خود از [illegible] عمر و صغر او را عذر ساخت و عذر او را عمر قبول نمود تا آنکہ ملجا ساخت علی را بآنکہ ام کلثوم را [illegible] بس او را نزد عمر فرستاد و چون عمر او را دید اخذ کرد و ضم نمود او را بخود و بوسید او را و لعد از آن ابن حجر عذر خواست [illegible] عمر کردہ بود از ضم و تقبیل چنین از وقوع عقد تحلیل بآنکہ ام کلثوم بنا بر صغر بحدی نرسیدہ بود کہ سبب شہوت شود تا حرام شود ضم و تقبیل و اگر صغر او نمی بود پدر او را نمی فرستاد۔ بعد قاضی شوستری کے اس روایت کو آپ کے علامہ کشمیری نے نزہہ میں ابن حجر سے نقل کیا ہے اور مطابق ابن حجر لکھا ہے نہ عسقلانی لکھا نہ مکی لکھا نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ چہارم آنکہ معارض ست [illegible] اہلسنت در بارہ نکاح حضرت ام کلثوم ذکر کردہ اند از ان جملہ ابن عبد البر [illegible] استیعاب [illegible] [illegible] عمر بن الخطاب خطب الی علی [illegible] ام کلثوم [illegible] علی [illegible] فان رضیت [illegible] عن ساقہا فقالت [illegible] امیر المومنین [illegible] [illegible] بنت علی [illegible] [illegible] یقین [illegible] [illegible] الیہ فلما

[illegible] رآہا عمر اخذہا وضمہا الیہ وقبلہا۔ بعد شوستری اور کشمیری کی اس روایت کے ایک حصہ کو ہمارے فاضل مجیب نے نقل کیا اور فتح الباری شرح صحیح بخاری کی طرف اس روایت کی تخریج کو نسبت کیا جو علامہ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف ہے پس اول تو یہ روایت ان روایات کے مخالف ہے جو موافق جمہور کے ابن حجر نے اصابہ میں بیان کی ہیں چنانچہ ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ پھر ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس روایت کی نقل میں شوستری صاحب سچے ہیں کہ یہ روایت موافق ان کی ابن حجر متاخر مکی کی ہے یا ہمارے فاضل مجیب سچے ہیں کہ یہ روایت ان کے فرمانے کے موافق ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے چونکہ بوجوہ مذکورہ ہم کو اس روایت کی صحت نقل میں کلام ہے اس لئے ہم اپنے فاضل مجیب سے دریافت کرتے ہیں کہ فتح الباری میں یہ روایت کس جگہ مذکور ہے تاکہ ہم اس کی صحت نقل پر مطلع ہوں فتح الباری کو یہاں تک اس کے موقع میں تتبع کیا گیا ہم کو دستیاب نہیں ہوئی اور برتقدیر محال فتح الباری میں یہ روایت ہو تاہم چونکہ یہ روایت مخالف جمہور محدثین مثل صاحب استیعاب و شیخ ابن السمان و دارقطنی و بیہقی و شریف موسوی اور طبرانی وغیرہ کی ہے بلکہ خود عسقلانی کی روایت کے بھی مخالف ہے کہ تمام تحقیقات جہابذہ محدثین کی صراحۃً [illegible] میں اس لئے قابل اعتبار و احتجاج کے نہیں ہو سکتی [illegible] اگر [illegible] حدیث [illegible] [illegible] [illegible] زیارت [illegible] اور کثرت مراجعت و معاودت [illegible] خلاف [illegible] [illegible] [illegible]

صرف تنازع لفظی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ زبردستی بیٹی چھین لی۔ جس سے بادی النظر میں دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس الجاء و اکراہ کی غایت نکاح ہے چنانچہ ہمارے مخاطب لبیب نے اسی مدعا کے ثبوت کے لئے اس روایت کو اس جگہ نقل کیا ہے حالانکہ یہ محض غلط اور فریب دہی ہے بلکہ غایۃ الجاء۔ واکراہ جو عبارت لاحقہ سے مفہوم ہوتی ہے وہ صرف دکھلانا حضرت ام کلثوم کا تھا چنانچہ حتی الجاہ ان یریہا اس پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ نکاح کے لئے بروایات مسلمہ فریقین دیکھنا مخطوبہ بالغہ کا بھی جائز بلکہ مندوب ہے چہ جائیکہ صغیرہ ہو کہ صغیرہ کا جس کی عمر چھ سات سال کی ہو علی الخصوص ایسی حالت میں کہ عرب کی رسم و عادت کیخلاف نہ ہو دیکھنا یا دکھلانا مستلزم کسی محذور کو نہیں ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہو بھی تاہم مفید مدعا مجیب نہیں ہے کیونکہ مدعا اثبات الجاء و اکراہ درباب نکاح ام کلثوم بنت صدیق ہے اور اس روایت سے کسی طرح اس ام کلثوم کا بنت صدیق ہونا ہرگز مفہوم نہیں ہوتا تو ام کلثوم بنت صدیق کے نکاح کی نسبت الجاء و اکراہ کیونکر پایۂ ثبوت کو پہنچے گا۔ کیونکہ اس کے نکاح کی نسبت الجاء و اکراہ تو فرع اس کی وجوہ کی ہے جب روایت میں اس کی وجوہ کا ثبوت ہی نہیں تو اس کے نکاح کی نسبت الجاء و اکراہ کا دعوے کرنا ذوی العقول کا کام نہیں ہے۔

جناب امیر کے تقیہ کرنے اور مجبور و مکرہ ہونے کا روایات متعددہ سے بطلان

رہا یہ کہ مذہب شیعہ میں اگرچہ روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ نکاح ام کلثوم بنت فاطمہؓ سے بجبر و اکراہ ہوا چنانچہ روایت کلینی اول فرج غصبت منا سے یہ امر واضح ہے اور قاضی شوستری وغیرہ کی تصریحات اس پر دال ہیں۔ لیکن یہ امر سراسر لغو اور لاطائل ہے۔ کیونکہ جناب امیر جو اس جبر و اکراہ و اہانت و تذلیل کے متحمل ہوئے دو حال سے خالی نہیں یا یہ کہ یہ صبر و سکوت بوجہ وصیت کے تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد خلفاء جور جو کچھ احداثات و ابتداعات کریں ہرگز چون و چرا نہ کرنا اور جس قدر توہین و تذلیل ثقلین کریں صبر و تحمل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ اور یا اس وجہ سے تھا کہ آپ بے یار و مددگار تھے آپ کو یہ خوف تھا کہ آبرو لی سو گئی مبادا جان بھی جلے اس لئے آپ نے ان کفریات کو جھیلا اور ان میں شریک رہے

لیکن دونوں توجیہیں ایسی خرافات و پوچ ہیں جن کا بطلان ہر ایک ذی خرد نظر بداہتہ میں سمجھ سکتا ہے۔ احتمال اول بالکل غلط اور خلاف اصول شیعہ ہے کیونکہ بالاتفاق تمام اثنا عشریہ لطف خدا پر عقلاً واجب اور خلاف لطف قطعاً حرام اور قبیح۔ پس اگر یہ وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوند تعالیٰ شانہ فرمائی تو معاذ اللہ خدا تعالیٰ اور اس کا رسول آمر بالقبیح ہوتے۔ کیونکہ امام عام اور نائب رسول کو یہ وصیت کرنا کہ بعد حضرتؐ کے کفار و فجار کے ہم پیالہ و ہم نوالہ رہیں کسی کو راہ ہدایت کی طرف دعوت نہ کریں بلکہ تقیہ کے پردہ میں عوام کو جھوٹے اور غلط مسئلہ بتلا کر راہ حق سے گمراہ کریں اہل کفر و نفاق و بغض و شقاق اگرچہ دین کو برباد کریں شریعت کو بدلیں حلال کو حرام کریں مثلاً متعہ کو جس کے متعدد دفعہ کرنے سے ہر ایک دفعہ میں عوام کالانعام قضاء شہوت بہیمی بھی کریں اور بتدریج ائمہ کے مراتب پر بھی فائز ہوں اور اس کے غسل کے پانی سے جس قدر قطرات ٹپکیں ان سے فرشتے پیدا ہوں۔ ایسی نعمت بے پایاں کو حرام کریں۔ حقوق کو چھینیں بنات طیبات کو غصب کریں دم نہ ماریں چون و چرا نہ کریں۔ سراسر خلاف لطف اور قبیح اور حرام ہے اور خلاف اس غرض کے ہے جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور کتاب نازل ہوئی اور جہاد کا حکم سنایا گیا اور اگر غرض اس سے حفظ اور بقاء ظاہری ایمان تھی اور اس وجہ سے اس کو مستحسن سمجھا گیا تو یہ بھی بالکل واہیات ہے کہ نفاق کا بقا اور اس کا حفظ اور اس کی حمایت خداوند کریم کو اور اس کے رسول کو اس درجہ مہتم بالشان ہو کہ اس کے مقابلہ میں اس کا دین حنیف برباد ہو جاوے اور اس کی کتاب خراب ہو اور اہلبیت نبوی ذلیل و خوار ہوں۔ پھر بھی اس نفاق کا بقا مد نظر رہے نعوذ باللہ من ذلک اور جب یہ اشد قبیح اور محرم ہے تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ایسی قبائح و شنائع کا امر صادر ہونا امر محال و ممتنع ہے۔ احتمال ثانی بھی بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ اگر تمام صحابہ الا معدودی آپ کے دشمن تھے تو جنگ جمل و صفین کے وقت میں آپ کے ہمراہ ہو کر ہزارہا صحابہ نے جان بازیاں کیں وہ کہاں سے پیدا ہو گئے تھے پہلے کیوں دشمن تھے اور اب کیوں دوست ہو گئے۔ بلکہ اگر تامل کیا جاوے تو سب زیادہ اسباب عداوت تھے آپ اپنی امارت میں خواہشات نفسانیہ سے ضرور رو سکتے ہوں گے جس پر مدار ناخوشی کا ہے اسی واسطے آپ نے ارشاد فرمایا تھا و اللہ وددت ان اللہ اخرجنی من بینکم کذا فی نہج البلاغت۔ تو جب اس وقت آپ کے ہمراہ ہوتے اور آپ پر اپنی جانوں کے فدا کرنے تک دریغ نہ کیا تو یا اس وقت ہمراہ نہ ہوتے سب یار و مددگار ہوتا تو اس وقت ہوتا کہ آپ مناظرت فرماتے اور کوئی آپ

کے ہمراہ نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں یار و مددگار کی آپ کو کیا ضرورت تھی، آپ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ میرے قتل و ہلاک پر تو قادر نہ ہو سکیں گے اور بمقابلہ آپ کی شجاعت کے کس کی طاقت تھی کہ سامنے آسکے پس یا خوف آبرو ہوتا ہے سو وہ جا چکی تھی اور یا خوف جان وہ جانے والی نہ تھی پھر معلوم نہیں ایسی حالت میں اس لغو وصیت سے کیا فائدہ اور آپ کو یار و مددگار کی کیا ضرورت، تعجب تو یہ ہے کہ بمقابلہ امیر معاویہ کے نہ وصیت یاد آئی نہ شیعیان مخلصین کے نہ ہونے کا اس وقت خیال آیا حالانکہ امیر معاویہ کی طرف سے اس تعدی کا عشر عشیر بھی ظہور میں نہیں آیا کہ جو خلفاء سے عموماً ظاہر ہوئے پھر اگر وصیت کو منحصر زمانہ خلفاء ثلثہ پر سمجھا جائے تو ترجیح بلا مرجح بلکہ ترجیح مرجوح کی لازم آوے اور مابہ الفرق کوئی نہ نکلے معہذا ان دونوں تاویلوں کو اس وقت صحیح سمجھا جا سکتا ہے جب کہ جناب امیر نے کبھی منازعت نہ کی ہو اور ہرگز چون و چرا نہ فرمایا ہو، لیکن روایات مختلفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ذرا ذرا سی بات پر تلوار میان سے نکال لینے پر آمادہ ہو گئے ذرا ذرا سی بات میں آپ نے تخویف و تہدید فرمائی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ آپ کو وصیت کی گئی نہ آپ عاجز و بیچارہ تھے چند روایتیں لکھوں جن سے یہ مدعا پایۂ ثبوت کو پہنچے۔

روایت قتل ابوبکر اشجع عامل فدک

پہلی روایت قتل ابوبکر اشجع کی ہے کہ خاتم المتکلمین مرزا محمد حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد القلوب دیلمی سے نقل کی ہے چونکہ عبارت طویل تھی اس لئے اس کا اختصار کر کے اس طرح لکھتا ہے۔ ابوبکر اشجع بن مرحم را متولی صدقات کہ مضافات مدینہ و ضیاع فدک بود گردانید۔

کان شجاعاً وکان ذلک [illegible] قتل علی [illegible] من [illegible] غضب [illegible] شعر [illegible] ونتیف لحیۃ [illegible] من [illegible] مدینۃ حجل [illegible] [illegible] وضیعۃ من ضیاع [illegible] بیت [illegible] حتی [illegible] وحی صار [illegible] [illegible] فی [illegible] وکان [illegible] [illegible] نزل اهل قریۃ [illegible] [illegible] المؤمنین [illegible]

اور یہ شجاع [illegible] تھا [illegible] کے ایک بھائی کو [illegible] نے جنگ [illegible] اور [illegible] قتل کیا تھا جب یہ شخص مدینہ سے نکلا [illegible] قصد [illegible] [illegible] کے صدقات کو [illegible] اگر [illegible] کرنے لگے گاؤں [illegible] کر حضرت [illegible] کو [illegible] مسجد [illegible] نے [illegible]

[illegible] فقد عاملی علیہ السلام بدابتہ [illegible] بعمامۃ سوداء وتقلد بسیفین ومعہ الحسن وعمار بن یاسر والفضل بن عباس وعبد اللہ بن جعفر وعبد اللہ بن عباس حتی وافی القریۃ فانزل عظیم القریۃ فی مسجد یعرف مسجدہم ووجہ امیر المؤمنین بالحسین لیسالہ المسیر الیہ فسار الحسین فقال اجب امیر المومنین فقال ومن امیر المومنین فقال علی بن ابی طالب فقال امیر المومنین ابوبکر خلیفۃ بالمدینۃ فقال الحسین اجب علی بن ابی طالب فقال انا سلطان وهو من العوام والحاجۃ لہ فلیصر هو الیّ قال الحسین ویلک ایکون مثل والذی من العوام ومثلک یکون سلطانا فقال اجل فان والدک لم یدخل فی بیعۃ ابی بکر الا کرها وبالعناد فالحجب فصار الحسین فاعلمہ فالتفت الی عمار فقال یا ابا الیقظان صر الیہ واسالہ ان یصیر الی ونہ من اهل الصلوٰۃ فنحن مثل بیت اللہ یعلی وزه یلی فصار الیہ عمار وقال مرحبا یا اخا ثقیف ما الذی اقدمک علی مثل امیر المومنین فی حیاریا فصر الیہ وافصح عن حجتک فانتهر عمار او فحش لہ فی الکلام وکان عمار شدید الغضب فوضع

سواری منگائی اور سیاہ عمامہ [illegible] کیں اور حسین اور عمار بن یاسر اور فضل بن عباس اور عبد اللہ بن جعفر اور عبد اللہ بن عباس [illegible] یہاں تک کہ گاؤں میں پہنچے [illegible] نے اپنی مسجد میں اتارا اور امیر المومنین نے حسین کو بھیج کر اس کو بلوایا کہ امیر [illegible] خدمت میں حاضر ہو اس نے [illegible] وہ عوام میں سے ہے [illegible] خود میرے پاس [illegible] کیا میرے والد جیسے عوام میں سے ہوں [illegible] حالانکہ اس نے کہا بیشک کیونکہ تیرا باپ [illegible] بکراہ داخل ہوا ہے [illegible] کی سے حسین واپس چلے گئے [illegible] حال کی خبر دی [illegible] اے ابا الیقظان [illegible] سے کہہ کہ وہ میرے پاس [illegible] کیونکہ وہ گھر [illegible] ہم بیت اللہ کی [illegible] پاس آتے [illegible] جاتا۔ عمار اس کے پاس [illegible] اے ثقفی امیر المومنین جیسے [illegible] حاضر ہونے سے تجھ کو کیا چیز [illegible] طرف چل اور اپنی حجت [illegible] وہ بدکلامی سے پیش آیا [illegible] یعنی عمار [illegible]

حمائل سیفه فی عنقه ومد یده الی
السیف فقیل لامیر المومنین الحق عمار افوجه
بالجمیع وقال لهم لا تهابوه فصیر دابته و
کان مع الرجل ثلثون فارسا من جیاد قومه
قالوا له ویلك هذا علی بن ابی طالب قتلك
والله وقتل اصحابك عنده دون النطفة
فسقط القوم جزعا من امیر المومنین فسحب
الاشجع الی امیر المومنین علی حر وجهه سحبا
فقال دعوه ولا تعجلوا فقال ویلك بما
استحللت اخذ اموال اهل البیت فقال
وانت بما استحللت قتل هذا الخلق
فی کل حق وباطل وان مرضاة صاحبی احب
الی من اتباع موافقتك فقال ما اعرف من
نفسی الیك ذنبا الا قتل اخیك ولیس مثل
هذا یطلب الثارات فقبحك الله وترحك
فقال له الاشجع بل قبحك الله وتبر عمرك
فان حسد الخلفاء لا یزال بك حتی یوردك
موارد الهلکة فغضب الفضل ورمی
عنقه عن جسده فاجتمع اصحابه علی الفضل
فسل امیر المومنین سیفه فلما نظر القوم الی
بریق عینیه ولمعان ذی الفقار رموا سلاحهم
وقاموا ساعة فقال انصرفوا براس صاحبکم
الاصغر الی صاحبکم الاکبر فانصرفوا والقوا
راسه بین یدی ابی بکر فجمع المهاجرین
والانصار فقال خالد ... ...

اور تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا کسی نے
امیر المومنین سے عرض کیا کہ عمار کے پاس پہنچئے آپ
سب سمیت متوجہ ہو گئے اور فرمایا اس کو گھبراؤ نہیں پس
اپنی سواری کو چلایا اور اس کے ساتھ (بھی) اس کی قوم کے
عمدہ اور چیدہ لوگوں میں سے تیس سوار تھے انھوں نے اسکو
کہا تیرا ناس ہو یہ علی بن ابی طالب (آ پہنچا) خدا کی قسم تجھ کو اور
تیرے ساتھیوں کو نطفوں تک قتل کر ڈالے گا پس ساری قوم
امیر المومنین سے ڈر کر گر پڑی اور اشجع کو منہ کے بل گھسیٹ کر
امیر المومنین کے پاس لائے آپ نے فرمایا چھوڑ دو اور جلدی نہ
کرو اور پوچھا تیرا ناس ہو کس وجہ سے تو نے اہل بیت کے
اموال کے لینے کو حلال کر لیا اس نے کہا اور تو نے کس سبب
سے حق و ناحق اس مخلوق کا قتل حلال کر لیا اور بالتحقیق مجھ
کو میرے سردار کی رضا تیری موافقت کی پیروی سے پسندیدہ تر
ہے فرمایا میں بجز تیرے بھائی کے قتل کے اور کوئی گناہ
خیال نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ اس جیسے مطالبہ کا عوض
نہیں ہوتا پس تیرا خدا برا کرے اور تجھ کو آزردہ کرے اشجع
نے کہا بلکہ خدا تیرا برا کرے اور تیری عمر کاٹے بالتحقیق خلفاء کا
حسد ہمیشہ تیرے ساتھ رہے گا یہاں تک کہ تجھ
کو ہلاکت کے گڑھوں پر اتارے گا فضل غصہ ہوا اور اس کے
جسم پر سے اس کی گردن اڑا دی پھر تو اس کے ساتھی فضل
پر اکٹھے ہو گئے پس امیر المومنین نے اپنی تلوار نکالی پھر جب آپ
کی آنکھوں کی چمک اور ذوالفقار کی چمک قوم نے دیکھی اپنے
ہتھیار پھینک دیئے اور ساعت بھر کھڑے رہے فرمایا جاؤ اپنے
چھوٹے سردار کا سر بڑے سردار کے پاس لے جاؤ وہ لے گئے اور
اس کا سر ابوبکر کے آگے ڈالا پس اس نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا

رسوله واولی الامر منکم فقلدته صدقات
المدینة وما یلیها فخار منه علی بن
ابی طالب فقتله اخبث قتلة ومثل به
اخبث مثلة فلیخرج الیه شجعانکم و
استعدوا له من رباط الخیل والسلاح
فسکت القوم ملیا کان الطیر علی رؤسهم
فقال اخرس انتم ام ذوالسن فالتفت الیه
رجل من الاعراب یقال له الحجاج بن
السجن فقال ان سرت سرنا معك ثم قام
اخر فقال الا تعلم الی من توجهنا والله ان لقاء
ملك الموت اسهل من لقائه فقال اذا ذکرکم
علی دارت اعینکم واخذتکم سکرة
الموت امکذا یقال لمثلی فالتفت الیه عمر فقال
لیس له الا خالد فقال ابوبکر یا ابا سلیمان
انت الیوم سیف من سیوف الله فصر
الیه فی کتیبة من قومك فانه قتل
لبنا او کیفنا وضیغما من شیعتنا وسله ان
یدخل الحضرة فقد عفونا وان نابذك
الحرب فجئنا به اسیرا فخرج خالد فی
خمسمائة من ابطال قومه فنظر الفضل
واخبر امیر المومنین فقال لو کانوا اضنادید
قریش وقبائل حنین وفرسان هوازن
لما استوحشت الا من ضلالتهم فقال خالد
ما هذه الوثبة التی قد بدت منك لا تفرق
بین کلمة مجتمعة ولا تضرم نارا نعدا خمد

کیا اور کہا کہ تمہارے بھائی ثقفی نے خدا اور رسول اور تمہارے
امیر کی اطاعت کی تھی اور میں نے اس کو صدقات مدینہ اور
اس کے متعلقات پر حاکم بنا دیا تھا پس علی بن ابی طالب اس
سے متعرض ہوا اور اس کو بہت بری موت مارا اور بہت
بری طرح صورت بگاڑی پس تم میں سے بہادر اس کی طرف
نکلو اور گھوڑوں اور ہتھیاروں سے اس کے لئے مستعد ہو
جاؤ (یہ سنکر) قوم دیر تک ایسی چپ رہی گویا ان کے سروں
پر چڑیاں ہیں ابوبکر نے کہا کیا تم گونگے ہو یا زبانوں والے تو
ایک بدوی شخص جس کو حجاج بن سجن کہتے تھے متوجہ ہوا اور
کہنے لگا اگر تو چلے گا تو ہم بھی تیرے ساتھ چلیں گے پھر دوسرا
اٹھا اور کہنے لگا کیا تو نہیں جانتا کہ ہم کو تو کس کی طرف بھیجتا
ہے خدا کی قسم اس کے ملنے کی بہ نسبت ملک الموت کا ملنا سہل تر
ہے ابوبکر نے کہا کہ جب علی کا تم سے مذکور ہوتا ہے تو تمہاری
آنکھیں پھر جاتی ہیں اور تم کو موت کا نشہ چڑھ جاتا ہے کیا میرے
جیسے کو ایسا ہی جواب دیتے ہیں پھر عمر اس کی طرف متوجہ ہوا
اور بولا اس کے لئے بجز خالد کے اور کوئی نہیں ہے پس کہا اے
ابا سلیمان تو آج اللہ کی تلواروں میں کی ایک تلوار ہے تو اپنی قوم
کا گراں لشکر لے کر اس کی طرف جا اس نے ہمارے شیعوں میں کے
ایک شیر کو مار ڈالا اور اس کو کہہ کر حاضر حضور ہو جائے ہم نے
قصور معاف کیا اور اگر تجھ سے لڑے تو اس کو قید کر کے ہمارے
پاس لے آ تو خالد اپنی قوم کے پانچ سو بہادر لے کر نکلا فضل نے
دیکھ کر امیر المومنین کو اطلاع دی فرمایا اگر قریش کے سردار اور
حنین کے قبیلے اور ہوازن کے شہسوار بھی ہوتے تو میں نہیں
گھبراتا بجز ان کی گمراہی کے خالد نے کہا یہ کیا حرکت تھی جو
تجھ سے ظاہر ہوئی کلمہ مجتمعہ میں تفریق نہ ڈال۔ اور بجھی

فانك ان فعلت وجدت عنه غير محمود فقال تهددني يا خالد بنفسك وبابن ابي قحافة مثلك من يحمل مثلي اسيرا اتحسبني مالك بن نويرة قتلته وانكحت امرأته اني لاعرف قاتلي واطلب منيتي صباحا ومساء ولو اردت ذلك لقتلتك في فناء هذا المسجد فغضب خالد فسل امير المومنين على خالد وخفق عليه فلما نظر الى بريق عينيه وبريق ذي الفقار نظر الى الموت عيانا وقال يا ابا الحسن لم نرد هذا فضربه امير المومنين لفقار اس ذي الفقار على ظهره فنكس عن دابته فقام رجل يقال له المثنى بن الصباح وكان عاقلا فقال والله ما جئناك لعداوة بيننا وبينك انت اسد الله في ارضه وسيفه نقمته على اعدائه ونحن اتباع مامورون واطواع لا مخالفون فاستحي امير المومنين ونزل الجميع ونزل امير المومنين يمارح خالدا وخالد لما به الم الضربة ساكت فقال ويلك يا خالد ما اطوعك للخائنين الناكثين فقد تركت بالحق على معرفته وجئتني لتحملني على ابن ابي قحافة اسيرا بعد معرفتك اني قاتل عمرو بن عبد ود ومرحب وقالع باب خيبر واني لمستحي منكم ومن قلة عقولكم اوتزعم انه قد خفي عني ما تقدم

ہوئی آگ نہ بھڑکا اگر تو ایسا کرے گا تو اس کا انجام ناپسندیدہ ہوگا فرمایا اے خالد مجھ کو اپنے سے اور ابن ابی قحافہ سے دھمکاتا ہے تیرے جیسا میرے جیسے کو قید کر کے لے جائے گا مجھ کو بھی مالک بن نویرہ سمجھا ہے کہ اس کو مار ڈالا اور اس کی عورت سے نکاح کر لیا بالتحقیق میں اپنے قاتل کو پہچانتا ہوں اور صبح و شام اپنی موت کا طلب گار رہوں اور اگر تو ایسا قصد کرے گا تو میں تجھ کو اس مسجد کے صحن میں قتل کر ڈالوں گا اس پر خالد کو غصہ آگیا تو آپ نے بھی خالد پر تلوار کھینچ لی اور تیز نگاہ سے دیکھا خالد نے جب آنکھوں کی دمک اور ذوالفقار کی چمک دیکھی تو موت کو ظاہر دیکھ لیا اور کہنے لگا ہمارا یہ قصد نہیں تو آپ نے خالد کی پشت پر ذوالفقار کی نوک کی چوٹ مار کر سواری سے اس کو اوندھا گرا دیا ایک شخص مثنی بن صباح نام جو دانشمند تھا اٹھا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم ہم تیرے پاس باہمی عداوت کی وجہ سے نہیں آئے تو اللہ کا شیر ہے اس کی زمین میں اور اس کے انتقام کی تلوار ہے اس کے دشمنوں پر اور ہم تابع محکوم اور مطیع غیر مخالف ہیں اس پر امیر المومنین کو حیا آگئی اور سب اترے اور امیر المومنین بھی خالد سے دل لگی کرتے اترے اور خالد بسبب الم ضرب کے چپ تھا پس فرمایا اے خالد تجھ پر افسوس ہے کس چیز نے تجھ کو امانت میں خیانت کرنے والوں اور عہد کے توڑنے والوں کا مطیع بنا دیا اور تو نے جان بوجھ کر حق چھوڑ دیا۔ اور مجھ کو عمرو بن عبدود اور مرحب کا قتل کرنے والا اور باب خیبر کا اکھاڑنے والا جاننے کے بعد بھی میرے پاس آیا تا کہ مجھ کو ابن ابی قحافہ کے پاس قیدی بنا کر لے جاوے اور مجھ کو تم سے اور تمہاری بے عقلی سے

به اليك صاحبك حين اخرجك الى وانت تذكر ما كان مني الى معديكرب والى صدر بن مسلمة المخزومي فقال له يمن ابي قحافة انما كان ذلك من دعاء النبي وهو الان اقل من ذلك فقال خالد يا ابا الحسن اعرف ما تقول وما عدلت العرب عنك الا هربا من سيفك وما دعاهم الى بيعة ابي بكر الا استسهالا بجانبه ولين عريكته واخذهم الاموال فوق استحقاقهم الى اخر الرواية.

شرم آتی ہے کیا تجھ کو یہ گمان ہے کہ تیرے روانہ کرنے کے وقت جو تجھ سے تیرے سردار نے گفتگو کی تھی مجھ پر مخفی ہے اور تو اس کو جو کچھ مجھ سے معدیکرب اور صدر بن سلمہ کے ساتھ ہوا تھا یاد دلایا تھا اس نے کہا یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بدولت تھا۔ اور اب وہ اس سے کم تر ہے خالد نے کہا اے ابا الحسن سمجھ تو کیا کہتا ہے عرب بجز تیری تلوار کے خوف سے تجھ سے اور کسی سبب سے منحرف نہیں ہوئے اور بیعت ابی بکر کی طرف بجز اس کی سہولت جانب اور نرمی طبع اور استحقاق سے زیادہ مال حاصل کرنے کے اور کوئی داعی نہیں ہوا۔

شیعہ کا دعویٰ وصیت محض بناوٹ ہے

اس روایت سے مثل روز روشن روشن ہے کہ وصیت کا دعوے جو حضرات شیعہ فرماتے ہیں محض ڈھکوسلہ ہے اور الجار واکراہ صرف بناوٹ اور گھڑت ہے اگر وصیت ہوتی تو اس ذرا سے معاملہ میں خلاف وصیت نہ فرماتے اور مخالف حکم تلوار نیام سے نہ کھینچتے تعجب ہے کہ غصب امامت پر جوں نہ کی غصب بنات پر غیرت وحمیت کو اصول شیعہ پر جوش نہ آوے دین برباد ہوا کیا کبھی سر نہ ہلا دیں اور جوش آوے تو اس تھوڑی سی بات پر۔ اہل عقل غصب امامت اور غصب بنات کو اس سے مقابلہ فرما دیں اور اس میں سکوت اور ان میں تلوار کشی کو دیکھیں اور انصاف سے فرما دیں کہ شیعہ اپنے دعوے میں سچے ہیں یا نہیں۔ علاوہ ازیں اس روایت سے اور بھی چند فوائد حاصل ہوئے جن کو مختصراً لکھتا ہوں (۱) ظاہر ہے کہ اشجع بن مراحم مظہر اسلام اور کلمہ گو تھا۔ اگرچہ اس کے دل میں کفر ونفاق ہو تو باعتبار ظاہر شریعت کے اس پر احکام اسلام کے جاری ہوں گے تو اس کا قتل مستوجب قصاص ہے۔ پس اگر ہمارے فاضل مخاطب اس کے ظاہری اسلام کا اعتبار فرما دیں تو اس کے دم کو مستحق قصاص کا سمجھیں اور فضل بن عباس پر قصاص لازم فرما دیں اور جناب امیر کی حمایت اور اعانت کو جو فضل بن عباس کی قربانی ناجائز اور حرام قرار دیں اور

اگر باطنی کفر کا اعتبار کریں اور اس وجہ سے اس کا دم مباح اور ہدر سمجھیں تو پھر اس کا فکر فرمادیں کہ حضرت ام کلثوم کے جواز نکاح کی علت حضرت فاروق کا ظاہری اسلام جو آپ اور آپ کے اسلاف بیان فرماتے ہیں وہ سراسر غلط ہے جب ظاہری اسلام کا اعتبار ہی نہیں تو پھر اس کی وجہ سے منافق کے ساتھ فاطمہؓ کے جگر گوشہ کا عقد نکاح کیونکر صحیح اور مباح ہو سکتا ہے (۲) تمام صحابہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک جناب امیر سے ایسا ڈرتے تھے جیسا موت سے اور آپ کے مقابلہ کو موت کا مقابلہ سمجھتے تھے. پس ایسے لوگوں کی اطاعت کے لئے خدا تعالیٰ کا ایسے شجاع کو حکم کرنا سراسر خلاف عقل سلیم ہے. اور جناب امیر کا ایسے لوگوں سے جو آپ سے اس قدر خائف وہراساں ہوں تقیہ کرنا ہرگز عقل تسلیم نہیں کرتی اور ایسے لوگ حضرت امیر سے بجبر واکراہ معاذ اللہ ان کے بلکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ کو غصب کریں ہرگز فہم میں نہیں آتا جب لوگ آپ سے اس قدر ڈرتے تھے تو یہ سب باتیں لغو اور باطل ہیں (۳) تمام اصحاب مہاجرین و انصار وغیرہ خلیفہ اول کی جناب امیر کے مقابلہ میں اطاعت نہ کرتے تھے کیونکہ مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے اور جب جناب امیر کے مقابلہ کے لئے دعوت کی جاتی تھی تو ان کی آنکھیں بدل جاتی تھیں اور سکرۃ الموت کی حالت پیش آجاتی تھی اور جواب دیتے تھے کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہم کو کس کے مقابلہ میں بھیجتے ہو. یہ وہ شخص ہے جس کے مقابلہ کی نسبت موت کے منہ میں جانا آسان ہے جب خلیفہ اول کے ساتھ اصحاب کی یہ حالت تھی تو قطعاً ویقیناً اگر جناب امیر خلافت کے بارہ میں منازعت فرماتے اور آپ کے ساتھ مقابلہ پیش آتا، تو سب صحابہ خلیفہ اول کو اکیلا چھوڑ کر اور جناب امیر کے حوالہ کر کے بھاگ جاتے. اگرچہ یہ خوف لوگوں میں پہلے سے بھی راسخ تھا لیکن بعد اس واقعہ کے تو مشاہدہ ہو گیا کہ صحابہ میں سے کوئی شخص مقابلہ کے قابل نہ سمجھا گیا اور سوا خالد کے کسی شخص نے اس کام کے لئے اجابت نہ کی اور خالد معہ اپنے پانچ سو رفقاء کے جب سامنے جناب امیر کے گئے اور بات چیت کی پہلے اس سے کہ لڑائی کی نوبت آوے صرف آنکھوں کی اور ذوالفقار کی چمک دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے اور عجز والحاح کرنے لگے باوجودیکہ جناب امیر نے حضرت خالد کو مارا بھی تاہم ان پر ایسا رعب اور خوف غالب ہوا کہ بجز سکوت اور عاجزی کے اور اطاعت و نیاز کے کچھ نہ بن آیا (۴) اس روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ جناب امیر کو معلوم تھا کہ یہ لوگ نہ مجھ کو قتل کر سکتے ہیں اور نہ قتل پر قادر ہیں. بلکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کا قاتل کوئی اور شخص ہے جس کی یہ حالت ہو اس پر کوئی کس طرح جبر واکراہ کر سکتا ہے (۵) جناب امیر کو وہ باتیں بھی معلوم ہو جاتی

تھیں جو صحابہ باہم کرتے تھے چنانچہ جو گفتگو خالد اور حضرت صدیق کی ہوئی تھی آپ نے اس کو ظاہر فرما دیا!

حدیث بساط

(دوسری روایت) حدیث بساط جو کتاب امامت رادستانی سے صاحب ارغام نے نقل کی ہے ہم اس کو یہاں ارغام سے نقل کرتے ہیں. روایت میکند ابن بابویہ بسند خود از سلمان فارسی کہ گفت نشستہ بودم نزد سید و مولا خود امیر المومنین در آن وقت کہ مردمان بیعت بعمر بن الخطاب کردہ بودند و در خدمت آنحضرت حسین و محمد بن حنفیہ و محمد بن ابی بکر و عمار بن یاسر و مقداد بن اسود نیز بودند و از ہر در سخنان میگذشت امام حسن متوجہ پدر بزرگوار شد و گفت یا امیر المومنین حضرت ملک داؤد و سلیمان بن داؤد را عجب سلطنتی دادہ بود آیا از آن سلطنت عطیہ بشما ہم رسیدہ باشد شاہ سریر ولایت تبسم فرمود و گفت آن معبودیکہ دانہ خشک را در زمین سر سبز میگرداند و آن قادریکہ آدم را از خاک تیرہ آفریدہ قسم کہ آنچہ پدر ترا دادہ ہیچک از اولیا و اوصیا ماضیہ ندادہ و بعد ازیں ہیچکس باین امامت فائز نخواہد شد پس امام حسن و حضار التماس نمودند کہ یا امیر المومنین میخواہیم کہ شما از آنچہ واہب عطیات بشما موہبت نمودہ مشاہدہ کنیم و معاینہ ببینیم تا موجب ازدیاد ایمان و باعث تقویت علم و ایقان گردد سید اوصیا علیہ السلام فرمود کہ حُبّاً و کرامۃ یعنی چنان کنم کہ شما میخواہید و چیزی از چیزہا کہ حضرت عزت بمن کرامت نمودہ بر شما ظاہر میسازم. پس برخاستہ دو رکعت نماز کرد و کلمہ چند بر زبان معجز بیان گذرانید کہ ہیچک از حضار فہم آن نتوانست کرد از انجا بمیان خانہ آمدہ بدست مبارک بجانب مغرب دراز کرد و بعد از لمحہ دست را بزیر آورد و بر کف دست مبارکش پارچہ ابری دیدم آنرا گذاشتہ بار دیگر دست دراز کرد پارچہ دیگر بروی دستش دیدم سلمان گوید لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ و انک وصی نبی کریم من شک فیک ہلک و من تمسک بک ملک سبیل النجاۃ یعنی گواہی میدہم کہ خدا یکیست و محمد رسول برگزیدہ است و تو وصی و خلیفہ برگزیدہ ہر کہ شک آرد در وصایت و خلافت تو ہلاک شود و ہر کہ [illegible] وثقای محبت تو چنگ [illegible] نجات یابد پس دیدم کہ آن دو ابر چون دو قالیچہ پہن شدند در پہلوی یک دگر قرار گرفتند چنانچہ [illegible] از آن ہر یک بوی مشک اذفر بدماغ اہل ایمان [illegible] پس فرمود کہ برخیزید و بر این بساط بنشینید ہمہ برخاستہ بر یک ابر نشستیم و آنحضرت تنہا

ودیگر پس کلمه چند تکلم نمود که هیچکس نفهمید پس اشاره با ابر کرد که بجانب مغرب روانه شو ابری
دو ابر درآمده و ابر را باهستگی تمام برداشته بر هوا برد ما درین وقت چون بآنحضرت
دیدیم که جامه زرد پوشیده و تاجی از یاقوت سرخ بر سر دارد و نعلین که بند آن از یاقوت
...یا کرده و انگشتری نرم و مروارید سفید براق که روشنی آن چشم را خیره می ساخت در انگشت
...ی از نور نشسته امام حسن علیه السلام بآنحضرت گفته که ای پدر بزرگوار همه مخلوقات سلیمان
انگشتری اطاعت نموده اند و شما را بچه سبب منقاد اند فرمود یا ولدی انا وجه الله
...الله و انا لسان الله الناطق و انا ولی الله و انا نور الله الذی ... ویطفی
...الذی ... انا حجة الله علی عباده و انا کنز الله فی ارضه
...جنة و النار و انا سید ذی القرنین و انا جعلت جمالها یعنی ای
...وجه الله و عین الله و لسان الله و ولی الله منم و آن نوری که فرو نشیند منم و آن دریکه زمان
...سید منم و حجت خدا بر خلق منم و گنج خدا در زمین منم و قسمت کننده بهشت و دوزخ
...القرنین بسته منم ... و قرن را برای اسکندر قرار داده بودم که بآن مشهور شده بود میخواهی
...ان بتو بنمایم دست ... بغل کرده انگشتری برآورد از طلای احمر و نگینش بود از یاقوت سرخ
...این خاتم سلیمان ... ت نامهای است که در و نقش کرده اند سلمان گوید که تعجب حضار
...یا ادر... شنا... ند پس فرمود اینها از مثل من عجب نیست بخدا سوگند که بنمایم امروز
...شما ندیده باشید پس امام حسن گفت آرزوی ما آنست که سد ذوالقرنین را بما نمائی پس
...فرمود که ما را ... حسن میخواهد به برد مقارن آن از باد آوازی چون آواز رعد بما
...شته بهوا بر ... المومنین علیه السلام بران کرسی نشسته ... تا باد ما را بکوه
...عظیم بر آن کوه ... خشک شده برگهایش ریخته یکی از ما گفت یا امیر المومنین این
...سیده کرا و را قش ... آنحضرت فرمود که از وی بپرسید تا حال خود بگوید امام حسن پیشی
...ال کرد مالک ... الشجرة یعنی چه شده است ترا ای درخت که سبزی از تو رفته
...نزد امیر المومنین ... و دهیم باذن الله ایتها الشجرة ... بحیرا ای درخت لغزان
...سلمان گوید ... درخت متکلم شده و گفت ... لبیک یا وصی رسول
...بعد ... و خطاب با امام حسن کرد که ... وقت سحر پدرت به نزد من می
... حق تعالی مشغول می شد ... ت ... و تنقش بر کرسی

در میان ابر سفید می بود که از آن بوی مشک اذفر بمشام میرسید و من از استشمام معطر روح افزای
آنحضرت و آن نور سر سبز و با طراوت می بودم و اکنون چهار شب شده که تشریف ارزانی نفرموده از مفارقت
پدر تست که حالم بدین مرتبه رسیده و اگر از ایشان استدعا کنی که لطف خود ازین مهجور دور ندارد و آمدن
او مرا بحال خود باز می آرد پس شاه ولایت بنزد آن درخت رفته دو رکعت نماز گذارده دست مبارک
بر آن درخت مالید سلمان گوید که بخدا قسم که از آن درخت که مشتاق نه برخاست فی الفور سبز شده و
برگ آورده میوه بیرون کرد پس آنحضرت بر کرسی خود قرار گرفت و ما را برداشته بلند شد بحدیکه دنیا
تمامی در نظرها سبزی می نمود در هوا فرشته دیدیم سر او در زیر قرص آفتاب و پایے در قعر محیط و یکدست
در مشرق و یکی در مغرب از علی علیه السلام پرسیدیم که این کیست فرمود بحکم خدا من او را درین موضع نصب
کرده ام و بتاریکی شب و روشنائی روز موکل ساخته و چنین خواهد بود تا روز قیامت پس باد ما را بنزد
یاجوج برد و آنحضرت علیه السلام با ابر خطاب نمود اهبطی تحت هذا الجبل. یعنی ای ابر در زیر کوه فرود
آ و آن کوه بلند ظلمانی گویا شبی بود سیاه بوی دود انجا بمشام میرسید یاجوج را دیدیم و از کثرت ایشان
تعجب نمودیم و ایشان را بر صفت دیدیم که یکی طول ایشان بست گز و عرض ده گز. و صنفی طول صد گز و
عرض هفتاد گز. و صنفی یک گوش را لحاف و دیگری را دواج میکرد یکی از حال آنها پرسید حضرت علیه
السلام فرمود حاکم این جمع نامحصور منم و همه در حکم من اند پس بباد حرفی گفت باد ما را برداشت بکوه قاف
رسانید کوهی دیدیم چون یاقوت سرخ که محیط بهمه دنیا بود فرشته بشکل آدم بر وی موکل چون آن
فرشته را چشم بر ما افتاد گفت السلام علیک یا امیر المومنین پس رخصت طلب کرد که مطلب خود را
عرض کند آنحضرت فرمود که رخصت زیارت برادرت و مصاحبت میخواهی برو رخصت دادم پس
فرشته بسم الله الرحمن الرحیم گفته راهی شد بعد از آن درختی دیدیم چون درخت اول بهمان طریق
سوال و جواب واقع شده درخت گفت ثلث اول شب علی علیه السلام نزد من مے آمد پس از نماز و
تسبیح و تقدیس بر اسپی سوار شده میرفت و من سبز و خورم بودم چهل روز است که فیض قدوم از من گرفته
و تنم گداخته و اوراقم فرو ریخته از مفارقت اوست و امام حسن التماس نمود حضرت دست مبارک بر و کشید
درخت گفت اشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله و انک امیر المومنین
فی الامة المبارکة الطیبة وصی رسول رب العلمین من تمسک بک
نجی و من تخلف عنک هوی پس آن سبز و خورم شد و طراوت یافت و ما در
زیر آن ساعتی آرام گرفته پرسیدیم که یا امیر المومنین آن فرشته کجا رفت فرمود که دیروز بر جبل ظلمت

که عبور نمودیم فرشته که بر آن موکل ست رخصت زیارت این فرشته طلبیده بود امروز این رفت کر
تدارک آن نماید یکی از یاران گفت که مگر ملائکه همه باذن شما از محل و مکان خود حرکت میکنند فرمود بخدای
که آسمانها را بے ستون آفریده که هیچ یک قدرت ندارد که بے رخصت من از جای خود حرکت نماید و اگر بے
اذن من بقدر نفسی حرکت نماید حضرت رب العزت ببرق غضب خود آنرا بسوزد و بعد از من فرزندم
حسن و بعد از و حسین و بعد از و نه کس از اولاد او که نهم ایشان قائم آل محمد ست صلی الله علیه و علیهم این
حال دارند و هیچ ملکی از ملائکه مقربین را حد نباشد که یک نفس بے اراده ایشان برآرد یکی نام فرشته اگر که
موکل قاف ست پرسید فرمود برخائیل من گفتم یا امیر المومنین زمادیروز در خدمت شما بسر بردیم کدام
وقت نزدل اجلال دران کوه شده بود فرمود چشم خود را بپوشانید پوشانیدیم امر بگشودن کرد گشودیم خود
را در مملکتی دیگر یافتیم گفتیم ان هذا الشیٔ عجاب فرمود ملک الموت در قبضه اقتدار من ست که شما را طاقت
اطلاع بر آن نیست و معهذا من بنده مخلوقم چون مخلوقات دیگر و در اکل و شرب و خواب و نکاح مانند
دیگران و اگر اندکی از آنچه من میدانم بدانید دلهای شما تاب شنیدن آن ندارد و بدانید که اسم اعظم حق تعالی
هفتاد و سه حرف ست نزد آصف بن برخیا که تخت بلقیس را بیک چشم زدن آورد و نزد سلیمان یک
حرف بود و نزد من هفتاد و دو حرف و یک طرف علم غیب ست که مخصوص ذات اوست ولا حول
ولا قوة الا بالله العلی العظیم شناخت هر که مرا شناخت و منکر شد هر که مرا منکر شد پس آن ابر را امر
فرمود که ما را بباغی رساند که در سبزی و خوشی با روضه بهشت برابری نماید در آنجا جوانے را در میان دو قبر
مشغول دیدیم گفتیم یا امیر المومنین این جوان کیست فرمود برادر من صالح نبی ست و این دو قبر از پدر
و مادر اوست و چون چشم صالح بر صالح المومنین افتاد بیتابانه پیش آمد و سینه بے کینه آنحضرت را بوسید
و گریه کنان بشکوه درآمد آنحضرت او را تسلی میداد پرسیدیم که صالح چرا میگرید فرمود که از وے پرسید
امام حسن فرمود ایها السعید الصالح چه چیز ترا میگریاند فرمود که پدرت هر روز وقت طلوع صبح نزد من مے
آمد و باهم نماز میکردیم و باعث نشاط و رغبت من بود در عبادت و امروز ده روز ست که تشریف نیاورده
چون او را دیدم طاقتم نماند گفتیم یا امیر المومنین این عجب تر ست ما هر روز در صبح در خدمت شما بسر میبریم
چگونه بے اطلاع اینجا آمده باحضرت صالح نماز میکنی فرمود که اگر خواهید سلیمان را زیارت کنید گفتیم یا
امیر المومنین ما را آرزوی اینست شاه ولایت برخاست روانه شد در خدمتش به بستانی رسیدیم که کسی
مانند آن نشنیده و ندیده آبهائی جاری و مرغان خوش الحان و فواکه بسیار چون آن مرغان را چشم بر
آنحضرت افتاد دور او را فرا گرفتند و پر میزدند و طواف میکردند و در میان بهشت تختی از فیروزه دیدیم

جوانے بر و خوابیده و دستهای خود بر سینه نهاده و دو مار بالای سر و پائین پای او قرار گرفته چون ماران
آنحضرت را دیدند در قدم او غلطیدند گفتیم یا امیر المومنین این جوان کیست فرمود سلیمان انگشتری را از
انگشت خود برآورده در انگشت او کرد و گفت قم باذن الله الذی یحیی العظام وهی
رمیم فی الحال سلیمان علیه السلام برخاست و گفت اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک
له و ان محمدا عبده و رسوله ارسله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین
کله ولو کره المشرکون و اشهد انک وصی رسول الله الهادی المهدی الذی
سالت الله بمحبته و محبة اهل بیته ما آتانی الملک. یعنی گواهی میدهم که خدا سزای
پرستش یکیست و او را شریکی نیست و بدرستیکه محمد بنده اوست و فرستادهٔ او و او را فرستاد
برهنمای و اظهار کردن دین حق و هر دینے غیر دین اوست باطل باشد و دین او ناسخ دینها باشد
اگرچه مشرکان زین معنی کراهت داشته باشد و گواهی میدهم که تو وصی و جانشین رسول الله و توئی
راه نماینده و راه یافته که بوسیله تو سوال کردم من از حق تعالی محبت تو و محبت اهلبیت تو و من حق تعالی
آنچه داده از ملک و بادشاهی مثل آن به هیچ یک از اولاد آدم نداده بود و اگر محبت تو شفیع نمی ساختم آن
سلطنت و بزرگی بمن عطا نمی فرمود پس زمانے آن سرور نزد سلیمان علیه السلام نشست بپابوس
آن پیغمبر مشرف شدیم پس سلیمان را وداع نموده برخاست و سلیمان بحال خود برگشت و ما پرسیدیم که یا
امیر المومنین شما را علمی بآنچه در پس کوه قاف هست فرمود که خلاق عالم در موجد بنی آدم چهل عالم در عقب کوه
قاف آفریده که هر عالمی چهل برابر دنیا باشد و علم من بهاورای کوه همچو منست بحال این دنیا و آنچه درین دنیا
ست بعد رسول خدا صلی الله علیه و آله و سلم نگاه دارنده آن عالمها منم و هم چنین بعد از من اولاد من حافظ
شریعت نبوی و وارث علم مصطفوی خواهند بود تا روز قیامت و من دانا ترم براهها که در آسمانهاست
از راهها که در زمین ست و مائیم اسم مکنون و اسم مخزون الهی و مائیم اسمای حسنی که چون خدا را بآن اسما بخوانند
و مائیم صاحب آن نامها که بر عرش و کرسی نشسته است و مائیم قسمت کننده بهشت و دوزخ و از ما تعلیم
گرفته اند ملائکه آسمانها تسبیح و تقدیس و تهلیل و تکبیر و توحید الهی و مائیم آن کلمات که چون آدم علیه السلام
را تلقین نمود توبه اش قبول شد و من میدانم این امور عجیبه و اسرار غریبه را ببرکت اسم اعظم که اگر به برگ
زیتون بآن حرفے بنویسند و در آتش اندازند نسوزد و حرارت آتش میل بپژمردگی نکند و هر کجاست روشن
روز از نامهائی نامی ماست و آسامی ما را چون بر آسمان نقش کردند بے ستون استقامت یافت و زمین
بآن منقش گشته مسطح شد و چون بر باد خواندند در حرکت آمد و بر برق نوشتند لمعان شد و بر رعد فرمود

خاشع شد و بر جبهہ اسرافیل نقش کردند متکلم بکلام سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح گردید و چون کلام معجز نظامش باین مقام رسید فرمود چشمہای خود را بپوشید پوشیدیم باز گفت بکشائید بکشادیم و خود در شہری دیدیم مشتمل بر بازارہای معمور و قصرہای رفیع مردمش در نہایت بلندی قامت و کمال استقامت ہر یکی چون نخلی پس فرمود کہ این گروہ از بقیہ قوم عاد اند کہ ہنوز در کفر و ضلالت و ظلم و جہالت گرفتار اند و ایمان برب ارباب و روز حساب ندارند و شہر ایشان از شہرہائے مشرق بود من بامر خالق بیچون قلع و قمع ایشان نمودہ باین مکان شان نقل نمودم تا شما را در ینجا ببینید و شما بر آن مطلع گشتید و من داعیہ دارم کہ باین گروہ مقابلہ نمایم پس آن قوم را بوحدانیت خدا و رسالت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم و ولایت خود دعوت نمود ایشان ابا نمودند و بسیاری را بکشت و چون خوف ما را مشاہدہ نمود نزد ما آمدہ دست مبارک را بر سینہ ما مالید خوف از ما زائل شد بار دیگر باواز بلند ایشان را باسلام خواند ایمان نیاوردند برق و صاعقہ ظاہر شد و چیزی چند میخواند کہ ما نفہمیدیم و ما را چنان مشاہدہ می شد کہ این برق رعد و صاعقہ از دہن آنحضرت بر می آمد و چندان صداہائے ہولناک پدید آمد کہ ما گفتیم البتہ آسمان بر زمین آمدہ کوہہا از ہم فرو می ریزد تا آنکہ یک متنفس از ایشان نماند و چون از مجادلہ آن قوم فارغ شد و آن رعد و برق برطرف شد استدعا نمودیم کہ یا امیر المومنین ما را بوطن باز رسان کہ زیادہ برین طاقت مشاہدہ این امور نداریم آن ابر را طلبید بر آن سوار شدیم و آن حضرت متکلم بکلامی شد باد ما را بہوا بردہ بجائی رسانید کہ دنیا بقدر درہمی معاینہ میکردیم و بعد لمحہ خود را در خانہ امیر المومنین دیدیم از ہمان مکان کہ مسافر شدہ بودیم و چون فرود آمد نشستیم بانگ موذن شنیدیم کہ اذان ظہری میگفت یا اول صبح بود از طلوع آفتاب راہی شدہ بودیم کہ در پنج ساعت پنجاہ سالہ راہ را طی نمودیم چون ما را متعجب دید فرمود بخدائی کہ نفس من بید قدرت اوست کہ اگر خواہم شما را در طرفۃ العین در ہمہ آسمانہا و زمین بگردانیم و بر آن قادرم و این قدرت عظیم باذن خالق بریہ و از برکت خیر الخلیفہ یافتہ و منم ولی و وصی آنحضرت صلعم در حین حیات و در زمان رحلت ولیکن اکثر مردمان نمی دانند سلمان گفت لعن اللہ من غصب حقک و حسدک [illegible]عرض عنک و ضاعف العذاب الالیم۔ انتہی بلفظہ۔

شیعہ سے سوال

اے حضرات شیعہ اس حدیث کو پڑھو اور جناب امیر و دیگر ائمہ کی محامد و مناقب کو جو اس روایت سے ثابت ہوتے ہیں دیکھو کہ حضرت کا مرتبہ کیسا عالی ہے آپ کے اختیارات کس قدر وسیع

ہیں آپ کی قوت و شوکت کس درجہ پر ہے ابر آپ کا مطیع ہوا آپ کی لونڈی تمام ملائکہ آپ کے چکر دختوں کے لئے آپ آب حیات سے بہتر اسم اعظم آپ کا سکہ انگشتری سلیمان آپ کے ہاتھ میں انبیاء آپ کے والد و شیدا انبیاؤں کی آپ عقدہ کشا رعد کی کڑک آپ کی زبان میں بجلی کی چمک دہان میں ہر چیز آپ کو معلوم تمام عالم آپ کی نگہبانی میں ہمت یاجوج و ماجوج آپ کے قبضہ اقتدار میں کفار و فجار کو ایک لمحہ میں خاک سیاہ کردیں۔ ذوالفقار آپ کی اہل نفاق و کفر کو ایک دم میں تباہ کردے قوم عاد کو جو قوت و شجاعت میں لاثانی تھی ایک دم میں نیست و نابود کر دیا پس ایسے شخص کی نسبت یہ کہنا کہ اس نے چند منافقین سے ڈر کر یہاں تک تقیہ کیا کہ دین بھی تباہ ہوگیا۔ اور وہ اس کی بیٹی بھی چھین لے گئے اور اس کی زوجہ کو یہاں تک مارا کہ حمل بھی ساقط ہوا اور وہ اسی میں رحلت کر گئی بلکہ خود ان کے موافق مسائل خلاف حق بیان کرنے لگا۔ اور لوگوں کو ان کی گمراہی پر اور معین اور مددگار ہوگیا اور صد ہا اسی قسم کی باتیں جو کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ من تلک الکفریات۔ امیر خسرو کے انمل بلکہ مجنونوں اور دیوانوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے اور یہ کہنا کہ خداوند تعالیٰ نے بمقابلہ چند اوباش و منافقین کے وصیت کی تھی کہ ہرگز ہرگز ان لوگوں کے سامنے سانس بھی نہ نکالیو۔ یہاں تک نہ کیجیو۔ جو کچھ چاہیں کریں صبر و سکوت کے حبل المتین کو ہاتھ سے نہ دیجیو۔ خدا تعالیٰ کی خدائی پر قبح بلکہ خوف کا دھبہ لگانا ہے کہ ان لوگوں سے شیعیان پاک کا خدا بھی ڈرتا تھا نعوذ باللہ من ذلک۔ اس قدر گذارش سے عقلاً پر ہمارے استدلال و ثبوت مدعا کی کیفیت کھل چکی ہے اور نقل روایت طویلہ میں ہمارا وقت گراں مایہ بہت صرف ہو چکا ہے اس لئے اس روایت کی نسبت ہم اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتے۔ مگر اتنا اور بھی واضح رہے کہ حسب تصریح صاحب ارغام یہ روایت جیسا عالم محقق فاضل مدقق ہندوستانی نے اپنی کتاب امامت میں بیان کی ہے اور اس کے معتبر ہونے کا اقرار کیا ہے۔ صاحب منہج التحقیق اور مؤلف معجزات مرتضوی نے بھی نقل کیا ہے۔

روایت متضمن تہدید جناب امیر بخفیہ ثانی

(تیسری روایت): صاحب آیات بینات نے کشف الغمہ سے نقل کی ہے۔ روایت ست از محمد بن خالد ضبی کہ روزی عمر بن الخطاب در اثنائے خطبہ از حاضران سوال کرد کہ اگر من خواہم کہ شما را از معتادات دلیہ و معتقدات یقینیہ و احکام شریعت محمدیہ صرف نمایم و گویم کہ از معتقدات برگردید و از حیوح نا شدہ بر قواعد کہ در زمان جاہلیت بود شما با من چہ خواہید کرد؟ آیا بعضی درشان خواہید شد یا مخالفت من مردمی

ہمہ خاموش شدند و ہیچکس جواب نگفت عمر دیگر بار ہمین سخن را اعادہ کرد از ہیچکس جوابے نشنید پس دیگر بار ہمین معاملہ اعادہ کرد شاہ ولایت فرمود کہ ہرگاہ از تو این حالت مشاہدہ گردد و ترا از دین مصطفیٰ منحرف یابیم تا ب دیگر طلب کنیم واگر توبہ کنی توبہ ترا قبول کنیم واگر نکنی ترا گردن زنیم عمر چون این سخن از شاہ اولیا شنید گفت در دین نامردان ہستند کہ اگر منحرف شویم ما را بطریق مستقیم متیم و ثابت دارند۔ انتہی بلفظہ، اس روایت کے مضمون کو پڑھ کر سوچیں کہ جب جناب امیر خلفاء کے ساتھ یہاں تک صاف گوئی فرماتے تھے اور ان کی زبانی باتوں پر ان کے قتل کے مستعدی ظاہر فرماتے تھے تو اگر معاذ اللہ وہ دین کی تخریب کرتے بنات کو غصب کرتے تو آپ کیوں چپکے بیٹھے رہتے۔

روایت متضمن خوف خلیفہ ثانی از جناب امیر

(چوتھی روایت) صاحب آیات بینات نے حیات القلوب ملا باقر مجلسی سے ملخصاً ومختصراً نقل کی ہے علی بن ابراہیم از ابوذر رحمۃ اللہ روایت کردہ است کہ گفت روزی با عمر بن خطاب براہی میرفتم ناگاہ مضطرابی در راہ یافتم و صدای از سینۂ او شنیدہ شد مانند کسی کہ از ترس مدہوش شود گفتم چہ می شود ترا ای عمر گفت مگر نہ بینی شیر بیشہ شجاعت را و معدن کرم و فتوت را و کشندہ طاغیان و باغیان و زنندہ شمشیر را و علمدار صاحب تدبیر را چون نظر کردم دیدم علی بن ابی طالب را دیدم (الی قولہ) تا این ساعت ترش آواز دل من بدر نرفتہ است و ہرگاہ کہ او را می بینم چنین ہراسان میشوم اس روایت کو ملاحظہ کیجیے جب جناب عمرؓ کی جناب امیرؑ کو دیکھ کر یہ حالت ہوتی تھی کہ شدت خوف وہیبت سے حواس باختہ ہو جاتے تھے لرزہ ہونے لگتا تھا تو کیونکر قیاس میں آسکتا تھا کہ معاذ اللہ ایسا بزدل ایسے شیر بیشہ شجاعت کی دختر نیک اختر کو غصب کرے جاوے اور وہ چپ ہو رہے اور چوں و چرا نہ کرے۔

روایت متضمن خوف خلیفہ ثانی از جناب امیر

(پانچویں روایت) قطب راوندی نے خرائج وجرائح میں روایت کی ہے

... راوندی عن سلمان الفارسیؓ قال ان علیاً بلغہ عن عمر ذکر شیعتہ فاستقبلہ فی بعض طرق بساتین المدینۃ وفی ید علی قوس فقال یا عمر بلغنی عنک ذکر شیعتی فقال اربع علی ضلعک فقال انک لہاھنا ثم رمی بالقوس علی الارض فاذا ھو ثعبان کالبعیر فاغرا فاہ وقد اقبل نحو عمر لیبتلعہ فصاح عمر اللہ اللہ یا ابا الحسن لا عدت بعدھا فی شئ وجعل یتضرع الیہ فضرب بیدہ الی الثعبان فعادت القوس کما کانت فمضی عمر الی بیتہ مرعوبا قال سلمان فلما کان اللیل دعانی علی فقال سر الی عمر فانہ حمل الیہ من ناحیۃ المشرق مال ولم یعلم بہ احد وقد عزم ان یحتبسہ فقل لہ یقول لک علی اخرج ما حمل الیک من المشرق ففرقہ علی من ھو لہم ولا تحبسہ فافضحک قال سلمان فمضیت الیہ وادیت الیہ الرسالۃ فقال اخبرنی امر صاحبک من این علم بہ فقلت وھل یخفی علیہ مثل ھذا فقال یا سلمان اقبل منی ما اقول لک ما علی الا ساحر وانی لمشفق منہ والصواب ان تفارقہ وتصیر فی جملتنا فقلت بئس ما قلت لکن علی وارث من اسرار النبوۃ ما قد رأیت منہ وعندہ اکثر مما رأیت منہ قال ارجع الیہ فقل لہ السمع والطاعۃ لامرک فرجعت الی علی فقال احدثک ما جری بینکما

منجملہ معجزات جناب امیر کے ہے جو سلمان فارسی سے مروی ہے کہا کہ علی کو خبر پہنچی کہ عمر آپ کے شیعہ کا ذکر کرتا ہے مدینہ کے باغوں کے بعض رستوں میں عمر آپ کے سامنے آگیا اور علی کے ہاتھ میں کمان تھی فرمایا اے عمر میرے شیعہ کے تذکرہ کی تجھ سے مجھ کو خبر پہنچی ہے اس نے کہا ذرا اپنی کجی پر نرمی کر علی نے فرمایا ہاں تو یہاں ہے اور اپنی کمان کو زمین پر پھینک دیا اچانک وہ ایک اژدہا ہو گئی اور منہ کھول کر عمر کی طرف اس کے نگلنے کے واسطے متوجہ ہوئی عمر چلایا برائے خدا اے ابا الحسن میں پھر کبھی کسی امر میں ایسا نہ کروں گا اور عاجزی کرنے لگا آپ نے اژدہا پر ہاتھ مارا تو وہ جیسی پہلے کمان تھا ویسا ہی ہو گیا عمر اپنے گھر خوفزدہ چلا گیا سلمان نے کہا جب رات ہوئی امیر المومنین نے مجھ کو بلا کر فرمایا کہ عمر کے پاس جا مشرق کی جانب سے اس کے پاس مال آیا ہے اور کسی کو اس کی خبر نہیں اور اس کا قصد ہے کہ وہ مال روک رکھے بس اس کو کہہ کہ علی تجھ کو کہتا ہے کہ جو مال مشرق کی طرف سے تیرے پاس آیا ہے اس کو نکال اور مستحقوں پر بانٹ دے اور روک مت دو ورنہ میں تجھ کو فضیحت کروں گا۔ سلمان کہتا ہے میں اس کے پاس گیا اور پیام پہنچایا عمر نے کہا کہ مجھ کو اپنے یار کے امر کی خبر دے کہ اس نے اس کو کہاں سے جانا میں نے کہا کیا اس سے ایسی باتیں مخفی رہ سکتی ہیں پھر کہا اے سلمان جو میں تجھ سے کہتا ہوں مان لے علی صرف جادوگر ہے اور میں اس سے ڈرتا ہوں اور بہتر یہ ہے کہ تو بھی اس سے جدا ہو جائے اور ہم میں شمار کیا جاوے میں نے کہا تو نے بیجا کہا مگر علی نبوت کے اسرار کا وارث ہوا ہے جو تو دیکھ چکا ہے اور اس کے پاس جو تو نے دیکھا ہے اس سے بھی زیادہ ہے اس نے کہا تو اس کے پاس واپس جا اور کہہ کہ تیرے حکم کا میں مطیع ہوں پھر میں علی کے پاس واپس گیا تو

فقلت انت اعلم به منی فتکلم بکل ما جری بیننا ثم قال رعب الثعبان فی قلبه الی ان یموت انتهی بلفظه۔

نے کہا جو تمہاری باہم باتیں ہوئیں میں تجھ سے بیان کروں میں نے کہا کہ آپ ان کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں پھر ہماری سب باتیں بتلا دیں۔ پھر فرمایا کہ مرتے دم تک اژدہا کی دہشت اس کے دل میں رہے گی

ہمارے فاضل مخاطب اس روایت کو خرائج و جرائح اپنے قطب الاقطاب کے صفحہ ۲۰۱ و ۲۱۲ پر بغور ملاحظہ فرما کر فرما دیں کہ مدلول اس حدیث کا پہلے واقع ہوا ہے یا مدلول حدیث شریف اول فرج غصبت کا اگر یہ قصہ اژدہا پہلے واقع ہوا ہے تو میرے کیا کسی عاقل کی سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص کسی کے شیعیان پاک کا بے ادبی سے نام لینے پر ایسا بڑا معجزہ دکھا چکا ہو اور مرتے دم تک اس کے دل میں دہشت باقی ہو اور شیعوں کی اس قدر حمایت اور اعانت دیکھ چکا ہو۔ بیٹی کے غصب کا تو کیا ذکر وہ لونڈی کا بھی نام لے سکے اور اگر بفرض محال نام لے بھی تو اس وقت بھی ایک معجزہ دکھا کر اس کو ڈرا سکتے تھے اور اگر غصب فرج پہلے ہوا تھا تو کیا جو شیعوں کے نام لینے پر کیا وہ غصب دختر پر نہیں کیا جا سکتا تھا کیا غصب دختر شیعوں کے صرف نام لینے سے بھی کم درجہ ہے اے حضرات تم کو تمہاری تشیع کی قسم ہے ذرا تو اپنے دین و ایمان اور عقل و انصاف سے فرماؤ ہمارے نزدیک تو آپ صاحب بڑے اپنے مذہب کے اس سے بہتر دوسری کوئی توجیہ نہیں فرما سکتے کہ جناب امیر جو عالم ما کان و ما یکون تھے آپ کو ام کلثوم کی طینت سے معلوم ہو گیا تھا کہ ام کلثوم زمرۂ نواصب میں سے ہے کہ بعد میں معتقد صحت خلافت عمر ہو جائے گی تو معاذ اللہ آپ نے بحکم الخبیثات للخبیثین۔ اس کو بخوشی و رضا عمر کو دے دیا ع کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ اے حضرات مدعیان ولا و تمسک جہاں تم صد ہا سادات حسنیہ و حسینیہ کو کافر و فاسق و ناصبی کہتے ہو اگر ایک بیچاری ام کلثوم کو جو آیت تطہیر میں بھی داخل نہیں ہے بلکہ اس کا صحابیہ ہونا زیادہ باعث بدگوئی ہے برا بھلا کہہ دو گے تو میں یقیناً کہہ سکتا ہوں نہ تمہارے اصول مذہب کے بھی ذرا خلاف نہ ہو گا بلکہ پورا مطابق ہو گا اور اہلسنت کی بھی کسی قدر اس طعن سے زبان بندی ہو جائے گی۔

روایت میزاب عباس

چھٹی روایت: صاحب آیات بینات نے کتاب عماد الاسلام جناب قبلہ و کعبہ شیعیان مولوی دلدار علی سے نقل کی ہے چنانچہ جس قدر الفاظ کا ترجمہ کیا ہے اس کو مختصر لکھ کر اصل عبارت تمام نقل

کرتے ہیں۔ کتب امامیہ میں لکھا ہوا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی اپنے اور علی کے دروازہ کے سوا سب دروازہ مسجد سے بند کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عباس کی درخواست دروازہ کی نسبت تو نامنظور ہوئی مگر پرنالہ کی درخواست منظور ہوئی اور خود حضرت نے پرنالہ لگا دیا۔ عمر فاروق کے عہد خلافت میں تین سال تک جاری رہا، ایک روز اس کا پانی عمر کے کپڑوں پر گرا انہوں نے اس کو اکھڑوا دیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی پھر اس کو لگائے گا تو اس کی گردن ماروں گا۔ حضرت عباس نے حضرت علی کے پاس جا کر شکایت کی اور اپنی مصیبت سنائی۔ انھوں نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھو دیکھو میں کیا کرتا ہوں،

ثم نادی یا قنبر علی بذی الفقار فتقلد ثم خرج الی المسجد والناس حوله وقال یا قنبر اصعد و رد المیزاب الی مکانه فصعد قنبر فرده الی موضعه قال علی وحق صاحب هذا القبر والمنبر لئن قلعه قالع لاضربن عنقه وعنق الآمر له بذلك ولاصلبنهما فی الشمس حتی ینقدا فبلغ ذلك عمر بن الخطاب فنهض ودخل المسجد ونظر الی المیزاب وهو فی موضعه فقال لا یغضب احد ابا الحسن فیما فعله ونکفر عنه عن الیمین فلما کان من الغداة مضی علی بن ابی طالب الی عمه العباس فقال له کیف اصبحت یا عم قال بافضل النعم ما دمت لی یا ابن اخی فقال له یا عم طب نفسك وقر عینا فو اللہ لو خاصمنی اهل الارض فی المیزاب لخصمتهم ثم لقتلتهم بحول اللہ وقوته ولا ینالك

پھر قنبر کو پکارا کہ ذوالفقار لے آ اس کو حمائل کیا پھر بجانب مسجد نکلے اور لوگ آپ کے گرداگرد تھے اور کہا اے قنبر چڑھ اور پرنالہ اپنی جگہ پر لگا قنبر چڑھ گیا اور اس کو اس کی جگہ لگا دیا۔ علی نے کہا اس قبر اور منبر والے کے حق کی قسم اگر کسی نے اس کو اکھاڑا تو میں اس کی اور اس کے حکم کرنے والے کی گردن ماروں گا اور اس کو دھوپ میں سولی چڑھاؤں گا یہاں تک کہ تمام ہو جائیں یہ خبر عمر بن خطاب کو پہنچی تو اٹھا اور مسجد میں آیا اور پرنالہ کو اس کی جگہ دیکھا کہا کہ کوئی شخص علی کو اس کے کام میں غصہ نہ دلاوے اور ہم اپنی قسم کا کفارہ دے لیں گے دوسرے دن مخبر کو علی اپنے عباس چچا کے پاس گئے اور پوچھا چچا کیا حال ہے کہا اے بھتیجے جب تک تو میرا ہے عمدہ گزرتی ہے فرمایا اے چچا خوش رہ اور ٹھنڈی آنکھ رکھ خدا کی قسم اگر پرنالہ کے معاملہ میں تمام زمین والے مجھ سے جھگڑیں گے تو میں ان پر غالب آؤں گا پھر ان کو قتل کروں گا بحول اللہ و قوتہ و رنجیدہ نہ

ضیم ولا غم فقام العباس فقبل بین عینه وقال یا ابن اخی ما خاب من انت ناصره وکان ھذا فعل عمر بالعباس عم رسول اللہ وقد قال فی غیر موطن وصیة منه فی عمه ان عمی العباس بقیة الاٰباء والاجداد فاحفظونی فیه کل فی کنفی وانا فی کنف عمی العباس فمن[1] اذاه فقد اذانی ومن عاداه فقد عادانی سلمه سلمی وحربه حربی وقد اذاه عمر فی ثلث مواطن ظاھرة غیر خفیة منھا قصة المیزاب ولولا خوفه من علی علیه السلام لم یترکه علی حاله انتھی ۔

ظلم اور غصہ نہ پہنچے گا عباس اٹھا اور آپ کی پیشانی چومی اور کہا اے بھتیجے جس کا تو مددگار ہو گا وہ خسارہ میں نہیں ہے تو عباس عم رسول اللہ کے ساتھ عمر کا یہ فعل تھا اور اپنے چچا کے باب میں اپنی وصیت کے بہت مواقع میں فرمایا کہ میرا چچا عباس آبا اور اجداد کا بقیہ ہے اس کے باب میں میری رعایت کرو ہر ایک میری حمایت میں ہے اور میں اپنے چچا عباس کی حمایت میں جس نے اس کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا پہنچائی اور جس نے اس سے عداوت کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اس کی صلح میری صلح ہے اور اس کی لڑائی میری لڑائی اور اس کو عمر نے تین مواقع میں ظاہر غیر مخفی ایذا پہنچائی منجملہ ان کے پرنالہ کا معاملہ تھا اگر اس کو علی کا خوف نہ ہوتا تو پرنالہ کو اس کی حالت پر نہ چھوڑتا۔

---

[1] قولہ فمن آذاہ الخ اس روایت کے ان جملوں سے صاف واضح ہے کہ ایذا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایذا حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جو چیز باعث ایذا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہوگی وہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایذاء کے بھی باعث ہوگی اور اسی طرح حضرت عباس کے ساتھ دشمنی بعینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی ہے اس روایت نے ایک بہت بڑا عقدہ حل کر دیا وہ یہ کہ حضرات شیعہ مطاعن شیخین بلکہ تکفیر صحابہ میں اس قسم کی روایت کو جو حضرت فاطمہ اور جناب امیر کے باب میں وارد ہوئی ہیں جس کے الفاظ تقریباً یہ ہیں من اغضبها فقد اغضبنی ومن آذاہ فقد آذانی و سلمک سلمی و حربک حربی تخریج کر کے استدلال کیا کرتے ہیں بندہ ان استدلالات کے جواب میں عرض کرتا ہے جناب فاطمہ اور جناب امیر کے باب میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں جناب عباس کے حق میں بھی اسی قسم کے الفاظ بلکہ ان سے کچھ بڑھ کر وارد ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرات شیعہ کے نزدیک حضرت زہرا کا اغضاب اور ان کی ایذا اور جناب امیر کی حرب کو روایات سابقہ کفر ہے کیونکہ مستلزم ایذا و حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو اس روایت کے موجب ایذا اور عداوت و حرب جناب عباس بھی کفر ہوگی حضرات شیعہ جیسے جناب زہرا و جناب امیر کے ایذا دینے والے کفر کے معتقد ہیں اسی طرح جناب عباس کے ایذا دینے والے کفر کے معتقد ہوئے لیکن حضرات شیعہ کے [illegible] ائمہ کے پاس سلف تا خلف متوارث چلا آتا بیان کرتے ہیں [illegible] کہتے ہیں کہ وہ دست وبرد امام جعفر صادق نے داؤد عباس کے سامنے ظاہر فرمائی تھی تو کیا داؤد نے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸۵ پر)

[illegible] ظاہر [illegible] اپنے حضرت جناب عباس کے دشمنوں کا دل نرم ہو نہ تھا کرتے ہیں اور اس مضمون کی دستاویز کا جواز بر قریش کے سوا

خدا کیلئے اس روایت کو ذرا انصاف و فہم کو مستعار لیکر ملاحظہ فرماویں اور جناب امیر کی کیفیت صبر و سکوت و عجز و بیچارگی و درماندگی کو اس روایت کی عینک میں دیکھیں اور خیال کریں کہ خدا تعالیٰ کی وصیت کی بجا آوری اس کے بندگان مقربین و معصوم ایسی طرح ہی کرتے ہیں۔ جیسا کہ جناب امیر نے فرمائی کیا جناب سرور کائنات کے حکم کی تعمیل یونہیں ہوتی ہے جس کا حضرت امیر پر ان کے اہل تشیع اتہام لگاتے ہیں،

شیعہ مصنف کی بے شرمی اور شیعہ حضرات سے سوال

افسوس کوئی شخص ان حضرات انصاف و عقل کے دوستوں سے یہ پوچھے کہ کیا امامت کا چھین جانا بنات کا غصب ہونا حضرت عباس کے پرنالہ سے بڑھ کر تھی نہ تھا جو باجماع جمہور طائفہ ناقص الایمان ہیں حالانکہ قاضی صاحب شوشتری شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر فرماتے ہیں کہ امامت کا چھین جانا ہزار فروج کے غصب سے بھی زیادہ ہے تو موافق آپ کے قاضی صاحب کے فیصلہ کے پرنالہ عباس کا معاملہ ہزار ہا فروج کے غصب سے بھی بڑھ کر ہو گیا کیونکہ امامت سے بڑھ کر ہوا، وبل ہذا الاسفسطہ صراح۔ پس جب جناب امیر نے ایسے ذرا ذرا سے معاملہ میں ہنگامہ قتل و قتال سے بھی دریغ نہ کیا ہو تو

ہونے کا انکار حضرت عباس کے دشمنوں کی نسبت ان کی ایذا دہی اور معاداۃ میں کچھ کم ہے اور چونکہ روایات متواترہ شیعہ سے ثابت ہے کہ جناب امیر کی ولا و محبت سے بہرہ نہیں ہے اس لئے حسب تصریح شہید ثالث شوشتری درمجالس جناب امیر عباس کو اپنے یاران فدائی میں سے نہیں سمجھتے تھے علاوہ ازیں کہیں جناب امیر جناب عباس کو ضعیف الیقین ناقص الایمان ذلیل النفس فرماتے ہیں کسی جگہ جلیقین حافیین میں شمار کرتے ہیں تو کیا یہ کلمات جناب عباس کو ایذا دینے والے نہیں اور ان کی معاداۃ پر دال نہیں ہیں علاوہ ازیں حضرات شیعہ امام زین العابدین سے آیت ومن کان فی ہذہ اعمی فھو فی الاٰخرة اعمی واضل سبیلا کا نزول حضرت عباس اور ابن عباس کی شان میں نقل کرتے ہیں تو کیا اب جناب عباس کی ایذا رسانی میں یہ کچھ تھوڑی بات ہے تعجب شیعیان پاک اور ان کے ائمہ کی جناب عباس کی ایذا رسانی اور معاداۃ متحقق ہوئی تو اس قیاس کی شکل اول سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتا قیاس یہ ہے کہ حضرات شیعہ اور ان کے ائمہ نے جناب عباس کے حق میں ایذا رسانی کی اور حضرت عباس کی ایذا رسانی رسول کی ایذا رسانی ہے اور رسول کی ایذا رسانی کفر ہے اس کا نتیجہ جو کچھ ہے وہ شیعہ کے اماموں کے حق میں ظاہر و باہر ہے پھر اس کا جو کچھ جواب حضرات شیعہ تجویز فرماویں اہلسنت کی طرف سے بھی اپنے ائمہ و صحابہ کی بابت اسی قسم کا جواب قبول فرماویں

غصب بنات کے معاملہ میں بروئے عقل و انصاف کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے صبر و سکوت فرمایا ہوگا، تعجب یہ ہے کہ غصب بنات بھی کریں تو کون اور عاجز و بیچارہ بھی ہوں تو کس کے مقابلہ میں جو جناب امیر سے ایسا ڈرتے تھے کہ آپ کی زبانی تہدید اور ظاہر دھمکی سے ڈر جاتے تھے اور اپنے ارادہ سے باز رہتے تھے ایسے لوگ حضرت امیر سے خلافت غصب کریں یا بنات چھینیں۔ مگر ہاں شاید خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہوگا کہ خاص امامت و بنات کے غصب پر نہ بولنا اور میزاب وغیرہ کے معاملہ میں اپنی قوت و شجاعت کے جوہر دکھلانا۔ اور بسبب کسی حکمت غامضہ کے خدا کے نزدیک غصب خلافت و غصب بنات سے پرنالہ کا اکھاڑنا زیادہ اقبح ہوگا جس کے ادراک سے ہماری عقول قاصر ہیں نعوذ باللہ من ذلک۔ تو ان دلائل واضحہ سے واضح ہوا کہ جبر و اکراہ کا دعویٰ بالکل لغو اور سراسر باطل ہے نہ خدا کی طرف سے وصیت تھی کہ دین کی بربادی اور اہلبیت کی اہانت و تذلیل چپکے چپکے دیکھنا اور سر نہ ہلانا نہ آپ بیچارہ اور بے یار و انصار تھے نہ آپ کو یار و انصار کی ضرورت تھی والحمد للہ علی ذلک لیکن جس قدر ماسبق میں اس نکاح کی نسبت گذارش ہوا ہے وہ علی سبیل التنزل والتسلیم تھا ورنہ فی الحقیقت بندہ نے جو کچھ عرض کیا تھا اس سے نکاح ہرگز مراد نہ تھا کیونکہ بندہ نے الزاماً یہ عرض کیا تھا کیا تمسک کے یہی معنی ہیں کہ نعوذ باللہ توبہ توبہ آل رسول کی بنات کو بلکہ ان کی شرمگاہوں کو مغصوب اعداء ٹھہرا دیں، اس عبارت سے صریح ظاہر ہے کہ بندہ نے غصب کا الزام لگایا ہے پس اس پر یہ کہنا کہ مراد غصب سے نکاح ہے سراسر تحریف ہے، ثبوت غصب تو روایت کلینی وغیرہ سے واضح ہے۔ بلکہ بعبارت النص ثابت ہے وہ روایت کرتے ہیں۔ ہی اول فرج غصبت منا پھر اس کو نکاح پر محمول کرنا بوجوہ باطل ہے اول تو یہ کہ لفظ غصب فرج سے نکاح خلاف رضا مراد لینا اعراض عن الحقیقۃ و صیرورت الی المجاز ہے جو بلا تعذر حقیقت جائز نہیں اور اس جگہ حقیقت متعذرہ نہیں ہے بلکہ قرائن داعی الی الحقیقت ہیں غصب ایسے شخص کی طرف منسوب ہے جس نے پہلے اس سے وہ کام کئے جو اس سے بدرجہا زیادہ تھے، کیونکہ وہ سرگروہ دشمنان اہل بیت تھا اس نے بعد وفات سرور کائنات کے دو معصوموں کو قتل کیا مہبط وحی خانہ اہلبیت کو جلایا اہل بیت کی مذلت و اہانت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا جس کی یہ حالت ہو اور اس کی طرف غصبیت بنات روایات میں منسوب ہو تو عقل سلیم کی طرف ہرگز یہ متطرق نہیں ہوتا کہ اس نے بجبر نکاح کیا ہوگا۔ جب وہ ایسا خلیع العذار ہے کہ جس نے پہلے ایسی ناشائستہ حرکات کئے ہوں اس کو کیا ضرورت ہے کہ وہ نکاح کے جھگڑے کو خریدے نکاح کی نسبت بدون نکاح کے غصب میں تذلیل اہلبیت زیادہ متصور ہے

پس اس نے ظاہراً اصول شیعہ پر وہی کیا ہوگا جو باعث تذلیل اہلبیت زیادہ ہو تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ غصب اپنے معنی حقیقی پر ہی محمول ہے۔ دوسری یہ کہ اگر تسلیم کیا جاوے کہ مراد غصب سے نکاح بلا رضا ہے۔ تاہم مفید مدعا نہیں کیونکہ حسب تصریح فقہائے قوم نکاح مومنہ کا دشمن اہلبیت سے قطعاً حرام بلکہ اشد محرم ہے۔ پس جب کہ ادنیٰ مومنہ کا نکاح ادنیٰ دشمن اہلبیت کے ساتھ حرام ہو تو جگر گوشہ بتول کا نکاح سرآمد دشمنان اہلبیت اور سردفتر منافقین علی مزعوم الشیعہ کے ساتھ کیونکر جائز ہوگا۔ پس جب یہ نکاح جائز نہ ہوا اور حرام ہوا تو غصب اور نکاح میں صرف تنازع لفظی ہی رہ گیا۔ اور اگر تقیہ اور جبر و اکراہ کا عذر فرماویں تو وہ عنقریب ایسا زیر و زبر ہو چکا ہے کہ اس کی اصلاح فاضل مجیب سے بعد رجعت بھی محال ہے ولن یصلح العطار ما افسد الدھر تیسری صاحب نزہہ نے اپنی دانشمندی سے تحریر فرمایا ہے۔ کہ نکاحیکہ بغیر طیب خاطر باشد اصلا مستلزم زنا نیست چہ تجویز تزویج در مقام ضرورت و اضطرار از باب رخصت ست چنانچہ تجویز تناول میتہ در حال مخمصہ و اضطرار قائلین تقیہ میگویند کہ شارع فعلی راکہ بطریق تقیہ واقع شود قائم مقام ماموربہ قرار داد پس بجا آوردن آن امتثال امر آلہی ست و این معنی مقتضی اجر ست پس وقوع زنا لازم نیاید چنانچہ ہرگاہ جابری شخصی را در طلاق دادن زوجہ اش اجبار نماید در عرف میگویند غصبت زوجتہ حضرت کشمیری صاحب نے جبر و اکراہ و ضرورت و اضطرار کی نسبت جو کچھ تحریر فرمایا اس کا قلع و قمع ہم واجبی کر چکے ہیں، لیکن حضرت کشمیری اور ان کے مقلدین سے اس قدر استفسار باقی ہے کہ کیوں حضرت جب جبر و اکراہ و ضرورت و اضطرار کی ٹھہری اور مثل میتہ اور لحم خنزیر کی حالت مخمصہ میں ہوئی تو جو کچھ بجبر واقع ہوگا وہ مباح ہوگا اور جو کچھ از راہ اکراہ و الجا واقع ہوگا وہ عین امتثال حکم خداوندی ہوگا تو پھر چاہیئے لفظ غصب کو اس کے معنی حقیقی سے پھیر کر معنی مجازی پر محمول نہ کریں بلکہ معنی حقیقی پر محمول کرنے سے اور زیادہ غاصب کی برائی پر دال ہوگا اور اہل بیت نبوت پر کسی قسم کا الزام لازم نہ ہوگا کیونکہ دونوں صورتوں میں اہل بیت سے تو جو کچھ ہوا وہ بحالت مخمصہ تقیہ کے پردہ میں ہوا جو امتثال امر خداوندی ہے خواہ نکاح بلا رضا ہوا تو اور غصب ہوا تو لیکن غاصب کے حق میں اگر نکاح بجبر تسلیم کیا جاوے تو ایک معصیت اکراہ کی ہی ہوگی و بس، کیونکہ بعد نکاح تحقق زنا مفقود ہے، اور اگر غصب اپنے معنی پر محمول ہوگا تو بحق غاصب ایک برائی فعل غصب کی ہوگی اور دوسری زناکی کہ اس کے حق میں لامحالہ یہ زنا ہوگا۔ معلوم نہیں کہ اس لفظ کو اس کے معنی حقیقی سے کیوں پھیرتے ہیں اور معنی مجازی پر بلا ضرورت داعیہ اور بدون قرینہ کیوں محمول کرتے ہیں۔ واجب

ہے کہ اس لفظ کو اس کے معنی حقیقی سے مصروف نہ کریں اور معنی مجازی کا ارتکاب نہ فرماویں رہا یہ کہ آپ کے حضرت کشمیری صاحب جو یہ نظیر پیش فرماتے ہیں کہ اگر کوئی جابر بجبر و اکراہ کسی کی زوجہ کو اس سے طلاق دلوائے تو عرف میں کہتے ہیں غصبت زوجتہ محض مغلطہ ہے کیونکہ اول تو اس عرف میں ہی کلام ہے جب تک کسی دلیل سے ثابت نہ کیا جاوے۔ بعد اس کے یہ نظیر اپنے ممثل لہ کے بھی مطابق نہیں اور نہ اس کا غصب ہونا ممثل لہ کے غصب ہونے کو مستلزم ہے کیونکہ طلاق بالاکراہ دلوانا گویا ایک شخص کی مملوک شئی کو اس کے قبض و تصرف سے بلا جواز شرعی بجبر نکالنا ہے جس پر غصب صادق آتا ہے اور ما نحن فیہ میں یہ معنی مفقود ہیں کیونکہ نکاح بالجبر کی صورت میں کسی کی مملوک و متصرفہ کو اس کے قبضہ سے نہیں نکالا تو نکاح بالجبر کی مماثل نہ ہوا اچھا ہم نے مانا کہ یہ دونوں برابر ہی ہیں لیکن پھر بھی دعوے آپ کے حضرت کشمیری کا غلط ہے کیونکہ اس عبارت سے نکاح اس وقت مستفاد ہو سکتا ہے جب کہ غصب کی نسبت نفس عورت کی طرف جاوے اور جب اس کی نسبت عورت کی فرج کی طرف کر کے زیادہ تشنیع و تقبیح کی جاوے تو اس وقت تاویل نکاح بالجبر کی مسلم نہیں بلکہ اس وقت بسبب اس کے کہ غصب کا فرج پر وقوع بیان کرنے غایت درجہ پر قبح و شناعت میں پہنچایا گیا ہے غصب حقیقی ہی مراد ہوگا تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ہرگز مراد نکاح بالجبر نہیں بلکہ غصب حقیقی مراد ہے، مگر حضرت کشمیری صاحب نے اپنی خوش فہمی سے اس قید کو نہیں سمجھا یا تجاہل فرمایا ہے غرض یہ کہ غصب خواہ حقیقی معنے پر محمول ہو یا مجازی معنے پر وقوع حرام میں اصول شیعہ پر کچھ کلام نہیں ہر طرح حرام ہونا حضرات کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

نکاح ام کلثوم کے متعلق مزید بحث

قولہ: بالفرض اگر ام کلثوم بنت زہرا ہی کا نکاح ہوا تب بھی کیا قباحت لازم آتی ہے ظاہر ہے کہ یہ نکاح بخوشی نہیں ہوا۔

اقول: جب فریقین کی کتب معتبرہ اور روایات معتمدہ سے ثابت ہے کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہی ہوا ہے تو بالفرض کے کیا معنی یہ امر فرضی تو نہیں ہے یہ تو واقعی اور تحقیقی ہے پھر لفظ بالفرض کہنا محض دھوکہ دہی ہے اور جب آپ نے اس نکاح کو تسلیم کر لیا تو قباحت یہ لازم آتی ہے کہ تمام اصول و فروع شیعہ برباد ہوئے جاتے ہیں کیونکہ حسب روایات

شیعہ جناب امیر لمجاد مضطر نہیں ہو سکتے تھے تو لامحالہ یہ نکاح بخوشی ہوا اور اس سے جیسی کچھ صاعقہ شرر بار خرمن مذہب امامیہ پر واقع ہوتی ہے کسی ذی خرد پر مخفی نہیں کیونکہ اگر حضرت فاروق اس کے لئے اہل اور لائق تھے تو بھی مذہب تشیع کی خرابی اور اگر لائق نہیں تھے تاہم مذہب تشیع کی بربادی اور اگر با این ہمہ پھر بھی بناخوشی و ناراضی یہ نکاح واقع ہوا تاہم مذہب تشیع کی تباہی پس ہمارے فاضل مجیب کا یہ کہنا تب بھی کیا قباحت لازم آتی نادانستگی یا تجاہل سے ناشی ہے ورنہ جب حسب روایات شیعہ نکاح صحیح نہ ہوا تو یہ کہنا کہ کیا قباحت لازم آئی سراسر ابلہ فریبی ہے۔

قولہ: چنانچہ شرح صحیح بخاری کی روایت باواز بلند پکار رہی ہے۔

اقول: ہم سابقاً عرض کر چکے ہیں کہ آپ کے قاضی صاحب شوستری نے اس روایت کو ابن حجر متاخر کی طرف نسبت کیا ہے جو ابن حجر مکی ہے اور آپ کے کشمیری صاحب نے نزہہ میں اس روایت کو مطلق ابن حجر کی طرف منسوب کیا ہے تو بظاہر ہمارے فاضل مجیب کی خوش فہمی معلوم ہوتی ہے کہ اپنے کلام میں جو نزہہ سے لیتے ہیں یہ سمجھ کر کہ ابن حجر مطلق لکھا ہے تو عسقلانی ہی مراد ہوگا اس نے شرح بخاری ہی میں لکھا ہوگا فتح الباری کی طرف کذباً و افتراءً نسبت فرما دیا حالانکہ وقت اطلاق کی سبقت ذہن کے فتح الباری کی طرف ممنوع بلکہ متبادر مطلق ابن حجر کے ایسے امر کے ذکر کرنے سے جو متعلق حالات صحابہ ہو کتاب اصابہ ہے اور اس میں یہ روایات بطرق متنوعہ موجود ہیں لیکن اس روایت کا کہیں نشان بھی نہیں بلکہ اس کے مخالف ثابت ہوتا ہے اور اگر بالفرض یہ روایت فتح الباری میں ہو بھی تو آپ کے قاضی صاحب کا ابن حجر متاخر یعنی مکی کی طرف نسبت کرنا کذب و غلط ہوگا قطع نظر اس سے کہ قاضی صاحب نے فقط متاخر لکھا ہے اور قرینہ بھی دال ہے کہ مراد ابن حجر سے ابن حجر مکی ہے وہ یہ کہ قاضی صاحب بعد نقل روایت کے فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ بعد اس روایت کے ابن حجر نے عمر کے ضم و تقبیل کی طرف سے جو عقد و تحلیل سے پہلے واقع ہوئی یہ عذر کیا ہے کہ ام کلثوم بسبب صغر سنی کے اس درجہ کو نہیں پہنچی تھی کہ مشتہاۃ ہو کر اس کا ضم و تقبیل حرام ہو اور اگر وہ صغیرہ نہ ہوتی تو حضرت علی اس کو کیوں بھیجتے اور یہ عبارت صواعق ابن حجر مکی میں مذکور ہے۔

* [illegible]

حتی یحرم ولولا صغرها لما بعث بها ابوها کذلک۔

حرام ہوتی اور اگر اس کی کم سنی نہ ہوتی تو اس کا باپ اس کو اس طرح نہ بھیجتا۔

مگر اس روایت کا جس کا قاضی صاحب دعوے فرماتے ہیں وہاں کہیں پتہ و نشان نہیں پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ قاضی صاحب کی اسی غلطی یا مغالطہ کی تقلید در تقلید ہوتی چلی آئی ہے مگر ہمارے فاضل مخاطب نے اس پر یہ اور طرہ لگایا کہ فتح الباری شرح صحیح بخاری کی طرف نسبت کر دیا جو ابن حجر عسقلانی کی ہے پھر اگر بالفرض یہ روایت کسی ابن حجر نے اپنی کسی کتاب میں نقل کی ہو تاہم جب متعارض روایات جمہور محدثین کے ہے قابل اعتبار کے نہیں ہو سکتی اور اگر اعتبار بھی تسلیم کر لیں تو فاضل مجیب کا یہ ارشاد کہ "آواز بلند پکار رہی ہے" غیر مسلم ہے بلکہ بقاعدہ الحدیث یفسر بعضہ بعضاً بانضمام دیگر روایات اس روایت میں الجاء کے یہ معنی ہوں گے کہ کثرت الحاح و مسالت اور نہایت تردد و مراجعت فرمائی اور ظاہر ہے کہ یہ معنی عین مناقض دعوے سامی ہے اب لیجیے جو روایات کہ ان معنی پر دال ہیں صواعق محرقہ کے باب حادی عشر میں مروی ہیں۔

وفی روایۃ ان عمر صعد المنبر فقال ایہا الناس انی واللہ ما حملنی علی الحاح علی علی فی ابنتہ الا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل سبب وصہر ینقطع الا سببی وصہری وانہما یأتیان یوم القیمۃ فتشفعان لصاحبہا وفی روایۃ لما اکثر تردده الی علی اعتل بصغرها فقال ما حملنی علی کثرۃ ترددی الیک الا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل حسب ونسب وصہر [illegible]

اور ایک روایت میں ہے کہ عمر منبر پر چڑھے اور کہا اے لوگو واللہ علی سے اس کی دختر کے معاملہ میں الحاح کرنے پر بجز اس کے کسی چیز نے مجھ کو برانگیختہ نہیں کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے ہر واسطہ اور دامادی تعلق قطع ہو جائے گا مگر میرا واسطہ اور دامادی تعلق کہ وہ قیامت میں آئیں گے اور اپنے تعلق والے کی سفارش کریں گے اور ایک روایت میں ہے کہ جب عمر علی کے پاس اس معاملہ میں بکثرت آئے گئے آپ نے اس کی صغر سنی کا عذر کیا، عمر نے فرمایا کہ مجھ کو کثرت آمد و رفت پر بجز اس کے کسی نے برانگیختہ نہیں کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کل حسب اور نسب و دامادی تعلق [illegible]

[illegible] روایات سے کثرت الحاح و مراجعت اور نہایت [illegible] تردد و مسالت [illegible] ثابت ہے پس [illegible]

[illegible]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فاسق و فاجر و ظالم اور غاصب تھے اور نہ جناب امیر رضی اللہ عنہ مظلوم مقہور و جبان و مغلوب تھے تو لامحالہ مطابق اصول اہل حق کے ان معنی پر حمل کرنا لازم ہوگا۔ اور فاضل مجیب کا دعوے غلط ہوگا۔ وہو المطلوب۔

قولہ: اور غصب کے معنے یہ ہی ہیں نہ کچھ اور۔

اقول: یہ معنے غصب کے صرف حضرت کا ہی اختراع ہے جب تک آپ کسی نقل سے اس کو ثابت نہ فرماویں گے اس وقت تک یہ دعوے قابل سماعت نہیں اور بالفرض بتکلف اگر یہ معنی ہوں بھی تو حصر سراسر غلط ہے جو حضرت کی خوبی فہم سے پیدا ہوا ہے اگر آپ کے نزدیک یہ صحیح تھا تو کسی دلیل سے تو ثابت فرمایا ہوتا۔

حسب مذہب شیعہ نکاح مؤمنہ ناصبی کے ساتھ ناجائز ہے

قولہ: خلیفہ ثانی مسلمان کلمہ گو تھے احکام اسلام ان پر جاری تھے نکاح شرعی ہوا۔

اقول: اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ بوجہ ظاہری اسلام خلیفہ فاروق یہ نکاح از روئے شرع کے جائز ہوا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو اپنے مسائل فقہیہ تک کی بھی خبر نہیں ہے اور خبر کیونکر ہو مناظرہ کی چند کتابیں دیکھ کر تو مجتہد بن بیٹھے مسائل فقہیہ کی خبر ہو تو کیونکر ہو۔ اجی جناب میر صاحب یہ اجتہاد آپ نے غلط فرمایا اور اس میں آپ نے خطا کی آپ اپنی کتابوں کا ملاحظہ فرمائیے آپ کے یہاں صحت نکاح کے واسطے صرف ظاہری اسلام و کلمہ گوئی ہرگز مفید نہیں ہے بلکہ عموماً کتب فقہیہ میں نواصب و خوارج کے ساتھ مؤمنہ کا نکاح صراحۃً ناجائز لکھا ہے اس وقت من لایحضر حاضر ہے اس میں یہ روایت موجود ہے۔

وروی الحسن بن محبوب عن سلیمان الحمار عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لا ینبغی للرجل المسلم منکم ان یتزوج الناصبیۃ ولا یزوج ابنتہ ناصبیا ولا یطرحہا عندہ قال مصنف ہذا الکتاب رحمۃ اللہ من نصب حربا لآل محمد علیہم السلام فلا [illegible] نصیب لہم فی [illegible]

امام ابی عبد اللہ سے مروی ہے فرمایا ہم میں سے مسلمان شخص کو لائق نہیں کہ ناصبیہ کے ساتھ شادی کرے اور اپنی بیٹی کا ناصبی کے ساتھ نکاح کرے اور اس کو اس کے پاس ڈال دے مصنف کتاب کہتا ہے جو آل محمد علیہم السلام کے ساتھ لڑائی قائم کرے ان کے لیے اسلام میں کچھ حصہ نہیں [illegible]

نکاحهم و قال النبی صلی اللّٰہ علیہ و الہ صنفان من امتی لا نصیب لهم فی الاسلام الناصب لاهل بیتی الخ۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں دو قسم کے لوگ ہیں جن کو اسلام میں کچھ حصہ نہیں ایک تو میری اہلبیت کے ساتھ دشمنی رکھنے والا

اس روایت سے حرمت نکاح نواصب ہی نہیں ثابت ہوئی بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نواصب کا ظاہری اسلام اور زبانی کلمہ گوئی ہرگز قابل اعتبار نہیں اور جو بعض شیعہ مثل فاضل مخاطب تنگنائے ابحاث میں گرفتار ہو کر ظاہری اسلام کو اعتبار کرتے ہیں سراسر غلط ہے نکاح تو ایک طرف رہا نواصب کا تو جھوٹا تک بھی نجس ہے من لا یحضرہ میں ہے۔

ولا یجوز الوضوء بسور الیهودی والنصرانی وولد الزنا والمشرک وکل من خالف الاسلام واشد من ذلک سور الناصب۔

یہودی اور نصرانی اور ولد الزنا اور مشرک اور ہر مخالف اسلام کے جھوٹے کے ساتھ وضو جائز نہیں ہے اور اس سے بھی سخت تر ناصبی کا جھوٹا ہے۔

استبصار میں ہے۔ وبهذا الاسناد عن محمد بن یعقوب عن احمد ابن ادریس عن محمد بن احمد بن یحیی عن ایوب بن نوح عن الوشاء عمن ذکرہ۔

عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام انہ کرہ سور ولد الزنا والیهودی والنصرانی والمشرک وکل من خالف الاسلام وکان اشد ذلک عندہ سور الناصب۔

امام جعفر صادق سے مروی ہے انھوں نے ولد الزنا اور یہودی اور نصرانی اور مشرک اور ہر مخالف اسلام کے جھوٹے کو مکروہ سمجھا اور سب سے سخت تر آپ کے نزدیک ناصبی کا جھوٹا تھا۔

پس جب ناصب کے جھوٹے کا یہ حال ہے تو ان کا نکاح کیا کچھ ہوگا علی الخصوص ایسے شخص کا نکاح جو بزعم شیعہ دشمنان اہلبیت کا سرگروہ [illegible] معصوم ہو کہ ایسے شخص کو شیعہ نجس لعین اعتقاد کرتے ہیں اور [illegible] کے عدو رقیب [illegible] کا حکم رکھتے ہیں چنانچہ خاتم المتکلمین مولانا مولوی سید دلدار علی رحمۃ اللہ علیہ نے معانی الاخبار صدوق سے عدو رقیب [illegible] کی نسبت یہ روایت نقل کی ہے

حدثنا علی بن [illegible] قال حدثنا محمد بن ابی عبد اللّٰہ [illegible] عن موسی بن [illegible] عن [illegible] بن یزید النوفلی [illegible]

قال [illegible]

علیہ والہ وسلم قال ان ولد الزنا شر الثلاثۃ قال علیہ السلام عنی بہ انہ شر من تقدمہ ومن تلاہ۔

علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا ولد الزنا تینوں میں سے بدتر ہے علیہ السلام نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے سے پہلے سے اور پچھلے سے بدتر ہے،

قطعاً ناجائز اور حرام ہوگا۔ اور جب ادنی مؤمنہ کے نکاح کا یہ حال ہو تو قدوۃ مؤمنات بضعۂ سرور موجودات جگر گوشۂ بتول کا نکاح تو دین و ایمان سے دست برداری ہوگی اسی واسطے حسب تصریح خاتم المتکلمین بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اپنی دختر کا ایسے لوگوں کے ساتھ نکاح کرے وہ دشمن دین و ایمان ہے اور ملت و شریعت کے بیخ کو قطع کرتا ہے اور اگر آپ کے نزدیک ظاہری اسلام اور زبانی کلمہ گوئی اجرائے احکام اسلام کے لئے کافی ہے تو پھر آپ ذرا اپنے قبلہ و کعبہ سید محمد صاحب تشئید المطاعن سے پوچھئے کہ حضرت آپ جو تحفہ کے اس قول کے جواب میں "اگر توقف ابوبکر در استیفاء قصاص مالک بن نویرہ قادح در خلافت او باشد توقف حضرات امیر در استیفاء قصاص عثمان بطریق اولی قادح باشد" یہ ارشاد فرماتے ہیں "خلاصہ جواب از طرف شیعیان آنست کہ عثمان نزد ایشان جائز القتل بود و لہذا اخذ قصاص او واجب نباشد" اس کے کیا معنے ہیں جب ظاہری کلمہ گوئی پر احکام اسلام جاری ہیں اور ان کا مومنات کے ساتھ نکاح صحیح ہے تو پھر آپ کا یہ فرمانا کہ وہ جائز القتل ہیں اور ان کا دم ہدر ہے بالکل غلط اور مخالف شریعت ہے پھر معلوم نہیں آپ کے قبلہ آپ کے اس اعتراض کا کیا جواب دیں گے ظاہر تو یہ ہے اگر حیا کو کام فرمائیں گے تو اپنے خلاف واقع بیانی کا اعتراف کریں گے اور اگر ان سے نہ پوچھیں تو یہ سوال ہمارے مجیب کا خود ان کے نفس کی طرف راجع ہے اور وہ اس کے جواب دہ ہوں گے۔

قولہ: جناب سرور کائنات کا حال ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت زینب دختر رسول خدا مسلمان ہو گئی تھیں اور ان کا شوہر ابو العاص کافر تھا ان میں مفارقت نہ کروا سکے اور اس باب میں جو آپ کے علماء نے تاویل کی ہے اس کو یہ روایت باطل کرتی ہے تاریخ خمیس میں حضرت ام المومنین عائشہ سے منقول ہے قالت کان [illegible] لا یفرق بین زینب و ابی العاص [illegible] [illegible] صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یقدر ان یفرق بینهما وکان مغلوبا بمکہ [illegible]

جب یہ بات ثابت ہوئی تو نکاح [illegible] کیا حرج ہے۔

[illegible]

فریقین کے نزدیک ابتداء اسلام میں مومنہ کا نکاح کافر کے ساتھ جائز تھا پیچھے منسوخ ہوا تو ام کلثوم کے نکاح کا قیاس اس پر نہیں ہو سکتا

اقول: ہمارے فاضل مجیب کی ہم پر تو طعن بے حیائی اور بے شرمی کی نسبت ہوتی ہی تھی لیکن یہاں تو خود بدولت نے شرم وحیا کا پردہ اٹھا کر دین ودیانت کو طاق میں بٹھا کر خاتم النبیین سید المرسلین کی عصمت بلکہ نبوت ہی پر قلم نسخ پھیر دیا اور برخلاف نصوص فریقین آپ نے اس نکاح کے عدم جواز کو تسلیم فرمایا، تو معاذ اللہ آپ کے قول کے موافق خاتم النبیین مرتکب حرام کے ہوئے کیونکہ اپنی بیٹی مومنہ کا باختیار خود بلا جبر واکراہ کافر کے ساتھ نکاح کیا حالانکہ وہ بقول آپ کے ناجائز تھا، اور اگر یہ مراد ہے کہ وقت عقد کے دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافرہ تھی اور بعد میں ایمان لائی چنانچہ آپ کا یہ قول کہ حضرت زینب دختر رسول اللہ مسلمان ہو گئی تھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ پہلے سے مسلمان نہ تھی اور بعد میں مسلمان ہو گئی تھی، یہ بھی آپ کے دین وایمان کے مقتضی سے ناشی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر کو بلا دلیل کافرہ کہیں، واقعی اہلبیت نبوت کے ساتھ آپ کے زعم میں ولاء ومحبت اور تمسک اسی کا نام ہے آپ تفریق کا ذکر ابھی کیوں فرماتے ہیں پہلے تو نفس عقد کی نسبت فرمادیں کہ وہ بجبر ہوا یا برضا اور جائز ہوا یا حرام، اگر یہ نکاح بجبر ہوا اور باوجودیکہ حرام تھا لیکن کفار مکہ نے بجبر واکراہ یہ نکاح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا تو البتہ آپ کا مقیس علیہ ہو سکتا ہے لیکن اس صورت میں اول آپ جبر واکراہ کا ثبوت دیویں اور انشاء اللہ قیامت تک بھی نہ دے سکیں گے اور بعد اس کے حضرت کے حق میں وجوب تقیہ کا فتویٰ دیویں پھر حرمت کا ثبوت دیویں اور اگر برضا ہوا اور حرام تھا جیسا کہ آپ کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ "مسلمہ کا نکاح کافر کے ساتھ حرام ہے" تو پھر آپ ہی خیال فرما لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کیسے فعل کے مرتکب ہوئے اور اگر نکاح برضا ہوا اور جائز تھا، چنانچہ واقعی اور فی نفس الامر ایسا ہی ہے تو پھر آپ کا اس کو ذکر کرنا اور مقیس علیہ قرار دینا سراسر خوش فہمی ہے، دیکھئے ہم اس کے جواز کو آپ کی ہی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں، پس واضح ہو کہ ابتداء اسلام میں جب تک تحریم نکاح مومنہ کی مشرک کے ساتھ نازل نہیں ہوئی تھی اس وقت اہل شرک و اہل ایمان میں یہ نکاح جائز اور حلال تھا اسی واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا نکاح ابو العاص سے کر دیا تھا، چنانچہ اس کی

حلت شرائع سالقہ میں بھی تھی، تفسیر مجمع البیان میں فاضل طبرسی تحت آیت شریفہ واقعہ سورۃ ہود قال یا قوم ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم لکھتے ہیں،

وکان یجوز فی شرعہ تزویج المومنۃ من الکافر وکذا کان ایضاً فی مبدأ الاسلام فقد زوج النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم بنتہ من ابی العاص بن الربیع قبل ان یسلم ثم نسخ ذلک۔

اور اس کی شرع میں مومنہ کا نکاح کافر کے ساتھ جائز تھا اور اسی طرح شروع اسلام میں بھی تھا اور حضرتؐ نے اپنی دختر کا نکاح ابو العاص سے پہلے اس سے کہ مسلمان ہو کر دیا تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

پھر دوسری جگہ سورۃ حجر میں تحت آیت کریمہ ھؤلاء بناتی ان کنتم فاعلین لکھتے ہیں۔

وقولہ ان کنتم فاعلین کنایۃ عن النکاح ای ان کنتم متزوجین وقیل انما قال ذلک للرؤساء الذین یکفون اتباعھم وقد کان یجوز تزویج المومنۃ من الکافر یومئذ وقد کان ذلک ایضاً فی شریعتنا ثم حرم۔

قول ان کنتم فاعلین نکاح سے کنایہ ہے یعنی اگر تم نکاح کرنے والے ہو کہتے ہیں کہ یہ سرداروں کو کہا جو اپنے اتباع کو روک سکتے ہیں اور اس وقت مومنہ کا نکاح کافر کے ساتھ جائز تھا اور پہلے ہماری شریعت میں بھی تھا پھر حرام ہو گیا۔

اور نیز فاضل کاشانی خلاصۃ المنہج میں پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، گفت لوط اے گروہ من اینہا دختران من اند ایشانرا بخواہید کہ ایشان پاکیزہ اند مر شمارا تزویج دختران بشرط ایمان بودہ یا در شریعت او تزویج مومنات بکفار جائز بودہ چنانکہ در بدایت اسلام حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دختری از دختران خود بعتبہ داد ودختر دیگر را با بو العاص وبعد از آن این حکم منسوخ شد انتہی علی ما فی ازالۃ الغین۔ اور جب یہ حکم بعد جواز زمانہ حیات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں منسوخ ہو چکا اور یہ نکاح متنازعہ فیہ بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقع ہوا تو غیر منسوخ کو منسوخ پر قیاس کرنا اور حرام وحلال کو یکساں ومساوی سمجھنا حضرت مجتہدین ومتکلمین شیعہ کی قوت قدسیہ یا محدثیہ کو زیبا ہے اور روایات اہل سنت کی بھی اس پر دال ہیں کہ نکاح مومنہ کا کافر کے ساتھ مبدأ اسلام میں جائز تھا بعد اس کے منسوخ ہوا چنانچہ تفاسیر واحادیث مملو ہیں، شرح مصابیح سے ایک روایت جو حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے ازالۃ الغین سے نقل کرتے ہیں۔

عن عائشۃ [illegible] عائشہ رضی اللہ عنہا [illegible]

اسرائهم وحین غلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر فقتل بعضهم و اسر بعضهم وطلب منهم الفداء لبعث زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم من خدیجة فی فداء زوجها ابی العاص بن الربیع بن عبد شمس القرشی بمال وهو کان من جملة اسراء بدر وکان تزویج الکافر بالمسلمة جائزا فنسخ بقوله تعالی ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا الخ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فتح پائی اور بعض کفار کو قتل کیا اور بعض کو قید کر لائے اور ان سے فدیہ طلب کیا تو جب اہل مکہ نے فدیہ بھیجا تو زینب نے بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر بطن خدیجہ سے تھی اپنے شوہر ابو العاص بن الربیع بن عبد شمس قرشی کے فدیہ میں جو منجملہ قیدیوں کے تھا مال بھیجا اور کافر کا نکاح مسلمہ کے ساتھ جائز تھا تو قول تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا کے ساتھ منسوخ ہو۔

پس ثابت ہوا کہ بموجب روایات فریقین کے نکاح حضرت زینبؓ کا قبل نسخ کے ہوا کہ اس وقت میں جائز اور حلال تھا اب یہاں شاید بعض ان لوگوں کو جن کو حالات شریعت سے پوری واقفیت نہیں یہ شبہ واقع ہو اور وہ یہ اعتراض کریں کہ سلمنا قبل نسخ کے جائز اور حلال تھا لیکن بعد نسخ کے تو حرام ہو گیا تو اس وقت تفریق کی ضرورت ہوئی اور ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبب مغلوبیت کے تفریق نہ کرا سکے پس اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ تحریم کا نزول تفریق سے پہلے ہے بلکہ جائز ہے کہ بعد تفریق کے آیت تحریم کا نزول ہوا ہو دوسرا جواب بطور حل و تحقیق کے یہ ہے کہ واقفان نزول احکام پر مخفی نہیں ہے کہ بعض احکام اول مشروع تھے اور بعد مشروعیت کے منسوخ ہوئے ان کے نسخ کے یہ معنی ہیں کہ بعد نسخ کے ان افعال کا کرنا بشرطیکہ ان میں اہل اسلام کے اختیار کو دخل ہو غیر مشروع ہے اور جو کچھ کہ نسخ سے پیشتر ہو چکا اور اس کے فسخ و رفع میں مسلمانوں کو کچھ دخل نہیں وہ حکم نسخ میں داخل نہ ہو گا۔

فائدہ جلیلہ در باب نسخ نکاح با مشرک

اور ظاہر ہے کہ عقد نکاح اگرچہ باختیار اولیاء عورت ہے لیکن فسخ نکاح میں عورت یا اس کے اولیاء کو بحکم شریعت کچھ دخل نہیں تو فی الحقیقت اس پر نسخ وارد ہی نہیں ہوا جو اس کو حرام اور غیر مشروع سمجھا جاوے اور ضرورت تفریق کی واقع ہو کیونکہ ولا تنکحوا المشرکین سے حرمت عقد نکاح جدید کی ثابت ہوتی ہے نہ فسخ نکاح منعقدہ سابق پر دال ہے تو تحریم اس پر

وارد ہی نہیں اور حکم ناسخ اس کو شامل ہی نہیں۔ پس تاریخ خمیس سے جو روایت نقل فرمائی ہے وہ فریقین کی روایات صحیحہ معتمدہ کے مخالف ہے اور قابل احتجاج کے نہیں بلکہ خود ام المومنین عائشہ کی روایت جو شارح مصابیح نے نقل کی ہے وہ اس کے خلاف ہے اور ممکن ہے کہ تاریخ خمیس کی روایت میں کان الاسلام فرقا محمول استحباب پر ہو باین معنے کہ بہتر اور مستحسن یہ تھا کہ نکاح کو فسخ کرا کر حضرت زینب کا نکاح کسی مسلمان سے کرتے کیونکہ اسلام نے باہم اہل اسلام و کفار میں ایک قسم کی تفریق کر دی تھی لیکن چونکہ فسخ باختیار مرد ہے اس لئے آپ کو قدرت نہ تھی اور شاید موجب کشاکشی اور فتنہ کا ہوتا لیکن آپ مغلوب تھے ایسی حالت میں صرف استحباب کے لئے فتنہ برپا کرنا مناسب و مصلحت نہ تھا اور چونکہ تحریم کا نزول جب تک نہیں ہوا تھا یہ نکاح بھی حرام نہیں ہوا تھا لہٰذا اس توجیہ کے موافق تمام روایات مجتمع ہو گئیں اور بحمد اللہ تعارض مرتفع اور استدلال فاضل مستدل باطل ہو۔ معہذا بالفرض سلمنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مغلوب تھے اور بوجہ مغلوبیت کے تفریق نہ کر سکے جو آپ کی واجب تھی لیکن یہ قصہ مقیس علیہ نکاح ام کلثوم نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ہم پیشتر بروایات معتبرہ ثابت کر چکے ہیں کہ مغلوبیت جناب امیر کا قائل ہونا ہی غلط اور باطل ہے غرض کہ اس قصہ کو یہاں ذکر کرنا حضرات شیعہ کے عموماً اور فاضل مخاطب کے خصوصاً کمال خوش فہمی اور دانشمندی ہے ہاں اگر اس نکاح کو مقیس علیہ قرار دیتے کہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں صاحبزادیوں زینب و رقیہ کا نکاح یکے بعد دیگرے عثمان ذو النورین کے ساتھ فرمایا اور وہاں بھی غصب کے قائل ہوتے اور حضرت کے مغلوبیت اور تقیہ کا دعوے کر کے ثابت کرتے تو البتہ مضائقہ نہ تھا چنانچہ قاضی صاحب شوستری نے مجالس میں باین الفاظ اس کو فرمایا۔ اگر نبی دختر بعثمان داد ولی دختر بعمر نرستاد اور اس کو ذکر کر کے اپنے استدلال کے بیخ آپ اپنے ہاتھوں کاٹ ڈالے کیا معنی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تو نہ تقیہ سے تھا نہ مغلوبی و درماندگی و جبر و اکراہ سے تھا تو یہ فعل انکاح بطیب خاطر و جواز شرعی ہوا تھا تو ولی کا فعل انکاح بھی ایسا ہی برضا و خوشی و جواز شرعی بلا جبر و اکراہ ہو۔ وھو المدعی۔

قولہ: معاذ اللہ اگر یہ بھی فرض کریں جو حضرت مجیب یا حضرت مجیب کے میر مہدی صاحب آیات بینات میں فرماتے ہیں تب بھی تمسک کو اس سے کیا نسبت مثلاً اگر کوئی یہ حجت پیش کرے کہ کیا اہل سنت کے رسول اللہ سے تمسک کرنے کے یہی معنے ہیں کہ ان کی بیٹی کو زوجہ کافر اس حال میں قرار دیں جب کہ اسلام نے جدائی کر دی تھی تو حضرت کیا جواب دیں گے۔

اقول: سبحان اللہ اہل بیت نبوت جس کی شان میں آیت تطہیر نازل ہے اس کے دشمنوں کو صریح زنا اور فحش اور بے حیائی کی تہمت سے ملوث و متہم فرمائیں اور پھر بھی تمسک میں رخنہ نہ پڑے یہ تمسک حضرات شیعہ کا ہی تمسک ہے اور اہلسنت کے تمسک پر جو نکاح ابو العاص کے ساتھ معارضہ کیا، بحمد اللہ اہلسنت کو مؤنت جواب کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ یہ قصہ مشترک الالزام ہے پس اس کا جواب جو کچھ علماء شیعہ نے دے کر فیصلہ کیا ہے چنانچہ اس کی نقول بحوالہ مجمع البیان وخلاصۃ المنہج ماسبق میں مذکور ہو چکے ہیں وہی جواب اہل سنت کی طرف سے قبول فرماویں کہ اس کا وقوع قبل نسخ کے تھا اور یہ الزام جو شیعہ پر بابت غصب و فحش کے لگایا گیا ہے یہ بعد نسخ و تحریم کے ہے پس اس کی شرمندگی و خجالت رفع کرنے کے لیے قصہ نکاح زینب ذکر کرنا حضرات کے کمال تبحر علمی پر دال ہے جب دیکھا کہ وہ نجات جہات ستہ سے مسدود ہے اور طریق گریز و فرار ہر چہار طرف سے تنگ ہے تو بطور ابلہ فریبی کے ایک روایت اہل حق کی طرف سے ذکر کردی تاکہ ناواقف سمجھیں کہ حضرت میر صاحب قبلہ نے بھی بہت بڑا الزام دیا۔

قولہ: انبیا و اوصیا و اہل بیت پر جو ظلم و ستم ہوئے ان کا بیان کرنا تمسک کے برخلاف نہیں ہے ورنہ جو ذلت و رسوائی و بے عزتی ظاہری کربلا و شام وغیرہ میں ذریت رسول کی ہوئی انکا بیان کرنا تمسک کے برخلاف ہو پھر حضرات اہل سنت ان وقائع کو کیوں اپنی کتب میں تحریر فرماتے ہیں،

نکاح ام کلثوم میں بحث تاریخی نہیں بلکہ شیعہ کے مخصوص عقائد کے تحت ہے

اقول: یہ تو آپ اس وقت فرمائیں کہ اگر ہم آپ پر تاریخی واقعات کے بیان کی نسبت الزام دیتے ہیں، بیان واقعات تاریخی میں تو جو حالت ہوتی ہے نقل کی جاتی ہے۔ یہاں تو الزام یہ ہے کہ اہل بیت نبوت کی نسبت جن کی ولاء و تمسک کے آپ زبانی مدعی ہیں اپنی کتب دین و ایمان میں امام معصوم کی زبانی فرماتے ہیں کہ امام معصوم نے فرض کرو کہ نکاح جائز کی نسبت فرمایا اول فرج غصب منا کوئی باحیا اس کو جائز کہے گا معاذ اللہ کوئی مسلمان اس کو تجویز نہیں کرسکتا ہے۔ اول تو یہ امر واقع اور نفس الامر کے خلاف دوسرے امام معصوم پہ فحش گوئی کی تہمت، تیسرے جگر گوشہ

بتول کے دشمنوں کی نسبت شبہ خباثت و فعل حرام کا الزام۔ تعجب ہے کہ آپ اس کو تمسک کے برخلاف نہیں خیال فرماتے معلوم نہیں کہ تمسک کس چیز کا نام رکھ رکھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ محرم میں نام بنام ہر ایک کی ذلت و رسوائی بیان کر کے واویلا کرنے کا نام ولاء و تمسک رکھا ہے حالانکہ اگر کسی ادنیٰ شخص پر بھی کبھی کوئی مصیبت و ذلت اس کے اہل کی نسبت پیش آتی ہے تو بعد اس کے کبھی اس کا نام تک بھی نہیں لیتا چہ جائیکہ اس کا سالانہ ماتم کرے اور یہ حضرات محب اہل بیت ہر سال اہل بیت کی ذلت کی تجدید کرتے ہیں اور ہر سال اپنے غم کے پیرایہ میں انکو ذلیل و رسوا کرتے ہیں جس پر غیر مذہب کے لوگ بھی خندہ بزبان ہیں بس فی الواقع یہ حضرات محب اہلبیت نہیں بلکہ دشمن اہل بیت ہوتے۔ ہم نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ محرم میں دار المؤمنین لکھنؤ کے اندر خصوصاً حضرت مجتہد صاحب کے امام باڑہ میں اونٹوں پر کجاوے بندھوا کر ان پر سیاہ پوش عورتیں سوار کی جاتی ہیں اور وہ زنان اہلبیت کی نقل ہوتی ہے اور مخلصین ان اونٹوں سے لپٹ لپٹ کر روتے چلاتے ہیں اور ایک ایک کا نام لے کر چیختے ہیں بلبلاتے ہیں غرض کیا کچھ طوفان بے تمیزی ہے جو وہاں نہیں ہوتا پس اس کا نام تمسک ہے اور یہ کچھ ولاء و محبت ہے۔ علاوہ ازیں اہل سنت نے سوائے بیان تاریخی حالات کے اور وہ بھی بقدر ضرورت نرم الفاظ میں حاشا کہ کہیں اہل بیت کی شان میں کوئی فحش و شنیع لفظ لکھا ہو یا حرام کا الزام اہلبیت کی نسبت لگایا ہو یہ صرف کام مدعیان ولاء و تمسک کا ہے وبس،

قولہ: ہاں تمسک کے برخلاف یہ ہے کہ حضرت عباس جن کو حضرت مجیب نے اہل بیت متمسک بہ میں داخل فرمایا ہے حضرت خلیفہ اول کی شان میں اعزک اللہ بنظر امک فرماویں۔ اور پھر وہ خلیفہ رسول و امام برحق رہیں کنز العمال ملاحظہ فرمائیے،

اقول: اے اہل خرد و انصاف خدارا ذرا تو ہمارے اور ہمارے فاضل مجیب کے اس قول کو دیکھیں اور اس سے ان کی مناظرہ دانی بلکہ ہمہ دانی کا اندازہ کریں۔ اول تو خود ان الفاظ کی ترکیب لفظی ہی ان کے غلط ہونے پر دال ہے۔ لفظ، بنظر امک کو ماقبل سے کچھ تعلق و ربط نہیں اور یہ کلام اس موجودہ عبارت میں ہے جو ہمارے مجیب لبیب نے نقل کی ہے اصل کتاب ہم کو دستیاب نہیں ہوئی کہ اس عبارت کے غلط اور صحیح ہونے پر مطلع ہوتے۔ دوسری یہ کہ شاید یہ کلمہ اپنی کفر کی حالت میں کہا ہو، تیسری یہ کہ ہم کب کہتے ہیں کہ حضرت عباس معصوم ہیں۔ اگر بالفرض انھوں نے یہ کلمہ فرمایا ہو خطا کی، چوتھے یہ کہ اگر حضرت عباس نے یہ کلمہ فرمایا تو اس سے خلیفہ اول کے خلیفہ رسول

اور امام برحق ہونے میں کیا قدح اور کیا نقصان۔ اس کو ہمارے مجیب لبیب نے کسی دلیل سے ثابت نہ فرمایا جو اس پر بحث کی جاتی یہاں اسی قدر کافی ہے کہ یہ لفظ اگر حضرت عباس سے صادر ہوا تو ان کی خطا تھی تو یہ خلیفہ اول کی خلافت و امامت میں کیوں کر قادح ہو سکتا ہے پانچویں یہ تمسک کے برخلاف نہیں، ہاں تمسک کے برخلاف یہ ہے کہ حسب تصریح علماء شیعہ جناب فاطمہؓ بضعۃ الرسول جناب امیر کی نسبت مانند جنین پردہ نشین رحم و مانند خائنین درخانہ گریختہ وغیرہ الفاظ شنیعہ فرماویں اور آپ ان کو پھر بھی خلیفہ معصوم اعتقاد کریں۔

قولہ: ہم آپ کی طرح دریدہ دہنی نہیں کرتے بپاس شرم و حیا ترجمہ بھی نہیں کرتے صرف عبارت نقل کر دی کنز العمال میں آپ دیکھ لیں ہم سمجھیں یا آپ سمجھیں،

اقول: ظاہر ہے کہ اصل دریدہ دہنی تو آپ کے ثقۃ الاسلام کلینی کی اور ان کے اساتذہ کرام وغیرہ کی ہے جو واضع اور ناقل اس فحش اور بے حیائی اور دریدہ دہنی کے ہیں۔ پھر یہ کہنا کہ ہم آپ کی طرح دریدہ دہنی نہیں کرتے سراسر بیجا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ہم اپنے محدثین کی طرح دریدہ دہنی نہیں کرتے، ہم نے تو صرف مضمون روایت اپنی زبان میں ایسے الفاظ میں جو بہ نسبت اصل کے کنایۃ اور فحش سے خالی تھے نقل کیا۔ اس کو آپ خواہ دریدہ دہنی سمجھیں یا فحش و بے حیائی فرمائیں لیکن یاد رہے اگر یہ دریدہ دہنی اور فحش و بے حیائی ہوگی تو جو آپ کے محدثین نے فرمایا وہ بہ نسبت اس کے چہار چند دریدہ دہنی اور فحش و بے حیائی ہوگی، ہم کو دریدہ دہنی حضرات شیعہ کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے کہ دریدہ دہنی آپ کا جزو مذہب ہے چنانچہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

دشنام بمذہبی کہ طاعت باشد
مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

خود آپ نے جو کچھ نقل فرمایا وہ باعتراف آپ کے اس سے زیادہ شنیع ہے جو ہم نے نقل کیا۔ اور ظاہر ہے کہ ترجمہ کرنے کو فحش ہونے نہ ہونے میں کچھ دخل نہیں ہے بلکہ ترجمہ کنایات میں کرنے سے شناعت رفع ہو سکتی ہے تو آپ نے بہ نسبت ہمارے زیادہ دریدہ دہنی فرمائی۔ اور یہ کہنا کہ ہم سمجھیں یا آپ سمجھیں بالکل غلط ہے کیونکہ باقرار آپ کے جب آپ نے باوجود فارسی خواں ہونے کے سمجھ لیا تو اس کے سمجھنے والے بہت آدمی نکلیں گے۔ ایسی لغو باتوں سے اس کی شناعت رفع نہیں ہو سکتی اور نہ آپ دریدہ دہنی اور فحش و بے حیائی کے الزام سے محفوظ رہ سکتے ہیں

قولہ: اگرچہ ایسی عبارت کا نقل کرنا بھی ہم تہذیب کے خلاف سمجھتے ہیں مگر چونکہ آپ نے لفظ شرمگاہ وغیرہ لکھ کر جواب چاہا اور کچھ شرم و حیا کو دخل نہ دیا مجبور ہم کو بھی یہ عبارت نقل کرنی پڑی۔

اقول: ہماری طرف سے بھی یہ ہی عذر قبول فرمائیے اور سمجھئے کہ ہم بھی ایسی عبارت کے لکھنے کو تہذیب کے خلاف سمجھتے ہیں اسی واسطے ہم نے ترجمہ لفظ کنایہ میں کیا تھا مگر چونکہ آپ کے محدثین نے لفظ شنیع فرج لکھا اور کچھ شرم و حیا کو دخل نہ دیا مجبور ہم کو الزاماً وہ حدیث نقل کرنی پڑی۔

قولہ: اب آپ موازنہ فرماویں کہ لفظ فرج شنیع ہے یا بضر انک۔

مجیب لبیب کی تہذیب اور مسئلہ لف حریر کا ذکر اجمالی

اقول: اے حضرات ناظرین اوراق اس آخر کے جملہ میں حضرت مجیب نے جو تہذیب و شائستگی کو کام فرمایا ہے یہ کمال تہذیب ہے کیا ہمارے مجیب اس وقت اذا خاصم فجر کے مصداق نہیں پھر اگر ہمارے قلم سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے گا تو ہم کو بھی معذور سمجھ کر ادیب اللہ المجیب بالسب [illegible] کا مصداق قرار دیں گے پس اس سے زیادہ اس کے جواب میں ہم کچھ نہیں عرض کر سکتے کہ ہم کو اس موازنہ کی نوبت بھلا کیونکر پہنچ سکتی ہے اور ہم لفظ فرج اور بضر انک میں کیونکر موازنہ کر سکتے ہیں ہمارے نزدیک تو متعہ تک حرام ہے مگر ہاں لفظ فرج اور بضر انک میں آپ نے خود ہی موازنہ کیا ہوگا کیونکہ حسب تصریح آپ کے امام میرزا باقر مجلسی کے حق الیقین میں لف حریر میں حرمت احتمالی ہے حق الیقین کے صفحہ ۳۲۵ پر یہ عبارت ملاحظہ فرمالیجیے۔ و حرمت وطی محارم بالف ذکر بحریر بنا بر احتمال بلکہ عدم قول بجز معلق اور اس میں آپ کے علامہ مجلسی صاحب نے جس احتمال پر حرمت کو ثابت فرمایا ہے اس کو آپ ہی خوب سمجھتے ہوں گے عجب نہیں کہ یہ حرمت بسبب کس جانے حریر کے ذکر سے ہو یا بسبب رقیق ہونے حریر کے احتمال وصول حرارت فرج ہو کہ مقتضی حرمت ہو یا احتمال علوق کی وجہ سے یہ حرمت ہو بہرحیث یہ حرمت کچھ قطعی نہیں بلکہ صرف احتمالی ہے جس کی رعایت علی الخصوص وقت رفع احتمالات ضروری نہ ہوگی تو موازنہ بخوبی ہو سکتا ہے [illegible] آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ ور لفظ فرج اور بضر انک کو میزان کیا بے شک لفظ بضر انک شنیع اور قبیح ہے لیکن اس سے آپ کا مدعا حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک تو لفظ شنیع و فحش امام معصوم کی زبان سے نکلا [illegible]

اہلبیت صادر ہوا اور ایک لفظ شنیع غیر معصوم کی زبان سے کسی شخص کی نسبت جو خارج اہلبیت سے ہو نکلے بلکہ بروایات شیعہ کے ناقص الایمان ولد الزنا سے بحق کسی منافق دشمن اہلبیت بلکہ دشمن دین اسلام کے صادر ہو، اگرچہ یہ لفظ فی حد ذاتہ زیادہ شنیع ہو لیکن اہل خرد سمجھ سکتے ہیں کہ کون سا لفظ ہر دونوں موقعوں پر زیادہ شنیع و قبیح ہوگا۔

قولہ: اور نیز وہاں نکاح باکراہ مراد ہے اور یہ مقام ملاحظہ فرمایئے کہ کس موقع پر کہا گیا ہے۔

فیصلہ کُن بحث درباب نکاح ام کلثومؓ

اقول: اگر یہ نکاح ناجائز و حرام تھا جیسا کہ روایات شیعہ سے ثابت ہوتا ہے تو اس کی قباحت و شناعت کسی شخص پر اہل اسلام سے پوشیدہ نہیں، اور اگر یہ نکاح جائز اور حلال تھا تو اور بھی زیادہ تقبیح و تشنیع ان الفاظ میں ادا کرنا ہوگا کیونکہ حلال کو حرام کے پیرایہ میں ادا کرنا اور حرام بھی وہ حرام جو سراسر بے حیائی اور فحش ہو غایت درجہ قباحت و شناعت میں ہوگا آپ کو بھی شاید معلوم ہوگا کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہنا کفر ہے کہ مستلزم انکار قطعیات ہے پس اس سے زیادہ اور کیا قباحت و شناعت ہوگی کہ یہ محبان اہلبیت ائمہ کی جناب میں علاوہ فحش گوئی اور بے حیائی کے کلمہ کفر کا صدور بھی ائمہ معصومین کی طرف نسبت فرماتے ہیں۔ پس وہ تمسک اسی کا نام ہے مجلا یہ ولاء و تمسک اہلسنت سے کب ہو سکتا ہے، اعاذنا اللہ من ذلک۔ اور اب اس موقع کو جو آپ الزاما فرماتے ہیں ہم کو دیکھنے کی ضرورت نہ رہی، اور اس کی نقل میں خود جناب نے بہلوتہی و اغماض فرمایا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ چنداں موافق مدعا نہ تھا یا یہ کہ آپ نے بھی نقل در نقل کیا ہوگا اور اس میں کچھ نہ ہوگا آپ نے محض اپنے ظن و تخمین سے موقع کا بے موقع ذکر کر دیا اور آپ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ لفظ کس موقع پر صادر ہوا پس اگر اس کے موقع کو نقل فرماتے اور پوری روایت لکھتے تو ہم بھی البتہ دیکھتے۔

قال الفاضل المجیب قولہ: کیا تمسک اسی کا نام ہے کہ بے حیائی و بے حفاظی ان کی جناب پاک (حاشا جنابہم من ذلک) کی طرف نسبت کریں۔ اقول: شاید پہلے ہی قول کو مکرر لکھا ہے۔ معہذا چونکہ اس کی تفصیل کچھ نہیں لکھی ہم بھی کچھ جواب نہیں دیتے، در قول سابق کا جواب گذر چکا۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: یہ مکرر نہیں ہے بلکہ تعمیم بعد تخصیص ہے آپ کو کیا خبر جو آپ نے چند کتابیں مناظرہ کی ملاحظہ فرمائیں اور وہ بھی اپنے علماء کی آپ ورنہ نہیں تو اپنے مولانے مجلسی کی ہی کتابیں ملاحظہ فرمایئے ان مواقع میں جہاں خلفاء کے حلم و ستر اور اہلبیت کی مقسوری و صبر

بیان فرماتے ہیں کیا کچھ بے حیائی اور بے حفاظی ان کے دشمنوں کی طرف نسبت نہیں کرتے۔ ہماری زبان و قلم میں اس کی تفصیل کی طاقت نہیں اس کی تفصیل آپ کو آپ کے علماء کی تصانیف سے اگر آپ چاہیں تو مل سکتی ہے۔

قال الفاضل المجیب: قولہ کیا تمسک کے یہ معنے ہیں کہ حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صنو ابیہ کو معاذ اللہ ولد الزنا اور ناقص الایمان اور دین و دنیا و آخرت میں ان کو اندھا کہیں چنانچہ آیات بینات میں مولوی مہدی علی صاحب سلمہ نے کتب معتبر شیعہ سے ثابت فرمایا ہے وعلی ہذا القیاس۔ اقول: آپ کے مولوی مہدی صاحب نہایت ہی علم و دیانت والے ہیں چنانچہ آپ کے قول آیۃ میں ان کا مایہ علم و تدین آپ کو بھی معلوم ہو جائے گا، آنحضرت سے نہایت ہی تعجب ہے کہ باوجود ادعائے علم و فضل و تحقیق ایسی روایتیں نقل کرتے ہیں اگر ایسی روایتیں ہوں بھی تب بھی چونکہ ہمارا مذہب نہیں اور کسی نے حضرت عباس کی جرح و قدح بالتصریح نہیں کی ہم پر یہ اعتراض لازم نہیں آتا کیونکہ ہم پہلے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے قول سے ثابت کر چکے ہیں کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: دانشمندان روزگار کو صلائے عام ہے کہ ہمارے فاضل مجیب کی خوبی اور متانت کو ملاحظہ فرمائیں اور آپ کی کمال علمی اور تبحر کو دیکھیں، ہم کو اس میں بوجوہ چند کلام ہے، اول یہ کہ ان روایات کے وجود میں، اگر تردد اور شک و تردد کے کیا معنے اگر یہ روایات ہیں تو شک کیسا اور نہیں ہیں تو صاف کہنا چاہیئے کہ اہلسنت کا افترا ہے جب آپ ایسے مناظر و متبحر ہو کر شک و تردد فرمائیں تو البتہ موجب تعجب اور مزید حیرت ہے شاید عوام متشیعین سے اس کا اخفا مد نظر ہے۔ دوسری یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس کی جرح و قدح بالتصریح کسی نے نہیں کی یہ بھی غلط ہے، قطع نظر اس سے کہ جو الزامات بہ نسبت دشمنان جناب بقیہ آبار رسول اللہ پہلے روایات علماء شیعہ سے بیان ہو چکے ہیں اور سنیئے آپ کے قاضی صاحب شوستری مجالس المومنین ورق نمبر ۹۳ پر فرماتے ہیں۔ در کتاب کامل بہائی از امام محمد باقر روایت نمودہ کہ حضرت امیر دریامی کہ خلافت در دست غاصبان بود و انما گفتہ واللہ لو کان حمزۃ و جعفر حیین ما طمع فیہا ابو بکر و عمر ولکن ابتلیت بحلیفین جافیین عقیل والعباس۔ اب تو آپ کو بالتصریح جرح و قدح کا یقین ہوا، اچھا اور لیجیے اسی کتاب مجالس میں ایک ورق بعد جو یہ عبارت لکھی ہے در کتاب استیعاب وغیر آن مسطور است کہ چون عمر بن الخطاب جہت تزویج

خلافت فاسدۂ خود تزویج ام کلثوم دختر مطہر حضرت امیر نمود ۔ اور اس کی نقل ہم ابھی اوپر کر آئے ہیں اس کے آخر میں مذکور ہے وظاہر ابواسطہ این وکالت فضول وامثال آنحضرت امیر عباس را مانند دیگر یاران فدائی خود راسخ در محبت واخلاص نمیدانست ۔ اس روایت سے صاف ثابت ہے کہ حضرت عباس نے جناب امیر کے لخت جگر کو صرف اپنے طمع نفسانی کی وجہ سے کہ مبادا زمزم وسقایہ حج کا منصب ہاتھ سے جاتا رہے بزعم شیعہ سرگروہ نواصب واعدائے اہلبیت کے حوالہ کر دیا کہ جس پر وہ حلال نہ تھی اسی واسطے جناب امیر عباس کو محبت واخلاص میں راسخ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی محبت نفاق آمیز تھی اور شاید عجب نہیں کہ عباس نے جناب امیر سے اس تذلیل وتوہین کا عوض لیا ہو کہ جو ابوطالب وغیرہ نے اپنے باپ سے عباس کے بارہ میں جھگڑا کر کے کہا تھا کہ یہ ہمارا غلام ہے کیونکہ ہماری والدہ کی لونڈی سے تو نے بے اجازت مقاربت کی ہے ۔ آخر لیعی وسفارش قریش کے اس امر پر فیصلہ قرار پایا کہ جس مجلس میں ابوطالب وغیرہ عبدالمطلب کے بیٹے موجود ہوں عباس کو وہاں بار نہ ملی اور اس پر ابوطالب وغیرہ نے اپنے باپ سے ایک عہد نامہ لکھوایا چنانچہ اب تک ان کے پاس محفوظ ومصئون چلا آتا ہے تو جب عباس کو انہوں نے ذلیل وخوار کیا عباس نے اس کا عوض یہاں آکر نکالا ۔ تیسری یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ یہ لازم مذہب ہے اور ہمارا مذہب نہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس پر ہر شخص جس کو تھوڑا سا بھی وقوف ہوگا قہقہہ لگائے گا ۔ یہ آپ کی خوب توجیہات آئی کہ جس جگہ راہ فرار جہات ستہ سے مسدود دیکھا جھٹ فرما دیا کہ یہ ہمارا مذہب نہیں بلکہ لازم مذہب ہے ۔ لیکن اگر آپ یہ خیال فرماویں کہ ایسی خرافات سے شکنجہ انتقاد سے نجات پائیں سو یہ امر محال ہے افسوس کہ آپ ایسے الزام کی مصیبت میں حواس باختہ ہوئے کہ آپ مذہب کو بھی بھول گئے کہ مذہب کیا ہوتا ہے ۔ جناب میر صاحب مذہب کا اطلاق تشریعات پر ہوتا ہے اور یہ قصہ قصص وحکایات میں سے ہے جو حال واقعہ کی حکایت کر رہا ہے اس کو مذہب اور لازم مذہب ہونے سے کیا تعلق جب یہ امر بروایت صحیح ثابت ہے کہ جو عباس کی ولادت کی بابت حضرات شیعہ روایت کرتے ہیں تو یہ قصہ مطابق واقع کے ہوا اور معاذ اللہ ولد الزنا ہونا عباس کا آپ کی روایت سے ثابت ہوگیا خواہ آپ مذہب سمجھیں یا نہ سمجھیں پس بمقابلہ اس کے یہ کہنا کہ یہ ہمارا مذہب نہیں بلکہ لازم مذہب ہے سراسر لغو وبے ہودہ ہی نہیں بلکہ غیر مفید ہے اگر آپ امور واقعیہ کو اپنا مذہب قرار نہ دیویں تو اس میں کسی کو کیا دخل ہے لیکن الزام تو امور واقعیہ سے دیا جاوے گا ۔

قولہ : اور معہذا حضرت عباس ہمارے نزدیک معصوم نہیں ۔

مجیب لبیب نے حضرت عباس کی نسبت قدح کو تسلیم کرلیا

اقول : بندہ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ تمسک کے یہ معنے ہیں کہ حضرت عباس عم رسول اللہ وصنو ابیہ کو ولد الزنا اور ناقص الایمان اعتقاد کریں اور اس کا یہ جواب ارشاد ہوا کہ حضرت عباس ہمارے نزدیک معصوم نہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے اعتراض کو تسلیم کر لیا اور آپ کے نزدیک حضرت عباس معاذ اللہ ولد الزنا ہیں جو آپ کے مذہب میں نجس العین ہے اور کبھی جنت میں داخل نہ ہوگا اور ناقص الایمان ہیں ۔ پس سبحان اللہ اہل بیت نبوی کے ساتھ تمسک اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کا آداب یہ ہی ہوتا ہے جس شخص کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صنو ابیہ اور لبقیہ آبائی فرماویں اور اس کو آپ ولد الزنا اور ناقص الایمان اعتقاد کریں پس ولائے اہلبیت اور اسلام آپ پر ختم ہو چکا ۔

قولہ : سبحان اللہ آپ کو بڑا آداب آباء رسول اللہ کا ہے آپ کو ایسے امور سے شرم چاہیئے

اقول : ہم کو جس قدر لبقیہ آباء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہے وہ ہماری روایات مذہب سے واضح ہے کہ مخالفین بروئے ہمارے مذہب کے کوئی طعن نہ کر سکے لیکن بڑا آداب آباء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرات شیعہ کو ہے کہ آپ کے چچا کو معاذ اللہ توبہ توبہ ولد الزنا اور ناقص الایمان فرما دیں اور شرم وحیا کو دخل نہ دیں دنیا وآخرت میں اندھا کہیں اور ذرا خدا ورسول سے نہ شرماویں پھر الٹا الزام ہم کو دیں اور فرماویں کہ آپ کو ایسے امور سے شرم چاہیئے اجی حضرت اپنے علماء ومحدثین جو آپ کے مذہب کے ستون ہیں ان کو فرمائیے ۔ کہ آپ کو ایسے امور سے شرم وحیا چاہیئے اور ہم نے تو مثل مشہور نقل کفر کفر نباشد الزاماً نقل کر دیا ۔ پھر آپ نے بھی اپنے قول سابق میں اپنے اساطین کی اقتداء فرما کر دین وایمان شرم وحیا کو خیر باد کہہ کر حضرت عباس کی نسبت اس خبث کو تسلیم کر لیا ۔ با این ہمہ حیا وشرم کے لئے ہم کو کہا جاتا ہے کہ آپ کو ایسے امور سے شرم چاہیئے گویا جو ہم کو آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہیئے تھا وہ آپ نے آپ کو آپ ہی کہہ لیا ۔

قولہ : فسق سے کفر کا مرتبہ بہت زیادہ ہے ۔ علامہ سیوطی کا خدا بھلا کرے جس کی بدولت آپ بھی ہمارے سامنے ان امور میں گفتگو کرنے والے ہو گئے ۔

اقول : خدا نے ۔۔۔ کو کہ ہمارے فاضل مجیب کے ہاتھ ۔۔۔ جو ہیں دیکھیے کیوں حضرت یا

حال ہے بہ حضرت طلی کے معاملات اور امیر خسرو کے اشعار کیوں صادر ہونے لگے ان جملوں کا لعینہ یہ مصداق ہے بیت۔

چہ خوش گفتست سعدی در زلیخا
الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا

کیسا کفر کہاں کا فسق کجا علامہ سیوطی کجا ان کی بدولت ہمارا آپ کے مقابلہ میں گفتگو کرنا ہوش میں آتے سنبھلتے بندہ کی ایک ہی تحریر میں اور وہ بھی وہ تحریر جو صرف آپ کے شکنجہ ابحاث میں کھینچنے کے لئے بمنزلہ جال کے تھی ایسے ہوش و حواس رخصت ہوئے ایک بھی ٹکر نہ سہہ سکے پھر اس پر یہ جوش و خروش اور یہ دعوے۔

قولہ: رہا ولد الزنا کا اعتراض سو یہ بھی ہم پر نہیں ہو سکتا کیونکہ مذہب کے مسلمات پر اعتراض ہوا کرتا ہے ہمارے نزدیک یہ ہرگز زنا نہیں حاشا و کلا کیونکہ شوہر کو اپنی زوجہ کے تمام مال پر ولایت حاصل ہے اور جواری مملوکات زوجہ پر تصرف بالوطی وغیرہ جائز ہے کما ورد فی حدیث المعصومین ورواہ شیخ الطائفہ فی التہذیب۔ آپ کے میر مہدی صاحب پر نہایت افسوس ہے کہ کنیز زادگی کی روایت تو بڑے زور سے لکھی اور حدیث تہذیب کا ذکر تک نہ کیا۔ دیانت کے یہ ہی معنے ہیں کنیز زادہ ہونا کچھ عیب نہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دشمنوں کی نسبت شیعہ کی فحش بیانی اور مجیب کی تاویل علیل اور ان کی تہذیب

اقول: اے اہل علم و انصاف ہمارے فاضل مجیب کے عمدہ قول کو ملاحظہ فرماویں باوجود آپ مدعی کمال تہذیب اور نہایت شائستگی ہیں لیکن آپ جواب سے ناجواب ہو کر گالی گلوچ پر جو شیوہ بازاریان ہے آ گئے اور شرم و حیا اور تہذیب و شائستگی کو بالائے طاق رکھ کر سب و شتم پر اتر آئے۔ اس کے جواب میں ہم بجز صبر و سکوت کے کچھ نہیں لکھتے ہاں اتنا ضرور کہتے ہیں کہ اگر یہ اعتراض آپ کے نزدیک ولد الزنا کا ہے تو اصل معترض اور بانی اعتراض آپ کے علما اکابر ہیں جنھوں نے [illegible] شائستہ [illegible] میں اس کفر کو نقل کیا ہے پس آپ ان [illegible] سمجھئے [illegible] سے چاہئے ملقب کیجئے آپ کو اختیار ہے ہم کچھ نہیں کہتے ہم تو محض ناقل [illegible] کون سمجھے گا اس سے ڈرنے

متنبہ کر دیا اگر پھر ایسی تحریر کی تو انشاء اللہ آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ہم اس باب میں بھی کیا کچھ ہیں۔ گو آپ اپنے زعم میں ہم سے باعتبار مشق موروثی و قدیم کے اس باب میں بڑھے ہوتے ہیں اگر آپ کو اس لفظ سے یہ مقصود نہ تھا تو یوں لکھتے رہا عباس کے ولد الزنا ہونے کا اعتراض پیشتر بھی آپ نے ایک جگہ اپنی اس چالاکی کا استعمال فرمایا۔ مگر ہم نے وہاں اجمالی جواب پر ٹال دیا اور انتقام نہیں لیا۔ لیکن اس جگہ آپ کو خبردار کرنا ضرور ہوا تاکہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہماری چالاکی کوئی نہیں سمجھتا۔ بعد اس کے ہم اصل روایت کلینی کو منتہی الکلام سے نقل کر کے اس توجیہہ کو زیر زبر کریں گے۔ ابو جعفر کلینی بسند معتبر روایت کردہ است از امام صادق علیہ السلام کہ تفیلہ مادر عباس کنیز مادر زبیر بن عبد المطلب و ابوطالب و عبد اللہ بود و عبد المطلب با او مقاربت نمود و عباس از و بہم رسید پس زبیر با عبد المطلب دعوے کرد کہ این کنیز از مادر ما بما میراث رسیدہ است تو بی رخصت او با او مقاربت کردہ و این فرزندی کہ بہم رسیدہ است بندہ ماست پس عبد المطلب اکابر قریش را بشفاعت بہ نزد وی فرستاد تا آنکہ زبیر راضی شد کہ دست از عباس بردارد بشرطیکہ نامہ نوشتہ شود کہ عباس و فرزندان او در مجلسی کہ ما و فرزندان ما نشستہ باشند در مجلس ننشینند و در ہیچ امری با ما شریک نشوند و حصہ نبرند پس باین مضمون نامہ نوشتند و اکابر قریش مہر کردند و این نامہ نزد ائمہ علیہم السلام بودہ است حضرت صادق علیہ السلام آن نامہ را برای جواب داؤد بن علی عباسی ظاہر گردانید۔ ظاہر ہے کہ روایت کلینی کی ہے اور بشہادت ملا ی مجلسی بسند معتبر مروی ہوئی ہے تو اس روایت کی تکذیب ممکن نہیں باقی رہی اس کی تاویل و توجیہہ سو اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس روایت سے چند فوائد حاصل ہوئے۔ اول تو یہ کہ عباس تفیلہ لونڈی زوجہ عبد المطلب کے پیٹ سے تھے۔ دوسری یہ کہ زبیر بن عبد المطلب نے دعوے کیا کہ یہ لونڈی بچہ ہمارا غلام ہے کیونکہ ہماری والدہ کی میراث سے ہم کو ملا ہے۔ تیسری یہ کہ اس لونڈی کے ساتھ بدون اجازت اس کی مالکہ و مولاۃ کے مقاربت کی گئی جو صریح زنا ہے اس سے یہ پیدا ہوا۔ چوتھی عبد المطلب نے ان دعوؤں کی نسبت انکار نہیں کیا کہ میں نے مقاربت بلا اجازت نہیں کی تھی بلکہ باجازت مقاربت کی اور یہ بچہ غلام نہیں ہو سکتا آزاد ہے بلکہ برعکس اس کے اکابر قریش کی شفاعت کرا کے زبیر کو راضی کیا جو صریح دلیل اس امر کی ہے کہ عبد المطلب نے زبیر کے دعوؤں کو تسلیم کر لیا تھا [illegible] وقت یہ شرطیں کیں کہ اس شرط پر میں اس کی غلامی سے دست [illegible] اور ہمارے اور ہماری اولاد کے ساتھ جس [illegible]

بیٹھیں نہ بیٹھے اور کسی امر میں ہمارا شریک نہ ہو اور حصہ نہ لیوے اور یہ سب شرطیں عبدالمطلب نے قبول و تسلیم کیں جو بداہتہً مثبت مدعا ہے۔ چھٹی یہ کہ ان شرائط کی بابت ایک دستاویز لکھی گئی اور اکابر قریش کی اس پر مہریں ہوئیں اور وہ دستاویز ائمہ کے پاس موجود ہے بلکہ امام صادق نے داؤد بن علی عباسی کے جواب کے لئے اس کو ظاہر فرمایا تھا۔ فاضل مجیب نے اس روایت کی توجیہہ یہ فرمائی کہ اعتراض مسلمات مذہب پر ہوتا ہے اور مدلول روایت کا وطی بجاریۃ الزوجہ ہے جو ہمارے مذہب میں ہرگز زنا نہیں کیونکہ زوج کو اپنی زوجہ کے تمام مال پر ولایت حاصل ہے اور جواری مملوکات زوجہ میں تصرف بالوطی وغیرہ جائز ہے چنانچہ روایت شیخ الطائفہ فی التہذیب اس پر دال ہے۔ لیکن یہ تاویل بہت وجوہ سے محل بحث ہے۔ اول یہ کہ اگر یہ وطی جائز تھی تو زبیر کا دعوے کرنا کہ مقاربت بلا اذن واقع ہوئی، اور عباس ہمارا غلام ہے غلط اور عبدالمطلب کا اس کو تسلیم کرنا اور بسفارش اکابر قریش زبیر کو راضی کرنا اور عہد نامہ لکھنا کہ عباس اور اس کی اولاد ہماری مجلس میں برابر نہ بیٹھے جو صریح غلام ہونے اور ولدالزنا ہونے کی تسلیم ہی پوچ اور خرافات ہوگا۔ جب عبدالمطلب نے اس عہد کو تسلیم کر لیا تو گویا عباس کے غلام ہونے کو تسلیم کر لیا اور غلام ہونے کے بجز اس کی کوئی صورت نہیں کہ وطی حرام ہو۔ کیونکہ وطی حلال ہوتی تو ولد حر ہوتا چنانچہ آپ کی کتب فقہ میں مصرح ہے۔ تو یہ کہنا کہ یہ وطی جائز اور حلال تھی سراسر غلط اور بے ہودہ ہوا منشا اس کا یہ ہے کہ اصل روایت کے مطلب ہی کو نہیں سمجھا۔ دوسری یہ کہ یہ سراسر غلط اور خلاف مذہب ہے کہ زوج کو جواری مملوکات زوجہ پر تصرف بالوطی وغیرہ جائز ہے کیونکہ بروئے مذہب حلال ہونا جاریہ کا تین قسم میں منحصر ہے اول عقد نکاح اور یہ دوسرے شخص کی کنیز کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسری کنیز کا مالک ہونا۔ تیسرے کسی شخص کا اپنی کنیز کو کسی کے لئے مباح و حلال کرنا اس وقت ہمارے پاس جامع عباسی موجود ہے اس سے ملخصاً نقل کرتے ہیں۔ مطلب دوم در بیان نکاح کنیز، و آن بر سہ قسمت قسم اول عقد و آن مخصوص کنیز غیر امت۔ قسم دوم مالک شدن کنیز قسم سوم اباحت و تحلیل ست و آن چنین ست کہ شخصی بدیگری دخول کردن حلال کند و این قسم از خواص فرقہ ناجیہ اثنا عشریہ ست۔ اور اس کے آخر میں لکھا ہے۔ و فرزندیکہ ازین کنیز بہم رسد اگر پدر او آزاد باشد و صاحب کنیز شرط نکردہ باشد کہ فرزند او بندہ باشد آزاد ست۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ تفضیلہ مادر عباس میں یہ تینوں امر مفقود ہیں۔ نہ عبدالمطلب کی مملوکہ تھی نہ عقد نکاح واقع ہوا نہ مالک نے اجازت دی چنانچہ صریح زبیر نے کہا کہ تو بے اجازت ما با ما مقاربت کردہ پس ہمارے

فاضل مجیب کا یہ کہنا کہ جواری زوجہ پر تصرف بالوطی مطلقاً جائز ہے سراسر غلط ہوا کیونکہ مملوکات غیر کے حلت بجز عقد یا تحلیل کے نہیں ہو سکتی خواہ وہ زوجہ ہو یا غیر زوجہ۔ ہاں من لا یحضر کی روایت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ زوج کو اپنی زوجہ کے مال پر یہ ولایت ہے کہ بدون اس کی اجازت کے زوجہ کو اس میں تصرف جائز نہیں نہ یہ کہ زوج کو اس میں مالکانہ تصرف جائز ہو یہ ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ من لا یحضر کے باب حق الزوج علی المرأۃ میں ہے،

وروی الحسن بن محبوب عن عبداللہ بن سنان عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال لیس للمرأۃ مع زوجہا امر فی عتق ولا صدقۃ ولا تدبیر ولا ھبۃ ولا نذر فی مالہا الا باذن زوجہا الا فی حج او زکوٰۃ او بر والدیہا او صلۃ قرابتہا۔	امام ابی عبداللہ سے مروی ہے فرمایا کہ عورت کو بدون اجازت اپنے شوہر کے اس کے سامنے اپنے مال میں عتق میں اور صدقہ میں اور تدبیر کرنے میں اور ہبہ میں اور نذر میں اختیار نہیں۔ ہاں مگر حج یا زکوٰۃ یا اپنے والدین کے ساتھ سلوک یا اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی میں اختیار ہے؛

اور اس قدر ولایت حاصل ہونا اور امر ہے اور تصرف مالکانہ دوسرا امر ہے۔ تیسری یہ بالفرض اگر یہ مسئلہ مذہب ہو اور اہل مذہب کے نزدیک معتبر سمجھا گیا ہو تاہم غلط اور خلاف نصوص قاطعہ کے ہے۔ کیونکہ خداوند کریم جل و علا شانہ نے اپنی کتاب مجید میں دو جگہ ارشاد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اپنی فروج کی محافظت کرتے ہیں ماسوائے اپنی ازواج اور اپنے مملوکات کے وہ فلاح یافتہ اور قابل مدح ہیں اور جو سوائے اس کے کوئی محل طلب کریں پس وہی ہیں حد سے تجاوز کرنے والے آیات سورہ مومنون اور سورہ معارج میں مذکور ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ وطی سوائے اپنی زوج یا اپنی جواری مملوکہ کے حرام ہے اور ظاہر ہے کہ جواری مملوکات زوجہ کی اپنی مملوکات نہیں ہیں نہ اپنی زوجات ہیں پس جو شخص ان سے طلب کرے وہ حد حلال سے متجاوز ہے اور داخل وعید ہے۔

فمن ابتغی وراء ذٰلک فاولٰئک ھم العادون۔	جو لوگ اس کے سوا ڈھونڈتے ہیں وہی حد سے گذرنے والے ہیں

پس عبدالمطلب کی وطی حسب ارشاد خداوندی حد حلال سے متجاوز ہوئی اور حرام واقع ہوئی پھر جو اس سے ولد پیدا ہوگا اس کو دیکھنا چاہیئے کہ کیسا ہوگا۔ شاید فاضل مجیب اس کا یہ جواب دیں کہ یہ آیات ہمارا مذہب نہیں بلکہ لازم مذہب ہے اور لازم مذہب پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ چوتھی یہ کہ اگر فی الواقع روایت تہذیب میں یہ مضمون مروی ہے تو [illegible] نہ ہوگا کیونکہ اگر اس [illegible]

اس موقع پر اس کو نقل فرماتے تو معلوم ہوتا ہے شاید یہ زبانی باتیں ہیں۔ تو یہاں فاضل مجیب اپنا قاعدہ کیوں بھول گئے ہم بھی کہتے ہیں کہ مدلول روایت تہذیب کا آپ کا مذہب نہیں ہے بلکہ لازم مذہب ہے آپ پہلے اس کا مذہب ہونا ثابت کرتے جب ہمارے سامنے گفتگو کرتے اور آپ کی تو کیا حقیقت ہے آپ کے ملائے مجلسی سے تو یہ مرحلہ طے نہ ہوا اور حواس باختہ ہو کر حدیث کی تضعیف اور غرابت ثابت کرنے لگے۔ حالانکہ خود ہی اس حدیث کے سلسلہ سند کو سند معتبر فرماتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "این حدیث بسیار غریب ست و چون عبدالمطلب از اوصیاء بود بناید کہ از وی حرامی صادر شدہ باشد پس محتمل کہ عبدالمطلب بولایت تقویم برخود نمودہ باشد یا مادر زبیر کنیز باو بخشیدہ باشد و زبیر از آن خبر نداشتہ باشد وعلی ای حال خطاب زبیر دادن آسان ترست از نسبت دادن بعبدالمطلب" انتہی۔ آپ کے مولائے مجلسی نے اتنا حیا کو کار فرمایا کہ وہ احتمال جو جناب سامی نے خلاف مذہب خود بیان کیا کہ مطلق مملوکات زوجہ پر تصرف بالوطی وغیرہ زوج کو جائز ہی نہیں ذکر فرمایا بلکہ دو احتمال ذکر فرمائے کہ محتمل ہے کہ بواسطہ اپنی ولایت کے اس لونڈی کو بطور قیمت کے لے کر تصرف کیا ہو یا مادر زبیر نے اس کو بخش دیا ہو۔ اور وہ روایت جو ہم کلینی سے اوپر مذکور کر آئے ہیں صریح اس کی مکذب ہے کیا معنے کہ اگر ایسا معاملہ ہوتا تو عبدالمطلب کیوں چپکے بیٹھے اور کیوں زبیر کے دعوے کی تردید میں اس کو پیش نہ کرتے اور کیوں ان شرائط کو جو عباس کی غلامی اور ان کے ولدالزنا ہونے پر دلالت کرتے ہیں تسلیم کر لیتے کوئی شخص جس کو تھوڑی سی بھی غیرت ہو وہ اپنی اولاد کی ادنیٰ تذلیل و تحقیر بے وجہ نہیں چاہتا اور نہیں روا رکھ سکتا۔ چہ جائیکہ عبدالمطلب جیسا شریف اور عالی مرتبہ ایسی خواری کو اپنی اولاد حر کے واسطے تسلیم کرے۔ رہا غرابت حدیث کا دعوے سو یہ بالکل لغو ہے کیونکہ باجماع محدثین و اخبار یین روایت کلینی کی قطعی الصدور ہیں اور اصولاً و فروعاً ان سے استدلال کیا جاتا ہے۔ پس اس کی غرابت کا حکم محض تحکم ہے اور دعوے وصایت عبدالمطلب بہ اور بھی پوچ ہے۔ افسوس کہ وصایت کی اطلاع ابنائے عبدالمطلب کو نہ ہوئی۔ اگر زبیر کو اپنے باپ کی وصیت کی خبر نہ ہوتی تو چنداں استبعاد نہیں۔ تعجب یہ ہے کہ ابوطالب کو جو وصی در وصی تھا اور [illegible] کو بھی خبر نہ ہوئی۔ ورنہ ضرور زبیر کو اس کے دعوے سے روکتے اور عبدالمطلب کے اکابر قریش کے پاس شفاعت کے لئے فرزند ارجمند کی خدمت میں در بدر خوار و ذلیل ہونے کی نوبت [illegible] پس یہ روایت تمام توجیہات کی قاطع اور تمام تاویلات و تسویلات کی بیخ کن ہے۔ قطع نظر [illegible] غرض یہ روایت آپ کے امام ثقۃ الاسلام کلینی یا ان کے اساتذہ کرام کا کذب و

افترا ہو یا بالفرض محال حسب دعوے ملائے مجلسی مادر زبیر نے اپنی لونڈی اپنے زوج کو بخش دی تھی یا مباح کر دی تھی یا عبدالمطلب نے بولایت خود اپنے اوپر اس کی قیمت کر لی تھی یا حسب دعوے مجیب لبیب مطلقاً زوج کو جواری مملوکات زوجہ پر تصرف وطی وغیرہ یعنی لواطت جائز۔

شیعہ کے نزدیک ولد الزنا ہونے کا قاعدہ کلیہ

تاہم اور روایات کو جو بطور قاعدہ کلیہ کے عدم طیب ولادت عباس و عقیل بلکہ بہت سے بنی ہاشم و علویین بلکہ سادات فاطمیین بلکہ انبیاء و مرسلین پر بنا بر اصول امامیہ دلالت کرتے ہیں کیونکر رفع کریں گی اور اس ورطہ سے کیونکر نجات پائیں گی۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ملائے مجلسی اور صدوق نے بزعم خود احادیث ائمہ سے ثابت کیا ہے کہ اہل بیت کی عداوت اس شخص کے عدم طیب ولادت کو مستلزم ہے چنانچہ خاتم المتکلمین رحمۃ اللہ علیہ نے روایات ذیل اس مدعا کے ثبوت کے لئے نقل کی ہیں شیخ صدوق نے علل الشرائع میں امام صدوق سے روایت کی ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احبنا اھل البیت فلیحمد اللہ اول النعم قیل وما اول النعم قال طیب الولادۃ ولا یحبنا الا مؤمن طابت ولادتہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اہل بیت کو محبوب جانے چاہیئے کہ سب سے پہلے نعمت پر خدا کی حمد کرے کسی نے عرض کیا سب سے پہلے نعمت کیا فرمایا ولادت کی پاکیزگی اور ہم کو بجز اس مومن کے جس کی ولادت پاکیزہ ہو محبوب نہیں جانتا۔

اور شیخ طبرسی نے احتجاج میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی فرمود یا علی دوست نمیدارد ترا مگر کسیکہ ولادتش نیکو و پاکیزہ شدہ و دشمن نمیدارد ترا مگر کسیکہ ولادتش خبث باشد

فی امالیہ عن عبد اللہ بن الصلت بن ابی علاقۃ عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ذات یوم جالسا علی باب [illegible] ومعہ علی بن ابی طالب اذ اقبل شیخ فسلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم انصرف فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی اتعرف الشیخ فقال لہ

انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے دروازہ پر بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ علی تھے اچانک ایک بڈھا آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا اور چلا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے پوچھا تم بڈھے کو پہچانتے ہو کہ یہ

علی ما اعرفه فقال هذا ابلیس فقال علی لو علمت یا رسول الله لضربته ضربة بالسیف فخلصت امتك منه قال فانصرف ابلیس الی علی فقال له ظلمتنی یا ابا الحسن اما سمعت قول الله عز وجل و شارکهم فی الاموال و الاولاد فو الله ما شرکت احدا احبك فی امه و یزید ذلك بیانا و تفسیر ما روی صدوق فی العیون عن علی بن ابی طالب قال کنت جالسا عند باب الکعبة و اذا شیخ محدودب قد سقط حاجباه علی عینیه من شدة الکبر فی یده عکاز و علی راسه برنس احمر و علیه مدرعة من الشعر فدنا الی النبی صلی الله علیه وسلم مسندا ظهره بالکعبة فقال یا رسول الله ادع لی بالمغفرة فقال النبی صلی الله علیه وسلم خاب سعیك یا شیخ وضل عملك فلما ولی الشیخ قال لی یا ابا الحسن اتعرفه قلت اللهم لا قال ذاك اللعین ابلیس قال علی علیه السلام فعدوت خلفه حتی لحقته و صرعته الارض علی صدره و وضعت یدی فی حلقه لاخنقه فقال لا تفعل یا ابا الحسن فانی من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم و [illegible] فی [illegible] ما ابغضك [illegible]

نہیں پہچانتا فرمایا یہ ابلیس ہے علی نے کہا یا رسول اللہ اگر میں جانتا تو تلوار کا ایسا وار مارتا کہ آپ کی امت اس سے چھوٹ جاتی تو ابلیس علی کی طرف پھر آیا اور کہنے لگا اے ابوالحسن تو نے مجھ پر ظلم کیا کیا تو نے اللہ عز وجل کا قول نہیں سنا وشارکہم فی الاموال والاولاد خدا کی قسم جو تجھ کو محبوب رکھتا ہے میں اس کی ماں میں شریک نہیں ہوا صدوق نے عیون میں علی سے روایت کیا ہے فرمایا میں کعبہ کے دروازہ کے پاس بیٹھا تھا اچانک ایک بڈھا کوزہ پشت جس کی پلکیں بڑھاپے سے آنکھوں پہ گر پڑی تھیں اس کے ہاتھ میں ایک لٹھیا تھی اور اس کے سر پر سرخ کلاہ تھی اور اس پر ان کی کملی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کعبہ کیساتھ پیٹھ کا سہارا لگائے ہوئے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے شیخ تیری سعی ناکامیاب اور تیرا عمل بیکار ہے جب اس نے پیٹھ پھیری مجھ کو فرمایا اے ابا الحسن تو اس کو پہچانتا ہے عرض کیا نہیں فرمایا یہ ابلیس لعین ہے علی نے کہا میں اس کے پیچھے دوڑا تاکہ اس کا گلا گھونٹ ڈالوں اس نے کہا ایسا نہ کر اے ابا الحسن کیونکہ میں قیامت تک مہلت دیا گیا ہوں خدا کی قسم اے علی میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں اور جو تجھ سے بغض رکھتا ہے [illegible] اس کے باپ کا [illegible] میں شریک

الا شرکت اباه فی امه فصار ولد زنا فضحکت وخلیت سبیله انتهی۔

ہوتا ہوں [illegible] تو شیعی نے ہنس کر اس کو چھوڑ دیا

اور ملا باقر مجلسی نے حلیۃ المتقین میں امام صادق سے روایت کی ہے [illegible] فرمود دشمن با اہل بیت نیست مگر کسی کہ ولد الزنا باشد یا مادرش در حیض [illegible] اور نیز دوسری حدیث میں امام صادق سے روایت کی ہے کہ راوی [illegible] ست کہ کسی شریک شیطان شدہ است فرمود ہر کہ مارا دوست میدارد شیطان [illegible] ست وہر کہ دشمن ماست شیطان در وشریک ست، علاوہ ان کے اور بہت [illegible] مدعا پر دال ہیں جن کی نسبت حسب تصریح خاتم المتکلمین اکابر امامیہ نے [illegible] کیا ہے پس ان احادیث سے صریح ثابت ہوا کہ جو شخص جناب امیر و دیگر [illegible] ہے اور مبغض اہلبیت ہے وہ ولد الحرام اور نطفہ شیطان ہے اب [illegible] عباس رضی اللہ عنہ کا ثابت کرتے ہیں، اول قاضی نور اللہ شوستری نے [illegible] در باب غصب ام کلثوم صریح ظلم وحق تلفی اور اس غصب میں معاونت [illegible] کی طرف منسوب کی ہے اور آخر میں لکھتے ہیں کہ ظاہرا بواسطہ وکالت [illegible] حضرت امیر عباس را مانند دیگر یاران فدائی خود راسخ در محبت واخلاص نمیدانست [illegible] احوال سید الشہداء مذکور شد آنحضرت علیہ السلام از عباس وعقیل [illegible] اند اور ظاہر ہے کہ جو شخص رعایت اہل بیت نبوی ترک کرے اور [illegible] ام کلثوم میں غاصبوں کا شریک اور معاون ہو اس کی ناصبیت اور عداوت [illegible]

حاشیہ: [illegible] پر مخفی نہ رہے کہ ان روایتوں سے [illegible] امیر کو ابلیس لعین کے قیامت تک مہلت دی جانے کی خبر نہ تھی باوجودیکہ آپ قرآن [illegible] کان دماییکون تھے اس [illegible] پھر بعد تحدید ملعون [illegible] کے قتل کے ارادہ سے باز رہے [illegible] شیعہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ [illegible] آیات قرآنی کی بھی خبر نہیں ہے چنانچہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کہ میت کی معلوم [illegible] اور اس کے [illegible] تو میں [illegible]

شبہ ہے پس اس کی ولادت کے بارہ میں حضرات شیعہ جو کچھ فرمارہے ہیں ہم سابق میں نقل کر آئے ہیں۔ دوسری روایت ثقۃ الاسلام کی ہے جس کا ترجمہ حیات القلوب میں کیا ہے اس کو ہم خاتم المتکلمین سے نقل کرتے ہیں۔ سدیر از حضرت امام محمد باقر العلوم پرسید کہ کجا بود عزت وکثرت وشوکت بنی ہاشم کہ حضرت امیر المومنین بعد از حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم از ابوبکر وعمر وسائر منافقان مغلوب گردید حضرت فرمود کہ از بنی ہاشم کہ ماندہ بود جعفر وحمزہ کہ در غایت ایمان ویقین واز سابقین اولین بودند بعالم لقا رحلت کردہ بودند ودو مرد ضعیف الیقین ذلیل النفس تازہ مسلمان شدہ بودند عباس وعقیل وایشان را در جنگ بدر اسیر کردند وآزاد کردند ایمان چنین قوتی نمیدارد بخدا سوگند کہ اگر حمزہ وجعفر حاضر می بودند دران فتنہ ابوبکر وعمر یارای آن نداشتند کہ حق امیر المومنین را غصب کنند واگر سعی میکردند البتہ ایشان را می کشتند انتہی۔ اس روایت سے واضح ہے کہ عباس وعقیل مطیع نفس امارہ دنیاوی طمع کی وجہ سے خلفاء کے کاسہ لیسوں میں شریک ہوگئے۔ اسی واسطے جناب امیر نے ان کو محبت واخلاص میں راسخ نہیں سمجھا اور بعد وفات جناب سرور کائنات کے جب عباس نے آپ سے خلافت پر بیعت کرنا چاہا تو اس پر اعتبار نہ کیا اور بیعت قبول نہ کی۔ پس واضح ہو کہ یہ تمام اوصاف مقدسہ جو حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصنو ابیہ کی نسبت جن کی نسبت آپ تقیۃً آبائی فرماویں اور فرماویں کہ عباس کی ایذا میری ہی ایذا ہے اور وہ میرے باپ کی جگہ ہے اور اس کی تعظیم وتوقیر کرو بیان کئے جاتے ہیں آپ کی نصب وعداوت اہل بیت نبوت پر واضح دلیل ہے اور جب نصب وعداوت ثابت ہوئی تو مدلول ان روایات کا جو متواتر المعنی ہیں اور قاعدہ کلیہ کے اثبات میں ہم ابھی بیان کر آئے ہیں، معاذ اللہ آپ پر صادق آیا اور نصب ابنیاء ومرسلین بھی ہم اصول شیعہ پر ثابت کرتے مگر عجلت وقت اور قصد اختصار مانع ہے اور غالباً بعض روایات متفرع رسالہ میں نقل ہو بھی چکی ہیں اس وقت ہم اس کی تفصیل سے معذور ہیں۔

قولہ: دنیا اور آخرت میں اندھا ہونا جو لکھا ہے اس پر بھی کمال حیف ہے آپس کی ہنسی ومطائبہ کو حضرت حق کا ارشاد سمجھ گئے ہیں۔

حسب روایات شیعہ آیت من کان فی ہذہ اعمیٰ الخ عباس کے حق میں نازل ہوئی بطور تمسخر نہیں

اقول: اگر یہ جواب آپ اپنے علماء سے نقل فرماتے ہیں تو واضح ہو کہ آپ کے علماء نے صرف جواب دہی سے جان بچانے کے واسطے اس کو تمسخر اور مطائبہ فرما کر ٹال دیا ہے افسوس کہ آپ اس کو واقعی سمجھ گئے اور اگر ایجاد بندہ ہے تو بھی غلط ہے منشا اس کا یہ ہے کہ نہ اپنی کتابوں کی خبر اور نہ خصم کی کتابوں کی واقفیت ہے۔ یا یہ کہ خبر ہوگی لیکن جواب کے خوف سے اس کو ہنسی مذاق کہہ دیا افسوس کہ یہ جواب پہلے سے آپ کو نہ سوجھا ورنہ بہت کام آتا۔ لیجئے ہم آپ کو مطلع کرتے ہیں کہ یہ ہزل اور مطائبہ نہیں بلکہ سراسر واقعی ہے سبحان اللہ حضرت تو آیت کا شان نزول بیان فرماویں اور آپ اس کو ہنسی تمسخر میں اڑا دیں سلمنا۔ لیکن کیا جیسا آپ ائمہ کو بطور تقیہ جھوٹ بولنا درست فرماتے ہیں تو کیا ہنسی مطائبہ میں بھی ائمہ کو جھوٹ بولنا روا ہے۔ لیجئے ہم اس کے ثبوت میں عبارت منتہی الکلام کی نقل کرتے ہیں۔ خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واگر برایں دلیل قناعت نکنی وگوش بر مدلول آن مکابرۃ ومجادلۃ نہی دلایل دیگر بر احداثات وناصبیت این بزرگان پیش خود دارم از انجملہ روایت اسناد کلینی ست از حضرت سید الساجدین امام زین العابدین کہ در حق عبد اللہ وپدرش عباس این آیت نازل شدہ ومن کان فی ہذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا۔ یعنی ہر کہ در دنیا کور ست در راہ حق رائی جبینہ پس او در آخرت کور ست از دیدن راہ بہشت وگمراہ تر است انتہی ترجمۃ الآیۃ الکریمہ علی لسان صاحب حیات القلوب پس اگر مراد از کوری این پدر وپسر معاذ اللہ ترک رفاقت مرتضوی ومیل بدینائے خلفاء ومعنے ناصبیت باشد فذاک عین المدعا واگر چیزے دیگر باشد مثل انکار توحید یا نبوت ومعاد یا فسق وفجور پس واجب ست کہ اہل خصومت بتغیر بیرو تحریر آن بپردازند ودر مقام مناظرہ اظہار آن سازند انتہی۔ اہل عقل وانصاف اس عبارت کا ملاحظہ فرماویں اور دیکھیں کہ یہ بیان شان نزول بطور ہنسی ومطائبہ کے ہے یا واقعی اور نفس الامری اگر واقعی ہے اور روایات شیعہ سے ثابت ہے تو پھر ہمارے فاضل مجیب کا اس کو مطائبہ سمجھنا کیا اسی وجہ سے ہے کہ جواب کی بلا سے نجات پا جاویں یا کسی دوسری وجہ سے افسوس کرتے ہیں

ہر جواب لکھنے بیٹھے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

قال الفاضل المجیب: قولہ اب موازنہ فرمالیجئے کہ اہلسنت نے تمسک بالثقلین کیا ہے یا حضرات شیعہ نے۔ اقول۔ آپ نے اہل سنت کا کچھ تمسک ذکر نہیں فرمایا کہ موازنہ کیا جاتا محض دعویٰ لسانی ہے۔ چند روایتیں شیعہ کی جو بزعم خود خلاف تمسک سمجھیں نقل کر دی جن کا جواب گذر چکا موازنہ کیونکر کیا جاوے کس سے کیا جاوے اگر کچھ اپنا تمسک تحریر فرماتے تو البتہ موازنہ ہوتا۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ: افسوس کہ آپ اپنے سوال ہی کو بھول گئے کہ اس میں کیا مضمون لکھا تھا بعد اس کے بندہ کی تجویز کا بھی مطلب نہ سمجھے جو آپ موازنہ پر معترض ہوئے۔ آپ اپنے سوال کو ملاحظہ فرمائیے کہ آپ نے معاملہ عقد خلافت و قصد احراق کے تمسک کا طعن کیا تھا۔ کمترین نے بھی بجواب اس کے چند روایات جو مستلزم عدم تمسک شیعہ کے مخفی ذکر کر کے متنبہ کیا کہ جب ہمارا عدم تمسک یہ ہے جو آپ نے ذکر فرمایا اور آپ کا عدم تمسک یہ ہے جو ہم عرض کرتے [illegible] یعرف الاشیاء باضدادہا تو اس سے آپ [illegible] اور اپنے تمسک میں موازنہ [illegible] ظاہر ہے کہ اس کے واسطے ہم کو اپنے تمسک کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی اگر آپ مناسب سمجھتے تو موازنہ کے لئے ہمارے تمسک کے [illegible] اور جو بات توجیہ [illegible] تحریر فرماتے [illegible] عقل و انصاف پر بخوبی روشن ہے اور عجب نہیں کہ [illegible] آپ بھی انصاف کرتے ہوں گے۔

قولہ: اب آپ کس طرح ہم بھی عرض کرتے ہیں کہ کیا تمسک کے یہی معنے ہیں کہ کتاب اللہ [illegible] اور [illegible] بی بی و زوجہ کا فر کہیں [illegible] دھمکی دی اور جن [illegible] رسول خدا [illegible] ان کو خلیفہ رسول و امام [illegible]

اقول: [illegible] چکے [illegible] نہیں ہے۔

قال الفاضل المجیب: [illegible] جناب مخاطب کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے

[illegible]

نزدیک صرف قصد احراق ثابت ہے الحمدللہ جن حضرات شیعہ نے وقوع احراق فرمایا ہے وہ جناب مخاطب کے نزدیک معتبر نہیں ورنہ اسی کو موقع طعن میں بیان فرماتے۔ اقول۔ کیا جناب مجیب ہم کو بھی مثل حضرات اہل سنت تصور فرماتے ہیں کہ دعویٰ بلا دلیل پیش کریں یا اپنے ہی مسلمات سے مخالف کو الزام دیں ہمارا یہ شیوہ نہیں ہم مقبولہ فریقین یا مقبولہ خصم سے الزام دیتے ہیں اس لئے حوالہ کتاب بھی گذارش ہوا تھا مگر جناب نے اس سے اغماض و اعراض مصلحتًا فرمایا۔

شیعہ اہلسنت کی مانند قطعًا نہیں

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: معاذاللہ ہم آپ کو ہرگز مثل حضرات اہل سنت کے تصور نہیں کرتے۔

وما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمات	نہ اندھا اور بینا اور اندھیری روشنی
ولا النور ولا الظل ولا الحرور وما	اور سایہ اور گرمی برابر ہیں اور نہ
یستوی الاحیاء ولا الاموات۔	زندے اور مردے برابر ہیں۔

لیکن یہ تو فرمائیے کہ آپ نے ہماری کس عبارت سے سمجھا ہے کہ ہم آپ کو مثل اہلسنت کے تصور کرتے ہیں خدا کے لئے کہیں تو نشان کرتے ہم نے تو صریح یہ لکھا تھا کہ بعض حضرات شیعہ نے دعویٰ وقوع احراق کا کیا ہے جس کے جواب سے جناب نے مصلحتًا اعراض و اغماض فرمایا پس اگر ان کا دعوےٰ غلط اور کذب ہے چنانچہ آپ کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے تو آپکو چاہیئے تھا کہ یہ فرماتے کہ کیا ہم کو بھی مثل حضرات علماء شیعہ کے تصور فرماتے ہیں الخ اور آپ کے دعاوی اور دلائل اور استدلات و الزامات کا حال آپ کی تحریر سے خود اہل انصاف پر واضح ہے کچھ ہمارے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور خود یہ ہی دعوےٰ آپ کے اس قول میں آپ کے دعوے کا مکذب ہے۔

قولہ: معہذا سوال کی کس عبارت سے یہ بات آپ نے سمجھی۔

اقول: جناب یہ امر میری گذارش سے ظاہر تھا مگر افسوس کہ آپ اردو کی سہل عبارتوں کو نہیں سمجھتے میرا خلاصہ گذارش یہ تھا کہ یہ موقع طعن کا تھا اور ایسے موقع میں حتی الامکان کوتاہی نہیں کی جاتی جو امر زیادہ باعث طعن ہو اس کو ترک کر کے خفیف کو نہیں ذکر کیا جاتا ہے جب آپ نے قصد احراق محل طعن میں بیان فرمایا حالانکہ آپ کے بعض علماء مدعی وقوع نفس احراق کے ہیں اور وقوع نفس

احراق کو جو باعتبار طعن اشد تھا ترک کیا تو معلوم ہوا کہ اگر آپ کے نزدیک معتبر ہوتا تو ضرور آپ اسی کو ذکر کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کے نزدیک چنداں قابل اعتبار نہیں۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ باقی رہا قصد احراق جو امور قلبیہ سے ہے اس کا مفصل جواب تحقیقی اپنے موقع پر دیا جائے گا یہاں کہ محل اجمال ہے اسی قدر کافی ہے۔ اقول۔ اور کس بات کا آپ نے جواب عطا فرمایا کہ اس کی نسبت باقی رہا الخ فرماتے ہیں آپ نے شروع ہی سے وہ چال اختیار کی ہے کہ جو امور ہم نے دریافت کئے تھے بزعم خود ہم پر بھی منقلب کر دیئے اور اس سے آپ کی غرض صرف اصلی جواب سے پہلو تہی کرنا ہے۔

شیعہ مدعی کی تہی دامنی

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: ہم شروع رسالہ میں گذارش کر چکے ہیں کہ آپ محض سائل نہیں تھے بلکہ مدعی بھی تھے اور آپ نے اپنے دعوے کو بلا دلیل ذکر فرمایا تھا تو ہم نے آپ سے آپ کے دعوے کی نسبت دلیل طلب کی اور آپ کے سوال کا اجمالی جواب دے کر آپ کو متنبہ کر دیا کہ آپ جواب کے اس وقت مستحق ہوں گے جب کہ اپنے دعوے کو بدلائل ثابت کریں گے چنانچہ اس تحریر میں بزعم خود آپ نے اپنے مدعا کو بدلائل ثابت کیا گو باعتبار واقع کے ثابت نہ ہوا ہو پس ہم نے بھی اپنے اس رسالہ میں آپ کے سوال کا جواب کسی قدر لبسط و تفصیل کے ساتھ گذارش کیا پھر آپ کا یہ فرمانا کہ اس سے آپ کی اصلی غرض صرف جواب سے پہلو تہی کرنا ہے محض دعوے بے دلیل اور غلط ہوا اور نیز باوجود عدم استحقاق جواب کے یہ اجمالی طرز اس لئے بھی اختیار کیا تھا کہ آپ کو انظار و ابحاث میں پھنسانے کے لئے ایک جال تھا سو بحول اللہ و قوتہ حسب مدعا آپ ایسی ابحاث کے جال میں پھنسے ہیں کہ قیامت تک مخلصی محال ہے۔

قولہ: معہذا سوال میں قصد احراق ہی ذکر ہوا ہے اور حوالہ کتاب بھی درج ہے مناسب تھا کہ اس کا جواب تحقیقی یا الزامی تحریر ہوتا ورنہ اس قدر تعرض کی بھی کیا حاجت تھی جس طرح اصلی سوال کے جواب میں سکوت اختیار فرمائی یہاں بھی خاموش رہتے۔

طعن قصد احراق بیت فاطمہؓ کا جواب

اقول: افسوس کہ بندہ کی گذارش فہم شریف میں نہ آئی بندہ نے جو عرض کیا تھا کہ قصد امور قلبیہ

سے ہے یہ آپ کے سوال کا اجمالی جواب تھا اور حاصل اس کا یہ تھا کہ آپ نے قصد احراق کا دعوے فرمایا اور جو روایت کہ آپ نے ذکر فرمائی اس کی یہ عبارت ہے۔

و ایم اللہ ما ذاك بمانعی ان اجتمع هؤلاء النفر عندك ان امرهم ان یحرق علیهم البیت۔	اور اللہ کی قسم اگر یہ لوگ تیرے پاس مجتمع ہوئے تو یہ مجھ کو اس سے مانع نہ ہوگا کہ میں ان پر گھر جلانے کا حکم کروں۔

اور ان الفاظ سے قصد احراق ثابت نہیں ہوتا بلکہ محض تہدید بصراحۃ معلوم ہوتی ہے کیونکہ عرف میں ایسے کلمات ایسے مواقع میں محض تہدیداً کہتے ہیں تو دلیل مثبت مدعا نہیں ہوئی اور دعوے ثابت نہ ہوا، آپ نے بجز اس ایک روایت کے اور کوئی قرینہ بھی بیان نہ فرمایا تھا جو مثبت تصمیم عزم ہو پس ایسے پوچ استدلال کی بیخ کنی اور قطع عرق کے واسطے یہ ایک جملہ بھی کافی تھا بشرطیکہ فہم سے کام لیتے۔ چونکہ اب آپ اس کی تفصیل کے طالب ہیں اور یہ موقع بھی اس کی تفصیل کا ہے، اس لئے ہم اس کی تفصیل کے لئے بھی حاضر ہیں لیجئے ذرا متوجہ ہو کر سنیئے۔ واقفان مناظرہ مذہبی فریقین پر مخفی نہیں ہے کہ حسب عادت قدیمہ خود کہ ہمیشہ مذہب میں نئے نئے تراش و خراش کرتے رہتے ہیں، شیعہ کے اس مسئلہ میں بھی رنگ برنگ کے اقوال رہے اول وقوع احراق کا دعوے ہوا چنانچہ علامہ طوسی نے تجرید میں اور ملا باقر مجلسی اور بعض متاخرین نے بھی لکھا، اور بعض علماء جن میں سے ہمارے فاضل مجیب بھی ہیں جب اس دعوے کی غلطی پر متنبہ ہوتے تو اس دعوے کا انکار کیا اور قصد احراق کا دعوے کیا۔ پھر جب بعضے علماء کشاکشی ابحاث اہل سنت میں گرفتار ہوئے تو انھوں نے اس کو تہدید اور تخویف پر محمول فرمایا، چونکہ وقوع احراق کی نسبت ہمارے فاضل مجیب کا دعوے نہیں بلکہ بعض علماء نے خود تکذیب فرمائی اس لئے ہم اس کی تردید کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اور ابطال دعوے قصد احراق کی طرف عنان توجہ منعطف کرتے ہیں پس واضح ہو کہ قصد احراق سے مراد تصمیم عزم احراق ہے کہ معاذ اللہ مقصود دلی یہ تھا کہ خانہ اہلبیت کو جلا دیں اور مجرد تخویف و تہدید مد نظر نہیں تھی۔

شیعہ کے دعوے کے بطلان کی وجوہات

لیکن دعوے تصمیم عزم احراق بھی بوجوہ چند باطل ہے اول یہ کہ جو روایت کہ ازالۃ الخفا سے اس مدعا کے ثبوت میں نقل کی ہے وہ ہرگز اس کو مثبت نہیں اور اس سے استدلال صحیح

نہیں کیونکہ اس میں احتمال مجرد تہدید و تخویف کا ہے بلکہ غالب سیاق کلام سے مفہوم ہوتا ہے تو استدلال بتصمیم عزم احراق پر باطل ہوا۔ دوسری یہ کہ ان الفاظ میں جو روایت منقولہ میں موجود ہیں قسم عدم مانعیتہ پر واقع ہے نہ احراق پر اور حاصل ترجمہ اس جملہ کا اس طرح ہے کہ خدا کی قسم یہ میرا مانع نہیں ہے امر احراق سے۔ تو اس جملہ سے یہ بھی نہیں ثابت ہوتا کہ حضرت فاروق نے فرمایا ہو کہ اگر مجتمع ہوتے تو میں گھر جلا دوں گا بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر مجتمع ہوئے تو مجھ کو یہ امر احراق بیت سے مانع نہ ہوگا اور اس سے تصمیم عزم احراق پر استدلال کرنا سراسر بے جا ہے۔ تیسری یہ کہ جناب امیر نے بھی قصہ میزاب میں جس کی روایت ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں۔ پر نالہ لگوانے کے واسطے آپ تشریف لائے تو تلوار خلاف عادت شریفہ گلے میں ڈالے ہوئے آئے اور فرمایا لئن قلعه قالع لاضربن عنقه وعنق الامر به اور نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے اکھاڑنے کے بارہ میں جیسا کہ علل الشرائع میں آپ کے صدوق نے روایت کی جناب امیر نے قتل و قتال کا ارادہ فرمایا حالانکہ سل سیوف قطعاً بحکم خدا اور رسول آپ پر حرام تھا تو اگر اس کو بھی مجرد تخویف و تہدید پر محمول فرماتے ہو تو ہماری طرف سے بھی یہ ہی فرماویں۔ اور اگر جناب امیر کی تصمیم عزم قتل و قتال کے قائل ہوتے ہیں تو آپ کی عصمت بلکہ امامت و خلافت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ نبش قبر فاطمی کی روایت ملخصاً جو خاتم المتکلمین نے علل الشرائع سے ترجمۃً نقل کی ہے ہم بھی اس کو نقل کرتے ہیں

خلیفہ ثانی را خبر وفات حضرت زہرا رسانیدند او بکمال جزع و فزع ہمراہ صدیق بتقریب تعزیت نزد امیر المومنین حاضر شد و شکایت شروع کرد و گفت نہ طلبیدن ما را بر جنازہ فاطمی از ان قبیل ست کہ در غسل آنحضرت ما را دخل ندادی و بحسن تعلیم کردی کہ با ابوبکر گفت کہ ترا با منبر پیغمبر چہ کار ست این ہمہ دلیل کدورت و غبار ست حضرت امیر گفت اگر قسم شرعی باز کنیم تصدیق خواہید کرد گفتند بلی، پس در مسجد مقدس داخل شد و گفت کہ دو امر اول ازان بود کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم در غسل فاطمہ زہرا در بارہ نماز جنازہ و ما یتعلق بہ وصیت کردہ بودند کہ اجانب را مدخل ندہی و حاشا کہ این کلمہ بفرزند خودم تعلیم کردہ باشم بلکہ چون الف دالش بجناب مصطفوی زائد الوصف داشت حتیٰ کہ در عین نماز بر دوش مبارکش سوار میشد و در اثناء خطبہ دامن مقدس می کشید بر آمدن ابوبکر بالای منبر آن سرور بروے شاق آمد فاروق این کلمات طیبات را از مہملات دانست و صلاح او بر نبش قبر فاطمی برائے ادائے نماز جنازہ قرار گرفت پس صحبت منجر بکلفت گردید و نوبت باشنہ او غیظ و غضب رسید و قریب بود کہ ذو الفقار از نیام بر آید و مقاتلہ عظیم در صحابہ کرام واقع شود زیرا کہ امیر المومنین قسم شرعی یاد نمود

کہ بر این تقدیر سر فاروق را از دوش بردارم بلکہ قبل از نیل مطلب دیر از زندہ نگذارم پس مہاجرین و انصار بہیئت مجموعی در اصلاح افتادند و بر ارادہ فاروق تن برضا ندادند۔ انتہی ملخصہ، تعجب ہے کہ جناب قالع باب خیبر قاتل قوم عاد، بعد احراق بیت اور اسقاط محسن اور ضرب اسواط لبضعۃ الرسول سیدۃ کائنات اور انتساب تہمت زنا کے وقت آپ مامور بصبر و سکوت ہوں اور سل سیف سے مامور نہ ہوں اور نماز جنازہ کے واسطے نبش قبر پر مامور بجہاد ہوں۔ ع۔ این خیالست و محالست و جنون۔ پس ظاہر ہے کہ یہ سب قصہ تہدیداً و ترہیباً تھا اور ہرگز آپ کا قصد مخالف وصیت قتل و قتال کا نہ ہوگا۔ چوتھی یہ کہ صاحب عماد الاسلام نے بھی اس کو مجرد تخویف پر حمل کیا وہ تحریر فرماتے ہیں چنانچہ خاتم المتکلمین نے نقل فرمایا ہے۔

مقتضى تلك المرويات هو ان عمر مع تبعته قصد احراق بيت فاطمة واتى بالحطب وجمعه على بابه لا انه وقع منه الاحراق فلعل كان غرضه مجرد التخويف.

ان روایات کا مقتضی یہ ہے کہ عمر نے اپنے توابع کے ساتھ بیت فاطمہ کے احراق کا قصد کیا اور لکڑیاں لا کر گھر کے دروازہ پر جمع کیں یہ نہیں کہ اس سے احتراق واقع ہوا پس امید ہے کہ اس کی غرض صرف تخویف ہو گی،

پس جب آپ کے علماء نے خود تسلیم فرما لیا کہ فاروق کا یہ فعل محض بغرض تخویف تھا تو آپ کا انکار ان کی ایسی تکذیب ہے جیسی مدعین احراق کی۔ پانچویں حسب تصریح خاتم المتکلمین در ازالۃ الغین کلام ابوجعفر بن قبہ و نقیب متشیعین سے ہویدا ہے کہ قرن اول کے شروع میں تمام مہاجرین و انصار خلفاء کے ظاہری زہد و ورع اور عدل و داد اور دنیا سے نفرت کلی کی وجہ سے ان کی حقیت خلافت کے معتقد ہوئے تھے اور رفتہ رفتہ متاخرین کو اور زیادہ اطمینان حاصل ہو گیا اور ظاہر ہے کہ خلفاء کو بھی ان امور کا پاس ہوگا اور خیال کرتے ہوں گے کہ ایسا کوئی فعل ہم سے صادر نہ ہو جو باعث سوء ظن ہو بلکہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کو حسن ظن اور خلوص عقیدت کے دام میں پھنسا دیں تو ایسی حالت میں علی الخصوص قریب زمانہ وفات سرور کائنات علیہ افضل الصلوات کے کیونکر ممکن ہے کہ احراق یا قصد احراق اہلبیت کیا ہو اور اگر بالفرض ان سے یہ فعل صادر ہوا ہو تو آپ کے ابوجعفر وغیرہ کا فرمانا محض کذب ہوگا۔ چھٹی طرفہ تر یہ ہے کہ خود علماء شیعہ میں سے طبرسی نے مطابق روایت باقر مجلسی کے احتجاج میں روایت کی جس کا مضمون یہ ہے کہ چون خلیفہ ثانی آواز بلند گفت کہ اگر امیر المومنین از خانہ خود بیرون نیاید خانہ او را با ہم سوخت صحابہ

از شنیدن این قول متغیر شدند و انکار شدید کردند خلیفہ ثانی گفت شما گمان بردید کہ من چنین خواہم کرد حالانکہ مقصود من تہدید بود نہ چیز دیگر پس جناب مرتضوی بواسطہ شخص پیام بسوی عمر فرستاد کہ من برای گرد آوردن آیات قرآنی در خانہ منزوی شدہ ام و مشغول بتالیف گردیدہ ام و بر زبانم سوگند جاری شدہ کہ تا ازین امر فارغ نشوم از خانہ پای خود بیرون نگذارم و بامور دیگر نہ پردازم۔ قطع نظر اس سے کہ فاروق نے اس کی نسبت یہ فرمایا کہ میرا یہ قول مجرد تہدید کی غرض سے تھا جس پر صحابہ ساکت ہو گئے اس روایت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ صحابہ نے بمجرد اس قول (خواہم سوخت) سننے کے انکار شدید کیا اور موافقت فاروق کی نہیں کی بلکہ اور برہم ہو گئے تو کیونکر ممکن ہے کہ ان صحابہ نے جو بمجرد اس قول کے متغیر ہو گئے تھے اور انکار شدید کیا تھا گھر جلانے کے واسطے سامان احراق جمع کرنے دیا ہو اور عقل سرسری بھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ وہ بہتانات جو حضرات شیعہ دشمنان خلفاء کی طرف منسوب فرماتے ہیں مثل ضرب دشمنان سیدہ و اسقاط محسن و تہمت فاحشہ وغیرہ خرافات کو ایسے صحابہ جان نثاروں نے بلا رد و انکار منظور کیا ہو گا ساتویں علی بن ابراہیم قمی استاد کلینی کی تفسیر میں مروی ہے۔

حدثنی ابی عن صفوان بن یحیی عن ابی الجاود عن عمران بن میثم عن مالک بن ضمرۃ عن ابی ذر رحمۃ اللہ قال لما نزلت ھذہ الآیۃ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترد امتی یوم القیمۃ علی خمس رایات فرایۃ مع عجل ھذہ الامۃ اسألھم ما فعلتم بالثقلین من بعدی فیقولون اما الاکبر فمزقناہ ونبذناہ وراء ظھورنا واما الاصغر فعادیناہ وابغضناہ وظلمناہ فاقول ردوا النار ظماء مظمئین مسودۃ وجوھکم ثم ترد علی رایۃ فرعون ھذہ الامۃ فاقول لھم ما فعلتم بالثقلین من بعدی

ابوذر سے روایت ہے کہ جب یہ آیت یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری امت میرے پاس پانچ جھنڈے ہو کر آئیں گے۔ ایک جھنڈا تو اس امت کے بچھڑے کے ساتھ ہو گا میں ان سے پوچھوں گا کہ تم نے میرے بعد ثقلین کے ساتھ کیا کیا وہ کہیں گے کہ بڑے کو ہم نے پھاڑ ڈالا اور اس کو پس پشت ڈال دیا اور چھوٹے کے ساتھ ہم نے دشمنی کی اور اس سے بغض رکھا اور اس پر ظلم کیا میں کہوں گا پیاسے کالے منہ آگ میں جاؤ۔ پھر میرے پاس اس امت کے فرعون کا جھنڈا آئے گا میں ان کو کہوں گا کہ تم نے میرے

فیقولون اما الاکبر فحرقناہ ومزقناہ وخالفناہ واما الاصغر فعادیناہ وقتلناہ وقاتلناہ فاقول ردوا النار ظماء مظمئین مسودۃ وجوھکم ثم یرد علی رایۃ مع سامری ھذہ الامۃ فاقول لھم ما فعلتم بالثقلین من بعدی فیقولون اما الاکبر فعصیناہ وترکناہ واما الاصغر فخذلناہ وضیعناہ فاقول ردوا النار ظماء مظمئین مسودۃ وجوھکم ثم یرد علی رایۃ ذی الثدیۃ مع اول الخوارج واخرھم واسألھم ما فعلتم بالثقلین من بعدی فیقولون اما الاکبر فمزقناہ وبرئنا منہ واما الاصغر فقاتلناہ وقتلناہ فاقول ردوا النار ظماء مظمئین مسودۃ وجوھکم ثم ترد علی رایۃ مع امام المتقین وسید المرسلین وقائد الغر المحجلین وصی رسول رب العلمین فاقول ماذا فعلتم بالثقلین من بعدی فیقولون اما الاکبر فاتبعناہ واطعناہ واما الاصغر فاحببناہ وواليناہ ووازرناہ ونصرناہ حتی اھریق فیھم دماءنا فاقول ردوا الجنۃ رواء مرویین مبیضۃ وجوھکم ثم تلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ الی قولہ ففی رحمۃ اللہ ھم فیھا خالدون۔ انتھی لفظہ عن تفسیر الصافی۔

بعد ثقلین کے ساتھ کیا کیا وہ کہیں گے بڑے کو ہم نے پھاڑا اور اس کی مخالفت کی اور چھوٹے کے ساتھ دشمنی کی اور اس سے لڑے اور قتل کیا میں کہوں گا پیاسے جاؤ آگ میں تمہارے کالے منہ۔ پھر ایک جھنڈا اس امت کے سامری کے ساتھ میرے پاس آئے گا میں کہوں گا کہ تم نے میرے بعد ثقلین کے ساتھ کیا کیا کہیں گے بڑے کی تو نافرمانی کی اور چھوڑ دیا اور چھوٹے کو ہم نے دھوکہ دیا اور اسکو ہم نے ضائع کیا میں کہوں گا جاؤ پیاسے آگ میں تمہارے منہ کالے پھر ذوالثدیہ کا جھنڈا تمام خوارج کے ساتھ میرے پاس آئے گا میں پوچھوں گا تم نے میرے بعد ثقلین کے ساتھ کیا کیا کہیں گے بڑے کو تو ہم نے پھاڑا اور اس سے بری ہوئے اور چھوٹے سے لڑے اور اس کو قتل کیا میں کہوں گا جاؤ پیاسے آگ میں تمہارے کالے منہ پھر ایک جھنڈا پرہیزگاروں کی امام رسولوں کی سردار روشن پیشانی اور ہاتھ پاؤں والوں کی سرگروہ رسول اللہ کے وصی کے ساتھ میرے پاس آئے گا میں کہوں گا تم نے میرے بعد ثقلین کے ساتھ کیا کیا کہیں گے بڑے کی پیروی کی اور اطاعت کی اور چھوٹے کے ساتھ محبت و موالات کی اور مدد و معاونت کی یہاں تک کہ ان میں ہمارے خون بہے میں کہوں گا جنت میں چلے جاؤ سیراب تمہارے روشن چہرے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ سے ففی رحمۃ اللہ ہم فیہا خالدون تک۔

اہل عقل و انصاف اس روایت کو ملاحظہ فرماویں اور مدعیان تشیع کے ولاء و محبت میں صدق کو ملاحظہ کریں کہ میدان محشر میں بھی رسول خدا کے سامنے جھوٹ بولنے سے نہ چوکے اور اگر احراق بیت کا قصد یا قصد احراق کا معاملہ صحیح ہے اور علاوہ اس کے دوسری تہمتیں جو خلفاء و صحابہ کے ذمہ لگاتے ہیں تو کیا یہ قول واما الاصغر فاحبناه وواليناه ووازرناه ونصرناه حتى اهريق فيهلو دمائنا) صحیح اور مطابق واقع کے ہو سکتا ہے۔ کیا یہ ہی موازرت اور نصرت تھی کہ بیہ گھر جلانے کا ارادہ کریں ہیزم وغیرہ دروازہ پر جمع کریں اور ضرب تازیانہ یا لکہ یا دنبالہ شمشیر یا کاروسی علی اختلاف روایا تہم اسقاط محسن کرا دیں بلکہ قتل دو معصومین کا کریں اور علی رؤس الملا برا تہام فاحشہ کا نسبت بدشمنان رسیدہ کریں اور یہ مدعین نصرت و موالات چپکے بیٹھے دیکھیں اور دم نہ ماریں اور سانس نہ نکالیں اور یہ سوال کچھ خاص شیعیان پاک ہی سے نہیں کیا جائے گا بلکہ خود جناب جو صاحب رایت ہیں وہ بھی اس میں شامل ہوں گے اور خود حضرت امیر بھی جواب دہ ہوں گے تو یہ کذب اصول شیعہ جناب امیر کی طرف بھی منسوب ہوگا اور سوال وارد ہوگا کہ اتباع و اطاعت قرآن کی اور محبت و موالات اہل بیت سرور انام کی یہ ہی ہے کہ جس وقت عمر فاروقؓ نے گھر جلایا یا جلانے کا سامان مہیا کیا چون و چرا نہ کی، اور باوجود اس شجاعت کے جس کا بیان خارج امکان سے ہے بمقابلہ اہلبیت کی اہانت کرنے والوں کے کچھ نہ ہوا پس اس سے زیادہ عداوت و دشمنی اہل بیت کے ساتھ اور کیا ہو سکتی ہے لیکن حیرت و تعجب کا مقام ہے کہ جب حضرت سرور کائنات نے تمام وقائع آیۃ بیان فرما دیئے تھے اور تمام حالات واقعہ و حوادث و دواہی کی خبر دے دی تھی اور فرما دیا تھا کہ صبر و سکوت کرنا اور ہرگز چون و چرا نہ کرنا۔ پس اس سوال کے کیا معنے کہ تم نے ثقلین کے ساتھ کیا کیا، اور کسی منہج سے یہ سوال صحیح ہو بھی تو یہ جواب لغو ہے جواب صحیح یہ ہے کہ ہم نے آپ کے ارشاد کے موافق صبر و سکوت کیا چون و چرا نہ کی ظلم و ستم ہوا کئے کبھی دم نہ مارا ثقلین العیاذ باللہ خراب و خوار ہوئے سر نہ ہلایا بہرکیف یہ سوال و جواب مصنوعی غلط ہو یا صحیح ہم کو کچھ بحث نہیں ہمارا مدعا جو کچھ ہے وہ اس سے ثابت ہے مگر اس قدر گذارش اور باقی ہے کہ تفسیر صافی کی دوسری روایت جو اس روایت سے کچھ اوپر مذکور ہے اس امر کو مقتضی ہے کہ ظلم پر سکوت کرنے والے بھی ظالموں کے ساتھ گرفتار عذاب ہوتے ہیں۔

قال ابو جعفر اوحى الله الى شعيب النبى انى معذب من قومك مائة الف

ابو جعفر نے کہا کہ شعیب نبی کی طرف خدا نے وحی بھیجی کہ میں تیری قوم کے بروں میں سے ایک لاکھ

واربعين الفا من شرارهم وستين الفا من خيارهم فقال يارب هؤلاء الاشرار فما بال الاخيار فاوحى الله عزوجل اليه انهم داهنوا اهل المعاصى ولم يغضبوا لغضبى۔

چالیس ہزار کو عذاب کروں گا اور بھلوں میں سے ساٹھ ہزار کو، عرض کیا اے پروردگار یہ تو بد ہیں بھلا نیکوں کا کیا حال ہے، اللہ نے اس کی طرف وحی کی کہ انہوں نے گناہگاروں کے ساتھ مداہنت کی اور میرے غصہ کے سبب وہ غصہ نہ ہوئے۔

تو اس سے ان کا حال قیاس کرنا چاہیئے، جنھوں نے ایسے سخت ظلموں پر سکوت کیا اور مداہنت کی اور غضب ناک نہ ہوتے حالانکہ ان کے ادنیٰ چین بر جبین ہونے میں کام نکلتا تھا کہ ان کا کیا حال ہوگا شاید اصول شیعہ پر موافق اس روایت کے مدلول کے وہ خیار بھی ان اشرار کے ساتھ معذب ہوں گے۔ بیت

شادم کہ از رقیبان دامن کشان گذشتی ۔۔۔ گو مشت خاک ما ہم بر باد رفتہ باشد

آٹھویں خود علامہ کنتوری نے بجواب حضرت خاتم المحدثین کے، حضرت فاروق کے اس قول کا مجرد تخویف پر محمول ہونا تسلیم کر لیا ہے وہ لکھتے ہیں، اما آنچہ گفتہ اگر مراد ایشان از قصد تخویف و تہدید زبانیست گفتم اینکہ من خواہم سوخت الخ۔ پس ما میگوئیم کہ فی الواقع مراد علماء شیعہ از قصد احراق بیت نبوت کہ بروایات اہلسنت ثابت میکنند ہمیں ست و اگر این قول او بر قصد او دلالت نکند لازم آید کہ در قول خود کاذب بودہ باشد، اور اگر ہمارے فاضل مجیب کو یہ خیال ہو کہ آخر عبارت کنتوری کی اور نیز عبارت سابقہ صریح دلالت کرتی ہے کہ وہ درپے اثبات قصد تحریق کے ہیں سو اس تناقض کے دفع کا آپ ہی فکر فرماویں، جو آپ کے مفتی صاحب کی عبارت میں واقع ہے کہ کہیں مدعی اثبات قصد احراق ہیں اور کہیں مجرد تخویف پر محمول ہونا تسلیم فرماتے ہیں، اور عجب نہیں کہ منشا اس کا یہ ہو کہ حضرت مفتی صاحب کو درمیان قصد تحریق اور قصد تخویف کی تمیز نہ ہوئی ہوگی کہ جس کی وجہ سے یہ التباس و اختلاط کلام میں واقع ہوا۔

قولہ: معلوم نہیں کہ قصد کو امور قلبیہ کہنے سے آپ کا کیا مطلب ہے بظاہر تو وہی مطلب ہوگا کہ جو آپ کے خاتم المحدثین نے تحفہ میں فرمایا ہے قصد امور قلبیہ سے بے شک ہے مگر جب کہ اسباب و سامان قصد کے ظاہر ہوں تو بے شک کہہ سکتے ہیں کہ اس کام کے کرنے پر آمادہ ہے۔

قصد ایقاع فعل اور صرف تہدید و تخویف میں باعتبار ظاہر کچھ فرق نہیں

اقول : فعل کے کرنے پر آمادگی دو طرح پر ہوتی ہے یا بطور تصمیم عزم کے یا بطور مجرد تہدید و تخویف کے چونکہ بظاہر ان دونوں میں کچھ فرق نہیں اور اسی واسطے بعض علمائے شیعہ پر ملتبس ہو گئی اور ان دونوں میں فرق باعتبار ارادہ فاعل کے ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ہم اول ان دونوں میں فرق بتلائیں اور اس کے بعد اپنے فاضل مجیب کے اس قول کا جواب دیویں پس واضح ہو کہ قصد علی الفعل ارادہ خبری ہے جو اس فعل کے کرنے سے متعلق ہو اور قصد تخویف و تہدید یہ ہے کہ فی حد ذاتہ فعل کا کرنا مقصود نہ ہو صرف بظاہر القار خوف کے لئے اس فعل کے اسباب و سامان کو اس صورت میں ظاہر کیا جاوے جس سے بظاہر عزم بالجزم مترشح ہوتا ہو کیونکہ اگر اس سے یہ امر متحقق نہ ہوگا تو مقصود جو تخویف و تہدید ہے ہرگز بر آمد نہ ہوگا۔ بلکہ امور مہمہ میں تہدید و تخویف کی نسبت جائز ہے کہ اہتمام بہ دور و بک فراہمی سامان بہ نسبت اصل قصد کے زیادہ ہو پس ظاہر سامان سے ان دونوں میں تمیز کرنا جیسا کہ حضرات شیعہ کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ کنتوری نے بھی تحفہ کے جواب میں لکھا ہے واما آنچہ گفتند کہ قصد از امور قلبیہ ست کہ بران غیر خدای تعالیٰ دیگرے مطلع نمی تواند شد پس مدفوع ست بانکہ امارت و علامات دلیل قصد می باشد۔ اور بتقلید ان کے غالباً ہمارے فاضل مجیب بھی بدون سوچے سمجھے یہی ترانہ فرماتے ہیں اس پر دلیل ہے۔ کہ حضرات کو ان دونوں میں تمیز نہیں ہو گی: اصل سوال میں تحریر فرماتے ہیں (اور بیعت لینے کے لئے گھر جلانے کی دھمکی دی) اور بعد اس کے قصد احراق روایت ازالۃ الخفاء سے ثابت کرتے ہیں۔ اس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دھمکی اور قصد احراق میں تفرقہ و امتیاز حاصل نہیں ان حالت فاعل کے اور لیاقت و قابلیت مفعول کے فی الجملہ قرینہ ہو سکتی ہے مثلاً ایسے افعال کے صدور میں کہ ان کا فاعل سفاک و بے باک ہو اور اتباع شرع سے مطلق بے بہرہ ہو اور محل بھی لائق کشتنی و سوختنی ہو تو ایسی جگہ غالب احتمال تصمیم عزم کا ہو سکتا ہے لیکن جب تک وقوع فعل نہ ہو چکے ہرگز استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ مقصود فی حد ذاتہ قصد قتل و احراق ہے پس جب یہ امر طے ہو گیا تو اب فاضل مجیب اور ان کے محقق صاحب کا یہ فرمانا سامان و اسباب کے جمع کرنے سے اور ہیزم و آتش کے لانے سے معلوم ہوا کہ فاروق احراق بیت

اہلبیت کا عزم بالجزم رکھتے تھے غلط ہوا۔ کسی شخص کو اس کے قتل کی نسبت کہنا اور تلوار گلے میں ڈال کر نکلنا بلکہ تلوار میان سے کھینچنا تک دال عزم اور قصد پر نہیں ہو سکتی۔ خود جناب امیر کا قصہ میزاب پر جوش و خروش اور قتل کی دھمکی اور تلوار گلے میں ڈال کر باہر آنا خود اس پر صریح دلیل ہے بشرطیکہ حضرات شیعہ اس کو مجرد تہدید پر محمول فرما دیں اسی طرح نبش قبر فاطمی پر ارادہ قتل و قتال کرنا اور دست بقبضہ شمشیر ہونا بھی غالباً اسی قسم سے ہوگا اور اگر حضرات شیعہ اسی کو تہدید پر محمول نہ فرما دیں اور عزم بالجزم سمجھیں تو چونکہ آپ مامور بسکوت تھے آپ کی عصمت بلکہ امامت و خلافت کو سنبھالیں۔ آپ کو یاد ہوگا جب کہ آپ کے ابن عباس بصرہ کا بیت المال لوٹ کر مکہ آ بیٹھے اور جناب امیر نے ان کو ایک عتاب نامہ تحریر فرمایا جو نہج البلاغت میں منقول ہے اور غالباً ہم اس کی نقل اوپر کر آئے ہیں۔ اس میں ان کو جناب امیر نے قسم کھا کر کیا لکھا تھا کیا واقعی اس سے آپ کا عزم بالجزم ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ غالباً وہ روایت بھی آپ کے حافظہ سے نہ نکلی ہو گی جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں جو اصل روایت مجلسی اور قطب راوندی کی ہے اور مواعظ حسنیہ میں بھی مذکور ہے۔ اگر آپ کو فراموش ہو گئی ہو ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ جناب امام حسین نے قنبر سے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ چند مشکیں عسل کی جو یمن سے آئی ہیں تیری حفاظت میں ہیں اور مجھ کو ایک مہمان کی ناخورش کی ضرورت ہے تھوڑا مجھ کو اس میں سے دے چنانچہ ایک مشک کا منہ کھول کر بقدر حاجت لیا۔ تقسیم کے وقت جب حضرت نے مشکوں کا ملاحظہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ ایک مشک میں کم ہے۔ قنبر سے دریافت کیا اس نے عرض کیا کہ حضرت امام حسین ریحان رسول الثقلین کو ایک مہمان کے لئے ضرورت پیش آئی تھی انھوں نے تھوڑا سا شہد لیا ہے۔ سنتے ہی حکم دیا۔ بلا (؟) جب حاضر ہوئے تو نہایت تیزی و خشونت و غیظ و غضب کے ساتھ دُرہ جو آپ کے ہاتھ میں تھا جناب امام کے مارنے کے واسطے اٹھایا۔ یہاں تک کہ جناب امام حسین نے نہایت عاجزی سے آپ کے غصہ فرو کرنے کے واسطے حق جعفر کو یاد دلایا اور آپ کا غصہ فرو ہوا تو معلوم نہیں یہ قرائن یعنی غیظ و غضب کرنا درہ کا مارنے کے واسطے اٹھانا ادھر قبل التقسمت مال خلق اللہ میں تصرف کرنا ادھر جناب امیر کو حقانیت کا جوش ہونا مستلزم قصد ضرب و اہانت ہیں یا نہیں اگر نہیں ہیں تو مدعا ثابت ہے اور اگر ہیں تو قطع نظر توہین امام کے غلط ہے کیونکہ آخر میں خود جناب امیر نے ارشاد فرمایا۔ اگر میں نہ دیکھا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے دانتوں کو بوسہ دیتے تھے تو میں یقیناً تجھ کو مارتا تو نے مسلمانوں سے پہلے کیوں نفع اٹھایا اس سے صریح معلوم ہوا کہ آپ کا قصد ہرگز ضرب کا نہ تھا بلکہ صرف تہدید و تخویف مد نظر سامی تھی

کیونکہ آپ کو یاد تھا کہ حضرتؐ دندان مبارک صاحبزادہ کو بوسہ دیتے تھے تو ایسی حالت میں عزم بالجزم مارنے کا کیوں کر کر سکتے تھے، علاوہ ازیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متخلفین جماعت کے لئے وعید احراق فرمایا جو متفق علیہ فریقین ہے اور یقیناً وہ محمول اوپر تہدید و تخویف کے ہے کیونکہ کوئی شخص علماء میں سے تارک جماعت کے لئے وجوب احراق کا قائل نہیں ہوا اور اگر وجود روایت میں شک و شبہ ہو تو اپنے مجتہد سابق کی تصانیف مثل مواعظ حسینیہ ملاحظہ فرمالیجئے

قولہ: پس جب کہ خلیفۂ ثانی نے قسم یاد کی ہو اور سامان احراق مثل آتش و ہیزم وغیرہ بھی ہمراہ لے گئے ہوں، جیسا کہ کتب معتبرہ اہلسنت سے ثابت ہے تو اب اس میں کیا شک رہا کیونکہ ہر آدمی جانتا ہے کہ جب کوئی شخص آگ لکڑی وغیرہ کسی مکان پر لے جاوے اور اس کے مالک سے بقسم کہے کہ اس گھر کو جلا دوں گا، تو ضرور ثابت ہوگا کہ یہ شخص اس گھر کے جلانے کا قصد رکھتا ہے۔

احراق بیت کے لئے مثل ہیزم وغیرہ جمع کرنا غلط ہے اور مثبت ایقاع فعل نہیں

اقول: اگر اصل سوال میں ہی آپ ان امور کا ذکر فرماتے تو البتہ بندہ کا اجمالی جواب دینا اور یہ کہنا کہ قصد امور قلبیہ سے ہے مورد طعن ہوتا اور جب آپ نے یہ امور اس وقت ذکر فرمائے ہی نہیں تھے اور صرف روایت ازالۃ الخفاء پر اکتفا فرمایا تھا اور یہ بھی بتقلید علامہ کنتوری وغیرہ فرمایا ہے تو پھر اجمالی جواب کیوں محل طعن ہے، رہا ثبوت ان امور کا کہ آگ و ہیزم وغیرہ کا لے جانا بزعم سامی تھا جس کے ذکر سے کسی مصلحت کے سبب اغماض فرمایا، تعجب ہے کہ استدلال فرمائیں اور ایک امر کے اثبات کے درپے ہوں اور اثبات کے وقت پہلو تہی کریں، بھلا اگر یہ امور آگ وغیرہ کا لے جانا کتب معتبرہ اہل سنت سے بزعم سامی ثابت ہے تو آپ نے اس کو ذکر کیوں نہیں فرمایا جو روایت آپ نے ازالۃ الخفاء سے نقل کی اس میں تو یہ امور اشارۃً و کنایۃً بھی مذکور نہیں اس کے ذکر میں چنداں تطویل بھی نہیں تھی اور اگر فی الجملہ تطویل بھی ہو تو زوائد واجب الحذف والاسقاط ہوا کرتے ہیں نہ اصل مقاصد ابحاث اور موقوف علیہ دعاوی، پھر اس حجت پر یہ فرمانا کہ اب اس میں کیا شک رہا عجائب افادات سے ہے آپ کو بے شک شک نہ رہا ہوگا، لیکن اہل عقل و

دانش کا شک تو ایسی خرافات سے کیونکر رفع ہو سکتا ہے اور اگر بالفرض اہلسنت کی کسی کتاب میں بروایات ضعیفہ واہیہ پایا بھی جاوے تو اس کا جواب قول سابق کے جوابات سے بخوبی ظاہر و باہر ہے کہ اصول شیعہ پر بھی یہ امور قصد احراق پر دال نہیں ہو سکتے۔ اچھا بالفرض محال ہم نے تسلیم کیا کہ یہ امور قصد احراق پر دال ہیں بلکہ مثل قضیہ شرطیہ لزومیہ ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود مستلزم عزم بالجزم احراق کو ہیں اور فی الواقع حضرت فاروق کا قصد صمیم احراق بیت تھا اور تمام اعوان و انصار ان کے شریک و معاون تھے لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ عزم صمیم تھا تو اس کو کون مانع ہوا اور حسب مذاق فاضل مجیب و دیگر بعض اکابر شیعہ جو عدم وقوع احراق کے قائل ہیں، احراق کیوں وقوع میں نہیں آیا، صحابہ کلہم اجمعین الا معدودی فاروق کے حامی و مددگار ہوں گے اور جناب امیر و جناب سیدہ بلکہ تمام بنی ہاشم شاید مامور بالسکوت ہوں گے، انہوں نے کچھ چون و چرا نہ فرمائی اور اگر چون و چرا کرنے والے ہوتے تو معاملہ خلافت میں جو حسب ارشاد جناب قاضی صاحب شوستری اغتصاب ہزار فروج مومنات سے بھی زیادہ قبیح تھا چون و چرا کرتے خداوند تعالیٰ کی طرف سے بھی کوئی امداد غیبی نہیں پہنچی جو اس سے مانع ہوتی جب باوجود تسلط تام اور عزم صمیم اور موجودگی سامان اور عدم موانع کے وقوع احراق نہ پایا گیا تو معلوم ہوا کہ مقصود احراق بیت نہ تھا بلکہ مقصود مجرد تخویف و تہدید تھی جو حاصل ہو گئی شاید شیعہ اس کا یہ جواب دیویں کہ یہ قسم معلق بالشرط تھا جو اجتماع ہے حاصل یہ کہ اگر یہ اجتماع باقی رہا تو بے شک گھر جلا دوں گا اور وجود معلق کے لئے وجود معلق بہ کا ضرور ہے اور وہ نہ پایا گیا تو بقاعدہ،

اذا فات الشرط فات المشروط۔ جب شرط نہیں پائی جاتی تو مشروط بھی نہیں پایا جاتا، وجود معلق و مشروط کا بھی جو احراق بیت ہی نہ پایا گیا، ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ جواب بعینہ ہمارے مدعا کو مثبت ہے کیونکہ اس سے بصراحۃ ثابت ہوا کہ فی حد ذاتہ مقصود اصلی تفریق اجتماع تھی اور یہ ایعاد بالاحراق محض اس مقصود کی تحصیل کا آلہ اور واسطہ تھا اور فی حد ذاتہ مقصود نہ تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ حصول مقصود یعنی تفریق بدون تہدید و تخویف کے ممکن نہ تھا پس بمثل مشہور بہمان آتش در کاسہ۔ وہی تخویف و تہدید کے طور پر ایعاد بالاحراق محمول رہا اور یہ دعوے کہ احراق بیت مقصود تھا غلط ہوا، رہا قسم کھا کر کہنا سو اس کی نسبت ہم عرض کر چکے کہ اول تو یہ حضرات کی خوش فہمی ہے کہ اس قسم کو نعل سے تا مد بجا آوری پر سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ وہ قسم عدم مانعیت پر ہے حاصل یہ کہ فاروق نے قسم کھا کر اس روایت منقولہ میں یہ نہیں فرمایا کہ میں گھر جلا دوں گا بلکہ یہ فرمایا خدا کی قسم اگر یہ جماعت تمہارے

پاس مجتمع ہوئی تو یہ مجھ کو امر بالاحراق سے مانع نہ ہوگی۔ پس اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں نہ احراق پر قسم ہے نہ قصد احراق ہے۔ اور اگر کسی روایت میں احراق ہی پر قسم مروی ہو، اگرچہ ہم کو بالفعل اس سے کچھ بحث نہیں کیونکہ گفتگو اس میں ہے جو روایت فاضل مجیب نے اپنے استدلال میں تحریر فرمائی ہے تاہم ہمارے مدعا کے مخالف نہیں کیونکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تہدیدات بنسبت قصد کی نسبت زیادہ پختگی اور جد کے ساتھ ظاہر کی جاتی ہیں، اور اگر قسم کے ذکر سے ایما یہ ہے کہ درصورت عدم قصد کے کذب لازم آوے چنانچہ آپ کے حضرت کنتوری نے بھی غالباً یہ فرما کر اپنا تبحر علمی ظاہر فرمایا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اول لفظاً یہ اخبار ہو لیکن حقیقۃً اخبار نہیں بلکہ انشاء تہدید و تخویف مقصود ہے تو اس کو صدق اور کذب سے کچھ علاقہ ہی نہیں، کیونکہ نہ وہ حکایت نہ اس کے لئے کوئی محکی عنہ نہ اس کو تطابق و عدم تطابق سے کچھ واسطہ تو اس کو اول اپنی خوش فہمی سے خبر تسلیم کر لیا، پھر آپ ہی اس پر اعتراض کر دیا اور یہ صریح بنا فاسد علی الفاسد ہے، علاوہ ازیں اگر یہ کذب ہو تو وہ قسمیں جو ہم جناب امیر کی اوپر بیان کر چکے ہیں اور وہ تہدیدات جو امیر نے فرمائی ہیں بلکہ وہ تہدید جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متخلفین عن الجماعۃ کے بارہ میں فرمائی ہیں وہ سب کذب ہوں گی پس جو ان کا جواب آپ دیویں وہی جواب آپ اور آپ کے علامہ کنتوری اس کی طرف سے قبول فرماویں،

قولہ: یہ جو آپ تحریر فرماتے ہیں کہ جواب تحقیقی اپنے موقع پر دیا جاتے گا یہاں کہ محل اجمال ہے اسی قدر کافی ہے اس سے سخت حیرت ہے کہ آپ نے اجمالی بھی کون سا جواب دیا جس کو کافی سمجھتے ہیں اور موقع کون سا ہوگا سوال تو اب کیا جاتا ہے آپ اس کے جواب تحقیقی کا موقع نہیں سمجھتے اور صرف اس قدر لکھ کر کہ جو امور قلبیہ سے ہے شاید اس کو اجمالی جواب تصور فرماتے ہیں سبحان اللہ جواب دہی اسی کو کہتے ہیں،

شیعہ کی بد فہمی

اقول: منشا اس حیرت کا یہ ہے کہ آپ نے اپنی فہم سے کام نہیں لیا اگر فہم سے کام لیتے تو یہ حیرت نہ فرماتے بظاہر ایک چھوٹا سا لفظ دیکھ کر خیال کر لیا کہ یہ کیا جواب ہو سکتا ہے حالانکہ یہ خیال غلط ہے ایک لفظ بہت مضامین مفصلہ کا اجمال ہو سکتا ہے یہ لفظ بظاہر گو چھوٹا سا تھا لیکن اگر آپ تامل فرماتے تو آپ کے استدلال کے استیصال کے واسطے کافی تھا چنانچہ بجواب

اس کے آخر آپ کو جدید دعوے کی ضرورت پڑی اور آپ نے فراہمی سامان مثل آتش و ہیزم وغیرہ کا دعوے کیا اور اس کے اثبات سے پہلوتہی کیا اگر وہ جواب ایسا ہی ناکافی تھا تو اس کے لئے اس جدید دعوے کی کیا ضرورت تھی، باقی رہا اجمال سو اجمال کا ہی وہ مقام تھا کہ اول آپ سے آپ کے دعووں کی نسبت جواب طلب تھا اور وہ تفصیل کا موقع نہ تھا اب آپ نے بھی اپنے دعاوی کو بزعم خود مدلائل ثابت کیا تو اب ہمارے لئے بھی تفصیل کا موقع آیا اور اگرچہ تحریر طویل ہو گئی تھی تاہم تطویل کا کچھ اندیشہ نہ کیا اور مفصلاً اس کا جواب خدمت میں پیش کر دیا سو اس تفصیل سے آپ اس اجمال کو سمجھ لیجئے گا۔ آپ کی حیرت انشاء اللہ تعالیٰ رفع ہو جائے گی، اور معلوم ہو جائے گا کہ یہ جواب محل اجمال میں کافی ہے،

قال الفاضل المجیب: قولہ، اور جو صاحب ہدایۃ الشیعہ سلمہ اللہ تعالیٰ وادام برکاتہ کی نسبت تعصب و مخالفت روایات بخاری و مسلم ذکر فرمایا ہے سو اس کی نسبت اس قدر گذارش ہے کہ کلام مخالف کو اگر نظر انصاف سے نہیں دیکھا جاتا تو گو کتنی ہی حق کیوں نہ ہو تاہم تعصب محض و غل ہی نظر آیا کرتی ہے، اقول: میں نے صاحب ہدایۃ الشیعہ کی نسبت یہ لکھا تھا اس میں ہدیۃ الشیعہ لکھا ہے شاید الف غلطی سے رہ گیا ہو اور قرینہ بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ آپ کی نسبت سلمہ اللہ وادام برکاتہم لکھا ہے حضرت مجیب کی غرض بھی صاحب ہدایۃ الشیعہ سے ہی ہے کیونکہ سنا ہے ہدیۃ الشیعہ والے تو انتقال فرما گئے اور یہ حضرت زندہ و سالم ہیں خیر ان میں سے کوئی صاحب ہوں ہر دو صاحب کی نسبت یہ اعتراض ہے ہدیۃ الشیعہ والے کی اغلاط و کذبات تو تحفۃ الاثنا عشریہ اس کے جواب میں درج ہیں اگر چاہیں تو حضرت مجیب ملاحظہ فرما لیں، اور ہدایۃ الشیعہ والے حضرت کی اگر ایسی باتیں لکھی جائیں تو یہ تحریر بجائے خود اس کا جواب اور رسالہ ہو جائے مگر حضرت مجیب کے ارشاد کی تعمیل میں کچھ گذارش ہوتا ہے،

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: چونکہ اس قول میں کوئی امر قابل جواب نہیں اس لئے اس کے جواب میں کچھ نہیں تحریر ہوتا ہے،

قال الفاضل المجیب: قولہ کلام مخالف کو، الخ یہ فرمانا نفس الامر میں بجا و درست ہے مگر اس موقع پر یہ ارشاد بجائے خود نہیں بلکہ یوں مناسب ہے کہ جب تعصب اور اپنے مذہب کی پچ انسان پر غالب ہوتی ہے تو گو کوئی امر اس کی نہایت ہی کتب معتبرہ و مذہبی میں کیوں نہ مذکور ہو مگر ذرا بھی اپنے مذہب کے مخالف پاتا ہے تو صاف انکار کر جاتا ہے یا ایسی گول مول بات کہتا ہے کہ اس

کے مذہب کے مؤید ہو۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: بے شک اس قول میں بندہ کا اس امر کو مطلق لکھنا بجائے خود نہیں تھا بلکہ جو بندہ کو لکھنا چاہیئے تھا وہ بندہ نے لکھا اور جو بروئے اپنی تحقیقات مذہبی کے جناب کو شایان تھا وہ آپ نے تحریر فرمایا۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ اور اگر اس باب میں کچھ اعتماد ہے تو ان امور کو تحریر فرما کر خدام مولانا دام برکاتہم کے پاس بھیج دیں اور قدرت خداوندی کا تماشا مشاہدہ فرمادیں۔ اقول۔ اگر سب امور کو لکھا جاوے تو بجائے خود یہ جواب ایک رسالہ ہو جائے مگر ارشاد کی تعمیل میں صرف ایک ہی روایت عرض کرتے ہیں اور قدرت خداوندی کے تماشے کے منتظر ہیں۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: لیجیے ہم بھی حاضر ہیں۔

قولہ: قدرت خداوندی کا کام حق کو چھپانا نہیں۔

اقول: آپ اور یہ فرمائیں بروئے مذہب جناب تو قدرت خداوندی کا یہ ہی کام ہے کہ حق کو چھپاوے اصول مذہب ثقلین ہیں۔ ثقل اعظم آپ کا اس وقت تک چھپا ہوا ہے ثقل اصغر گویا ہمیشہ مختفی و پوشیدہ رہا جزئیات مسائل میں سدا التقیہ رہا وصیت نامہ آج تک چھپا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اختفا و پوشیدگی خداوند تعالیٰ کی قدرت بلکہ اس کے حکم سے ہوگی تو پھر آپ کا یہ فرمانا کہ قدرت خداوندی کا کام حق کو چھپانا نہیں البتہ تعجب انگیز ہے اور اس پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ باوجود ان پوشیدگیوں کے پھر بھی لطف خداوند تعالیٰ پر واجب ہے سبحانہ وتعالیٰ عن ذلک۔

قولہ: اور نیز حضرت مجیب قدرت خداوندی تو کیا دکھائیں گے مگر دیکھیے کیا سحر سامری کر دکھائیں گے۔

اقول: گو میں اپنی تحریر سابق میں اپنی نسبت اس کا مدعی نہیں تھا لیکن جب مجیب لبیب نے مجھی کو خطاب کیا تو میں بھی کچھ نہ کچھ قدرت خداوندی کا تماشا دکھلانے کے واسطے حاضر ہوں پھر زمانہ قدیم سے دستور ہے حق کے ساتھ یہ ہی سلوک ہوا کیا ہے۔ بے شک آپ بھی قاعدہ قدیمہ کے موافق اس کو سحر سمجھیں گے۔ شعبدہ فرمائیں گے۔ کہانت کہیں گے جو کچھ حق کی نسبت پہلے کہا گیا ہے وہ ہی آپ بھی فرمائیں گے اس کی ہم کو شکایت نہیں جب انبیاء و رسل کے ساتھ ایسا ہوا ہے تو میں تو ایک بندہ گنہگار و خطاکار ہوں۔

قولہ: رسالہ ہدایۃ الشیعہ سوال دوم کے جواب واقعہ صد ۱۳ میں آپ کے مولانا یہ تحریر

فرماتے ہیں۔ اور سقیفہ انصار اس بات پر مجتمع ہوئے تھے کہ ایک امیر انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے اور حدیث الائمۃ من قریش کا ان کو کچھ خیال نہیں رہا تھا کیونکہ وہ معصوم نہیں تھے کہ نسیان و سہو ان پر نہ ہو سکے اور فی الحقیقت سہو سے تو معصوم بھی مامون نہیں اور علم ما کان وما یکون بھی ان کو نہ تھا تاکہ عیب کیا جاوے کہ یہ مسئلہ ان کو معلوم کیوں نہ تھا اگر معلوم بھی نہ ہو تو بھی کچھ حرج نہیں جب شیخین وہاں تشریف لے گئے اور اس حدیث کو پیش کیا اس سے ان کا وہ ارادہ فسخ ہو گیا اور سب نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی انتہی بقدر الحاجۃ۔ اگر آپ اس کو بخاری کی روایت کے مطابق کر سکتے ہیں تو کیجیے۔ ہم بھی آپ کی قدرت خداوندی کے تماشے موعود کے منتظر ہیں۔

ہدایۃ الشیعہ پر مجیب کے اعتراض کا جواب

اقول: جناب میر صاحب گستاخی معاف۔ کیا یہ ہی وہ اغلاط و کذبات ہیں جو آپ نے اور آپ کے ہم مذہبوں نے ہدیۃ الشیعہ اور ہدایۃ الشیعہ سے تتبع فرما کر نکالے ہیں۔ افسوس کہ آپ صاحب سلیس اور سہل عبارت اردو بھی نہیں سمجھ سکتے کیا اسی پر قدرت خداوندی کے مشاہدہ کے منتظر ہیں۔ اجی حضرت پہلے تو آپ نے اس قول میں اور بخاری کی روایت میں معارضہ ثابت کیا ہوتا۔ اس کے بعد آپ جواب کے منتظر ہوئے ہوتے۔ اولاً ہم اسی کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس عبارت میں اور روایت بخاری میں تعارض ہے۔ اگرچہ ہم کو اس نفی پر دلیل لانے کی حاجت نہیں اور یہ منع ہی کافی ہے آپ کا ذمہ ہے کہ آپ دلیل سے معارضہ ثابت فرمادیں لیکن تاہم تبرعاً گذارش کرتا ہوں کہ یہ معارضہ اس دلیل سے باطل ہے کہ یہ قضیہ کلیہ اس فرد کو شامل نہیں جس کو روایت بخاری متضمن ہے۔ پس معارضہ منتفی ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عبارت مذکورہ سے بصراحۃ تمام یہ مضمون مستنبط ہوتا ہے کہ بعد وفات سرور کائنات کے معاملہ خلافت میں جماعت انصار کی طرف سے جھگڑا اٹھا اور انھوں نے یہ چاہا کہ ایک امیر ہم میں سے بھی ہو اس پر شیخین سقیفہ میں جہاں ان کا اجتماع تھا تشریف لے گئے اور حدیث الائمۃ من قریش کو پیش کیا اس سے ان کا وہ ارادہ فسخ ہو گیا۔ اور ان سب نے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اگر جناب کے فہم شریف میں نہ آوے تو کسی منصف اردو خوان سے آپ دریافت فرمایئے کہ اس عبارت کے سیاق سے لفظ سب نے سے کون مراد ہیں۔ آیا تمام افراد بنی آدم مراد ہیں یا تمام صحابہ مہاجرین و انصار و طلقا اور جملہ مؤمنین

ومومنات مراد ہیں، یا تمام حاضرین سقیفہ مراد ہیں یا تمام حاضرین انصار سقیفہ مراد ہیں، سیاق عبارت ان محتملات میں سے کون سے احتمال کے تعین کرتا ہے پھر اگر کوئی شخص بھی آپ کو یہ کہے کہ اس عبارت سے احتمال اول یا ثانی مفہوم ہوتا ہے تو آپ ہم سے دست وگریبان ہوں، یونہیں خوش فہمی سے اپنے آپ خلاف سیاق ایک محتمل اپنے ذہن میں متعین کر لیا اور اس پر اعتراض کر دیا فہم وفراست دین ودیانت اسی کا تو نام ہے جناب من، سوق عبارت صریح دال ہے کہ جو لوگ برسر مخالفت تھے انھوں نے حدیث الائمۃ من قریش سن کر مخالفت کو ترک کیا اور سب نے بیعت کر لی یا غایۃ سے غایۃ یہ مراد ہو سکتی ہے کہ تمام حاضرین سقیفہ نے بیعت کر لی مخالفین نے اپنی مخالفت سے دست بردار ہو کر بیعت کی تو جب انھوں نے بیعت کر لی تو موافقین جن کو کسی قسم سے مخالفت تھی ہی نہیں انھوں نے بالاولی بیعت کی ہو گی ولبس اور حاشا کہ اس عبارت سے بیعت کرنا تمام صحابہ کا مفہوم ہوتا ہے یا کوئی اہل سنت سے اس امر کا قائل ہو کہ سقیفہ میں تمام صحابہ نے بیعت کی تھی پس محض حضرت کی خوش فہمی تھی کہ جو باعث اعتراض کے اس عبارت پر ہوئے اور نظیر اس جملہ کی ہے جو اپنی زبان سے مذہبی پیچ اور تعصب کے بابت فرمایا تھا۔ رہا یہ سوال کہ جب یہ بیعت عامہ نہیں ہوئی تھی تو اس بیعت سے تحقق خلافت کیوں کر صحیح ہوا سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ بیعت عامہ نہیں ہوئی تھی لیکن حضرت صدیق کے احقیۃ بالخلافۃ میں صحابہ میں سے کسی شخص کو تامل وانکار نہیں تھا بالاتفاق کلہم اجمعون کیوں حضرت کے استحقاق خلافت کے قائل تھے۔ تو اگرچہ بیعت واقع نہیں ہوئی۔ لیکن جب کسی کو استحقاق میں تردد نہ تھا تو ان کا سکوت بمنزلہ بیعت وقبول کے ہو گیا، چنانچہ جب بعد اس کے بیعت عامہ واقع ہوئی تو سب نے بقول راجح بیعت کر لی چنانچہ ہم اس مضمون کو مطاوی ابحاث گذشتہ میں بتفصیل تمام بیان کر آتے ہیں، معہذا اس امر کا تو فیصلہ خود جناب مشکل کشا ہی فرما گئے اور فرما گئے کہ انعقاد خلافت کے لئے جمیع اہل حل وعقد کا ہونا کچھ ضرور نہیں، چنانچہ نہج البلاغت کے مواقع مختلفہ میں مذکور ہے اور اس کو بھی ہم ماسبق میں مفصل بیان کر آتے ہیں، تو اس سے ثابت ہوا کہ جب بعض اہل حل وعقد نے بیعت کر لی خلافت منعقد ہو گئی اور حاضر وغائب پر ہو گئی، پس جو اس سے پھرے وہ حسب ارشاد جناب امیر سبیل المومنین سے منحرف ہوا اور مستوجب القتال اور مستحق دخول جہنم ہے، پس یوم سقیفہ بعض کا بیعت کرنا انعقاد خلافت کے واسطے کافی ہوا۔ دوسری یہ کہ سلمنا بظاہر تعارض واقع ہے لیکن یہ تعارض مدفوع ہے کیونکہ یہ اطلاق مجازی ہے من قبیل اطلاق الکل علی الاکثر جو شائع مستفیض ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے

مواقع میں جہاں حقیقت متعذرہ ہو کلام مجاز پر محمول ہوتی ہے من غیر نکیر اس جگہ ایک روایت گذارش ہے مفسر صافی نے قمی استاد ابو جعفر کلینی سے نقل کی ہے،

عن ابی جعفر قال قال امیر المؤمنین بعد وفات رسول اللہ فی المسجد والناس مجتمعون بصوت عال الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالہم فقال قال لہ ابن عباس یا ابا الحسن لم قلت ما قلت قال قرأت شیئا من القرآن قال لقد قلتہ لامر قال نعم ان اللہ یقول فی کتابہ وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتہوا فتشہد علی رسول اللہ انہ استخلف ابا بکر قال ما سمعت رسول اللہ اوصی الا الیک قال فہلا بایعتنی قال اجتمع الناس علی ابی بکر فکنت منہم فقال امیر المؤمنین کما اجتمع اہل العجل علی العجل ہہنا فتنتم ومثلکم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ ذہب اللہ بنورہم الآیۃ

ابی جعفر سے مروی ہے کہا امیر المومنین نے بعد وفات رسول اللہ کے مسجد میں جب کہ لوگ مجتمع تھے بلند آواز سے پڑھا (جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ان کے اعمال برباد کر دیئے) ابن عباس نے پوچھا اے ابا الحسن جو کچھ تو نے پڑھا تھا کیوں پڑھا کہا قرآن میں سے میں نے کچھ پڑھا تھا ابن عباس نے کہا بالتحقیق کسی وجہ سے تو آپ نے پڑھا تھا، کہا ہاں اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے (تمہارے پاس جو کچھ رسول لایا اس کو لو، اور جس سے اس نے منع کیا اس سے باز رہو) پھر کیا تو رسول اللہ پر شہادت دیتا ہے کہ ابو بکر کو خلیفہ بنایا، کہا رسول اللہ سے تو میں نے بجز آپ کی وصیت کے نہیں سنا، کہا پھر کیوں مجھ سے بیعت نہ کی، کہا کہ لوگ ابو بکر پر اکٹھے ہو گئے تھے میں بھی ان میں تھا امیر المومنین نے فرمایا جیسے گوسالہ پرست گوسالہ پر اکٹھے ہو گئے تھے یہیں تم فتنہ میں پڑے اور تمہاری مثل آگ روشن کرنے والے جیسی ہے جب اس نے اپنے گرداگرد کو روشن کیا تو اللہ نے ان کا نور کھو دیا۔

اس روایت میں ابن عباس کے جواب میں یہ الفاظ ہیں، قال اجتمع الناس علی ابی بکر فکنت منہم۔ اس میں قطع نظر اس سے کہ جمع معرف باللام مفید عموم کو ہوتی ہے یا نہیں ہوتی سیاق کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ بعض ناس مراد نہیں کیونکہ بعض آدمیوں کا اجتماع خصوصا ایک ایسے امر پر جو خلاف رسول کے ہو داعی اس امر کو نہیں کہ ایک مومن کامل الایمان ان کا اتباع کر کے رسول کی مخالفت کرے یہ اسی وقت متحقق ہو جب کہ جمیع افراد حنفیہ ایک امر پر مجتمع ہوں یا اکثر اور اکثر یہ اس مرتبہ میں ہو کہ مابقی بہ نسبت ان کے حکم میں عدم اور کالعدم یکن کے ہوں

تو ایسی حالت میں بھی اطلاق کل پر کیا جا سکتا ہے اور اس کل کا تحقق بضمن اکثریت کے ہوگا تو معلوم ہوا کہ ابن عباس نے اپنے جواب میں اجمتع الناس سے جمیع ناس مراد لیے ہیں جن کا تحقق بضمن اکثر ہے، علاوہ اس کے یہ اطلاق ایسا شائع ہے کہ اس کی صدہا نظیریں دستیاب ہو سکتی ہیں تیسری یہ کہ ہم نے مانا کہ اس عبارت کے اس جملہ میں لفظ (سب) سے تمام صحابہ ہی مراد ہیں تاہم ہم کہتے ہیں کہ بخاری کی روایت سے اس عبارت کو ہرگز تعارض نہیں۔ کیونکہ آپ نے رسائل منطق میں دیکھا ہوگا کہ تحقق تناقض کے لئے منجملہ وحدات کے ایک اتحاد زمانہ کے بھی شرط ہے اگر دو حکم باعتبار ازمنہ مختلفہ کے متعارض ہوں گے تو ان میں کوئی عاقل تعارض و تناقض نہیں کہے گا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ عبارت ہدایۃ الشیعہ میں یہ جملہ (اور سب نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی) جو مذکور ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ انجام کار رفتہ رفتہ سب نے بیعت کرلی جو حاضرین تھے انھوں نے اسی وقت بیعت کرلی اور جو غائبین تھے انہوں نے پیچھے بیعت کی۔ اس جملہ میں یہ کہاں مذکور ہے کہ سب حاضرین اور غائبین نے اسی وقت بیعت کرلی یہ ہرگز اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا حاصل بس اسی قدر ہے کہ سب کی بیعت متحقق ہوگئی۔ پس غلطی یہاں سے واقع ہوئی کہ قید وقت کی اپنی طرف سے تراش کر اس میں بڑھا دی۔ تو اس صورت میں کچھ تعارض درمیان حدیث بخاری اور اس عبارت کے باقی نہ رہا۔ چوتھی یہ کہ ممکن ہے کہ عبارت ہدایۃ الشیعہ کا مدار ان روایات پر ہو جو دربارہ بیعت تمام صحابہ جو دو جلسوں میں اول سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت خاصہ اور دوسری مسجد نبوی میں بیعت عامہ واقع ہوئی تھی وارد ہوئی۔ جس میں جناب امیر بھی شامل تھے اور چونکہ یہ بیعت ثانیہ جو اگلے ہی روز دوسری دفعہ مسجد میں بیعت اولی کے متصل واقع ہوئی تو گویا بمنزلہ اس کے ہوئی کہ ان کا تحقق ایک ہی وقت میں واقع ہوا۔ اور سب صحابہ نے گویا ایک ہی وقت میں بیعت کی۔ تو اس صورت میں عبارت ہدایۃ الشیعہ کی اگرچہ معارض روایت بخاری کی ہو لیکن دوسری روایات صحیحہ کے جو مثبت واقع ہوئی ہیں موافق ہوتی اور معارضہ روایت بخاری سے اس وقت میں جب کہ اور روایات کے موافق ہے کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ کہ پھر یہ روایات معارض روایت بخاری کے ہوئی تو بحمد اللہ تعالیٰ ہم ان روایات کو مع وجوہ تطبیق کے گذشتہ ابحاث میں بیان کر آئے ہیں۔ پانچویں سمنا کہ اس لفظ سے جو ہدایۃ الشیعہ میں مذکور ہے تمام مسلمان مراد ہیں اور یہ لفظ بخاری کی روایت کے مخالف ہے لیکن جب آپ کے اکابر علماء نے بھی سب مسلمانوں کا بیعت کرنا ابوبکر کے ساتھ تسلیم کرلیا باوجودیکہ آپ کے اصول مذہب اور نصوص روایات کے صریح مخالف ہے تو

پھر آپ ہدایۃ الشیعہ کے تخالف کو کس منہ سے کہہ سکتے ہیں۔ آیات بینات صفحہ ۸۴ پر لکھا ہے۔ رہا یہ امر کہ سب مسلمانوں نے جو اس وقت تھے ابوبکر صدیق کی بیعت کی باقرار علماء شیعہ ثابت ہے جیسا کہ شریف مرتضیٰ کے قول سے ظاہر ہے جو بحار الانوار کی مجلد فتن میں منقول ہے اور جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے باین الفاظ کیا ہے جمیع مسلمانان با ابوبکر بیعت کردند و اظہار رضا و خوشنودی با دو سکون و اطمینان بسوی او نمودند و گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ و خارج اسلام ست۔ پس جب آپ کے علماء نے باوجود منافی ہونے مذہب کے سب مومنین کے بیعت کرنے کو تسلیم کرلیا تو اگر اہلسنت نے ایسا کیا تو کیا بعید ہے کہ ان کا عین مذہب ہے اور تخالف کا جواب جو آپ دلویں وہ ہی ہماری طرف سے قبول فرما دیں۔ چھٹی بطور تمسخر کے آپ کے مہمل قاعدہ کے موافق ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ الزام اپنی مسلمات مذہب سے ہوا کرتا ہے اور بخاری کی روایت ہمارا لازم مذہب ہے عین مذہب نہیں۔ پس اس تعارض کا الزام ہدایۃ الشیعہ کی عبارت پر نہیں ہو سکتا۔

قال الفاضل المجیب، قولہ۔ معہذا بالغرض محال کیا جناب قاضی نور اللہ شوستری کا تعصب و تخالف اس سے کچھ کم ہے جو انھوں نے بجواب آیت فانزل اللہ سکینتہ علیہ کے فرمایا اور اس کی نسبت بکمال افتخار فرمایا ہے کہ چون این سخن را گوش ناصبان شنید باعث حیرت ایشان گردید و در حیلہ خلاصی ازان جان ایشان بلب رسید اور صاحب تعلیب المکائد نے اپنی کتاب میں اس پر بڑا ناز کیا ہے قاضی صاحب فرماتے ہیں، آنچہ کاشف صحت بیان مذکور تواند بود آنست کہ مقدمان ما رضوان اللہ علیہ افادہ فرمودہ اند کہ خدا تعالیٰ در ہیچ جا کہ یکی از اہل ایمان با حضرت پیغمبر بودہ انزال سکینہ نہ نمود الا آنکہ نزول آنرا شامل جمیع ایشان داشتہ انتہی منقول از آیات بینات۔ اب اس عبارت سے ملاحظہ فرمائیے کہ قاضی صاحب نے کیسے افتخار کے ساتھ تعصب میں آکر کیسا بے اصل دعوے مخالف قرآن شریف کے فرمایا ہے اور واضح رہے کہ اس میں صرف قاضی صاحب ہی کی طرف تعصب و تخالف کا الزام نہیں بلکہ قاضی صاحب نے بوفور کرم اپنے بزرگوں کو بھی اس میں شریک فرمایا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الایمان۔ اقول۔ سبحان اللہ جناب قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ کے دعوی کو اس سے کیا نسبت۔ اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہاں وہ امر واقعی اور کہاں یہ گول مول بات جو بالکل بخاری وغیرہ کے مخالف ہے۔ اس ایک ہی روایت سے آپ کے میر مہدی صاحب کا مایہ علم و تدین بخوبی واضح ہے اور وہ یہ ہی مقام ہے کہ جس کا ہم سابق میں وعدہ کر آئے ہیں۔ ان حضرات پر تو کچھ افسوس نہیں کیونکہ وہ ایک اہل علم سے ہیں مدت تک

سرکاری نوکری میں توغل رہا اور علم کی طرف توجہ نہ رہی، مگر حضرت مجیب پر نہایت تعجب ہے کہ باوجود دعوئے علم وفضل اس عبارت مندرجہ آیات بینات کو غور سے ملاحظہ نہ فرمایا، اور اپنے علم وفہم سے کام نہ لیا، میر مہدی صاحب کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئے۔ یہ تو فارسی عبارت ہے اس جگہ حضرت میر مہدی صاحب کی وہ چالاکی و دیانت جو عبارتِ عربیہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ہندی وفارسی خوان کے سامنے بھی پیش نہ جائے گی، حضرت جوشِ تعصب اس کو کہتے ہیں اور ہٹ دھرمی وحق پوشی اس کا نام ہے، کہ ایک ایسا بے سروپا دعوے کیا کہ جو عبارت اپنے دعوے کے ثبوت میں نقل فرمائی اس میں اس کا نشان تک نہیں ہے بلکہ اس کے مکذب ہے آپ قیاس کرسکتے ہیں کہ جو حوالے ان حضرات نے اور کتابوں کے دیئے ہیں ان میں کیا کچھ تصرف کیا ہوگا۔ اگر چہ آپ کا دعوئے تعصب وتخالف کا نسبت جناب قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ کی اسی عبارت سے جو آپ نے نقل فرمائی رد وباطل ہے، تعجب وافسوس ہے کہ آپ نے عبارت نقل کرتے وقت اس کے الفاظ کے معنے سمجھنے پر توجہ نہ فرمائی، اور محض جوشِ تعصب میں آکر اپنے دعوے کے مخالف عبارت نقل کردی،

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: یہ عبارت بطور توطیہ وتمہید کے لکھی گئی ہے، اس میں جس قدر آپ نے لن ترانیاں فرمائی ہیں ان کی حقیقت قول آئندہ میں بخوبی منکشف ہوجائے گی اس لئے ہم کو کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے جواب میں تطویل لاطائل اور تضیع اوقات لاحاصل کریں، ہمارے میر مہدی صاحب کی چالاکی اور دیانت اور ہٹ دھرمی وحق پوشی وجوش تعصب اور پایہ علم وتدین، اور ہمارا جوش تعصب اور مطلب عبارت کو نہ سمجھنا اور آپ کا اور آپ کے قاضی صاحب کا صدق دعوے اور علم وانصاف اور اس دعوے کا موافق یا مخالف کتاب اللہ کے ہونا سب کچھ واضح ہوجائے گا،

قولہ: مگر توضیحاً للمرام ہم آیات بینات کی ہی عبارت منقولہ لکھتے ہیں اور حضرت مجیب اور نیز اور دیکھنے والوں سے انصاف کے خواہاں ہیں۔ بعد نقل عبارت تقریر میر مہدی صاحب کی نقل کرکے اس کا جواب گذارش کرتے ہیں۔ "وھو ھذہ آنچہ کاشف صحت بیان مذکور تواند بود آنست کہ مقدمان مشائخ ما رضوان اللہ علیہم افادہ فرمودہ اند کہ خدائے تعالیٰ ہرگز در ہیچ جائی کہ یکی از اہل ایمان با حضرت پیغمبر بودہ اند انزال سکینہ نہ نمود الا آنکہ نزول آن را شامل جمیع ایشان داشتہ چنانچہ در بعضی آیات فرمود۔ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم

شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین ودر آیت دیگر گفتہ فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین وچون با آنحضرت غیر از ابوبکر در غار نبود لاجرم خدائے تعالیٰ آنحضرت را در نزول سکینہ منفرد ساخت وا و را بآن مخصوص گردانید ابوبکر را با وشرکت نداد وگفت فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا پس اگر ابوبکر مومن می بود بالستی کہ خدائے تعالیٰ درین آیت او را جاری مجری مومنان می نمود ودر عموم سکینہ داخل می فرمود۔ الی قولہ بنا برایں نزول سکینہ مخصوص او شدہ باشد وابوبکر بواسطہ عدم ایمان از فضیلت سکینہ محروم ماندہ باشد۔ والیضاً نص قرآنی اباء دارد از آنکہ در آیت غار سکینہ بر غیر رسول باشد، جناب قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ہے جو آیات بینات والے نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے، آپ کے مہدی صاحب جو اس کا خلاصہ تحریر فرماتے ہیں اس کو ملاحظہ فرمایئے اور انصاف سے کہیے کہ کون سے الفاظ عبارت مذکورہ کے ان کے خلاصہ پر دلالت کرتی ہے آپ کے مہدی صاحب فرماتے ہیں، خلاصہ اس ساری تقریر کا یہ ہے کہ خدا نے جہاں تسلی مومنین پر نازل کی ہے تو وہاں اول رسول پر نازل کی اور بعدہ مومنین پر کسی جگہ لفظ مومنین پر تسلی نازل نہیں کی تو کیونکر ممکن ہے کہ غار میں پیغمبر صاحب کو چھوڑ کر فقط ابوبکر پر تسلی نازل کی پس اس آیت سے ابوبکر کا عدم ایمان ثابت ہوا اس لئے کہ اگر وہ با ایمان ہوتے تو بشمول پیغمبر کے ضرور خدا ان پر بھی تسلی نازل کرتا، انتہی بقدر الحاجۃ، حضرت مجیب اور اور حضرات للہ انصاف فرماویں اور تبلائیں کہ یہ خلاصہ کن لفظوں سے اس عبارت کے نکلتا ہے کہ خدا نے جہاں تسلی مومنین پر نازل کی ہے تو وہاں اول رسول پر نازل کی ہے اور بعدہ مومنین پر الخ، عبارت تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہرگز در ہیچ جائی کہ یکی از اہل ایمان با حضرت پیغمبر بودہ اند انزال سکینہ نہ نمود الا آنکہ نزول آن را شامل جمیع ایشان داشتہ الخ، اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے کبھی کسی ایسی جگہ کہ اہل ایمان سے بھی کوئی شخص حضرت پیغمبر کے ہمراہ ہوئے ہیں تسلی نازل نہیں فرمائی، مگر یہ کہ اس کے نزول کو سب کے شامل رکھا ہے چنانچہ جناب قاضی صاحب نے جو آیتیں لکھی ہیں وہ اسی مطلب پر دال ہیں، یہ کہاں ہے جہاں خدا نے تسلی مومنین پر نازل کی تو وہاں اول رسول پر نازل کی اور بعدہ مومنین پر۔

اقول: خلاصہ اس ساری تطویل لاطائل اور طومار لاحاصل کا یہ ہے کہ مولانا سید مہدی

علی صاحب سلمہ نے جو خلاصہ کہ عبارت قاضی صاحب کا بیان کیا ہے اس میں انھوں نے لکھا ہے. خلاصہ اس ساری تقریر کا یہ ہے کہ خدا نے جہاں کہیں تسلی مومنین پر نازل کی ہے تو وہاں اول رسول پر نازل کی اور بعدہ مومنین پر تو یہ جو انہوں نے لکھا ہے. کہ اول رسول پر اور بعدہ مومنین پر یہ غلط ہے. اور اسی کو چالاکی قرار دیا ہے اور اسی کو جوشِ تعصب ٹھہرایا ہے اور اسی کو بے دیانتی اور ہٹ دھرمی اور حق پوشی وغیرہ سے تعبیر کیا ہے. اب ہم انصاف سے خواہاں ہیں کہ للہ ذرا متوجہ ہو کر دیکھیں اور فرمائیں کہ سید مہدی علی نے یہ امر واقع اور نفس الامر کے موافق لکھا یا مخالف اور یہ ان کی چالاکی اور بد دیانتی اور حق پوشی یا ان کی متانت اور دیانت اور حق گوئی. اصل یہ ہے کہ ہمارے فاضل مجیب نے یہ خوب سمجھ لیا تھا کہ اصل اعتراض تو جناب قاضی صاحب سے رفع نہیں ہو سکتا تو ایسے ہی جوش وخروش اور گیدڑ بھبکیوں میں کام نکالو.

آیت غار کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری کی غلطی اور غلطی کی تائید کی تردید

پس اب اس کا جواب سنیئے. اول ہم اپنے فاضل مجیب ہی کو منصف مقرر کرتے ہیں کہ جہاں رسول اور مومنین پر سب پر سکینہ نازل ہوا تو وہاں سب کے سب استحقاق نزول سکینہ میں برابر تھے اور سب کے اوپر بالاصالۃ اور بالاستقلال سکینہ نازل ہوا یا یہ کہ نزول سکینہ کا رسول پر اولاً اور بالذات ہے اور مومنین پر ثانیاً و بالعرض ہے. اگر امر ثانی ہے تو عین مدعا ہے اور آپ کا واویلا سراسر بے جا اور اگر اول ہے تو بداہۃً باطل ہے کیونکہ تشریف خداوندی میں جب رسول اور مومنین سب شامل ہوں تو ظاہر ہے کہ مومنین کو وہ تشریف بواسطہ رسول کے ہوگی کہ رسول کو وہ تشریف اول حاصل ہوگی اور مومنین کو پیچھے اور اگر مومنین کو بھی بالذات حاصل ہو تو مساوات لازم آوے. دوسری یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اولیت اور ثانویت خود نظم قرآنی سے بھی مفہوم ہوتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین. واقع ہے اور اس میں اول تو رسول کہ جو بالاتفاق افضل اور احق ہے مقدم ہے. دوسری یہ کہ رسول کو اپنے ضمیر کی طرف مضاف فرمایا جو کمال خصوصیت اور تشریف پر دال ہے. تیسری یہ کہ سکینہ کو بھی اپنے ضمیر کی طرف مضاف فرمایا اور رسول کو بھی اپنے ضمیر کی طرف مضاف کیا جس سے صاف معلوم

ہوتا ہے کہ اپنے خاص تشریف اولاً اپنے خاص رسول ہی کے واسطے ہے اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے. چوتھی یہ کہ تاخیر مومنین کے باوجود اعادہ لفظ جار کے دال تبعیت پر ہے غرض اس مجموعہ سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ نزول سکینہ کا اولاً رسول پر ہے اور ثانیاً مومنین پر جیسا کہ صلوٰۃ میں بھی یہ ہی امر معہود ہے. تیسری یہ کہ اس عبارت میں جو آپ کے قاضی صاحب نے تحریر فرمائی ہے لکھا ہے. کہ یکی از اہل ایمان با حضرت پیغمبر بودہ اند. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول سکینہ کا مومنین پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت ہی میں ہوا ہے کہ لفظ با جو مصاحبت کے واسطے ہے اس پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں یہ تشریف وتکریم حاصل ہوئی ہے تو بواسطہ برکات مصاحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہوئی ہوگی تو حق یہ ہے کہ اول رسول کو حاصل ہوئی اور بعد اس کے بالتبع مومنین بھی اس میں شامل ہوں. چوتھی یہ کہ اگر یہ اولیت اور ثانویت عبارت قاضی صاحب سے مفہوم نہیں ہوتی اور یہ واقعی صحیح ہے تو اس سے کیا اعتراض کو تقویت ہوئی اور کیا بددیانتی اور حق پوشی اور جوشش تعصب ہوا جس پر آپ نے یہ غل شور مچا رکھا ہے. اور اگر قطع نظر اولیت اور ثانویت کے یہ اعتراض اس پر ہے کہ خدا تعالیٰ نے جہاں تسلی مومنین پر نازل فرمائی. تو وہاں رسول اور مومنین پر سب پر تسلی نازل فرمائی. اور حاصل اعتراض یہ ہے کہ نزول تسلی کا مومنین پر شمول تسلی کو جو باہم استلزام بیان کیا گیا ہے یہ غلط ہے. اور قاضی صاحب کی عبارت سے ثابت نہیں تو یہ خود آپ کی ہی خوش فہمی ہے کہ قاضی صاحب کی عبارت نہیں سمجھی. شوستری صاحب کی عبارت سے بخوبی یہ مضمون ثابت ہے وہ فرماتے ہیں. خدائے تعالیٰ ہرگز در ہیچ جائی کہ یکی از اہل ایمان با حضرت پیغمبر بودہ اند انزال سکینہ نہ نمود. الا آنکہ نزول آنرا شامل وجمیع ایشان داشتہ. حاصل اس کا یہ ہے کہ جس جگہ خدا تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمایا اور حضرت کے ساتھ ایک بھی اہل ایمان سے تھا تو وہاں نزول سکینہ میں سب کو شامل فرمایا. تو اس سے صریح ثابت ہوتا ہے کہ ان مواضع مذکورہ میں نزول تسلی مومنین پر مستلزم شمول تسلی کو ہے. بلکہ ایک دوسرا قضیہ بھی ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ ان مواقع میں نزول تسلی رسول پر مستلزم شمول کو ہے اور حاصل دونوں قضیوں کا یہ ہوا کہ نزول تسلی مومنین پر مستلزم نزول تسلی کو رسول پر ہے. اور نزول تسلی رسول پر مستلزم نزول کو ہی مومنین پر اور دلیل ان قضایا کے ثبوت کے یہ ہے کہ ان مواقع میں اگر مثلاً قضیہ اولیٰ صادق نہ آوے یعنی نزول تسلی کا مومنین پر ہو اور رسول پر نہ ہو

توصریح شمول باطل ہوگا اور اصل دعوے قاضی صاحب کے مخالف ہوگا کیونکہ قاضی صاحب کا
تو دعوے درمیان نزول اور شمول کے ان مواقع میں تلازم کا ہے اور یہاں انفراد ہوگیا اور یہ
امر بھی ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے جہاں تسلی مومنین پر نازل فرمائی وہ ایسا ہی موقع ہے کہ رسول
بھی وہاں موجود ہے اور کوئی موقع ایسا یاد نہیں آتا کہ نزول سکینہ کا مومنین پر اس موقع میں
بیان فرمایا ہو اور رسول مومنین کے ساتھ نہ ہو تو اس سے ثابت ہے کہ جہاں تسلی مومنین پر نازل
فرمائی تو وہاں رسول پر بھی نازل فرمائی یہ صحیح خلاصہ ہے اس کے قاضی صاحب کی عبارت سے
ثابت ہونے میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے اور یہ مضمون جو قاضی صاحب کی عبارت سے ثابت
ہے صریح غلط ہے، غرض کہ قاضی صاحب کی اس عبارت کے غلط اور مخالف قرآن ہونے میں
کچھ شک و شبہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اس قدر مطلب کو تو آپ بھی تسلیم فرماتے ہیں چنانچہ
آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے خداوند تعالیٰ نے کبھی کسی ایسی جگہ کہ اہل ایمان
سے بھی کوئی شخص حضرت پیغمبر کے ہمراہ ہوئے ہیں تسلی نازل نہیں فرمائی مگر یہ کہ اس کے نزول کو
سب کے شامل رکھا ہے۔ انتہیٰ۔

آیات سکینہ پر بحث

توہم بموجب اسی آپ کی تسلیم کے پوچھتے ہیں کہ یہ جو دو موقع ابتداء سورہ فتح میں مذکور ہیں

هو الذی انزل السکینة فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم
وہی ہے جس نے اتاری تسکین بیچ دلوں ایمان والوں کے تو کہ بڑھ جاویں ایمان میں ساتھ ایمان اپنے کے،

اور،

لقد رضی الله عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبهم فانزل السکینة علیهم
بہ تحقیق راضی ہوا اللہ مسلمانوں سے جس وقت بیعت کرتے تھے تجھ سے نیچے درخت کیکر کے پس جانا جو کچھ بیچ دلوں ان کے کے تھا پس اتاری تسکین اوپر ان کے

کہ جن میں خاص تسلی مومنین پر بیان فرمائی ہے، اور رسول کو اس میں شامل نہیں کیا ان
دونوں موقعوں میں آپ کے قاضی صاحب کا یہ قول جاتا ہے کہ کوئی اہل ایمان با حضرت پیغمبر
وہاں حاضر تھا یا نہیں اور ظاہر ہے کہ ان دونوں موقعوں میں صحابہ مصاحب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے تھے اور نزول سکینہ کا بھی اس جگہ ہے اور آپ کے قاضی صاحب ایسے مواقع میں شمول کو

واجب اور لازم فرماتے ہیں۔ تو اب دیکھنا چاہیئے کہ موافق قول آپ کے قاضی صاحب کے شمول
سکینہ کا رسول اور مومنین سب کو ہے۔ یا مخالف قول قاضی کے انفراد ہے قرآن شریف کھول کر
جو دیکھتے ہیں تو اس میں تو مخالف دعوے قاضی صاحب انفراد مومنین کا تسلی کے ساتھ معلوم ہوتا
ہے اور قرآن قاضی صاحب کی تکذیب کرتا ہے یا یوں کہو کہ قاضی صاحب اپنے قول میں قرآن کی
تکذیب فرماتے ہیں، تو ثابت ہوا کہ حسب تحریر سامی بھی قاضی صاحب کا دعوے غلط اور مخالف
قرآن کے ہے جو انھوں نے جوش تعصب میں آکر بدون اس کے کہ قرآن کو دیکھیں لکھ دیا اب آپ
چاہتے ہیں کہ چند خرافات سے اس الزام کو ان کے لوح جبین تحریر سے دفع کریں تو بھلا یہ کب
ممکن ہے۔

قولہ: بلکہ جناب قاضی صاحب علیہ الرحمۃ تو یہ فرماتے ہیں کہ جہاں رسول پر تسلی نازل کی ہے
اور مومنین بھی رسول کے ساتھ ہوئے ہیں تو مومنین کو بھی اس تسلی میں شامل کر لیا ہے نہ کہ صرف
رسول پر ہی نازل فرمائی ہو اور مومنین کا ذکر نہ کیا ہو اور آیت غار میں یہ نہیں ہے بلکہ رسول کا ہی
ذکر فرما کر اللہ جل شانہ خاموش ہوگیا۔

اقول: حضرت مجیب اور ان کے ہم مذہب اور اہل انصاف للہ انصاف فرمائیں اور بتلائیں
کہ اگر وہ خلاصہ جو میر مہدی صاحب سلمہ نے لکھا تھا غلط تھا جیسا کہ ہمارے فاضل مجیب دعوے
کرآتے ہیں تو یہ جو ہمارے فاضل مجیب نے قاضی صاحب کی عبارت کا مطلب لکھا ہے
اس عبارت کے کن لفظوں سے نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جناب رسول پر تسلی نازل کی ہے
اور وہاں مومنین بھی ساتھ ہیں تو مومنین کو بھی شامل کر لیا جو الزام کہ آپ سید مہدی علی صاحب
سلمہ کو دیتے ہیں اسی الزام کے خود آپ مستحق ہوئے۔ اگر یہ مطلب جو آپ نے قاضی صاحب
کی عبارت کا بیان فرمایا ہے صحیح ہے اور عبارت کے الفاظ سے پیدا ہوتا ہے تو وہ مطلب کہ جو
سید مہدی صاحب سلمہ نے بطور خلاصہ کے لکھا ہے صحیح ہوگا۔ نہایت افسوس و تعجب ہے
کہ سید مہدی علی صاحب سلمہ کو تو آپ مطعون کریں اور خود آپ اسی قسم کے معنے بیان فرمائیں
اور اہل علم سے کچھ نہ شرمائیں اگر یہ سید مہدی کی چالاکی اور جوش تعصب اور ہٹ دھرمی اور حق پوشی
تھی تو جو کچھ جناب نے قاضی صاحب کی عبارت کے بیان مضمون کے بارہ میں ارشاد فرمایا وہ جناب
کی بھی چالاکی اور جوش تعصب اور ہٹ دھرمی اور حق پوشی ہوگی سوا اس کے اور بعد اس کے قاضی
صاحب کی عبارت غلط کی غلط رہی۔ قاضی صاحب کی عبارت سے تین امر مستفاد ہیں۔ اول اس

موقع کا ہونا کہ جس میں رسول کے ساتھ مومنین بھی ہوں۔ دوسرا نزول سکینہ کا بلا بیان و تعیین منزل علیہ کے۔ تیسرا شمول سکینہ کا رسول کو اور مومنین کو سب کو پس منزل علیہ سکینہ کا جیسا رسول ہے ویسے ہی مومنین بھی ہیں۔ چنانچہ لفظ شمول سے یہی سمجھ میں آتا ہے تو جب ہر دو نوں منزل علیہم ہوئے تو اگر ان کا منزل علیہم کہنا اور یہ کہنا کہ جس جگہ مومنین پر تسلی نازل فرمائی وہاں رسول پر بھی نازل فرمائی صحیح ہے تو رسول کا منزل علیہم کہنا اور یہ کہنا کہ یہاں رسول پر بھی نازل کی وہاں مومنین پر نازل کی صحیح ہوگا اور اگر وہ غلط ہے تو یہ بھی غلط ہوگا۔ رہا کذب اور تعارض عبارت شوستری صاحب کا قرآن سے وہ ظاہر ہے کہ ہر دو امر ین اولین ہر دو آیات سورہ فتح میں موجود ہیں اور شمول نہیں پایا جاتا۔ نزول سکینہ کا مصرح مذکور ہی حاضر ہونا مومنین کا حضرت کے ساتھ سیاق عبارت سے بالبداہۃ مفہوم ہوتا ہے اور عدم شمول بھی صریح ثابت ہے پس اس سے زیادہ کذب اور قرآن کے ساتھ صریح تناقض کیا ہو سکتا ہے۔ اور نیز یہ بھی جناب کو رسائل منطق سے معلوم ہوگا متصلہ لزومیۃ کلیہ کے صدق کے لئے واجب ہے کہ تمام مواد میں صدق ہو جب اس کا صدق متحقق ہو گا اور اس کے کذب کے لئے یہ کچھ ضرور نہیں کہ جمیع مواد میں کذب متحقق ہو اس وقت قضیہ کاذب ہو گا بلکہ ایک بھی تقدیر پر اگر کذب ہو جائے گا تو قضیہ کاذب ہوگا پس یہ قضیہ کلیہ جو آپ کے قاضی صاحب نے تحریر فرمایا ہے ہرگز در ہیچ جا الخ چونکہ ان کے نزدیک اس کی یہی دو مواد تھے کہ جہاں اس کا تحقق تھا اس لئے انھوں نے حکم کلی فرما دیا اور یہ ان کو معلوم نہ ہوا کہ اس کے جزئیات اور بھی ہیں جہاں یہ حکم متحقق نہیں ہے اگر کلیہ حکم کیا جاوے گا تو کاذب ہو گا۔ اور معلوم کیونکر ہوا اگر کچھ قرآن سے تعلق ہو تو معلوم ہو کہ قرآن شریف میں ذکر نزول سکینہ کا کہاں کہاں پر ہے پس اس موقع پر آیت غار کا ذکر کرنا بجائے خود نہیں۔

قولہ: اور جیسا کہ جناب باری عز اسمہ نے اور جگہ فرمایا ہے۔ فانزل اللہ سکینۃ علی رسولہ وعلی المومنین۔ یہاں بھی اگر سوائے رسول کے کسی اور کو نزول سکینہ میں شامل کرنا منظور ہوتا تو فرماتا۔ کہ علیہ وعلی صاحبہ یا علیہما وغیرہ۔ اور جب کہ حق تعالیٰ نے ایسا نہیں فرمایا تو جناب قاضی صاحب کا اعتراض نہایت درست و صحیح ہے۔

اقول: اول خطا آپ کے قاضی صاحب اور ان کے اتباع کی یہ تھی کہ اس قضیہ کو جو پہلے مذکور ہوا ہے ہرگز در ہیچ جا الخ کلیہ تسلیم کر لیا حالانکہ اس کا کلیہ ہونا سراسر غلط تھا۔ دوسری خطا یہ ہوئی کہ اس قضیہ کو ایک محل میں متعین کیا اور یہ معنے بیان کئے کہ خدا تعالیٰ نے جہاں رسول

پر تسلی نازل کی اور وہاں مومنین سے بھی کوئی ہمراہ تھا تو وہاں اس کے نزول کو سب کے شامل فرمایا حالانکہ یہ تعیین غلط تھی کیونکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے جہاں تسلی مومنین پر نازل فرمائی اور وہاں رسول بھی تھے تو وہاں اس کے نزول کو سب کے شامل کیا تیسری غلطی یہ ہوئی کہ آیت غار میں اول تو اپنی خوش فہمی سے یہ سمجھ لیا کہ فانزل اللہ سکینۃ علیہ کی ضمیر حضرت کی طرف راجع ہے اور پھر اس فاسد بنا پر یہ مقدمہ فاسدہ متفرع کیا کہ اگر کوئی رسول کے ہمراہ اہل ایمان سے ہوتا تو اس کو بھی شامل نزول ضرور کیا جاتا اور جب یہ نہیں کیا گیا تو ثابت ہوا کہ کوئی مومنین سے آپ کے ہمراہ نہیں تھا تو معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق مومنین سے نہیں تھے اور یہ بالکل غلط اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ آپ کا خصم یہ کہتا ہے کہ آیت غار میں خدا تعالےٰ نے نزول سکینہ کا ذکر فرمایا اس کا منزل علیہ صرف ابوبکر صدیقؓ ہے اور یہ اس قبیل سے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے سورہ فتح میں ارشاد فرمایا۔ ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین اور فانزل السکینۃ علیھم اور وہاں نزول کو مومنین کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور ان کے ساتھ رسول کا ذکر نہیں کیا ایسا ہی آیت غار میں بھی رسول کا ذکر نہیں کیا اور سکینہ کو مخصوص یار غار کے ساتھ فرمایا۔ قطع نظر اس سے ہم بھی ایک قاعدہ کلیہ بمقابلہ قاعدہ کلیہ آپ کے قاضی صاحب کے لکھتے ہیں، اور اہل انصاف سے انصاف کے خواہاں ہیں۔ وہی ہذہ خداوند تعالیٰ جائیکہ نزول سکینہ بر رسول بیان فرمود ہرگز در ہیچ جا نزول آن را بر رسول بیان نہ فرمود۔ مگر آنکہ منزل علیہ یعنے رسول را بلفظ رسولہ کہ دال بر کمال بزرگی و تعظیم و نہایت و علو تکریم ست تعبیر فرمود لیکن جائیکہ نزول سکینہ بر مومنین بیان فرمود۔ گاہی اظہار بلفظ مومنین تعبیر فرمود چنانچہ وعلی المومنین وفی قلوب المومنین۔ وگاہی بر ضمیر اکتفا فرمود۔ چنانچہ فانزل السکینۃ علیہم ارشاد شد پس اگر در آیت غار بیان نزول سکینہ بر رسول منظور خداوندی بودی بر ضمیر اکتفا نرفتی بلکہ بلفظ رسولہ تعبیر شدی ولیکن چون مقصود بیان نزول سکینہ ابوبکر صدیق بود و در آن گنجائش ضمیر ہم بود لہذا بر ضمیر اکتفا رفت۔ خدا کے لئے ذرا انصاف کی آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ یہ قاعدہ صحیح ہے یا وہ قاعدہ جو آپ کے قاضی صاحب نے خلاف کتاب اللہ ایجاد فرمایا ہے۔ بعد اس کے مثل آپ کے قاضی صاحب کے ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔ وچون این سخن گوش ناصبیان خواہند شنید باعث حیرت ایشان خواہد گردید و در حیلہ خلاصی از آن جان ایشان بلب خواہد رسید۔ تو اب فرمائیے کہ ہمارا اعتراض صحیح و درست ہے یا آپ کے قاضی صاحب کا۔

قولہ: اور شیعوں نے یہ امر مدلل بدلائل قاطع ثابت کر دیا ہے کہ علیہ کی ضمیر رسول ہی کی طرف

پھرتی ہے نہ کسی غیر کے۔

اپنے اصول مذہب کے معاملہ میں شیعہ کی کمزوری

اقول: سبحان اللہ آج تک حضرات شیعہ سے اپنا اصول مذہب تو دلائل قاطعہ سے ہو ہی نہیں سکا جو موقوف دلائل قاطعہ پر ہے اور مرجع ضمیر کا تو کیا دلائل قاطعہ سے ثابت کریں گے امامت کا اصول دین میں سے ہونا دلائل قاطعہ سے ثابت کریں ائمہ کی عصمت اور ان کی انبیا سے فضیلت وغیرہ یہ سب اصول دین میں سے ہیں کسی پر کوئی دلیل قطعی بیان کی ہے، مگر یہ ایسا دعوئے ہے جیسا کہ آپ کے سید مرتضیٰ کا کہ وہ فروعات فقہ کی نسبت بھی مدعی ہیں کہ وہ قطعیات سے ثابت ہیں، حالانکہ جمہور علماء شیعہ نے ان کی تکذیب کی ہے ایسا ہی آپ بھی دلائل قاطعہ سے ثبوت کے مدعی ہیں، پس ایسے لغو دعوؤں کا جواب جن پر کوئی دلیل قائم نہ ہو بجز سکوت کے اور کچھ نہیں،

قولہ: پس جناب قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ کا یہ دعوئے کہ چون این سخن را گوش ناصبیان شنید الخ، نہایت ہی سچا اور بہت ہی ٹھیک ہے ورنہ شیعوں کا دعوئے اتنی مدت کا بدون جواب باقی نہ رہ جاتا، اگر حضرت مجیب کا حوصلہ ہے تو اب جواب دیں،

اقول: جناب میر صاحب ایسے مہملات وخرافات کے جواب میں کسی عاقل کو بھی تردد نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ اہلسنت کو حیرانی ہو، ہاں اگر جملہ باعث حیرت الشان گردید سے مراد لی جاوے کہ اہل سنت کو اس معنے کی حیرت ہے کہ یہ بات بھی کیا اس قابل ہے کہ عقلا کی زبان سے نکلے اور کیا اس لائق ہے کہ اس پر ناز و افتخار کیا جائے تو البتہ بجا ہے پھر بعد اس کے جو جملہ بطور دلیل کے تحریر فرمایا ہے ورنہ شیعوں کا یہ دعوئے الخ اس قابل ہے کہ اہل عقل ودانش اس پر آفرین کہیں شاید یہ بھی انھیں دلائل قاطعہ سے ہے جن کا ذکر اوپر فرمایا تھا حضرت اگر یہ دعوئے بالفرض بے جواب باقی ہو تو کیا یہ کچھ مستبعد ہے کہ بدیہی غلط اور واہی ہونے کی وجہ سے اس پر التفات نہ کیا ہو رہا یہ کہ ہمارے فاضل مجیب اب ہم سے جواب کے خواہاں ہیں سو بحمد اللہ ہم اس کا ابطال اس بحث میں بخوبی کر چکے اگر ہمت وجرأت ہے تو جواب دے دیں اور اگر اس سے تسلی خاطر نہ ہو اور بھی ہوس ہو تو اور بھی سنئے وہ یہ کہ قطع نظر اس کے غلط اور خلاف واقع اور مخالف قرآن ہونے کے یہ دعوئے بالکل غلط اور بے دلیل ہے اور اصل سے اس کی بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ اگر بالفرض ہم اپنے مجیب کی خاطر سے تسلیم کر لیں کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہی ہے کہ جب خدا نے رسول پر نازل کی اور وہاں مومنین

سے بھی کوئی ہمراہ تھا تو سب کے شامل کی اور حضرت کو منفرد نہیں کیا اور یہ سوائے دو جگہ کے واقع نہیں ہوا تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ خداوند تعالیٰ پر یہ قاعدہ واجب ہو گیا اور کہیں اس کے خلاف نہیں فرمائے گا سراسر واہیات اور خرافات ہے کیونکہ اس کے لزوم پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی نہیں دلالت کرتی یہ محض جناب قاضی صاحب کے وساوس وتخیلات ہیں جو مادہ سوداوی سے ناشی ہوئے ہیں اگر کوئی دلیل اس پر دلالت کرتی تھی تو اول اس کے لزوم پر قاضی صاحب ہی بیان فرماتے خیر انھوں نے نہیں بیان فرمائی تو اب اگر کچھ حوصلہ ہے تو آپ ثابت کیجئے، اور کوئی دلیل لاتے اور یوں ہی ایک دعوئے بلا دلیل پر افتخار وناز فرمانا شان عقلا نہیں ہے اور یہ عجب ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ جو مطلب ہمارے مجیب صاحب نے اپنے قاضی صاحب کی عبارت سے ایجاد فرمایا ہے صحیح ہے ورنہ فی الحقیقت یہ ہی غلط ہے چنانچہ ہم ابحاث گزشتہ میں اس کے بطلان کو بخوبی ثابت کر آتے ہیں، پس جس طرح دل چاہے ہم سے گفتگو کر لیں ہم ہر طرح تحریراً تقریراً حاضر ہیں،

قولہ: آپ کا یہ فرمانا کہ تعصب میں آکر کیا ہے اصل دعوئے مخالف قرآن شریف کے فرمایا ہے بجائے خود نہیں، بلکہ آپ نے جوش تعصب میں آکر ایسا لکھا ہے اور اس سے بڑھ کر جوش تعصب اور کیا ہوگا کہ بدون سمجھے عبارت نقل کر دی۔

اقول: اہل عقل وانصاف سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کے قاضی صاحب نے جوش تعصب میں آکر مخالف قرآن شریف کے دعویٰ کیا یا ہم نے جوش تعصب سے اس دعوئے کی نسبت ایسا کہا اور یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں کہ ہم نے بدون سمجھے عبارت نقل کی ہے یا آپ نے بے سمجھے عبارت کی توجیہ فرمائی، ہم کچھ نہیں کہتے بجز اس کے کہ کسی کے سامنے اہل انصاف میں سے یہ عبارت رکھ دیجئے اور تماشا دیکھ لیجئے۔

قولہ: حضرت قاضی صاحب ہرگز جوش تعصب میں نہیں آئے اور نہ بے اصل دعوے معاذ اللہ مخالف قرآن شریف فرمایا، بلکہ ایک امر واقعی مدلل بآیات قرآنی بیان کیا ہے آپ کا جناب قاضی صاحب کی نسبت ایسا فرمانا دعوئے بے دلیل ہے، اگر آپ اس اپنے دعوے میں سچے ہیں تو بسم اللہ کوئی دلیل لائیے اور حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ کے اس دعوے کو رد فرمائیے، اور کوئی آیت قرآنی یا حدیث اپنی ہی کتب معتبرہ سے ایسی نقل فرمائیے کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ جل شانہ نے تسلی نازل فرمائی ہو اور رسول کے ہمراہ مومنین بھی ہوں تو فقط رسول ہی پر نازل فرمائی ہو اور مومنین کو شامل نہ فرمایا ہو۔

اقول: ہم بدلائل ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کے قاضی صاحب کا دعوئے خلاف واقع مخالف قرآن محض جوش تعصب سے ناشی ہے اور اس کو بخوبی رد کر دیا ہے آپ ملاحظہ فرمائیں ابطال کے واسطے یہ کچھ ضرور نہیں کہ ایک ہی طرح پر کیا جاوے۔ ہاں جب آپ اس دعوئے کو واقعی اور مدلل بآیات قرآنی تصور فرماتے ہیں تو امید ہے کہ ہمارے دعوئے کو بھی واقعی اور مدلل بآیات قرآنی سمجھیں گے، اور اگر آپ کو اس میں کلام ہو تو بسم اللہ کوئی دلیل لائیے اور ثابت کیجیے کہ خدا تعالیٰ نے کہیں رسول پر سکینہ نازل کی ہو اور لفظ رسولہ سے تعبیر نہ فرمایا ہو اور صرف ضمیر پر اکتفا فرمایا ہو۔

قولہ: یہ حضرات اہلسنت کی ہی جرأت ہے کہ بے اصل دعوئے کرتے ہیں اور فخر فرماتے ہیں کمال دلیری اور بے باکی یہ ہے کہ جو عبارت سنداً نقل کرتے ہیں اس کا خلاصہ مضمون اپنی طبیعت سے مخالف عبارت منقولہ کے تراشتے ہیں اور لبصد ناز و افتخار اس اپنے ہی تراشے ہوئے مضمون کو رد کرتے ہیں نہ خدا و رسول سے ڈرتے ہیں نہ اس کی شرم کرتے ہیں کہ دیکھنے والا جس کو خدا نے کچھ بھی عقل عطا فرمائی ہو گی کیا کہے گا یہ حال ہے ان حضرات کا فاعتبروا یا اولی الایمان، آپ کے مہدی صاحب نے جو اس خلاصہ کے رد میں لکھا ہے چونکہ خلاصہ ہی صحیح نہیں کیا تو سب بنا ر فاسد علی الفاسد ہے۔

جواب دروغی

اقول: ایسے کذبات اور خرافات کا جواب پس یہ ہے کہ بقول شاعر ع. دروغی را جزا باشد دروغی. ہم کہیں کہ آپ سچ فرماتے ہیں. باقی آپ کے مہذب کلمات کا جواب ہم کچھ نہیں دیتے۔

قال الفاضل المجیب: قولہ، ہمارے مقابلہ میں جو عبارتیں تحریر فرمادیں الخ. جناب مخاطب کا اس سے مقصود صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتے ہیں حضرات شیعہ کی کتب نایاب ہیں بڑے بڑے شہروں میں بھی دستیاب نہیں ہوتیں اور اگر کہیں حضرات شیعہ کے ہاں ہیں تو اہل سنت کو وہاں تک دسترس اور ان کا حصول ممکن نہیں چنانچہ ایک شخص حضرات شیعہ میں سے میرے بھی عنایت فرما ہیں اگر میں یا کوئی اہلسنت جس پر احتمال مناظرہ دانی کا ہو ان کے مذہب کی کتاب ان سے طلب کرتا ہے تو منہ چرا جاتے ہیں، حالانکہ ہماری ہر قسم کی کتابیں ان کے استعمال میں رہتی ہیں تو جناب مخاطب نے خیال کیا کہ نہ اصل کتاب ہاتھ آئے گی نہ استدلال صحیح تصور ہوگا. در نہ بوقت میدان مناظرہ ہاتھ آنے کا اس سے موقع رہا ہے ہو کہ آپ نے تحریر فرمایا کہ تحفہ وغیرہ میں بعض حوالے درست نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ بعض حوالے بعد اکثر درست ہیں تو جس وقت استدلال میں وہ حوالے مذکور ہوں جو درست

نہیں اس کی نسبت صاف کہنا چاہیئے کہ یہ حوالہ درست نہیں کیونکہ جو عبارت کسی کتاب سے نقل ہوگی تو بحوالہ اسی کتاب کے نقل ہوگی وہاں اصل کتاب سے اس کا اثبات اس وقت ضروری ہوگا جس وقت آپ صاف انکار فرمادیں گے، اور یہ کہیں گے کہ یہ روایت ہمارے یہاں نہیں ہے. اقول حضرت مجیب نے جو کچھ اس قول میں فرمایا ہے عام اہلسنت یہ ہی بے اصل دعوئے کرتے ہیں، اگر یہ بات درست ہوتی کہ کتب شیعہ نایاب ہیں تو آپ کے خاتم المحدثین اور خاتم المتکلمین نے جو حوالے نقل فرماتے ہیں وہ کہاں سے نقل فرماتے ہیں. بلکہ واقعی امر یہ ہے کہ اہل سنت ہماری کتابوں کا دیکھنا اور خریدنا اور اپنے گھر میں رکھنا گناہ سمجھتے ہیں ورنہ ہر قسم کی کتب شیعہ چھپ کر شائع ہو گئی ہیں اگر جناب مجیب کو شوق کتب بینی کا ہے تو ارشاد فرمائیں کہ فہرست کتب مع نشان مقام وغیرہ ارسال خدمت ہو قیمت بھیج کر طلب فرمادیں اور اس بے اصل دعوئے سے باز آئیں،

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: اگرچہ اس قول میں کوئی امر قابل بحث و جواب نہ تھا تاہم اس قدر گذارش ضرور ہے کہ اگر آپ کی کتب معتبرہ نایاب نہیں ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں اور چھپ کر شائع ہو گئی ہیں تو یہ فرمایئے کہ قطع نظر اور کتابوں سے آپ کا قرآن جو جناب امیر نے تالیف و جمع فرمایا اور ائمہ کے پاس یکے بعد دیگرے متوارث چلا آیا، اور آخر کو غار سر من رائے میں امام زمان کے ساتھ مختفی ہوا کوئی دفعہ کسی وقت چھپ کر شائع ہوا ہے یا یہ محض جھوٹے ڈھکوسلے ہیں نہ کوئی قرآن علاوہ موجود کے جمع و تالیف ہوا نہ ائمہ کے پاس متوارث آکر غار سر من رای میں مخفی ہوا، علاوہ ازیں آپ کے اصول اربعہ کتنی دفعہ چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، پس اسی سے شیوع کتب معلوم ہو جائے گا، ہند میں کلینی ابھی نولکشور نے چھاپی ہے، تہذیب استبصار من لا یحضر ہماری دانست میں ہندوستان میں تو چھپی نہیں ایران کی ہم کو خبر نہیں، پس جب اصول کا یہ حال ہے تو اور علوم کی کتابوں کا کیا حال ہوگا، اور اگر چند کتابیں جو جوابات اہلسنت میں تالیف ہوئیں اور چھپ گئیں تو ان کے شیوع سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کتب مذہبیہ کا شیوع ہے اور نیز اگر اہلسنت میں سے دو چار کو کسی وجہ سے آپ کی کتابیں بہم پہنچ گئیں تو یہ بھی دلیل شیوع کی نہیں ہو سکتی. آپ کی کتابوں کے دیکھنے کا شوق اس وقت تک ہے جب تک کہ آپ سے مناظرہ ہے سو اس کے لئے کسی قدر کتابیں جمع بھی کی ہیں اور کسی قدر جمع کرنے کا ارادہ بھی ہے بشرطیکہ آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا پس اس عنایت کا شکر گذار ہوں جو ارسال فہرست کی بابت تحریر فرمایا اور گذارش کرتا ہوں کہ اگر مطبع جعفری اور ملک الکتاب لحلانی کے علاوہ کوئی اور فہرست ہو تو البتہ عنایت فرمادیں، متاخرین کی تصانیف میں سے آپ کے قبلہ و کعبہ مجتہد صاحب کے

عماد الاسلام و ذوالفقار و حسام وغیرہ کا خیال ہے اور کتب متقدمین سے رسائل فضل بن شاذان و نسخہ سلیم بن قیس ہلالی وغیرہ دیکھنے کو دل چاہتا ہے اگر آپ کو یہ سلسلہ جاری رکھنا منظور ہو ورنہ کچھ ضرورت نہیں کیونکہ اپنے مذہب کی صحت اور آپ کے مذہب کے فساد میں کچھ شک و شبہ نہیں ہے جو کسی امر کی تحقیق کی ضرورت ہو۔

قولہ: یہ حکایت جو لکھی ہے شاید صحیح ہو مگر یہ کیا ضرور ہے کہ وہ اسی غرض سے جو حضرت مجیب سمجھے ہیں نہ دیتے ہوں شاید کوئی اور غرض ہو۔ جیسا کہ اسی شہر میں ایک سید صاحب ہیں اور ان کے پاس دو ایک کتب احادیث ہیں وہ ہم کو بھی گھر لے جانے کو نہیں دیتے اور یہ عذر کرتے ہیں کہ میری چند کتابیں نہایت عمدہ جو شوق سے خریدی تھیں بعض حضرات لے گئے اور پھر واپس نہ دیں جب سے میں نے عہد کر لیا ہے کہ خواہ کوئی مانگے میں کتاب ہرگز نہ دوں گا۔ ہاں میرے مکان پر آکر جو شخص چاہے خواہ سنی ہو خواہ شیعہ مطالعہ کرے یا عبارت نقل کر کے لے جائے بلکہ حقہ پانی وغیرہ کی خدمت کروں گا تو کیوں نہیں جائز ہے کہ وہ صاحب بھی جن کا ذکر حضرت مجیب نے کیا ہے اس خیال یا مثل اس کی کسی اور سبب سے نہ دیتے ہوں۔

اقول: چونکہ اس جواب کی تحریر میں ایک کتاب سے جو ہم کو اپنے عنایت فرماسے ملی بہت مدد پہنچی لہٰذا اس کو ہم کمال شکر گذاری کے ساتھ لکھتے ہیں اور اسی واسطے ہم اپنے فاضل مجیب کے تمنالات کا جواب جو بمقتضائے فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ ناشی ہوتے ہیں ہم کچھ جواب نہیں لکھتے۔

قولہ: معہذا فن مناظرہ کے اصول میں یہ داخل نہیں کہ اپنی کتاب بھی مخالف کو دینی لازم ہے مخالف کا فرض ہے کہ جس طرح ممکن ہو خود یہ سامان بہم پہنچائے۔

اقول: بہت درست ہے ہم بھی اس کا انکار نہیں کرتے۔ لیکن یہ جب ہے کہ تحقیق حق مدنظر نہ ہو اور جب تحقیق حق مدنظر ہو جیسا کہ آپ مدعی ہیں تو پھر یہ غلط ہے چنانچہ ظاہر ہے۔

قولہ: میری اصلی غرض جو حضرت سمجھتے ہیں وہ ہرگز نہ تھی بلکہ صرف مطلب یہ تھا کہ اگر حوالہ غلط تحریر نہ ہو تو اس کے رد و بدل میں وقت ضائع نہ ہو۔

اقول: اگر حوالہ غلط تحریر ہو تو رد و بدل کیسا اصل کتاب میں جب نہ پایا کہہ دیا کہ یہ حوالہ غلط ہے خصم یا اس کو ثابت کرے گا ورنہ غلطی تسلیم کرے گا لیکن تغلیط بھی یا صرف جہالی طور پر ہوتی ہے کہ بدون اصل کتاب کے مطابق کئے قرائن پر لحاظ کر کے تغلیط کر دی اور یہ تغلیط ایسی ہے کہ اس میں خود

رد و بدل کی گنجائش ہے یا یہ کہ قطعی طور پر ہوتی ہے کہ اصل کتاب سے خوب مطابق کر کے جب نہ پایا تو تغلیط کر دی چنانچہ ہم نے لفظ سقیفۃ العرب کی تغلیط کی ہے تو البتہ تغلیط قابل اعتبار ہے اور اس میں رد و بدل کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔

قولہ: میدان مناظرہ بفضل الٰہی ہر طرح ہمارے ہاتھ ہے خواہ آپ تحفہ وغیرہ سے عبارت نقل فرمائیے خواہ خود دیکھ کر لکھئے۔

اقول: باطلست آنچہ مدعی گوید۔

قولہ: معہذا ہم منصف ہیں، آپ کا یہ فرمانا کہ جس وقت استدلال میں حوالے مذکور ہوں جو درست نہیں الخ۔ بہت درست ہے اور ہم بسر و چشم قبول کرتے ہیں بلکہ اس لکھنے سے یہی غرض تھی کہ آپ اس امر کا اقرار کر لیں۔

اقول: ع۔ عمرت دراز باد کہ این ہم غنیمت ست۔ مگر واضح رہے اگر آدمی ہزار جگہ اپنے مذہب کی حمایت کے لئے حق پوشی اور ہٹ دھرمی کرے اور ایک جگہ حق قبول کر لے۔ تو اس کو منصف نہیں کہا جا سکتا، بہرکیف واجبی امر کے تسلیم میں ہم کو کچھ چون و چرا نہیں ہے۔

قال الفاضل المجیب، قولہ: صاحب تحفہ وغیرہ کے حوالہ درست نہیں، الخ، جن حضرات کی تحقیقات کے اعتماد پر جناب مخاطب کو باین طمطراق افتخار و ناز ہے وہ تحقیقات عند التحقیق خود غلط ہیں، اقول، اس کے جواب میں نہایت ادب سے آپ کا یہ ہی مقولہ ہم بھی عرض کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ کی نسبت دعوئے تعصب و تخالف قرآن شریف کے بیان میں کسی قدر سابق میں بیان ہو چکا ہے اگر حضرت مجیب کچھ بھی انصاف فرمائیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ جن تحقیقات کو ہمارے حضرت بصد افتخار و ناز تہدیداً تحریر فرماتے ہیں وہ تحقیقات ہی واقع میں بجائے خود نہیں اور ہمارے علمائے کرام رضوان اللہ علیہم نے جو تحریر فرمایا نہایت بجا و درست ہے اب اس تحقیق کا حال بھی جو مجیب نے بصد ناز لکھی ہے ظاہر ہوا جاتا ہے انصاف شرط ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: قاضی نور اللہ صاحب کے تخالف کا حال محقق ہو چکا باقی تحقیقات کا حال بھی معلوم ہو جائے گا اور یہ کیا اصول مذہب کی تحقیقات کا حال معلوم ہو چکا مگر افسوس اس کا ہے کہ ہمارے فاضل مجیب صرف ہم کو ہی فرماتے ہیں کہ تحقیقات علماء کو بنظر انصاف دیکھیں اور خود بدولت اس پر عمل نہیں فرماتے۔ ہم نے تو حکم سامی کی تعمیل کی، اور دعا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ آپ کو بھی توفیق عطا فرماوے۔

قال الفاضل المجیب، قولہ مشتی نمونہ خروار ہدیۂ نذر ہیں خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ
میں عبارت نہج البلاغت سے جو حضرت ابوبکر کی مدح میں جناب امیر نے فرمائی ہے استدلال
کر کے علماء شیعہ کی طرف سے جواب نقل کئے ہیں منجملہ ان کے فرمایا ہے، عمدہ آن توجیہات نزد ایشان
آنست کہ آنجناب گاہ گاہ اوصاف و مدائح شیخین، الخ۔ اس کے جواب میں علامہ کنتوری نے لکھا ہے
کہ این ادعا کذب محض ست احتیاج این توجیہات شیعہ را وقتی می افتاد کہ در کتب شیعہ بجای لفظ فلان
لفظ ابوبکر موجود می بود چون لفظ ابوبکر در کتب شیعہ موجود نیست ایشان را احتیاج ہیچ یک از توجیہات
نیست۔ اقول، حضرت آپ کے خاتم المحدثین اس مقام پر ابتداء ہی سے راہ خلاف واقع گوئی چلے
ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ ہم نہج البلاغت سے نقل کرتے ہیں اور جو عبارت نقل کی ہے اس میں
اپنی طرف سے بجائے للہ بلاد فلان للہ بلاد ابی بکر نقل کیا ہے حالانکہ کتاب مذکور میں بلکہ کسی روایت
شیعہ میں بجائے لفظ فلان لفظ ابی بکر نہیں ہے۔ طرفہ یہ کہ پھر خود اقرار کرتے ہیں کہ نہج البلاغت میں
لفظ فلان ہے لیکن سید علیہ الرحمۃ نے تحریف کیا ہے چنانچہ تحفہ کی عبارت بجنسہ نقل کرتے ہیں وہو ہذہ
ومنہا ما اوردہ الرضی ایضاً فی نہج البلاغۃ عن امیر المومنین انہ قال للہ بلاد
ابی بکر فلقد قوم الاود وداوی العمد واقام السنۃ وخلف البدعۃ ذہب
نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرہا وسبق شرہا ادی الی اللہ طاعتہ واتقاہ بحقہ
رحل وترکہم فی طرق متشعبۃ لا یہتدی فیہا الضال ولیستیقن المہتدی
و درین عبارت جناب امیر صاحب نہج البلاغت کہ شریف رضی ست برای حفظ مذہب خود
تصرفے کردہ لفظ ابوبکر را حذف نمودہ و بجائی او لفظ فلان آوردہ تا اہلسنت تمسک نتوانند نمود الخ۔ ہم
کہتے ہیں کہ اگر آپ کے خاتم المحدثین سچے تھے تو پہلے لفظ فلان نہج البلاغت سے نقل کرتے اور لفظ
فلان کی تحریف بابی بکر نہ کرتے پھر جو چاہتے فرماتے اب ان کی تحریف تو خود ان کی ہی زبان سے
ثابت ہو گئی، جناب سید علیہ الرحمۃ کی تحریف پس حسب داب مناظرہ اگر کسی کتاب شیعہ سے اس روایت
میں لفظ ابی بکر نقل کرتے اور پھر نقل جناب سید علیہ الرحمۃ اسی کتاب سے ثابت کرتے اس وقت
البتہ تحریف جناب سید ثابت ہوتی و اذلیس فلیس، اور چونکہ حضرت خاتم المحدثین مدعی تحریف ہیں تو
ان کو اثبات اپنے دعوے کا لازم تھا اور ہم کو محض منع کافی ہے کما تقرر فی علم المناظرہ۔

خطبہ للہ بلاد فلان میں حضرت علامہ دہلوی قدس سرہ کی تحقیق اور علامہ کنتوری کا انکار اور اس کا ابطال

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی، اہل دانش وانصاف سے التماس ہے کہ للہ ذرا
متوجہ ہو کر اس بحث کو سنیں اور علامہ کنتوری اور ان کے اولیاء وتوابع کا مرتبہ علم و پایہ انصاف
ملاحظہ فرمائیں، کہ اول حضرت کنتوری نے کس قدر تبحر علمی اور تدین ظاہر فرمایا اور بعد اس کے ان کے
توابع مقلدانہ کیسا دیانت وانصاف کا خون کر رہے ہیں، ہم نے ان علماء شیعہ کی تحقیقات کی تغلیط
میں جنہوں نے تحفہ کے جوابات لکھے ہیں بطور تمثیل علامہ کنتوری کی تحقیق پیش کی تھی جس سے حوالہ کا
بھی غلط ہونا ثابت تھا خلاصہ اس کا یہ تھا کہ جو جوابات خطبہ للہ بلاد فلان کی شیعہ کی طرف سے تحفہ
میں نقل ہوئی ہیں ان میں صاحب تحفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے عمدہ آن توجیہات نزد ایشان
آنست کہ آنجناب گاہ گاہ اوصاف ومدائح شیخین بنا بر استجلاب قلوب ناس الخ اس کے جواب
میں علامہ کنتوری نے تحریر فرمایا کہ این ادعا کذب محض ست الخ اب اس دعوے حضرت شاہ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت کنتوری صاحب کے جواب سے صاف واضح ہے کہ شاہ صاحب
رحمۃ اللہ علیہ مدعی ہیں کہ یہ توجیہات حضرات شیعہ کرتے ہیں اور علامہ کنتوری اس حوالہ کی تکذیب
کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کا یہ دعوے اور یہ حوالہ کذب محض ہے نہ شیعہ نے
یہ توجیہات کی اور نہ ان کو ان توجیہات کی حاجت اور کہیں فرماتے ہیں ان ہذا الا افک
مبین۔ ازیں ناصبی باید پرسید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابوبکر ست یا عمر اور کہیں فرماتے
ہیں ثبت العرش ثم انقش۔ اول این معنے باثبات باید رسانید، کہ مراد از لفظ فلان
درین کلام ابوبکر ست بعد از آن باین اوصاف اثبات فضل ابوبکر باید نمود، اور کسی قول کے جواب میں
لکھتے ہیں، ہیچ یک از امامیہ این توجیہ نکردہ، غرض اس تمام بحث سے واضح ہے کہ علامہ کنتوری نہایت
غلو کے ساتھ حضرت خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالوں کی تغلیط و تکذیب فرما رہے ہیں کہ یہ
امور جو صاحب تحفہ شیعہ کی طرف منسوب کرتے ہیں محض کذب و دروغ ہے، ہم نے اس پر آیات
بینات سے تقاضا بعون اللہ تعالیٰ یہ عرض کیا کہ حضرات شیعہ کی تحقیقات کا حال یہ ہے کہ رجماً بالغیب
حوالوں کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ سب امور ان کی کتب معتبرہ میں موجود ہیں چنانچہ وہ سب

امور جن کا انکار بڑی شد و مد سے آپ کے علامہ کنتوری صاحب فرمارہے تھے وہ سب فاضل متبحر کمال الدین ابن میثم بحرانی کی شرح میں موجود ہیں، پس اس سے صریح ثابت ہوا کہ شاہ صاحب اپنے حوالوں میں سچے تھے اور آپ کے علامہ کنتوری ان کی تکذیب میں کاذب۔ اب ہم اہل انصاف کو ان کے انصاف کی قسم دے کر پوچھتے ہیں۔ ہمارے فاضل مجیب کی تمام تقریر متعلقہ کو ملاحظہ کر کے فرمادیں کہ انھوں نے اپنے علامہ کنتوری کی طرف سے کیا جواب دیا اور اس الزام کو ان پر سے کیونکر رفع کیا اور کیونکر ثابت کیا کہ حضرت شاہ صاحب کا ان امور کو شیعہ کی طرف منسوب کرنا کذب ہے فرمایا تو یہ فرمایا کہ علامہ ابن میثم کا اپنی شرح میں یہ امور ذکر کرنا بطور تنزل بلکہ بطور استہزاء و تمسخر کے ہے معلوم نہیں کہ حضرت مجیب کا یہ فرمانا بطور تمسخر ہے یا واقعی۔ اجی حضرت میر صاحب آپ نے تو اپنے تمام دین کو ہی تمسخر بنا دیا اور دائرہ محبت کا اپنے اوپر تنگ کر دیا۔ آپ کے خصم نے آپ سے ہی سیکھ کر آپ کے اوپر جہات سنہ کو مسدود کر دیا ائمہ سے جو کچھ روایت کرتے ہیں، غالباً سب تمسخر خم غدیر کا خطبہ اور تمام وصیتیں سب تمسخر کو محتمل ہیں ہم ہمیشہ آیت۔

ولا تتخذوا آیات اللہ هزوا۔ نہ بناؤ اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا۔

کے معنے سوچا کرتے تھے سو آج آپ کی بدولت یہ عقدہ حل ہوا اور خوب سمجھ میں آگیا کہ دین کے ساتھ استہزاء اس طرح ہوتا ہے مگر تعجب یہ ہے کہ علامہ کنتوری کو یہ توجیہ نہ سوجھی اور اس نے عام طور پر انکار کر دیا کہ چون ابوبکر در کتب شیعہ موجود نیست۔ اگر ان کو یہ توجیہ سوجھتی تو صاف انکار نہ فرماتے اور یہ روز سیاہ جو آج ان کو اور ان کی اتباع کو دیکھنا پڑا نصیب نہ ہوتا۔ بہر کیف جب یہ امور کتب شیعہ میں موجود ہیں خواہ بطور تمسخر و استہزاء ہیں یا واقعی تو اب حضرت شاہ صاحب کا ان کو شیعہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوا اور علامہ کنتوری کی تکذیب انھیں کی طرف الٹی پھرے اور تمسخر و استہزاء نے بجز مسخرا پن کے کچھ سود نہ دیا رہا یہ امر کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعوے کیا ہے کہ علامہ رضی نے اس خطبہ میں تحریف کی ہے کہ لفظ ابوبکر کا تھا اس کی جگہ لفظ فلان بنا دیا ہے اگرچہ یہ بحث ہم نے علیحدہ کی تھی کیونکہ ہمارا مقصود صرف حوالہ کی تکذیب کی بابت بحث تھی نہ بابت اثبات تحریف لیکن چونکہ فاضل مجیب نے اپنا مخالف سمجھ کر اس کو چھیڑا ہے تو اس کا بھی ثبوت لیجیے علامہ متبحر ابن میثم کے اقرار سے ثابت ہے کہ ان اوصاف کا موصوف اور ان مدائح کا ممدوح ابوبکر ہیں [illegible] تعریف و توصیف [illegible] جمع عام میں فرمائی تھی کہ جہاں صدہا آدمی [illegible] شیخین کے معتقد تھے تو ایسے موقع پر نام سے کنایہ کرنا فہم میں نہیں

آتا، کیونکہ ایسے موقع میں اگر برا کہتے تو تقیۃً نام سے کنایہ کرنے کی ضرورت ہوتی اور جب مدح و ثنا فرمارہے ہیں تو نام سے کنایہ کرنے کی کیا ضرورت ہر شخص جس کو تھوڑی سی بھی کلام کی فہم ہو گی اور ذوق سلیم ہو گا وہ سمجھ لے گا کہ ایسے موقع تعریف میں جہاں کسی کے اس قدر مبالغہ سے تعریف کرنی مقصود ہو اور ایسے لوگوں میں جہاں نام لینے میں کسی قسم کا خوف نہ ہو بلکہ نام لینے سے زیادہ مطلب برآری ہوتی ہو استجلاب قلوب زیادہ حاصل ہوتا ہو تو ایسے وقت ممدوح کے نام سے لفظ فلان کے ساتھ کنایہ کرنا تمام کلام کو سراسر لغو اور مہمل کر دے گا۔ اور آپ نے اور جگہ بھی مدح و تعریف فرمائی چنانچہ ابن میثم نے اپنی کبیر شرح میں لکھا ہے۔ ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم الخ۔ چنانچہ ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیر نے بے شک ممدوح کا نام لے کر توصیف فرمائی ہے لیکن پیچھے اس میں تصرف ہوا ہے۔ اب رہا یہ کہ کس نے تصرف کیا سو احتمال یہ بھی ہے کہ یہ شیخ رضی سے اوپر ہوا ہو، اور غالب یہ ہے کہ یہ کام حضرت رضی کا ہے، کیونکہ اس بزرگ نے بہت خطبوں میں تصرف کیا ہے اور چالاکی فرمائی ہے۔ چنانچہ ابن میثم نے تنگ ہو کر کہیں اس کو خبط سے تعبیر کیا ہے اور کہا۔ هذا خبط عجیب من السید کہیں ان کی عادت فرمائی ہیں جب عموماً آپ کے سید رضی صاحب کی یہ عادت ہے تو ایسے موقع میں جو خاص ان کے مذہب کے لئے وبال اور نکال ہے کیوں چوکے ہوں گے تو غالب بلکہ قریب یقین کے یہ ہی ہے کہ یہ تصرف اور تحریف آپ کے سید رضی صاحب کا ہی کام ہے اور حضرت علامہ دہلوی کا تحریر فرمانا کہ شریف رضی نے تصرف کیا ہے صحیح ہے۔ رہا یہ کہ حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف آپ تحریف کا الزام لگاتے ہیں، سو یہ آپ کی اور آپ کے ان اکابر کی جنھوں نے یہ اعتراض کیا ہے کمال ہی خوش فہمی اور دانشمندی ہے کیونکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کلام مرتضوی کے نقل کے بعد صاف طور پر فرمایا ہے کہ اس عبارت میں لفظ فلان کی جگہ لفظ ابوبکر تھا شریف رضی نے تحریف کر کے بجائے لفظ ابوبکر کے لفظ فلان لکھ دیا تا کہ امر مبہم ہو جائے اور استدلال نہ ہو سکے تو اس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ اس خطبہ کی عبارت میں لفظ ابوبکر نہیں بلکہ لفظ ابوبکر کے بجائے لفظ فلان کے اس لئے لکھ دیا ہے کہ اکابر امامیہ نے شروح نہج البلاغت میں ابوبکر صدیق [illegible] تصریح کی ہے پس جو شخص کہ خود بصراحت کہتا ہے کہ اس خطبہ میں لفظ فلان [illegible] مذکورہ بیان شروح سے راجح ہے بطور الزام شیعہ اور مناسبت

باب کے لکھ دیا ہے تو اس کو تحریف کہنا البتہ ان کا اور ان کے اکابر کا ہی کام ہے معہذا جب دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ علامہ رضی نے اس میں تحریف فرمائی ہے اور اصل خطبہ میں یا لفظ ابوبکر ہوگا یا عمر اور محض شراح کے اقوال سے ترجیح ابوبکر کے نام کو ثابت ہوتی ہے تو جب تصریح اس امر کی کر دی جاوے کہ رضی نے لفظ فلان نقل کیا اور اصل خطبہ میں باعتماد اس کے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ اصل لفظ ابوبکر ہے یا عمر بعض شراح کی ترجیح کی وجہ سے ابوبکر کا لفظ لکھ دیا جاوے تو اس کو کوئی عاقل تحریف نہیں کہے گا۔ علامہ کنتوری نے بجواب اس قول کے حیا کو کار فرمایا۔ اور دعوئے تحریف کا حضرت شاہ صاحب کی طرف نسبت نہیں کیا لیکن ان کی خوش فہمی یہ ہے کہ وہ اس قول میں تناقض شاہ صاحب کی طرف نسبت کرتے ہیں اور یہ بھی سراسر لغو ہے۔ اسی جواب سے اس کا بھی استیصال ہو جاتا ہے ہم کو بیان و تطویل کی حاجت نہیں۔

قولہ: لیکن با این ہمہ ہم ان کے اس قول کی تکذیب ان کے ایک بڑے عالم کی کتاب سے ثابت کئے دیتے ہیں۔ صاحب جامع الاصول ابن اثیر کہ معتبرین علماء اہلسنت سے ہیں کتاب نہایہ میں لکھتے ہیں ومنہ حدیث علی لله بلاد فلان لقد قوم الاود الخ۔ اگر کسی کتاب اہلسنت میں بجائے لفظ فلان کے لفظ ابوبکر ہوتا تو ابن اثیر کیوں لکھتے کہ حدیث علی میں بلاد فلان ہے بلکہ لکھتے کہ بلاد ابوبکر ہے چہ جائی کتب شیعہ۔

اہل سنت کی خدمات حدیث

اقول: واضح ہو کہ علماء اہلسنت نے حل لغات حدیث میں مختلف طور پر کتابیں لکھی ہیں چنانچہ بعض نے خاص احادیث بخاری کے حل لغات میں کتاب لکھی اور بعض نے خاص صحیح مسلم کے متعلق اور بعض نے دونوں صحیحین کے لغات کو لیا اور بعض نے لغات صحاح ستہ کو جمع کیا۔ اور بعض مصنفین نے بلا امتیاز صحاح و ضعاف و روایات اہل وفاق و خلاف کی مطلق لغت حدیث کو لیا چنانچہ صاحب نہایہ نے بھی التزام روایات صحیحہ نہیں کیا اسی واسطے بہت روایات ضعاف و اہل خلاف کو متضمن ہے۔ پس نہایہ کی نقل سے استدلال صحیح نہیں ہے اور اگر ایسی کتب لغات سے استدلال صحیح ہو تو بہت سی روایات مناقض مذہب شیعہ و موافق مذہب اہل حق کتاب مجمع البحرین میں موجود ہیں ان سے بھی استدلال صحیح ہوگا اور ان کا یہ جواب دینا کہ یہ کتاب لغت کی ہے درصحت و عدم صحت روایات سے اس کو تعلق نہیں تو اس سے استدلال صحیح نہیں صحیح

نہ ہوگا۔ چنانچہ بعض روایات بطور نمونہ منتہی الکلام میں خاتم المحدثین نے ذکر فرمائی ہیں۔ اور چونکہ ان امور کی ابتداء اہلسنت کی طرف سے نہیں ہے تو ان کا عذر قابل قبول ہوگا اور ان کا استدلال احادیث مجمع البحرین سے بمثل خود کردہ را درمانی نیست صحیح و معتبر سمجھا جائے گا۔

قولہ: پس جناب مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ در کتب شیعہ لفظ ابوبکر نیست نہایت صحیح و درست ہے اور آپ کے خاتم المحدثین کا دعوئے تحریف محض خلاف ثابت ہوا الحمد للہ علی ذلک اور جب ثابت ہوا کہ لفظ ابوبکر کتب شیعہ میں نہیں ہے تو ان توجیہات کی شیعوں کو ضرورت نہیں۔

اقول: جناب میر صاحب یہ آپ کی اور آپ کے علامہ کنتوری کی فاحش غلطی ہے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ در کتب شیعہ لفظ ابوبکر نیست اس سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ کتب شیعہ میں بطور بیان مراد کے لفظ ابوبکر نہیں تو صریح کذب ہے کیونکہ علامہ ابن میثم نے جب لکھا ہے تو اس کا اپنی شرح میں لکھنا صریح اس کا مکذب ہے کیونکہ وہ عالم شیعی امام اثنا عشری ہے اور علامہ کنتوری کی جہل یا تجاہل کا اس قدر ہم کو افسوس نہیں ہے کہ اس میں احتمال ہے علامہ نے شرح ابن میثم نہ دیکھی ہوگی مگر تعجب تو یہ ہے کہ ہمارے فاضل مجیب باوجودیکہ معلوم کر چکے کہ شروح ابن میثم کبیر و صغیر میں یہ لفظ موجود ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ علامہ کنتوری کا لکھنا کہ در کتب شیعہ لفظ ابوبکر نیست صحیح اور درست ہے اور کمال دین و دیانت و حیاء و شرم سے کام لیتے ہیں۔ اور اگر لفظ کتب سے روایات مراد ہے باین معنی کہ اس کلام جناب امیر کی مرویات میں کہیں بجائی لفظ فلان کے لفظ ابوبکر مروی نہیں ہے چنانچہ اس احتمال کے ثبوت پر عبارت سابقہ علامہ کنتوری کی دلالت کرتی ہے احتیاج این توجیہات شیعہ را وقتی مے افتاد کہ در کتب شیعہ بجای لفظ فلان لفظ ابوبکر موجود می بود۔ اس جملہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں لفظ فلان کی جگہ لفظ ابوبکر کے موجود ہونے کا انکار ہے تو یہ اس سے بھی زیادہ پوچ اور خرافات ہے کیونکہ یہ کہنا کہ ہم کو ان توجیہات کی ضرورت جب ہوتی کہ ہماری روایات میں جو اس کلام جناب امیر کی نقل کے متعلق ہیں بجائے لفظ فلان کے لفظ ابوبکر ہوتا اور جب لفظ ابوبکر ہماری روایات میں نہیں ہے تو ہم کو ان توجیہات کی کچھ ضرورت نہیں سراسر غلط ہے جس کو تھوڑی سی بھی فہم ہو وہ اس فاحش غلطی کو معلوم کر سکتا ہے اس لئے کہ اگر بالفرض علماء شیعہ میں سے کوئی شخص نہ لکھے نہ بطور مراد کے نہ بطور روایت کے کہ لفظ فلان سے ابوبکر مراد ہیں یا کسی روایت میں بجائے فلان کے ابوبکر مراد ہے اور جس قدر اوصاف مذکور ہوئے ہیں وہ بہ ہیئت مجموعی سوائے شیخین رضی اللہ عنہم کے کسی پر صادق نہیں آتی اور نہ

بروئے عقل سلیم کوئی شخص سوائے ابوبکر و عمر کے ممدوح اس مدح کا ہو سکتا ہے تو اس صورت میں اگرچہ کسی نے لفظ ابوبکر زبان سے نہ نکالا ہو تاہم توجیہات کے وجوب سے آپ بری الذمہ نہیں ہو سکتے اور شیعہ پر واجب ہے کہ اس الزام کو جو اس عبارت سے ناشی ہو توجیہات کر کے مذہب کے رخنہ کو بند کریں چہ جائیکہ علماء نے تصریح فرمائی ہو کہ لفظ فلاں سے مراد ابوبکر ہے یا عمر تو جب اکابر علماء شیعہ نے تصریح کر دی کہ موصوف ان اوصاف کے حضرت ابوبکر ہیں یا عمر اور وہ اوصاف مصادق و مستلزم حقیت خلافت موصوف کو ہیں تو آپ ہی فرمایئے کہ کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ شیعہ کو اس کلام کی توجیہات کی حاجت نہیں اگرچہ علماء سے تعیین مبہم فرمائی ہو اور احتیاج اسی وقت ہے کہ جب روایت میں لفظ ابوبکر بجائے لفظ فلاں کے ہو وھل ھذا الا مکابرۃ و عناد. افسوس کہ آپ کو اور آپ کے علامہ کنتوری صاحب کو یہ بھی خبر نہیں کہ شیعہ کو اس کلام کی توجیہات کی جب اس وقت بھی ضرورت ہے جب کہ کسی طور پر بھی کتب شیعہ میں لفظ ابوبکر موجود نہ ہو تو اس وقت احتیاج توجیہات بالاولیٰ ہوگی جب کہ اکابر علماء شیعہ میں سے کسی نے بھی تصریح کر دی ہوگی کہ لفظ فلاں سے مراد ابوبکر ہیں یا عمر پس بہر تقدیر علامہ کنتوری کی یہ تحریر غلط ہے پھر اس پر جناب کا اس کی تصحیح و تائید کرنا اور بھی بے جا ہے کاش آپ ذرا بھی فہم و انصاف سے کام لیتے۔

قال الفاضل المجیب قولہ۔ بجواب اس کے صاحب آیات بینات سلمہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب علامہ کنتوری کا غلط ہے اور جو انھوں نے نسبت خاتم المحدثین کے فرمایا ہے کہ این ادعا کذب محض ست ہم بھی ہم علامہ مجیب کی نسبت کہتے ہیں کہ این جواب کذب محض ست۔ اقول، صاحب آیات بینات میں یہ لیاقت کہاں کہ علماء کے کلام کا جواب لکھ سکیں وہ بیچارے تو عبارت فارسی سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ ہاں اہل سنت کی صحبت میں رہ کر آپ کے خاتم المتکلمین وغیرہ کی کتابیں دیکھیں اور حضرت اس کے کہ اپنی عقل و علم سے کام لیں یا اپنے تشکیک و ایراد علماء کرام یا ان کے کلام سے رفع کریں سنی ہو گئے اور چونکہ توفیق ایزدی ان سے پہلے ہی سلب ہو چکی تھی اب سنی بھی نہ رہے سید احمد خان صاحب کی صحبت و تقلید سے نیچری ہو گئے اور ان کے حق میں [illegible] مثل صادق ہو گئی [illegible] مذہب و مسلک [illegible] کی بات کا کیا ٹھکانا۔ یہ جو کچھ آیات بینات میں [illegible] ازالۃ الغین وغیرہ کا ترجمہ [illegible] لیاقت تو جناب قاضی صاحب علیہ الرحمۃ کی [illegible]

میر مہدی علی صاحب آیات بینات کی نسبت کم علمی اور نیچریت کا جواب

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: حضرت میر صاحب سید مہدی علی سلمہ کی نسبت جس قدر آپ برائی فرمائیں وہ سب اس قبیل سے ہے جیسا کہ یہود نے عبداللہ بن سلام کی نسبت بعد ان کے اسلام لانے کے بطور ہجو کے کہا تھا کہ شرنا و ابن شرنا تو یہ آپ کا سید مہدی علی صاحب سلمہ کی نسبت برائی کرنا نہ کچھ قابل اعتبار ہے اور نہ محل شکایت اگر اس وقت جو آپ کے علماء عصر ہیں توفیق خداوندی ان کی رہبر ہو اور عار کو نار پر اختیار کریں اور اہل حق کے گروہ میں داخل ہو جائیں تو آپ ان کی نسبت بھی ایسا ہی فرماویں گے بلکہ اگر توفیق موفق حقیقی آپ کی رہبری و دستگیری فرما دے اور آپ کو بانکشاف حق ورطہ سے نکال کر ساحل نجات و فلاح پر پہنچا دے اور آپ سنی ہو جاویں تو اور شیعہ آپ کی نسبت بھی وہی فرمائیں گے کہ جو آپ سید صاحب کی نسبت فرما رہے ہیں بلکہ مع شی زائد۔ رہا ان کی لیاقت و استعداد علمی اور فہم سو میں حلف کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی نسبت تو بہت زیادہ ہے اور سلامتی فہم تو یقیناً آپ کے کنتوری اور شوستری وغیرہ سب سے زیادہ ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اول آپ فرماتے ہیں کہ وہ بیچارے تو فارسی عبارت سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ اور پھر آپ ہی تحریر فرماتے ہیں کہ اہل سنت کی صحبت میں رہ کر آپ کے خاتم المتکلمین کی کتابیں دیکھے، جب ان کا یہ حال ہے کہ فارسی عبارت سمجھنے سے بھی قاصر ہیں تو خاتم المتکلمین کی کتابیں جن کی فارسی بھی فارسی سلیس نہیں۔ بلکہ کسی قدر دقیق ہے کیونکر دیکھ سکتے ہیں اور اگر اہل سنت کے فیض صحبت سے انھوں نے یہ ملکہ حاصل کر لیا ہے تو پھر یہ الزام بے جا ہے اول ہر کوئی اُمّی ہوتا ہے پھر اہل علم سے کسب علوم کیا کرتا ہے تو اگر انہوں نے اہل سنت کی صحبت میں رہ کر ملکہ حاصل کیا ہو تو کیا محل طعن ہے۔ اور ہم سابق میں بجواب عبارت قاضی صاحب واضح طور پر بیان کر آئے ہیں کہ عبارت فہمی کی لیاقت آپ کو زیادہ ہے یا ان کو اس سے واضح ہے کہ سخن فہمی کا سلیقہ جناب کو اتنا بھی نہیں۔ اور یہ جو لکھا کہ آیات بینات میں جو کچھ لکھا ہے سب تحفہ اور ازالۃ الغین وغیرہ کا ترجمہ ہے سو یہ کچھ نئی بات نہیں ہمیشہ آپ اور آپ کے اسلاف یہ ہی لا طائل دعوے فرماتے رہے چنانچہ تحفہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ صواقع کا ترجمہ ہے کوئی صاحب

فرماتے ہیں کہ صواقع سے مسروق ہے اگر ہم بھی ایسی ہی خرافات زبان سے نکالیں تو کہہ سکتے ہیں
کہ تالیفات کنتوری و جائسی شوستری و مجلسی کی کتابوں کا ترجمہ ہے اگر اخذ مضامین کو تالیفات میں سرقہ
کہا جائے یا ترجمہ قرار دیا جاوے تو متاخرین کی تمام کتابیں متقدمین کی کتابوں کا ترجمہ ہوں گی خود
آپ کی یہ تحریر جس کا میں جواب لکھ رہا ہوں تزہہ وغیرہ کا ترجمہ ہوگا و لم یقل بہ احد. لیکن جب نہ خدا
کا خوف ہو نہ اہل علم سے کچھ حیا و شرم ہو پھر جو دل چاہے فرمائیں. اور شکوک و اوہام کو علماء کرام سے
رفع کریں گے نسبت جو ارقام فرمایا تھا. نہایت تعجب ہے آپ کے علماء کرام تو خود ہی اپنے اصول
مذہب میں مبتلاء اوہام ہیں نہیں میں نے غلط کہا بلکہ یقیناً باطل سمجھتے ہیں اور بجز اعتراف کے
چارہ نہیں دیکھتے ولکن اختار و النار علی العار. اور یہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے حاشا کہ تمسخر اور ہزل کے
طور پر ہو جو کچھ عرض کیا ہے واقعی ہے اگر اس میں کوئی شک و شبہ ہو تو سنیئے کہ اسی خطبہ کے بابت
آپ کے نقیب ابوجعفر استاد فاضل مدائنی پابگل اور دست در بغل ہیں، چنانچہ خاتم المتکلمین نے
ازالۃ الغین میں لکھا ہے ودرین مقام اہل حق را البشارتہا دیگر ست، ہر حرفی از آن قصر میکم کہ
نقیب ابوجعفر استاد فاضل مدائنی کہ در کلام و ظرافت ید طولی دارد و در اثبات مثالب خلفاء
راشدین چہ سعی و کوشش بجائے آرد درین مقام علم بر آستان انداختہ و نقارہ برگشتہ نواختہ
زیرا کہ مدائنی در شرح خود بعد از عبارتیکہ کنتوری بر آن درین قول کمتفی شدہ میگوید کہ بنقیب گفتہ کہ تعریف
بحاضر وقتی درست می شود کہ مدح شخص ماضی مطابق نفس الامر بود و ہیچ شکی و ترددی پیرامون آن نگردد
چون جناب امیر باین اوصاف معترف شود غایت مدح خواہد بود کہ بالاتر از آن نباشد نقیب سر
بگریبان فرو بردہ و بعد از تامل گفت کہ راست میگوئی. انتہی. کنتوری چون این مطلب را باعث
رسوائی مذہب خود دانستہ بذکر آن نپرداختہ انتہی بلفظہ الشریف، عاقل میری گذارش کی تصدیق
فاضل مدائنی کے کلام سے بخوبی کر سکتا ہے اور معلوم کر سکتا ہے کہ اصول تشیع پر جب اصول
مذہب سے شکوک و اعتراضات رفع نہیں ہو سکتے تو ہمارے علماء کیا کر سکتے ہیں آخر فاضل
مدائنی کے شبہ کا جواب ان کے استاد سے بجز تسلیم کے کچھ نہ بن آیا. اگر توفیق خداوندی دونوں
استاد و تلمیذ کی رہبر ہوتی تو ذرا آگے بھی فکر فرماتے کہ جب یہ بات مسلم ہے کہ جناب امیر نے
یہ تعریف فرمائی اور اس تعریف سے بالاتر کوئی تعریف نہیں ہو سکتی کیونکہ مصداق و مثبت خلافت
راشدہ ممدوح ہوئے تو پھر کیوں ہم ایسے لوگوں کو برخلاف ارشاد جناب امیر کے بدتر از کفار اعتقاد
کریں اور کیوں راہ مستقیم کو اختیار نہ کریں اور کس واسطے بادیہ ضلالت میں پریشان پھریں لیکن توفیق

دستگیر نہ ہوئی اور آگے نہ سوچا سچ ہے. کذلک یطبع اللہ علی قلوب الذین لا یعلمون
اور جو کچھ آپ نے سید مہدی علی سلمہ کی نیچریت کی بابت لکھا اول تو اس کا آپ ثبوت دیجئے
ہمارے نزدیک اس کا کچھ ثبوت نہیں اور یہ محض دعوئے بے اصل ہے، دوسری یہ کہ سید احمد
خان صاحب کے دو اصول ہیں اول متعلق دنیا کے جو ان کی اصلی غرض ہے، دوسرے متعلق دین
و اعتقادات کے. جو اصل کہ ان کی متعلق دنیا کے ہے وہ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں اہل اسلام
باعتبار مال و دولت اور دنیاوی عزت و حرمت کے دوسری قوموں سے نہایت گرے ہوئے
اور پستی کی حالت میں ہیں جو ہر مسلمان کے نزدیک قابل افسوس ہے اور دنیاوی عزت و حرمت کا
حصول بدون اس کے ممکن نہیں کہ با مال دولت ہو یا مناصب جلیلہ پر فائز ہو اور نہایت بدیہی ہے
کہ مناصب جلیلہ کا حصول قطعاً علوم دنیاوی کے حصول پر اس وقت میں باسباب ظاہر موقوف ہے
اور حصول مال بھی یا حرمت و صناعت سے ہے یا تجارت و زراعت سے اور ان کی تحصیل بھی
مآل کار تحصیل علوم دنیاویہ پر موقوف ہوتی ہے تو اس لئے سید احمد خان صاحب کی رائے میں
نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کی بہبودی کے لئے یہ قرار پایا کہ علوم دنیاویہ کو ترقی دی جاوے
چنانچہ اسی بناء پر انہوں نے مدرسۃ العلوم کھولا اور اس میں انھوں نے وہ تعلیم جو آج کل دنیاوی
حیثیت سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم سمجھی جاتی ہے جاری کی اور اسی طرح سول سروس کے محرک سلسلہ
ہوئی اور سید احمد خان صاحب کی اس رائے کے ہزارہا مسلمان جو اہل اسلام کی دنیاوی ترقی کے
جوش کی آگ ان کے دلوں میں مشتعل تھی ممد و معاون ہو گئے اور ان کے گروہ میں داخل ہو گئے
اب ہم اس امر سے قطع نظر کر کے کہ بحیثیت دین کے تحصیل دنیا میں اس قدر کوشش و انہماک کرنا
اور دنیا کو دین سے زیادہ مہتم بالشان سمجھنا اور تحصیل دنیا کو تحصیل دین پر مقدم کرنا بجا ہے یا بے جا
دیکھتے ہیں تو کوئی شخص اس وقت اس امر میں مخالف نظر نہیں آتا کہ وہ بنظر اسباب ظاہری ان
وسائل کو دنیاوی ترقی مسلمانوں کا عمدہ ذریعہ نہ خیال کرتا ہوگا یہی وجہ ہے کہ صدہا اہل اسلام جو
دنیاوی ترقی کے خواہاں تھے ان کے حامی ہو گئے اور ہزارہا روپیہ فراہم ہو گیا. لیکن اس سے نہ وہ
کافر ہوئے اور نہ ملحد و اگر آپ کے نزدیک دنیا کی تحصیل کے اسباب میں کوشش کرنا باعث
کفر ہو تو آپ نے انگریزی ملازمت اختیار کر رکھی ہے جو تحصیل دنیا کا ایک ذریعہ ہے اور علاوہ
اس کے ہزارہا خواص و عوام شیعہ اس میں مبتلا ہیں اور بہت سے سید احمد خان صاحب کے ہی
حوارئین میں داخل ہوں گے. میں یقین کرتا ہوں کہ آپ ان کو اس درجہ ہرگز دائرہ اسلام سے خارج

نہ سمجھتے ہوں گے۔ اور ان کی دوسری اصل جو متعلق دین و اعتقادات کی ہے اس کی نسبت جس قدر ہم نے خبریں سنیں اور ان کے اعتقادات کی نسبت تحریرات لوگوں کی دیکھیں کہ سید احمد خان صاحب ضروریات دین کے منکر ہیں اگر یہ صحیح ہیں تو بے شک یہ مخالف اصول اسلام ہے لیکن ہم یقین کرتے ہیں کہ جس قدر لوگ سید احمد خان صاحب کے معتقد اور ان سے گرویدہ ہوتے ہیں اکثر ان کی دنیاوی اصل کی وجہ سے ہوتے ہیں اور ہرگز اعتقادات میں ان کے پیرو نہیں ہوتے۔ لیکن عرف میں عام طور پر بلا امتیاز و تفرقہ کے ہر کسی کو جو مدرسۃ العلوم کا حامی ہو گو وہ اعتقادات میں تابع سید احمد خان صاحب کے ہو یا نہ ہو سب کو نیچری کہہ دیتے ہیں تو کیا بعید ہے کہ سید مہدی علی صاحب سلمہ بھی صرف اصل اول دنیاوی کی وجہ سے ان کے معاون ہوں اور ان کے اعتقادات کے تابع نہ ہوں۔ اگر آپ کو اس امر کا یقین ہے کہ سید مہدی علی صاحب کے اعتقادات بھی سید احمد خان صاحب جیسے ہو گئے ہیں، تو آپ کسی دلیل سے ثابت کیجئے۔ قطع نظر اس سے ہم نے مانا کہ وہ اعتقادات میں بھی سید احمد خان صاحب کے تابع ہو گئے۔ اور قطعی طور پر وہ نیچری ہو گئے تو یہ کتاب آیات بینات تو انھوں نے نیچری ہونے سے پیشتر تالیف فرمائی تھی یہ کیوں ساقط الاعتبار ہو گئی۔ اور اگر بالفرض نیچری ہونے کے بعد ہی لکھتے تو بھی جب انھوں نے اہل حق کے نزدیک حق لکھا ہے تو ان کی تلون مزاجی اور تذبذب سے امر حق کیوں بے ٹھکانہ ہو گیا۔ یہ حضرت کی مناظرہ دانی اور خوش فہمی ہی نہیں بلکہ جواب دینے سے اغماض و گریز ہے۔

قولہ: ہاں آپ کے خاتم المتکلمین نے ازالۃ الغین میں یہ لکھا ہے اس کا جواب گذارش ہوتا ہے۔ اس قول کے جواب میں صرف یہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ جو آیات بینات والے نے حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کی نسبت لکھا ہے وہ ان کی ہی نسبت درست ہے۔

اقول: بیت،

تو کار زمین را نکو ساختی ۔۔۔ کہ با آسمان نیز پرداختی

حضرت کا ادعائے علم یہاں تک پہنچا کہ سید مہدی علی کے جواب سے آپ کو استنکاف ہوا اور خاتم المتکلمین کی تحریر کی حیثیت سے آپ جواب دہی پر کمر باندھیں چہ خوش استعداد کا وہ حال اور دعوے یہ کہ خیر بہت اچھا آپ جواب دیجئے کسی کے نام سے دیجئے معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے حضرت علامہ سچے ہیں یا ہمارے سید مہدی علی سلمہ۔

قال الفاضل المجیب. قولہ: اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ کمال الدین ابن میثم بحرانی نے

شرح نہج البلاغت میں لکھا ہے ان ارادتہ لابی بکر اشبہ من ارادتہ عمر الخ۔

اقول۔ آپ کے خاتم المتکلمین و صاحب آیات بینات کی خوش فہمی پر کمال تعجب ہے کہ جو عبارت مصدق قول جناب مفتی صاحب اعلاء اللہ مقامہ کی ہے اسی کو مکذب ان کے قول کا ٹھہراتے ہیں یہ عبارت تو نہایت صاف اور صریح اس بات میں ہے کہ حدیث علی میں لفظ فلان ہے لیکن ارادہ لفظ فلان سے کس کو کیا ہے آیا ابوبکر مراد ہے یا عمر مراد ہے جیسا کہ ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے یا کوئی شخص دیگر مراد ہے جیسا کہ ابتداء میں قطب راوندی علیہ الرحمۃ سے نقل کیا ہے پس غرض فاضل ابن میثم علیہ الرحمۃ کی اول نقل کرنے قول قطب راوندی سے یہ ہے اولا لانسلم کہ ابوبکر و عمر مراد ہے اور ثانیا علی التنزل اگر ابوبکر یا عمر مراد ہے تو ابوبکر مراد لینا بہتر ہے عمر کے مراد لینے سے اور وجہ اس کی بیان کی ہے پس یہ الزام ابن ابی الحدید کے رد کے لئے ہے نہ یہ کہ واقعی شارح اس قول کے قائل ہیں۔

خطبہ للہ بلاد فلان حسب تحقیق ابن میثم ابوبکرؓ یا عمرؓ کے حق میں ہے اور شرح کی عبارت اور اس کی تحقیق

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی۔ اے اہل انصاف و دانش ذرا ہمارے فاضل مجیب کے اس جواب کو دیکھو اور اس بحث کو ذرا متوجہ ہو کر سنو۔ سب سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن میثم کی شرح کبیر و صغیر سے پوری عبارتیں نقل کر دوں اور بعد اس کے گذارش کروں کہ فاضل مجیب نے اس کے موافق فرمایا ہے یا مخالف اور اہل عقل خود ہی سمجھ لیں گے علامہ ابن میثم اس خطبہ کی شرح کے متعلق اپنی شرح کبیر میں فرماتے ہیں جو مطبوعہ ایران ہے۔

اقول الاود العوج والعمد مرض وھو الشداخ داخل سنام البعیر من الحمل ونحوہ مع صحۃ ظاہرہ وقولہ للہ بلاد فلان لفظ یقال فی معرض المدح کقولھم للہ درہ وللہ ابوہ واصلہ ان العرب اذا ارادمدح شئ وتعظیمہ	میں کہتا ہوں اود کجی ہے اور عمد اونٹ کی کوہان کے اندر ایک بیماری ہوتی ہے جو بوجھ وغیرہ سے پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ ظاہر صحیح درست معلوم ہوتا ہے جس کو شداخ کہتے ہیں اور قولہ للہ بلاد فلان یہ لفظ مدح کے موقع میں بولا جاتا ہے جیسا بولتے ہیں للہ درہ اور للہ ابوہ اور اس کی اصل یہ ہے کہ عرب جب کسی شے کی تعریف و تعظیم

نسبوه الی الله تعالیٰ بهذا اللفظ وروی
لله بلاء فلان هی عمله الحسن فی
سبیل الله۔ والمنقول ان المراد بفلان
عمر وعن القطب الراوندی انه انما
اراد بعض اصحابه فی زمن رسول الله
ممن مات قبل وقوع الفتن وانتشارها و
قال ابن ابی الحدید ره ان ظاهر
الاوصاف المذکورة فی الکلام یدل
علی انه اراد رجلا ولی امر الخلافة
قبله لقوله الاود وداوی العمد ولم
یرد عثمان لوقوعه فی الفتنة و
تشعبها بسببه ولا ابا بکر لقصر مدة خلافته
وبعد عهده عن الفتن فکان الاظهر
انه اراد عمر واقول ان ارادته لابی بکر
اشبه من ارادته بعمر لما ذکره فی
خلافة عمر وصاحبه فی خطبته
المعروف بالشقشقیة کما سبقت الاشارة
الیه وقد وصفه بامور احدها تقویمه
الاود وهو کنایة عن تقویمه
اعوجاج الخلق عن سبیل
الله الی الاستقامة فیها الثانی
مداواة للعمد واستعار لفظ العمد
للامراض النفسانیة باعتبار
ستلزامها للاذی کالعمد ووصف
مداواة المعالجة تلک الامراض

کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو خدا کی طرف اس لفظ کے ساتھ
نسبت کرتے ہیں اور بعض روایات میں للہ بلاد فلان مروی
ہے اور بلاء سے ممدوح کے نیک کام خدا کی راہ میں مراد
ہیں منقول یہ ہے کہ لفظ فلان سے عمرؓ مراد ہیں۔ اور قطب
راوندی سے منقول ہے کہ لفظ فلان سے حضرت نے
اپنے بعض اصحاب کو مراد رکھا ہے رسول اللہ کے زمانہ میں
جو فتنوں کے واقع ہونے اور پھیلنے سے پہلے فوت ہو
چکا تھا۔ اور ابن ابی الحدید نے کہا کہ جو اوصاف کلام میں
ذکر کئے ہیں اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مراد ایسا شخص ہے
جو حضرت سے پہلے امر خلافت کا متولی ہوا بسبب آپ کے
قول قوم الاود اور داوی العمد کے اور عثمان کا تو اس کے فتنہ
میں پڑنے اور اس کے باعث سے فتنہ پھیلنے کے سبب
ارادہ نہیں کیا اور ابوبکر کو بھی اس کی مدت خلافت کی کوتاہی
اور فتنوں کے اس کے عہد خلافت سے بعید ہونے کے
سبب ارادہ نہیں کیا تو بہت ظاہر یہ ہے کہ عمر کو مراد رکھا
اور میں کہتا ہوں حضرت کا ابوبکر کو مراد رکھنا بنسبت عمر کے
ارادہ کے زیادہ مشابہ بحق ہے بسبب ان امور کے جن کا
واقع ہونا عمر کی خلافت میں اور مذمت کرنا خلافت کا ان
کے سبب سے اپنے اس خطبہ میں جو خطبہ شقشقیہ کے
نام سے مشہور ہے ذکر کیا ہے چنانچہ اس طرف اشارہ
گذر چکا اور بتحقیق اس کا چند امور کے ساتھ وصف فرمایا
ہے (۱) اس کا کجی کو سیدھا کرنا اور یہ اس کی مخلوق کی کجی کو سیدھا
کرنے اور اس کو استقامت اور رستے کی طرف پھیرنے سے کنایہ
ہے (۲) اس کا بیماری کا علاج کرنا اور لفظ عمد کو چونکہ وہ مثل
عمد کے تکلیف کو مستلزم ہے نفسانی بیماریوں کیلئے استعارہ کیا اور

بالمواعظة البالغة والزواجر القارعة القولیة
والفعلیة الثالثة اقامته السنة ولزومها
الرابع تخلیفه للفتنة ای موته قبلها و
وجه کون ذلک مدحا له هو اعتبار عدم
وقوعها بسببها وفی زمنه بحسن
تدبیره الخامس ذهابه نقی الثوب و
استعار لفظ الثوب لعرضه ولقاه لسلامته
عن دنس المذام السادس قلة عیوبه السابع
اصابة خیرها وسبق شرها والضمیر فی
الموضعین یشبه ان یرجع الی المعهود
مما هو فیه عن الخلافة ای اصاب
ما فیها من الخیر المطلوب وهو العدل
واقامة دین الله الذی به یکون
الثواب الجزیل فی الاخرة والشرف
الجلیل فی الدنیا وسبق شرها
ای مات قبل وقوع الفتنة فیها وسفک
الدماء لاجلها الثامن اداءه الی الله طاعته
التاسع اتقاؤه له بحقه ای ادی حقه
خوفا من عقوبته العاشر رحیله الی الاخرة
تارکا الناس بعده فی طرق متشعبة
من الجهالات لا یهتدی فیها من ضل
عن سبیل الله ولا یستیقن المهتدی فی
سبیل الله انه علی سبیله لاختلاف طرق
الضلال وکثرة المخالفین فیها والواو فی
قوله وترکهم للحال واعلم ان الشیعة

بسبب معالجہ کرنے ان امراض کے مواعظ بالغہ اور زواجر
قارعہ قولیہ اور فعلیہ کے ساتھ مداوات کو بیان کیا (۳)
اس کا سنت کو قائم کرنا اور اس کو لازم پکڑنا (۴) اس کا
فتنہ کو پیچھے چھوڑنا یعنی اس سے پہلے مرنا اور اس امر کے اس
کے لئے مدح ہونے کی وجہ وہ فتنوں کے نہ واقع ہونے کے سبب
سے ہے بسبب اس کے اس کے زمانہ میں بسبب اس کے حسن تدبیر
کے (۵) اس کا پاک دامن جانا لفظ ثوب کو اس کی آبرو کیلئے
اور اس کے پاک صاف ہونے کو مذمتوں کی میل کچیل سے
سلامتی کیلئے استعارہ کیا (۶) اس کا بے عیب ہونا (۷) اس کا
خلافت کی بھلائی کو پانا اور اس کی برائی سے گذر جانا اور
ضمیر دونوں جگہ مشابہ بحق یہ ہے کہ خلافت کی طرف جو معہود
ہے راجع ہے یعنی جو کچھ خلافت میں خیر مطلوب ہے اس کو
پایا اور وہ انصاف اور اللہ کے دین کا قائم کرنا ہے جس
کے سبب آخرت میں ثواب عظیم اور دنیا میں بڑی بزرگی حاصل
ہوتی ہے۔ اور خلافت کی برائی سے گذر گیا یعنی خلافت
میں فتنہ کے واقع ہونے اور اس کے سبب خونریزی سے
پیشتر وفات پا گیا (۸) اس کا اللہ کی بزرگی کو ادا کرنا (۹) اس
کا تقوی کرنا اللہ سے اس کے حق کے ساتھ (۱۰) اس کا لوگوں
کو جہالت کے پیچ در پیچ رستوں میں چھوڑ کر آخرت کی طرف کوچ
کرنا۔ جن میں جو شخص کہ اللہ کے رستہ سے گمراہ ہو راہ نہ
پا سکے اور خدا کے رستہ کا راہ یاب یقین نہ کر سکے
کہ وہ خدا کے رستہ پر ہے گمراہی کے رستوں کے
اختلاف اور ان رستوں کی طرف مخالفوں
کی کثرت کے سبب اور واو اس کے
قول وترکہم میں حالیہ ہے اور جان کہ شیعہ نے

قد اوردوا ههنا سؤالا فقالوا ان هذه الممادح التي ذكرها عليه السلام في حق احد الرجلين تنافي ما اجمعنا عليه من تخطئتهم واخذهما منصب الخلافة فاما ان لا يكون الكلام من كلامه عليه السلام او ان يكون اجماعنا خطاء ثم اجابوا من وجهين احدهما لا نسلم التنافي المذكور فانه جاز ان يكون ذلك المدح منه عليه السلام على وجه استصلاح من يعتقد صحة خلافة الشيخين واستجلاب قلوبهم بمثل هذا الكلام الثاني انه جاز ان يكون مدحه ذلك لاحدهما في معرض توبيخ عثمان بوقوع الفتنة في خلافته واضطراب الامر عليه واستيثاره ببيت مال المسلمين هو وبنو ابيه حتى كان ذلك سببا لثوران المسلمين من الامصار اليه وقتلهم ونبه على ذلك بقوله وخلف الفتنة وذهب نقي الثوب قليل العيب اصاب خيرها وسبق شرها وقوله وتركهم في طرق متشعبة لان مفهوم ذلك ان الوالي بعد هذا الموصوف قد اتصف باضداد هذه الصفات والله اعلم. انتهى بلفظه۔

اس جگہ سوال وارد کیا ہے کہتے ہیں کہ یہ مدح جو حضرت علیہ السلام نے دو شخصوں (ابوبکر یا عمر) کے حق میں فرمائی ہے اس کے مخالف ہے جس پر ہم نے ان کو خطا کی طرف نسبت کرنے اور منصب خلافت کے چھیننے سے اجماع کیا ہے تو یا تو یہ کلام حضرت علیہ السلام کے کلام نہیں یا یہ کہ ہمارا اجماع باطل ہے پھر اس کا انھوں نے دو طرح پر جواب دیا ہے ایک تو یہ کہ ہم مخالفت مذکورہ تسلیم نہیں کرتے کیونکہ جائز ہے کہ یہ مدح حضرت علیہ السلام سے اس جیسے کلام کے ساتھ معتقدین صحت خلافت شیخین کی صلح جوئی اور ان کے دلوں کے کھینچنے کے طور پر صادر ہوئی ہو دوسری یہ کہ اس کی یہ تعریف ایک ان دونوں کی نسبت عثمان کے توبیخ کے مقام میں ہو بسبب واقع ہونے فتنوں کے اس کی خلافت میں اور مضطرب ہونے امر کے اس پر اور بسبب لینے اس کی اور اس کے باپ کی اولاد کے بیت المال کو یہاں تک کہ یہ اس کی طرف شہروں سے مسلمانوں کی برانگیختگی اور اس کے قتل کا سبب ہوا اور اس پر متنبہ کیا اپنے اس قول سے وخلف الفتنۃ ذہب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرہا وسبق شرہا اور اس قول سے وترکہم فی طرق متشعبۃ الخ بالتحقیق اس کا مفہوم ان عف یہ ہے کہ اس موصوف کے بعد جو خلیفہ ہے وہ ان صفات کے اضداد کے ساتھ متصف ہے واللہ اعلم۔

یہ تو حضرت ابن میثم نے اپنی شرح کبیر میں تحریر فرمایا ہے۔ اب شرح مختصر کی عبارت بھی سن لیجئے۔

قوله لله بلاء فلان لله بلاد فلان لله دره

جس کہتے ہوں ہوتے ہیں لله بلاد فلان جس طرح کہتے ہیں

ولله البلاد وهي كلمة مدح قيل اراد به مدح عمر وقيل بعض الصحابة ممن جاهد في دين الله والاود الاعوجاج والعمد مرض يأخذ الابل في اسنمتها وهو مستعار لامراض القلوب ومداواتها بالزواجر القولية والفعلية ونقاء ثوبه كناية عن طهارته من المطاعن والضمير في خيرها وشرها للخلافة وان لم يجر ذكرها لكونها معهودة او لتقدم ذكرها والطرق المتشعبة طرق الفتنة انتهى بلفظه۔

لله درہ اور لله ابوہ اور یہ مدح کا کلمہ ہے کہا گیا ہے کہ حضرت نے اس سے عمر کی مدح کا ارادہ کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ بعض صحابہ کو جنھوں نے اللہ کے دین میں جہاد کیا تھا ارادہ کیا ہے اور اود کجی ہے اور عمد بیماری ہے جو اونٹوں کی کوہانوں میں پیدا ہو جاتی ہے اور دلوں کی بیماریوں کے لئے مستعار ہے اور انکا علاج قولی اور فعلی زواجر کے ساتھ ہے اور کپڑے کی ستھرائی صفائی اس کی مطاعن سے پاکدامنی سے کنایہ ہے اور ضمیر خیرہا اور شرہا میں خلافت کی طرف ہے اگرچہ اس کا ذکر نہیں آیا بسبب اس کے معین ہونے یا اس کے ذکر کے مقدم ہونے کے اور پراگندہ رستے فتنوں کے رستے ہیں۔

اب ہم بعد نقل عبارات علامہ ابن میثم بحرانی، اہل انصاف سے امید کرتے ہیں کہ خدا کیلئے تھوڑی سی تکلیف گوارا فرما کر تحفہ اثنا عشریہ کے اس مقام کو جو اس خطبہ کے متعلق ہے جس کی یہ عبارت مذکورہ شرح ہی ملاحظہ فرماویں اور بعد اس کے اس کا جواب جو کچھ علامہ کنتوری نے تحریر فرمایا ہے بغور دیکھیں اور فرماویں کہ علامہ موصوف کا جواب صحیح ہے یا غلط، اس کا بیان مفصل تو مقتضی تطویل کو ہے مگر ہم مختصراً واسطے رفع انتظار سامعین کے اس کو لکھتے ہیں تاکہ علامہ کنتوری کا پایہ علم و تدین اور حضرت مجیب کا مبلغ فہم و انصاف واضح ہو جاوے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے اول خلاصہ مطالب اس خطبہ کا نہایت اختصار کیساتھ بیان کروں پس واضح ہو کہ ابن میثم کی اس شرح سے چند امور حاصل ہوتے (۱) تعیین مبہم لفظ فلان میں چند اقوال نقل کئے۔ اول سب سے یہ لکھا کہ منقول یہ ہے کہ لفظ فلان سے مراد عمر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جب مطلق منقول ہونا بیان کیا ہے تو یہ مراد یا تو منقول اصل مصنف شریف رضی جامع نہج البلاغت سے ہے، چنانچہ علامہ کنتوری نے مفتاح الکنوز الخفیہ سے جو حاشیہ منہیہ تحفہ اثنا عشریہ کا شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے ہے نقل کیا ہے کہ شارح ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ فخار کہتا تھا کہ میں نے اس نسخہ میں جو بخط رضی تھا لفظ فلان کے نیچے عمر لکھا ہوا دیکھا۔ علامہ کنتوری کی عبارت یہ ہے۔ و نیز این قول از منقول ست بانچہ خود در حاشیہ آن از شرح ابن ابی الحدید ترجمۂ تلقین بخلافت اصحاب ثلثہ ست نقل کردہ و ہذہ عبارتہ۔

وفلان المکنی عنہ عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ وقد وجدت النسخۃ التی
بخط الرضی ابی الحسن جامع نہج البلاغت
وتحت فلان عمر حدثنی بذلک فخار بن
معد الموسوی الادیب الشاعر وسألت
عنہ النقیب اباجعفر یحیی بن ابی زید العلوی
فقال لی ہو عمر فقلت لہ اثنی علیہ امیر المومنین
ھذا الثناء فقال نعم،

یہ لفظ فلان کا مکنی عنہ عمر بن خطاب ہے اور پایا میں
نے نسخہ ابو الحسن رضی جامع نہج البلاغت کے خط کا اور
لفظ فلان کے نیچے لفظ عمر تھا حدیث کی مجھ سے
فخار بن معد موسوی ادیب شاعر نے
اور ابو جعفر یحیے بن ابی زید علوی نقیب سے
میں نے اس کو پوچھا تو اس نے مجھ کو کہا کہ وہ
عمر ہے میں نے اس کو کہا کہ امیر المومنین نے اس قدر اس
کی ثنا کی اس نے کہا ہاں ،

واین قول ابن ابی الحدید کہ متضمن آنست کہ فخار بن معد موسوی باو روایت کرد کہ در نسخہ نہج البلاغت کہ بخط سید رضی بود تحت لفظ فلان لفظ عمر بود اگرچہ قول ناصبی را کہ متضمن بودن لفظ ابی بکر ست نقض میکند لیکن تصحیح میکند مذہب او را کہ مدح عمر باشد انتہی بقدر الحاجۃ، تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابن میثم نے جو مطلق منقول ہونا لفظ فلان سے عمر لکھا ہے تو شاید منقول اصل مصنف سے مراد ہے یا یہ کہ یہ منقول علماء مذہب سے یا منقول ائمہ سے ہے بہر کیف کسی سے منقول ہو، علامہ کے نزدیک یہ نقل قابل اعتماد و وثوق ہے، دوسرا قول قطب راوندی کا نقل کیا اور فرمایا کہ منقول قطب راوندی سے یہ ہے کہ مراد لفظ فلان سے بعض اصحاب ہیں جو حضرت کے زمانہ میں وقوع فتن سے پہلے وفات پا گئے، اور یہ قول شارح ابن میثم کے نزدیک قابل اعتماد نہیں چنانچہ ہم اس کو ثابت کریں گے تیسرا قول ابن ابی الحدید کا نقل کیا اور فرمایا کہ ابن ابی الحدید رح نے فرمایا ہے کہ کلام جناب امیر میں اوصاف عشرہ مذکورہ ظاہر طور پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت کی مراد مدح ایسے شخص کی ہے جو حضرت سے پہلے ولی امر خلافت ہوا کیونکہ تقویم اعوجاج اور مداواۃ امراض بدون خلافت متصور نہیں اور وہ تین شخص ہیں ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ لیکن عثمان مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے سبب سے تشعب و انتشار فتن ہوا اور وہ فتنہ میں واقع ہوئے اور ابو بکر مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی مدت خلافت بہت تھوڑی تھی اور ان کا زمانہ فتن سے بعید تھا تو اظہر یہ ہے کہ مراد عمر ہیں (۲) علامہ ابن میثم کے نزدیک یہ تو مسلم تھا کہ موصوف ان اوصاف کا وہ شخص ہی ہے جو حضرت امیر سے پہلے ولی امر خلافت ہوا جیسا کہ ابن ابی الحدید لکھتا ہے اور یہ بھی فیما بین شارح ابن میثم اور ابن ابی الحدید کے متفق علیہ ہے کہ عثمان مراد نہیں ہے اور یہ بھی باہم

متفق علیہ ہے کہ احد الشیخین ممدوح ان مدائح عالیہ کے ہیں لیکن تعیین میں اختلاف ہے کہ دونوں میں سے کون مراد ہیں، ابن ابی الحدید کہتا ہے اظہر یہ ہے کہ عمر مراد ہیں کیونکہ صدیق بسبب قصر مدت اور بعد عن الفتن کے مراد نہیں ہو سکتے، شارح ابن میثم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں کہتا ہوں جناب امیرؓ کا ان اوصاف کے لئے ابو بکرؓ کو ارادہ فرمانا بہ نسبت عمر کے اشبہ بحق ہے کیونکہ جناب امیر نے خطبہ شقشقیہ میں ان امور کے جو خلافت عمرؓ میں واقع ہوئے مذمت کی ہے تو پھر ان اوصاف عالیہ کے مصداق وہ خلافت و خلیفہ نہیں ہو سکتے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خطبہ شقشقیہ میں خلافت صدیقی کی نسبت ایسی مذمت نہیں فرمائی جو معارض ان اوصاف کے ہو، پس ابن میثم کی اس تقریر سے واضح ہوا کہ جو قطب الاقطاب شیعہ نے منصوبہ گھڑا تھا وہ اس کے نزدیک قابل اعتبار نہیں اور اس کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ لفظ فلان سے خلیفہ مراد ہے اور خلفاء میں بھی راجح خلیفہ صدیقؓ مراد ہیں (۳) بعد تعیین مبہم کے علامہ موصوف نے اوصاف عشرہ کو ایک ایک کر کے گنا اور بشرح و بسط سب کو بیان کیا (۴) شرح اوصاف میں اس امر کو واشگاف کر دیا کہ موصوف ان صفات کا بجز خلیفہ کے دوسرا کوئی شخص موصوف ان صفات کا نہیں ہو سکتا، کیونکہ بعض اوصاف کے مطلب کو اس طرح بیان کیا کہ جن کا مصداق خلیفہ ہی ہو سکے، اول قوم الاود کے معنی کو بیان کیا کہ ھو کنایۃ عن تقویمہ اعوجاج الخلق عن سبیل اللہ الی الاستقامۃ فیہا یعنی تقویم اود کے کنایہ ہے خلق کے کجی کو خدا کی راہ سے سیدھا کرنا اور راستے کی طرف لانا اور ظاہر ہے کہ یہ مخصوص خلیفہ ہی کے ساتھ ہے، دوسرا وصف مداوات امراض نفسانیہ کے مواعظ بالغہ اور زواجر قارعہ قولیہ فعلیہ کے ساتھ یہ بھی امام ہی کے ساتھ مختص ہے، تیسرا سنت کا خلق میں قائم کرنا اور خود بھی اس پر عمل کرنا خلیفہ ہی کا کام ہے، چوتھا اس کی حسن تدبیر سے فتن کا واقع نہ ہونا امیر کا ہی منصب ہے ساتواں وصف اصابۃ خیرہا و سبق شرہا شارح کہتا ہے کہ دونوں ضمیریں خیرہا اور شرہا میں خلافت کی طرف راجع ہیں اور اصاب خیرہا سے مراد یہ ہے کہ اس نے حاصل کیا اس چیز کو جو خلافت میں مقصود ہے یعنی اس نے عدل و انصاف کیا اور خدا تعالے کے دین کو قائم کیا جس کے سبب سے ثواب جزیل آخرت میں اور شرف جلیل دنیا میں حاصل ہوتا ہے اور سبق شرہا سے مراد یہ ہے کہ پہلے اس سے کہ خلافت میں فتن واقع ہوں اور خلافت کی وجہ سے خون ریزی ہو فوت ہو گیا یعنی اس کی خلافت میں کوئی فتنہ نہیں ہوا اور خلافت ظلم و عدوان سے پاک صاف رہی، اب بعد اس شرح و بسط کے ایسا کون شخص ہے جس کو اس میں تامل ہو گا کہ علامہ ابن میثم کے نزدیک صحیح یہ

ہی ہے کہ موصوف ان اوصاف کا وہ شخص ہے جو جناب امیر سے پہلے متولی امر خلافت ہوا
اور کس کو یہ تصریحات دیکھ کر اس میں شک باقی رہے گا کہ ابن میثم کے نزدیک قطب راوندی کا قول
غلط ہے شرح اوصاف مذکورہ سے مثل آفتاب روشن ہو گیا کہ ابن میثم کی رائے میں لفظ فلان
مراد احد من الشیخین سے ہے اور قطب راوندی کا قول ہر قابل اعتبار کے نہیں (۵) بعد شرح اوصاف
کے جب ابن میثم نے سمجھا کہ موصوف ان صفات کا لامحالہ احد الخلیفتین قرار پاتے اور ان کے ان اوصاف
کے ساتھ موصوف ہونے سے مذہب تشیع درہم برہم ہوا جاتا ہے تو اس نے اس کو سوال و جواب
کے پیرایہ میں اس مضمون کو ادا کیا اور کہا کہ اس جگہ شیعہ نے سوال وارد کیا ہے وہ یہ کہ یہ تعریف و
توصیف جو جناب امیر نے ابوبکر یا عمر کی فرمائی ہے ہمارے اس اجماع کے مخالف ہے جو کہ ہم نے
ان کی نسبت غصب خلافت اور تخطیہ میں منعقد کر رکھا ہے۔ پس یا تو یہ کلام جناب امیر کا کلام نہیں
ہے یا ہمارا اجماع و اتفاق غلطی اور خطا پر ہے اس کے بعد اس کے جواب نقل کئے۔ لیکن چونکہ شارح
کی رائے میں قابل اعتبار نہ تھی اس لئے ان کو شیعہ ہی کی طرف منسوب کر کے اور شیعہ کی گردن پر دھر
کر فرمایا کہ شیعہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ جائز ہے کہ جناب امیر
نے یہ تعریف و توصیف معتقدین صحت خلافت شیخین کی اصلاح اور ان کے قلوب کو اپنی طرف
کھینچنے کی غرض سے فرمائی ہو دوسرا جواب یہ ہے کہ جائز ہے کہ یہ مدح ترجیح عثمان کی غرض سے
بطور تعریض بیان فرمائی ہو کہ ان کے ایام خلافت میں فتنے اٹھے حاصل یہ ہوا کہ جو شخص موصوف بہذہ
الصفات کے بعد متولی خلافت ہوا وہ ان صفات کے اضداد کے ساتھ متصف ہے۔ اہل علم و دانش
و عقل و انصاف ان جوابوں کو معلوم کر سکتے ہیں کہ غلط ہیں یا صحیح اور ان سے شبہ رفع ہو سکتا ہے
یا نہیں افسوس کہ ہم کو اختصار مد نظر ہے اور خوف تطویل دامن گیر ورنہ ہم ان جوابوں کے اور ان کے
قائلین کے بدلائل قلعی کھولتے۔ بہرکیف اگر غور ہو تو اس سوال و جواب سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ
شارح بحرانی کے نزدیک یہ ممدوح [illegible] احد الخلیفتین کے ساتھ ہے اور اس سے یہ بھی ثابت
ہوا کہ یہ سوال بھی امامیہ بلکہ اثنا عشریہ کی طرف سے ہے اور جواب بھی انھیں کی طرف سے ہے
کیونکہ قاعدہ ہے جب مطلق شیعہ بولا جاتا ہے تو اس سے فرقہ اثنا عشریہ مراد و علی الخصوص جبکہ
[illegible] خود شیعی اثنا عشری ہے [illegible] وقت قطعاً لفظ شیعہ کے اطلاق سے اثنا عشریہ مراد
[illegible] تو اس سے بخوبی ثابت ہو [illegible] الخلیفتین کا ممدوح جناب امیر با این اوصاف عشرہ و عالیہ ہونا
[illegible] اور جوابات کا [illegible] ہے جب [illegible]

کی شرح جو ابن میثم نے فرمائی ہے دیکھ چکے اور اس کی شرح الشرح جو بطور بیان مطالب ہم نے
گذارش کی تھی وہ بھی ملاحظہ فرما چکے تو اب تھوڑی سی گذارش یہ بھی سن لیجیے کہ خاتم المحدثین صاحب
تحفہ اثنا عشریہؒ نے اس کی نسبت جو کچھ تحریر فرمایا ملخصاً اس کو بھی ملاحظہ فرمایئے اور اس کے جواب
میں علامہ کنتوری نے جو کچھ زبان درازی اور ہٹ دھرمی اور حق پوشی جوش عناد و تعصب میں فرمائی
اس کو بھی ذرا توجہ فرما کر دیکھیے بعد اس کے للہ انصاف سے فرمائیں کہ علامہ کنتوری کا فرمانا حق و صواب
ہے یا محض حق پوشی و معاداۃ اصحاب ہے۔ علامہ موصوف بجواب تحفہ فرماتے ہیں (قولہ) ولہذا شارحین
نہج البلاغت از امامیہ در تعیین فلان اختلاف کردہ اند بعضی گفتہ اند کہ مراد ابوبکر است و بعضے گفتہ اند
عمر الخ۔ (قولنا) ان ہذا الا افک مبین ازین ناصبی باید پرسید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابوبکر
یا عمر است و حال آنکہ قبل از ابن ابی الحدید غیر از قطب راوندی کسی بشرح این کتاب شریف نہ پرداختہ
چنانچہ ابن ابی الحدید در اول شرح خود گفتہ۔ ولم یشرح ہذا الکتاب قبلی فیما اعلم الا واحد
وہو سعید بن ہبۃ اللہ بن الحسن فقیہ المعروف بالقطب الراوندی و
کان من فقہاء الامامیۃ [illegible] ناظرین اس عبارت کو جو کنتوری نے لکھی، ذرا شرح
ابن میثم کی عبارت سے مطابق کریں اور پھر کنتوری صاحب کے دین و دیانت کا تماشا دیکھیں
اور علامہ کنتوری نے جو عبارت کہ لفظاً حالانکہ سے لکھی ہے اس کا مطلب تو اولیاء دولت ہی
سمجھے ہوں گے کہ ان کے علامہ یہ کیا بے تکی فرمانے لگے (قولہ) درین عبارت سراسر بشارت ابوبکر را
بدہ وصف موصوف نمودہ الخ (قولنا) ثبت العرش ثم انقش [illegible] اول این معنی باثبات باید رسانید
کہ مراد از لفظ فلان درین کلام ابوبکر است بعد از آن باین اوصاف اثبات فضل ابوبکر باید نمود (قولہ)
عمدہ توجیہات نزد ایشان آنست کہ آنجناب گاہ گاہ اوصاف و مدائح شیخین بنا بر انجذاب قلوب
ناس و استمالت رعایائے خود کہ خیلی معتقد حسن سیرت شیخین و انتظام امور دین در عہد ایشان
بودند میفرمود (قولنا) این ادعا کذب محض است احتیاج این توجیہات شیعہ را وقتے افتاد کہ در کتب
شیعہ بجائے لفظ فلان لفظ ابوبکر موجود می بود و چون لفظ ابوبکر در کتب شیعہ موجود نیست ایشان
را احتیاج ہیچیک از توجیہات نیست پس آنچہ ناصبی بعد تقریر این توجیہات از ہذیانات خود سر کردہ
از [illegible] (قولہ) و بعضی از امامیہ چنین گفتہ کہ غرض
حضرت امیر ترجیح عثمان و تعریض بر وے بود کہ بر سیرت شیخین نرفت و فتنہ و فساد در زمان او بسیار
واقع شد [illegible] از امامیہ این توجیہ [illegible] ابی الحدید در شرح این کلام این مقالہ را بطرف

جارودیہ کہ از فرق زیدیہ است نسبت دادہ چنانچہ گفتہ و اما الجارودیۃ من الزیدیۃ فیقولون انہ کلام قالہ فی امر عثمان اخرجہ مخرج الذم لہ والنقص لاعمالہ الخ

خطا ہی خطا

اب اہل دانش و انصاف سے اتنی التماس ہے کہ حضرت کنتوری صاحب کے ان اقوال کو شرح ابن میثم سے ملا کر دیکھیں پھر اگر خود حضرت کنتوری کا ہی فرمانا محض کذب اور افک مبین ہو تو ان کی دیانت و انصاف پر فاتحہ خیر پڑھیں، بعد اس کے جو کچھ ہمارے فاضل مجیب نے انصاف کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر علامہ کنتوری کے اقوال کاذبہ کی تصدیق کی ہے اس کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ اول فرماتے ہیں کہ عبارت ابن میثم کی مصدق قول مفتی صاحب کے ہے اور اس سے صاف و صریح معلوم ہوتا ہے کہ حدیث علی میں لفظ فلاں سے "حضرت مجیب جواب تو لکھنے بیٹھے مگر یہ خبر نہیں کہ کس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں اور کس دلیل کو باطل کر رہے ہیں یہ کس نے کہا ہے کہ یہ دلیل اس امر کے ثبوت کے لئے ہے کہ حدیث میں بجائے لفظ فلاں کے لفظ ابو بکر ہے پس آپ بھی اپنے علامہ کنتوری کی طرح بے تکی فرمانے لگے اور اگر یہ اس کی بھی دلیل ہے تو بانضمام اس کے ہے کہ جب فاضل متبحر کے نزدیک اشبہ بحق یہ ہوا کہ لفظ فلاں سے مراد ابو بکر ہیں اور ظاہر ہے کہ جناب امیر جیسا فصیح و بلیغ ہرگز ایسی عبارت مبہم نہیں کہہ سکتا کہ اس کو آپ کے قطب الاقطاب جیسے دین و دیانت والے غیر محل پر محمول کریں اور مقصود سے بعید لے جاویں تو اس صورت میں مجیب کے کلام جواب کی صلاحیت نہیں رکھتے، دوسری خطا یہ کہ فرماتے ہیں کہ لیکن ارادہ لفظ فلاں سے کس کو کیا ہے۔ آیا ابو بکرؓ مراد ہے یا عمرؓ مراد ہے۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید سے نقل کیا ہے۔ ہرگز ابن ابی الحدید سے ابن میثم نے نقل نہیں کیا ہے کہ ابو بکر مراد ہے یا عمر، بلکہ یہ نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مراد خلیفہ ہے لیکن عثمان مراد نہیں ہو سکتا اور ابو بکر بھی مراد نہیں ہو سکتے تو عمر مراد ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی مثل اپنے علامہ کنتوری کی شرح ابن میثم کو ملاحظہ نہیں کیا۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ فرماتے ہیں یا کوئی شخص دیگر مراد ہے جیسا کہ ابتداء میں قطب راوندی سے نقل کیا ہے یہ بھی محض کذب ہے ہرگز ابتداء میں قطب راوندی کا قول نقل نہیں کیا بلکہ اول اس نے لکھا ہے والمنقول ان المراد بفلان عمر۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شرح ابن میثم کو نہیں دیکھا اور اگر ابتداء اضافی مراد ہے تو قطع نظر اس سے کہ مفید نہیں عبارت خود کی مخالف ہے۔ چوتھی خطا یہ

ہے کہ فرماتے ہیں کہ غرض ابن میثم کی اول نقل کرنے قول قطب راوندی سے یہ ہے کہ اولاً انسلم کہ ابو بکر و عمر مراد ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک اولیۃ اور ابتداء حقیقی مراد ہے نہ اضافی حالانکہ یہ محض دروغ ہے چنانچہ ہم عرض کر چکے کہ قطب راوندی کا قول ابن میثم نے ابتداء میں نقل نہیں کیا، علاوہ ازیں صرف نقل اقوال سے یہ غرض پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی دلیل دلالت نہ کرے اور دلیل میں جب نظر کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے اور موید ہے کہ قول ابن ابی الحدید کا صحیح ہے اور قول قطب راوندی غلط کیونکہ قول ابن ابی الحدید ایسی مستحکم دلیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کا رفع ہونا محال ہے وہ یہ کہ اوصاف مذکورہ صاف دال ہیں کہ موصوف ان صفات کا کوئی ایسا شخص ہے جو جناب امیر سے پیشتر متولی امر خلافت ہوا اور یہ امر اوصاف سے ایسا واضح ہے کہ ہر شخص جس کو ذرا سی بھی فہم ہوگی سمجھ لے گا کہ سوائے خلیفہ کے کوئی دوسرا شخص موصوف ان صفات کا نہیں ہو سکتا چنانچہ ہماری شرح اوصاف سے بخوبی ثابت ہے اور قول قطب راوندی کا اس درجہ ابہام و اہمال میں ہے کہ کوئی عاقل اس کو قبول و تسلیم نہیں کر سکتا اول تو خود اوصاف ہی اس سے ابا کرتے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ جناب امیر اس کو بطور کنایہ بیان فرماویں اور نہ ایسا شخص جو ایسے اوصاف کے ساتھ متصف ہو اس قدر گم نام ہو سکتا ہے کہ اس کو کوئی نہ جانے اور آپ کے قطب صاحب بھی بس اسی قدر فرماویں کہ کوئی شخص صحابہ میں سے تھا جو قبل وقوع فتن وفات پا گیا، اس سے تو بہتر یہ تھا کہ آپ کے قطب الاقطاب و غوث الاغواث آپ کے صحابہ مقبولین میں سے مثل مقداد و عمار و ابوذر وغیرہ کے کسی کا نام فرما دیتے اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ابن میثم کے نزدیک قطب راوندی کا قول قابل اعتبار نہیں، پس ایسے مہمل قول کو بلا دلیل دوسرے اقوال مدلل کا مبطل سمجھنا ہمارے فاضل مجیب ہی کے شایان شان ہے، معہذا اگر اول بیان کرنا کسی قول کا دلیل اس امر پر ہو کہ اقوال لاحقہ باطل ہیں تو سب سے اول ابن میثم نے لکھا ہے والمنقول ان المراد بفلان عمر، تو حسب قاعدہ مسلمہ مجیب کے لازم آتا ہے کہ یہ قول اس غرض سے ابن میثم نے اول بیان کیا ہو کہ تغلیط و تکذیب قطب راوندی کی فرما دے اور فی الواقع ایسا ہی ہے کہ مقصود تکذیب راوندی ہے کیونکہ بعد اس کے پہلے قول کا موید ابن ابی الحدید سے نقل کیا تو قطع نظر اس سے کہ اول بیان کیا تھا کہ مراد لفظ فلاں سے عمر ہے جو مبطل قول راوندی تھا اس کے موید دوسرا قول ابن ابی الحدید کا نقل کیا تو دو نقلیں اس پر متفق ہو گئیں کہ مراد عمر ہے اور قطب راوندی کا قول قطعاً باطل ہوا، پانچویں خطا یہ ہے کہ اعتراف کیا ہے کہ ابو بکر یا عمر کا مراد ہونا علی سبیل التنزل ہے حالانکہ کوئی قرینہ اس سے

تنزلی ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ سابق میں کوئی قول جو اس امر پر دلالت کرتا ہو کہ مراد ابوبکر ہی نہیں ہے بلکہ اقوال سابقہ یا اس امر پر دال ہیں کہ مراد عمر ہیں اور یا اس پر دلالت کرتے ہیں کہ رجل من الصحابہ مراد ہے دو قول امر اول پر دال ہیں اور ایک قطب راوندی کا قول امر ثانی پر پس یہ کہنا کہ ابن میثم نے علی سبیل التنزل کہا ہے سراسر غلط ہے بھیٹی خطا یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ ابن میثم نے یہ قول الزاماً ابن ابی الحدید کے رد کے لئے لکھا ہے نہ یہ کہ واقعی شارح اس قول کے قائل ہیں کیونکہ جیسا اس قول سے ابطال قول ابن ابی الحدید ہوا اس سے زیادہ تردید قول آپ کے قطب الاقطاب کی ہوئی جو بزعم جناب شارح کے پسندیدہ تھا اس لئے کہ جو خرابی و مصیبت کہ مذہب تشیع پر عمرؓ کے مراد ہونے سے واقع ہوتی ہے وہ ہی مصیبت و خرابی ابوبکر کے مراد ہونے سے واقع ہو گی اور وہ مثل مشہور صادق آ گئی فر من المطر و وقف تحت المیزاب تو یہ عجب الزام ہے کہ جو الزام ابن ابی الحدید کو دیا تھا وہ اپنے سر پر لے لیا اگر بالفرض ابن ابی الحدید کو الزام دینا تھا تو راوندی کے قول کی دلیل کے ساتھ تائید کرتے اور اس کو درجہ اجمال سے نکالتے علاوہ ازیں اگر شارح نے یہ قول محض الزاماً فرمایا ہے اور خود اس کا قائل نہیں ہے تو پھر شرح اوصاف میں کیوں ان معنی کو ملحوظ رکھا اور کیوں ان کے ہی موافق شرح کی اور اثناء شرح میں راوندی کے قول کی طرف کیوں اشارہ تک بھی نہ کیا پھر بعد اس کے جو سوال لکھا وہ بھی اسی قول کے موافق لکھا اور جو جوابات دیئے وہ بھی اسی قول مطابق تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ شارح کے نزدیک راوندی کا قول تو قطعاً غلط ہے پس مراد لفظ فلان سے کوئی خلیفہ ہے اور وہ شارح کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ابوبکر ہے قطع نظر اس سے ابن میثم نے اپنی مختصر شرح میں جو شرح کبیر کے بعد ۶۸۱ھ میں تالیف کی ابن ابی الحدید کے اور اپنے قول کو ترک کر دیا اور صرف یہ لکھا قیل اراد بہ مدح عمر و قیل بعض الصحابۃ ممن جاہد فی دین اللہ اور اس میں بھی پہلے اسی قول کا ذکر کیا جو موافق ابن ابی الحدید کے تھا تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ باعتبار نقل کے ابن ابی الحدید کا قول نہایت قوی ہے لیکن عقل کی رو سے راجح یہ تھا کہ مراد ابوبکر ہوں جس کو شرح کبیر میں بعد نقل قول ابن ابی الحدید ذکر کیا لیکن چونکہ قوت نقل کو رجحان ہے اس لئے مختصر میں اس کو ترک کر دیا اور ابن ابی الحدید کے قول کو مختصر ذکر کیا سو یہ کہنا کہ شارح نے یہ قول [illegible] فرمایا ہے نہ یہ کہ خود اس کا قائل ہو سراسر خرافات ہے سیاق عبارت صریحاً اس کی مکذب [illegible] دیکھا تھا [illegible] تو دیکھی۔

[illegible] جو وجہ عدم تعیین [illegible] وہ ابوبکر پر بھی

صادق ہے یعنی حضرت امیر نے خطبہ شقشقیہ میں اگر عمرؓ کی مذمت کی ہے تو ابوبکر کی بھی مذمت کی ہے۔

شیعہ اعتراض کے باطل ہونے کا بیان

اقول: ابن میثم نے جو وجہ عدم تعیین فلان کی بیان کی ہے اور اس کو وجہ ترجیح ابوبکرؓ قرار دی ہے اگر بالفرض وہ عمرؓ پر بھی صادق آتی ہے تو وہ وجہ باطل ہے اور وہ ہرگز وجہ ترجیح کے نہیں ہو سکتی اور جب وہ باطل ہوئی اور وجہ ترجیح نہیں ہو سکتی تو اس کا الزام ہونا بھی باطل ہوا کیونکہ جو دلیل فی نفسہ باطل ہو وہ کیا الزام کی صلاحیت رکھ سکتی ہے پھر اس کی نسبت ہمارے فاضل کا یہ فرمانا کہ یہ الزاماً ابن ابی الحدید کے رد کے لئے ہے اور اس کے غلط ہونے کو اس کے الزام ہونے کی دلیل قرار دینا حضرت کی کمال ہی خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں خطبہ شقشقیہ کے دیکھنے سے واضح ہے کہ خطبہ شقشقیہ میں ابوبکر صدیقؓ کے ان امور کی نسبت جو خلافت میں واقع ہوئے مذمت مذکور نہیں ہے اور عمر فاروقؓ کی نسبت بعض امور کی شکایت مذکور ہے تھوڑی سی عبارت خطبہ شقشقیہ کی بھی ملاحظہ ہو۔

ومن خطبة له عليه السلام وهي المعروفة بالشقشقية والمقمصة اما والله لقد تقمصها فلان وانه ليعلم ان محلي منها محل القطب من الرحى ينحدر عني السيل ولا يرقى الي الطير فسدلت دونها ثوبا وطويت عنها كشحا وطفقت ارتئي بين ان اصول بيد جذاء او اصبر على طخية عمياء يهرم فيها الكبير ويشيب فيها الصغير ويكدح فيها مؤمن حتى يلقى ربه فرأيت ان الصبر على [illegible] احجى فصبرت وفي [illegible] قذى وفي الحلق شجا ارى تراثي نهبا حتى مضى [illegible] لسبيله فادلى

خدا کی قسم: تحقیق فلاں شخص نے ردائے خلافت کا قمیص پہن لیا اور وہ خوب جانتا تھا کہ میرا مرتبہ خلافت میں وہ ہے جو چکی کی کیل کا ہے یعنی میں مرکز خلافت ہوں مجھ سے دریا بہتے ہیں اور مجھ تک کوئی پرندہ نہیں جا سکتا پھر میں نے خلافت کے درمیان میں پردہ چھوڑ دیا [illegible] اس سے پہلو تہی کی [illegible] اس باب میں متامل ہوا کہ [illegible] ہوئے ہاتھ سے حملہ کروں یا ایسے اندھیرے [illegible] بڑی عمر [illegible] جس میں [illegible] ہو جائے [illegible] جائے [illegible]

بها الی فلان بعده ثم تمثل بقول الاعشی

"شتان ما یومی علی کورها ویوم حیان اخی

جابر فیا عجبا بینا هو یستقیلها فی حیوته

اذ عقدها لآخر بعد وفاته لشد ما تشطرا

ضرعیها فصیرها فی حوزة خشناء یغلظ کلمها

ویخشن مسها ویکثر العثار فیها والاعتذار

منها فصاحبها کراکب الصعبة ان اشنق

لها خرم وان اسلس لها تقحم فمنی الناس

لعمر الله بخبط وشماس وتلون واعتراض

فصبرت علی طول المدة وشدة المحنة انتہٰی

اور اس کو اپنے بعد فلاں کی طرف ڈال دیا۔ پھر اعشیٰ کا قول تمثیلاً پڑھا بڑا فرق ہے اس دن میں جس میں اونٹنی کے کوہان پر ہوں اور اس دن میں جس میں جابر کے بھائی حیان کا ندیم ہوں پس اسے لوگو تعجب ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خلافت سے استعفیٰ دیتا تھا اچانک اپنے مرنے کے بعد دوسرے کیلئے اس کی گرہ بندی کر گیا سخت یصیبت میں جس کا زخم گہرا ہے اور مس کھردرا ہے اور لغزش اور اس سے عذر بہت ہے خلافت کے باگ ونکا سمجھنا نہایت دشوار ہوا ہے خلافت کا صاحب مثل سانڈنی زدہ اونٹنی کے سوار کے ہے اگر مہار کھینچے تو ناک پھٹ جائے اور ڈھیلی چھوڑ دے تو گڑھوں میں گر سے اور اختلاف اور بے راہی میں مبتلا ہوتے، آخر میں نے مدت کی درازی اور محنت کی سختی پر صبر کیا۔

فاضل اس عبارت میں تامل فرماویں کہ ابن میثم نے جو لکھا ہے اقول اراد به الاول. مکر شبه من اراد بالعمر لما ذکره فی خلافة عمر وذمها به فی خطبتها المعروفة بالشقشقیه. اس عبارت سے کیسا صاف واضح ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ غلیظ الکلم خشن المس ہے اور اس میں بکثرت لغزش ہے اور اس کی وجہ سے لوگ خبط اور شماس اور تلون اور اعتراض میں مبتلا ہو گئے اور خلافت صدیقی کے اندر کوئی برائی اور قباحت ذکر نہیں فرمائی اور اسی کی طرف ابن میثم نے اشارہ کیا ہے اور فرمایا کما سبقت الاشارة الیه افسوس کہ نہ آپ نے شرح ابن میثم کو ملاحظہ فرمایا اور نہ خطبہ شقشقیہ کو دیکھا اور یوں ہی آپ کچھ سے کچھ فرمانے لگے مگر آپ فرماویں گے کہ میں تو فارسی خوان تھا میں تو خطبہ شقشقیہ کو جس میں لغات وحشیہ غیر مانوسہ بھری ہوئی ہیں اور شرح ابن میثم کو جو بزبان عربی ہے کیونکر دیکھ سکتا تھا پس آپ کا بطور اگر مگر کے فرمانا کہ اگر عمر کی مذمت اس میں ہے تو ابوبکر کی بھی ہے اس بناء پر ہے کہ نہ آپ نے شرح ابن میثم کو دیکھا اور نہ نہج البلاغت کھول کر دو چار سطریں خطبہ شقشقیہ کی پڑھیں سو اس کو بھی اپنی دیانت و انصاف کی ہی مدح میں درج فرمایئے گا زیادہ کیا عرض کروں۔

قولہ: بلکہ سر دفتر مرشد ہے کہ یہ کہہ در مقام استہزاء و تمسخر میں ہے کہ عمر تو نہیں میرے نزدیک تو ابوبکر اس سے مراد ہے کیونکہ عمر کی خطبہ شقشقیہ میں حضرت نے مذمت فرمائی ہے گویا تتمہ اس کا یہ ہے کہ اگر ابوبکر کی وہاں بھی مدح کی ہے تو یہاں بھی مدح کی ہے۔

دین و دیانت سے عاری

اقول: جب دین و دیانت اور فہم و انصاف کا یہ حال ہے تو جو چاہیں فرمائیں نہ کتاب کو دیکھیں نہ سیاق و سباق عبارت کو ملاحظہ فرمائیں، خدا کے لئے کوئی شخص اہل انصاف سے ہمارے فاضل مجیب کے اس جواب کو عبارت نہج البلاغت سے مطابق کر کے دیکھے اور حضرت کو ان کے فہم و انصاف و دیانت کی داد دیوے۔ جن حضرات کی نظر دقیق کی یہ کیفیت ہو جس کو اپنا مرشد اور ہادی بنا رکھا ہے تو وائے برحال اس نظر کے جو کہ محض سرسری ہو گی تعجب ہے کہ اگر ابن میثم کو ابن ابی الحدید کے ساتھ استہزاء و تمسخر مدنظر تھا تو اس کے قول میں سے عثمان کو کیوں اختیار نہ کیا بلکہ اگر عمر کے مراد لینے کا استہزاء کرنا مقصود تھا تو بمقابلہ اس کے امیر معویہ کو ذکر کیا ہوتا کہ میرے نزدیک عمر تو مراد نہیں کیونکہ خطبہ شقشقیہ میں ان کی مذمت کی ہے امیر معویہ مراد ہیں تو استہزاء نہایت درست ہوتا اور جب ابوبکر بہ نسبت عمر کے تمہارے نزدیک بھی بہتر ہیں کہ بزعم شیعہ جو تکالیف و مصائب کہ اہلبیت کو خلافتین اولیین میں عمر کے ہاتھ سے پہنچے ابوبکر کے ہاتھ سے اس کا عشر عشیر بھی نہیں پہنچا تو ایسی حالت میں ابوبکرؓ کے مراد ہونے کو استہزاء و تمسخر پر محمول کرنا سراسر خلاف عقل سلیم ہے علاوہ ازیں واضح رہے کہ شارح ابن میثم نے اپنی شرح کے ابتداء میں وعدہ موکد بایمان غلاظ یاد کیا ہے کہ اس شرح میں بجز حق کے کچھ نہ لکھوں گا تو کیا وہ وعدہ یہاں فراموش ہو گیا کہ خلاف حق ابوبکر کی مدح کے قائل ہو گئے، اور کہاں تک تمسخر اور استہزاء سمجھے گا شارح ابن میثم نے دوسری جگہ نقل کیا ہے کہ جناب امیر نے جناب شیخین کی نسبت بجواب خط امیر معویہ کے تحریر فرمایا۔ ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصائب بهما لجرح فی الاسلام شدید، گویا یہ تمام حصہ شرح ان دو جملوں کی ہے چنانچہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں پس اگر یہاں تمسخر و استہزاء ابن ابی الحدید کے ساتھ ہے تو وہاں کس کے ساتھ تمسخر فرمایا جو ایسی جامع تعریف فرمائی اور نیز کہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع و بصر سے تشبیہ دی گئی کہیں نوح و ابراہیم کے مماثل کئے گئے تو کیا یہ سب آپ کی روایات تمسخر اور استہزاء ہی ہیں حضرت میر صاحب یہ تمسخر اور استہزاء نہیں ہے بلکہ خود آپ مصداق اس آیت شریفہ کے ہیں فاتخذتموهم سخریا حتی انسوکم ذکری

خدا تعالیٰ آپ کی دیدۂ بصیرت کھول دے اور آپ پر حقیقت الامر منکشف اور واضح فرما دے تو آپ کو معلوم ہو کہ یہ واقعی مدح ہے یا تمسخر۔ ادھر خوارج جس قدر اوصاف و محامد جناب امیر رضی اللہ عنہ کی نسبت مروی ہوئی ہیں اسی طرح خرافات دلائل سے باطل کرتے ہیں اور تمسخر و استہزا میں اڑاتے ہیں ادھر آپ حضرات ہیں کہ شیخین کے محامد فضائل کو تمسخر اور استہزاء پر محمول فرماتے ہیں ہمارے نزدیک وہ بھی جھوٹے ہیں اور آپ بھی اپنے دعوے میں سچے نہیں۔ پس راہ نجات اور صراط مستقیم وہی ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے اور وہ بحمد اللہ اہلسنت کا طریق قویم ہے اللھم علیہ احینی وعلیہ امتنی وفی زمرتھم احشرنی یوم یبعثون۔

قولہ: خصوصاً ابن ابی الحدید کے مقابلہ میں کہ وہ قائل خطبہ شقشقیہ کا ہے اور کہتا ہے کہ وہ بیشک کلام حضرت امیر علیہ السلام ہے اول سے آخر تک اور اس میں مذمت ثلثہ موجود ہے ایک جگہ مذمت کرنا اور دوسری جگہ اس کی مدح کرنا صریح تناقض ہے اور بمقابلہ ابن ابی الحدید الزاما بہت ٹھیک ہے۔

اقول: اگر شارح ابن میثم کا یہ مقصود تھا کہ ابن ابی الحدید کو الزام دیوے تو صریح کہنا چاہیئے تھا کہ یہ غلط ہے اور مخالف خطبہ شقشقیہ کے ہے جس کو ابن ابی الحدید نے کلام جناب امیر کا تسلیم کر رکھا ہے اور نیز واجب تھا کہ ابن ابی الحدید کی دلیل کا جو اس نے اس کے مراد ہونے میں بیان کی ہے اول جواب دیتا جب اس کو باطل نہیں کیا اور اس کی دلیل کا جواب نہیں دیا بلکہ بیان اوصاف میں اسی کے موافق ان اوصاف کا مصداق خلیفہ کو قرار دیا تو اس کو کیونکر الزام پر محمول کیا جا سکتا ہے علی الخصوص جب کہ یہ الزام خود کذب و دروغ ہو اور مبنی اس الزام کا ایسی دلیل پر ہو جو اس نے بیان کی ہے غرض کسی طرح پر اس کا الزام ہونا ٹھیک نہیں ہے اور نہ تمسخر اور استہزاء ہونا اور اگر ابن ابی الحدید کے لئے یہ الزام ہے تو اس قول کو آپ کیا کریں گے جو سب سے اول نقل کیا ہے والمنقول ان المراد بفلان عمر۔ اور نیز مختصر شرح میں تو بجز دونوں قولوں کے اور کچھ لکھا ہی نہیں ان میں بھی اول اس کو ذکر کیا جو آپ کے قاعدہ کے موافق قطب راوندی کے قول کے ابطال کے واسطے مقدم بیان کیا ہے لکھا ہے قیل اراد بہ مدح عمر تو یہاں نہ تمسخر ہے نہ الزام ہے یہاں تو صریح اول میں بیان کیا کہ اس لفظ سے عمر مراد ہیں۔ پس یہ صریح اس کے الزام ہونے کو مکذب ہے۔ اور نیز تمسخر و استہزاء ہونے کو باطل کرتا ہے۔

قولہ: اور اگر شارح علیہ الرحمۃ اس کے قائل بھی ہوں تب بھی کچھ حرج نہیں بعونہ رحمۃ اللہ علی مناقب ... ہوں گے اشارہ ہی کافی ہے اس کی تفصیل ہم نہیں لکھتے۔

خلفاء ثلاثہ کے بغض میں اندھا پن

اقول: اے حضرت میر صاحب افسوس کہ آپ نے تو خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کی عداوت میں فہم و انصاف، دین و ایمان کو خیرباد کہہ کر رخصت کر دیا۔ بھلا کچھ تو عقل و فہم و ایمان و انصاف سے کام لیا ہوتا۔ اگر شارح اس امر کی واقعیت کے قائل ہوں تو کیا یہ اوصاف جو مشابہ کمالات نبوت کے ہیں بلکہ چشمۂ نبوت سے ہی فائض ہوئے ہیں، جس کے اندر پائے جاتے ہیں بروئے عقل اور ایمان کے مصداق مثل مستہجن، رحمۃ اللہ علی النباش الاول ہو سکتا ہے کیا جو شخص کہ خلق اللہ کے کجی راستے پر لا دے اور ان کے امراض نفسانیہ کا علاج کر کے ان کو ہلاکت دائمی سے نجات دیوے سنت کو قائم کرے اپنے حسن تدبیر سے فتنہ کو نہ اٹھنے دے، برائیوں کی چرک سے نقی الثوب سلیم العرض دنیا سے رخصت ہوا ہو۔ قلیل العیب ہو۔ خلافت کی خیر مطلوب کو جو عدل اور اقامت دین ہے جس سے مستحق ثواب جزیل کا آخرت میں اور شرف جلیل کا دنیا میں ہوتا ہے پہنچ چکا ہو۔ خلافت کے شر سے محفوظ رہا ہو۔ خدا کی اطاعت بجا لایا ہو۔ اور تقویٰ کا مرتبہ حاصل کیا ہو اس کے بعد لوگوں کا یہ حال ہوا ہو کہ جہالتوں کی شاخ در شاخ راہوں میں ایسے پریشان ہوں کہ نہ گمراہ راہ یاب ہو سکے اور نہ راہ یاب کو اپنی راہ یافتگی کا یقین ہو سکے تو ایسے شخص کی نسبت کوئی ایمان دار کہہ سکتا ہے کہ وہ مصداق اس قبیح مثل کا ہے۔ ذرا تو انصاف کی آنکھیں کھولو۔ الٰہ العالمین تو ان کی آنکھیں کھول اور ان کو ہدایت فرما۔ انک قریب مجیب۔ پھر بفرض محال اگر یہ کفر صحیح ہو تو اس قول کی نسبت جو آپ کے بزرگوں ہی سے ابن میثم نے ابتداء میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے۔ والمنقول ان المراد بفلان عمر اور مختصر میں فرمایا ہے قیل اراد بہ مدح عمر کیا فرمائے گا وہاں تو نہ الزام ہے نہ تمسخر ہے۔ غرض اس عبارت کو الزام یا تمسخر پر محمول کرنا مصداق مثل الغریق یتشبث بکل حشیش کا ہے اور اس سے واضح ہے کہ حضرت اس جگہ ایسے بر و دمات میں گرفتار ہیں کہ مفر و مخلص نہیں سوجھتا ناچار بے ڈھنگے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔

قال الفاضل المجیب: قولہ بلکہ بعینہ اس جواب کو الخ۔ اقول۔ ہاں بعض شیعہ سے نقل کیا ہے لیکن امامیہ کو اس جواب کی حاجت نہیں جیسا کہ جناب مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے اس لئے کہ ان کی کتب میں اس روایت میں ابوبکر یا عمر موجود نہیں بلکہ لفظ فلاں ہے پس لا نسلم کہ ابوبکر و عمر مراد ہوں کیوں نہیں جائز ہے کہ شخص دیگر مراد ہوں اور علی التنزل اگر ابوبکر یا عمر ہی مراد ہوں تو محمول

علی وجہ استصلاح جیسا کہ قول شارح علیہ الرحمۃ جاز ان یکون الخ اس جواب کے تنزلی ہونے پر باآواز بلند پکار رہا ہے۔ پس تنزلی جواب کو تحقیقی یا اصلی جواب سمجھنا آپ کے خاتم المتکلمین یا صاحب آیات بینات کی خوش فہمی ہے۔

کذب وافترا کی حد

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: جناب میر صاحب یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ بعض شیعہ سے نقل کیا ہے یہ محض آپ کا کذب وافترا ہے ہرگز وہاں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو تبعیض پر دال ہو بلکہ الفاظ صاف اس امر پر دال ہیں کہ یہ سوال وجواب تمام ان شیعہ کی طرف سے ہے جو شیخین کی برائی کے قائل ہیں کیونکہ اس عبارت ہیں،

واعلم ان الشیعۃ اوردوا ھھنا سؤالا فقالوا ان ھذہ الممادح التی ذکرھا علیہ السلام فی حق احدی الرجلین تنافی ما اجمعنا علیہ من تخطئتھم واخذھما منصب الخلافۃ فاما ان لا یکون الکلام من کلامہ علیہ السلام او لا یکون اجماعنا خطاء ثم اجابوا من وجھین لفظ ما اجمعنا علیہ او لا یکون اجماعنا خطاء

اور جان کہ اس جگہ شیعہ نے سوال وارد کیا ہے کہتے ہیں کہ یہ مدح جو حضرت علیہ السلام نے دونوں شخصوں ابوبکر وعمر میں سے ایک کے حق میں فرمائی ہے اس کے مخالف ہے جس پر ہم نے ان کو خطا کی طرف نسبت کرنے اور منصب خلافت چھین لینے سے اجماع کیا ہے پس یا تو یہ کلام حضرت کا کلام نہیں اور یا یہ کہ ہمارا اجماع باطل ہے، پھر اس کا انہوں نے دو طرح پر جواب دیا ہے،

صریح دلالت کرتا ہے کہ یہ سوال تمام شیعہ کی طرف سے ہے جو شیخین کے تخطیہ کے اجماع میں شامل ہیں مطلق شیعہ کا اجماع بیان کرنا دلیل صریح اس کے عموم وشمول کی ہے پس یہ آپ کی اور آپ کے کنتوری صاحب وغیرہ کی خوش فہمی ہے کہ اس سے بعض شیعہ سوائے اپنے مراد لیتے ہیں اور گیرودار اہل حق سے فرار کر کے اس اجماع سے جو بنائے اصول مذہب ہے دست بردار ہوتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار علاوہ ازیں اس سوال کا مبنیٰ اول وہ ہے جو کہ ابن میثم نے لکھا ہے والمنقول ان المراد بفلان عمر دوسری وہ ہے کہ جو لکھا ہے اقول انہ اولی بابی بکر اشبہ من ... لعمر تیسری وہ ہے جو کہ شرح اوصاف مذکورہ میں اوصاف کے محامل کو ایسے شخص میں منحصر اور متعین کیا کہ غیر خلیفہ کا احتمال قطع ہوگیا اور یہ تینوں امور ظاہر ہے کہ بنائے اعتراض

بعض شیعہ غیر امامیہ پر نہیں ہے بلکہ ابن میثم نے یا اپنا مسلم بیان کیا ہے یا اپنے اکابر امامیہ سے نقل کیا ہے قطع نظر اس سے آپ ہی کے اکابر یہ فرما گئے کہ مطلق لفظ شیعہ سے امامیہ اور اثنا عشریہ مراد ہوتے ہیں بلکہ اگر آپ تتبع فرمائیں گے تو یہ بھی ثابت ہو جائے گا آپ کے اکابر تصریح فرما گئے ہیں کہ سوائے امامیہ کے اور کوئی شیعہ ہی نہیں، چنانچہ ان ہی آپ کے حضرت علامہ کنتوری کی نسبت ہمارے خاتم المتکلمین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کنتوری در سیف ناصری دا آنچہ در ابرامش بجید ورق در مقابلہ رشید العلما تحریر کردہ ثابت نمودہ باشد کہ غیر اثنا عشریہ حقیقۃً شیعہ نیستند واطلاق لفظ شیعہ بر آنہا مجاز است۔ پس جب لفظ شیعہ سے عند الاطلاق امامیہ ہی مراد ہوتے ہیں ماسوائے امامیہ جمیع طوائف شیعہ سے کوئی طائفہ عند الامامیہ شیعہ نہیں تو اس جگہ اگر شیعہ مطلق ہو یا بعض شیعہ ہو تو لامحالہ مراد اس سے امامیہ ہوں گے اور آپ کا اور آپ کے کنتوری صاحب کا فرمانا کہ بعض شیعہ سے ماسوائے امامیہ مراد ہیں سراسر لغو اور باطل ہوگا اور علامہ کنتوری کا فرمانا کہ امامیہ کو اس جواب کی حاجت نہیں غلط ہوگا معہذا اسلمنا شیعہ غیر امامیہ مراد ہیں، لیکن یہ کہنا کہ یہ توجیہات بعض شیعہ غیر امامیہ کے ہیں فرع اس امر کے ہے کہ یہ روایت ان کی کتابوں میں موجود ہو اور جب تک یہ ثابت نہ کریں اس وقت تک اس توجیہ کو بعض شیعہ مجہول کی طرف نسبت کرنا بالکل بے سود ہے اور علامہ رضی کا نہج البلاغت میں لکھنا ان فرق پر حجت نہیں ہے اور یہ کہنا کہ امامیہ کو ان توجیہات کی اس وقت حاجت ہے جبکہ ان کی روایت میں لفظ ابوبکر یا عمر ہو آپ کی اور آپ کے علامہ کنتوری کی غلطی ہے اگر بالفرض آپ کی روایت میں لفظ ابوبکر یا عمر بجائے فلاں نہ ہو اور آپ کے اکابر علماء ہی نے تصریح کی ہو یا صرف وہ اوصاف ہی تعیین مبہم پر اس طرح دال ہوں کہ عرق ابہام وشرکت کی قطع ہوگئی ہو تو تب بھی یہ کہنا کہ ہم کو احتیاج جواب نہیں محض جواب سے پہلو تہی اور غلط سمجھا جائے گا۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ علامہ کنتوری نے توجیہ استصلاح ناس واستجلاب قلوب کو بھی کذب ہی قرار دیا ہے جیسا کہ توجیہ توریح عثمان کی نسبت انکار کیا ہے لیکن ہمارے فاضل مجیب توجیہ استصلاح کے شیعہ امامیہ کی طرف سے ہونے کے معترف ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر علی التنزل ابوبکر یا عمر مراد ہوں تو محمول علی وجہ الاستصلاح ہوگا جیسا کہ قول شارح جاز ان یکون اس جواب کے تنزلی ہونے پر باآواز بلند پکار رہا ہے ہم نے مانا تنزلی سہی لیکن علامہ کنتوری کا یہ فرمانا کہ این ادعا کذب محض است باعتراف سامی کذب محض ہوا، رہا اس جواب کے تنزلی ہونے کی نسبت اول آپ تمام عبارت ابن میثم دیکھیے اور پھر کسی عاقل منصف سے دریافت بھی کیجیے اس کے بعد کچھ فرمائیے۔

قالِ الفاضل المجیب: قولہ۔ بعد اس کے صاحب تحفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وبعض از امامیہ چنیں گفتہ اند کہ غرض حضرت امیر رضی اللہ عنہ توبیخ عثمان وتعریض براو بود۔ اس کے جواب میں علامہ کنتوری فرماتے ہیں۔ ہیچک از امامیہ این توجیہ نکردہ الخ۔ بجواب اس کے صاحب آیات بینات سلمہ فرماتے ہیں۔ لیکن یہ جواب علامہ کنتوری کا مثل پہلے جواب کے غلط ہے اور اس کو بھی ابن میثم نے نقل کیا ہے۔ اقول۔ اگر غرض یہ ہے کہ امامیہ سے نقل کیا ہے تو محض دروغ بے فروغ ہے شرح ابن میثم موجود وکثیر الوجود ہے کہیں لفظ امامیہ کا نام ونشان نہیں۔ ہاں بعض شیعہ سے نقل کیا ہے کل شیعہ اس کے قائل نہیں اس لئے کہ قول قطب راوندی پہلے نقل کر چکے ہیں اور یہ ضرور نہیں کہ شیعہ سے مراد امامیہ ہی ہوں امامیہ اخص شیعہ ہیں۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: یہ ہی غرض ہے کہ شیعہ سے نقل کیا ہے جس میں امامیہ بھی داخل بلکہ حسب ادعائے طائفہ فرد کامل ہیں اور یہ دروغ نہیں ہے دروغ یہ ہے جو آپ فرماتے ہیں کہ ہاں بعض شیعہ سے نقل کیا ہے۔ شرح ابن میثم موجود شیعہ میں کثیر الوجود ہے اس میں کہیں لفظ بعض کا نام ونشان بھی نہیں، جب کہ ثم اجابوا کی ضمیر ان شیعہ کی طرف عائد ہے جو ماقبل میں مذکور ہیں اور تخلیہ شیخین کے اجماع میں شامل ہیں اور جن کے مذہب پر سوال وارد ہوتا ہے تو مجیب بھی وہ ہی ہوتے اور ان سب میں پیش دست بزعم خود امامیہ اثنا عشریہ ہیں جو عند الاطلاق مراد ہوتے ہیں تو سوال اور جواب ہیں ان کی شرکت سب سے پہلے ہوئی، علی الخصوص جب کہ آپ کے علماء نے تصریح کی ہو کہ لفظ فلاں سے ابوبکرؓ یا عمرؓ مراد ہیں اور یہ امر خود بدیہی ہے کہ ایک قطب راوندی کا ایک قول میں منفرد ہونا ہرگز اس امر پر دلیل نہیں ہو سکتا کہ تمام فرقہ امامیہ سے کوئی اس کا قائل نہ ہو پس یہ کہنا کہ یہ ضرور نہیں کہ شیعہ سے مراد امامیہ ہی ہوں بالکل واہیات ہے بلکہ لامحالہ لفظ شیعہ سے اس جگہ مراد امامیہ ہوں گے۔

قولہ: اور نیز یہ توجیہ علی التنزل ہے نہ علی التحقیق اور یہ بات ظاہر ہے کہ تنزل وتقدیر پر جواب کسی فرقہ کی طرف سے دیئے جاتے ہیں کوئی ان کو اصلی جواب اس فرقہ کا نہیں کہہ سکتا اگر بالفرض شیعہ سے امامیہ ہی مراد ہوں تب بھی یہ اصلی جواب نہیں ہے اس لئے علامہ علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ ہیچک از امامیہ این توجیہ نکردہ بالکل صحیح ودرست ہے۔

اقول: اقوال سابقہ میں اس جواب کے تحقیقی ہونے کا اثبات اور تنزلی ہونے کا ابطال ہم بیان کر چکے ہیں قطع نظر اس سے کوئی قرینہ عبارت میں اس کے تنزلی ہونے پر دلالت نہیں کرتا پس اس کی نسبت تنزلی ہونے کا دعوے بالکل غلط اور بے دلیل ہے اور اگر بالفرض یہ جواب تنزلی ہو تو بھی علامہ کنتوری کا یہ فرمانا۔ کہ ہیچک از امامیہ این توجیہ نکردہ بالکل کذب ودروغ ہے کیونکہ یہ محض اس توجیہ کے وجود سے انکار ہے حالانکہ اس کا وجود علی سبیل التنزل مسلم ہے تو مطلق یہ کہنا کہ ہیچک از امامیہ این توجیہ نکردہ دروغ ہوا۔ جو آپ فرماتے ہیں اگر یہ ہی مدعا تھا تو آپ کے علامہ یہ فرماتے ہیچک از امامیہ این توجیہ نکردہ الا ابن میثم کہ علی التنزل بیان کردہ مطلق انکار سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ توجیہ نہ علی التحقیق نہ علی التنزل بیان ہی نہیں کی بس ثابت ہوا کہ شیعہ سے امامیہ بھی مراد ہیں اور یہ جواب تنزلی نہیں اور اس کی نسبت علامہ کنتوری کا انکار سراسر غلط اور کذب ہے۔

قولہ: یہ بھی واضح رائے عالی ہو کہ شارح ابن میثم علیہ الرحمۃ حکیم مشرب ہیں۔ در بعض مقام اقوال مختلفہ عام شیعوں کے بلکہ اپنی دانست میں جو اعتراض وارد ہوتا دیکھتے ہیں لکھ کر اور فرض کر کے اپنی سمجھ کے موافق اس کا جواب لکھتے ہیں یہ آپ کے خاتم المتکلمین کی سمجھ کی خوبی ہے کہ ان کو اصلی وتحقیقی جواب سمجھ کر الزاماً نقل کرتے ہیں۔

اقول: ظاہراً اس عبارت سے مقصود اثبات عدم توثیق ابن میثم مد نظر ہے اور ثابت کرنا ہے کہ وہ رطب ویابس اقوال مختلفہ عام شیعوں کے نقل کرتے ہیں اور اپنی دانست میں جو اعتراض وارد ہوتا دیکھتے ہیں اس کو فرضاً یعنی کذباً وافتراءً شیعہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنی سمجھ کے موافق اس کا جواب لکھتے ہیں۔

ابن میثم نے شرح نہج البلاغت کے خطبہ میں خدا سے عہد کیا ہے کہ ناحق کی طرف داری اور خواہش کی طرف میل نہ کروں گا

تو ایسے اقوال اور ایسے شخص کے اقوال الزاماً نقل کرنا اور اصلی تحقیقی سمجھنا تو [illegible] کی سمجھ کی خوبی ہے تو ابن میثم کی نسبت یہ دعوے محض کذب ہے کیونکہ جو [illegible] اور ان کی شرح کی نسبت مناقب ومحامد بیان کئے ہیں ان کے خلاف ہی معلوم ہوتے [illegible] لبیب کے نزدیک سب کذب ودروغ ہے ابن میثم کے صدق [illegible] کی تو یہ حالت ہے [illegible] شوستری نے مجالس المومنین میں ان کی تعریف و[illegible] حکمت [illegible] کے خواجہ [illegible]

شہادت بیان کی ہے اور شرح کی حالت یہ ہے کہ شارح نے اپنی شرح کے خطبہ میں خدا کے ساتھ عہد موثق کیا ہے کہ سوائے حق کے کچھ نہ لکھوں گا اور باطل کی طرف ہرگز میل نہ کروں گا اور یہ اس لئے کہا ہوگا کہ دیکھا عموماً علماء شیعہ تعصب میں آکر نصرت حق چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی عبارت یہ ہے ۔

وشرعت فی ذلک بعد ان عاهدت الله سبحانه الی لا انصر فیه مذهبا غیر الحق ولا ارتکب هوی لمراعاة احد من الخلق ۔	اور میں نے اس شرح کو شروع کیا بعد اس کے کہ خدا سے عہد باندھا کہ بجز مذہب حق کے دوسروں کی مدد نہ کروں گا اور خلق میں سے کسی کی مراعات کی وجہ سے خواہش نفسانی کو اختیار نہ کروں گا ۔

اور اگر آپ تتبع فرماویں گے تو معلوم کریں گے کہ آپ کے بعض علماء نے اپنی فہرست علماء میں یہ بھی لکھا ہے ۔

ومنهم الشیخ الحسن المیثم بن علی بن میثم البحرانی مصنف شرح نهج البلاغة وحقیق ان یکتب بالذهب علی الاحداق لا بالحبر علی الاوراق ۔	منجملہ ان کے شیخ حسن میثم بن علی بن میثم بحرانی شرح نہج البلاغت کا مصنف ہے اور وہ آنکھوں کے ڈیلوں پر سونے کے ساتھ لکھنے کے لائق ہے نہ کاغذوں پر سیاہی سے ۔

پس جب مصنف کا یہ مرتبہ ہوا اور مصنف کی یہ حالت ہو اس کی عدم توثیق کوئی کیونکر بیان کرسکتا ہے ، حضرت مجیب کی اس تقریر سے اہل انصاف ملاحظہ فرمادیں گے کہ شکنجہ ابحاث اہل حق میں یہاں تک تنگ آئے کہ راہ فرار جہات ستہ سے مسدود پاکر اپنے معتمد علماء کے عدم توثیق ثابت کرنے لگے اور ان کو حاطب اللیل قرار دینے لگے تو جو امر ایسے شخص کے اعتراف سے ثابت ہوگا اور جو اقوال ایسے مستند شخص کے ایسے موثق اور معتمد کتاب میں درج ہوں گے ، اہل حق ان سے الزام دینے میں کیوں دریغ کریں گے ، اور ایسی معتمدہ نقول سے کیونکر الزام ناتمام ہوسکتا ہے الزام ان ہی امور سے ثابت و تام ہوتا ہے کہ جن کی نسبت خصم اعتراف کرے اور اس کے لئے مضر اور اہل حق کے لئے مفید ہو اور یہاں بحمداللہ ایسا ہی ہے کہ شارح ابن میثم کے نزدیک لفظ فلاں سے مراد یا ابوبکر ہے چنانچہ اس کی عبارت سے صاف واضح ہے اور یہ بھی اس کی عبارت سے ہویدا ہے کہ اس کے نزدیک قول راوندی پسندیدہ نہیں اور نہ اس کی طرف اس کو میلان ہے تو اس صورت میں ہمارا الزام بحول اللہ وقوتہ تام ہے اور آپ کا اور آپ کے کنتوری صاحب کا انکار

ناواقفی ہے یا عناد ۔

قولہ : یہ ہی سبب ہے کہ شارح علیہ الرحمۃ نے واعلموا ان الشیعة قد اوردوا ههنا سوالا الخ میں بطور محاکمہ فرض و تسلیم قول نقل کرکے اس کے جواب لکھے ہیں ورنہ آپ ہی فرمائیے کہ اگر اس سے مراد شیعہ امامیہ ہیں اور شارح کی تحقیق ہے تو کون سے شیعہ نے فلاں سے ابوبکر یا عمر یا ان دونوں میں سے ایک مراد لے کر یہ توجیہیں کیں ہیں ، آخر جو شارح علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں تو کسی کتاب سے لکھتے ہیں یا یوں ہی خیالی گھوڑے دوڑا رہے ہیں اور شروح نہج البلاغت بھی موجود ہیں اگر یہ قول شارح کا تحقیقی ہو تو چاہیئے کہ اور کتابوں میں بھی یہ توجیہیں مذکور ہوں ورنہ زبانی دعوے کون سنتا ہے ۔

اقول : اگر یہ ہمارے فاضل مجیب کی رائے میں محاکمہ ہے گو علی سبیل الفرض والتسلیم ہی سہی تاہم محاکمہ کے لئے ضرور ہے کہ حکم ایک شخص ثالث ہو بایں معنی کہ ایک مدعا کی نسبت ایک شخص اس کی صحت پر مستدل ہو اور دوسرا کوئی شخص اس کا نقض و ابطال کرے ، تیسرا شخص ان دونوں خصمین میں قول فیصل لکھ کر حکم ہوسکتا ہے اسی طرح ما نحن فیہ میں بھی ہمارے مجیب پر لازم ہے کہ اول ایک مدعا قرار دیں اور بعد اس کے اس پر خصمین تجویز فرمائیں پھر ان دونوں خصمین کیلئے شارح ابن میثم کو حکم قرار دے کر فرمائیں کہ اس کا یہ قول فیصل اس نزاع میں وارد ہے ، جب ہم یہاں غور کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ اول شارح ابن میثم نے بطور نقل کے بیان کیا کہ لفظ فلاں سے عمر مراد ہے پھر راوندی سے نقل کیا کہ ایک شخص مجہول الاسم والمسمی صحابہ میں سے مراد ہے ، پھر ابن ابی الحدید سے نقل کیا کہ وہ شخص مراد ہے جو کہ خلیفہ ہوچکا ہے لیکن بوجہ معلوم ابوبکر و عثمان مراد نہیں تو عمر مراد ہوں گے پھر اپنی رائے کہ بہ نسبت عمر کے ابوبکر کا مراد ہونا اشبہ بحق ہے ظاہر کے بعد اس کی شرح اوصاف بیان کرکے شیعہ کی طرف سے اعتراض اس بناء پر نقل کیا کہ لفظ فلاں سے مراد ابوبکر یا عمر ہوں پھر ان ہی کی طرف سے دو جواب نقل کئے تو اب فرمائیے کہ محاکمہ شارح نے کیا کیا ، اور خصمین کون کون ہیں ، اور قول فیصل کون سا قول ہے جو شارح نے لکھا ہے اگر یہ ہی دونوں جواب قول فیصل ہیں تو قطع نظر اس سے کہ فیصل اپنی طرف سے ہوتا ہے تمام الزامات کذب و دروغ کے جو خاتم المحدثین کی طرف نسبت کرتے تھے وہ سب آپ کے اعتراف سے کذب و دروغ ہوگئے ، غرض اس قول کی نسبت جو شارح نے نقل کیا ہے محاکمہ فرض و تسلیم کہنا سراسر غلط اور ناواقفی ہے ، اب رہا ہم سے یہ سوال کہ اگر یہ بطور فرض و تسلیم محاکمہ نہیں ہے

اور واقعی نقل ہے تو بتاؤ کہ یہ کہاں سے منقول ہے اور کس شیعہ نے لکھا اور کس کتاب میں مذکور ہے کیونکہ اگر تحقیقی ہے تو لامحالہ یہ توجیہیں کتابوں میں مذکور ہوں گی ورنہ زبانی دعوے کون سنتا ہے سو اہل علم و انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ اس سوال کا ہم سے کیا موقع تھا نقل تو آپ کے ابن میثم فرمائیں اور آپ سوال ہم سے کریں۔ سبحان اللہ حضرت میر صاحب ذرا ہوش کی باتیں کیجئے ہم کو اس سے کیا غرض کہ آپ کے فاضل متبحر حکیم نے سچ کہا یا کہ جھوٹ بول دیا جب اس نے ایک امر کو نقل کیا پس ہمارے لئے حجت ہو چکا خواہ فی الواقع کسی سے منقول ہو یا نہ ہوا اور کسی شیعہ نے لکھا ہو یا نہ لکھا اور کسی کتاب میں مذکور رہو یا نہ ہو ہماری حجت ہر طرح تمام ہے بلکہ اگر آپ کا اور آپ کے کنتوری کا فرمانا صحیح ہے اور فی الواقع کسی نے نہیں لکھا تو یہ آپ کے فاضل متبحر حکیم پر دوسرا دروغ گوئی کا الزام ہوا کہ خلاف واقع اپنے بزرگوں پر افترا باندھتے ہیں اور ان کی طرف وہ امور منسوب کرتے ہیں جو انھوں نے فرمائے نہیں لیکن یہ طریقہ کچھ نیا نہیں بلکہ قدیم سے علماء شیعہ کا یہی وتیرہ چلا آیا ہے متقدمین شیعہ ائمہ پر افترا باندھ چکے ہیں اور ائمہ نے ان کی تفصیل و تکذیب فرمائی ہے تو اگر شارح نے ایسا کیا ہو تو کچھ خلاف قوم کے نہیں کیا۔ بہرکیف شارح کا لکھنا ہمارے لئے ثبوت مدعا میں کامل حجت ہے کیونکہ جب ایسے بڑے مقتدا شیعہ امامیہ اثنا عشریہ نے ایک امر کو بطور نقل کے بیان کیا یا خود اپنی رائے سے بیان کیا تو وہ خصم کے لئے حجت ہو گیا پس اس کی نسبت آپ کا یہ فرمانا کہ یہ خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں اور زبانی دعوے کون سنتا ہے ابن میثم کے خلاف شان ہے لیکن آپ جس قدر چاہیں اس پر تبرا پڑھیں جتنی چاہیں گالیاں دیں اب الزام اٹھنا محال ہے علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ کیا یہ ضرور ہے اگر یہ تحقیق ہو تو کتابوں میں بھی مذکور ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان علمائے امامیہ نے جو معاصرین ابن میثم تھے درس تدریس یا بحث و گفتگو کے وقت یہ اعتراضات کئے ہوں اور یہ توجیہات زبانی کی ہوں، اور ابن میثم نے بطور نقل کے ان سے اپنی شرح میں درج کر دیا ہو اور کیا ضرور ہے کہ اگر یہ اعتراضات و توجیہات شروح میں مذکور ہوں تو ہم یا آپ تک ان کے مطالعہ کی نوبت آوے آخر فاضل مدہنی نے اپنی شرح میں جو کچھ لکھا ہے اور اپنے نقیب ابوجعفر سے نقل کیا ہے اس سے بھی یہی مدعا تقریباً ثابت ہوتا ہے چنانچہ عبارت فاضل مدائنی کی ہم قریب نقل کر آئے ہیں، اور علاوہ اس کے اور بھی شروح و تراجم اس کے ہیں اگر آپ کو تصدیق ابن میثم کی منظور ہو تو ان کو تلاش و تتبع کیجئے ورنہ آپ کو اختیار ہے ہمارے لئے بس ہمارے الزام کی تکمیل کے واسطے صرف ابن میثم کا لکھ دینا بھی کافی ہے۔ قطع نظر اس سے ہم کو سخت

تعجب و حیرت ہے کہ آپ ابن میثم کے اس قول کو جو شیعہ کی طرف نسبت کیا ہے ہم سے پوچھتے ہیں اور قطب راوندی کے اس قول کو جو آپ کے نزدیک صحیح و مسلم ہے آنکھیں کھولکر نہیں دیکھتے کہ اس میں کیسا ابہام و اہمال ہے کہ جس کا کچھ انتہا نہیں وہ فرماتے ہیں کہ مراد ایک رجل صحابہ سے ہے جس کا نہ کچھ نام ہے نہ نشان ہے۔ اب ہم اس کی نسبت پوچھتے ہیں کہ یہ شخص ممدوح کون ہے جس کی بایسی صفات کاملہ جناب امیر نے بیان فرمائی ظاہر ہے کہ ایسا شخص مجہول نہیں ہو سکتا جس کو کوئی نہ جانتا ہو پس اگر کوئی شخص معلوم ہے تو متعین کر کے تبلاتے یا اپنے قطب الاقطاب سے دریافت کیجئے ورنہ صاف معلوم ہوگا کہ آپ کے قطب الاقطاب نے الزام کے خوف سے عقلی گھوڑے دوڑائے ہوں گے تو ایسی زبانی باتیں جب آپ کے ہم مذہب اور متبع بھی نہیں سنتے تو ہم کب سنیں گے،

قال الفاضل المجیب؛ قولہ۔ اور اسی بحث میں صاحب تحفہ فرماتے ہیں ولہذا شارحین نہج البلاغت از امامیہ در تعیین فلان اختلاف کردہ اند بعضے گفتہ اند کہ مراد ابوبکر ست و بعضی گفتہ اند عمر ست۔ اس کے جواب میں علامہ کنتوری جھلا کر فرماتے ہیں۔ ان ھذا الافک مبین ازین ناصبی باید پرسید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابوبکر یا عمر ست۔ بجواب اس کے صاحب آیات بینات سلمہ نقلاً عن خاتم المتکلمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ زیرا کہ مراد ازین شراح امامیہ مثل بحرانی ہستند الخ۔ اقول۔ آپ کے خاتم المحدثین کے اس قول نے فیصلہ ہی کر دیا کہ کتب شیعہ میں اس روایت میں بجز لفظ فلان ابوبکر نہیں ہاں اس کے مرادی معنے ہیں بتقدیر و تسلیم و تنزل احتمال ابوبکر یا عمر کا لکھا ہے پس جناب مفتی صاحب نے انکار نہیں کیا مگر لفظ ابوبکر بجائے لفظ فلان ہونے کا کتب شیعہ میں اس کا انکار نہیں کیا کہ معنی مرادی احتمالی میں بھی علی تقدیر تنزل ابوبکر یا عمر نہیں ہے،

فاحش غلطیاں

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: سخت حیرت اور نہایت تعجب ہے کہ آپ ایسی سلیس اور سہل عبارتوں میں ایسی فاحش غلطیاں کرتے ہیں۔ اے اہل سمجھ و عقل و انصاف و عدل خدا کے لئے ذرا ہمارے مجیب لبیب کی اس تحریر کو ملاحظہ فرما دیں جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ گا کہ نہ عبارت تحفہ کا مطلب سمجھے اور نہ کنتوری کے مدعا تک رسائی ہوئی۔ نہ ازالۃ الغین

کا مضمون ذہن عالی میں آیا۔ یا یہ کہ مضمون سمجھ گئے ہیں لیکن اپنی دیانت و انصاف کے ہاتھ سے
لاچار ہیں بمقتضاء اس کے ایسی خرافات باتیں نہ فرمائیں تو کیا کریں دیانت و انصاف کا ثبوت
آخر کس دلیل سے ہو۔ اس قول میں اول خطائے فاحش یہ ہے کہ فرماتے ہیں خاتم المتکلمین کے اس
قول نے فیصلہ کر دیا کیونکہ تسلیم کر لیا کہ کتب شیعہ میں اس روایت میں لفظ فلاں ہے اور لفظ
ابوبکر نہیں ہاں بطور مرادی معنی کے تنزلاً احتمال ابوبکر لکھا ہے حالانکہ کسی نے نہ صاحب تحفہ
نے نہ صاحب ازالۃ الغین نے اس امر کا دعوے کیا کہ کتب شیعہ میں اس روایت میں، بجائے
لفظ فلاں لفظ ابوبکر یا عمر مذکور ہے چنانچہ صاحب تحفہ نے بعد دعوے تحریف نسبت
شریف رضی کے شراح کے تعیین یعنی مرادی کو قرینہ اور دلیل ثبوت تحریف پر قرار دیا ہے
چنانچہ علامہ دہلوی قدس سرہ العزیز تحفہ میں فرماتے ہیں۔ ودرین عبارت جناب امیر صاحب نہج البلاغت
کہ شریف رضی ست برای حفظ مذہب خود تصرفے کردہ لفظ ابوبکر را حذف نمودہ و بجائے او
لفظ فلاں آوردہ تا اہلسنت تمسک نتوانند نمود لیکن کرامت حضرت امیر آنست کہ اوصاف مذکورہ
صریح تعیین مبہم میکنند چنانچہ بیان خواہد شد ولہذا شارحین نہج البلاغت از امامیہ در تعیین لفظ
فلاں اختلاف کردہ اند بعضی گفتہ اند مراد ابوبکر ست وبعضی گفتہ عمر الخ۔ اس عبارت سے صاف
واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دعوئے تحریف کے لئے دو دلیلیں ذکر فرمائی اول یہ کہ اوصاف مذکورہ
تعیین مبہم کی کرتے ہیں دوسری یہ کہ شراح نے بطور بیان مراد کے ابوبکر یا عمر کو بیان کیا ہے
اور یہ دعوئے ہرگز نہیں کیا کہ کتب شیعہ میں اس روایت میں بجائے لفظ فلاں کے لفظ ابوبکر ہے اور
جب آپ نے معنی مروی سے مرادی ہونے کو تسلیم کر لیا تو گویا خصم کی دلیل کو قبول کر لیا اور دعوئے
ثابت مان لیا اور فیصلہ ہو گیا بشرطیکہ فیصلہ ہو جانے سے آپ کی یہ ہی مراد ہو اور اگر فیصلہ ہو
جانے سے رفع الزام مراد ہو تو وہ قیامت تک بھی ممکن نہیں آخر آپ کے علامہ کنتوری ایسی
ہی ہر دو بات میں گرفتار ہو کر سرے ہی سے انکار کرنا شروع کر دیا کہ نہ ہمارے شارحین
نے لفظ فلاں سے ابوبکر یا عمر مراد لی ہے نہ تعیین احدہما میں اختلاف کیا ہے نہ یہ توجیہات
مذکورہ جو اس امر پر مبنی ہیں کہ علماء امامیہ نے لفظ فلاں سے ابوبکر یا عمر کا مراد ہونا تسلیم کر لیا ہے
علماء امامیہ میں سے کسی نے بیان کی ہیں حالانکہ علامہ کنتوری کا یہ فرمانا محض غلط اور کذب تھا
اور یہ توجیہات ابن میثم نے نقل کی تھیں اور اگر بفرض محال اس کو تسلیم کیا جاوے کہ یہ نقل نہیں
بلکہ بحرانی نے اپنی طرف سے لکھا ہے تو بھی چونکہ بحرانی فضلاء متبحرین امامیہ سے ہے اسی کا لکھنا ثبوت

الزام اور انکار کنتوری کے بطلان کے لئے کافی ہو گیا۔ دوسری خطا وہی قدیم خطا ہے کہ اس کو
تنزلی فرما رہے ہیں حالانکہ اس دعوے کے ثبوت کے لئے نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی قرینہ ہے
بلکہ قطعی قرائن اس کے خلاف پر قائم ہیں، چنانچہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، تیسری خطا نہایت
فاحش اور قبیح یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب نے انکار نہیں کیا مگر لفظ ابوبکر بجائے لفظ
فلاں ہونے کا کتب شیعہ میں ہے اور اس کا انکار نہیں کیا کہ معنے مرادی احتمالی میں بھی علی تقدیر تنزل
ابوبکر یا عمر نہیں ہے۔ اور یہ سراسر کذب و دروغ و خلاف واقع ہے اور مصداق مصرعہ چہ
دلاور ست الخ کا ہے تحفہ کی عبارت موجود ہے اس کو دیکھئے پھر اس پر علامہ کنتوری کی عبارت
ملاحظہ فرمایئے، آپ کے کنتوری صاحب تحفہ کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں۔ قولہ۔ ولہذا شارحین
نہج البلاغت از امامیہ در تعیین فلاں اختلاف کردہ اند بعضی گفتہ اند کہ مراد ابوبکر ست وبعضی گفتہ اند
عمر الخ۔ قولنا ان ہذا الا افک مبین، ازین ناصبی باید پرسید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابوبکر یا
عمر ست وحال آنکہ قبل از ابن ابی الحدید غیر از قطب راوندی کسی بشرح این کتاب شریف نہ پرداختہ
چنانچہ ابن ابی الحدید در اول شرح خود گفتہ ولم یشرح ہذا الکتاب قبلی فیما اعلمہ
الا واحد وہو سعید بن ہبۃ اللہ بن الحسن الفقیہ المعروف بالقطب
الراوندی وکان من فقہاء الامامیۃ انتہی ونیز ابن ابی الحدید در شرح این
کلام آنحضرت بعد دعوے اینکہ گفتہ۔ فاما الراوندی فانہ قال فی الشرح انہ علیہ
السلام مدح بعض اصحابہ بحسن السیرۃ وان الفتنۃ ہی التی
وقعت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاختیار والاثرۃ۔
جس شخص کو ذرا بھی عبارت سمجھنے کی تمیز ہو گی وہ تحفہ کی عبارت سے سمجھ سکتا ہے کہ علامہ دہلوی
رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول میں فرمایا ہے کہ شارحین نہج البلاغت کا امامیہ میں سے باہم اختلاف
ہے بعض کہتے ہیں لفظ فلاں سے مراد ابوبکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مراد عمر ہے، پس اس
قول میں بصراحۃ اس امر کی نسبت دعوئے ہے کہ کتب شیعہ میں لفظ فلاں سے بطور مراد کے
یا ابوبکر یا عمر مذکور ہیں۔ بجواب اس کے علامہ کنتوری نے اس دعوئے کی تکذیب کی اور فرمایا۔ ان
ہذا الا افک مبین یعنی یہ دعوئے ظاہر بہتان ہے۔ اس ناصبی سے پوچھنا چاہیئے کہ کون سے
شارح امامیہ نے کہا ہے کہ مراد ابوبکر ہے یا عمر۔ تو اس عبارت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ
لفظ فلاں سے ابوبکر یا عمر مراد ہونے کی تکذیب ہے اور تحفہ کی عبارت میں نہ اس امر کا دعوئے کیا

کہ کتب شیعہ میں بجائے لفظ فلان کے لفظ ابوبکرؓ یا عمرؓ اس روایت میں موجود ہے اور نہ علامہ کنتوری کی تکذیب اس کی طرف راجح ہے پس آپ کا یہ فرمانا کہ مفتی صاحب نے انکار نہیں کیا مگر لفظ ابوبکر بجائے لفظ فلان ہونے کا کتب شیعہ میں الخ سراسر دروغ بے فروغ ہے کسی ایمان دار اہل شرم وحیا کا یہ کام نہیں کہ ایسا صریح دروغ بمقابلہ خصم پیش کرے۔ لیکن چونکہ آپ کو خوف خدا اور اہل علم سے شرم وحیا غایت درجہ کو ہے کہ کسی کو ایسی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آپ جو چاہیں کریں جو کچھ چاہیں فرمائیں۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ۔ زیرا کہ مراد ازین الخ۔ اقول۔ آپ کے خاتم المتکلمین کی یہ تقریر کیا ملمع کاری ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ اس شارح علیہ الرحمۃ کی اور شراح امامیہ نے بھی یہ توجیہ کی ہو گی۔ معاملہ دینی میں ایسی تقریریں کرنا اہل دیانت کا کام نہیں آپ کے خاتم المتکلمین نے نہایت چھان بین کی اور بہت سی کتب کی اوراق گردانی فرمائی تب ان کو اس شرح میں یہ توجیہات علی سبیل التسلیم والتنزل ہاتھ لگیں اول تو ان توجیہات کو جو بتقدیر تسلیم وتنزل کی گئی ہیں اور وہ بھی عام شیعہ کے ہیں شرح میں لفظ امامیہ کا نام ونشان تک نہیں ہے الزاماً بمقابلہ خصم پیش کرنا کمال دانائی ہے اور اس پر لفظ مثل زیادہ کرنا اور طرہ ہے۔

انکار کی سزا

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: اول بجواب حضرت علامہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے آپ کے کنتوری نے اس کا صاف انکار کر دیا تھا سو ان کا انکار کچھ پیش نہ گیا۔ اور وہ اپنے اس انکار کی سزا پا چکے جو اہل شرم وحیا کے لئے بہت کچھ ہے تو ان کی سلب کلی کے مقابلہ میں اس کی نقیض ایجاب جزئی ثابت کی گئی بلکہ ثابت ہوا کہ ان کا انکار محض قصور تتبع سے یا عناد سے ناشی تھا اب آپ نے اس کا انکار فرمایا کہ سوائے بحرانی کے اور کسی شارح نے نہیں لکھا ہے اور حضرت خاتم المتکلمین نے لفظ مثل کا کذبا خلاف دیانت بڑھایا افسوس کہ آپ کو علامہ کنتوری کا حال دیکھ کر عبرت نہ ہوئی اور علامہ کنتوری کی طرح بے تحقیق انکار کر دیا۔ اول نہج البلاغت کی تمام شروح وتراجم ملاحظہ فرمایئے اس کے بعد اگر انکار فرماویں گے تو قابل جواب ہو گا میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے جمیع شروح وتراجم نہج البلاغت کے ملاحظہ نہیں فرمائے ہوں گے۔ اس لئے عرض کرتا ہوں معاملہ دینی میں ایسی تقریریں کرنا اہل دیانت کا کام نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اسی بحث میں جو عبارت

کہ حضرت خاتم المتکلمین نے فاضل مدائنی کی شرح کی نقل کی ہے اس سے صاف واضح ہے کہ وہ اور اس کا استاد نقیب ابوجعفر بھی اس امر کے قائل ہیں کہ مراد لفظ فلان سے ابوبکر یا عمر ہیں مدائنی کہتا ہے کہ بنقیب گفتم کہ تعریض بحاضر وقتی درست میشود کہ مدح شخص ماضی مطابق نفس الامر بود وہیچ شکی وترددی پیرامون آن نگردد چون جناب امیر باین اوصاف معترف شود غایت مدح خواہد بود کہ بالاتر ازان نباشد نقیب سر بگریبان فرو بردہ بعد تامل گفت راست میگوئی۔ انتہی۔ اگرچہ اس عبارت میں بصراحۃ نام ابوبکر یا عمر کا نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس اعتراض کا مدار اس کلام کے تعریض ہونے پر ہے اور ظاہر ہے کہ تعریض جناب ذی النورین کو ہو گی اور یہ بھی بدیہی ہے کہ ان کو تعریض بجز ذکر محاسن احد الخلیفتین سابقین کی نہیں ہو سکتی تو ثابت ہوا کہ اصل کلام بیان محامد احد الشیخین کو متضمن ہے اور حاصل اس کا وہی ہے جو بحرانی نے اپنے جواب ثانی میں نقل کیا ہے۔ الثانی، انہ جاز ان یکون مدحہ ذلک لاحدھما فی معرض توبیخ عثمان الخ اور نیز خود حضرت خاتم المتکلمین رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کے آخر میں بتصریح لکھا ہے واز کلمات دیگر شارحین ومترجمین این کتاب از امامیہ ہم ترجیح صدیق بر می آید کما لا یخفی علی المتتبعین لیکن چونکہ علامہ کنتوری کی تکذیب بحرانی کی نقل سے بخوبی ہو چکی تھی اور شارحین سے نقل کی حاجت نہ ہوئی معہذا کیا یہ خاتم المتکلمین کا لفظ مثل لکھنا آپ کے اور آپ کے علامہ کنتوری کی تقریرات سے بھی زیادہ خلاف دیانت ہے کہ بداہۃ کذب اور دروغ دعوے فرماتے ہیں کہیں کہتے ہیں کہ کسی شارح نے لفظ فلان سے ابوبکر یا عمر کو مراد نہیں لیا کہیں کہتے ہیں کہ یہ اوصاف کسی نے ابوبکر یا عمر پر محمول نہیں کئے۔ کبھی فرماتے ہیں کہ یہ توجیہات واعتراض کسی امامیہ نے نہیں کیں پھر اس پر فاضل مجیب حاشیہ چڑھاتے ہیں کہ مفتی صاحب نے بجائے لفظ فلان کے ابوبکر یا عمر مراد ہونے کے سوائے اور کسی امر کا انکار نہیں کیا حالانکہ آپ کا اور آپ کے علامہ کنتوری کا فرمانا بداہۃ خلاف واقع ہے پھر تعجب ہے کہ با این ہمہ ادعائے انصاف یہ تقریریں خلاف دیانت نہیں معلوم ہوتیں آرمی رع۔ وعین الرضا من کل عیب کلیلۃ۔ رہا توجیہات کا بتقدیر تسلیم وتنزل ہونا اور عام شیعہ کی طرف منسوب ہونا سو اس کا جواب ہم پہلے اس سے گذارش کر چکے ہیں حاجت اعادہ نہیں۔

قولہ: معہذا اپنے خاتم المتکلمین کے اس قول کا بھی جواب سنیئے قولہ زیرا کہ الخ۔ اقول کلام ابوبکر یا عمر کے تعیین حتمی میں ہے اور وہ ہرگز شرح ابن میثم علیہ الرحمۃ موجود نہیں ہے بلکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ بحرانی علیہ الرحمۃ نے اول قول قطب راوندی علیہ الرحمۃ بیان کیا ہے تا کہ معلوم ہو کہ مراد ابوبکر

وعمر نہیں ہے اس کے بعد قول ابن ابی الحدید نقل کیا ہے کہ وہ بعض وجوہ سے حضرت عمر کو ترجیح دیتا ہے نہ یہ کہ تعیین حتمی کرتا ہے پھر علی التنزل بطور فرض و تسلیم قول مخالف یعنی ابن ابی الحدید فرماتے ہیں کہ در صورت ان ہر دو کے مراد ہونے کے بعض وجوہ سے حضرت ابوبکر ترجیح رکھتے ہیں بشرطیکہ اس کو استہزاء نہ سمجھا جاوے پس اس کو تعیین حتمی ابوبکر یا عمر قرار دینا کمال ہی دانائی ہے۔

اقول: جناب میر صاحب میں بحلف کہہ سکتا ہوں کہ یہ آپ کی تحریر چونکہ اول سے آخر تک ایسی ہی خرافات اور واہیات سے بھری ہوئی ہے ہرگز اس قابل نہیں تھے کہ کوئی اہل علم اس کے جواب میں قلم اٹھائے مگر ہم کو اپنے حضرت مدظلہ کے ارشاد اور پاس خاطر عنایت فرمائے بندہ منشی عنایت احمد صاحب گنگوہی مقیم لدھیانہ نے مجبور کر دیا اور بجز امتثال کے کچھ ہم کو چارہ نہیں ہو سکا ناچار قلم اٹھانا پڑا۔ کیا انصاف اسی کا نام ہے کیا دیانت اسی کو کہتے ہیں کہ بدون شرح ابن میثم دیکھے اس کی عبارت کی توجیہات بلکہ تحریفات بلکہ تکذیب فرما رہے ہیں۔ شارح ابن میثم نے اول میں قول قطب راوندی کا اپنی شرح میں کہاں لکھا ہے سب سے اول قول جو لکھا ہے یہ ہے والمنقول ان المراد بلفلان عمر جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعیین حتمی ہے اور بموجب آپ کے قاعدہ کے دلالت کرتا ہے کہ قطب راوندی کا قول قابل اعتبار کے نہیں اس کے بعد اس کی تائید ابن ابی الحدید سے کی کہ وہ بھی اس امر کا قائل ہے کہ مراد لفظ فلان سے حضرت عمرؓ ہیں۔ اس کے بعد اپنی رائے ظاہر کی جو قطب راوندی کے قول کے سراسر مکذب ہے اور کہا کہ میں کہتا ہوں کہ ابوبکر کا مراد ہونا بہ نسبت عمر کے زیادہ مشابہ بحق معلوم ہوتا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قولین اولین جو حضرت عمر کے مراد ہونے پر دال ہیں وہ بھی چنداں بعید عن الحق نہیں صرف اشبہ اور مشابہ بحق ہونے کا فرق ہے جو مدلول افعل التفضیل کا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ مدح احدہما مستلزم مدح آخر کو ہی لفظ فلان سے اگر کسی کو شیخین میں سے مراد تسلیم کرو تو دوسرے کی مدح اور حقیت بالاستلزام ثابت ہو جائے گی لیکن قطب راوندی کے قول کی سراسر تکذیب ہے۔ پس جو کچھ بہ نسبت مراد ہونے احد الشیخین کے بیان کیا ہے وہ جزم بالیقینی ہے خصوصاً اوصاف مذکورہ کے جو شرح کی ہے اس میں احتمال یا تاویل کی گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی شرح اوصاف میں صاف ثابت کر دیا کہ مراد ان سے کوئی خلیفہ ہے۔ اچھا بفرض محال ہم نے تسلیم کیا کہ تعیین حتمی نہیں ہے لیکن شارح نے کسی صورت پر آخر تعیین کو بیان تو کیا ہے پس علامہ کنتوری کا اس کی نسبت مطلقاً انکار کرنا ان کی فاحش غلطی ہے یا نہیں پس ایسی پوچ باتوں سے اگر آپ چاہیں کہ دین حق کا ستون ٹوٹ جاوے یا آپ

کے علامہ کنتوری کی جان الزام سے چھوٹ جائے تو یہ ہرگز ممکن نہیں بلکہ جس قدر آپ اس کی حمایت فرمائیں گے اسی قدر الزامات زیادہ ہوتے جائیں گے چنانچہ آپ اس بحث میں دیکھ ہی چکے اب بھی اگر کچھ علم و فہم و حیا و شرم ہے تو سمجھ جائیے ورنہ آپ کو اختیار ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

قولہ: معہذا ہم کہتے ہیں کہ اگر شارح بحرانی علیہ الرحمۃ نے یہ توجیہات بدون فرض و تسلیم تحقیقی ہی کی ہوں اور ان کے نزدیک یہ اصلی ہی جواب ہوں اور جناب مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے اس شرح کو ملاحظہ نہ فرمایا ہو تو کون سے عیب و نقص کی بات ہے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر عالم کی کتاب اور اس کی تحقیق ہمیشہ مد نظر رہے۔ آپ کے خاتم المتکلمین نے ازالۃ الغین میں محض اپنے اس توہم سے کہ جناب مفتی صاحب نے اس شرح کو نہیں دیکھا کیا زبان درازی اور ہرزہ درائی کی ہے وہ شور و غل مچایا ہے کہ زمانہ کو سر پر اٹھا لیا ہے حالانکہ ایک کتاب کا نہ دیکھنا یا بروقت تحریر اس کے مضامین کا یاد نہ رہنا کچھ بڑی بات نہیں محض اس توہم سے ان کو پایہ تصنیف و تالیف سے گراتے ہیں اور صاحب تحفہ کی خبر نہیں لیتے کہ اور کتب تو ایک طرف اپنے والد ماجد کی ہی کتاب ملاحظہ نہیں فرمائی کتاب بھی کون سی جس کا اوروں کو خود حوالہ دیتے ہیں کہ اگر کوئی ان مضامین کو دیکھنا چاہے تو اس کتاب میں دیکھے چنانچہ کئی جگہ اسی تحریر میں ان کی یہ بات ثابت کی گئی ہے۔ اور نیز اکثر صحابہ بلکہ حضرت خلیفہ ثانی جن کو کتاب اللہ دانی کا یہ دعوے تھا کہ بمقابلہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسبنا کتاب اللہ فرمایا قرآن شریف کی آیت جس میں آنحضرت کی موت کا ذکر ہے نہ جانتے ہوں اور بعد بیان کرنے خلیفہ اول کے کہیں کہ گویا آج ہی سنی ہے ان کی شان میں کچھ چون و چرا نہ کریں اور مسند خلافت و امامت بے تکلف دے دیں۔ ان ہذا الشیء عجاب۔ اور یہ حال اکثر کتب میں موجود ہے اگر حضرت مجیب کو شک ہو تو مدارج النبوت جلد دوم ص ۵۱۵ مطبوعہ مطبع فخر المطابع سے مطالعہ فرما دیں چونکہ عبارت طویل ہے اس لئے ہم نہیں لکھتے اور خلافت کا اہم الہام دین ہونا بھی اسی مقام میں لکھا ہے۔

عبرت ناک ٹھوکر

اقول: حضرت فاضل مجیب کے سمند فہم و انصاف نے یہاں بھی ٹھوکر کھائی اور ایسی ٹھوکر کھائی کہ منہ کے بل آ رہا۔ حضرت پہلے منشاء اعتراض سمجھئے بلکہ اول عبارت تحفہ دیکھئے پھر اپنے مفتی صاحب کا جواب بغور ملاحظہ فرمائیے پھر خاتم المتکلمین کے اعتراض کو بنظر تامل سوچئے اس

کے بعد جواب دیجیے۔ اول حضرت علامہ دہلوی قدس سرہ العزیز نے تحفہ میں فرمایا کہ امامیہ شراح منہج البلاغت نے لفظ فلان سے جو منہج البلاغت میں بطور تحریف واقع ہے تعیین مراد میں اختلاف کیا ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ مراد ابو بکر ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ اس سے مراد عمر ہے۔ اس پر آپ کے علامہ کنتوری فرماتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے کسی شارح امامیہ نے مراد ہونا لفظ فلان سے ابو بکر یا عمر کا بیان نہیں کیا و ہذہ عبارتہ۔ ان هذا الافك مبين۔ ازین ناصبی باید پرسید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابو بکر یا عمر ست الخ اس پر حضرت خاتم المتکلمین رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کنتوری کی تکذیب فرمائی اور باین عبارت فرمایا۔ قولہ ان ہذا الافک مبین۔ اقول سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ زیرا کہ مراد ازین شراح امامیہ مثل بحرانی ہستند ولیکن چون این بے نصیب کتب مذکورہ ندیدہ میگوید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابو بکر یا عمر ست۔ اینک عبارت رئیس الحکماء والمتبحرین کمال الدین مذکور بگوش خود بشنود خاک مذلت بر خود بریزد از مسند تکلم و تصنیف برخیزد حیث قال الخ اسی طرح اور چند جگہ آپ کے مفتی صاحب نے حضرت خاتم المحدثین کی اس بحث میں تکذیب کی اور اپنا تبحر جتایا اور حضرت خاتم المتکلمین نے اس کے جواب میں آپ کے مفتی صاحب کی تکذیب فرمائی اور ابن میثم کی عبارات نقل کر کے ان کے دعوئ تبحر کو توڑا۔ اب بعد اس تقریر کے آپ اپنے جواب کو مطابق کیجیے اور خیال فرمائیے کہ آپ کے جواب اور معارضات کو اس سے کیا ربط اور کیا مناسبت ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر بحرانی کے نزدیک یہ توجیہات تحقیقی اور اصلی جواب ہوں گویا ان کے نزدیک بدون تنزل و استہزاء کے ممدوح ان اوصاف عالیہ کے اور مراد لفظ فلان سے حضرت ابو بکرؓ یا عمرؓ ہی ہوں اور فی الواقع مفتی صاحب نے شرح ابن میثم نہ دیکھی ہو تو کون سے عیب اور نقص کی بات ہے ایک کتاب کا نہ دیکھنا یا بوقت تحریر اس کے مضامین کا یاد نہ رہنا کچھ بڑی بات نہیں کیا ضرور ہے کہ ہر عالم کی کتاب اور اس کی تحقیق ہمیشہ مد نظر رہے۔ لیکن ہم کب کہتے ہیں کہ شرح ابن میثم کا نہ دیکھنا کچھ عیب اور نقص کی بات ہے اور ہونے اور ہمارے خاتم المتکلمین رحمۃ اللہ علیہ نے کب کہا ہے ایک کتاب کا نہ دیکھنا یا اس کے مضامین کا بوقت تحریر یاد نہ رہنا کچھ بڑی بات ہے اور ہم نے کب دعوے کیا ہے کہ ہر ایک عالم کی کتاب اور اس کی تحقیق ہمیشہ مد نظر رہنا ضرور ہے ہمارا اور ہمارے خاتم المتکلمین رحمۃ اللہ علیہ کا ادعا تو یہ ہے کہ اگر مفتی صاحب نے شرح ابن میثم نہیں دیکھی تھی یا آپ کو یہ مضامین یاد نہیں رہے تھے تو یہ زبان درازی اور بیہودہ درائی کیوں فرمائی کہ کہیں فرماتے ہیں ان ہذا الافک مبین،

ازین ناصبی باید پرسید کہ کدام امامیہ گفتہ کہ مراد ابو بکر یا عمر ست رکھیں لکھتے ہیں۔ این ادعا کذب محض ست کہیں فرماتے ہیں، ثبت الدار ثم النقش۔ اول این معنی باثبات باید رسانید کہ مراد از لفظ فلان درین کلام ابو بکر ست الخ۔ اور کیوں ایسا واویلا کیا کہ زمانہ کو سر پر اٹھا لیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے تمام شروح منہج البلاغت کا ملاحظہ فرمایا ہے اور تمام شروح کے مضامین اور تمام شراح کی تحقیقات ضبط اور محفوظ ہیں۔ اگر آپ نہیں جانتے تھے تو لفظ فلان سے شیخین کے مراد ہونے کا انکار اور علماء امامیہ کی توجیہات کرنے کا انکار کس بنا۔ پر کیا ان کو تو دعوے تمام شروح کے دیکھنے اور تمام مضامین کے مستحضر ہونے کا ہے اگر باوجود اس نہ جاننے کے وہ سمجھتے ہوتے کہ میں نہیں جانتا ہوں تو اس شد و مد سے تکذیب و انکار نہ کرتے بلکہ یہ کہتے کہ میں نے سوائے ابن ابی الحدید کے دوسری شرح نہیں دیکھی یا تمام شروح نہیں دیکھی یا میں اس دعوے کی تصدیق و تکذیب کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا یا یہ کہ تمام شروح دیکھی تھی مگر اس موقع کے مضامین مجھ کو یاد نہیں رہے الی غیر ذلک اور اس میں چندان نقص و عیب نہ تھا اگرچہ اس قدر تو اس میں بھی خلل تھا کہ جب کتاب تصنیف فرمانے بیٹھے اور خصم کے جواب دینے کا ارادہ کیا تو کیا مشکل ہے کہ شروح منہج البلاغت کے اس موقع خاص کو دیکھیں خصوصاً ایسا امر کہ جس پر بطلان مذہب کا مدار ہو اور بقول آپ کے بعض شروح بھی جن میں یہ توجیہات مذکور ہوں نایاب نہ ہوں تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ کتاب کھول کر نہ دیکھ لیں اور یوں ہی دعوے فرمائیں جس سے معلوم ہو کہ ان کا علم تمام شروح کے مضامین کو حاوی ہے بس واضح رہے کہ نہ آپ کے مفتی صاحب نے اپنے نہ جاننے کا اظہار کیا اور نہ اعتراض عدم علم پر ہے بلکہ محل اعتراض مفتی صاحب کا دعوئے تبحر ہے کہ باوجود نہ جاننے کے اپنا علم و تبحر کذبا و افتراء جتلا رہے ہیں اس پر آپ کا یہ جواب دینا کہ نہ جاننا کچھ عیب کی بات نہیں اور نہ محفوظ رہنا کچھ بڑی بات ہے یہ ایسا جواب ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے مفتی صاحب کی عبارت کو بھی نہیں سمجھے ورنہ اتنا تو سمجھتے کہ اعتراض سے نہ جاننا ثابت ہوتا ہے یا جاننا اور ازالۃ الغین کی عبارت کو بھی نہیں سمجھے اور نہ اس جواب کو ان سے کچھ ربط و تعلق ہے علاوہ ازیں اس تقریر پر کہ بحرانی نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ تحقیقی اور واقعی ہو اور ان کے نزدیک یہ جواب اصلی جواب ہوں اور مفتی صاحب نے شرح ابن میثم کو ملاحظہ نہ فرمایا ہو یا اس کے مضامین ان کو یاد نہ رہے ہوں بحسب بیان علامہ ابن میثم یہ اعتراض۔ ان الممادح التی ذکرها علیه السلام فی حق احد الرجلین ینافی ما اجمعنا علیه من

تخطیہ و اخذہما منصب الخلافۃ فاما ان لا یکون الکلام من کلامہ علیہ السلام او ان یکون اجماعنا خطائً وارد ہوتا ہے اور علامہ بحرانی نے خود جواب شیعہ سے نقل کئے ہیں وہ جواب بداہۃً معلوم ہوتا ہے کہ ہرگز صلاحیت رفع اعتراض کی نہیں رکھتے چنانچہ حضرت صاحب تحفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل سے اس امر کو ثابت کر دیا ہے تو اب فرمائیے کہ ہر دو امور مندرجہ اعتراض میں سے کسی کو اختیار فرمائیے گا کہ یا آپ کا اجماع خطا پر ہے یا یہ کلام جناب امیرؓ کا کلام نہیں ہے اور شریف رضی نے من تلقاء النفس کذا بڑھا دیا لیکن یہ تو واضح ہے کہ شریف رضی تو دیدہ و دانستہ ایسے کلام کو جو صریح مدح شیخین پر دلالت کرے اپنے خلاف مذہب کیوں بڑھاتا ایسا احتمال مؤیدات مذہب میں تو ہو سکتا ہے اور منافیات مذہب میں یہ امر بالکل مفقود ہے نادانستگی کا عذر غیر مسموع علی الخصوص حاشیہ پر بخط الرضی لکھا ہوا مل گیا کہ لفظ فلان کے نیچے عمر لکھا تھا تو شریف رضی کے بڑھانے اور اس کلام کے جناب امیر کے کلام نہ ہونے کا تو احتمال باطل ہوا تو ثابت و متعین ہوا کہ آپ کا اجماع خطا پر واقع ہے وہو المطلوب۔ اگرچہ اس گذارش سے آپ کے معارضات بھی باطل ہو گئے تھے لیکن ذرا تفصیل سے سنئیے کہ اول معارضہ جناب نے حضرت صاحب تحفہ قدس سرہ العزیز کی نسبت اپنے والد ماجد کی تصنیفات نہ دیکھنے کے بارہ میں فرمایا اور فرمایا کہ ہم کئی جگہ اس تحریر میں یہ امر ثابت کر چکے ہیں پس اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہ محض جناب کی خوش فہمی ہے کہ آپ نے اپنی عادت کے موافق عبارت ازالۃ الخفاء کے مطلب سمجھنے میں غلطی کی تھی چنانچہ جس جگہ اس تحریر میں آپ نے یہ دعوے فرمایا ہے وہیں ہم بھی بخوبی اس کو باطل کر آئے ہیں حاجت اعادہ نہیں ہے۔ دوسرا معارضہ آپ نے حضرت خلیفہ فاروق رضی اللہ عنہ کی نسبت آیت قرآنی متضمن موت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یاد نہ رہنے کی بابت فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اول نسیان کسی کے نزدیک محل اعتراض نہیں یاد آتا ہے کہ بعض شیعہ نے نسیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جائز رکھا ہے۔ خود جناب امیر شیطان لعین کے مہلت یافتہ ہونے کو بھولے ہوئے تھے اور ابلیس کی تلقین سے متنبہ ہوئے اور نہ خاتم المتکلمین کا اعتراض نسیان کی بابت ہے پس جب نسیان منافی نبوت نہیں تو منافی خلافت کیونکر ہو سکتا ہے۔ معہذا حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا نسیان بوجہ صدمہ ہوش ربا وفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش آیا تھا۔ مگر آپ کے مفتی صاحب پر کیا مصیبت پڑی اور ان کو کیا صدمہ پیش آیا جس سے ان کے ہوش و حواس سلب ہو گئے اور باختہ حواس ہو کر بے غفلت طاری ہوئی اور نسیان پیش آیا۔ اگر حضرت علامہ دہلوی قدس سرہ العزیز کے اعتراضات کا صدمہ و مصیبت ہے اور انکا داء عضال ہونا اس کا باعث ہے تو ہم بھی آپ کے مفتی صاحب کو معذور سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس موقع میں کہ جو جناب مفتی صاحب کو پیش آیا اور دوسرے مواقع میں کہ جس جگہ کتب کا نہ دیکھنا یا مضامین کا یاد نہ رہنا کچھ عیب یا نقص کا باعث نہیں سمجھا جاتا یوں بعید ہے وہ یہ کہ جس جگہ کتب کا نہ دیکھنا یا وقت تحریر مضامین کا یاد نہ رہنا معیوب نہیں سمجھا جاتا وہ موقع ہے کہ جہاں فیما بینہما تعلق بعید ہو کہ اس سے ان مضامین کی طرف انسباق ذہن کا کم ہو اور انتقال فکر کا ادھر سے ادھر نادر ہو ایسے مواقع میں اگر وقت تحریر مضامین یاد نہ رہے یا کتاب کو نہ دیکھے تو معذور سمجھا جا سکتا ہے اور یہ موقع جو آپ کے مفتی صاحب کو پیش آیا کہ خصم نے اپنے ثبوت دعوے میں ایک کتاب کے خاص موقع کو مستدل قرار دیا اور اس کتاب کے شروح کے مضامین متعلقہ کو اپنے دعوے کی تائید میں بیان کیا تو اگر کوئی شخص اس خصم کے جواب میں بدون اس کے کہ شروح دیکھے اور ان کی طرف مراجعت کرے اور خصم کے دعوے کا صدق یا کذب کتب سے مقابلہ کر کے معلوم کرے، صاف انکار کر دے اور کہے کہ کسی کتاب میں اس کا نام و نشان نہیں اور یہ دعوے محض کذب و دروغ ہے، حالانکہ خود یہ انکار و تکذیب محض کذب و دروغ ہو، تو ہرگز وہ معذور نہ سمجھا جائے گا اور کبھی ملامت سے نہ بچے گا پھر اگر کوئی اس کے اتباع میں سے اس کی حمایت کرے اور عذر کرے کہ آپ نے کتاب نہیں دیکھی تھی اور آپ کو یاد نہیں رہا تھا تو یہ کسی عاقل کے نزدیک قابل التفات نہ ہو گا بلکہ مصداق مثل مشہور عذر گناہ بدتر از گناہ کا سمجھا جائے گا کیونکہ اس موقع میں بوجہ غایت اتصال و قرب تعلق فیما بینہما اس پر واجب تھا کہ شروح کی طرف مراجعت کرنے اور اس دعوے کے صدق و کذب کو کتب سے مقابلہ کر کے دیکھے تو اس نے ترک واجب کیا اور اپنے مذہب کی حمایت میں صریح مرتکب کذب و خیانت کا ہوا تو ایسے موقع میں جس قدر ملامت کی جاوے بجا ہے اور جس قدر گرفت کی جاوے زیبا۔ پس ہمارے فاضل کا بحمایت اپنے مفتی صاحب کے فرمانا کہ اگر انھوں نے کتاب نہ دیکھی ہو یا مضامین یاد نہ رہے ہوں تو کیا عیب و نقص کی بات ہے، سراسر واہیات ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سراسر عیب اور نقص اور خیانت و کذب اور مرتبہ تصنیف کے بالکل مخالف ہے۔ رہا خلافت کے اہم المہمات ہونے کا جو آپ اشارہ فرماتے ہیں سو یہ وہ غلطی ہے جو ابحاث سابقہ میں آپ کو پیش آ چکی اور بتفصیل تمام اس کی نسبت ہم گذارش خدمت کر چکے ہیں۔

قال الفاضل المجیب: قولہ، یہ ایک بحث کا حال ہے جس سے علماء شیعہ کا پایۂ علم اور تدین بخوبی معلوم ہو سکتا ہے حالانکہ اس بحث کی غلطیوں کا استیفاء نہیں کیا گیا، اقول، ہاں یہ ایک بحث کا حال ہے جس سے علماء سنیہ کا پایۂ علم و دیانت و فہم و فراست و عقل و کیاست بخوبی معلوم ہو سکتا ہے حالانکہ اس بحث کی غلطیوں کا بھی استیفاء نہیں کیا گیا،

مجیب کے اس اعتراض کا جواب کہ علماء اہل سنت للہ بلاد فلان کو غلطی سے قسم کہتے ہیں

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: بحول اللہ تعالیٰ و قوتہ اہل سنت کا پایۂ علم و دیانت و فہم و فراست ایسا ظاہر و باہر ہے کہ کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا یہ ہی جماعت مصداق ید اللہ علی الجماعۃ وغضب اللہ علی من خالفہا کے ہے، ہاں علماء شیعہ کا پایۂ علم و دیانت و فہم و فراست قابل تماشا ہے کہ جن کے اکابر مذہب ان کے زعم میں ہمیشہ تقیہ کے پردے میں مختفی رہے اور مذہب کو دائما صندوق تقیہ میں بند رکھا، سو بحمد اللہ فریقین کے علم و دیانت و فہم و فراست کی حالت اسی بحث سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے بشرطیکہ انصاف کا چشمہ چشم بصیرت پر لگا کر دیکھا جاوے۔

قولہ: مگر کسی قدر اس بحث کے مفصل جواب میں بیان ہوا ہے کہ علاوہ خلاف واقع بیان کرنے وغیرہ کے علم و فضل کا مرتبہ بھی بدرجہ کمال حاصل کیا ہے یہاں تک کہ جو باتیں کہ درس خوان دبستان کو معلوم ہیں ان سے بھی کمال مہارت بہم پہنچائی ہے، جیسا کہ للہ بلاد فلان کو بہ رفع از قسم قسم دروغ فرماتے ہیں حالانکہ کتب نحویہ و لغویہ میں تصریح ہے کہ للہ درہ و للہ ابوہ و للہ بلاد و مثل اس کے کلمات تعجب سے ہے قسم سے اس کو کیا علاقہ، اور جواب تنزلی و تقدیری کو اصلی سمجھتے ہیں فیا للعجب اس علم و فضل پر کوئی صاحب خاتم المحدثین اور کوئی صاحب خاتم المتکلمین کا خطاب اپنے اہل نحلہ سے پاتا ہے ان ہذا الشیء عجاب۔

اقول: اہل انصاف برائے خدا ذرا اس بحث کو جو ہمارے فاضل مجیب نے بصد ناز و افتخار تحریر فرمائی ہے سنیں اور حضرات علماء شیعہ کا مرتبہ علم و فضل ملاحظہ فرمائیں کہ واقعی جو باتیں کہ اطفال مدرسہ کو معلوم ہوں گی حضرات ان میں غلطاں و پیچاں ہوتے ہیں اور ان سے بھی واقف نہیں میں نے غلط کہا بلکہ ان میں کمال مہارت بہم پہنچائی ہے، آپ اعتراض فرماتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ آپ

اپنے علماء سے نقل فرماتے ہوں گے، کیونکہ آپ تو فرما چکے ہیں کہ میں محض فارسی خواں ہوں، آپ کو کتب نحویہ و لغویہ سے اور تحقیق للہ بلاد وغیرہ سے کیا تعلق اور نیز اس قول کے شروع عبارت میں بھی اس طرف ایماء ہے کہ لکھتے ہیں، اس بحث کے جواب میں مفصل بیان ہوا ہے تو ہم کو یہ کہنا چاہیئے کہ فاضل مجیب نقلاً اپنے علماء سے اعتراض نقل کرتے ہیں کہ علماء اہلسنت نے للہ بلاد فلان کو بدروغ قسم دروغ فرمایا ہے حالانکہ یہ کلمہ تعجب کا ہے، اب اس کا جواب سنیئے کہ یہ آپ کے علماء کا محض کذب اور افتراء اور بہتان ہے ہرگز علماء اہلسنت نے للہ بلاد فلان کو جو حسب تصریح فاضل بحرانی کلمہ مدح کا ہے قسم نہیں فرمایا ہے صواقع اور تحفہ اور ازالۃ الغین میری نظر سے بھی گذری ہیں اور غالباً تحفہ کی نسبت یہ اعتراض ہو گا اس لیئے میں عبارت ان کتابوں کی نقل کر کے اپنے فاضل کو ان کے علماء مجتہدین کے تبحر اور تقدس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں فرمائیں تو سہی کہ اس عبارت میں کہاں لکھا ہے کہ للہ بلاد فلان کلمہ قسم ہے خواجہ نصر اللہ رحمۃ اللہ علیہ صواقع میں یہ خطبہ نقل کرنے کے بعد اول جواب وکان منہ علی وجہ استصلاح من یعتقد صحۃ خلافۃ الشیخین کے ضمن میں فرماتے ہیں فانہ اثبت للامام المعصوم انہ کذب عشر کذبات صراح مؤکدۃ و حلف عشر حلفات کاذبۃ من غیر الجاء ضرورۃ داعیۃ الیہ فان استصلاحہم و استجلاب قلوبہم تحصل بغیر الکذب والیمین الکاذب اور نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں فانہ وقوع الفتنۃ فی خلافۃ عثمان کان معلوما لکل احد غیر خفی وحل یخفی علی الناس القمر و انہ حلف عشر حلفات کاذبۃ ۔ الی ان قال، فان المؤمن اللبیب لا یرتکب الکذب والیمین الکاذب لامر یحصل بالصدق فضلا عن الکاذب والایمان الکاذبۃ، حضرت علامہ دہلوی قدس سرہ العزیز تحفہ میں توجیہ اول کے ضمن میں فرماتے ہیں لکن بر عاقل منصف پوشیدہ نیست کہ دروغ مؤکد بقسم را نسبت بجناب معصومی نمودن کہ برائے غرض سہل دنیا یعنے دلداری چندکس الخ، پھر فرماتے ہیں کہ کدام ضرورت بہیچ این ہمہ تاکیدات و مبالغات و ایمان اغلاظ شدہ بود، پس یہ عبارتیں ہیں اس میں کہاں لکھا ہے کہ للہ بلاد فلان کلمہ قسم ہے حضرات شیعہ کی یہ عادت ہے کہ اپنی خوش فہمی سے ایک غلط مضمون تراش لیا اور اس پر اعتراض کرنے لگے بمقتضا اپنے کمال فضل و علم کے اس جگہ یہ سمجھ لیا کہ للہ بلاد فلان کے معنی قسم کے لکھے ہیں اور اس پر ناحق واویلا شروع کر دیا، اب رہا یہ کہ شاید اپنی کمال تبحر اور ہمہ دانی سے یہ سوال کریں گے کہ اگر للہ بلاد فلان کے معنی قسم کے نہیں لکھے تو پھر یہ قسم کھانے سے پیدا ہوتے اور کون سا

حرف قسم کا عبارت میں موجود ہے جس کے معنے قسم کے خواجہ نصر اللہ اور علامہ دہلوی نے لکھے ہیں
اس کا جواب یہ ہے کہ نحو کے چھوٹے چھوٹے رسائل میں لکھا ہے کہ قسم مقدر مثل ملفوظ کی ہوتی ہے
چنانچہ غالباً کافیہ ابن حاجب میں ہے وتقدیر القسم کا لفظ پس اول للہ ملا د فلان کلمہ مدح کا ہے
بعد اس کے لفظ لقد قسم مقدر پر دال ہے اور اس کا جواب واقع ہے مغنی اللبیب میں لکھا ہے
وقال غیرہ زمخشری فی نحو ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم قد فی الجملۃ
الفعلیۃ المجاب بہا القسم مثل ان واللام فی الجملۃ الاسمیۃ المجاب بہا القسم فی
افادۃ التوکید. دوسری جگہ لام تاکید کے بیان میں لکھا ہے وبعضہم المتصرف المقرون
بقد نحو ولقد کانوا عاھدوا اللہ من قبل لقد کان فی یوسف واخوتہ
ایات والمشہور ان ھذہ لام القسم بیضاوی میں لکھا ہے ولقد علمتم الذین اعتدوا
منکم فی السبت اللام موطئۃ للقسم اس پر محشی عبد الحکیم لکھتا ہے ای ممھدۃ ومعینہ
للقسم المحذوف وقرینۃ علیہ. تو ان عبارات سے معلوم ہوا کہ یہاں قسم مقدر ہے اور
تقدیر عبارت اس طرح ہے. للہ بلاد فلان فو اللہ لقد قوم الاود وداوی الخ اے حضرت میر صاحب
آپ کے علماء نے ہم پر یہ اعتراض کر کے اپنے علم و فضل کی آپ ہی دلیل و سند دے دی پھر
اس پر آپ کا اس کو ناز و افتخار کے ساتھ ہمارے مقابلہ میں لکھنا اور بناظرہ، یہ ایک چھوٹی سی بحث
ہے جس سے پایہ علم و فضل علماء شیعہ و علماء اہل سنت کا بخوبی معلوم ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم
ہو سکتا ہے کہ علماء اہلسنت خطاب خاتم المحدثین اور خاتم المتکلمین کے لائق ہیں یا علماء شیعہ
جن کو چھوٹے چھوٹے مسائل نحو میں بھی کمال مہارت ہے. خطاب مجتہد اور علم الہدیٰ اور صدوق کے
لائق ہیں. رہا ابن میثم کے جواب کو تنزلی و تقدیری کہنا ایسی خطا فاحش ہے کہ جس کو تھوڑی سی عقل
و انصاف ہو وہ بھی اس کو سمجھ سکتا ہے اور اگر فاضل مجیب شرح ابن میثم ملاحظہ فرمائیں گے تو خود
اپنی اس خطا پر متنبہ ہو جائیں گے۔

قال الفاضل المجیب: قولہ: اگر تامل کیا جاوے تو جوابات تحفہ ایسی غلطیوں سے پر ہیں پس
آپ انصاف سے فرمایئے کہ تحفہ زیادہ عدم اعتماد کے قابل ہے یا اس کے جوابات معتمد علیہ جناب
مخاطب. اقول آپ نے جوابات تحفہ کب دیکھے کہ تامل فرماتے اگر آپ ان کو دیکھتے اور کچھ تامل و
انصاف سے کام لیتے تو آپ کو کالشمس فی نصف النہار روشن ہو جاتا کہ صاحب تحفہ کے بہت ہی
ایسے قول ہوں گے جو غلطی و خلاف واقع گوئی سے خالی ہوں اور حاشا کہ جوابات تحفہ میں غلطی ہو

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: ایسے غلط بات و کذب کے جواب میں بجز اس کے کہ ہم
سکوت کریں یا ہم بھی جھوٹ بولیں کہ آپ سچ کہتے ہیں اور کچھ جواب نہیں دے سکتے۔
قولہ: اگر آپ کا یہ فرمانا صحیح ہوتا تو اب تک کوئی صاحب تو آپ صاحبوں میں سے مرد میدان
ہوتا اور ان کا جواب لکھتا،

اقول: جب وہ اس قابل ہی نہیں کہ اہل علم ان کے جواب کی طرف متوجہ ہوں تو ہمارا اصل
استدلال جو ابطال مذہب شیعہ پر تھا بجائے خود باقی رہا پھر ہم کو ان کے جواب لکھنے کے اور ناحق
تضیع اوقات کی کچھ ضرورت نہیں ہے، علاوہ اس کے ہماری بھی ایسی کتابیں ہیں جن کا علماء شیعہ
نے جواب نہیں لکھا تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان میں غلطی ہوتی تو آپ صاحبوں میں سے کوئی تو
مرد میدان ہوتا اور ان کا جواب لکھتا،
قولہ: آپ کے خاتم المتکلمین کی یہ جرأت نہ ہوئی مگر ہاں خال خال جہاں کہیں ان کو
اپنی سمجھ کے موافق قلت تدبر و تفکر سے جائے انگشت معلوم ہوئی اس قول کو نقل کر کے بہت کچھ
شور و غل مچایا، مگر اہل فہم و انصاف جانتے ہیں کہ فضول تھا چنانچہ اسی بحث سے جس کو آپ نے
بڑے ناز و افتخار سے تہدیداً لکھا تھا معلوم ہو گیا۔
اقول: ہمارے خاتم المتکلمین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں جو بالاستقلال آپ کی
بعض تحریرات کے جواب میں فرمائے تبعاً و استطراداً حسب محل و موقع جوابات تحفہ وغیرہ کی
بخوبی قلعی کھول دی ہے جس سے صاف واضح ہے کہ یہ جوابات قابل التفات طلبہ علوم بھی نہیں
ہیں چہ جائیکہ علماء متصدی جواب ہوں چنانچہ اہل فہم و انصاف جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اسی بحث
سے جو ابھی گذر چکی بخوبی واضح ہے۔
قولہ: آپ ہی انصاف فرماویں کہ جب آپ نے تحفہ کے اجوبہ ملاحظہ ہی نہیں فرمائے
تو آپ کیونکر ان کے اعتماد و عدم اعتماد کی بابت کچھ کہہ سکتے ہیں،
اقول: یہ آپ کا خیال و زعم بالکل غلط ہے جس کی کچھ اصل نہیں،
قولہ: جاننے والے پرکھنے والے جانتے ہیں کہ کون اعتماد کے قابل ہے،
اقول: بے شک اس پر ہمارا بھی صاد ہے۔
قال الفاضل المجیب: قولہ: شیعوں کی بعض فرضی کتابیں گھڑ لیں، جناب مخاطب کی تحریر سے
تو ان کا مادہ علمی اس قدر معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے مذہب کی تمام کتب یا تمام کتب مشہورہ پر عبور اور ان

کی واقفیت ہو۔ اقول۔ اس آپ کی تشخیص پر ہم بھی صاد کرتے ہیں میں اپنی کم علمی ہیچمدانی شروع ہی میں عرض کر چکا ہوں۔

تقاضائے احتیاط

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: چونکہ اس جگہ فاضل مجیب نے جو ہمارے جواب کی عبارت نقل کی ہے اس میں خلط واقع ہوتا ہے مبادا ناظرین اقوال کو تعیین اقوال میں تردد و اشتباہ واقع ہو اس لئے بنظر احتیاط عرض کرتے ہیں کہ اس جگہ جو لفظ قولہ ہمارے فاضل مجیب کے کلام میں واقع ہے یہ قول ہماری تحریر میں کا ہے اور ضمیر اس کی راجع بطرف فاضل مخاطب ہے اور بعد اس کے عبارت "شیعوں کی بعض فرضی کتابیں گھڑ لیں" اصل سوال فاضل مخاطب کا جملہ ہے جس کا جواب ہم نے لکھا ہے اور کہا ہے جناب مخاطب کی تحریر سے الخ پس ناظرین یہ خیال نہ فرماویں کہ قولہ کے قائل فاضل مجیب ہیں اور ضمیر ہماری طرف راجع ہے اور عبارت شیعوں کی بعض فرضی الخ ہماری عبارت ہے جیسا کہ ظاہر سے مستفاد ہوتا ہے فلیتنبہ۔ سابق میں ہمارے فاضل مخاطب نے ہمارے قولہ کو اپنے قول کے ساتھ ملا کر بتکرار قولہ قولہ کر کے لکھا تھا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایک لفظ قولہ سہواً کاتب سے ترک ہو گیا ہو گا یا عمداً کر بیہ و مستقبح سمجھ کر چھوڑ دیا ہو گا تعجب ہے کہ با این ہمہ ہیچ مدانی اگر یہ کسر نفس کے طور پر نہیں ہے تو آپ نے اصول و فروع میں بلا تقلید مرتبہ حق الیقین کا کیونکر پیدا کر لیا معلوم ہوتا ہے کہ اصل ادعائے ہمہ دانی ہے اور یہ محض تواضع۔

قولہ: لیکن اگر گستاخی معاف ہو تو بصد ادب اس قدر گذارش ہے کہ بندہ تو تمام کتب یا تمام کتب مشہورہ پر عبور نہیں رکھتا اور واقف نہیں مگر جناب با این ہمہ ادعائے علم و فضل اصل مسئلہ متنازع فیہ سے ہی آگاہ نہیں چنانچہ امامت کو مسائل فروعیہ سے بیان کرنے میں ازالۃ الغین کے حوالہ کی ضرورت ہوئی۔ اس مسئلہ کو آپ کی کتب احادیث وغیرہ حتی کہ کتب عقائد میں اہم المہمات لکھا ہے مگر آپ اس کو اہم المہمات نہیں جانتے یہ محض کتب کلامیہ و عقائد و احادیث وغیرہ پر عبور نہ ہونے کا ہی سبب معلوم ہوتا ہے ورنہ شاید اجتہاد کا دعویٰ تو آپ کو بھی نہ ہو۔

اقول: حضرت نے دریافت فرمایا تھا کہ مسئلہ امامت اہل سنت کے نزدیک اصول دین سے ہے یا فروع سے بندہ نے بجواب اس کے عرض کیا کہ اہلسنت کے نزدیک مسئلہ امامت فروع میں سے ہے اور اس کے ثبوت میں حوالہ خاتم المتکلمین کی عبارت کا جو اس وقت سامنے

موجود تھی لکھنا کافی سمجھا پس اس پر جناب کا فرمانا کہ اصل مسئلہ متنازعہ فیہا سے آگاہی نہیں آپ ہی انصاف سے فرماویں کہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اگر آپ کسی مسئلہ میں اس کے ثبوت کے وقت حوالہ اپنے مجتہد العصر یا مفتی کنتوری صاحب کا دیویں اور مسئلہ بھی صحیح فرماویں تو کوئی دعوے کر سکتا ہے کہ آپ اس مسئلہ سے آگاہ نہیں حاشا و کلا۔ اور بالفرض اگر میں شرح عقائد کا حوالہ دیتا تو بھی آپ یہ ہی اعتراض فرما سکتے تھے جب تک کہ تمام کتب عقائد و احادیث وغیرہ کی ذکر نہ کی جاتی حالانکہ کوئی شخص تمام حوالوں کو جمع نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ حوالہ سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ کی صحت کی نسبت طمانیت ہو جاوے اور یہ بمجرد نقل قول کسی معتبر عالم کے حاصل ہو سکتا ہے علی الخصوص جب کہ مسئلہ بھی مسائل فروعی میں سے ہو اور یہ امر حضرت خاتم المتکلمین کی طرف حوالہ سے بخوبی حاصل ہے پس اس کی نسبت جناب کا عدم آگاہی فرمانا عدم آگاہی قانون انصاف سے ہے۔ اگرچہ یہ بات مسلم اور صحیح ہے کہ بندہ کو تمام کتب کلامیہ و احادیث وغیرہ پر عبور نہیں ہے اور نہ بندہ کو دعوے اجتہاد ہے مگر تعجب یہ ہے کہ آپ کے جناب مفتی صاحب نے خلاف واقع دعوے فرمایا کہ شروح نہج البلاغت میں کہیں یہ توجیہات مذکور نہیں اور جناب نے اس کی نسبت عذر فرمایا کہ کیا ضرور ہے کہ ہر عالم کی کتاب اور اس کی تحقیق ہمیشہ مد نظر رہے۔ ہر ایک کتاب کا نہ دیکھنا یا ہر وقت تحریر اس کے مضامین کا یاد نہ رہنا کچھ بڑی بات نہیں اور کچھ عیب و نقص کی بات نہیں کہ اگر ایک کتاب کو نہ دیکھا ہو یا اس کے مضامین یاد نہ رہے ہوں۔ پس جب آپ کے نزدیک شروح نہج البلاغت کے نہ دیکھنے سے آپ کے مفتی صاحب کے تبحر میں کچھ فرق نہ آیا اور ان کے کذب کی طرف سے یہ عذر بار دفرمایا اور برسر و چشم قبول کر لیا تو ہم نے ایسا کیا قصور کیا تھا کہ باوجودیکہ مسئلہ صحیح عرض کیا اور حوالہ بھی صحیح دیا لیکن ہاں تمام حوالوں کو جمع نہیں کیا اس کو ہماری کتب عقائد و احادیث وغیرہ پر عدم عبور کا سبب قرار دیا اور عدم آگاہی اور ناواقفیت سمجھا۔ آپ نے انصاف کے کس قاعدہ کے موافق یہ فیصلہ فرمایا آپ کے مفتی صاحب باوجود خطا کے بھی متبحر ہی رہیں اور ہم بے خطا ناواقف و نادان سمجھے جائیں یہ صریح ہٹ دھرمی اور حق پوشی نہیں تو کیا ہے۔ انصاف تو اس کو مقتضی ہے کہ اگر ہم کو آپ صرف اس وجہ سے مطعون کرتے ہیں کہ ہم کو کتب احادیث و کلام وغیرہ پر عبور نہیں یا وقت تحریر مضامین یاد نہ رہے تو اپنے مفتی صاحب کو بھی اگر دو چند نہیں تو ہمارے برابر تو مطعون و ملام بنائیے۔ رہا اہم المہمات کا ذکر کرنا یہ وہ خوش فہمی ہے جو بہت جگہ اس تحریر میں آپ نے ظاہر فرمائی کہ ہم گنتے گنتے تھک گئے۔ اور اس کا جواب مفصل سابقاً مذکور ہو چکا ہے۔

قال الفاضل المجیب۔ قولہ: اگر دعوےٰ ہے اور اجازت ہو تو بندہ معیار امتحان سے اس امر کی بخوبی آزمائش کرسکتا ہے۔ اقول: بندہ کو ہرگز دعوےٰ نہیں ہے میں کیا اور میرا دعوےٰ کیا جاہل وظالم وناقص ہیچ میرز ہیچمدان اقل الخلیقہ بل لاشیٔ فی الحقیقۃ ہوں اور اس کے جواب میں بجز اس کے کہ جناب نے اپنی بلند حوصلگی وعالی ظرفی ظاہر فرمائی ہے کیا عرض کروں اگر غرور وتکبر معیوب وممنوع نہ ہوتا تو شاید بخیال اس کے کہ التکبر مع المتکبر صدقۃ یہ شعر عرض کیا جاتا۔ بیت ؎

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیان　　تا سیہ رو شود ہر کہ درو غش باشد

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: اگرچہ ہم نے بعض مضامین چھانٹ رکھے تھے کہ گذارش خدمت اقدس کریں گے لیکن جب جناب نے ترک دعوےٰ میں اس قدر عجز وانکسار فرمایا گو کسی طور سہی تو اب انسانیت سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ ہم کچھ اس عنوان خاص سے لکھیں اور فی الحقیقت یہ تمام تحریرات ہی محک امتحان ہیں اس سے سب کچھ واضح ہوچکا ہے۔ رہا بندہ کی نسبت جو جناب نے بلند حوصلگی وعالی ظرفی طنز وتعریض کے طور پر اور تکبر صراحۃً تحریر فرمایا گویا اپنے ہی حال کا نقشہ کھینچا ہے کیونکہ بندہ تو محض سائل ہی ہے۔ بس۔

قال الفاضل المجیب: قولہ: معہذا بعض کتب بعض ازمنہ میں مشہور ہوتی ہیں اور وہی بعض ازمنہ میں مفقود ومستور۔ اقول: آپ نے یہ مضمون ازالۃ الغین سے نقل تو کردیا مگر ذرا غواص طبع کو بحر لتفکر میں غوطہ زن نہ فرمایا کہ بالفرض اگر یہ آپ کا قول تسلیم بھی کرلیا جاوے تاہم وہ کتب گو بعض ازمنہ میں مفقود ومستور ومتداول نہ ہوں مگر السنہ علماء وکتب رجال میں تو ضرور مذکور رہوں گی ورنہ ان کی سند کیونکر جائز ہوگی۔ آپ کے خاتم المتکلمین جو ازالۃ الغین میں فرماتے ہیں کہ مخفی نیست کہ بسا باشد کہ کتابے در زمانے شہرت می یابد وبعد زمانی شہرتش از صفحۂ کائنات محو گردد وینعکس بالعکس الخ۔ چونکہ یہ محض دعوےٰ لسانی تھا اس کی مثال پر قادر نہ ہوئے۔ اور دوسری صورت جو ہیچمنیں بعضے از کتابہا الخ بیان فرمائی اور جو اس کی مثال کتاب السیف المسلول کی دی بے شک یہ ممکن ہے مگر کتاب سیف المسلول موجود اور علماء کی زبان پر مذکور اس کے مصنف کا حال معلوم ہے اسی طرح اگر کوئی کتاب مجاج السالکین ہوتی تو ضرور وہ بھی موجود اور علماء کی زبان پر مذکور ہوتی اس کے مصنف یا مولف کا حال معلوم ہوتا گو وہ متداول نہ ہوتے اور اگر ایسا نہ ہو تو ہر شخص ایک ایسی کتاب کا حوالہ دے کر جو اصل میں تصنیف یا تالیف ہی نہ ہوئی ہو کہہ سکتا ہے کہ بعض کتب بعض ازمنہ میں مشہور ہوتی ہیں اور وہی بعض ازمنہ میں مفقود ومستور فرمایئے آپ اس

کا کیا جواب دیں گے۔ ایسی کتاب کا حوالہ جو اس زمانہ میں مفقود ومستور ہو اور اس مذہب والوں کے رجال میں بھی کہیں اس کا ذکر نہ ہو نہ اس کے مصنف کا نام مفصل نہ اس کی تصنیف وتالیف کا زمانہ مشرح بمقابلہ خصم بیان کیا جاوے تو محض لغو ہوگا۔

مثال سے سمجھیں شاید کہ عقل آئے

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: اگرچہ کتب غیر متداولہ ومفقودہ ومستورہ کی مثال طلب کرنا ایسا ہے جیسا کوئی غیر معلوم ومجہول کی مثال طلب کرے مگر ہم اپنے حضرت فاضل مجیب کو مثال ہی سے سمجھاتے ہیں۔ سنیئے کہ آپ کی بلکہ فریقین کی کتب رجال و فہرست مصنفین وعلماء میں بعض علماء کثیر التصانیف کی نسبت تحریر ہے کہ صدہا مجلدات ان کی تصانیف ہیں چنانچہ ابن شہر آشوب نے معالم العلماء میں فضل بن شاذان کی نسبت لکھا ہے وله مائة وستون مصنفا اور نیز اسی ابن شہر آشوب نے عبداللہ بن احمد بن ابی زید الانباری کے حال میں لکھا ہے له مائة واربعون کتابا محمد بن مسعود عیاشی کی نسبت لکھا ہے کتبه تزید علی مائتی مصنف محمد بن علی بن بابویہ القمی کے حال میں لکھا ہے له نحو من ثلثمائة مصنف علی ہذا القیاس اور بہت سے علماء کی نسبت اسی طرح درج ہے لیکن اگر تتبع وتلاش کی جاوے تو بجز چند کتابوں کے جو بہ نسبت کل کے بہت قلیل المقدار ہوں گی کسی کا کہیں پتہ ونشان نہیں ملے گا۔ تو ان کی نسبت بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ کوئی کتابیں ہوتیں تو موجود اور علماء کی زبان پر مذکور ہوتیں اور ایسی بھی کتابیں ہیں کہ جن کے مصنفین کا حال کچھ معلوم نہیں چنانچہ معالم العلماء کے آخر میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا اور یہ بھی ہر ایک پر واضح ہے کہ جامع فہرست علماء کو اول تو استیعاب و استیفاء کتب مصنفہ بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا تھوڑی تھوڑی کتابیں بطور نمونہ درج کردیتے ہیں اور اگر استیعاب ہوتا ہے بھی تو اپنے علم و واقفیت کے موافق ہے اور ظاہر ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ ان کا علم ہر ایک شخص کے تمام مصنفات کو حاوی وشامل ہو آپ نے معالم میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ اول میں لکھا ہے وانکانت الکتب لا تعد ولا تحصی وآخر میں لکھا ہے فنوا الفہرست والکتب غیر منحصرۃ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو استیفاء مقصود نہیں۔ علاوہ ازیں چند کتب ورسائل بندہ کے پاس بھی مذہب شیعہ کے مصنفہ علماء شیعہ موجود ہیں آپ ان کا ہی حال تلاش کر دیکھیں اور تتبع کرکے فرماویں کہ وہ کس کس کی کتابیں ورسائل ہیں۔ اوصاف الاشراف

کتاب الاشراف، حجۃ الکاملہ، نوادر الاثر، مختصر العویص اگر ہر ایک کتاب کے واسطے ضرور ہے کہ اس کا حال اور اس کے مصنف کا حال اور زمانہ تصنیف مفصل و مشرح معلوم ہوا کرے تو ان کا حال بھی اسی طرح تفصیل کے ساتھ معلوم ہوگا۔ رہا صحت استشہاد کی نسبت جو کچھ تحریر فرمایا ہے سو ماسخن فیہ میں ہماری سند کی صحت کا مدار کچھ مجاج السالکین ہی پر نہیں ہے بلکہ اور بھی بعض معتبر کتابوں سے ثابت ہے چنانچہ ہم آئندہ اس کو نقل کریں گے اسی واسطے حضرت علامہ دہلوی صاحب تحفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اقتصار مجاج السالکین ہی پر نہیں فرمایا ہے پس جب کہ یہ روایت دوسری معتبر کتابوں میں بھی موجود ہے تو اگر بالفرض مجاج السالکین مفقود و مستور ہو اور اس سے استدلال صحیح نہ ہو تاہم ہمارے استدلال کی صحت میں بابت رضا جناب بتول رضی اللہ عنہا شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ کچھ کلام نہیں ہو سکتی۔ غرض کتب کی نسبت آپ کا یہ دعوے فرمانا کہ جو کتاب تصنیف ہوئی ضرور ہے کہ اس کا اور اس کے مصنف کا حال اور زمانہ تصنیف معلوم ہو خلاف بداہت ہے بہت ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جو بعد میں مفقود ہو گئیں اور بہت سی ایسی کتابیں ہیں کہ جن کے مصنفین کا کچھ حال معلوم نہیں۔ اکثر کتابیں جو گذشتہ قرون میں زیر درس تھیں اس وقت ان کا نام و نشان بھی نہیں، قاعدہ ہے جب ایک چیز کا تداول کم ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ شئے ہی اول مثل معدوم کے ہوتی ہے اور پھر حقیقۃً معدوم ہو جاتی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اقلیدس کے بعض مقالوں کا کہیں پتہ و نشان نہیں مصنفات افلاطون و ارسطاطالیس وغیرہ کا اس وقت کہیں نام و نشان باقی ہے اچھا ان کو رہنے دو صحف ابراہیم علیہ السلام کا کہیں عالم میں وجود ہے توریت و انجیل و زبور اصل کہیں پائی جاتی ہیں، علی ہذا القیاس صدہا بلکہ ہزارہا ایسی کتابیں ہوں گی جو ایک زمانہ میں مشہور تھیں اور بعد اس کے مفقود ہو گئیں۔ اس جگہ غرض ان کے بیان سے صرف یہ ہے کہ یہ کچھ لازم نہیں کہ اگر ایک شئے کا وجود ایک زمانہ میں ہو تو بعد اس کے بھی اس کا وجود باقی رہے جیسا کہ ان کتب سماوی کا وجود خارجی مفقود ہو گیا ہے ممکن ہے کہ بعض کتب ایسی ہوں کہ انکا وجود خارجی اور علمی دونوں جاتے رہیں اور کوئی دلیل عقلی یا نقلی اس کے استحالہ پر قائم نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان اور مجاج السالکین تو اس جنس سے نہیں کہ جس کا وجود مطلق نہ رہا ہو۔ آخر حضرت علامہ کابلیؒ نے صواقع میں اس سے استشہاد کیا، حکیم مخدوم سلامت علی خان نے اس کے وجود کی شہادت دی اس کے وجود کی دلیل کافی ہے، رہا اس کو اہلسنت کا افترا سمجھنا اور انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اپنے نفع کے لئے گھڑی ہو گی اور چونکہ اس باب میں اہلسنت متہم ہیں اس لئے ان کی شہادت قابل

قبول نہیں سو اس کا جواب ہم عنقریب بیان کریں گے۔

قال الفاضل المجیب: قولہ۔ پس یہ بھی اپنے قدماء کے بھروسہ پر جنھوں نے برائے نام تحفہ کے جوابات لکھے ہیں لکھا گیا ہے۔ اقول۔ حضرت اسی طرح آپ نے بھی اپنے قدماء کے بھروسہ پر بلکہ بعینہ وہی مضمون نقل کر دیا ہے۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: اس قول میں قید برائے نام تحریر جوابات کے وقت ملحوظ خاطر نہیں ہوئی مطلق قدماء سمجھ کر معارضہ فرمایا۔ پس یہ معارضہ ہم پر وارد نہیں ہو سکتا۔

قولہ: جناب من قدماء کے ہی بھروسہ پر معاملات دینی میں گفتگو ہوا کرتی ہے اپنی رائے کا دخل کم ہوتا ہے۔

اقول: چونکہ آپ نے اپنی عقل و فہم کے زمام کو اپنے قدماء کے اہوائے کے سپرد کیا ہے اور اپنی عقل کو دخل نہیں دیتے اسی واسطے صراط مستقیم سے منحرف اور جماعت سے ایک طرف ہو گئے ہیں۔ ہم نے بحول اللہ و قوتہ اپنا امام کتاب اللہ کو قرار دے رکھا ہے اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مدار کار ہے اس کے خلاف کسی کی نہیں مانتے جو اس کے موافق ہو وہ علی الراس والعین سمجھتے ہیں اس لئے حبل المتین اسلام کو محکم پکڑے ہوتے ہیں۔ حضرات کی کتاب اللہ جب امام غائب غار سے لے کر برآمد ہوں گے تب شاید کچھ معمول بہا ہو تو ہو ورنہ اب تک تو صرف ہشامین و زرارہ و بکیر و ابوبصیر وغیرہ کے ربقۂ تقلید زیب جید بلکہ اقرب من حبل الورید ہے۔

قولہ: مگر ہم میں اور آپ میں اس قدر فرق ہے کہ گو آپ کے قدماء بلا دلیل سے کوئی دعوے کیوں نہ کریں بدون سوچے سمجھے اپنی عقل و علم سے کام لئے محض تقلیداً آپ تسلیم کر لیتے ہیں چنانچہ ازالۃ الغین سے آپ نے یہ مضمون نقل کر دیا اور جو مثال آپ کے خاتم المتکلمین نے وہاں لکھی ہے اس کو اور کتاب متنازع فیہ کو مطابق نہ کیا بدون تامل ان کا مضمون تسلیم کر لیا۔ آیات بینات سے جو عبارت متعلق آیت غار آپ نے نقل کی ذرا نہ سوچا کہ یہ عبارت بھی دعوے کو ثابت کرتی ہے یا نہیں جو میر مہدی صاحب نے لکھا اس کو بسر و چشم قبول کر لیا اور یہ وثوق ہم پہنچایا کہ ہمارے مقابلہ میں بھی نقل کر دیا اور ہم اس قسم کی تقلید نہیں کرتے بلکہ اصول میں تقلید جائز ہی نہیں جانتے ہاں مدلل قول کو بے شک تسلیم کرتے ہیں گو اس کے تمام مقدمات من کل الوجوہ اپنی نظر سے نہ گذری ہوں۔

اقول: گذشتہ ابحاث سے اہل فہم و انصاف پر واضح و روشن ہے کہ قدماء کی تقلید

قال الفاضل المجیب: قولہ: سوان کی کیفیت ذرا ملاحظہ ہو خاتم المحدثین علامہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ میں حدیث مجاج السالکین سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رضا کی نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ فدک میں استدلال فرمایا ہے اس کے جواب میں طعن الرماح میں لکھا ہے دتا حال نام کتاب مجاج السالکین بگوش کسی از شیعیان نرسیدہ فضلا عن کونہ مشہوراً چہ مستبعد ست کہ نام کتاب را خود ش بدروغ ساختہ باشد انتہی ملخصاً اور علامہ کنتوری نے اس سے بھی بلند پروازی فرمائی اور صاحب تحفہ کی وضع کرنے پر قرینہ بھی جما دیا وہ یہ کہ باب سوم جس میں علماء و کتب شیعہ کا ذکر کیا ہے اس کتاب اور اس کے مصنف کا ذکر نہیں کیا۔ انتہی نقلاً عن ازالۃ الغین۔ بجواب اس کے مولانا حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الغین میں فرماتے ہیں و این کتاب یعنے مجاج السالکین خود در صواقع و سیف المسلول و مانند آن مذکور ست و ہم نزد حکیم مخدوم یعنی سلامت علی خان مرحوم بود و از تصنیفات طبرسی کہ بہ عماد الدین و امین الدین شہرت دارد محسوب و معدود پس جہالت احد ہما مبنی بر عصبیت و جہل ست تکیف دعوے جہات کلا ہما انتہی بقدر الحاجۃ۔ اقول: افسوس کہ آپ نے یہاں بھی عقل و انصاف سے کام نہ لیا علامہ علیہ الرحمۃ کی نسبت بلند پروازی تو طرز التحریر فرمائی مگر اس کے جواب میں کچھ بھی نہ لکھا آپ غور فرمائیں کہ جب آپ کے خاتم المحدثین نے اپنا تبحر جتانے کے لئے کتب علماء شیعہ کا حال لکھا ہے تو جس کتاب سے شیعوں کی بہت بڑے دعوے کو اپنے زعم میں باطل کرنا چاہتے ہیں اگر کہیں کچھ بھی نشان اصل کتاب یا اس کے مصنف و مولف کا پاتے تو ضرور اس کا بھی ذکر کرتے۔ یہ ذکر نہ کرنا اسبات پر قوی قرینہ ہے کہ اس نام کی کوئی کتاب کتب شیعہ میں نہیں ہے اور نہ اس کا مصنف کوئی مشہور شخص ہے۔

عقل و انصاف سے عاری کون ہے؟

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی: فی الحقیقۃ یہ افسوس جناب ہی کے حال کی طرف عائد ہے کیونکہ اس بحث میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب واضح ہو جائے گا کہ عقل و انصاف سے ہم نے کام نہیں لیا یا کہ مدرسان جناب والا نے۔ رہا یہ کہ آپ کے علامہ کا جواب تو خود ظاہر ہے آپ کے علامہ کا دعوے اس وقت صحیح ہو جب کہ یہ امر ثابت ہو کہ علامہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو تحفہ میں استیفا کتب مقصود ہو بلکہ اس کے دیکھنے سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جن کتابوں سے تحفہ میں استدلال فرمایا ہے بیان کتب میں ان کا بھی استیفا نہیں فرمایا غالباً جناب کو بھی معلوم ہوگا کہ خود

بے سوچے سمجھے اور بدون اپنی فہم سے کام لئے آپ کرتے ہیں یا ہم کرتے ہیں، فروع کو تو بھلا رہنے دیجئے۔ آپ تو اصول میں آنکھیں عقل و فہم کی بند کر کے تقلید فرماتے ہیں، امامت کے اصول دین ہونے پر کون سی دلیل قطعی قائم ہے جس سے آپ اس کا اصول دین سے ہونا ثابت فرماتے ہیں مسئلہ رجعت پر کون سی دلیل قطعی قائم ہے جس سے وجوب اعتقاد ثابت فرماتے ہیں، محض تقلید پر بے سوچے سمجھے اور اپنی عقل سے کام لئے مدار کار ہے اور یہ جو فرماتے ہیں کہ مدلل قول کو تسلیم کرتے ہیں، پس یہ محض دعوے لسانی ہے ورنہ بس قطب راوندی کے قول پر جو اس نے للہ بلاد فلان کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے مراد ایک شخص صحابہ میں سے ہے جو وقوع فتن سے پہلے وفات پا گیا کون سی دلیل قائم تھی جو آپ نے برخلاف ابن میثم وغیرہ اس کو بے سوچے بسر و چشم قبول کر لیا کیا مدلل قول ایسے ہی ہوتے ہیں جیسا آپ کے قطب راوندی کا قول ہے اور مدلل اقوال کے تسلیم ایسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ جناب نے اپنے قطب الاقطاب کے قول کو تسلیم فرمایا پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ فرماتے ہیں گو اس کے تمام مقدمات من کل الوجوہ اپنی نظر سے نہ گذرے ہوں خیال کرنا چاہیئے کہ جب تمام مقدمات اس کے من کل الوجوہ نظر سے نہیں گذرے تو اس کا مدلل ہونا آپ کے نزدیک کیونکر ثابت ہوا بجز اس کے آپ نے تقلیداً اس کو مدلل خیال کر لیا ہو اور کوئی صورت نہیں ورنہ جب موقوف علیہ ہی پورے طور پر آپ کی نظر سے نہیں گذرا تو آپ کے نزدیک اس کا مدلل ہونا کیونکر ثابت ہوا۔

قولہ: اور تحفہ کے جواب جب آپ نے دیکھے ہی نہیں تو آپ کا یہ کہنا کہ برائے نام لکھے ہیں کیونکر صحیح ہو۔ اگر آپ ان جوابوں کو دیکھیں اور کچھ بھی عقل و انصاف سے کام لیں تو خود بول اٹھیں کہ واقعی یہ جواب لاجواب ہیں۔

اقول: اگر عقل و انصاف سے کام لینا اسی کا نام ہے جیسا کہ جناب نے کام لیا کہ بدیہیات کا انکار کر دیا اور خلاف بداہت دعوے کیا کہیں فرمایا کہ ابن میثم کی توجیہات تمسخر پر مبنی ہیں، کہیں تنزل پر نازل کیا کہیں دعوے کیا کہ للہ بلاد فلان کو علماء اہلسنت قسم کہتے ہیں الی غیر ذلک من الاکاذیب تو ایسی عقل اور ایسا انصاف جناب کو اور جناب کے اہل مذہب کو ہی مبارک رہے اور اگر واقعی عقل و انصاف مراد ہے تو اس کی رو سے آپ تو کیا خود ان جوابات کے مصنفین بھی ان کی نسبت ایسا دعوے منہ سے نہیں نکال سکتے پس دعوے محض اس قول کے قبیلہ سے ہے حبک الشئی یعمی ویصم۔

نہج البلاغت کا جس کی عبارات سے جا بجا استدلال فرماتے ہیں بیان کتب میں ذکر نہیں فرمایا
تو اب اس کی نسبت بھی اعتراض فرمائیے کہ جس کتاب سے شیعوں کے بہت بڑے بڑے
دعووں کو باطل کرنا چاہتے ہیں اگر کہیں کچھ بھی نشان اس کتاب یا اس کے مؤلف کا پاتے تو ضرور
اس کا بھی ذکر کرتے یہ ذکر نہ کرنا اس بات پر قرینۂ قوی ہے کہ اس نام کی کوئی کتاب کتب شیعہ
میں نہیں ہے اور نہ اس کا مصنف کوئی شخص مشہور ہے. علی ہذا القیاس اور بہت کتابیں جن
کی روایات سے استدلال کیا ہے اور ان کا مذکور نہیں، پس خدا کے لئے ذرا انصاف سے فرمایئے
کہ عقل و انصاف سے کام لینا اسی کا نام ہے. شاید عقل و انصاف سے اپنی عقل و انصاف مراد ہو
گی یعنی ہماری عقل و انصاف سے کام نہیں لیا سو یہ بھی عین عقل و انصاف ہی سے کام لینا ہے

قولہ: آپ کے خاتم المتکلمین نے جو کچھ ازالۃ الغین میں اس باب میں لکھا ہے اور آپ نے
اس کو نقل کیا ہے اس کے جواب میں ہم صرف نفحات الریاحین کے خاتمہ میں جو کچھ لکھا ہے بتغییر یسیر
نقل کرتے ہیں اور وہ الفاظ جو مخاطب کی طبع نازک پر گراں گذریں نہیں لکھتے بلکہ بجائے ان کے
الفاظ ملائم لکھتے ہیں حضرت مجیب سے انصاف کی امید ہے و ہو ہذہ. ہرگاہ بروایت بخاری
و مسلم کہ اصح الکتب و مجمع علیہ اہلسنت ہیں کہ بقول شاہ صاحب یہ دونوں کتابیں مخدوم طوائف
انام و جمیع علماء اسلام ہیں اور شہرت و تلقی بالقبول میں بدرجہ علیا پہنچے ہیں حتیٰ کہ جامع الاصول میں
نقل ہے کہ صحیح بخاری کو بخاری سے بلا واسطے نوّے ہزار علماء و فضلاء نے سنا ہے اور
ناظرین کتب رجال پر ان کے فضائل ہوش ربا مخفی نہیں غضب ناک ہونا جناب سیدہ کا
مقدمہ فدک میں حضرت ابوبکر پر اور پھر نہ کلام کرنا ان سے تمام عمر ثابت ہوا تو اب علماء اہلسنت
نے ناچار ہو کے حرکتیں مذبوحی کیں چنانچہ خود شاہ صاحب تقلید خواجہ کابلی بخلاف روایت بخاری
و مسلم و بمقتضائے الغریق یتشبث بکل حشیش در پے رضاء جناب سیدہ ہو کے روایات موضوعہ
و حکایات مصنوعہ مدارج النبوۃ و کتاب الوفا بیہقی و شرح مشکوۃ و ریاض النضرہ و فصل الخطاب
و کتاب الموافقہ ابن سمان سے ہوئی حالانکہ ان سب کتابوں میں صرف دو روایتیں ہیں کہ اوزاعی و
شعبی سے نقل ہوئی ہیں. یہ دونوں روایتیں شعبی و اوزاعی کی باوصف کہ روایات صحاح مکذب ان
کی ہیں مرسل ہیں کما فی تشئید المطاعن. ثانیاً کذب و افتراء کتب اہل حق سے اثبات رضا چاہا اور
استشہاد میں عبارت مجاج السالکین محض تقلید کابلی پیش کی اور حکیم سلامت علی بناء سے کہ خلاف
واقع گوئی میں شاہ صاحب سے بھی بلند مرتبہ رکھتے ہیں انھوں نے تحکیماً مجاج السالکین کو مع تفسیر

مجمع البیان و احتجاج کی تصنیف عماد الدین طبرسی کے بیان کیا یہ محض خبط و خلط ہے بلکہ دلیل اختلال
دماغ حکیم صاحب موصوف ہے کیونکہ مجمع البیان اور احتجاج یقیناً عماد الدین طبرسی کی نہیں بلکہ
مجمع البیان تصنیف ابو علی فضل بن حسین بن فضل طبرسی کی ہے اور احتجاج تصنیف ابو منصور
احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی کی ہے کہ حکیم صاحب نے ان دونوں کتابوں کو کہ تالیف شخصین
مختلفین کی ہیں شخص ثالث کی طرف منسوب کیا یعنی طرف عماد الدین طبرسی کے اور عماد الدین طبرسی
علماء مصنفین شیعہ میں کوئی نہیں البتہ ایک عماد الدین مصنف کتاب بشارۃ المصطفیٰ مشاہیر علماء شیعہ
سے ہیں وہ طبرسی نہیں بلکہ طبری ہیں، پس یہاں حکیم صاحب سے تشخیص میں کمال غلطی ہوئی کہ دو کتابوں
کو جو دو شخص مختلف کے ہیں تصنیف ایک شخص مفروض کی بیان کرتے ہیں مگر حکیم صاحب یہ عذر
پیش کر سکتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب واسطے تسلی اپنے بیٹوں کے لکھی ہے اس سے یہ غرض نہیں
کہ علماء فریقین اس کو دیکھیں بعد اس کے جب مولوی حیدر علی نے علم تکلم بمقابلہ اہل حق بلند کیا تو مقام
اثبات کتاب مجاج السالکین و نسبت آں بمصنف و توثیق مصنف بہل مدعی اس کے ہوئے کہ یہ کتاب
صاحب صواقع یعنی خواجہ نصر اللہ کابلی کے پیش نظر رہی ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے
عبارت اس کی بلا وساطت نقل کی اور حکیم سلامت علی کے ملاحظہ سے گذری یہ محض دعوے
لسانیہ قابل التفات و جواب نہیں، اور نیز مولوی حیدر علی نے ازالۃ الغین میں مجاج السالکین
کو منسوب بطرف عماد الدین کر کے اس قدر اور زیادہ کیا کہ یہ عماد الدین معروف بامین الدین طبرسی
ہے. و بل ہذا الاکذب صراح و بہتان بواح. بالجملہ اول امین الدین طبرسی صاحب مجمع البیان ہرگز
مشہور بعماد الدین طبرسی نہیں، ثانیاً کتاب مجاج السالکین تصنیف ان کی نہیں کسی نے وہماً و
التباساً بھی ان کی طرف منسوب نہیں کی، چہ خوش، خواجہ کابلی و محدث دہلوی کو تو ہرگز یہ میسر نہ ہوا
کہ نسبت کتاب و نام مصنف و توثیق ثابت کرتے. اب حکیم صاحب و مولوی حیدر علی صاحب
بعد خرابی بصرہ چاہتے ہیں کہ چند خرافات سے توثیق کتاب ثابت ہو جائے اور یہ نہیں سوچتے کہ
ایسے امور سے سوائے ثبوت عجز و عدم تمرین کچھ فائدہ نہیں انتہی بقدر الحاجۃ. اب حضرت
مجیب لبیب کی خدمت اقدس میں بصد ادب عرض ہے کہ برائے خدا و رسول انصاف فرما دیں
کہ کیا حسب داب مناظرہ کسی کتاب کی توثیق کا ثبوت اسی طرح ہوا کرتا ہے آپ کے خاتم المتکلمین
جو اپنے اور اپنے اہل نحلہ کے زعم میں فن مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور بقول آپ کے مہدی
صاحب کے شیعہ بچے سے تو ان کے نام سے کانپتے ہیں ایسے بڑے فاضل اجل اور متکلم بے بدل

کا یہ لکھنا کہ این کتاب یعنی مجاج السالکین خود در صواعق وسیف مسلول فرمانند آن مذکور است او من نزد حکیم صاحب مخدوم یعنی سلامت علی خان مرحوم کمال ہی عجز وضعف پر دال ہے اور ان کتب مذکورہ سے شہادت لانا شہادۃ النصب علی ذہنہ سے کم نہیں۔

صاحب طعن الرماح کا کتاب مجاج السالکین کے نام کے گھڑنے کو صاحب تحفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کرنا غلط ہے

اقول: افسوس کہ یہاں بھی آپ نے عقل وفہم سے کام نہ لیا اور ہماری عبارت کو کہ محض اردو تھی نہ سمجھا کاش اتنا ہی سمجھ لیتے کہ منشا اعتراض کیا ہے اس لئے ضرور ہوا کہ مکرر بنقل عبارت معروضہ سابقہ ملخصاً اعتراض کے تقریر کروں اس کے بعد اہل دانش وبینش دیکھیں کہ حضرت مجیب کے جواب کو اس اعتراض سے کیا ربط وتعلق ہے۔ بندہ نے عرض کیا تھا کہ علامہ دہلوی قدس سرہ العزیز نے درباب رضا حضرت فاطمہؓ حدیث مجاج السالکین سے استدلال کیا تھا بجواب اس کے طعن الرماح میں لکھا کہ تا حال نام کتاب مجاج السالکین بگوش کسے از شیعیان نرسیدہ، پس مستبعد ست کہ نام کتاب را خود دش بدروغ ساختہ باشد ملخصاً اور علامہ کنتوری نے باب سوم میں نہ ذکر کرنے کو قرینہ وضع کا قرار دیا اس پر مولوی حیدر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ واین کتاب یعنی مجاج السالکین خود در صواعق وسیف مسلول ومانند آن مذکور ست الخ اس سے صاف ثابت ہے کہ صاحب طعن الرماح نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کتاب کا نام خود صاحب تحفہ کا مصنوع ہے اور یہ روایت حضرت علامہ دہلوی کی بنائی ہوئی ہے یہ سراسر کذب ہے کیونکہ جب صواعق اور سیف مسلول میں اس کتاب کا نام اور اس روایت کا حوالہ اس کتاب کی طرف موجود ہے تو صاحب تحفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کذب ووضع کی نسبت کرنا محض کذب ودروغ ہے۔ اب رہا یہ کہ اگر اپنے اس دعوے کو کاذب تسلیم کریں اور فرماویں کہ یہ وضع وافترا صاحب تحفہ قدس سرہ نہ سہی صاحب صواعق کا ہوگا۔ بہرکیف اس کا جواب اہل سنت کے ہی ذمہ ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرینہ قطعیہ قائم ہے کہ اہلسنت کو اس وضع وافترا کی کچھ ضرورت نہیں کہ نام کتاب بطور خود گھڑیں کیونکہ عبارت تحفہ سے واضح ہے کہ اس روایت کا وجود کچھ مجاج السالکین پر ہی منحصر نہیں بلکہ اور بھی معتبر کتابوں میں مروی ہے چنانچہ ہم نقل کریں گے۔

مقدمہ فدک میں ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کی رضا کا ثبوت

پس جب کہ یہ روایت اور بھی بعض معتبر کتابوں میں مذکور ہے تو عقل سلیم کیونکر تسلیم کرتی ہے کہ باوجود پائے جاتے روایت کے معتبر کتابوں میں ان کو ترک کریں اور فرضی نام کتاب کا تراش کر روایت کو اس کی طرف نسبت کریں۔ یہ روایت فاضل متبحر کمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی نے اپنی شرح کبیر نہج البلاغت مسمی بمصباح السالکین میں جس کے خطبہ میں خدا تعالے سے عہد کیا ہے کہ حق سے مراعاۃً لاحد تجاوز نہیں کروں گا اور ہرگز باطل کی طرف میل نہیں کروں گا نقل کی ہے ہم اصل شرح مطبوعہ ایران سے نقل کرتے ہیں۔

وروی انہ لما سمع کلامہا حمد اللہ واثنی علیہ وصلی علی رسولہ ثم قال یا خیرۃ النساء وابنۃ خیر الآباء واللہ ما عدوت رأی رسول اللہ وما عملت الا بامرہ وان الرائد لا یکذب اہلہ قد قلت فابلغت واغلظت فاہجرت فغفر اللہ لنا ولک اما بعد فقد دفعت آلۃ رسول اللہ ودابتہ وحذاءہ الی علیؑ واما ما سوی ذلک فانی سمعت رسول اللہ یقول انا معاشر الانبیاء لا نورث ذہبا ولا فضۃ ولا ارضا ولا عقارا ولا دارا ولکنا نورث الایمان والحکمۃ والعلم والسنۃ وقد عملت بما امرنی ونصحت لہ فقالت ان رسول اللہ قد وہبہا لی قال فمن یشہد بذلک فجاء علی بن ابی طالب وام ایمن فشہدا لہا بذلک فجاء عمر بن الخطاب وعبد الرحمن بن عوف فشہدا ان رسول اللہ یقسمہا

اور روایت ہے کہ ابوبکر نے جب فاطمہ کا کلام سنا خدا کی حمد وثنا کی اور رسول پر درود پڑھا پھر کہا اے عورتوں میں سب سے بہتر اور باپوں میں سے بہتر باپ کی بیٹی خدا کی قسم میں نے رسول اللہ کی رائے سے تجاوز نہیں کیا اور نہ بجز اس کے حکم کے کوئی کام کیا، اور بالتحقیق راہنما اپنے اہل کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا خدا تعالیٰ ہم کو اور تجھ کو بخشے امابعد پس تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار اور سواری اور نعلین میں نے علی کو دے دی اور ما سوا اس کے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے ہم انبیاء کی جماعت سونے اور چاندی اور زمین اور جائیداد میں کسی کو اپنا وارث نہیں چھوڑتے لیکن ہم ایمان اور حکمت اور علم اور سنت وراثت میں چھوڑتے ہیں اور جو کچھ مجھ کو حکم فرمایا تھا میں نے اس پر عمل کیا اور خیرخواہی کی۔ فاطمہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مجھ کو ہبہ کر دیا تھا ابوبکر نے کہا کہ اس کا کون گواہ ہے تو علی بن ابیطالب اور ام ایمن آئے اور اس کی گواہی دی پھر عمر بن خطاب اور عبدالرحمن بن عوف آئے اور گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فقال ابوبکر صدقت یا ابنۃ رسول اللہ و صدق علی و صدقت ام ایمن و صدق عمر و صدق عبد الرحمن و ذلک ان لک ما لابیک کان رسول اللہ یاخذ من فدک قوتکم و یقسم الباقی و یحمل منہ فی سبیل اللہ ولک علی اللہ ان اصنع بہا کما کان یصنع فرضیت بذلک و اخذت العہد علیہ بہ فکان یاخذ غلتہا فیدفع الیہم منہا ما یکفیہم ثم فعلت الخلفاء بعدہ کذلک الی ان ولی معاویۃ فاقطع مروان ثلثہا بعد الحسن ثم خلصت لہ فی خلافتہ و تداولہا اولادہ الی ان انتہت الی عمر بن عبد العزیز فردہا فی خلافتہ علی اولاد فاطمۃ قالت الشیعۃ فکانت اول ظلامۃ ردہا و قالت اہل السنۃ بل استخلصہا فی ملکہ ثم وہبہا لہم ثم اخذت منہم بعدہ الی ان انقضت دولۃ بنی امیۃ فردہا علیہم ابو العباس السفاح ثم قبضہا المنصور فردہا ابنہ المہدی ثم قبضہا ولداہ موسی و ہارون فلم یزل فی ایدی بنی العباس الی زمن المامون فردہا الیہم و بقیت الی عہد المتوکل فاقطعہا عبد اللہ بن عمر البازیار و روی انہ کان فیہا احدی عشرۃ نخلۃ غرسہا رسول اللہ بیدہ فکانت بنو فاطمۃ یہدون ثمرہ

اس کو تقسیم فرماتے تھے ابوبکر نے کہا اے رسول اللہ کی دختر تو نے بھی سچ کہا اور علی اور ام ایمن نے بھی سچ بولا اور عمر اور عبد الرحمن بھی سچے ہیں اور یہ اس طرح کہ تیرے پدر بزرگوار کی چیز تیری ہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک میں سے تمہارا قوت لے کر باقی ماندہ تقسیم کرتے تھے اور خدا کی راہ میں اس میں سے سوار کرتے تھے اور میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں اس میں اسی طرح کروں گا جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اس پر فاطمہ راضی ہو گئیں۔ اور ابوبکر سے اس کا عہد کرا لیا تو ابوبکر فدک کی آمدنی سے جس قدر ان کی حاجت کو کافی ہو ان کو دیتے تھے پھر اس کے بعد خلفاء اسی طرح کرتے رہے یہاں تک کہ معویہ متولی خلافت ہوا اس نے بعد حسن کے اس میں سے تہائی مروان کو جاگیر کے طور پر دے دیا پھر اس کی خلافت میں اس کا خالصہ ہو گیا پھر اس کی اولاد یکے بعد دیگرے لیتی رہی یہاں تک کہ عمر بن عبد العزیز کی نوبت پہنچی اس نے اپنی خلافت میں اس کو اولاد فاطمہ پر لوٹا دیا اس پر شیعہ تو کہتے ہیں کہ یہ اول ظلم ہے جس کو اس نے لوٹایا اور اہل سنت کہتے ہیں یہ نہیں بلکہ خالصہ کر کے ان کو بخش دیا پھر اس کے بعد ان سے لے لیا گیا یہاں تک کہ بنی امیہ کا زمانہ سلطنت گذر گیا پھر ابو العباس سفاح نے ان پر لوٹا دیا پھر منصور نے اس پر قبضہ کر لیا پھر مہدی اسکے بیٹے نے لوٹا دیا پھر اس کے دونوں بیٹوں موسیٰ اور ہارون نے اس پر قبضہ کر لیا پھر سلاطین عباسیہ کے قبضہ میں رہا مامون کے زمانہ تک پھر اُسنے انکو لوٹا دیا اور متوکل کے زمانہ تک وہ باغ فدک باقی رہا اس نے عبد اللہ بن عمر بازیار کو جاگیر میں دے دیا اور روایت

الی الحاج فیصلونہم عن ذلک بمال جلیل فبعث البازیار رجلا فصرمہا و عاد الی البصرۃ ففلج و فی ہذہ القصۃ خبط کثیر بین الشیعۃ و مخالفیہم و لکل من الفریقین کلام طویل و لنرجع الی المتن انتہی بلفظہ۔

کرتے ہیں کہ وہ کھجور کے گیارہ درخت تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے بوئے تھے اور بنی فاطمہ ان کا پھل حاجیوں کے پاس بطور ہدیہ کے بھیجتے تھے اور وہ بمقابلہ اس کے ان کے ساتھ بڑے مال سے سلوک کرتے تھے تو بازیار نے کسی کو وہاں بھیج کر ان کو کٹوا دیا اور بصرہ میں واپس آیا تو اس کو فالج نے مار لیا۔ اور اس قصہ میں شیعہ اور ان کے مخالفین میں نہایت خبط ہے اور فریقین میں ہر ایک کی کلام طویل ہے اور ہم متن کی طرف رجوع کرتے ہیں،

الحمد للہ تعالیٰ کہ فاضل متبحر کی روایت سے جو ایسی کتاب میں روایت کی ہے جس میں خدا تعالیٰ سے عہد کرتا ہے کہ و لاہ ان تکب ھوی لمن اعاۃ احد من الخلق رضا جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ثابت ہوئی اب فرمایئے کہ آپ اور آپ کے صاحب نفحات الریاحین یہ جو تحریر فرماتے ہیں کہ کذبا و افتراءً کتب اہل حق سے اثبات رضا چاہا کیا یہ محض کذب اور حق پوشی نہیں ہے تو کیا ہے۔ غرض اس تقریر سے بخوبی یہ امر ثابت ہے کہ بحول اللہ و قوتہ اہل حق کو حدیث کے وضع کرنے کی اور نام کتاب تراشنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ رہا یہ کہ آپ کے صاحب نفحات الریاحین نے جو یہ اعتراض فرمایا کہ محجاج کی تصنیف کو نسبت کرنا طرف عماد الدین طبرسی کے مشمول مجمع البیان و احتجاج کے خبط و خلط اختلال دماغ ہے کیونکہ مجمع البیان ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی کے ہے اور احتجاج ابو منصور احمد بن علی ابن ابی طالب طبرسی کے ہے اور ان میں سے کوئی عماد الدین نہیں ہاں صاحب مجمع البیان ملقب بامین الدین ہے اور احتجاج ہرگز منسوب بامین الدین طبرسی نہیں غرض کہ اول احتجاج امین الدین ابو علی طبرسی کے نہیں بلکہ ابو منصور طبرسی کی ہے دوسرے امین الدین ابو علی طبرسی مشہور بعماد الدین نہیں) پس بجواب اس کے گذارش ہے کہ واقفان کتب رجال پر مخفی نہیں ہے۔ لبسا اوقات ایک نام کی دو کتابیں شخصین مختلفین کی ہوتی ہیں تو کیا عجب ہے کہ احتجاج امین الدین ابو علی طبرسی کی بھی ہو اور ابو منصور طبرسی کی بھی اس میں کیا استحالہ ہے علاوہ ازیں اگر یہ خبط اور خلط اور اختلال دماغ ہے تو آپ ہی کے اکابر کا ہے جنہوں نے علماء مصنفین کی فہرست لکھی کہ کسی نے احتجاج کو احمد بن ابی طالب کی طرف منسوب کر دیا ہے اور کسی نے ابو علی طبرسی کی طرف منسوب کیا ہے مگر اب تعجب سب ہے کہ آپ اپنی کتابوں کا ملاحظہ نہیں فرماتے اور بدون دیکھے اور تفتیش کئے انکار فرماتے ہیں اس وقت ہمارے پاس تراجم علماء میں سے

مجموعہ معالم العلماء ابن شہر آشوب مع رسالتین کے کہ ایک غالباً ابن داؤد کا ہے اور دوسرا سید ابن طاؤس کا سامنے موجود ہے۔ اب ان کے اختلافات کی کیفیت سنیئے۔ جس سے خبط اور خلط بلکہ اختلال دماغ کی پوری پوری تصدیق ہو جاوے معالم العلماء میں ابن شہر آشوب لکھتے ہیں،

شیخی احمد بن ابی طالب له الکافی فی الفقه۔ حسن الاحتجاج۔ مفاخر الطالبیه تاریخ الائمه۔ فضائل الزهراء

میرا شیخ احمد بن ابی طالب اس کی یہ کتابیں ہیں کافی فقہ میں۔ حسن الاحتجاج۔ مفاخر الطالبیہ تاریخ ائمہ۔ فضائل زہراء

تو یہ بزرگ احتجاج کو احمد بن ابی طالب طبرسی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اب سنیئے سید ابن طاؤس اپنے رجال میں ابو علی طبرسی کے حال میں لکھتے ہیں۔

ومنهم الشیخ ابو علی فضل بن الحسن بن ابی الفضل الطبرسی المفسر الباهر مصنف مجمع البیان والجوامع والجمع والکافی وکتاب الاحتجاج و کتاب مکارم الاخلاق۔

منجملہ ان کے شیخ ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی مفسر باہر مصنف مجمع البیان اور جوامع اور جمع اور کافی اور کتاب احتجاج اور کتاب مکارم الاخلاق کا ہے۔

اس بزرگ نے ان دونوں کتابوں یعنی کافی اور احتجاج کو جن کو ابن شہر آشوب نے احمد بن ابی طالب کی تصنیفات بیان کی تھیں، ابو علی کی تالیف بیان کیا، آپ کے علامہ مجلسی نے جلد اول بحار میں صفحہ ۱۲ پر صاف لکھا ہے،

کتاب الاحتجاج وینسب هذا ایضاً الی ابی علی وهو خطاء بل هو تالیف ابی منصور احمد بن علی بن ابیطالب الطبرسی

کتاب الاحتجاج اور یہ ابو علی کی طرف بھی منسوب ہے اور یہ خطا ہے بلکہ یہ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی کی تالیف ہے،

غرض اس سے ہم کو یہ ثابت کرنا تھا کہ علماء شیعہ نے احتجاج کو ابو علی طبرسی کی طرف منسوب کیا ہے تو اگر یہ اختلال دماغ ہے تو آپ کے علماء کا ہے نہ حکیم سلامت علی خان مرحوم کا اور لیجئے آپ کے ابن شہر آشوب نے بیان ابو علی طبرسی میں لکھا ہے کہ شیخی ابو علی الطبرسی له مجمع البیان فی معانی القرآن حسن الکلام الشاف من کتاب الکشاف لتنوير مبين الفائق حسن اعلام الوری باعلام الهدی الادب اند بینه لسخونا المعینه۔ تو انھوں نے اعلام الوری کو ابو علی طبرسی کی طرف منسوب کیا ہے

اور سید ابن طاؤس نے اپنے رجال میں لکھا ہے ومنهم الشیخ الفقیه ابو منصور علی محمد الطبرسی صاحب کتاب اعلام الوری وغیره من المؤلفات۔ علی ہذا القیاس۔ ان حضرات کے باہم جس قدر اختلافات ہیں وہ ایسے نہیں جو واقف پر مخفی ہوں رہا یہ کہ امین الدین ابو علی طبرسی ملقب بعماد الدین ہیں یا نہیں۔ چونکہ ہمارے پاس اس وقت صرف مختصر تین رسالہ ہیں منجملہ ان کے ایک رسالہ میں لقب امین الدین لکھا ہے۔ اور دو رسالوں میں کچھ لقب نہیں لکھا بلکہ ایک رسالہ میں امین الدین کے جد کو کنیت کے طور پر ابی الفضل لکھا ہے تو ہم اس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ملقب بعماد الدین ہے یا نہیں اور فاضل مجیب اور صاحب نفحات الریاحین کے تبحر کا حال تو صاف واضح ہے تو ان کا انکار اس باب میں قابل اعتماد کے نہیں ہو سکتا۔ پس جب کہ یہ بات ثابت ہو چکی کہ روایت رضا فاطمی کتب معتبرہ شیعہ سے ثابت و متحقق ہے اور اہل سنت کو اس روایت کے وضع کرنے اور کتاب کا نام تراشنے کی کچھ ضرورت نہ تھی تو اس سے صاف عقل سلیم باور کر سکتی ہے کہ یہ کتاب فی الحقیقت علمائے تشیع کی کتابوں میں سے ہے پھر اگر حکیم سلامت علی خان مرحوم نے اس کتاب محجاج السالکین کو بشمول مجمع البیان و احتجاج ابو علی طبرسی کی طرف منسوب کر دیا تو اس کی امتناع پر کون سی دلیل قائم ہے جو اس کے مانع ہو علی الخصوص جب کہ یہ بھی ثابت ہو گیا ہو کہ احتجاج و مجمع بھی اسی کی طرف منسوب ہے اور صاحب نفحات الریاحین نے جو یہ دعوے کیا کہ مولوی حیدر علی رحمہ اللہ مدعی ہیں کہ شاہ عبد العزیز قدس سرہ نے محجاج السالکین کی عبارت بلا وساطت نقل کی ازالۃ العین کی عبارت اس بحث کے ضمن میں ہمارے پیش نظر نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ مولوی حیدر علی نے یہ دعوے کہیں نہیں کیا۔ معہذا اسلمنا کہ اس نام کی کوئی کتاب اہل تشیع میں نہیں اور علی سبیل التنزل والتسلیم ہم نے قبول کیا کہ حکیم سلامت علی نے غلط لکھا اور مولوی حیدر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس وجہ سے کہ حکیم سلامت کے قول پر اعتماد کر لیا خطا کی تو بھی ہم کہتے ہیں کہ یہ وضع و افتراء اہلسنت کا نہیں ہو سکتا بلکہ اس صورت میں اس کی تاویل جو قریب الفہم ہے یہ ہے کہ کچھ بعید نہیں اصل کتاب صواقع میں یہ لفظ مصباح السالکین ہوگا کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کے قریب المعنی وہ روایت ہے جو ہم نے مصباح السالکین شرح کبیر نہج البلاغت مصنفہ ابن میثم بحرانی سے نقل کی ہے اور غلطی کاتب سے لفظ مصباح میں حروف صاد اور ب کی جگہ لفظ محجاج خاء و جیم کے ساتھ لکھا گیا ہو اور ظاہر ہے کہ سیف المسلول میں یہ روایت صواقع سے لی گئی ہے اور تحفہ میں بھی صواقع سے لی گئی ہے اس لئے وہ غلطی کاتب

برابر چلی آئی ہو دوسرا قرینہ اس پر یہ ہے کہ سیف المسلول کا جو نسخہ ہمارے پاس مطبوعہ دہلی موجود ہے اس میں منہاج السالکین لکھا ہے اور یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ اول تو یہ ماخوذ صواقع سے ہے اور اس میں مجاج السالکین ہے۔ دوسری یہ کہ حضرت خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ سیف المسلول میں مجاج السالکین مذکور ہے تو معلوم ہوا کہ یہ یقیناً سہو کاتب ہے اسی طرح اگر صواقع کے نسخہ میں ناسخ کی غلطی ہوئی ہو اور بجائے مصباح السالکین مجاج لکھ دیا ہو تو کچھ بعید نہیں اور مصباح السالکین شرح کبیر ابن میثم بحرانی کا نام ہے جو نہج البلاغت پر ہے اور با این ہمہ صواقع میں وہ روایت روایت بالمعنے ہو گی کہ جس میں تطابق الفاظ شرط نہیں اور یہ توجیہ علی التنزل والتسلیم ہم نے اس لئے کی کہ ہمارے پاس اس کے ثبوت کا ایسا ذریعہ کوئی نہیں کہ جس سے اس کے خصم کو تسلیم کرا دیں ورنہ قرائن سے تو ہر عاقل کو یقین حاصل ہو سکتا ہے کہ بے شک یہ کتاب علمائے تشیع کے کتب معتبرہ میں سے ہے اور کچھ عجب نہیں کہ امین الدین طبرسی کی تصنیفات سے ہو کیونکہ اس کی تفسیر مجمع البیان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علماء شیعہ میں سے بہت زیادہ متعصب نہیں ہے تو کچھ بعید نہیں ہے کہ اس نے یہ روایت نقل کی ہو۔ غرض بہرکیف شیعہ میں اس نام کی کوئی کتاب ہو یا نہ ہو صاحب طعن الرماح کا یہ فرمانا چہ مستبعد ست کہ این کتاب را خودش بدروغ ساختہ باشد اور علامہ تنتوری کا اس کی تائید و تقویت کرنا سراسر لغو و لاطائل ہے۔ اور جب علمائے تشیع کی معتبر کتاب سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا راضی ہونا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ فدک میں ثابت ہو گیا تو یہ طعن جو باب مطاعن میں شیعہ کا مابہ الافتخار تھا ساقط ہوا اب ہم کو کچھ ضرورت نہیں رہی کہ ہم بخاری کی حدیث کی بابت کچھ کلام کریں۔ مگر تنشیطاً للسامعین ذوجبا رلنظ اس کی بابت بھی گذارش کرتے ہیں کہ حدیث بخاری میں لفظ فوجدت فاطمۃ کی نسبت اول ہم یہ ہی تسلیم نہیں کرتے کہ فی الحقیقت اس کے معنی غضبت کے ہیں بلکہ معنی اغتمت یا ندمت کے ہیں کہ اپنے سوال فدک سے جو خلاف حق تھا جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ سوال بے جا تھا تو آپ کو غم لاحق ہوا جیسا کہ مقربین بارگاہ خداوندی کا حال ہوتا ہے کہ ترک عزیمۃ پر بھی ان کو غم اور ملال لاحق ہوتا ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سیف المسلول میں فرماتے ہیں دجواب نزد فقیر آنست کہ در صحیح بخاری در قصہ طلب میراث این عبارت واقع شدہ است فوجدت ولو تکلم حتی ماتت وجدت لفظیست مشترک در چند معنی بمعنی غضبت و ندمت و غمت آمدہ کذا فی نہایۃ الجزری و اینجا وجدت را بعض راوی بمعنے ندمت یا بمعنے

اغتمت استعمال کردہ بعضی رواۃ فرع کہ روایت حدیث بالمعنی کردند وجدت را بمعنی غضبت فہمیدہ ہمان قسم یاد داشتہ و بلفظ غضبت روایت کردہ و معنی این حدیث در حقیقت آنست کہ چون فاطمہ جواب ابوبکر شنید و باستماع حدیث پیغمبر دریافت کرد کہ سوال میراث خلاف شرع واقع شد ندامت کشید و بر سوال کردن خود میراث را غمگین شد کہ این فعل چرا از من ظہور شد انتہی بقدر الحاجۃ۔

معاملہ فدک میں درباب رضاء فاطمہؓ بخاری کی حدیث کی توجیہ

سلمنا کہ وجدت بمعنی غضبت کے ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ وعید من اغضبہا فقد اغضبنی میں داخل نہیں ہے کیونکہ اغضاب کے معنے یہ ہیں کہ کوئی شخص صرف بغرض اپنی ہوائے نفسانی کے ایسی حرکت کرے جس سے غرض اور مقصود حضرت سیدہ کو ناخوش کرنا ہو تو یہ محل وعید ہے نہ یہ کہ شارع کے حکم سے کوئی فعل واقع ہو اور اتفاقاً بحکم بشریت جناب سیدہ ناراض ہو جاویں تو یہ داخل وعید نہیں۔ جناب امیر کے ساتھ چند بار ایسے معاملات غیظ و غضب کے پیش آئے منجملہ ان کے ایک وہ کہ ناخوش ہو کر آپ مسجد میں جا لیٹے تھے اور حضرتؐ تشریف لائے اور جناب سیدہ سے پوچھا این ابن عمك آپ نے فرمایا غاضبنی فخرج ولم یقل عندی خود حضرت تشریف لے گئے، دیکھا مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں آپ نے قم یا ابا تراب فرما کر اٹھایا منجملہ ان کے ایک وہ کہ جناب امیر نے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہا تھا اس پر حضرت سیدہ ناخوش ہوئیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نوبت شکایت پہنچی اور آپ نے اس کی نصیحت فرمائی منجملہ ان کے ایک وہ کہ ایک لونڈی حضرت جعفر طیار نے بھیجی تھی اور جناب سیدہ نے جناب امیر کا سر مبارک اس کی کنار میں دیکھ کر کس قدر غیظ و غضب فرمایا کہ جناب امیر کی قسموں کو کہ کوئی امر واقع نہیں ہوا سچا نہ جانا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر شکایت فرمائی۔ منجملہ ان کے ایک وہ کہ جب خلفاء نے جور کرنا اہل بیت پر بزعم شیعہ شروع کیا اور جناب امیر نے بحکم خدا تعالیٰ و بوصیت رسول صلعم صبر و سکوت فرمایا تو جناب سیدہ یہاں تک ناخوش ہوئیں کہ کلمات مستہجنہ بحق جناب امیر مثل جنین پردہ نشین و خائنین در خانہ گریختہ فرمائے حالانکہ حکم جناب رسالت ہو چکا تھا یا فاطمۃ لا تعصی علیا فان غضب غضبت لغضبہ اور یہ واقعہ قریب وفات جناب سیدہ کے ہے پس اگر حکم من اغضبہا فقد اغضبنی کہ

ہے تو یہ واقعات بھی داخل عموم حکم ہو کر وعید میں شمار ہوں گے۔ اور اگر کلیہ نہیں تو طعن ہے
سراسر پوچ ہے تو اس صورت میں جب کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک کام موافق حکم شرع
کیا اور اس پر جناب سیدہ ناخوش ہوتیں تو صدیق اکبر پر کوئی طعن اور وعید عائد نہیں ہوگا لیکن
البتہ جناب سیدہ کی طرف فی الجملہ اعتراض ہے تو اس کے لئے بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ
آخر جناب سیدہ معصوم نہ تھیں اور نفس رکھتی تھیں اور کبھی بے اختیار صفات نفسانی ظاہر ہو
جاتی ہیں، آخر جناب امام حسینؓ باوجود عصمت اپنے بڑے بھائی پر در باب صلح ناخوش ہوئے
اور ظاہر ہے کہ حق ایک ہی جانب تھا تو اگر جناب سیدہ حضرت ابوبکر سے ناخوش ہوئی ہوں
تو کچھ تعجب نہیں، لیکن یہ جواب علماء محققین اہلسنت کے نزدیک ضعیف ہے کیونکہ جب
دوسری توجیہ اس کی جس سے طہارت و نظافت دامن جناب سیدہ کے اس الزام سے ہو
سکتے ہیں تو کیا ضرور ہے کہ اس توجیہ کو اختیار کیا جاوے اور وہ یہ کہ وجدت کے معنی اغتمت
یا مذمت کے معنے سمجھے جاویں، اس کے بعد گذارش ہے کہ جملہ لم تتکلم اگر آپ کے نزدیک
عام ہے کہ بعد اس قصہ کے مطلق کلام نہیں کی تو غلط ہے کیونکہ احادیث علل الشرائع و بحار وغیرہ
اس کی مکذب ہیں، جن کو خاتم المتکلمین نے ازالۃ الغین میں نقل کیا ہے چنانچہ ایک روایت ہم
بھی ازالۃ الغین سے نقل کرتے ہیں۔

حضرت زہرا کا ابوبکر کے ساتھ اخیر عمر تک کلام نہ کرنا روایت شیعہ سے بھی باطل ہے

ہر گاہ فاطمہ زہرا علیہا السلام در آخر عمر بیمار شد شیخین برائے عیادت آمدند و خواستند
کہ پروانگی حاصل شود تا در خانہ در آیند آنجناب اذن نداد ابوبکر بعد ازین عہد کرد بخدا کہ زیر سقف
خانہ نہ آرام تا داخل شود و در رضاء او کوشد پس تمام شب در صقیع بسر برد ہیچ چیز برو سایہ دار نبود
پس عمر آمد نزد علی و گفت تو میدانی کہ ابوبکر مردی پیر ست و رقت قلبی دارد و مصاحب و یار غار
پیغمبر ست صلی اللہ علیہ وسلم و بالیقین چند بار آمدیم و خواستیم کہ نزد بتول زہرا خاطر شویم و در
رضاء او کوشیم اگر توانی درین امر بکوش امیر المومنین فرمود مطمئن باشید کہ من درین امر مساعی
بلیغ بتقدیم میرسانم پس بخانہ در آمد و گفت اے دختر پیغمبر این دو کس را دیدی کہ بار بار می آیند و
لب معذرت می کشانید و مرا تکلیف دادہ اند کہ اجازت برای شان حاصل کنم فاطمہ فرمود کہ بخدا
اجازت نخواہم داد و نہ کلام با آنہا خواہم کرد تا آنکہ پدر بزرگوار را ملاقات کنم و دفتر شکایت ایشان
باز نمایم امیر المومنین گفت کہ من ضامن شدہ ام کہ ایشان را در خانہ داخل کنم فرمود کہ اگر این ضمان
اتفاق افتادہ پس خانہ خانہ تست و زنان محکوم اند بلکہ مردان خود را پیروی کنند من مخالفت تو در
ہیچ چیز نتوانم کرد پس پروانگی بدہ ہر کہ را خواہی امیر المومنین بیرون آمد و شیخین را پروانگی داد
ہر گاہ جناب فاطمہ زہرا را دیدند سلام کردند روی از ایشان باز گردانید و گفت اے علی پردہ بر افکن
و پرستاران را فرمود تا روی آنجناب را بسوی دیوار گردانیدند ابوبکر چون این حال مشاہدہ نمود عرض
کرد اے دختر رسول خدا باعث آمدن ما انیست کہ خوشنودی ترا طلب کنیم و از غیظ و غضب
تو خود را باز کشیم سوال ما ہمین ست کہ بہ بخشی و از زلات ما بگذری فرمود ہیچ کلمہ با شما نخواہم گفت
تا آنکہ بخدمت پیغمبر خدا حاضر شوم و معاملات شما را شرح دہم باز شیخین معذرت و پوزش را
اعادہ کردند و عفو و صفح را درخواستند بعد ازین فاطمہ زہرا بسوی علی رضی اللہ عنہ التفات نمود
و گفت کہ من حرفی با این ہر دو کس نخواہم زد تا آنکہ چیزے سوال میکنم کہ ایشان از رسول خدا صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم شنیدہ اند اگر تصدیق خواہند کرد پس ہر چہ در رای من خواہد آمد بر آن عمل خواہم نمود
شیخین خدا را یاد کردند و گفتند بے تکلف بپرس از سخن حق تجاوز نخواہیم کرد و بصدق و صفا گواہی
خواہیم داد۔ فرمود قسم میدہم شما را بخدا یاد میکنید یا نہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شما را وقت
نصف شب بسبب امری کہ حادث شد از جانب علی طلبیدہ بود گفتند بخدا یاد میداریم باز گفت
قسم میدہم شما را کہ از پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شنیدہ اید یا نہ کہ می فرمودہ فاطمۃ پارہ از من ست
و من از دیم ہر کہ او را ایذا میدہد مرا اذیت میرساند و ہر کہ مرا در رنج مے آرد بالیقین خدا را در غضب
می آرد و ہر کہ با یذاء او کوشد بعد از موت مثل شخصی ست کہ ایذا رد ہد او را در زندگی من و ہر کہ
او را رنج دہد در حیات من ہست مثل کسی کہ ایذاء او دہد او را بعد از مردن من گفتند بخدا از حضرت
پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قطعاً و یقیناً شنیدہ ایم فرمود الحمد للہ باز گفت کہ خدایا من ترا گواہ میگیرم
و اے حضار گواہ باشید کہ این دو کس مرا ہم در حیات و ہم وقت وفات رنج دادہ اند کلام با ایشان
نخواہم کرد ہیچ تا آنکہ بلقاء خدا رسم شکایت از شما نمایم و افعال و اعمال شما یک یک بگویم پس
ابوبکر بویل و ثبور گریست انتہی ۔ یہ روایت علل الشرائع کی ہے جو حضرت خاتم المتکلمین نے
ازالۃ الغین میں فارسی میں نقل فرمائی ہے اور اسی طرح اور روایتیں ہیں جو اس کے ہم معنے

طعن الرماح سے نقل کی گئی ان سے صاف واضح ہے کہ جناب سیدہ نے باوجود مکرر سکرر عہد و پیمان کے اور قسم شرعی کے کہ میں ہرگز ان سے کلام نہ کروں گی شیخین کے ساتھ کلام کی تو دعوئے عموم باطل ہوا اور علی الاطلاق کلام سے انکار کرنا لغو ہوا پس حضرات شیعہ کو اب بجز اس کے چارہ نہیں کہ جملہ لم تتکلم کو مقید کریں اور فرمائیں کہ بعد لم تتکلم لفظ رضا وغیرہ مقدر ہے اور معنے یہ کہ شیخین کے ساتھ رضا و خوشنودی سے وقت وفات تک کلام نہیں کی قطع نظر اس سے کہ باوجود سعی و سفارش جناب امیر کے اگر جناب سیدہ شیخین سے راضی نہ ہوتیں تو مخالفت امام جناب امیر کے جو امام برحق تھے لازم آتی اور نیز اس کے مخالف ہوا کہ من زوجہ مطیعہ شمار و من مخالفت تو در ہیچ چیز نخواہم کرد، جیسا کہ روایت بحار و علل الشرائع میں مذکور ہے۔ اہل حق بھی یہ ہی فرماتے ہیں کہ جملہ لم تتکلم مقید ہے بقید فی امر فدک او فی ذلک المال، اور معنے یہ کہ ابوبکر کے ساتھ معاملہ فدک اور اس کے مطالبہ کی نسبت وقت وفات تک پھر کلام نہیں کی کیونکہ جناب سیدہ پر حقیقت اس امر کی واضح ہوگئی تھی کہ انبیاء کی میراث مالی نہیں ہوتی اور یہ ہی وجہ ہوئی کہ جناب امیر نے اپنی خلافت کے عہد میں اس جاگیر کو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثہ میں تقسیم نہیں فرمائی اور نہ بنی فاطمہ کے حوالہ کی بلکہ اسی طرح کرتے رہے جس طرح خلفاء سابقین کے زمانہ میں ہوا کرتا تھا، چنانچہ علامہ بحرانی صاف شہادت دے رہا ہے ثم فعلت الخلفاء بعدہ کذلک الی ان ولی معویۃ فاقطع ثلثہا مروان. اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر کے زمانہ خلافت میں بھی مغصوب رہے اور آپ بھی اس میں اسی طرح کرتے رہے جس طرح خلفاء سابقین کرتے تھے یہاں تک کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بنی فاطمہ پر رد کر دیا جس کی نسبت حضرات شیعہ فرماتے ہیں جس کو ابن میثم نقل کرتا ہے قالت الشیعۃ فکانت اول ظلامۃ ردہا تو اگر فدک مغصوب تھا اور خلفاء غاصب تھے تو جناب امیر معصوم بھی اس فعل میں ان کے شریک ہیں پس اگر خلفاء کا کوئی فعل موافق فعل معصوم کے واقع ہوا تو اس فعل کی نسبت ان پر طعن کرنا درحقیقت امام معصوم پر طعن ہے اور یہ کہنا کہ خلفاء مرتکب غصب حق اور جور اور فاعل حرام ہوتے گویا امام معصوم کی نسبت کہنا ہے بلکہ دو امام معصوم کی نسبت ہے کیونکہ جناب امام حسن نے اس جور و ظلم کو اہلبیت سے اپنے زمانہ خلافت میں نہ لوٹایا پس جب امامین معصومین کے موافق خلفاء کے فعل ہوئے تو وہ کیونکر محل طعن ہو سکتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ معاملہ فدک میں حقیقت خلفاء کے جانب تھی جناب سیدہ پر بعد سننے حدیث نحن معاشر الانبیاء کے واضح ہوگئی تھی کہ پھر آپ نے اس

معاملہ میں لب کشائی نہ فرمائی اور ائمہ میں سے بھی کسی نے اس کا پھر نام نہیں لیا۔ پس روایت بخاری سے خلیفہ صدیق کے طعن میں استدلال کرنا حضرت مجیب اور ان کے حضرت صاحب نفحات الریاحین کے فہم کی خوبی ہے پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ وہ بمقتضائے کمال فضل و علم و شرم و حیا کے فرماتے ہیں کہ اہلسنت نے ناچار ہو کے مذبوحی حرکتیں کیں اور مصداق مثل مشہور الغریق یتشبث بکل حشیش کے ہوتے اور کذباً و افتراءً کتب شیعہ سے اثبات رضا جناب سیدہ چاہا۔ حالانکہ بحول اللہ و قوتہ اس بارہ میں اہلسنت پر کوئی الزام وارد نہیں ہو سکتا اور نہ استدلال شیعہ کا اس جگہ صحیح ہو سکتا ہے اول جب ان کے علامہ ابن میثم نے لکھ دیا کہ جناب سیدہ راضی ہوگئیں تو یہ کہنا کہ کذباً و افتراءً اثبات رضا چاہا کذب و افتراء کو اپنے علامہ فاضل متبحر ابن میثم کی طرف منسوب کرنا ہے۔ اب اس علامہ ابن میثم کی شہادت پر دیکھیں کیسی کچھ حرکتیں مذبوحی فرمائیں گے بلکہ اہل حق کو مژدہ ہو کہ ابن میثم نے تو بعد تحریر روایت گویا فیصلہ ہی کر دیا اور فرمایا وفی ہذہ القصۃ خبط کثیر بین الشیعۃ و مخالفیہم، تو علامہ بحرانی نے اعتراف فرمایا کہ اولین و آخرین شیعہ معاملہ فدک میں مبتلا خبط کثیر ہیں۔ اور اہل سنت کے خبط کا دعوئے پس محض بلا دلیل ہے اگر حوصلہ ہو تو ثابت کیجیے۔ وقد تقرر ان اقرار العقلاء حجۃ علی انفسہم فقد والحمد للہ علی وضوح الحق۔

قولہ: آپ نے بھی عقل کو دخل نہ دیا اور باوجود دعوئے علم مناظرہ دانی ایسے ثبوت کو کہ اس سے سکوت بدرجہا بہتر ہے فخریہ تہدیداً ہمارے سامنے پیش کیا۔

اقول: حضرت کی خوش فہمی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں جب عبارت کے مطلب کو نہ سمجھیں تو ہم فارغ الذمہ ہیں افسوس کہ بااین ہمہ ادعاء مناظرہ دانی مطلب عبارت کو تو خود نہ سمجھیں اور الٹا الزام ہم کو دیں۔

قولہ: غور فرمایئے کہ میری وہ عرض جو سابق میں گذارش ہوئی کہ آپ بدون دلیل اپنے علماء کے دعوئے لسانی کو تسلیم کر لیتے ہیں درست ہے کہ نہیں۔

اقول: جس قدر ابحاث پہلے گذر چکی ہیں ان سے بخوبی واضح ہے۔ اور اہل نصفت و ذکاوت و دانش و فہمی بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اپنے علماء کے دعوئے لسانی کو بلا دلیل آپ تسلیم فرما لیتے ہیں یا ہم ہر ایک بحث میں جس کا دل چاہے دیکھ لیوے۔

قولہ: تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے مقدمات پر نظر نہ کر کے فخریہ بلکہ بطور رد عملی بمقابلہ خصم پیش کرتے ہیں افسوس دحیف ہے ابھی تو عقل و انصاف سے کام لیا کیجیے۔

اقول :۔ یہ حیف و افسوس عقل و انصاف سے کام نہ لینے کی نسبت حضرت مجیب ہی کے عائد حال ہے کہ آپ کو اپنے علماء کی تقلید میں حق و باطل میں تمیز نہ رہی چنانچہ ہر ایک بحث سے واضح ہے ہم کیا کہیں اہل فہم و انصاف خود دیکھ لیویں۔

قولہ :۔ آپ کے خاتم المتکلمین کا یہ فرمانا وہ از تصنیفات طبرسی کہ لعماد الدین وامین الدین شہرت دارد محسوب و معدود۔ دعویٰ زبانی ہے اور بدون دلیل دعویٰ قابل اصغا نہیں چہ جائے تو در کنار۔ دعویٰ بے دلیل قبول خود نہیں، چنانچہ جناب بھی اسی تحریر میں فرماتے ہیں اور دعویٰ بلا دلیل کے واسطے تو محض لانسلم ہی جواب ہے بلکہ لانسلم کی بھی حاجت نہیں کیونکہ دعویٰ بلا دلیل خود ہی غیر مقبول ہے انتہیٰ بقدر الحاجۃ۔ پھر تعجب ہے کہ اثبات توثیق کتاب مجاج السالکین میں جو آپ نے بڑے فخر و ناز سے خاتم المتکلمین کی کلام نقل فرمائی اس اپنے قول کا بھی پاس نہ کیا یا یاد نہ رہا۔

اقول :۔ ہمارا دعویٰ اثبات رضاء جناب سیدہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ فدک میں روایات شیعہ سے تھا اور ظاہر ہے کہ وہ موقوف مجاج السالکین کے ثبوت توثیق پر نہیں اور نہ ہم کو اس کے اثبات توثیق کی حاجت کیونکہ جب وہ روایت دوسری کتب معتمدہ شیعہ میں وارد ہے تو ہمارا مدعا ثابت ہے اور جب ہمارا مدعا دوسری کتب سے بھی ثابت ہے اور مجاج السالکین پر ہی موقوف نہیں تو اس روایت کے وضع کرنے کا اور نام کتاب کے تراشنے کا الزام خود ہیاء منثور ہو گیا کیونکہ بداہت عقل شاہد ہے کہ ہم کو کتاب کا نام بنانے کی ضرورت اس وقت ہوتی جب کہ ہمارا اثبات مدعا اسی پر منحصر و موقوف ہوتا تو ایسے وقت میں احتمال تھا کہ شاید نام کتاب از خود تراش لیا ہو، لیکن جب یہ احتمال ہی باطل ہو گیا تو ہم کو اس کے اثبات کی ضرورت کیا باقی رہی اور اس کے اثبات کے واسطے اسی قدر کہنا کافی ہے کہ حکیم سلامت علی خان مرحوم کے پاس تھی۔ اور عماد الدین و امین الدین طبرسی کی تصنیفات سے ہے۔ اگر بالفرض یہ ثبوت ضعیف ہو تو ہمارے مدعا کو اس سے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ اسی واسطے ہم نے نقل عبارت خاتم متکلمین صرف آپ کے صاحب طعن الرماح کے ابطال دعوے کے واسطے کی تھی کہ وہ اس روایت کو حضرت علامہ دہلوی قدس سرہ کے وضع و افتراء فرماتے تھے نہ ثبوت توثیق میں کہ اس کی ہم کو حاجت ہے اور بطلان دعوی صاحب طعن الرماح بخوبی واضح ہے۔ پھر جناب

کا یہ فرمانا تعجب ہے کہ اثبات کتاب مجاج السالکین میں جو آپ نے بڑے فخر و ناز سے خاتم المتکلمین کی کلام نقل فرمائی اس اپنے قول کا بھی پاس نہ رہا یا یاد نہ رہا۔ محض حضرت مجیب کی خوبی فہم و انصاف سے ناشی ہے۔

قولہ :۔ عجب نہیں کہ صواعق و سیف مسلول کو ہماری ہی کتابیں سمجھے ہوں۔

اقول :۔ سبحان اللہ حضرات کے خیالات اور دعووں کی یہ کیفیت ہے کہ جو کتابیں ہمارے روزمرہ استعمال میں ہیں ان کی نسبت فرماتے ہیں کہ شاید ہماری کتابیں سمجھے ہوں کوئی حضرت سے پوچھے کہ یہ آپ نے کیونکر سمجھا یہ کوئی اجتہادی مسئلہ تو ہے نہیں کہ آپ نے اجتہاد سے پیدا کیا ہو۔ ہاں اگر آپ محدث ہونے کے مدعی ہوں گے تو البتہ فرشتہ کی زبانی جس کی صورت نظر نہ آتی ہو گی معلوم ہوا ہو گا۔ مگر یہ کیا اگر آپ اپنے علماء کی فہرستوں کو جو علماء شیعہ کے بیان میں لکھیں ہیں ملاحظہ فرماویں گے تو معلوم ہو گا کہ آپ کے علماء کو مصنفین اہلسنت و شیعہ میں تمیز نہیں ہے اور علماء اہلسنت کو اپنے علماء میں معدود کیا ہے۔

قال الفاضل المجیب :۔ قولہ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔ اقول جس غرض سے آپ نے یہ مصرع زیب تحریر فرمایا ہے بے شک آپ کے ہی حال کے نہایت چسپاں ہے ہم بھی صادر کرتے ہیں۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی :۔ عاقلان خود میدانند۔

قال الفاضل المجیب :۔ قولہ اگر ایسی غلطیوں کا استیفا کیا جاوے تو ایک کتاب ضخیم تیار ہو۔ اقول سبحان اللہ کون سی غلطی آپ نے ثابت کی۔

یقول العبد الفقیر الی مولاہ الغنی :۔ جب آدمی عقل و انصاف سے کام نہ لے تو جو منہ میں آوے کہے مثل مشہور زبان ہے اگی نہ کوانہ کھاتے، لیکن اگر شرم و حیا کی نظر سے دیکھیں اور عقل و انصاف سے کام لیں اور اس وقت یہ فرمائیں تو البتہ مضائقہ نہیں۔

قولہ :۔ مقام استدلال میں ایک ایسی کتاب کا جو حتماً عنقا معلوم الاسم و مجہول الجسم ہے اور معدوم الاثر بھی آپ کے ہی علماء کے نزدیک ہے حوالہ دینا اور جب خصم انکار کرے تو اس کی توثیق کے ثبوت میں یہ کہنا کہ یہ کتاب ہمارے فلاں عالم کے پاس تھی اور ہماری فلاں کتاب میں اس کا نام مندرج ہے اور بدون دلیل کسی عالم خصم کی طرف نسبت کرنا اسی کا نام غلطی ہے تعجب ہے کہ حسب مثل مشہور ہندی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے اپنی غلطی ہمارے

ذمہ لگاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر ایسی غلطیوں کا استیفا کیا جاوے تو ایک کتاب ضخیم تیار
ہو ع این کار از تو آید مرداں چنیں کنند۔

اقول:۔ حضرت یہ کتاب عنقا صفت سہی لیکن ہم گزارش کر چکے کہ اس کا مجہول ہونا
ہمارے استدلال کو کچھ مضر نہیں ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ جب خصم انکار کرے تو اس کی توثیق
کے ثبوت میں یہ کہنا کہ یہ کتاب الخ محض خوش فہمی سامی سے ناشی ہے فی الحقیقت انکار کا
جواب تو یہ ہے کہ یہ ہی روایت ابن میثم بحرانی نے شرح کبیر نہج البلاغت میں نقل کی ہے
پس یہ اس امر کا ابطال ہے جو آپ کے صاحب طعن الرماح نے اپنی غلطی سے دعویٰ کیا ہے
کہ چہ مستبعد ست کہ نام کتاب خودش بدروغ ساختہ باشند۔ اور وضع و افتراء کو علامہ دہلوی
قدس سرہ العزیز کی طرف نسبت کیا ہے کیونکہ جب اس کتاب سے استشہاد کتب متقدمین میں
موجود ہے تو یہ کہنا کہ یہ نام علامہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع کیا ہے غلطی ہے کہ نہیں
چنانچہ اسی غلطی کے ثبوت میں ہم نے یہ عبارت نقل کی تھی، اب ہم آپ ہی سے دریافت
کرتے ہیں انصاف سے فرمائیں جب یہ اس کتاب کا نام صواعق وغیرہ میں مذکور ہے
تو صاحب طعن الرماح کا افتراء کو حضرت علامہ دہلویؒ کی طرف نسبت کرنا اور علامہ کنتوری کا
اس کی تائید میں قرینہ قائم کرنا کہ جب باب سوم میں اس کا ذکر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ خود اپنے
ساختہ پرداختہ ہے دونوں یعنی علامہ کنتوری کی اور صاحب طعن الرماح کی خطا ہے کہ نہیں
افسوس کہ آپ نے یا میری گزارش کو سمجھا نہیں یا سمجھ کر دانستہ اغماض فرمایا کہ اصل اعتراض
کی طرف اشارہ تک نہ کیا اور بے فائدہ جوش وخروش فرمایا بس ہم بحول اللہ و قوتہ
آپ کی ہی غلطی آپ کے ذمہ لگاتے ہیں اپنی غلطی آپ کے ذمہ نہیں لگاتے لیکن آپ
ذرا فہم وعقل سے کام لیجئے خصم کے مدعا کو سمجھئے اور ناحق واویلا نہ فرمایئے۔ اس سے صاف
ثابت ہوا کہ ہم نے جو عرض کیا تھا کہ اگر ایسی غلطیوں کا استیفا کیا جائے تو ایک کتاب ضخیم
تیار ہو صحیح تھا، ورمہندی کی مثل جو تجویز فرمائی اس کا جواب ہم کیا کہیں اہل دانش و
انصاف سمجھتے ہیں کہ وہ جناب ہی کے حسب حال ہے اور نیز اس کا جواب خالی از ہزل
وظرافت نہ ہوگا اس لئے ترک کرتے ہیں۔

قولہ:۔ ہاں جیسی غلطیاں ہم نے ثابت کی ہیں اگر ایسے اغلاط کا استیفا کیا جاوے
تو ہزاروں ایک کتاب ضخیم تیار ہو چنانچہ آپ کے جواب میں کسی قدر تحریر ہیں اور تھوڑے

صفحہ اور ورق کے ورق اسی باب میں لکھے گئے ہیں، اگر ہمارے حضرت مجیب کو شوق ہے تو
اجوبہ تحفہ ملاحظہ فرماویں۔

اقول:۔ جس قدر غلطیاں آپ نے بزعم خود تحریر فرمائی ہیں منجملہ انھیں اغلاط کے
ہوں گی جن میں صفحات و اوراق لکھے گئے ہیں۔ پس ان کا حال تو ناظرین اوراق اہل فہم و
انصاف پر بخوبی واضح ہے اور باقی کو بھی ان ہی پر قیاس کر لینا چاہیئے پس جب کہ ان جوابات
کا یہ حال ہے تو اصل اغلاط بھی بجائے خود قائم رہیں اور علاوہ ان کے غلط جوابوں کے غلطیاں
اور مزید براں ہو گئیں۔ پس جس قدر غلطیاں جناب نے ثابت کیں گویا وہ اپنی غلطیاں ثابت
کیں اور اپنی ہی غلطیوں کی بابت کتاب ضخیم تیار ہونا بیان کیا اور یہ ہی ہم نے گزارش کیا تھا۔

قولہ:۔ ارادہ تھا کہ کم سے کم پچاس ساٹھ ایسی غلطیاں حضرت خاتم المحدثین کے ہدیۂ
نذر کریں، چنانچہ کسی قدر ذہن میں انتخاب بھی کر لی تھیں مگر اس تحریر میں طول ہو گیا اور بیماری
نے اور عدیم الفرصتی نے مجبور کر دیا اس لئے اور وقت پر منحصر رکھتے ہیں۔

اقول:۔ ہم کو بھی خیال تھا کہ کچھ غلطیاں صاحب تشیید و علامہ کنتوری و شہید ثالث
و صدوق وغیرہ کے آخر میں پیش کریں گے اور ہمارے حافظہ میں موجود ہیں مگر خیال کیا کہ
یہ تمام رسالہ حضرات کی ان خوش فہمیوں کی اور اغلاط کی تصویر کھینچ رہا ہے جو اصول مذہب
شیعہ کے لئے بیخ کن ہیں تو اب کیا ضرور ہے کہ اور ان کی خطاؤں کا اظہار کیا جاوے اور اگر
ان کی غلطیاں خصم نے تسلیم بھی کر لیں تو مذہب کو اس سے کچھ بہت بڑا صدمہ نہیں پہنچ سکتا
ہے اس لئے ہم نے ان ہی ضمنی غلطیوں پر اکتفا کر کے قلم کو روک دیا اور بیشتر بھی صرف آپ
کی تحریک ہی کی وجہ سے ہم نے گزارش کر دیا تھا، اگر آپ اپنے سوال میں اس قصہ کو نہ چھیڑتے
تو شاید ہم بھی کچھ نہ لکھتے اور جس قدر جناب نے غلطیاں تحریر فرمائی تھیں ان کی کیفیت بھی
بخوبی واضح کر دی گئی کہ وہ ہماری غلطیاں نہیں تھیں بلکہ وہ حضرات کی خوش فہمیاں تھیں
اہل عقل و انصاف بغور و تامل دیکھ لیں۔

قولہ:۔ اگر حضرت نے یہ سلسلہ جاری رکھا تو پھر کبھی دیکھا جاوے گا انشاء اللہ تعالیٰ
یار باقی صحبتش باقی۔

اقول:۔ نہ ہم اس سلسلہ کے بانی ہیں اور نہ ہم کو اس کے جاری رکھنے سے انکار
آپ نے یا آپ کے مشفقین نے یہ قصہ شروع کیا ہے۔ جب تک آپ کا اور ان کا دل چاہے

جاری رکھیے اور جب دل چاہے ختم کر دیجیے۔ ہم مامور محض ہیں اور ہر طرح حاضر ہیں تحریرًا تقریرًا جس طرح دل چاہے سُلجھ لیجیے اور فیصلہ کر لیجیے۔

قال الفاضل المجیب:- قولہ۔ بنا براں اس قدر قلیل پر اکتفا کر کے تفصیل کو دوسرے وقت پر منحصر کرتا ہوں فقط والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ اقول جس قدر قلیل پر آپ نے اکتفا فرمائی اسی قدر ہم بھی جواب گزارش کر چکے، اگر آپ تفصیل سے لکھیں گے تو ہم بھی جواب مفصل کو حاضر ہیں والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

یقول العبد الفقیر الیٰ مولاہ الغنی:- جس قدر آپ نے ہمارے جواب میں تحریر فرمایا وہ سب ہم آپ ہی پر منقلب کر چکے اور واضح کر چکے کہ یہ محض اوہام باطلہ و خیالات لاطائل تھے پس عقل و انصاف سے کام لیجیے، تعصب و نفسانیت کو چھوڑ دیتے۔ اور ابطال حق پر نہ آمادہ ہوجیے وصراط مستقیم اختیار کیجیے۔ وما علینا الا البلاغ والحمد للہ اولاً و اٰخرًا دائمًا سرمدًا وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد واٰلہ واصحابہ وازواجہ واشیاعہ واحبابہ اجمعین۔

اس کے بعد ہمارے فاضل مجیب نے دو تحریریں جو بعنوان جواب مولوی پیر محمد خان صاحب سہارنپوری ہیں ملحق کی ہیں۔ پہلی تحریر میں بجز شکوہ و شکایت و طعن و تشنیع کے کسی بحث سے تعرض نہیں فرمایا بلکہ لکھا کہ غیبت و تقیہ کی بحث بے محل چھیڑ گئی، اس کے جواب کی چنداں حاجت نہیں۔ اور دوسری تحریر میں حدیث بخاری سے جو متضمن تاخیر بیعت تا شش ماہ ہے اور قصد احراق سے تعرض کیا جس کا مفصل جواب اس تحریر کے مواضع متعددہ میں موجود ہے اس کے تکرار و اعادہ کی حاجت نہیں، اور علاوہ اس کے جیسا کہ حضرات شیعہ کی خدا و رسول پر افترا و بہتان باندھنے کی عادت ہے اسی عادت قدیمہ کے موافق کذبًا و افترا، بحوالہ معالم التنزیل تفسیر سورہ یٰسین ایک نبی پر انبیاء سے بت پرستی کا بہتان باندھا و لیکن ہذا الا کذب صراح و بہتان بواح۔

حضرت مجیب کا بحوالہ معالم التنزیل یہ فرمانا کہ ایک نبی نے دین کی ترویج کیلئے کفار کی عبادات میں شریک ہونا اختیار کیا تھا محض کذب و افترا ہے

اول تو یہ ہی مسلم نہیں کہ ترویج دین کی نیت سے بت پرستی کرنا جائز ہے آپ فریقین میں کسی کے نزدیک ثابت فرما دیں کہ اس غرض سے کفار کے عبادت خانوں میں جانا اور ان کی عبادتوں میں شریک ہونا جائز ہو، دوسرے یاد آتا ہے کہ مجمع البیان میں ہے کہ انبیاء کو تو تقیہ تک بھی جائز نہیں، علاوہ ازیں تفسیر معالم التنزیل میں ہرگز کسی نبی کی نسبت یہ نہیں لکھا ہے تفسیر معالم التنزیل کتاب نادر الوجود نہیں ہر جگہ دستیاب ہو سکتی ہے جس کا دل چاہے حضرت مجیب کا ان کے اکابر کے افترا، کا جن سے فاضل مجیب نے نقل فرمایا ہے تماشا دیکھ لیوے

اب ہم اس کا جواب گزارش کرتے ہیں جو مولوی پیر محمد خان صاحب کی پہلی تحریر کے ضمن میں ہم کو خطاب کر کے فرمایا ہے

قولہ:- حضرت مجیب مخاطب کی خدمت اقدس میں بصد ادب گزارش ہے کہ آپ نے اصلی سوال کا جواب عطا نہ فرمایا اور زائد گفتگو فرما کر بحث میں طول دیا، میرے کسی قول کا جواب نہ دیا، شرائط کے دلائل جو آپ نے دریافت فرمائے بجا کیا، مگر میں نے سوال میں عرض کیا تھا کہ اپنے اصول خلافت جو لکھیں مدلل لکھیں اس کا جواب کچھ بھی تحریر نہ ہوا، میں نے گزارش کیا تھا کہ اہلسنت خلافت خلفاء ثلاثہ اپنے اصول موضوعہ سے بھی ثابت نہیں کر سکتے، غور فرمایئے کہ یہ کتنا بڑا دعویٰ ہے مگر آپ نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔

اقول:- چونکہ وہ محل آپ کے اصلی سوال کے جواب کا نہ تھا اس لئے ہم نے تفصیلاً عرض نہیں کیا تھا اور مجملاً وہ بھی موجود تھا، کاش آپ تامل کی نظر سے ملاحظہ فرماتے۔ اور زائد گفتگو کی بنا خود جناب کی زائد گفتگو ہوئی تھی، اپنے علاوہ سوال کے جب زائد امور کو چھیڑا تو اس پر بندہ نے بھی مختصراً عرض کیا اگر آپ زائد گفتگو نہ فرماتے تو بندہ بھی عرض نہ کرتا، اور آپ کا فرمانا کہ میرے کسی قول کا جواب نہ دیا انصاف سامی سے بعید معلوم ہوتا ہے اس کے جواب میں بجز اس کے کہ ہم بھی جھوٹ بولیں اور کہیں کہ آپ نے صحیح فرمایا اور کوئی ہم جواب نہیں دے سکتے جس سے آپ خوش ہو جائیں، ثبوت خلافت خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اس تحریر میں بخوبی مفصل

تحقیقاً والزاماً عرض کر دیا گیا ہے انصاف کی نظر سے ملاحظہ ہو۔

قولہ :۔ اب یہ عرض ہے کہ اگر آپ کو اس بحث میں طول دینا منظور ہے تو بسم اللہ ہم بھی حاضر ہیں مگر شرط یہ ہے کہ جس طرح ہم نے آپ کے ہر قول کا جواب لکھا ہے اسی طرح آپ بھی ہمارے ہر قول کا جواب تحریر فرمادیں اور جو کچھ لکھیں مدلل ہو اور اگر طوالت منظور نہیں تو صرف میرے سوال سابق کا جواب مفصل عطا ہو۔

اقول :۔ اگرچہ ہم کو تطویل مدنظر نہ تھی لیکن فرمائش سامی کے موافق آپ کے ہر قول کا جواب لکھا ہے اور جو کچھ عرض کیا ہے مدلل عرض کیا ہے، چنانچہ جناب پر انشاء اللہ تعالےٰ بعد معائنہ واضح ہو جاتے گا۔

قولہ :۔ ہم نے شرائط ثلثہ آپ کی ہی کتب معتبرہ سے ثابت کر دیں اگر یہ مقبول ہوں تو فرمایئے کہ ان شرائط سے مشروط کون خلیفہ ہے اور اگر مقبول نہیں تو ان کو بدلائل رد فرمایئے اور زائد باتوں کو نہ چھیڑیئے، ہم بحث کو نہایت ہی مختصر کرتے ہیں۔

اقول :۔ یہ شرائط ثلثہ کا ثبوت صرف بزعم سامی ہے وبس، اور فی الحقیقت ان کا کچھ ثبوت نہیں چنانچہ جو دلائل جناب نے ثبوت شرائط ثلثہ میں تحریر فرمائے تھے ان کو ہم بدلائل رد فرما چکے آپ کو اختیار ہے چاہے بحث کو مختصر فرمادیں یا طوالت دیں نہ ہم کو آپ کی تطویل کا کچھ خوف ہے۔ ورنہ اختصار کی خواہش چنانچہ جناب کو اس تحریر سے واضح ہو جاتے گا۔

قولہ :۔ اگر آپ کو اس تحریر کا جواب لکھنا منظور نہ ہو تو ہم کو کچھ شکایت نہیں۔

اقول :۔ اگر آپ ناخوش نہ ہوں اور میری تعلّی وتجبر پر محمول نہ فرمادیں تو میں واقعی بلا تصنّع عرض کرتا ہوں کہ آپ کی یہ تحریر ہرگز قابل جواب والتفات نہ تھی اور میرا ہرگز دل نہ چاہتا تھا کہ اس کے جواب میں قلم اٹھاؤں اور اپنا تضیع اوقات گرامی کروں، اسی واسطے ماہ ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ تک اس کی تحریر میں تعلل کرتا رہا آخر جب منافی نہ ملی اور میرا کوئی عذر قبول نہ ہوا تو بکراہت وسط ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ سے بالتزام جواب لکھنا شروع کیا، ذیقعدہ سے پیشتر بھی چند اجزاء متفرق طور پر تحریر کر چکا تھا مگر وسط ذیقعدہ سے لازم ومتحتم کرکے آج کہ چہارم جمادی الاولیٰ ۱۳۰۴ھ ہے بحول اللہ وقوتہ اس کو ختم کر دیا آئندہ بھی مجھ کو ترک تحریر میں کچھ دخل نہیں ہے، مگر آپ نے اس کے جواب پر قلم اٹھایا اور مجھ کو اس کی تردید کا ایما ہوا بشرط زندگی انشاء اللہ تعالیٰ میں قطعاً اس کا جواب لکھوں گا ورنہ میں عرض کر ہی چکا ہوں کہ ایسی خرافات وہفوات کے جواب میں قلم اٹھانے کو

میں سراسر تضیع اوقات تصور کرتا ہوں۔

قولہ :۔ صرف آپ خلافت خلفاء ثلثہ اپنے ہی اصول سے بدون اختلاف ثابت فرمادیجئے

اقول :۔ بحول اللہ وقوتہ ہم خلافت خلفاء ثلثہ کو آپ کے بھی اصول پر ثابت کر چکے ہیں آپ اس کو عقل وانصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمادیں اور آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے نزدیک مسئلہ امامت فروع میں سے ہے پھر ہم سے یہ کہنا کہ خلافت بلا اختلاف ثابت فرمادیجئے خلاف عقل ہے کیونکہ غایت ما فی الباب وقوع اختلاف اگر ہو گا تو موجب عدم قطع کو ہو گا اور یہ خود فروع میں ضرور نہیں بلکہ فروع کے ثبوت میں صرف ظن کافی ہے، بااین ہمہ ہم نے بلا اختلاف خلفاء ثلثہ کی خلافت کو آپ کے اصول پر ثابت کر دیا ہے اور واضح رہے کہ اختلاف منفی سے وہ اختلاف مراد ہے جو ناشی عن دلیل ہو ورنہ سفسطیات کا انتفاء تو نبوت بلکہ الٰہیات میں بھی ممکن نہیں۔

قولہ :۔ غور فرمایئے کہ ہم کہاں تک وسعت دیتے ہیں، یہ بھی اس صورت میں ہے کہ آپ کو بحث منظور ہو ورنہ آپ کی مرضی۔

اقول :۔ اگر جناب کو وسعت ہی پسند خاطر ہے تو لیجئے ہم بھی وسعت دیتے ہیں کہ آپ زائد باتوں کو ترک فرمایئے اور صرف امامت کا اصول میں سے ہونا کسی دلیل قطعی سے ثابت فرمایئے یا امام کے لئے صرف عصمت ہی ثابت کر دیجئے شرائط ثلثہ تو آپ کیا ثابت فرمائیں گے اور اگر آپ تحریر کی تطویل سے گھبراتے ہوں اور بیماری وعدیم الفرصتی سے مجبور ہوں تو ہم آپ کو ایک عمدہ تدبیر بتلاتے ہیں کہ آپ ہم کو تحریر فرمادیں ہم حاضر خدمت ہونگے اور بہت جلد فیصلہ ہو جاتے گا اور یہ بھی ہم وعدہ کرتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ دیں گے اور یہ اس صورت میں ہے کہ آپ کو یا آپ کے شفیق کو بحث منظور ہو ورنہ آپ کی مرضی ہم کو کوئی شکایت نہیں، ہم نے یہ صرف اسی لئے عرض کیا ہے کہ آپ کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ اہل سنت کی مداہنت سے آپ کے دماغ میں یہ سمایا ہوا ہے کہ میری تحریر وتقریر کے مقابلہ میں مخالفین میں سے کسی کو مجال دم زدن نہیں، پس اگر فی الواقع آپ کو یہ خیال ہو اور اہل سنت کی نسبت آپ خیال کرتے ہوں کہ وہ اپنے اصول کو ثابت نہیں کر سکتے تو آپ دیکھ لیجئے ورنہ آپ کو اختیار ہے۔

قولہ :۔ آخر میں بصد نیاز یہ بھی گزارش ہے کہ اگر اس تحریر میں غلطی وسہو ہوا ہو تو بنظر

اصلاح ملاحظہ فرماویں کیونکہ مجھ جیسا جاہل و ناداں ہرگز اس لائق نہیں کہ اس بحث میں جو علمائے
اعلام کا کام ہے کچھ لکھے محض اپنے شفیق دلی کی خاطر سے کچھ لکھا گیا۔

اقول: یہ جو کچھ تحریر ہوا محض تواضع و ہضم نفس پر مبنی ہے ورنہ اپنی تحریر بمقابلہ
خصم ہرگز کوئی شخص اصلاح کے لئے نہیں پیش کرتا۔ اصلاح کے لئے اپنے اساتذہ
کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے پھر جو کچھ ہمارا منصب تھا اس کے موافق ہم نے حکم کی
تعمیل کی اور جو کچھ نظر سرسری میں باتیں قابل اصلاح آئیں بصد ادب عرض کر دی۔

قولہ: یہ بھی عرض ہے کہ اگر کوئی کلمہ ناگوار طبع مبارک لکھا گیا ہو تو عنداللہ معاف
فرماویں، غرض آپ کو یا کسی کو رنج پہنچانے کی ہرگز نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ علیم ہے مگر آپ
جانتے ہیں کہ مباحثۂ مذہبی میں احقاق حق و ابطال باطل کے لئے ایسے الفاظ بولے اور
لکھے جاتے ہیں جو ناگوار طبع مخاطب ہوں۔ والسلام خیر ختام۔ سراپا عیب و شین فرزند
حسین عفی عنہ۔ ۲۷ محرم الحرام۔ مطابق ۷ نومبر ۱۸۸۵ء۔

اقول: یہ جو کچھ تحریر فرمایا محض عنایات و الطاف اور کرم و اخلاق سامی ہے ہر چند
بندہ نے بھی التزام کیا تھا کہ کوئی کلمہ ثقیل جو ناگوار طبع سامی ہو حتی الوسع تحریر نہ کروں گا تاہم
اگر زلت قلم سے کوئی کلمہ جو ناگوار طبع سامی لکھا گیا ہو تو للہ معاف فرماویں کہ میرا قصد بھی ہرگز
رنج رسانی کا نہیں ہے خداوند تعالیٰ مجھ کو اور آپ کو معاف فرماوے اور توفیق خیر کی عطا
کرے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ و
اصحابہ وازواجہ واحبابہ اجمعین

قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ کثیر الخطایا والعصیان کثیر الذنوب والآثام

خلیل احمد

وفقہ اللہ للتزود لغد عند اقامتہ
فی بہاولپور صانہ
اللہ عن الفتن
والشرور

رابع عشر شہر جمادی الاولی ۱۳۰۴ھ الف وثلثمائة واربع من ہجرة سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم

انتباہ

اثنا۔ تحریر رسالہ ہذا میں حضرت مجیب مخاطب کا رسالہ
مکرمی بیرجی عنایت احمد صاحب سلمہ قدوسی گنگوہی
کے ذریعہ سے میرے پاس پہنچا، اس کے دیکھنے سے حضرت
انصاف اور بھی بخوبی معلوم ہو گیا، چونکہ مسائل خلافیہ کی ا
بڑے مسئلہ کی بحث کے ضمن میں بہت سے چھوٹے او
ہے اور یہ رسالہ ہدایت الرشید بھی
کو شامل ہے جو بتفصیل اس میں لکھے گئے ہیں۔ لہذا
بحثوں کے جوابات تو اس رسالہ ہدایات الرشید میں
کی وہ بعض بحثیں جن کا کوئی قریب تعلق اس رسالہ کی بحثو
اس رسالہ میں نہ تھا، ارادہ یہ تھا کہ خاتمہ رسالہ پر حسن المقا
ہدایات میں جواب نہیں لکھا گیا ہے بطور ضمیمہ جواب لک
رسالہ ہذا میں ان کی تردید کی طرف ایما، اور ان کے ضمنی ذ
ختم رسالہ ہدایات معلوم ہوا کہ جامع بین المعقول والمن
حافظ کلام اللہ جناب مولانا مولوی مشتاق احمد ص
قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور نزیل لدھیانہ جو میرے ب
کا جواب جو غالباً مسمی بتحصیل المنال باصلاح حسن الم
لہذا اس خیال سے کہ تحصیل المنال حسن المقال کے ح
سے مغنی ہو گا، اور نیز بجائے خود یہ رسالہ ہدایا
بندہ نے اپنا ارادہ اس کی تردید کی بابت جو بطور ضمیم
حضرت مجیب نے حسن المقال کے خاتمہ پر جو عبرتیں لکھ ک
شہادت دی ہے اس کی نسبت اس قدر گزارش ہے ک
عبرت انگیز واقعات جو اولین و آخرین ان حضرات کو بی
کریں، چنانچہ ابھی مولانا مولوی سید زین العابدین مظا

لبعد جو داہیر بعض اعیان ملتان کے یہاں پیش آیا تقریبا اسی کا نمونہ ہے، جیسا بعض ائمہ رضوان اللہ علیہم کے اعداء کو پیش آچکا ہے۔ لیکن اہل دین و دیانت کے نزدیک واقعات عبرت انگیز عبرت حاصل کرنے کے لئے ہوتے ہیں نہ شماتت کے لئے اس لئے ہم نے اس کو شعبہ نفسانیت سمجھ کر محض خداوند تعالیٰ کے خوف سے ترک کر دیا اور اس پر قلم نہیں اٹھایا۔ سبحٰنک وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر لا الٰہ الا انت۔

تصدیق

از جناب قدسی آیات فیض انتساب قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین عارج معارج اسرار ولایت ناہج مناہج انوار ہدایت آموزگار تلقین و تعلیم مرشد صراط مستقیم پیشوائے اصحاب طریقت مقتدائے ارباب حقیقت گرم رفتار منازل ملت و دین قافلہ سالار مراحل حق الیقین مجاز شناس حقیقت دان خلوت پسند جلوت بیان جرعہ نوش وحدت الوجود والتجرید شیخنا غلام فرید صاحب سلمہ اللہ اللطیف سجادہ نشین چاچڑاں شریف دامت برکاتہٗ۔

یہ کتاب جو مولوی صاحب فاضل کامل مولوی خلیل احمد صاحب نے رد فرقہ ضال مضل شیعہ رافضیہ میں تصنیف فرمائی ہے نہایت مضامین عالیہ سے مملو ہے اور مطابق ملت قدسیہ اہل سنت و جماعت کے ہے۔ میں بعد مطالعہ اس کتاب کے تصدیق کرتا ہوں کہ جو جو مولوی صاحب نے لکھا ہے فی الاصل صحیح اور درست ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

العبد

خاکپائے فقراء غلام فرید چشتی حنفی عفی عنہ بقلم خود

تقریظ دلپذیر و تحریر بے نظیر بصنعتیکہ از ہر فقرہ اش سنہ ۱۳۰۶ ہجری معلی
ہویدا میشود چکیدہ قلم یاقوت رقم ناظم رنگین خیال ناثر عدیم المثال
سیاح بحر نکتہ دانی سیاح اقلیم بیان و معانی اسوۃ الکاتبین مولوی عزیز الدین
صاحب خوشنویس حضور سرکار ابد قرار والی ریاست بہاولپور خلد اللہ ملکہ۔

۱۳۰۶
هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَنِيُّ الْمَاجِدُ

حبذا کہ این کتاب کمال — بافضل قادر بیهمال
ولعنایت عامہ سید الانام وصاحب الحسام والقلم — وبعزت چہار یار وآل امجاد اہل جود وکرم
چہ کتابیکہ ہر حرفش مؤدب — وچہ کلامیکہ معانی او مفصل ومهذب
پُر از مدح وخوبی چہار یار — در توصیف آلِ مبارک واطہار
از ہر نقطۂ او مہر بر دلِ شیعیان — یا ہر الفِ او تیر در دلِ حاسدان
بجہت امامیہ تیر عقیدہ — وخوارج از زجر رنجیدہ
پی رافضیان ناوک حزین — بلکہ تفنگ درد از مہر سرِ بے دین
منشورِ شہادت — با توفیقِ رحمانیت
زیب دہ مجلس عالمانِ ذوی العقول — وتیرگی افزای دل کافہ حاسدان نامعقول
باطل ساز تکبیر مذہب ناحق — الحق مشاہدہ قدرتِ حق
تیر ادب بجگر دشمنانِ ادب — در سینہ بدمنش حسام تعب
دران رد اہل التشیع — بمدارج خوب دبی تشنیع
جا بجا عبارتش فصیح بوجہ احسن — وبخصم مجیب زہی جواب دندان شکن
داغِ دلِ اہل نفاق — گلزارِ معانی اہلِ مذاق
کلیدِ خیالاتِ عقل — مبسوط از ثقاتِ نقل
روایات او مستند از کتب امامیہ — پیرا زیب دہ انجمن مقلدان مذہب حنفیہ
جہان آرای نسخہ رنگین — نکتہ نادر وشیرین
منشورِ سخن — رفع بدظن
سبحان اللہ چہ کلامیست بے بدل کہ از دیدہ و شنیدہ — ونام نامی آن کلام ہدایات الرشید

از تالیفِ منیف عالم صحیفہ ربانی
رکن و حامی دینِ خدا و رسول
وحید الدہر شریعت پناہ
قاری باادب و حاجی حرمین شریفین
سلالہ فقہای مبارک خصال
جناب قدس مآب مولانا مولوی خلیل احمد صاحب
حسب ارشاد و امداد جناب معلی القاب قدسی نژاد والا نژاد
منہلِ خاندانِ سیادت
منبع فیض ندیم سلطان
اخلاص کیش و محسنِ من
زہی فرمان بر چار یار رسول
سید غلام مرتضی شاہ صاحب بی ریب و شک مظہر جود
زیادہ جزاہ اللہ فی الدارین خیرا
بمطبع قدوسی طراز طبع گرفتہ
حلیہ اتمام پوشیدہ دلپسند دل دانا گردید
التماس بجناب والا طبعان ستودہ آئین
واحقر العباد نیاز آگین عزیز الدین عفی عنہ میرود
اگر بنگهی خطای و عیبی فہم نمایند

امام ائمہ و حافظِ
راست گو عالمِ معـ
مستند و طریـ
مقبول و معزز سخ
وسید المحدثین سـ
عالمِ اہلِ دین دام بالفیـ
قدوہ دودمان نبی وزبدہ خا
ثمرۂ دودمان سخ
افضل الناس سببِ
مرادِ جہان و فیض
وخہی آن مطیع آل
شکر او کی از لک ہیچ وجـ
واز قصور وریب المنون
وزسعی بجد عبد القد
در دیدۂ احباب لیقین
لبعد عجز وبہزار نیاز از نیا
کہ باین چنین سیاق طرز ک
ازراہ والا منشی و آگرد

ے اس فقرہ میں تعمیہ ہے۔

وله قطعه تاریخ که از هر چار مصرعش چهار سنه جدا جدا پیدا میشود

بفضل الله کاین نسخه کام جان | شده تم بالخیر بی طعن ریب
عیسو ۸۹ ۱۸ ہے | بکر ۴۵ ۱۹ ہے
زهر چار مصرع سنش بین جدا | زهی طبع شد نسخه بی نیل عیب
فصـ ۹۶ ۱۲ ـلے | ہجو ۶ ۰ ۱۳ ہے

وله قطعه تاریخ بصنعت زُبُر و بیّنات

حضرت مولوی خلیل احمد | کرد تصنیف این رسالهٔ نو
هر چه گفت او بمذهب اسلام | برخلاف عدو ز کتب عدد
گشت ز و چاک سینهٔ حاسد | کر نگیرد بهیچ رشته رفو
سال تاریخ او چو می جستم | آمد از غیب این ندای نکو
ای عزیز از بیّنات و زُبُر | بجواب کتاب شیعه گو

جدول استخراج تاریخ از زبر و بینات														
اعداد زبر و بینات	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	سنہ ۱۳۰۶ ہجری
بینات	—	[illegible]	[illegible]	[illegible]	—	[illegible]	—	[illegible]	—	[illegible]	—	[illegible]	—	
حروف زبر	[illegible]	[illegible]	[illegible]	—	[illegible]	[illegible]	[illegible]	—	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
نام حروف	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	

قطعه تاریخ ریخته کلک گوهر سلک مولوی فیروز دین صاحب خلف الرشید مولانا مولوی غلام علی صاحب مغفور تلمیذ و خواهرزاده مولوی عزیز الدین صاحب خوشنویس موصوف ساکن گوجرانواله حال ملازم سرکار فیضمدار والی بهاولپور دام اقبالہم

حضرت مولوی خلیل احمد هم | فاضل و هم حافظ و عالم ادیب | حامی دین حاجی بیت الحرم | ماحی شرک ست و بدعت را حبیب
حاوی معقول و محدث فقیہ | جامع منقول و معتبر لبیب | از پی تردید دلیل مجیب | کرد چه تصنیف کتاب عجیب
صاف کن باطن اہل حسد | نور دیده دیده صاحب نصیب | فکر چو فیروز نمود و لیبی | از پی تاریخ بطرز غریب
| | داد باو ہاتف غیب این ندا | سر مه پی دیده فاضل مجیب (۱۳۰۶) |

ایضاً اردو

استادِ زمان خلیلِ احمد | تصنیف جو کی کتاب نادر
سال اس کا سروش نے بتایا | کہہ خوب چھپی کتاب نادر (۱۳۰۶)

تقریظ للحبر النحریر المتبحر وحید العصر فرید الدهر عمدة السالکین اقوم المسالک المولوی عبد المالک صاحب خلف الرشید المولانا المولوی محمد عالم صاحب ساکن قریہ کھوئی قریة من قری گجرات فنجاب مدرس مدرسة العلوم بہاولپور صانه الله تعالی عن الشر والفتور۔

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی لا ند یدله ولا ضد یدله والنعم علینا بکتابه المبین المجید المبشر بالوعد والمنذر بالوعید وارسل خلیله الاحمد وحبیبه المحمد المحمود الحمید بالبراهین القاطعة والحجج الساطعة هدی لکل شقی وسعید وبعد ففی هذا الزمان قد شاعت اقوال بعض اهل البطلان من اهل التشیع بالتشنیع علینا واجلبوا بخیلهم ورجلهم علینا الا قذعوا الاصحاب قذعا واندفعوا عن الحق لذعا وصار کلامهم هذرا ولسانهم هذرا حتی ذاع طعنهم فی الغبایة وشاع ظعنهم الی الغوایة فامر من امره حکم وطاعته غنم للامام الهمام والعالم الطمطام والفاضل القمقام جامع العلوم النقلیه وحاوی الفنون العقلیه مولانا المحدث الفقیه الادیب وحضرتنا الحافظ الحاج الادیب المولوی خلیل احمد المکنی بابی ابراهیم لا زالت شموس فیوضه بازغة لفضل الله الرحمن الرحیم بتحریر جوابهم وازالة شکهم وارتیابهم حتی قام فی امتثال امره کالرئیس بالعزم الرسیس مع ان اوقاته الشریفة کانت مشتغلة بالتدریس فادحض حججهم باقوالهم ورد براهینهم بمقالهم لعمری هذا کتاب ما صنف مثله احد وقد اصلح به ما فسد فهذه تذکرة لمن یخشی فمن شاء اتخذ الی ربه سبیلا وقد هتف الهاتف بحسن الخطاب وقال بحضرته اصبت خیرا مؤرخا له ختام للکتاب (۱۳۰۴) لما شفی برهانه مغلولین عن الغلة واشتفی قلب الحساد المعتل به من علة وجدت تاریخ انطباع هدایات الرشید من کتاب۔

تاریخ منظوم

اللّٰہ المبین المجید لا زالت تعمنا تائیداتہ

کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ

کتابٌ کریمٌ برد الروافض — کسیفٍ قضیبٍ مزیم الفتن
کتاب مجید ہدی للانام — مفید بشیرٍ لاہلِ الفطن
لعلامۃ الفاضل الیلمعی — خلیل النبی فرید الزمن
نصیح بلیغ ادیب اریب — شریف باخلاقہ ذوالمنن
ہو الحافظ الاکمل اللوذعی — کشمسِ الضحٰی فی سماء الفطن
وقد رد اقوال خصمٍ جمیعًا — بنوعٍ عجیب ووجہٍ احسن
قد احتج فیہ بنصٍ صریح — فمن یرتغب عن نصوص کمن
یدع الرشاد ویدعو الضلال — ولیسعی لجہل ویلقی الغبن
باخذ رحق معانی الکتاب — کازہار ورد باعلی الفنن
ویا طالب الحق انظر الیہ — دع الجہل ثم الونی والوہن
سیشفیک من کل داء الشکوک — کاکل العقاقیر یشفی البدن
وینہاک عن کل فحشٍ ومنکرٍ — ویہدیک حقا ویقضی الشجن

ایضاً — بتاریخ قال عبد الملک ـ کتاب الخلیل مجید واحسن [۱۳۰۶] — فارسی

جناب مولوی صاحب مکرم — ادیب فاضل و مقبول و زاہد
مرتب کرد در ردِ روافض — کتابی را بہ برہان و شواہد
چو تحریرش بعالم گشت رائج — متاع خصم او گردید کاسد
زہی تاریخ طبعش گفت ہاتف

خلیل احمد کہ او را نسبت ثانی — باخلاق و باوصاف و محامد
حروفش جملہ در سلک سطورش — درخشان است چون لعل و فراید
مخالف ہر چہ ما بست الزام — نمودہ بر مخالف جملہ عاید
ہدایات الرشید از مہر عاقد ۱۳۰۶

قطعہ تاریخ از طبع وقاد و ذہن نقاد عالم اکمل و فاضل
سید محمد زمان شاہ صاحب قصوری وخیر پوری متخلص

جناب مولوی صاحب معظم — شفیق و
وحید العصر ہیں علم و شرف میں — فضیلت
جواب اس میں عجیب دندان شکن ہیں — کہ شیعہ طع
جزاہ اللّٰہ فی الدارین خیرا — کہ ممنون
غنیمت ہے وجود ان کا جہان میں — وجود ان
ہدایات الرشید ان کا رسالہ — بہت عمد
برائے دوستاں ہے مثل گل کی — بمثل خار
نیازی نے لکھا ہے بہجت کی رو سے — کلام دا

تقریظ منظوم کتاب مستطاب منجانب معصیت ملبوس حا
غفر اللّٰہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ ـ مالک مطبع قدو

زبانِ خامہ وقف حمد حق ہے — مگر ہیبت
مدادِ تیریں کو ہے روانی — ہوئی جاتی
کنوؤں کی اس کے ڈر سے چشم تر ہے — چمن میں
بہے جاتے ہیں دریا ہو کے پانی — سمندر
اسے یکساں ہے قربت ہو کہ دوری — برابر ہے
اسی کے ڈر سے کاہیدہ ہوا کاہ — ہوا چینی
وہ دیکھو دھوپ پر چھائی ہے زردی — بگولے کر
پہنچ کر مہاڑ میں کہتا ہے دانہ — الٰہی مجھ
سمٹ کر تل بنا رخسار کا خال — رخ گلگو
نفس بھی دم بدم زیر و زبر ہے — کمر باندھے
اسی کے حکم بس چلتے ہیں تارے — حباب اس

زمین و آسماں سب اس کے منقاد
ملک جن و بشر حور و پری زاد

طبیعت ہے جو اس مضمون کی حامی
مجھے یاد آ گئے دو شعر جامی

زبامِ آسمان تا مرکزِ خاک
اگر صد دہ بپاے وہم و ادراک

فرود آیند یا بالا شتابند
زحکمش ذرۂ بیرون نیابند

سحابِ رزق اس کا سب پہ برسا
نہ ترسا تک کبھی روٹی کو ترسا

جحیم و خلد اس کے ہات میں ہے
سکت اللہ ہی کی ذات میں ہے

خدا کی کبریائی کی نہیں تھا
وہی ہو گا وہی ہے اور وہی تھا

ادا قدسی نے کی کچھ حمد باری
تو اب نعتِ نبی کی آئی باری

ہوا ہے نعت کا یہ کس کے آہنگ
کہ ہے طرزِ بیان کا اور ہی رنگ

طبیعت خود بخود ہے کس کی جویاں
سمندِ فکر کیوں ہوتا ہے پویان

مگر ذکر شہ ختم رسل ہے
شروع سنت ہادی سبل ہے

محمد ابن عبداللہ کیا ہیں
رسول اللہ و ختم الانبیا ہیں

وہ ہیں اقلیم معنی کے شہنشاہ
صراطِ مستقیم ان کی گزرگاہ

وہ سبحان الذی اسریٰ کا سر ہیں
وہ شافع ہیں شفاعت پر مصر ہیں

وہی ہیں مصدرِ امر و نواہی
وہی بے شک ہیں محبوب الٰہی

وہی احمد وہی محمود بھی ہیں
وہی حامد وہی مسعود بھی ہیں

وہی تکوین عالم کا سبب ہیں
وہی تخلیق آدم کا سبب ہیں

انہیں سے رونق کون و مکان ہے
انہیں سے عزت ہر دو جہان ہے

فلک پر تا ہو مہ دریا میں ماہی
درود ان پر سلام ان پر الٰہی

سبب اس کے بعد یہ مقصود خامہ
کہ ہووے منقبت بھی درج نامہ

کیا ہے اہل حق نے اس کو تحقیق
کہ ہیں بعد نبی ابو بکر صدیق

وہ پہلے جانشین مصطفیٰ ہیں
وہ کانِ صدق ہیں کانِ صفا ہیں

وہ یارِ غار ختم المرسلین ہیں
وہی مصداق آیات مبین ہیں

جو ثانی ہیں وہ لاثانی عمر ہیں
رسول حق کا بازو ہیں کمر ہیں

ہیں آنحضرت کے وہ دوسرے خلیفہ
رہی دور ان سے یہ دنیا کی سیفہ

بنائیں مسجدیں ڈھا ڈھا کے گرجا
کلیسا سے کیا قبلہ کو پھر جا

لگائے کافروں کے زخم کاری
کیا اسلام کو عالم میں جاری

ہیں عثمان مصدرِ شرم و حیا واہ
وہ شوہر بنت پیغمبر ہیں واللہ

وہ ذی النورین کہلائیں نہ کیوں کر
کر دیں جن کو نبی دو اپنی دختر

کھلا ان سے نہ باب فتنہ ہرگز
نہیں لائے وہ تاب فتنہ ہرگز

وہ تھے بس نیک خو اور نیک عادت
ملی انجام میں ان کو شہادت

علی مرتضیٰ ہیں بعد ان کے
ہیں پیر و اولیائے سعد جن کے

خلافت میں اگرچہ ہیں وہ چوتھے
اسی شمع ہدیٰ کے پردہ لو تھے

ہوں تیری رحمتیں چاروں پہ یا رب
رسول اللہ کے یاروں پہ یا رب

ہوا جب آ کے اک شیعہ مقابل
تو ہم میں سے بھی اٹھا ایک قابل

وہ قابل کیا ہیں کامل ہیں اجل ہیں
وحید دہر شان علم بزل ہیں

حدیث و فقہ و تفسیر ان کے دل میں
علوم و فضل ان کے آب و گل میں

انھیں حاصل ہے وہ معقول و منقول
کہ دشمن آن کر ہوتے ہیں معقول

وہ حافظ ہیں وہ حاجی ہیں ولی ہیں
وہ گلزار فضائل کی کلی ہیں

خلیل احمد ہے ان کا نام نامی
رہیں دارین میں یا رب گرامی

بڑے ہی خاکسار اور متقی ہیں
خلیل حق ہیں ثانی تقی ہیں

ہے ایسا مذہب حق کا انھیں جوش
کیا دم میں چراغ خصم خاموش

وہ ہوں کاغذ ہو نیزہ کا قلم ہو
تو دم میں گردن طغیان قلم ہو

وہ کرتے ہیں حریفوں کو دو پارہ
سر اعدا کا لیتے ہیں اجارہ

ہے افحام العنید ایسا رسالہ
کہ جس نے اشقیا کو مار ڈالا

دلائل اور براہین سے ہے لبریز
یہ کوڑا ہے پئے ہر فتنہ انگیز

یہ اس کے نام اب بھیجا ہے مکتوب
کہ ہے جس قوم کو دشنام مرغوب

جو مقبولوں پہ کرتے ہیں تبرا
ہے سب و شتم جس کا روز مرہ

جو ہے مصروف و محو بت پرستی
ہے جس کے گھر میں جنس شرک سستی

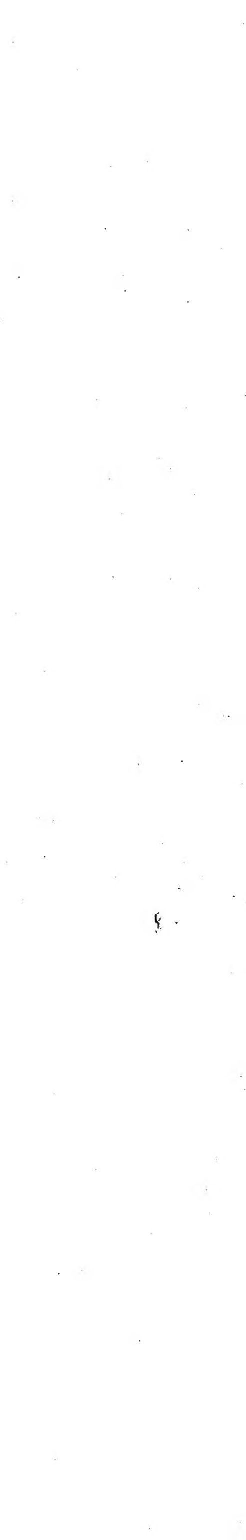
بناتی ہے محرم میں جو سہرا
کیا جس نے عقیدہ اپنا بھدا

وہ صاحب جن میں رائج ہے تقیہ
ہے جن کا روز و شب طرف ملامت
بیان کرتے ہیں ہم اُس کے لطیفے
رہنما دائمی ہیں وہ بارہ
ہوا گویا کلام اللہ بیکار
ہے نقش شک جن کے دل پہ کندہ
دکھائی مولوی نے ان کو دلی
لکھے جب یہاں ہم بات حقیقی
ہے الزامی جوابوں کا عجب رنگ
غرض جو کچھ لکھا اچھا لکھا ہے
یہ نسخہ ہو دست سب شیعوں کا ہادی
ہوا قدسی کو فکر سال پیدا
مخالف آ گیا مجھ کو نظر اب
ذرا آنکھیں ملا کر بات کیجئے
ہو چکی سال [illegible] منایاں
۱۱۸
عدد ہیں اسبع [illegible] و مخذول
قیامت میں شفاعت کا ذریعہ

ہے متعہ جن کے فعلوں کا بقیہ
ہے گالی جن کے مذہب کی علامت
کہ اترے تھے اماموں پر صحیفے
جدا قرآن سے ہے ہر اک کا پارہ
اترتے کیوں صحیفے ورنہ ہر بار
کرے ہے طفل جن پیروں پہ خندہ
کہ چھوڑیں کچھ تو عادات جبلی
نگیں ہوں جوں انگوٹھی پر عقیقی
عدو ہو جائیں گے پڑھ کر انہیں دنگ
کہ ہر ہر حرف دُرّ بے بہا ہے
ہو اس کی دین دنیا میں منادی
کہ ہے ہدایت سے ان باتوں کا شیدا
تو میں کہتا ہوں اس سے بے خطر اب
۱۳۰۶
خلیل احمد نے دی ہے مات لیجئے
کہ تھا ان کا بھی کہنا مجھ کو شایاں
۱۸ ۹۸
پڑی بیخ رفض پر یہ سیف مسلول
لکھی قدسی نے کیا دلچسپ تاریخ

ایضاً قطعہ تاریخ
۱۳۰۵ھ

ہوا فی م العنید اللہ میرے — قیامت میں شفاعت کا ذریعہ
لکھی قدسی نے کیا دلچسپ تاریخ — شکستیں پا کے اب بھاگا ہے شیعہ



عدول عن الحقیقۃ جب تک حقیقت متعذر نہ ہو اور قرینہ صارفہ عن الحقیقۃ قائم نہ ہو اس وقت تک معنی مجازی صحیح نہیں ہو سکتے۔ ما نحن فیہ میں ہرگز معنی حقیقی متعذر نہیں بلکہ معنی مجازی متعذر ہیں۔ چنانچہ ہم عنقریب بیان کریں گے اور قرینہ صارفہ عن الحقیقۃ بھی مفقود ہے کوئی قرینہ لفظی یا عقلی ایسا نہیں ہے جو حمل علی الحقیقۃ سے مانع ہو بلکہ صریح قرائن حمل علی الحقیقت کو مستلزم ہو رہی ہیں چنانچہ علت تزویج خلافت بیان کرنا اور بعد انتقال فاروق کے محمد بن جعفر کے ساتھ عقد واقع ہونا، عدم کفائت کا ہونا حضرت کے فعل کے ساتھ کہ آپ نے اپنی دختر مطہرہ ذی النورین کو دی تھی مماثلت بیان کرنا ہاشمیہ ہونا۔ یہ سب قرائن مستلزم اس کو ہیں کہ یہ ام کلثوم جناب امیر کی صلبی دختر تھیں اور بنت صدیق جو آپ کی ربیبہ تھیں نہیں تھی۔ [illegible] اس تاویل و تسویل کے گھڑنے اور تراشنے میں [illegible] کو یہ بھی نہ سوجھا کہ اتنا سمجھیں کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت صدیق سے ممکن ہے یا نہیں اور تاریخ ولادت دونوں ام کلثوم بنت علی مرتضیٰ اور ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق کو دیکھیں۔ سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد [illegible] عقد [illegible] اور حضرات کی سی توجیہ [illegible] کرتے ہیں اور [illegible] آپ چاہئے کہ [illegible] تراشنے کی فکر فرمائیں [illegible] صحیح ہو کہ یہ نکاح [illegible] ام کلثوم بنت صدیق سے ممکن نہیں کیونکہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی اس وقت تک ام کلثوم پیدا نہیں ہوئی تھی [illegible] فاروق میں پیدا ہوئی چنانچہ [illegible] تحریر فرماتے ہیں۔

ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق توفی ابوھا [illegible] | ام کلثوم [illegible] صدیق [illegible]
[illegible] | [illegible] پہلے پیدا ہوئی ہے

[illegible]

ولدت قبل وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے پیدا ہوئی۔

تو متعین و متحقق ہوا کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت فاطمہؓ سے ہوا اور ہمارے فاضل مجیب کا دعویٰ کہ یہ نکاح ام کلثوم بنت صدیق سے ہوا باطل ہو گیا۔

ہمت السعدا کی روایت کی تغلیط

پھر ہمارے فاضل مخاطب نے ایک روایت ایک مجہول الاسم والمسمیٰ کتاب ہمت السعدا سے جو یہ لکھی کہ وہ ام کلثوم کہ جس کے ساتھ عقد نکاح فاروق ہوا وہ بنت صدیق تھی محض کذب اور سراسر غلط ہے اگر بالفرض اس کتاب میں ہم اس عبارت کو صحیح تسلیم کر لیں اور الحاق نہ کہیں تو مقابلہ ان روایات کے جو کتب معتبرہ مشہورہ فریقین سے نقل کی گئیں اس کو غلط کہا جائے گا [illegible] کذب و دروغ ہونے پر [illegible] یہ ہے کہ اس روایت میں لکھا ہے [illegible] ابوبکر [illegible] عبد الرحمن [illegible] ام کلثوم [illegible] عبد الرحمن بن ابی بکر ہرگز [illegible] بنت عمیس [illegible] محمد بن ابی بکر [illegible] بنت عمیس کے بطن سے [illegible] عبد الرحمن [illegible]

[illegible]